کُلیاتِ نظیر



شائع کردہ تیج کمار بک ڈپو مطبع منشی نولکشور پریس لکھنؤ

قیمت عہ

۱۹۵۱ء

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً وَاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

کُلّیاتِ نظیر

یعنی

میاں نظیر اکبرآبادی کی بہت سی نادر و نایاب اور غیر مطبوعہ اُردو فارسی غزلیات اور
نظموں پر مشتمل جملہ انواع و اقسام کا سب سے بڑا اور قیمتی مجموعہ

جسکو

مولانا عبد الباری صاحب آسی مرحوم نے مرتب و مدوّن کیا اور ہند کے مشہور انشا پرداز
مولانا عبد المومن صاحب فاروقی نے اسپر ایک زبردست ادبی و تاریخی
مقدمہ و تبصرہ لکھ کر پایۂ تکمیل کو پہونچایا

باہتمام بابو بنا لال سپرنٹنڈنٹ

مطبع تیج کمار وارث نول کشور پریس لکھنؤ میں چھپکر شائع ہوا

گیارھواں اڈیشن — جون ۱۹۵۱ء — قیمت ۶/۸

قطعۂ تاریخِ طبع

از حضرت شفیق صدیقی جونپوری

کیا ندرت آفریں یہ کلامِ نظیرؔ ہے
ایک ایک نقطہ غیرتِ ماہِ منیر ہے
نظموں میں زندگی پہ ہے تنقید کی مثال
دلکش کلام، طرزِ بیان دلپذیر ہے

لکھ عیسوی میں طبع کی تاریخ اے شفیقؔ
درسِ حیات ہے کہ پیامِ نظیرؔ ہے

۱۹۵۱ء

نظیر کی قلمی تصویر

سرورق پر نظیر کا جو فوٹو دیا گیا ہے اُسے کسی زمانے میں ہمارے نولکشور پریس نے تیار کرایا تھا، یہ فوٹو اُن کے عہد جوانی کا ہے بڑھاپے کی تصویر سے اُسے دور کی بھی کوئی نسبت نہیں معلوم ہوتی خود نظیر نے اپنے بڑھاپے میں اپنا حلیہ یہ بیان کیا ہے۔

سست روش، پست قد، سانولا، ہندی نژاد
تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق میاں
ماتھے پہ اک خال تھا چھوٹا سا مسّے کے طور
تھا وہ پڑا آنکھ اور ابرو کے درمیاں
وضع سبک اسکی تھی پستہ نہ رکھتا تھا ریش
مونچھیں تھیں اور کانوں پر پٹے بھی تھے پنبہ سیاں
پیری میں تھی جس طرح اس کو دل افسردگی
ویسی ہی تھی اُن دنوں جن دنوں میں تھا جواں

پروفیسر شہباز نے نثر میں نظیر کی جو تصویر کھینچی ہے وہ بھی اسی دور کی یادگار معلوم ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں۔

"رنگ گندم گوں، قد متوسط، پیشانی بلند اور چوڑی، آنکھیں چمکدار، ناک بلند، داڑھی خشخشی مونچھیں بڑی، لباس وہی جو محمد شاہ رنگیلے کے زمانے میں دہلی کے اندر رائج تھا یعنی کھڑکی دار پگڑی، بگاڑمے کا انگرکھا سیدھا پردہ نئی چولی، اُس کے نیچے کرتا، ایک برکا پاجامہ، گھیتلی جوتی، ہاتھ میں خام دار چھڑی، اونگلیوں میں فیروزے اور عقیق کی انگوٹھیاں" غرض جوانی کا فوٹو اور بڑھاپے کا اصلی حلیہ دونوں قارئین کلیات کے سامنے پیش ہیں۔

فہرست مضامین کلیات نظیر

نمبر شمار	مندرجات		صفحہ
نظمیات	[redacted]		
〃	عاشقوں کی سرسبزی	(متفرق نظم)	۵۸۶-۵۸۸
〃	مستی عشق	〃	۵۸۸-۵۸۹
〃	مذمت دنیا	(بسلسلہ تعلیم و اخلاق)	۵۹۰-۵۹۲
〃	مکافات عمل	〃	۵۹۲-۵۹۷
〃	دنیا دارالمکافات ہے	〃	۵۹۷-۵۹۹
〃	دُنیا	〃	۵۹۹-۶۰۳
〃	دنیا میں سب دم کا تماشا ہے	〃	۶۰۳-۶۰۵
〃	مذمت اہل دنیا	〃	۶۰۵-۶۰۷
〃	دنیا	〃	۶۰۷-۶۰۸
〃	مذمت بخل	〃	۶۰۸-۶۱۱
〃	تن کا جھونپڑا	〃	۶۱۱-۶۱۲
〃	توکل و ترک و تجرید	〃	۶۱۲-۶۱۵
〃	توکل	〃	۶۱۵-۶۱۷
〃	ترک و تجرید	〃	۶۱۷-۶۱۹
〃	تلقین توحید	〃	۶۱۹-۶۲۲
〃	تسلیم و رضا	〃	۶۲۲-۶۲۵
〃	دم خلیفت ہے	〃	۶۲۵-۶۲۶
〃	تلقین ریاضت	〃	۶۲۷-۶۲۸
〃	وجد و حال	〃	۶۲۸-۶۲۹

پیش لفظ

غالباً ۱۹۲۶ء کا واقعہ ہے ایکدن صبح کے سامنے سے ایک سائل حسب ذیل اشعار پڑھکر بھیک مانگتا سنائی دیا تھا۔

دولت جو ترے پاس ہے رکھ یاد تو یہ بات ۔۔۔ کھا تو بھی اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
دینے سے اسی کے ترا اونچا رہے پھر ہات ۔۔۔ اور یاں بھی تری گذریگی سو عیش سے اوقات
اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلائے گی بابا!

داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی ۔۔۔ چڑھتی ہے پہاڑوں پہ سدا ناؤ سخی کی
اور تو نے بخیلی سے اگر جمع اسے کی ۔۔۔ تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی
خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبوائے گی بابا!

یہ تو نہ کسی پاس رہی ہے نہ رہے گی ۔۔۔ جو اور سے کرتی رہی وہ تجھ سے کرے گی
کچھ شک نہیں اس میں جو بڑھی ہے سو گھٹے گی ۔۔۔ جبتک تو جیئے گا تجھے یہ چین نہ دے گی
اور مرتے ہوئے پر یہ غضب لائے گی بابا!

خدا جانے سائل کی پاٹ دار آواز کا یہ اثر تھا یا قادرانہ منظر کشی کا وقت کی لہروں سے ہم آہنگ ہو جانے کا کرشمہ تھا کہ جتنے لوگ اس وقت بیٹھے ہوئے تھے سب ایکدم گوش بر آواز ہو گئے۔ پارے کی طرح ہر ایک کا دل سینے میں مچل رہا تھا کہ سائل سے پوری نظم کس طرح سنی جائے، اور وہ تھا کہ جس دروازے پر بھی پہونچتا بس یہی دو تین بند پڑھتا اور بھیک لیکر آگے بڑھتا چلا جارہا تھا، بہرحال دلوں کی بار بار دستک نے اُسے قریب لا کے کھڑا کر دیا اور پُر کیف اصرار کے بعد یہ بند اُس نے اور سنائے۔

تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرے گا ۔۔۔ ہے یہ تو یقین آخرش ایک دن تو مرے گا

پھر بعد ترے اس پہ جو کوئی ہاتھ دھرے گا۔۔ وہ ناچ، مزا دیکھے گا اور عیش کرے گا
اور روح تری قبر میں چلائے گی بابا

اس کے تو وہاں ڈھولک و مردنگ بجے گی اور روح تری قبر میں حسرت سے جلے گی
وہ کھاوے گا اور ترے تئیں آگ لگے گی تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑے گی
ایسا یہ تجھے گور میں تڑپائے گی بابا

کہتا ہے نظیرؔ اب جو یہ باتیں تجھے ہر آن گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹ تو مت جان
ٹک غور سے کر گنج پہ قاروں کے ذرا دھیان جیسا ہی اسے اس نے کیا خوب پریشان
ویسا ہی مزا تجھ کو بھی دکھلائے گی بابا

یوں تو میں نظیرؔ کے کلام کو اس سے پہلے بھی بارہا پڑھ چکا تھا، خوب جانتا تھا کہ اس کا دنیائے شعر و ادب میں کیا رتبہ ہے، مگر اس نظم کو سننے کے بعد ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آج نظیرؔ اور اس کے کلام سے پہلی بار آشنا ہو رہا ہوں۔

دوسرا منظر ۱۹۳۲ء میں مرحوم دوست مولوی یونس حسن صاحب عثمانی پرنسپل ٹیچر شعیب محمدیہ ہائی اسکول کی دعوت پر آگرہ جانے کا اتفاق ہوا تو آگرہ فورٹ پر اترتے ہی بالکل اس طرح جیسے کسی نے ایک دم سوا سو برس ادھر کی تاریخ کے دھندلے مورچے پر لیجا کے کھڑا کر دیا ہو نظیرؔ کی پوری کتاب زندگی سامنے آکے کھل گئی۔ وہ انکی سادہ خوش صورت، پنڈ تانہ وضع بنائے گھڑیا پر چڑھ کر روزانہ تاج گنج سے روملی خاں کے اجڑے کھنڈروں کو پار کرکے قلعے کے نیچے شاہی محل اور جمنا کی سیر کو آنا اور ترپلیا میں گھڑیا کو چھوڑ کر شہر کے گلی کوچوں میں دو طرفہ چھوٹے بڑے بوڑھے جوان، امیر و غریب، عورت و مرد ہر کسی سے کھل مل کر باتیں کرنا، لوگوں کا فرمائشیں کرنا اور ہنسی مذاق کی باتیں ہونا اور انکا وہ تمام فرمائشیں پوری کرکے دلچسپی لیتے جانا غرض آن کی آن میں یہ سب مناظر ایک ایک کر کے سامنے آئے اور گذر گئے، اسی تصور کی اور مسلسل جنبش خیال کا یہ نتیجہ تھا کہ آگرے میں اس مرتبہ جتنے دنوں قیام رہا زیادہ تر شعر و سخن ہی سے واسطہ پڑتا رہا، سیماب اکبر آبادی صاحب سے جو اب پاکستان جاکر رفیق اعلیٰ سے جا ملے ہیں اسی سفر میں پہلی ملاقات

ہوئی تھی، اُن سے بھی ایک دن کئی گھنٹے تک نظیر اور محض نظیر ہی کے متعلق تبادلۂ خیال ہوا کیا، وہ نظیر کے متعلق کچھ زیادہ اچھے خیالات نہیں رکھتے تھے پھر بھی میرے دل میں اُنکی ہمہ گیری کا نقش کبھی ہلکا نہیں پڑا۔

یونس صاحب مرحوم نے میری اسی وقتی دلچسپی ہی کے پیش نظر ایک دن شعیبیہ اسکول کے چند اساتذہ اور نظموں اور غزلوں کے اچھے پڑھنے والے کئی لڑکوں کو اپنے یہاں جمع بھی کیا تھا، نام تو یاد نہیں رہا سانولے سانولے رنگ کا ایک نوجوان لڑکا تھا جس کا تعارف غالباً انھوں نے یہی کہہ کر کرایا تھا کہ اسے نظیر کا کلام بہت یاد ہے اور اسکے والد کے پاس اُن کا غیر مطبوعہ کلام کافی محفوظ ہے چنانچہ میری فرمائش پر مسلسل کئی گھنٹے تک وہ نظیر کا غیر مطبوعہ مرصع کلام سناتا رہا منجملہ اس کے "پری کا سراپا" والی مخمس بھی مجھے اسی نے سنائی تھی جو اب چھپ گئی ہے اور اس کلیات میں شریک اشاعت بھی ہے، الفاظ کی تراش خراش، مضمون کی جدت وندرت اور حسن ناز وضع کے اترتے چڑھتے الفاظ کی بہتات پر پڑھنے والے کا اچھی آواز اور اچھے انداز میں ادا کرے جانا سب پر ایک رنگ ہی تو چھا گیا، آپ ابھی ملاحظہ کیجئے کتنی مرصع اور پختہ زبان استعمال کی گئی ہے۔

خونریز کرشمہ، ناز و ستم، غمزوں کی جھکاوٹ ویسی ہی   مژگاں کی سناں نظروں کی انی، ابرو کی کھچاوٹ ویسی ہی
عیار نظر، مکار ادا، تیوری کی چڑھاوٹ ویسی ہے   قتال نگہ اور دشت غضب، آنکھوں کی لگاوٹ ویسی ہی
پلکوں کی جھپک، پتلی کی پھرت، سرمے کی گھلاوٹ ویسی ہے

جو کافر اسکا عالم ہے، وہ عالم حور کہاں پاوے   گر پردہ منہ سے دور کرے خورشید کو چکر آجاوے
جب ایسا حسن بھبھوکا ہو دل تاب بھلا پھر کیا لاوے   وہ مکھڑا چاند کا ٹکڑا سا جو دیکھ پری کو غش آوے
گالوں کی دمک، چوٹی کی جھمک، رنگوں کی کھلاوٹ ویسی ہی

تھی زور ادا سے سر او پر سنجاف دوپٹے کی اُلٹی   بلدار لٹیں، تصویر جبیں، چکٹی سی منڈھی، بیچی کنگھی
دل پیچ نہ کھاوے اب کیونکر اور دیکھ نہ اُلجھے کیسے جی   وہ رات اندھیری بالوں کی وہ مانگ چمکتی بجلی سی
زلفوں کی کھلت، پٹی کی جمت، چوٹی کی گندھاوٹ ویسی ہی

بیدرد، ستمگر، بے پروا، چنچل، بیکل، چٹکیلی سی
دل سخت قیامت پتھر سا اور باتیں نرم رسیلی سی
تیوروں کی بان نکیلی سی، کاجل کی آن کٹیلی سی
وہ آنکھیں مست نشیلی سی، کچھ کالی سی، کچھ پیلی سی
چتون کی دغا، نظروں کی کپٹ، سینوں کی لڑاوٹ ویسی ہی

اس کافر مینی اور نتھ کے انداز قیامت شان بھری
اور گھرے چاہ زنخداں میں سو آفت کے طوفان بھری
وہ نتھ صاف ستارہ سے اور موتی سے دامان بھری
وہ کان جواہر کان بھرے کن پھولوں والی جان بھری
بندوں کی ہلت، جھمکوں کی جھلک، بالی کی ہلاوٹ ویسی ہی

چہرہ پہ حسن کی گرمی کے ہر آن جھلکتے موتی سے
خوش رنگ پسینے کے قطرے سو بار جھلکتے موتی سے
ہنسنے کی ادا میں پھول جھڑیں، باتوں میں ٹپکتے موتی سے
وہ پتلے پتلے ہونٹ غضب وہ دانت چمکتے موتی سے
پانوں کی رنگاوٹ قہر ستم، دھڑیوں کی جماوٹ ویسی ہی

تقریر بیاں سے باہر ہے وہ کافر حسن اہا ہا ہا
کچھ آب نئے، کچھ حسن نیا، کچھ جوش جوانی کا اسکا
لپکیں جھپکیں ان بانہوں کی میں واہ کہوں کیا کیا
وہ بانکے بازو ہوش ربا، عاشق سے کھیلیں بانک پٹا
کھنچی کی ہو پیچ پیچ پہ غضب، بانکوں کی بندھاوٹ ویسی ہی

وہ گورے گورے ہاتھ غضب وہ نرم کلائی ناز بھری
کچھ شوخ کڑوں کی جھنکاریں کچھ جھنکی چوڑی چاندی کی
یہ عالم دیکھ کے عاشق کا سینہ میں نہ تڑپے کیونکر جی
وہ پیاری پیاری انگشتیں وہ پوریں نازک نازک سی
مہندی کی رنگت، فندق کی پھبت، چھلوں کی چھلاوٹ ویسی ہی

کچھ ناز و ادا کی مغروری کچھ جور و جفا کچھ بانک بنا
کچھ آمد حسن کے موسم کی، کچھ کافر جسم رہا گدرا
یہ شور جوانی اٹھتی کا آتا ہے امنڈ کر جوں دریا
وہ سینہ ابھرا جوش بھرا وہ حسن کا عالم جھوم رہا
شانوں کی اکڑ، گردن کی کٹرت، مونڈھوں کی کھنچاوٹ ویسی ہی

اس گورے نازک سینہ پر وہ گہنے کے گلزار کھلے
چمپے کی کلی، ہیرے کی جڑی، توڑے، جگنو، ہیکل، بدّھی
دل لوٹتے ہیں، ہاتھ نئے اور جائے نظر ہر دم پھسلی
وہ پیٹ ملائی سا کافر وہ ناف چمکتی تارا سی
شوخی کی کھلاوٹ اور ستم، شرموں کی چھپاوٹ ویسی ہے

ہر آن نرالی ہر اک سے اُس شوخ پری کی محبوبی
کچھ ناز و ادا کی مرغوبی، کچھ شرم و حیا کی محبوبی
اب گہنے کی تعریف کروں یا کافر جوڑے کی خوبی
پوشاک سنہری عطر بھری، سر پاؤں جواہر میں ڈوبی
جگنو کی دمک سا، سینہ کی صفا، کرتی کی پھبناوٹ ویسی ہے

وہ کافر دھج جی دیکھ جسے سو بار قیامت کا لرزے
پازیب، کڑی، پایل، گھنگرو، کڑیاں، جھڑیاں، گجری، توڑے
ہر جنبش میں سو جھنکاریں، ہر ایک قدم پر سو جھمکے
وہ چنچل چال جوانی کی اونچی ایڑی نیچے پنجے
کفشوں کی کھٹک دامن کی جھٹک ٹھوکر لگاوٹ ویسی ہے

قاتل ہر آن نیا عالم، کافر ہر آن نئی جھمکیں
بانکی نظریں، ترچھی پلکیں، بھولی صورت، میٹھی باتیں
دل بس کرنے کے لاکھوں ڈھب، جی لینے کی سو سو گھاتیں
ہر آن پھبن، ہر وقت سجیں، ہر دم میں بدلے لاکھ دھجیں
آنکھوں کی لگاوٹ قہر ستم، باتوں کی رکھاوٹ ویسی ہے

تصویر کا عالم نک سک میں، چھب تختی صاف پری کی سی
کچھ چین جبیں کی اینٹھ رہی اور ہونٹوں میں کچھ کالی سی
بیدردی سختی بہتیری، اور مہر و محبت تھوڑی سی
جھوٹی عیاری، ناک چڑھی، بھولی، سیانی، پکی سی
ٹھٹھوں کی اُٹھاوٹ اور غضب، قہقہ کی ہنساوٹ ویسی ہے

نظروں میں صاف اُڑا لے دل، اس طور کی کافر عیاری
اور ہٹ جاوے سو کوس پرے، گر بات کہو کچھ مطلب کی
کہنی مارے، چٹکی لے لے، چھیڑے، جھڑکے، دے گالی
ہر آن "تجھے خوش خوش" ہر دم "اچھا" ہر بات ہنسی کی چہل بھری
رمزوں کا ضلع، غمزوں کا جگت، پھبتی کی پھباوٹ ویسی ہے

یہ ہوش قیامت کافر کا، جو بات کہو وہ سب سمجھے
رو بیٹھے، مچلے، سو سوانگ کرے، باتوں میں لڑے نظروں میں ملے
یہ شوخی اور یہ بیتابی اک آن کبھی نچلی نہ رہے
چنچل، اچپل، مٹکے، چٹکے، سر کھولے، ڈھانپے، ہنس ہنس دے
بانہوں کی جھٹک، گھونگھٹ کی ادا، جوبن کی دکھاوٹ ویسی ہے

اک شور قیامت سا چلے، نکلے کافر جس دم بن ٹھن
بلدار کمر، رفتار غضب، دل کا قاتل، جی کا دشمن
مذکور کروں میں اب یارو، اُس شوخ کا کیا کیا چنچل پن
کچھ ہاتھ ہلیں، کچھ پاؤں ہلیں، اچھلیں بازو، پھڑکے سب تن
گالی وہ بلا، تالی وہ ستم، انگلی کی نچاوٹ ویسی ہے

جو ایسا حسن کا دریا ہو کس طور نہ لہروں میں بہیئے — گر مہر و محبت ہو بہتر اور جو جفا ہو تو سہیئے
دل لوٹ گیا ہے عشق ہو کر بس اور تو آگے کیا کہیئے — بچائے نظیر ایسی جوبری چھاتی سے لپٹ کر سو رہیئے
بوسوں کی جھپک بغلوں کی لپٹ سینوں کی ملاوٹ ویسی ہے

تیسرا واقعہ روزنامۂ آفتاب کے عہد ادارت میں ایک بار میرا لاہور (جواب بدقسمتی سے انڈین یونین سے کٹ کر پاکستان کی قسمت میں سنہرا ستارہ بنکے چمک رہا ہے) جانے کا اتفاق ہوا، اخبار نویسی کے برادرانہ تقاضے پر جاں اور بہت سے جدید و قدیم اہل قلم حضرات کی زیارت کا موقع ملا مولانا عبدالمجید قریشی مرحوم ایڈیٹر اخبار ایمان کا نام خاص طور پر قابل تذکرہ ہے۔ وہ ایک کامیاب ادیب اور صحیفہ نگار ہی نہیں تھے شعر و سخن اور مذہبی پالیٹکس کے اندر خاصی مہارت بھی رکھتے تھے، ایک دن اردو ادب کے ارتقا پر بحث چھڑ گئی تو فرمانے لگے کہ اردو ادب پر غالب نے جس قدر نئے نئے الفاظ وضع اور نئی نئی ترکیبیں ایجاد کر کے احسان کیا ہے اسکی مثال کسی دوسرے شاعر کے یہاں مشکل سے مل سکے گی۔ میں زیادہ بے تکلف نہ تھا اس لئے اور کچھ نہیں ڈرتے ڈرتے بس یہی کہا کہ غالب کے کلام کو شاید آپ نے قریب سے نہیں ملاحظہ کیا ہے اسکی تو ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ خود اردو کی اقلیم میں فارسی کی جگہ پر فائز ہو جائے اور زبان اردو اپنے ہونٹوں پر فارسی کا بنا ہوا قفل چڑھا لے، البتہ اس خدمت کو شاہ حاتم، شاہ نصیر، مومن، جرأت، انشاء وغیرہ کے ساتھ اگر کسی نے کچھ انجام دیا ہے تو وہ نظیر ہے، اس پر قریشی صاحب بہت ہی چیں بجبیں ہوئے تھے اور سختی کے ساتھ مجھ سے میرے دعوے کی دلیلیں مانگنے لگے تھے بات یہاں تک بڑھی کہ مجبوراً مجھے رخ سخن بدل دینے کے لئے گذارش کرنا پڑی، مگر انکی یہ گفتگو بہت دنوں تک میرے دل و دماغ میں کھٹکتی رہی اتفاق سے لکھنؤ آکر ایک دن کتابوں میں سے کچھ کلام نظیر میرے ہاتھ لگ گیا اور اس میں حسب ذیل ایک سراپا اور ایک غزل مجھے اپنے دعوے کے ثبوت میں قریشی صاحب کو بھیجنے کے لئے دستیاب ہو گئی آپ بھی سنیئے اور انصاف سے غور کر کے بتائیے کہ یہ بات بھلا غالب کے یہاں کہاں مل سکتی ہے،

غزل ارشاد ہوتی ہے۔

دکھا کر ایک جھمک دل کو نہایت کر گیا بیکل — پری رو، تند خو، سرکش، ہٹیلا، چلبلا، چنچل

وہ عارض اور جبیں تاباں کہ ہوں دیکھ اس کو شرمندہ — قمر، خورشید، زہرہ، شمع، شعلہ، مشتری، مشعل
کفوں میں، انگلیوں میں، لعل لب میں، چشم مشکیں میں — حنا، آفت، ستم، فندق، مسی، جادو، فسوں، کاجل
بدن میں جامۂ زرکش، سراپا جس پہ زیب آور — کڑے، بندے، چھڑے، چھلّے، انگوٹھی، نورتن، ہیکل
نزاکت اور لطافت وہ کہ تا پا تک کہ حیران ہوں — سمن، گل، لالہ، نسرین، نسترن، دُر، پرنیاں، مخمل
سراسر پُر فریب ایسا کہ ظاہر جس کی نظروں سے — شرارت، شوخی، عیاری، طرح، پھرتی، دغا، چھل بل

نظیر اک عمر عشرت ہو ملے ایسا پری پیکر
اگر اک آن، اگر اک دم، اگر اک چھن، اگر اک پل

دوسری نظم ہے جس میں "سمدھن" کا سراپا پیش کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سراپا حسن سمدھن گویا گلشن کی کیاری ہے — پری بھی اب تو بازی حسن میں سمدھن سے ہاری ہے
کھنچی کنگھی، گندھی چوٹی، جمی پٹی، لگا کاجل — کمان ابرو، نظر جادو، نگہ ہر اک دلاری ہے
جبیں مہتاب، آنکھیں شوخ، شیریں لب، گہر دنداں — بدن موتی، دہن غنچہ، ادا ہنسنے کی پیاری ہے
نیا کمخواب کا لہنگا جھمکتے تاش کی انگیا — کچیں تصویر سی، جن پر لگا گوٹہ کناری ہے
ملائم پیٹ مخمل سا، کھلی سی ناف کی صورت — اٹھا سینہ، صفا پیڑو، عجب جوبن کی ناری ہے
سرین نازک، کمر پتلی، خط گلزار رو مادل — کہوں کیا آگے اب اس کے، مقام پردہ داری ہے
لٹکتی چال، دھماتی، چلے بچھوے کو جھنکاتی — ادا میں دل لئے جاتی، عجب سمدھن ہماری ہے

بھرے جوبن پہ اتراتی، جھمک انگیا کی دکھلاتی
کمر لہنگے سے بل کھاتی لٹک گھونگھٹ کی بھاری ہے

جس خط میں یہ دونوں نمونے میں نے قریشی صاحب کی خدمت میں روانہ کئے تھے آخر میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اگر موقع ملا تو پھر کبھی اور بھی اس بحث پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ معلوم نہیں یہ الفاظ کس آن زبان قلم سے برآمد ہوئے تھے کہ آج ایک دو اور دس بیس صفحے نہیں پورے نو سو ساٹھ صفحہ کی تازہ مرتب کلیات نظیر کے فارم میرے سامنے بکھرے ہوئے ہیں اور اس جیسے

سیکڑوں نمونے مجھے پیش کرنے کی توفیق حاصل ہے۔

یہ تازہ کلیات میرے مخلص دوست مولانا عبدالباری آسی مرحوم نے ۱۹۳۵ء میں اُردو، فارسی، عربی لٹریچر کی اشاعت کے لامثال مرکز اشاعت مطبع نول کشور لکھنؤ کے ایما پر ترتیب دینا شروع کی تھی اور غالباً ساڑھے چار سو، پانچ سو صفحہ کا مٹیریل کتابت کی منزلوں سے گذر کر پریس میں چلا بھی گیا تھا کہ اچانک قدرت کے نا قدرے ہاتھوں نے اُن کے دست و قلم کو دوامی سکوت و خموشی کا حکم دے دیا اور دوسرے لوگ انکی جگہ پر آکے بیٹھ گئے۔ ظاہر ہے کہ ایک کا قائم کیا ہوا منصوبہ کوئی دوسرا کیونکر اس پیمانے پر پایۂ تکمیل کو پہونچا سکتا تھا مگر بہرحال اس ادھوری دولت کو لٹنے سے بچانا تھا اسلئے کسی نہ کسی طرح اس مطلع پر مقطع لگ ہی گیا۔ مگر قدرت کی یہ ستم ظریفی تو ملاحظہ کیجئے کہ مقدمہ و تبصرہ لکھا نہیں جا سکا تھا کہ پھر ایک اور سانحہ پیش آگیا، اور اسکی تان مطبع و کتبخانے کے دو ٹکڑوں کی شکل میں بٹ جانے کی صورت میں آکے ٹوٹی، آخرش اپنے پردادا منشی نول کشور صاحب بہادر کے وارث کنور تیج کمار صاحب مالک تیج کمار پریس و تیج کمار بکڈپو نے مجھے یہ خدمت سپرد کی اور حکم دیا کہ بارہ تیرہ دن کے اندر اسکی تکمیل ہو جانا چاہیئے۔ ازبسکہ وقت بہت کم تھا اور کام بہت اہم تھا پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ جس طرح بنا "سیہ کاری" کا فرض حکم کے مطابق ادا کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔

عبدالمومن الفاروقی غفرلہ

۵ جولائی ۱۹۵۱ء

مقدمہ

کسی ذات خاص یا شخص مخصوص کی خدمتوں پر اگر بحث کرنا ہوتی ہے تو سب سے پہلے خود اس شخص کی سیر و سوانح، زمانے ماحول اور اس فن کے بعض گوشوں کی بے نقابی کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے اس اصول کے پیش نظر مجھے بھی سب سے پہلے فن شعر کی تاریخ اور اس کے عیوب و محاسن پر روشنی ڈالتے ہوئے نظیر کے حالات زندگی، اسکے عہد کردار اور کلام کو تنقید و تبصرے کی کسوٹی پر کسنا چاہیئے مگر صفحات مختصر اور کام بہت طولانی ہے اسلیے مجبوراً صرف فن شعر کے تاریخ آغاز پر چند الفاظ سپرد قلم کر کے نظیر اور کلام نظیر کو آپکے سامنے رکھ رہا ہوں۔

علامہ علاء الدین سکنواری نے بحوالۂ ابن جریر طبری حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے نقل کیا ہے کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کے خون سے ہاتھ رنگین کئے ہیں اور حضرت آدمؑ کو اس حادثۂ فاجعہ کی خبر ہوئی ہے تو انتہائی صدمہ و اذیت میں آپ کی آنکھ سے آنسو اور زبان سے یہ مقفی و مسجع الفاظ اشعار جاری ہو گئے تھے،

تغیرت البلاد و من علیها　　فوجہ الارض مغبر قبیح
وقتل قابیل ھابیل ظلماً　　فوا أسفا علی الوجہ الملیح
اری طول الحیاۃ علی غما
وما انا فی حیاتی مستریح

علامہ مسعودی کا بیان ہے کہ یہ اشعار جوں ہی حضرت آدمؑ کی زبان سے جاری ہوئے ہیں شیطان نے پردہ کے پیچھے سے اسی بحر و قافیہ میں ان اشعار کا جواب اشعار میں بطور تعزیت کے دیا تھا،

نفس شعر کے حسن و قبح پر بحث کرنا اس وقت میرا کام نہیں ہے مجھے تو اس وقت صرف یہ حقیقت

آپ کے سامنے لا کے رکھنا ہے کہ شعر کا آغاز کب، کیسے اور کیونکر ہوا اور افادی نقطۂ نظر سے کارگاہ حیات میں اُس کا کیا مقام ہے۔

فلسفے کی نظر میں حصول علم کا جو مقصد عظیم قرار دیا گیا ہے اُس کا خلاصہ بس یہی ہے کہ انسان کی زندگی کو آسان و خوشگوار بنانے کی تدابیر دریافت کی جائیں چنانچہ صاحبانِ علم و عقل کو اس کام کے واسطے خاص طور پر بہت سے علوم و فنون ایجاد کرنا پڑے ہیں، فنون لطیفہ یعنی معماری، سنگتراشی، نقاشی، موسیقی اور شاعری وغیرہ بھی سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ان فنون سے انسان کی اخلاقی تربیت پر جس قدر گہرا اور جلد اثر پڑتا ہے اسکی بتانے کی ضرورت نہیں لیکن یہ تصریح کئے بغیر رہا بھی نہیں جاتا کہ شاعری کا درجہ بہرحال ان سب میں بلند و اعلیٰ ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان نظام معاشرہ میں جہاں جہاں اس فن سے زیادہ کام لیا گیا ہے دنیاوی فلاح و بہبود اور ترقی کی صورتیں زیادہ وسیع نظر آتی ہیں۔

اسی اصول سے شاعری کی بہت سی قدریں بھی مرتب کی جاسکتی ہیں مگر میں بات کو زیادہ لمبا نہیں کرنا چاہتا پھر بھی کلیہ کے طور پر شعر کی اس اصل و روح کو کبھی اپنی نظروں سے اوجھل بھی نہ ہونے دیجئے کہ وہ ہمہ گیریت کے علاوہ کبھی کسی قسم کی قید و بند یا فرقے وارانہ طبقے وارانہ رسوم و عقائد کو ایک منٹ کے لئے بھی نہیں برداشت کرسکتا، اُس کا کام تو دنیا میں محض پریم و محبت کا سبق عام کرنا اور خدا کے بخشے ہوئے جوہر انسانیت کو پھولوں کی سیج اور خوشبو سے بسی ہوئی آرام گاہ کا راستہ بتا دینا ہے اور بس اگر بقول مخمور صاحب کے یوں عرض کیا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ وہی شعر صحیح معنی میں شعر کہے جانے کا مستحق ہے جس میں ہمہ گیریت کے سارے خواص مشترک ہوں، ہمہ گیری سے مراد یہ ہے کہ شعر کی بنیاد ایسے خیال پر قائم ہونی چاہیئے جو زمانہ، ملک، قوم اور رنگ و نسل کے اختلافات سے گذر کر تمام نوع انسانی پر یکساں مؤثر ہو اور جس میں ساری دنیا کو اپنے مفاد، اپنے تفنن، اپنے تفریح اور اپنی فطرت کا آئینہ نظر آئے لیکن اس قسم کے شعرا کی ہر زبان اور ہر ملک میں کمی ہے جنکے تخیل کی وسعت زمان و مکان اور رنگ و بو سے بے نیاز ہو کر عالم اور ماورائے عالم کو محیط ہو جائے۔

شعری ادب کے باب میں اُردو زبان دنیا کی دوسری مہذب و متمدن زبانوں سے کسی طرح پیچھے اور

پیچھے نہیں اگر تلاش کیا جائے تو اس میں بھی ایسے شاعر جو درحقیقت اصلی شاعر کہے جانے کے مستحق ہیں کچھ نہ کچھ ضرور مل جائیں گے۔ میرے خیال میں اگر واقعات کا تجزیہ کیا جائے گا تو نظیرؔ کو اردو شاعروں کی اس صف میں آپ رہبری و رہنمائی کے بلند مقام کا مالک پائے گا۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نظیر اس پایہ کا شاعر ہے تو پھر پرانے تذکرہ نگاروں اور چوٹی کے نقادان فن نے نظیر کی سیر و سوانح لکھنے اور اسکے کلام پر تنقید و تبصرہ کرنے سے اتنا گریز کیوں کیا ہے۔ اور اگر حقیقت پوچھئے تو صرف یہی نہیں ہوا ہے بلکہ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد اور مولانا حالی نے تو کھلی کھلی اس پر چوٹیں بھی کسی ہیں۔

مولانا آزاد اپنے تذکرہ آبحیات میں لکھتے ہیں۔

"ہمارے تذکرہ نویسوں کا دستور ہے کہ جب شاعر کا حال لکھتے ہیں تو اسکے اشعار بھی انتخاب کر کے لکھتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ فیضان سخن رائیگاں نہیں جاتا۔ نظیر کے بعض شعر ایسے ہیں کہ میر سے پہلو مارتے ہیں، پس اگر نظیر کا ذکر لکھ کر اس کے چند شعر منتخب لکھ دیئے جاویں تو ناواقف سوائے اس کے کہ نظیر کو میر کا ہم پلہ شاعر سمجھے اور کیا تصور کر سکتا ہے۔"

اسی طرح مولانا حالی اپنے دیوان کے مقدمے میں لکھتے ہیں۔

"آجکل یورپ میں شاعر کے کمال کا اندازہ اس بات سے کیا جاتا ہے کہ اُس نے اور شعراء سے کس قدر زیادہ الفاظ خوش سلیقگی اور شائستگی سے استعمال کیئے ہیں، اگر ہم بھی اسی کو معیار کمال قرار دیں، تو بھی میر انیس کو اردو شعراء میں سب سے برتر ماننا پڑے گا، اگرچہ نظیر اکبرآبادی نے شاید میر انیس سے بھی الفاظ استعمال کئے ہیں مگر اسکی زبان کو اہل زبان کم مانتے ہیں۔ بخلاف میر انیس کے کہ اس کے ہر لفظ اور ہر محاورے کے آگے سب کو سر جھکانا پڑتا ہے۔"

اسی قسم کے خیالات شیفتہ وغیرہ نے بھی ظاہر کئے ہیں مثلاً گلشن بیخار میں نظیر کے حلم، خلق، انکسار وغیرہ کا اعتراف کرنے کے باوجود شاعری کا ذکر کرتے ہوئے کہہ گئے کہ ——— "اس کے بہت سے اشعار

جو سوقیوں کی زبان پر جاری ہیں اور ان اشعار پر نظر رکھتے ہوئے ان کو شعرا کی صف میں شمار نہ کرنا چاہیئے۔

میرے نزدیک تینوں مذکورۂ بالا تذکرہ نویسوں کے خود الفاظ ہی اُن کی مداہنت کا پردہ چاک کر کے اصل حقیقت کو واشگاف کر بھی رہے ہیں اس لحاظ سے ایسے نقادوں کی ایسی تعریفیں یا ان کے علاوہ بعض تذکرہ نگاروں کا اُن کے متعلق سکوت و خموشی اختیار کر جانا دونوں باتیں بے وقعت ہو کے رہی جاتی ہیں، ہاں اِن حرکتوں کا یہ نتیجہ ضرور پیدا ہو گیا کہ نظیر کے جوہر ذاتی سے دنیا کو متعارف ہونے میں کچھ دیر ہو گئی اور جتنا اسکی قدر و منزلت ہونا چاہیئے تھی وہ نہیں کی جا سکی گی ہم دیکھتے ہیں کہ مستقبل اپنے ماضی کی اس غلطی کا اب شدت کے ساتھ احساس کرتا جا رہا ہے اور کیا عجب ہے کہ کلام نظیر کے آئندہ ایڈیشنوں میں کچھ اور شیر دل بھی کہیں سے دستیاب ہو کر شریک اشاعت کیا جا سکے۔

اب میں تمہید کے اِن اجزا کو ناتمام چھوڑ کر تذکرہ نویسی کے عام قاعدے کے مطابق سیر و سوانح سے اپنے مقصد کو آغاز کرتا ہوں،

سیر و سوانح | سید ولی محمد متخلص بہ نظیر اکبر آبادی۔ اُن کے والد کا نام سید محمد فاروق تھا۔ نوری دروازہ آگرہ میں رہا کرتے تھے۔ شرفائے اکبر آباد سے تھے۔ ان کے والد عظیم آباد کے کسی نواب کے مصاحب ہو گئے تھے۔ ان کو نواب سلطان خاں قلعہ دار آگرہ ابن اختر خاں کی دختر بیاہی گئی تھیں۔ نواب سلطان خاں دہلی کے رہنے والے تھے۔ عرصہ سے آگرہ آرہے تھے۔ سید محمد فاروق کے کوئی اولاد عرصہ تک نہ ہوئی۔ اُن کی بیوی فقرا کی آستانہ بوسی میں لگی رہتی تھیں۔ اتفاقاً ایک دن اُن کے مکان پر ایک شاہ صاحب آ گئے انھوں نے اپنا مدعا عرض کیا اور دعا کی طالب ہوئیں۔ بزرگ نے ارشاد فرمایا "پھولوں کا دونہ روزانہ ایک ہفتہ تک جمنا میں چھڑاؤ خدا نے چاہا تو جیتا جاگتا بیٹا پاؤ گی اور اُس بچے کی خوشبو سے دور دور مہک پھیلے گی"

مولوی عبدالغفور صاحب شہباز پروفیسر اورنگ آباد کالج نے اپنی نایاب تالیف "زندگانی بے نظیر" میں لکھا ہے کہ نظیر سے قبل محمد فاروق صاحب کی بارہ اولادیں فوت ہو چکی تھیں یہ تیرھویں تھے اور بہت ہی دعاؤں اور تمناؤں کے بعد زندہ بچے تھے اس لئے ماں باپ اور عزیز و اقارب سب ان پر اپنی جان چھڑکا کرتے تھے۔ شہباز صاحب کا بیان ہے کہ ماں باپ نے نظر بد سے بچانے کے لئے ان کے کان ناک

چھدوا کر بالکل لڑکی سا بنا رکھا تھا۔

تذکرۂ بے نظیر کی اصل عبارت یہ ہے۔

"فقیر نے بشارت دی کہ جا خوش ہو۔ ایک لڑکا تیرا زندہ ہوگا، زندہ رہے گا اور تیرے نام کو زندہ کرے گا، قابلیت اسکی غنچے کی طرح شگفتہ ہوگی اور خوشبو اسکی پھول کی طرح ہر جگہ پھیلے گی ـــــ نویں مہینے میاں نظیر بجان عدم سے مکتب ظہور میں آئے، چونکہ کئی اولادوں کو مار کر ہوئے تھے اس لئے ناک کے ساتھ دونوں کان بھی چھید دیئے گئے ـــــ ناک میں بلاق اور کانوں میں دُر لٹکا دیئے گئے"

پیدائش | میاں نظیر ۱۱۴۰ھ مطابق ۱۷۳۵ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ ماں باپ کے سایہ میں پرورش پائی یہی سال ہے کہ میر تقی میر گیارہ برس کی عمر میں اپنے سوتیلے ماموں قاضی سراج الدین علی خاں آرزو اکبرآبادی کے پاس دہلی چلے گئے تھے۔ اس وقت آگرہ کا صوبہ دار نصرت یار خاں تھا۔ علمی مجالس قائم تھیں۔ میر بادی، فضائل خاں ملا محمد سعید اعجاز۔ ملا زاہد خلف قاضی محمد اسلم ہروی کے تلامذہ کی گرم بازاری تھی۔ یہ ضرور ہے کہ کچھ دن پہلے شاہ مبارک آبرو۔ شرف الدین مضمون۔ اسد اللہ انسان آگرہ سے جا چکے تھے۔ احسان اللہ شیخ وقت نسو کا دور تھا عیدگاہ کے پاس قیام تھا۔ بایزید قلندر سرائے گیلانی میں رہتے تھے۔ محمد باعث عالم صوفی کا ڈنکا بج رہا تھا یہ عالم گنج میں مقیم تھے ان کے پاس ہی میر تقی میر کے والد سید علی متقی رہا کرتے تھے۔ یہیں ابوالفتح اکبرآبادی طبیب کا مطب بھی تھا۔

میاں نظیر نے ہوش سنبھالا تو مولوی محمد کاظم۔ ابن مولوی دوست محمد نبیرۂ میر رفیع الدین محدث متوفی ۱۱۹۰ھ، ملا ولی محمد شارح مثنوی مولانا روم متوفی ۱۲۰۱ھ۔ اسلاف کے آثار علمیہ بر فضل و کمال کی مجلس قائم کئے بیٹھے تھے۔ طالبان علم انکی درسگاہوں سے فیض یاب ہوتے۔ اُن ہی کی سیر میاں نظیر نے بھی کی۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نظیر آگرے میں نہیں دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ ایسا زمانہ تھا جبکہ مغل امپائر کا ستارۂ اقبال زوال کی طرف مائل ہو چکا تھا اور محمد شاہ ثانی کو سید حسین علی اور سید عبداللہ نے جو تاریخ میں بادشاہ گر کے نام سے مشہور ہیں شہنشاہ ہند کی حیثیت سے تخت پر بٹھا دیا تھا اسی زمانے

میں دہلی پر نادر شاہ کا حملہ ہوا تھا اور بعدہٗ جب ۱۷۵۷ء میں احمد شاہ ابدالی نے چڑھائی کی تو نظیر بائیس تیئیس سال کی عمر میں اپنی ماں اور نانی کے ساتھ دہلی چھوڑ کر اپنے سابق وطن آگرے میں مٹھائی والے پل کے پاس آکے آباد ہو گئے جیسا کہ خود انکی ایک مخمس سے کچھ مترشح بھی ہوتا ہے۔
وہ لکھتے ہیں۔

شہر سخن میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں - کیونکر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں
دیکھی ہیں آگرے میں بہت ہم نے خوبیاں ہر وقت اس میں شاد رہے جہاں جہاں
رکھیو الٰہی اس کو تو آباد جاوداں

نظیر کی سیرت کے تفصیلی واقعات کتب تاریخ میں بہت کم بلکہ بالکل نہیں ملتے مگر قدرت نے نظیر کے دماغ میں دور کی سوجھ بوجھ کی جو اہلیت و قوت عطا کر رکھی تھی اس سے انھوں نے اپنے ابنائے وطن اور تقاضائے زبان کے آئندہ طرز سلوک کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا اسی بنا پر اس باب میں بھی اس نے کسی کی محتاجی یا احسان کا بار نہیں اٹھایا اچھی خاصی مقدار میں خود ہی سیر و سوانح، اپنے مشاغل خانگی، شکل و صورت علم و قابلیت اور پیشہ و کاروبار وغیرہ وغیرہ سب کچھ وہ اپنے اشعار ہی میں دنیا کو بتا گیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر شہباز نے نظیر کے کلام ہی سے اخذ کر کے ان کی تعلیم کا پورا نقشہ کھینچ دیا ہے کہ یوں انکی بسم اللہ ہوئی، یوں انھوں نے ماہ ڈیڑھ ماہ میں بغدادی قاعدہ ختم کیا استاد کو قاعدہ کی ختم کرائی کا انعام ملا۔ پھر پارۂ عم شروع ہوتے وقت فاتحہ ہوا مٹھائی تقسیم کی گئی۔ اس کے بعد شیخ سعدیؒ کی کریما شروع کرائی گئی اور اس کے ساتھ ہی ہونہار بچے کی ہونہاریت اور روانیٔ طبع کے جوہر بھی کھلتے گئے فارسی کی دوسری ابتدائی کتابوں کا استعمال، خالق باری، آمد نامہ، محمود نامہ، عطائی نامہ کا نمبر اس کے بعد آیا پھر گلستاں، بوستاں، سکندر نامہ، انشائے خلیفہ، ظاہر وحید، انشائے خیر، یوسف زلیخا، رابو الفضل سہ نثر ظہوری، قصائد عرفی و خاقانی وغیرہ ختم کرائی گئیں، عربی تعلیم کچھ یونہی سی رہی مگر جتنی بھی تھی وہ لوسنے انکے پڑھنے اور سمجھنے کے لئے کافی تھی اور بہت کافی تھی اور یہ تو ان کی جودت طبع اور دماغی ذکاوت و ذہانت کی بات تھی کہ جاننے سے زیادہ کام وہ ہر چیز سے کام لے لیا کرتے تھے اور یہ تو بالکل مسلم ہے

فارسی پر انھیں بہت اعلیٰ درجے کا عبور حاصل تھا۔ زندگی بھر اسی کے درس و تدریس میں مشغول رہ کر اپنی روزی مہیا کیا کیئے۔

اُن کی ابتدائی زندگی اور مشاغل ذاتی معلوم کرنے کے لئے اُن کی وہ مسدس بہت کافی ہے جس میں وہ اپنے محبوب کو مخاطب کر کے بتا رہے ہیں کہ وہ اب تک کن کن کھیلوں کو کھیل چکے ہیں مثلاً لکھتے ہیں۔

لگے بھی بھیس ہم نے بدلے ہیں کتنے باری — زنار باندھا، قشقہ کھینچا ہے، ہو پجاری
جوگی بھی بن چکے ہیں، منڈل بھی سنواری — آزاد بن کے اس دم ہیں دید کے بھکاری
اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

بانکے بھی ہو کے ہم نے اس فرد کو اڑایا — شمشیر اور سپر کو اک عمر کھڑکھڑایا
بانک و پٹا و بلم، گتکا و لٹھ پھرایا — جھمکا تمھارا اس دم ہم کو جو یاد آیا
اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

پھر کتنے روز ہم نے بچپن بئے کا پالا — اس جال میں بھی کتنے خوباں کو دیکھ ڈالا
پنجرا، گلہری۔ طوطا، شکرا انکار ڈالا — اب دیکھنے کو تیرے یہ سوانگ کرنے لالا
اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

شیشے میں مدتوں تک ہم نے پلنگ اتارا — کتنے پری رخوں کو جا پھیرنے میں مارا
تصویریں بیچنا بھی کتنے دنوں بچارا — اب دیکھنے کو تیرے ہو کر فقیر، یا رلا
اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

کشتی میں ہم نے کتنی مدت بدن کو توڑا　　سو گلبدن کے تن کو من مانتا مروڑا
جو ڈھب تھا اس ہنر کا کوئی نہ ہم نے چھوڑا　　اب خوبرو کا پیارے ، دنیا میں دیکھ توڑا

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے اے پری رو آنکھیں لڑائے ہم سے

جوڑے کبوتروں کے پھر کتنے دن اڑائے　　کنکوے ، چنگ ، گڈی ، ہنگل ، تپنگ بنائے
گھٹ والے بن ہزاروں چھاتی تلک لگائے　　ہیں دید کے جو دل میں لاکھوں ہنر سمائے

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے اے پری رو آنکھیں لڑائے ہم سے

پھر لال بھی لڑائے اور گل دُمیں بھی پالیں　　جنگل میں دل لگائے اور پدڑیاں پھنسائیں
ڈبوں میں ڈالی کھی بل مکڑیاں بنا لیں　　کیا کیا نہ ہم نے پیارے بہروپیاں مچالیں

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے اے پری رو آنکھیں لڑائے ہم سے

خرادی ہو کے ہم نے لٹو چکیے بنائے　　اس میں بھی کتنے لڑکے خراد پر چڑھائے
پھر ہو کے سر سے والے سر سے بہت لگائے　　ریچھوں تلک لڑائے بندر تلک نچائے

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے اے پری رو آنکھیں لڑائے ہم سے

اسی طرح کا ایک اور مسدس "دید بازی" کے عنوان سے بھی ہیں کلیات میں نظر آ رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے شعراء کی طرح نظیر بھی مہ رخوں کی ملاقات کے لئے صرف مصوری ہی نہیں اور بھی ہزاروں جتن اور کرتب اختیار کئے ہیں یہاں تک کہ ریچھ اور بندر بھی نچایا ، آم ، جامن کے ٹوکرے بھی سر پر اٹھائے ، دال موٹھ اور پاپڑ کی دوکان بھی لگائی۔ اگر ان تمام باتوں کو خالی شاعری اور نرا مبالغہ نہ تصور کیا جائے تو صاف یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ نظیر زندگی کے ہر رنگ کا خود اپنے کو رنگین

کر کے دنیا کے سامنے ظاہر ہوا کرتا تھا عام شعراء کی طرح محض سُنی سنائی باتوں پر اُس کے قلم اور قدم کو کبھی جنبش نہیں ہوا کرتی تھی اور یہ وہ خصوصیت ہے جو بقول نقادانِ فن کے ہندوستان کے کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوئی۔

نظیر جس مزاج کا آدمی تھا اور کلام سے مترشح بھی ہے اس نے عمر کا بڑا حصہ لہو و لعب میں صرف کیا۔ عوام کی سوسائٹی میں شریک تھا۔ گوٹ جیسی کھیل رہے ہیں تو یہ بھی برابر کا شریک جوا ہو رہا ہے تو اس میں بھی داؤ رکھنے کو حاضر ہے۔ شطرنج میں بند نہیں گنجفے میں عاری نہ تھا۔ چوسر کا پانسہ ایسا پھینکتا کہ بگڑی بازی بن جائے۔ اَنٹیاں بھی کھیلیں۔ کبوتر بھی اڑائے۔ لال بھی لڑائے تیتر بھی۔ کنکوے سے بھی شوق رکھا۔ غرض کسی کھیل میں کم نہ تھے۔ چنانچہ شطرنج پر لکھا یہ بند ملاحظہ ہو۔

عجب یہ شطرنج کا سا نقشہ بچھا ہے دن رات خوب اس جا   جو بات چاہے کرے کسی کو نہ آوے بُرد اس کو مات اس جا
ہزاروں منصوبے دل میں باندھے بتائے چالوں کی گھاتیں جا   نہیں ہے اک چار چوک قائم بھلوں کی بازی پہ مات اس جا
بڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

کبوتر بازی کا شوق بہت تھا۔ کہتے ہیں ؎

اپنے تو لڑکپن سے ہیں دم ساز کبوتر
کیا بلبل و قمری و پھدکی و پدّے   چنڈول، اگن، لال، بئے، ابلقے، طوطے
کیا طوطی و مینا و بئی، تیتر و شکرے   طائر ہیں غرض بازی و اشغال کے جتنے
کی غور تو ہیں سب میں سرافراز کبوتر

ایک اور شعر میں اسی کبوتر بازی سے اپنی دلچسپی کا یوں اظہار کیا ہے۔

تاروں کے وہ انداز نہیں دل اب کس سے لگا دیں
جو کرتے ہیں چھتری کے اُوپر ناز کبوتر

ہندوانی تہواروں سے بہت دلچسپی لیتے تھے۔ دیوالی ہو یا ہولی۔ راکھی ہو یا اور کچھ، دل و جان

سے لطف اُٹھاتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ ہندو اور مسلمانوں میں کوئی بیگانگی نہ تھی۔ وہ مقامی تہذیب و تمدن میں رنگ گئے تھے۔ خواہش میں مبتلا ہونا بھی ایک طرح کی وضعداری سمجھی جاتی تھی۔ میاں نظیر بھلا اس وابستگی سے کیسے بچے رہتے۔ وہ خود بنوا کا سوانگ بھرتے۔ خوشرو ہمراہ ہوتے۔ شہر کی گلیوں میں گشت لگتا۔

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اس کی خاطر کئی مرتبہ برج تک گئے اور ہولی کی رنگ رلیاں منا آئے۔ یہی حال ان کے یہاں دیوالی اور دسہرے کا تھا۔ ایک جگہ کہتے ہیں:۔

ہے دسہرے میں بھی یوں تو فرحت و زینت نظیر
پر دوالی بھی عجب پاکیزہ تر تہوار ہے

ہندو تہواروں میں بسنت انھیں بہت بھاتا تھا ؎

مل کر صنم سے اپنے ہنگام دل کشائی
ہنس کر کہا یہ ہم نے اے جاں بسنت آئی

بہر حال بچپنا اور جوانی کا ابتدائی حصہ بہت ہی خوشی اور مسرت کے جھمیلوں میں گذرا ناز و نعم اور فارغ البالی نے اُن کو آزاد اور بالکل آزاد بنا رکھا تھا ہر صحبت اور ہر سوسائٹی میں شرکت کرتے، ہر میلے ٹھیلے اور تہوار میں عملی طور سے حصہ لیتے تھے یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں بچپن کے کھیل تماشوں، تہواروں اور مشاغل لہو و لعب کی جو تفصیل ملتی ہے وہ اُردو کے کسی اور شاعر کے یہاں نہیں ملتی مثلاً دیوالی کے تذکرے میں یوں کہتے ہیں۔

مٹھائیوں کی دکانیں لگا کے حلوائی — پکارتے ہیں کہ لالہ دوالی ہے آئی
بتاسے لے کوئی برفی کسی نے تُلوائی — کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی
گویا انھوں کے واں راج آگیا دوالی کا

اسی طرح شب برات کے سلسلے میں کہتے ہیں۔

آگر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑی — اوپر سے اور ہوائی کی آکر پڑی چھڑی
ہو گئی گلے کا ہار، پٹاخے کی ہر لڑی — پاؤں سے لپٹی شور مچا کر قلم نڑی
کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

اس زمانہ میں فٹ بال، کرکٹ، ہاکی، ٹینس، سنیما، سرکس وغیرہ کا تو کوئی نام بھی نہ جانتا تھا۔ اُن کی جگہ کبڈی، پتنگ بازی، شطرنج، گنجفہ، تیر بازی وغیرہ کا چلن تھا، میاں نظیر ان سب باتوں کے اندر اپنی جوانی میں طاق تھے، پتنگ کے پیچ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اگر پیچ پڑ گئے تو یہ کہتے ہیں "دیکھیو — رہ رہ کے اس طرح سے نہ اب دیجئے ڈھیل کو
پہلے تو یوں قدم کے تئیں، او میاں رکھیو — پھر ایک رگڑا دے کے ابھی اسکو کاٹ دو
ہے گا، اسی میں فتح کا پانا پتنگ کا

دہلی سے جب آگرہ منتقل ہوئے تو وہاں بھی سیر و تفریح نے ساتھ نہ چھوڑا، وہاں بھی ہر سال برسات میں پیراکی کا تماشا ہوتا تھا۔ نظیر کے سے غواص سخن کی روانیٔ طبع اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔

کچھ ناچ کی بہاریں، پانی کے کچھ لتاڑے — دریا میں مچ رہے ہیں، اندر کے سو اکھاڑے
لب ریز گل رخوں سے دونوں طرف کرارے — بجرے، سے ناؤ، چپ، ڈونگی بنے نواڑے
ان جگھٹوں سے ہو کر سرشار پیرتے ہیں

جمنا کا پاٹ گویا صحن چمن ہے بارے — پیراک اس میں پیریں گویا کہ چاند تارے
منہ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے گورے پیارے — پریوں بھرے ہیں منجدھار اور کنارے
کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جوانی دیوانی تھی، "موتی" کو دل دے بیٹھے۔ شب و روز خوش وقتی میں گزرنے لگے۔ اٹھارہویں سال گرہ تھی کہ سورج مل جاٹ خلف بدن سنگھ جو صفدر جنگ وزیر احمد شاہ کا سالہ لگتا تھا ۱۱۶۵ھ میں آگرہ آدھمکا۔ فاضل خاں قلعہ دار کو دھوکا دے کر قلعہ پر قبضہ جا یا۔ سر بہ فلک عمارات ڈھائیں، خانقاہیں تباہ

اکیس علمی ادارے تباہ ہو گئے۔ امراء کے گھر لوٹے، ملبہ عمارات و سامان قلعہ ڈیگ لے گیا۔ ۱۷۸۸ء سوبارام جاٹ ظالم کو آگرہ کا حاکم بنا تا گیا۔ اس نے سورج مل سے بڑھ کر خزانہ کی تلاش میں رہی سہی نفیس اور عالیشان عمارتیں بھی کھدوا ڈالیں اور شہر کے ساہو کاروں پر اس قدر ظلم توڑے کہ ہزار ہا نفوس نے گھر بار چھوڑ کر دوسری جگہ کی راہ لی۔ محلہ کے محلے ویران ہو گئے۔ یہ مصیبتیں میاں نظیر کی آنکھوں دیکھتے گزریں۔ خوشحالی کا زمانہ گزر گیا۔ عمر جا کم چالیس کی تھی کہ ۱۲۰۱ھ ۱۷۸۶ء میں تیس برس بعد میر تقی میر وطن لوٹے۔ آگرہ کے شعراء میر صاحب سے ملنے گئے۔ میاں نظیر بھی ایک دوست کے کہنے سے حاضرِ خدمت ہوئے۔ ایک غزل سنائی جس کا مطلع یہ تھا۔

نظر پڑا اک بتِ پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا
جو عمر دیکھو تو دس برس کی پہ قہرِ آفت غضب خدا کا

ختمِ غزل پر میر صاحب نے اظہارِ خوشنودی کیا۔

میاں نظیر بھی حادثاتِ مقامی سے اثر پذیر ہوئے۔ کایا ہی پلٹ گئی، شائستہ مزاج، منکسرانہ طبیعت کے آدمی ہو گئے۔ زمانے کے ہاتھوں ایسے ستائے گئے کہ معاش کی فکر دامنگیر ہوئی۔

ملازمت پرانی کمائی پاس تھی، کتب داری کا شغل لے بیٹھے۔ کچھ روز کو متھرا گئے۔ پھر لوٹ آئے۔ یہاں قلعہ دار مرہٹہ بھاؤ تھا اس نے بلایا اور آپ سے پڑھنا شروع کیا۔ یہاں سے چھٹے تو نواب محمد علی خاں [illegible] آگرہ سے تھے، مکان مائی تھان میں تھا۔ اُن کے یہاں لڑکوں کو پڑھانے جانے لگے۔ یہیں ... سے لالہ بلاس رائے کھتری سے راہ و رسم ہو گئی۔ جب نواب کے یہاں سے جدا ہوئے تو رائے صاحب نے سر آنکھوں پر بٹھایا اور اپنے بچوں کو سپردگی میں دیا اور ان کی جملہ ضروریات کی کفالت اپنے ذمہ لی۔ لالہ کے چھ لڑکے جن کو رائے گوبر بخش، ہر بخش، موتی چند، بنسی دھر اور شنکر داس زیرِ تعلیم تھے۔

نظیر نے عمر کا بڑا حصہ معلمی میں گذارا، شاگردوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان میں حکیم میر قطب الدین باطن مؤلف تذکرہ گلستانِ بے خزاں (المعروف بہ نغمۂ عندلیب)، شیخ مداری ضمیر، خود نظیر کے صاحبزادے گلزار علی اسیر، مہاراجہ بلونت سنگھ، راجہ لالہ بدھ سین صافی، حکیم میر محمدی ناظر، شیخ حسین بخش بخشی

شیخ بنی بخش عاشق، منشی حسین علی خاں تحجہ، بیدار بخش قمر، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ صاحبِ گلستانِ بیخزاں نے مرزا غالب کو بھی نظیرؔ کے شاگردانِ رشید کی فہرست میں داخل کردیا ہے، لیکن یہ چیز پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتی۔ پروفیسر شہباز نے تلمذِ غالب کے متعلق متضاد بیانات جمع کرکے آخری رائے یہ دی ہے کہ غالب جس زمانہ میں اکبرآباد میں مقیم تھے، وہ اُنکی ابتدائی تعلیم کا زمانہ تھا، اور اُس زمانہ میں آگرہ کے ممتاز ملاؤں میں صرف دو ہی شخص خلیفہ معظم اور میاں نظیر تھے، غالب کو انھیں دونوں کی طرف رجوع کرنا پڑا

"دو چار غزلیں بھی مکتب ہی میں نظیر کو دکھائیں۔ لڑکے (غالب) کی گاؤ زوریاں دیکھکر ہنسی تو اُن کو آئی مگر دل شکنی انکا شعار نہ تھا، واد دے کر جی بھی بڑھایا اور اصلاح سے چپکے چپکے نشیب و فراز بھی بتایا۔"

ایک لطیفہ: محلہ تاج گنج سے ٹٹو پر سوار ہوکر ائی تھان آتے تھے ایک روز ٹٹو نے شوخی کی۔ چابک ہاتھ میں تھا اُس کے رسید کیا ایک راہ گیر بھی قریب ہی تھا۔ اُس کے وہ لگتا ہوا ٹٹو کے لگا۔ اس نے کہا میرا کیا قصور تھا کہ صبح ہی صبح چابک سے خبر لی۔ میاں نظیر اتر پڑے اور اُس سے معافی کے خواستگار ہوئے اور زبردستی اس کے ہاتھ میں چابک دے کر کہا میاں! ایک میرے بھی جڑ دو، بدلا ہو جائے گا ہو گا مگر وہ سمجھتا تھا مگر انھوں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ مجبور ہوکر چابک اُن کے جڑ دیا۔ آخر چلتا بنا اس تاریخ سے پھر چابک ہاتھ میں نہیں لی۔ ٹٹو اپنی رائے سے چلتا اور منزل مقصود تک پہونچ جاتا۔

آخر عمر میں راجہ بلوان سنگھ والیٔ کاشی کی سرکار سے تعلق ہو گیا تھا۔

میاں نظیر میں قناعت پسندی و استغنائی شان آگئی تھی۔ کسی امیر کے آگے دستِ سوال دراز کرنا بُرا سمجھتے تھے۔ جاٹ گردی کا دور مصیبت کا دور تھا۔ مفارقت وطن گوارا نہ کی۔ متھرا گئے چند روز بعد لوٹ آئے اور نہ حاکم وقت کا مدح خواں بنکر کچھ ہاتھ گرم کرتے۔ مرہٹوں کا زمانہ بھی دیکھا قلعہ دار کے اُستاد بھی رہے مگر الگ تھلگ ہی رہے۔

نواب واجد علی شاہ نے شہرت سنکر ایک قاصد معہ روپیہ کے طلبی کے لئے بھیجا۔ وہ میاں نظیر کے پاس آیا اور راہ خرچ دیا۔ رات بھر آن کے گھر میں روپیہ رکھے رہے۔ تردد کی وجہ سے نیند نہ آئی۔ کہنے لگے ادق

تعلق سے تو یہ ترددات ہیں جب پورا تعلق ہوگا تو خدا جانے کیا حال ہوگا۔ کم بخت کو پھینکو یہ کہکر روپیہ واپس کر دیئے اور لکھنؤ نہ گئے۔

میاں نظیر کے نواسے داماد داروغہ نوازش علی کی زبانی یہ بھی "کہن" ہے کہ مہاراجہ چندو لال وزیر اعظم حیدر آباد نے بھی بلایا تھا مگر نہیں گئے۔

میر قدرت اللہ نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے:۔ "بہ معلمی اوقات گذاری می کرد و بہ کشادہ پیشانی ایام زندگی بسر می برد۔"

حلیہ، قابلیت اور پیشہ

اس کے لئے بھی ہمیں کسی اور سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں پیش آتی وہ خود اپنا حلیہ، علمی قابلیت اور پیشہ وغیرہ سب ایک نظم میں بیان کر گئے ہیں،

کہتے ہیں تک جس کو نظیر سنئے تک اس کا بیاں
تھا وہ معلم، غریب، بزدل و ترسندہ جاں

فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر
عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و ناں

فہم نہ تھا علم سے عربی کے کچھ بھی اسے
فارسی میں ہاں مگر جانے تھا کچھ این و آں

سست روش، پست قد، سانولا ہندی نژاد
تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق عیاں

ماتھے پہ اک خال تھا چھوٹا سا مسے کے طور
تھا وہ بڑا آنکھ اور ابروؤں کے درمیاں

وضع سبک اس کی تھی تہ نہ رکھتا تھا ریش
مونچھیں تھیں اور کانوں پر پٹے بھی تھے پنبہ ساں

فرد و غزل کے سوا شوق نہ تھا کچھ اسے
اپنے اسی شوق میں رہتا تھا خوش ہر زماں

پیری میں تھی جس طرح اس کو دل افسردگی
ویسی ہی تھی ان دنوں جن دنوں میں تھا جواں

لکھنے کی یہ طرز تھی سمجھ جو لکھے تھا کتاب میں
پختگی و خامی کے اس کے تھا خط درمیاں

مذہب

میاں نظیر اپنے باپ کے اعتبار سے سنی نظر آتے ہیں، مگر میاں نظیر کو لوگ امامیہ کہتے ہیں لیکن بعض بزرگ کہتے ہیں کہ تفضیلی تھے۔ نماز روزہ کے بہت معمولی پابند تھے۔ حتیٰ کہ عید کا دوگانہ بجائے عیدگاہ کے گھر ہی میں ادا کر لیتے۔ البتہ تعزیہ داری بڑی خوش اعتقادی سے کرتے۔ پچاس روز متواتر مجالس

عوا منعقد ہوتیں۔ سال بھر کی کمائی اس میں صرف کر دیتے تھے۔

وضع قطع | انقلاب زمانہ کا مزہ چکھے ہوئے تھے ادھر صوفیا کی صحبت۔ ان کے مکان کے قریب مولوی احمد شاہ قادری الجعفری رہا کرتے تھے۔ مسجد میں شاہ غلام رسول رہتے تھے مشائخ وقت سے تھے۔ اُن کی خدمت میں وقت کا بڑا حصہ گزارتے۔ ذکر و فکر اور تسبیح و مصلے سے تو زیادہ کام نہ تھا مگر مضامین تصوف دل پر نقش ہونے لگے۔ سادہ وضعی، میانہ روی، صداقت، حلم و مروت، غرضکہ شیخ کی صحبت سے جملہ صوفیانہ صفات سے متصف ہو گئے۔ اس زمانہ کا نتیجۂ فکر بھی صوفیانہ خیالات کا مجموعہ ہے۔ بعض نظمیں معرفت اور تصوف کے اسرار کے حق میں آئینہ کا حکم رکھتی ہیں۔ اور یہی چیز مایۂ ناز ہے اُردو شعراء میں صرف ان ہی کو یہ فخر ہے اور بجا فخر ہے کہ وہ مسائلِ تصوف کو مثال سے سمجھا کر وہ بات پیدا کر دیتے تھے جو حضرت عطار نے "منطق الطیر" میں کی ہے۔

شاعری | میاں نظیر نے مشورۂ سخن کیا یا نہیں یا کسی اُستاد کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا یا نہیں اس کے متعلق تذکرہ نویس خاموش ہیں میاں نظیر فطری شاعر ہیں ناسخ اور غالب کی طرح اُن کو بھی زورِ فکر اور جودتِ طبع نے شاہراہ سخن میں اپنا راہنما بنایا۔ نظیر کا انداز سب سے جدا ہے۔ اُس وقت میں یہ طرز رائج اور مرغوب نہ تھی اور کوئی اس رنگ میں کہنے والا بھی نہ تھا اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ جہاں وہ اپنے اندازِ خاص کے موجد تھے وہاں انھوں نے خود ہی اپنے لگائے ہوئے پودے کو پروان چڑھایا اور کسی فرد کا احسان سے گرانبار ہونا گوارا نہیں کیا۔

میاں نظیر عموماً نظمیں راہ چلتے کہا کرتے۔ ملکوں کی گلی سے شہر آتے ٹٹوانی کچھ ایسی سدھ گئی تھی کہ کسی نے میاں کو سلام کیا اور وہ ٹھہر گئی۔ راہ چلتے لوگ اُن سے نظموں کی فرمائش کرتے۔ کنجڑا آیا اس نے کہا میاں ککڑی پر بھی کچھ کہہ دو۔ فقیر بولا کوئی نظم کہہ دیجئے کہ اُس کے ذریعہ بھیک مانگ کھاؤں۔ ایسی ہی صدہا نظمیں راہ چلتے کہہ ڈالیں۔ انہی نظموں کی وجہ سے شہرت دور دور تک ہوئی۔

ایک مرتبہ تاج گنج سے آتے ہوئے چند بیڑنیوں نے روک لیا۔ تقاضہ تھا کہ کچھ کہہ دو۔ انھوں نے بہت ٹالا مگر وہ کاہے کو میاں کو چھوڑتیں۔ مجبور ہو کر اُن دونوں سے پوچھا کہ تمھارے نام کیا ہیں۔ ایک نے

کہا "جمنا" دوسری نے کہا "مجھکو گنگا" کہتے ہیں، انھوں نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور کہنے لگے۔

یارب مری دعا کو جلدی قبول کیجئے جمنا میں لگا بی گنگا کے پار کر دے

مائی تھان جاتے ہوئے کناری بازار پڑتا ہے۔ کوٹھے پر سے ایک مہوش نے مسکرا کر کہا کہ میاں ہم کو اپنا کلام سنا دو۔ یاد کرلیں گا ئیں گے اور کمائیں گے اور اس فرمائش پر بہت جز بز ہوئے اس کا اصرار بڑھ رہا تھا اور وہ ماننے والی نہ تھی۔ کہنے لگے ؎

لکھیں ہم عیش کی تختی پہ کس طرح ایجاں قلم زمین کے اوپر دوات کوٹھے پر

وہ جھیپ کر چپ ہو گئی یہ آگے چلتے ہوئے۔

میاں نظیر دو پہر کا کھانا رائے صاحب ہی کے یہاں کھاتے ایک روز بیسنی روٹی بھی کھانے میں شامل تھی۔ اچار کے لئے جی چاہا۔ گھر میں بچا نہ تھا۔ بھولا رام پنساری کا لڑکا بھی اُن کے پاس پڑھنے آ بیٹھتا تھا۔ اس سے کہا لالہ جا اپنے چاچا سے کہیو میاں نے آم کا اچار منگایا ہے۔ وہ لپکا ہوا جھلتی آیا۔ دوکان پر گاہکوں کی بھیڑ لگی تھی۔ لڑکے نے میاں نظیر کا نام لیا کہ اچار منگا رہے ہیں۔ بھولا رام نے مٹی میں سے چنگل بھر دونے میں رکھ لڑکے کو حوالے کیا اور سودا دینے میں لگ گیا یہ لے استاد کے پاس پہونچا منتظر بیٹھے تھے۔ دونہ کھول کر جو دیکھا تو چوہا مصالحہ میں لت پت تھا۔ انھوں نے اس کو رکھوا دیا شام کو رائے صاحب آئے اُن سے کہا بھولا کو بھی بلوا لو ایک لطیفہ ہے وہ آیا تو ایک تصنیف مخمس پڑھا

پھر گرم ہوا اُن کے بازار چوہوں کا ہم نے بھی کیا خوانچہ تیار چوہوں کا
سر پاؤں کچل کوٹ کے دو چار چوہوں کا جلدی سے کچومر سا کیا مار چوہوں کا
کیا زور مزیدار ہے آچار چوہوں کا

اول تو جو ہے چھانٹے ہوئے قد کے بڑے ہیں اور سیر سوا سیر کے مینڈھک بھی پڑے ہیں
چکھ دیکھ مرے یار یہ اب کیسے کڑے ہیں چالیس برس گزرے ہیں تب ایسے سڑے ہیں
کیا زور مزے دار ہے آچار چوہوں کا

آگے تھے کئی اب تو ہمیں ایک ہیں جو ہے مار مدت سے ہمارا ہے اس آچار کا بیوپار

گلیوں میں ہیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں خریدار   برستی ہے پڑی کوڑی اور پیسوں کی بوچھار
کیا زور مزے دار ہے آچار چوہوں کا

بھولا رام بولا میاں کہیں چوہوں کا اچار بھی ہوا ہے۔ کہنے لگے تم ہی تو بیچتے ہو اور دو نہ منگا کر سامنے رکھ دیا۔ وہ بیچارہ بڑا خفیف ہوا اور سب نے زعفرانیشی قہقہہ لگایا۔ ایسی اکثر باتیں مشہور ہیں۔

اخلاق و عادات: میاں نظیر میں حلم بہت آگیا تھا خلیق و متواضع بیحد تھے جس مجلس میں بیٹھتے اخلاق کے نور سے شمع انجمن معلوم ہوتے۔ نادرہ سنج ایسے تھے کوئی بات لطیفہ سے خالی نہ تھی جو بات ہوتی نظم میں مخمس ہوتی۔ احباب اور ہم صحبتوں کو اپنی لطافت سے شگفتہ کر دیتے جو وہ احسان میں ان سے کبھی کمی نہ کی۔ میاں نظیر کے اخلاق کی انکی زندگی میں دور دور شہرت ہوگئی تھی ابوالقاسم میر قدرت اللہ نے اپنے تذکرہ "مرتبہ ۱۲۲۱ھ" میں ان کے متعلق یہ لکھا ہے کہ:۔

"شیخ ولی محمد اکبر آبادی شاعرے ہست دیرینہ مشق کہ بالفعل دراں نواح علم استادی می افرازد و نرد صحبت وا خلاص با ہر کس می بازد، بسیار سلیم الطبع و خوش اختلاط و نہایت نیک طینت و مستحکم ارتباط شنیدہ می شود"۔

میاں نظیر کے مرنے کے چار پانچ برس بعد نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے گلشن بے خار لکھا جس میں ہے:۔

"نظیر در علم و خلق و انکسار بے نظیر روزگار است"

حضرت شہباز "زندگانی بے نظیر" میں لکھتے ہیں کہ پاس پڑوس میں جو غریب غربا تھے ان کی خبر گیری فرماتے محتاج کو دیکھ کر ان کا دل دکھ جاتا تھا۔ کسی کو خالی نہ پھیرتے تھے اور جو وقت پر کچھ نہ ہوتا تو نہایت گڑگڑا کر معذرت کرتے بڑے صاحب ہمت تھے اور اپنی ہمت کے آگے وہ تمام ہی گنج و خزانہ کو بھی کوئی چیز نہ سمجھتے تھے زیور حیا سے آراستہ تھے جو اہل مروت کا خاصہ ہے۔

خانگی زندگی: میاں نظیر نے ادھیڑ عمر میں مسماۃ تہور النساء بیگم بنت عبدالرحمان خان چغتائی خلیفہ محمد علی بیگ صوبہ دار برہان پور سے نکاح کیا یہ چغتائی خاندان محلہ تاج گنج میں ملکوں کی گلی کے نزدیک رہتا تھا شادی کے بعد میاں نظیر بھی نوری دروازہ اٹھ آئے خود ایک قطعۂ زمین متصل محل بیگم باندہ خرید لیا تھا اور اوسط

درجہ کا مکان بنا لیا تھا۔ تمام عمر اسی میں رہے اور اسی میں سپرد خاک ہوئے۔

میٹھے چاول اور کھچڑی بہت پسند تھی۔ لیموں کا اچار۔ گلگلے۔ چلّے زیادہ اچھے لگتے۔ پھلوں میں ستو کا خربوزہ، آم شریفہ۔ اپنی اپنی فصل پر شوق سے کھاتے۔ دعوت میں کم جاتے۔ ایاز، غلام، امام بخش چھوکرے تھے۔ نجیبن، گلاب، بختاور، لونڈیاں تھیں۔ ایاز کے ذمہ گھوڑے کی خدمت تھی۔ عمر کا کافی حصہ طے ہو چکا تھا گوشہ نشینی کے سوا چارا کیا تھا۔ گھر میں رہتے دالان کے سامنے صحن میں دو درخت نیم اور بیری کے تھے اُس کے سایہ میں بوریا اور کمبل بچھا کر بیٹھتے رہتے نزدیک و دور کے لوگ آتے اُن سے بات چیت رہتی کہا جاتا ہے کہ ایک روز شہر سے میاں نظیر کے ملنے جلنے والے اُن کے گھر پہونچے کنڈی کھٹکھٹائی تھوڑی دیر میں دیکھتے کیا ہیں کہ میاں نظیر نے دروازہ کھولا تو تمام جسم پر آرد گندم کا غبار لگا ہوا ہے۔ سب نے پوچھا میاں خیر تو ہے بولے تمھاری بھاوج بخار میں بیٹھی ہیں آٹا کون پیستا، روٹی کون پکاتا۔ سوچا خود ہی آٹا پیس کر روٹی ڈال لوں کہ اتنے میں تم لوگ آگئے سب نے کہا تم اپنا کام کر چکے اب ہم اپنا کام کئے دیتے ہیں سب نے مل جل کر کھانا پکایا اور خود بھی کھایا اور اہلیہ میاں نظیر کو منا کر کھلا پلا دیا اور گھر لوٹ آئے آخر عمر میں پیری کا غلبہ کافی ہو گیا تھا۔ کم سخن بھی ہو گئے تھے۔

پھر نظر دیکھیں گے اس عہد شکن کی صورت / دیکھئے کون سا یارب وہ زمانہ ہوگا
تلخی مرگ جسے کہتے ہیں افسوس افسوس / ایک دن سب کے تئیں زہر یہ کھانا ہوگا
دیکھ لے اس چمن دہر کو دل بھر کے نظیرؔ
پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہوگا

علالت و وفات ۱۲۴۳ھ میں فالج میں مبتلا ہوئے۔ مکتب داری شغل تھا مجبور رہے۔ میاں گلزار علی اسیرؔ ایسے بدشوق تھے کہ گلستاں و بوستاں سے آگے بڑھنے کی قسم کھالی تھی۔ جوان ہونے کو آئے میاں نظیر نے ان کو بلایا اور کہا بھتیجا تم اب یہ مکتب داری کا کام سنبھالو ورنہ کہاں سے گزر اوقات ہوگی۔ وہ بولے میں فارسی کے منتہی طلبا کو کیسے درس دے سکتا ہوں، کوئی ابوالفضل پڑھتا ہے کوئی ظفرا اور بدر چاچ کا سبق لیتا ہے۔ میاں یہ میں کیا پڑھا سکتا ہوں یہ لڑکھڑائی ہوئی آواز میں بولے جاؤ میاں خدا کا نام لو پڑھاؤ۔

چنانچہ یہ پڑھانے لگے اور ہر ایک طالب علم کو بخوبی تعلیم دینے لگے۔ کمسن داروغہ نوازش علی اس سے تاسیر اپنی ولایت کے قائل تھے۔ ۹۰ سال کی عمر ہو گئی تو ۲۶ صفر ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۸۳۰ء کو انتقال ہوا امامیہ طریق پر تجہیز و تکفین ہوئی۔ نماز جنازہ دو مرتبہ پڑھائی گئی۔ سنیوں نے علحدہ پڑھی۔ ہندو مسلمان ہزاروں شریک تدفین تھے۔ اپنے مکان ہی میں زیر نیم دفن کئے گئے۔ زمین دوز قبر پختہ بنوادی گئی۔ جو آج شکستہ حالی کا مرثیہ پڑھ رہی ہے۔

سالانہ عرس ہوتا تھا۔ جنوادوں کا جاڑ ہوتا تھا موسیقی نواز آتے تھے اور رات بھر یہ میلا رہتا تھا اب بہت کمی پر ہے۔

ہے تاج گنج میں اب تو نظیر کا میلا
نظیر کیا کہ عجب ہے نظیر کا میلا

اولاد
میاں نظیر کے ایک صاحبزادہ خلیفہ سید گلزار علی اسیر اور ایک دختر امامی بیگم تھیں۔ جو میر نجف علی عرف مرزا جان کو بیاہی گئی تھیں۔ اُنہی کی صاحبزادی ولایتی بیگم تھیں جن سے حضرت شہباز نے میاں نظیر کے حالات معلوم کئے تھے۔ میاں اسیر کی خواجگان دھنکوٹ کے یہاں شادی ہوئی ان سے میاں نثار علی نذیر اور مصاحب بیگم تھیں جو مرزا آغا علی ساکن تاج گنج کو بیاہی گئی تھیں۔ داروغہ مرزا نوازش علی بیگ ولایتی بیگم کے ہی داماد تھے۔

کلام نظیر
نظیر کی زندگی کے بارہ حال حالات معلوم ہو جانے کے بعد اتنا تو آپ کو اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ وہ بہت ہی زود گو اور اونچے نیچے ہر طبقے کی زبان اور ہر سوسائٹی کی معیاری بول چال کے ادا کرنے میں شان استادی کا مالک تھا۔ اب ذرا چلتے چلتے اس کے اندر کی چٹخارے کا تھوڑا سا حظ اور اُٹھا لیجئے وہ کہتا ہے،

بحرِ ہستی میں صحبت احباب
یوں ہے جیسے بروئے آب، حباب

کل ہم نے چمن اندر عجب دیکھا اک دلبر
سہی قامت، پری پیکر، بقطع وضع، خوش منظر

یک سر مو نہ پریشان ہو تو اے کاکل یار
ہم ترے دام میں آکر نہیں جانے والے

زیادہ اس سے اب اخفائے درد کیا ہوگا
کہ جان آنکھوں میں آ گئی پر آہ نہ کی

جب آ گئی ہم سے تکرار نظر پر آستیں   کھینچ لی اس نے رُخِ رشکِ قمر پر آستیں

اس پر رو کے دوانے کی یہ ہے شکلِ لباس   تارِ دامن خار پر شاخِ شجر پر آستیں

سمجھے کیا فصلِ گل ہے یا زمانِ خار ہے ساقی   تو خود اپنی جگہ ایک دولتِ بیدار ہے ساقی

اے صفِ مژگاں تکلف برطرف   دیکھتی کیا ہے الٹ دے صف کی صف

دیکھ وہ گورا سا مکھڑا رشک سے   پڑ گئے ہیں ماہ کے منہ پر کلف

اٹھا دیں ناز اُن کے ہم نہ کیونکر نظیر دل سے کہ جن کے ہو دیں۔

جفا، تلطف، عتاب، شفقت، غضب، توجہ، ستم، نوازش

شرمندۂ رفو نہیں عاشق کا چاکِ جیب   کس باغباں نے گل کا گریباں سلا دیا

آج تو خوش پر نہیں بلبل کو یہ معلوم   کل سر کو پٹکتا ہے چمن کی روشوں سے

کل شبِ وصل میں کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں   آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے

کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیر   ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ یہ اک جناب[1] سے

ہماری روح تو پھرتی ہے معشوقوں کی گلیوں میں   نظیر اب ہم تو مر کر بھی نہ اس جنجال سے چھوٹے

مر بھی جاویں گے تو جز پیرہنِ عریانی   آپ سے ہم نہیں لینے کے کفن یاد رہے

گل سے کوئی کہیو کہ شگفتن سے باز آ   اس کو تو پھولنا ہے نہ پھولے تو کیا کرے

جو نا قبول تھے سو بنایا قبول کو   پھر اسکو وہ بھلا نہ قبولے تو کیا کرے

آ گئے سیر کرتے، تم کو دیکھا، خوش ہوئے   اب خدا حافظ ہے ہم اے یار رخصت ہو چلے

گل رخوں کی بزم میں کیا بیٹھتے ہو اے نظیر   تم بھی رخصت ہو کہ اب سب یار رخصت ہو چلے

ہمارے قطرۂ اشک اسکی سرد مہری سے   کسی زمانے میں موتی تھے اب تو اولے ہیں

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل   اب کہاں لیجا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

[1] جناب سے مراد شاید کوئی مجتہد صاحب ہوں گے، شیعوں کے یہاں اصطلاح میں "جناب" کا لقب مجتہد ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ہے تو کہنے کو ہر کہیں اخلاص — لیک مشکل ہے ہم نشیں اخلاص
اسکی باریکیاں وہی جانے — ہووے جس شخص کے تئیں اخلاص

نظیر کی زباندانی

نظیر کی جزئیات نگاری اور زباندانی کے متعلق جنوری سنہ ۱۹۴۰ء کے نگار میں مولانا عبدالباری صاحب آسی مرحوم مرتب کلیات ہذا کا بھی ایک مضمون شائع ہو چکا ہے یہ وہی زمانہ ہے کہ آسی صاحب اس کلیات کی ترتیب وتسوید میں مشغول تھے اور کیا عجب ہے کہ یہ مضمون اُن کے مقدمے کی کوئی کڑی ہو جو اچانک اُن کی رحلت کے باعث نولکشور بکڈپو میں محفوظ نہ رہ سکا ہو بہر حال بصورت موجودہ مدیر نگار کے شکریہ کے ساتھ مرتب کلیات کی اسی ناتمام تنقید کو شریک مقدمہ بنانا میرا فرض اولین ہے آسی صاحب لکھتے ہیں کہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کی طرح اور نقادوں نے بھی نظیر پر یہ الزام لگا دیا ہے کہ وہ حاطب اللیل ہے اور رطب ویابس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ نظیر کے طرفداروں نے اس کے لمبے چوڑے جواب بھی دیئے مگر افسوس کہ اس مضمون میں اس تنقیح وتنقید کی گنجائش نہیں کہنا صرف یہ ہے کہ نظیر کے کمال فن کو نقادوں نے دیکھا ہی نہیں اور غضب یہ کیا کہ بعض حروف کے خارج الوزن ہو جانے پر ان کو مجرم بنا دیا۔ حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو ایک ایسے ماہر زبان کے یہاں اگر اس قسم کی بعض فروگذاشتیں بھی ہوں تو وہ مورد الزام نہیں ہو سکتا۔ اگر ان لوگوں کے قول کو صحیح مان لیا جائے جو کہتے ہیں کہ ؎ شعر می گویم بہ از آبحیات ۔ من ندانم فاعلاتن فاعلات ۔" تو پھر نظیر کا دامن بالکل پاک ہو جاتا ہے اور اگر انکی رعایت خاطر کیجائے جو عروض کو شعر کا جزو لاینفک قرار دیتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ نظیر پر بھی وہی معمولی سے اعتراض ہو جائینگے جو اوروں پر ہوئے ہیں مگر اس خیال کے ماورا نظیر کے کلام کو دیکھا جائے تو ایک اور ہی دنیا نظر آئے گی اس کہنے سے میرا مطمح نظر وہ نہیں جو آج کل کے بعض نقادوں کا ہے۔ جن کی نظر میں نظیر صرف اسلئے بلند ہے کہ انہوں نے ایسے زمانہ میں نظم کی بنیاد ڈالی جب دوسرے شاعر مثنوی اور غزل کے سوا اور کسی طرف رُخ ہی نہ کرتے تھے دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ خیر ایسا تو ہو گیا ہے نظم کی طرف توجہ تعجب خیز اور حیرت افزا نہیں بلکہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دیسی، قومی، ملکی چیزوں کی جسقدر نظیر کے کلام میں افراط ہے اور جس خیر وخوبی سے انکا تذکرہ

اس کے یہاں ہے وہ اُسوقت تو کیا اسوقت کے بھی کسی ہندوستانی شاعر کے یہاں موجود نہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو کم ازکم اسوقت تک نظیر کے خیرخواہوں کی نگاہ میں ہیں۔ اسی پر اس کو ہندوستان کا شیکسپیر بتایا گیا ہے اور اسی لئے اس کو ملکی شاعر مانا گیا ہے۔ یہی اسکا کمال شاعری ہے اور یہی اسکے کلام کی معراج ہے۔

زبان اور معلومات شاعری کی داخلی اور خارجی خصوصیات میں سے اسوقت صرف دو چیزوں کو لینا چاہتا ہوں زبان اور معلومات، اور انہیں سوائے انشا کے کوئی دوسرا شاعر نظیر کا مقابل نہیں ٹھہرتا۔ نظیر جس چیز کا ذکر کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تمام متعلقات اور ضروری چیزیں اسکے گرد وپیش کھڑی ہوئی ہیں اور وہ ان کو دیکھ دیکھ کر اشعار میں نظم کرتا جاتا ہے۔ ان میں کی اکثر چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنکو دوسرے لوگ جاننا تو کیا پہچانتے بھی نہیں۔ اور اگر پہچانتے بھی ہیں تو دوسرے ناموں سے۔ مگر نظیر چونکہ ان کی اصل وحقیقت سے باخبر ہے وہ بغیر کسی تکلف کے انکو ایسے ناموں سے یاد کرتا ہے جس کی دوسروں کو ہوا بھی نہیں لگی اسی چیز کو ہم تفصیل کے ساتھ آگے چلکر لکھیں گے

شاعر کے لئے سب سے ضروری چیز زبان کی مہارت کے بعد اسکا مطالعہ و مشاہدہ ہے۔ مطالعۂ فطرت ہی تخئیل کے پیدا ہونے کا اصل راز ہے اگر یہ نہ ہو تو اس کی تخئیل ایک مرغ پر شکستہ کی مانند بےحس وحرکت بنکر رہ جاتی ہے خیال کی بلند پروازی، معانی کا تنوع، مضامین کی رنگا رنگی سب اسی کے ماتحت ہیں، اور نظیر مطالعہ فطرت کا بادشاہ ہے۔

دنیا میں ہزاروں رسوم ہیں جو ہر تہوار، ہر شادی وغم کے موقع پر برتی جاتی ہیں مگر ان کی جزئیات کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں۔ مگر نظیر کو دیکھئے کہ وہ بغیر اس کے کسی چیز پر نگاہ ڈالتا ہی نہیں۔

ہولی ہندوؤں کا تہوار ہے اور سرسری نگاہ ڈالنے والے یہی جانتے ہیں کہ ایک رات کو آگ لگائی جاتی ہے صبح کو رنگ کھیلا جاتا ہے کچھ پکوان وغیرہ بھی پکتا ہے اور بس۔ معلومات کی اتنی ہی کائنات ہے اور اسکے آگے اندھیرا ہی اندھیرا ہے لیکن نظیر ہولی کو دیکھتا ہے تو اسکے ایک ایک جزو پر نگاہ ڈالتا چلا جاتا ہے اور اس کو دیکھکر سمجھ میں آتا ہے کہ یہ چیزیں تو وہ ہیں جن کو ہم سب نے دیکھتے ہیں مگر کبھی ذہن میں نہیں لاتے ہیں اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ ہمارا مطالعہ اتنا گہرا نہیں ہے نظیر کے یہاں ہولی کی کئی نظمیں ہیں اور ہر ایک میں جزئیات کا عمیق مطالعہ ہے ایک نظم جس میں صرف پانچ شعر ہیں کہتا ہے

بہتوں کے زرد پیراہن میں عطر چھپا جب مہکا — ہوا نقشہ عیاں ہولی کی کیا رسم اور رہ کا

یہ چوتھا شعر ہے

چھڑکنا رنگ خوباں پر عجب شوخی دکھاتا ہے　　　کبھی کچھ ناز کی "اُہ اُہ" کبھی انداز "رہ رہ" کا

پہلے شعر میں اس رسم کا ذکر ہے کہ بسنت سے لیکر ہولی تک زرد کپڑے پہنے جاتے ہیں اور پھر نظیر کے یہاں یہ بھی دستور ہے کہ چنپا کا عطر لگایا جاتا ہے چوتھے شعر میں رنگ ڈالتے وقت "اُہ اُہ" اور "رہ رہ" کی آواز کا بیان یہ سب اسی غائر مطالعہ کا نتیجہ ہے دوسری جگہ کہتے ہیں۔

یا سوانگ کہوں یا رنگ کہوں یا حسن بتا دوں ہولی کا　　　سب ابرن تن پر جھمک رہا اور کیسر کا ماتھے ٹیکا

ابرن یا ابرک کا بدن پر جھمکنا، ماتھے پر کیسر کا ٹیکا ایسی باتیں ہیں جنھیں ہم جانتے تو ہیں مگر یاد نہیں ہم کو رنگ اور رنگ بھری پچکاریاں تو ضرور یاد رہتی ہیں کہ یہی طوفان نشاط اپنے عروج پر پہونچتا ہے تو رنگ کے بجائے بڑے بڑے مہذب لوگوں میں کیچڑ مٹی سے کام لیا جاتا ہے اور جب رنگ کی بھری ہوئی پچکاریوں سے کام نہیں چلتا تو رنگ کی بھری ہوئی لٹیاں لنڈھائی جاتی ہیں۔ اسی چیز کو نظیر ہمارے سامنے نئی بنا کر پیش کرتا ہے

کہیں ہوتی دھینگا مشتی ہے کہیں ٹھہری کھینچا تانی ہے　　　کہیں لٹیا جھکتی رنگ بھری کہیں چلتا کیچڑ پانی ہے

یہ سب جانتے ہیں کہ ہولی میں گانا بجانا بھی ہوتا ہے۔ مگر نظیر کی واقعات نگاری صرف اس کلیہ پر قانع نہیں رہی بلکہ اس نے ان تمام سازوں کے نام بھی لئے اور پھر جو جو خاص اہمیت رکھنے والے لوگ ان جلسوں میں شریک تھے انکا بھی ذکر کر دیا

کچھ طبلے کھٹکے، تھال بجی، کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی　　　کچھ چھیڑیں بین ربابوں کی کچھ سارنگی کچھ چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ دھمدھمی اور مرچنگ بجی　　　کچھ گھنگرو جھم جھم جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجی

ہیں کیا کیا سر میں رنگ بھرے اور سوانگ بھی کیا کیا لاتے ہیں　　　کر باتیں ہر دم چہل بھری خوش ہنستے اور ہنساتے ہیں
کچھ جوگی جیسے بیٹھے ہیں کچھ کامنیوں کے گاتے ہیں　　　کچھ اور طرح کے سوانگ بنیں کچھ ناچتے ہیں کچھ گاتے ہیں

ہر آن نظیر اس فرحت کا سامان دکھایا ہولی نے

منظر کشی | اسی کے ساتھ ساتھ برسات کا ایک منظر بھی دیکھتے چلئے۔ برسات ہندوستان کا محبوب موسم ہے تکلف نگار شاعر ہمیشہ برسات کی بہاریں ناظرین کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ آسمان پر بھورے بادل اودی بدلیاں۔ کالی گھنگھور گھٹائیں پپیہے کا زور، مور کا شور، باد بہاری کا چلنا۔ درختوں کا لہلہانا، سبزے سے تمام جنگل میں مخملی فرش بچھ جانا جھیلوں تالابوں

ڈیروں کا لبریز ہونا یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن سے کم و بیش ہر سننے والا متاثر ہوتا ہے، مگر نظیر کی جزئیات نگاری اس سے آگے اور بڑھتی ہے اور وہ محلوں اور مکانوں کی دیواروں میں کٹی ہوئی جالیوں کو بھی دیکھتا ہے جن پر سب کی نگاہ نہیں پڑتی، لکھتا ہے :-

بجلیوں کی اجالیاں بارہ دری کی جالیاں عیش کی جھومیں ڈالیاں ہنسی گگوں کی ڈالیاں

برسات پر نظیر کی مختلف نظمیں ہیں اور ان سب میں کوئی نہ کوئی ایسی ہی خصوصیت موجود ہے جیسا کہ اوپر کے لکھے ہوئے شعر میں ایک اچھوتا خیال پیش کیا گیا ہے اسی طرح برسات کے اس مخمس میں جس کا پانچواں مصرع یہ ہے کہ :-

آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ایک خیال کو نظم کیا ہے جو کہیں میری نگاہ سے نہیں گزرا ہندو مذہب میں ہر چیز سے متعلق کچھ کام کرنے والے دیوتا مانے گئے ہیں جیسے اگنی دیو آگ کا اور پون دیو ہواؤں کے چلانے کا موکل ہے اسی طرح میگھ راج بادلوں کا دیوتا ہے۔ نظیر کو ایکدم اسکا خیال آتا ہے اور وہ اس خیال کو اسطرح ادا کر جاتا ہے :-

قاصد صبا کے دوڑے ہر طرف منھ اٹھا کر ہر کو وہ دشت کو بھی کہتے ہیں یوں سنا کر
ہاں سبزہ چوڑے پہنو ہر دم نہا نہا کر کوئی دم کو میگھ راجا دیکھے گا سب کو آ کر

یہ خیال کہ برسات میں مکانات ہر وقت پناہ مانگتے رہتے ہیں سبھی کو معلوم ہے اور عجب نہیں ہے کہ کسی نے مکانوں کے گرنے کا ذکر بھی کیا ہو مگر یہ مجھے یقین ہے کہ اس تفصیل اور تجزیہ مصیبت کا سہرا صرف نظیر ہی کے سر ہے۔ وہ مکان کا گرنا تو کوئی نئی بات نہیں جانتا مگر اس کی ایک ایک چیز کو بتا کر اپنے بیان کو سب سے الگ کر کے آثار دردار بنا دیتا ہے کہ پھر اس کا مقابلہ دشوار ہو جاتا ہے چنانچہ برسات کی پھسلن کی مناسبت سے اس مخمس کے پانچویں مصرع کی ردیف بھی "پھسل پڑا" رکھی ہے اور چھتا، کوٹھا، اٹاری -- در، چھت، دیوار، دروازہ، پاکھے، چھپت، چھپر، ان سب کو پھسلانے کے بعد مفلس غریب، فیل سوار، پالکی نشین، پیادہ، سوار، ہاتھی سوار، خر، نوکر، آقا کو بھی پھسلا دیا ہے اور پھر خیال آتا ہے کہ لاؤ کچھ کیچڑ کا حال لکھ کر یہ بھی تفصیل کے ساتھ بتا دیں کہ یہ واقعات کہاں کہاں ہوئے ملاحظہ ہو :-

چکنی زمیں پہ یاں تئیں کیچڑ ہے بے شمار کیسا ہی ہوشیار پہ پھسلے ہے ایکبار
نوکر کا بس نہ اس میں کچھ آقا کا اختیار کوچے گلی میں ہم نے تو دیکھا ہے کتنی بار

آقا جو ڈگمگائے تو نوکر پھسل پڑا

کوچے میں کوئی اور کوئی بازار میں گرا　　کوئی گلی میں گر کے ہے کیچڑ میں لوٹتا
رستے کے بیچ پاؤں کسی کا رپٹ گیا　　اس سب جگہ کے گرنے سے آیا جو بچ بچا
وہ اپنے گھر کے صحن میں آکر پھسل پڑا

دلدل جو ہو رہی ہے ہر ایک جا پہ رستمی　　مرمرا قطب ہے مرد تو عورت رہی پھنسی
کیا سخت مشکلات ہیں کیا سخت بیکسی　　اس کی بڑی خرابی ہوئی اور بڑی ہنسی
جو اپنی جا ضرور کے اندر پھسل پڑا

کوئی اور ہوتا تو اپنے گرنے کو چھپاتا مگر نظیرؔ پر تو سعدی کا سایہ پڑا ہے اور لوگوں کو پھسلن کی نذر کر کے خود بھی پھسلے ہیں اور بری طرح پھسلے ہیں کہتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں:-

کیچڑ سے ہر مکان کی تو بچتا بہت پھرا　　پر جب دکھائی دی کھلے بالوں کی اک گھٹا
بجلی بھی چمکی حسن کی مینھ برسا ناز کا　　پھسلن جب ایسی آئی تو کچھ بس نہ پھر چلا
آخر کو واں نظیرؔ بھی آکر پھسل پڑا

جزئیات نگاری نظیرؔ کی جزئیات نگاری کا یہ عالم ہے کہ ان کو مفصل بیان اور تشریح پسندی کا خوگر بنایا ہے اس کا حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا مگر یہ بے تکلف اور بے باکانہ کوئی واقعہ پیش کرتے ہیں تو الفاظ کا ایک موجزن سمندر ہماری نظر کے سامنے آجاتا ہے اور ہم حیران رہ جاتے ہیں۔

حمد کو اس طرح شروع کرتے ہیں:-

کل عالم تیری یاد کرے، تو مالک سب کا سچا ہے

اس ارض و سما کے عرصے میں یہ جتنا جھم جھگا ہے　　یہ ٹھاٹھ تجھی سے باندھا ہے یہ رنگ تجھی نے رچا ہے
حیوان پکھیرو نر ناری کیا بوڑھا بالک بچا ہے　　کیا دانا بینا ہوش بھرا کیا بھولا نادان کچا ہے
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

ہشیار و دانا، مست، بڑا عیار، نظر، ناقص، کامل　　سردار، غریب، ادنیٰ، اعلیٰ، زیرک، سیانا، نادان، غافل

رمال نجومی گھڑیالی ملا برہمن پنڈت عاقل کیا بید، ہندس ابجد داں، کیا عالم فاضل کیا جاہل

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

ابدال قطب، اور غوث ولی ہے دھیان میں تیرے دل سب کا کیا گیانی، دھیانی، نارمن، کیا جوگی جنگم، گرو چیلا

تو پالنے والا ہے سب کا اور سب کا تجھ سے دھیان لگا کیا شاہ نظیر اور کیا راجا کیا مفلس کیا کنگال گدا

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

دریا و سمندر جھیل نہر ندی نالے ڈبرے جو ہٹہر سیپی، گھونگے، کوڑی، موتی، گھڑیال، اور ناکے سوس مگر

جونکیں، بھینیس گو ہیں جھینگے، مرغابی، بطخ، بیل، انبر کیا لاچی، پیدی اور بھنور، کیا کچھوا، مگر کیا جی جنتر

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

پھلواری، باڑی، باغ، چمن، ہر سب کو یاد تری ہی بھلی تو مالی، والی، رکھوالی، کیا برجھ بھلی کیا پیڑ، بلی

کوئی مالا پھیرے کوئی سمرن ہے سب کے دل میں یاد بھلی کیا چوٹی جڑ کیا پھل کونپل، کیا ٹہنی، پتا، کلی کلی

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

ہیں دشت، بیاباں اور وادی عرصہ میداں صحرا جنگل ویرانہ، پٹ، جھاڑ، اور شجر بوٹی جھاڑی پیڑ، اور جبلی

پیلو، پاکھر، نرما، سیمبھل، کچنار، سنبھالو، بڑ، پیپل کیا ابر ہوا کیا برق گھٹا کیا دل بادل کیا جل اور تھل

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

رابیل، نگیسر، مولسری، مدمالت، بیلا اور رمن دوپہری، گیندا، گل لالہ، نافرماں، کرنا، بان، مدن

جائی، جوہی، شبو، نرگس، سنگار، چنبیلی، سیم بدن کیا پھول گلابی، گل طرہ، کیا ڈیلا، بانسہ، سکھ درشن

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

انگور، سنگترہ، نارنگی، بر سیو، سدا پھل، سیتا پھل نارنج، جمبیلی اور کرلے کھٹے میٹھے، کمرکھ، گلگل

آنب، جامن، ملکری، بادام، چھوارے، اور جا پھل کیا گولر، کھٹے، مولسری، کیا شفتالو، کیا کٹھل، بڑھل

کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

سیار، ثوابت، لوح و قلم، جنات عدن، فردوس، فلک خورشید سے لے مہتاب تلک، مہتاب سے لے خورشید تلک

ثَلو طبایع قوس، جدی، میزان، اسد، سرطان، ہر اک   کیا رضواں غلماں جنت کے کیا عرش بریں کیا حور و ملک
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

گر مد، سنکھ، کلنگ اور پار کوئی سارس بگلا کوئل تیتر   سرخاب ترتی زاغ و زغن سیمرغ اور سارس مور سفر
بہری لگھڑ، طوطا، مینا، ہد ہد فکرے باشے تیتر   کیا بلبل قمری، لعل بیا کیا لکھی بھنگا اور مچھر
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

گج گینڈا ارنا شیر پلنگ آہو ہرنی روبہ گیدڑ   سیہی نیولا سانڈا بچھوا افعی چیل چتی اژدر
گج کوہی پاڑا گرگ، چرغ گرگٹ چلپاسہ موش گر   کیا جل مانس کیا بن مانس کیا ہاتھی گھوڑا بیل شتر
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

کوئی خالق، باری، رب مولا، رحمان رحیم اللہ تنگری   کوئی الکھ روپ کرتار کہے نرکال نرنجن نردھاری
کوئی رام رام کہکر سمرے کوئی بولے شیو شیو ہری ہری   کوئی داتا دنیت دیوا ٹل کوئی راچھس دیوت جن پری
کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے

پیراکی کے سلسلے پر جو نظم لکھی ہے اسے دیکھئے ایسے ایسے محاورات اور الفاظ استعمال کئے ہیں جن کے معنی آج لغت میں ڈھونڈھنے سے بھی نہیں مل سکتے۔ ملاحظہ ہو۔

کھڑی۔ چادر بند۔ ناند پکوا۔ مینڈا۔ بھنوار چھالن۔ چکر سمپٹ مالا۔ مینڈا گھمیر۔ تختہ کشتی پچھاڑ کر ایسی وہ اصطلاحیں ہیں جنھیں نظیر نے زیادہ سے زیادہ ایک بند میں بتا دیا ہے۔

کبوتر بازی کا ذکر آگیا ہے تو وہ ایک ایسا کبوتر باز معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اہل زبان یا زباندان۔ یا شاعر تو اسے کیا سمجھے گا کوئی بڑے سے بڑا کبوتر باز بھی مشکل ہی سے معلوم کر سکے گا کہ میاں نظیر کیا فرما رہے ہیں، نام و اقسام مع رنگ وغیرہ ملاحظہ کیجئے:-

بصرئی۔ کابلی، شیرازی۔ چویا چندن۔ سبزے۔ لکھی شستر۔ اگر۔ طاوسی۔ گل پوٹے۔ نیلے۔ گلی۔ تھیٹر لقے چھیتے۔ جوگئے۔ گھیرے۔ پٹیٹ، چپ تقتے۔ نکھرے زرچے گل آنکھ۔ مل آنکھ۔ اودے۔ زردے۔ کابرے مسی۔ توسی پلکے۔ سیمابی گھاگرا۔ تنبولئے۔ پان لال۔ اگرئی۔ سرمئی۔ عنبری خال، بھورے، الکسی، تانبڑے

بیرے، بمترے، کاسنی، لوٹن ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے جب غور کیا جاتا ہے تو نظیر ہندوستان بھر کے شعرا میں ممتاز معلوم ہوتا ہے مگر اس کے کمال کا نہیں خاتمہ نہیں ہوتا وہ زبان کا حافظ ہی نہیں موجد بھی ہے اگر اس کی نظموں کو غور سے پڑھا جائے تو بعض میں آپ کو ایسے الفاظ ملیں گے جو نظیر نے وضع کئے مگر پھر بھی ان میں آج کل کے موجدوں کی سی بے راہ روی نہیں بلکہ انھیں اصولوں پر جو زبان میں مقرر ہو چکے تھے،

الغرض نظیر زباندانی کے لحاظ سے ہندوستان کے شعرا میں اپنا جواب نہیں رکھتا اور ایجادِ الفاظ کی وجہ سے زبان اردو کا زبردست محسن ہے۔

اس سلسلے میں مختلف غزلوں کے حسب ذیل اشعار پڑھئے اور داد دیجئے۔

جوتم زور آوری کرتے ہو ہم سے دل لگانے میں
کسی نے دل لگایا ہے کہیں لوگو زبردستی

نظیر اب تو ہمارے بس میں ہے کچھ کہہ نہیں سکتا
کرو جو ہو سکے تم سے زبردستو زبردستی

عشاق سے ملنے کی عبث ہو چھو ہو ساعت
جب دل ادھر آجائے وہی نیک شگون ہے

جس منہ پہ جوشِ حسن سے تل بھر بھی جا نہ ہو
وہاں تل بھی آ پڑے تو یہ تل کا کمال ہے

جو دل کے لینے والے ہیں وہ لے ہی جاتے ہیں آخر
دھری رہتی ہے سب اپنی نگہبانی و ہشیاری

کھلی رُخ پہ زلفِ پُرخم مسی رشکِ رنگِ نیلم
غرض اس طرح کا عالم کہ پری کہے اہا ہا

ہزاروں گل، ہزاروں گلبدن تو نے بنا ڈالے
کوئی مٹی سے ایسے گل کھلا سکتا ہے کیا قدرت

قصرِ رنگیں سے گذر، باغ و گلستاں سے نکل
بے وفا جیتے تو مت کوچۂ جاناں سے نکل

دیکھ کر کرتی گلے میں سبز دھانی آپ کی
دھان کے بھی کھیت نے اب آن مانی آپ کی

ایامِ شباب اپنے بھی کیا عیش اثر تھے
کہتے ہیں جنھیں عیب وہ اس وقت ہنر تھے

یہ کچھ بہروپ پن دیکھو کہ ننگی جھنگل دانے کی
بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا، پھر سمٹ جانا

یہ لکتائی یہ یک رنگی رتس اوپر یہ قیامت ہے
نہ کم ہونا، نہ بڑھنا اور ہزاروں گھٹ میں بٹ جانا

نظیر ایسا جو چنچل دلربا بہروپیا ہووے
تماشا ہے پھر ایسے شوخ سے سودے کا پٹ جانا

جدید وقدیم ادبا کی رائے

اگرچہ عام تذکرہ نگاروں اور نقادانِ فن نے نظیر کو منظرِ عام پر لانے میں انتہائی بخل اور ہٹ دھرمی سے کام لیا ہے اور ساتھ ہی اسکے خود نظیر کے لاابالی پن، اسکے شاگردوں اور خاندان والوں کی مجرمانہ خاموشیوں نے اسکے اصلی اور تمام مجموعۂ کلام کو کبھی دُنیا والوں کے سامنے پہونچانے کی جد وجہد نہیں کی مگر قدرت کے اس خاموش منشا کو عملی جامے میں آتا ہوا دیکھ کر بے ساختہ کارکنانِ قضا کی داد دینا پڑتی ہے کہ انہوں نے ہر قسم کے مادی اسباب و وسائل کے نہ مہیا ہوتے ہوئے بھی نظیر کے فیض ادب کو ایک آن بھی کم نہیں ہونے دیا۔ آہستہ آہستہ اُس کا وہ تمام ذخیرۂ کلام بھی پریس میں آتا جارہا ہے اور اسکی سیر د سوانح سے دُنیا والے آشنا ہوتے جارہے ہیں۔

قدیم تذکرہ نگاروں میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جنہوں نے نظیر کو بحیثیت شاعر کیا بحیثیت انسان کے بھی روشناسی کا موقع نہیں دیا اور ایک وہ ہیں جنہوں نے اُسے ذلیل ترین اور بازاری شاعر قرار دے کر اسکے وزن کو قصداً گرانے کی کوشش کی ہے۔ میں اِن دونوں قسم کے لوگوں کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا اُن کا اُسے نظر انداز کر دینا یا سوقیانہ الفاظ میں یاد کرنا دونوں باتوں کا اصلی مقصد و منشا سب پر اچھی طرح ظاہر ہو چکا ہے، یہ خیال کر کے کہ شاید بعض ناواقف لوگ اُسے واقعی ایسا ہی خیال کرتے ہوں یا یہ سمجھتے ہوں کہ کسی گروہ بندی کے ماتحت خواہ مخواہ اب سوا سو برس کے بعد اس کی ذات کو اُبھار کر کوئی ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ذیل میں چند قدیم وجدید ادبا، و مؤرخین کے افکار و آرا جمع کیئے دیتا ہوں تاکہ بالراس والعین سب کو یہ محسوس ہو جائے کہ دُنیا چاہے سراہے یا نہ سراہے، حالات سازگار ہوں یا نہ ہوں اگر خدا کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے تو کوئی اُسکے دینے کو روک نہیں سکتا،

قدیم تذکرہ نگاروں کی تیسری قسم نظیر کے معترفوں پر مشتمل ہے جنہوں نے اپنے اپنے وقتوں میں اُسکی اصل خوبیوں کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی، اگرچہ اُن کی یہ کوششیں بھی پیاسوں کے سامنے ایک قطرے سے زیادہ باحیثیت نہیں قرار دی جاسکتیں پھر بھی چونکہ وہ معترف

اور انصاف کا علم تھامے ہوئے ہیں اسلیے لائق صد مبارکباد ہیں، اب اس کی تفصیل آپ خود ملاحظہ فرمالیں،

۱۔ محمد وزیر خاں مہتمم مطبع احمدی واقع چارسو دروازہ آگرہ کی رائے:۔

"کتاب لطف مآب پسند ہر صغیر و کبیر کلیات نظیر"

۲۔ شیخ نور الدین بن جیواخاں مہتمم مطبع صفدری واقع بمبئی کی رائے:۔

"(کتاب کی نسبت) کتاب لاجواب پسند خاطر ہر صغیر و کبیر اعنی منتخب نظیر (مصنف کی نسبت) نتیجۂ سردفتر شعرائے زمان خویش و مقتدائے رہ روانِ سلوک خیر اندیش جناب شیخ ولی محمد صاحب متخلص بہ نظیر۔

۳۔ سید تصدق حسین صاحب مصحح مطبع اودھ اخبار لکھنؤ کی رائے:۔

"مصنف باکمال نے ہزاروں طرح کے پند و نصائح کو چٹکلوں اور مثالوں میں نظم فرمایا ہے خواب غفلت سے دنیا کی میٹھی نیند سونے والوں کو کس کس حسن ادب سے جگایا ہے حق تو یہ ہے کہ اگلے لوگوں کا کلام بھی عجب پُر تاثیر ہے کہ ہر زمانے اور ہر وقت میں اُس کا مداح ہر صغیر و کبیر ہے۔ یہی کلیات ہے کہ اگر چشم ظاہر سے اس کو دیکھو تو طرح طرح کی دل لگی کی باتوں اور مذاق کی حکایتوں سے مملو ہے اور اگر دیدۂ حق بیں سے بغور و تامل ملاحظہ ہو تو سراسر دنیائے ناپائدار کی مذمتوں اور چرخ کج رفتار کی شکایتوں کا دریا گویا بہ سبو ہے"

۴۔ حکمت یار خاں ابن حافظ احمد خاں شاگرد جناب منشی نثار احمد بریلوی کی رائے:۔

"(کتاب کی نسبت) کتاب لاجواب سردفتر شعرائے زماں سر حلقۂ قلوب عاشقاں، (مصنف کی نسبت) کہ جس کو سیاح دریائے فصاحت بیانی و غواص بحر فہم و معانی جناب شیخ ولی محمد اکبر آبادی متخلص بہ نظیر نے اپنی صاف طبع سے نکال کر رشتۂ بحور زنگار رنگ میں منسلک کرکے جوہریان و نقادان بازار معانی کو مستفیض کیا۔"

۵۔ حکیم میر قطب الدین باطن (شاگرد رشید میاں نظیر) مؤلف گلستانِ بے خزاں

کی رائے :-

• مصنف کی نسبت (پیر مغان میکدۂ سخن۔ جرعہ کش راوقِ مضامین نو وکہن جناب سید ولی محمد نظیر۔ دُرۃ التاج شہنشاہ سخن دانی۔ گوہر یکتائے قلزم فیض رسانی۔ سر پر آرائے اقالیم سخنوری اورنگ پیرائے محافل شاعری۔ شمع شبستانِ مکرمت۔ چراغ دودمانِ عزت۔ گلدستۂ گلستانِ عظمت۔ غنچۂ بہار ندرت۔ لعل معدنِ علم وحیا۔ گوہر گنج اتقا۔ خورشید آسمانِ وفا۔ ماہ چرخِ صفا۔ بادہ نوش میخانۂ مضمونِ یک رنگی۔ رحیق پیمائے مصبطۂ معنیٔ دل نشینی۔ مخزنِ جود و احساں۔ معدنِ الطاف بے پایاں۔ حلیم الطبع۔ خلیق الوضع۔ مطلع انوار سواد نظم۔ مقطع بیاض تجلیات بزم۔ حریف محفل آشنائی۔ ظریف انجمن دانائی۔ خلاصۂ خاندانِ بسالت۔ سلالۂ دودمانِ اصالت۔ چرخ ہمت۔ زمین حلم۔ دور از جہل نزدیک بعلم۔ وحید عصر۔ یکتائے زماں یکہ تازِ عرصۂ مضمونِ سخن سنجاں۔ آشنائے غوامضِ نکتہ چینی۔ دانائے دقائق رنگینی۔ عالی عسکر بلند ہمت، رفیع مرتبت، بزرگ شوکت، والا فطرت، اوجِ فتوت۔ ہادیٔ شعر القب۔ صاحب قاعدۂ ادب۔ (شاعری کی نسبت) خیاطِ ازل نے قبائے مضامین نادر اُن کی عقل کے جسم پر قطع کی۔ دبیر فلک نے بیاضِ سخن پردازی و مضمون طرازی ان کے نام بخشی۔ بلاغت میں سلمانِ ساوجی بسم اللہ خوانِ دبستاں۔ فصاحت میں سحبان بن وائل طفل مکتب ایشاں۔ اِن کے چمن فکر میں اِس طرح کے گلہائے مضامین کھلے ہیں کہ اگر عین خزاں میں بلبلِ تصور کو اس باغ میں لے جائیے تو اُن پھولوں کی بو کارِ نفسِ عیسوی کرے۔ نغمہ سرائی عندلیب طبع کی اگر طوطیٔ بے جاں سُنے تو ہزار جان سے نوا سنج توصیف و مدح ہو کر ان کا دم بھرے۔ جس شاخ پر ایک پھول گلستانِ سخن اِن سے کھلا دیکھیں ہستیارانِ شائق عنادل وار جان نثار کریں۔ گلشن جنت ایک برگِ خزاں رسیدہ چمنستان طبع۔ بہارِ خُلد غنچۂ گلبن باغِ جنان طبع۔ شاعر اس کو کہتے ہیں کہ واقف ہو زمانے کے امورات نیک و بد سے۔ ہمہ داں شیریں بیاں ہو بڑھ کے حد سے شعر گوئی کے دقائق سے خوب ماہر ہو۔ شاعری کے سب نکتوں کا فائدہ اُس پر ظاہر ہو۔

شاعری کے عملوں کا عامل ہو۔ ہر طرز میں مہارت کامل ہو۔ جیسے ہادی شعرا۔ شاعر نامدار، عالی مقدار جن کے کلمات شایستہ نے گوش فہم عالم کو عقل سماعت بخشی اور شہر شہر دیہ دیہ قصبہ قصبہ ہر کوچہ و برزن میں ہزاروں فرسنگ بجز ذکر داوصاف نظم ونثر اُس جنت آرامگاہ کے کچھ بات نہ سُنی۔ ساقی خم خانۂ فیضِ طبع نے تشنۂ بادۂ شوقِ سخن کا لب ترکیا۔ پیر مغانِ طبع نے ہر ایک خشک کام گلو ترکردہ راوق تمنائے سخن کا اپنے دور میں لبالب ساغر کیا۔ کلام نظیر شعرائے عصر کے لیے نظیر ہے۔ تقریر عاصی بے نظیر ہے۔"

۶۔ ابوالقاسم میر قدرۃ اللہ قادری صاحب تذکرہ کی رائے:۔

(مصنف کی نسبت) شیخ ولی محمد اکبر آبادی۔ شاعرے است دیرینہ مشق کہ بالفعل (۱۲۲۱ھ) دراں نواحِ علم اوستادی مے افرازد۔ در محبت و اخلاص باہر کس می بازد بسیار سلیم الطبع وخوش اختلاط ونہایت نیک طینت ومستحکم ارتباط شنیدہ می شود۔ بہ علمی اوقات گزارہی می کند و بہ کشادہ پیشانی ایام زندگی بسر می برد۔"

۷۔ سعادت خاں ناصر صاحبِ تذکرۂ جوشِ معرکہ کی رائے:۔

(مصنف کی نسبت) نظیر۔ وضع قلندرانہ۔ مرد آزاد۔ معاش اُس کی تعلیم صبیان اور اُجلات صدائے فقیراں۔

۸۔ منشی سید احمد دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ کی رائے:۔

"بعض دہلی کے تذکرۂ شعرا جمع کرنے والوں نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ ایک ملائے مکتبی۔ محبت الفاظ سے معرا۔ پُرگو۔ اور عوام الناس کی بلکہ جہلا کی زبان لکھنے والا تھا۔ لیکن میری رائے میں وہ ہندوستان کا شیکسپیر اور فطرتی اور قدرتی مضامین کے بیان میں یدطولیٰ رکھنے والا تھا۔ اُس نے ادنیٰ اونیٰ اور رکیک رکیک مضمونوں کو اس خوبی سے باندھا اور عمدہ نتیجہ نکالا ہے کہ دوسرا نہیں نکال سکتا۔"

۹۔ مولوی نذیر احمد کی رائے:۔

شواہد اس بات کے بکثرت ہیں کہ نظیر کا کلام مدتوں مولنٰنا کے پیش نظر رہا ہے اور بہت دور تک اُس نے پسندیدگی کا شرف بھی حاصل کیا ہے کیونکہ اکثر اشعار اُس کے اُنکی تصانیف میں پائے جاتے ہیں چنانچہ اُردو میں قرآن شریف کا جو ترجمہ مولنٰنا نے شائع کیا ہے اُسمیں بھی اللہ یستھزئ بھم و یمدھم فی طغیانھم کے فائدے کے ضمن میں نظیر کے یہ ضرب المثل اشعار موجود ہیں۔

نیکی[1] کا بدلہ نیک ہے بد کر بدی کو ساتھ لے — کانٹے لگا کانٹے ملیں پھل پات بو پھل پات لے
کل جگ نہیں کر جگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے — کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

اِس سے بڑھ کر ایک شاعر کے لیۓ اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ اُس کا شعر ترجمۂ قرآن جیسی مقدس کتاب میں ایک اہم قاعدۂ بلاغت کے اثبات میں نقل ہو۔

ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں جو تقریر مولنٰنا نے کی اُس میں نظیر کے ایک شعر کو نہایت تکلف سے پڑھا اور اُس کی طرف لوگوں کی توجہ کو کسی قدر غیر معمولی طور پر منعطف کیا۔ جس عبارت میں نظیر کا ذکر کیا ہے یہ ہے:۔

"تمہارے آگرے میں ایک صاحب من وجہ بندے کے ہمنام ہو گزرے ہیں یعنی نظیر اکبر آبادی۔ من وجہ میں نے اس لیے کہا کہ نظیر اُن کا تخلص تھا۔ اور میرا نام ہے اُن کا تخلص "نظر" سے تھا۔ میرا نام "ذ" سے ہے۔ ایک صلاح وہ بھی بتا گئے ہیں۔ نہیں معلوم ہنسی ہے یا واقعی۔ دیکھو شاید وہی مفید ہو۔ اُن کی تو یہ صلاح ہے۔

کونڈی نکلے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل — چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل"

۱۰۔ مولوی سید محمود آزاد کی رائے:۔

ایک بزرگ حکیم نبی بخش، میر غلام پیر مرحوم کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ نظیر کا کلام اُن کی زبان پر چڑھا ہوا تھا۔ وہ بات بات پر اُس کی تعریف کرتے اور کہتے مجھے تو

[1] ترجمۂ قرآن صفحہ ۵۔

اس کے سوا کسی کے کلام میں مزہ ہی نہیں آتا۔ میں تو جب دیکھتا ہوں اُسی کا کلام دیکھتا ہوں میں ان کی باتیں سنتا اور ہنستا کہ مرد خدا کس قدر بدمزاق ہے۔ اُن دنوں ناسخ کے کلام کا مزہ دل میں سمایا ہوا تھا۔ نظیر نگاہ میں جچتا ہی نہ تھا۔ دل میں کہتا حکیم صاحب کو چونکہ استعداد نہیں ہے اس لیئے ایک بد استعداد شاعر کی اس قدر تعریفیں کرتے ہیں۔ لیکن اب حکیم نبی بخش کی باتیں یاد آتی ہیں۔ واقع میں اُن کی رائے مذاق سلیم کا نتیجہ تھی نہ کہ نتیجۂ بداستعدادی۔ اب جو دیکھتا ہوں تو میرے خیال میں نظیر کسی طرح میر وغیرہ اساتذۂ قدیم سے کم نہیں۔ کلیات نظیر میں نے حکیم صاحب ہی کے تقاضوں سے منگوایا تھا۔"

۱۱۔ شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی کی رائے:۔

ان سے سوانح عمری نظیر کا ذکر آیا تو یہ متعجب نہیں ہوئے بلکہ بہ کشادہ پیشانی تمام اُس کے شاعرانہ کمالات اور خوبی کلام کا اقرار کیا اور اُس کو ریلسٹک پوئٹ کا خطاب دیا اور اس امر کے ثبوت میں کہ وہ اُس کے کلام کو کسی زمانے میں دل سے پسند کرتے تھے فی الوقت نظیر کے یہ اشعار پڑھنے لگے:۔

تنِ مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا — گیا وہ تو جس سے مزیّن یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا — مشیّن بدن تھا معطر کفن تھا
جو قبر کہن اُن کی اُکھڑی تو دیکھا — نہ عضو بدن تھا نہ تارِ کفن تھا
نظیرؔ آ گئے ہم کو ہوس تھی کفن کی — جو دیکھا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

پھر بعض فرینچ تصنیفات کا حوالہ دیا اور کہا کہ نظیر کے حالات ڈھونڈھ کر انہیں سے نکالوں گا۔

۱۲۔ ڈاکٹر فیلن کی رائے:۔

"انگریزی علم ادب میں سب سے زیادہ نظیر کے کلام سے انتخاب کیا گیا ہے۔ صرف یہی ایک شاعر ہے جس کی شاعری اہل فرنگ کے نصاب کے مطابق سچی شاعری ہے

مگر ہندوستان کی لفظ پرستی اُس کو سرے سے شاعر ہی تسلیم نہیں کرتی۔ صرف نظیرؔ ہی ایسا شاعر ہے جس کے اشعار نے عام لوگوں کے دلوں میں راہ کی ہے۔ اُس کے اشعار ہر سڑک اور گلی میں پڑھے اور گائے جاتے ہیں خصوصاً اُس کے خاص شہر آگرہ میں اور واعظین (یا پادری) جو کہ اُس کی نظموں سے بہت اچھی طرح آشنا ہیں اُس کے اور کبیر کے اقوال کا شارع عام پر وعظ کہتے وقت نمایاں تاثیر کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ نظیرؔ میں تمام وہ صفتیں دل اور دماغ کی جمع تھیں جو فطری ذکاوت کو امتیاز بخشتی ہیں۔ اُس کی نظمیں آپ اُس کی سوانح عمری ہیں کیونکہ قالب نظم میں یہ شخص اپنی تمام ذاتی خصوصیتوں کے ساتھ جیتا جاگتا نظر آتا ہے۔ اور سامان نہ سہی۔ فقط اُنہی نظموں سے اُس کی تصویر کے بعض خط و خال نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ وہ حقیقت میں آزاد بینوا تھا اور یہی وہ اپنے تئیں بتاتا بھی تھا وہ اصل میں دُنیا سے بے تعلق صوفی تھا جس کا اوروں کو صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ وہ تقدیر کی نہ موافقت کی پرواکرتا تھا نہ مخالفت کی۔ وہ کچھ چاہتا ہی نہ تھا۔ وہ نہ کسی مرد کی پرواکرتا تھا نہ کسی عورت کی۔ عورتوں سے اگر مطلب تھا تو صرف اتنا کہ دور سے اُن کے حُسنِ صورت پر غش ہولے۔ نہ اقبال سے وہ پھولتا تھا نہ ادبار سے ملول ہوتا تھا۔ جیسا کہ اُس نے خود کہا ہے وہ "اپنی کھال میں مست" تھا۔ اُس نے کبھی اپنی کسی تحریر کے حفاظت سے رکھنے کا خیال نہ کیا اُس کی نسبت لوگ روایت کرتے ہیں کہ اُس کا معمول یہ تھا کہ نظم لکھی اور لکھ کر پھینک دی۔ شاگرد یا دوست جن کے لیے وہ نظم لکھی اُٹھا کرلے گئے۔ نہایت وسیع معنوں میں وہ اعلیٰ درجہ کا آزاد۔ اعلیٰ درجہ کا موحد، اعلیٰ درجہ کا حکیم، اور اعلیٰ درجے کا جگت دوست تھا۔ اُس کی ذکاوت کی رنگا رنگی اُن مضامین رنگا رنگ سے ظاہر ہوتی ہے جن پر اُس نے طبع آزمائی کی ہے۔ جس قسم کے شاعرانہ خیالات اُس نے اُن معمولی چیزوں سے پیدا کیے ہیں جن پر اور ہندوستانی شاعروں نے لکھنا یا تو کسرِ شان سمجھا یا اُن کو لکھنے کی قابلیت ہی نہ تھی اُنہی کو ہندوستانی محققین ناواقفیت سے اِس بات کا نہایت یقینی ثبوت خیال کرتے ہیں

کہ وہ کوئی شاعر نہ تھا۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ "اُس نے اِس قسم کی مبتذل چیزوں پر لکھا ہے۔ آٹا دال۔ ککڑی۔ مچھر" اُس کی طبیعت کی رنگا رنگی اور اُس کی تخیل کی قوت علاوہ بریں اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اُس نے ایک ہی چیز کی مختلف نظموں میں مختلف پہلو سے مختلف تصویریں دکھائی ہیں۔ اُس کا دیوان خاصا تصویروں کا ایوان ہے جس میں ہندوستان کے رہنے والوں کے کھیل۔ تماشے۔ عیش۔ تفریح۔ رنج۔ غم۔ دل۔ دماغ سب کی بولتی چالتی تصویریں نظر آسکتی ہیں"

"نظیر طبیعت (فطرت) اور ہر قسم کی انسانیت کے ساتھ ایک گہری ہمدردی رکھتا تھا وہ ہر چیز میں خوبی پاتا تھا۔ وہ خوش ہے جب گروہ کا گروہ خوش ہے۔ وہ اُن کے کھیل تماشوں سے مزہ لیتا ہے۔ وہ اُن کی مصیبتوں سے دُکھ پاتا ہے۔ صرف یہی ایک شاعر ہے جس نے لڑکوں کے پیار اور محبت کو لکھا ہے اور صرف یہی ایک شاعر ہے جس کو غریبوں مفلسوں بے کسوں مصیبت زدوں اور سب سے کس مپرس خدا کی مخلوق کے ساتھ جوشِ ہمدردی ہے جیسا کہ اُسنے اس مضمون کو نہایت عمدہ طور سے اپنی اُس عمدہ نظم کے مقطع میں ظاہر کیا ہے جو اُس نے آدمی نامے کے نام سے انسان پر لکھی ہے:۔

اچھے بھی آدمی ہی کہاتے ہیں اے نظیر ۔۔۔۔ اور سب میں جو بُرا ہو سو ہے وہ بھی آدمی

پاک عشق کی تصویر جو اُس نے کھینچی ہے وہ اُسی کا حصّہ ہے اور اِسی لیئے اُس نے کھینچی بھی خاصی ہے۔

اُس کے کلام کا سب سے عمدہ حصہ کسی مطبوع مجموعے میں نہیں ہے جو اُس کے نام سے چھپا ہے۔ اُس کا اس قسم کا کلام صرف رمتے ہوے فقیروں (آزادوں) اور ناخواندہ اشخاص کی زبانی سنا جاتا ہے جو کہ اپنے سینوں میں اُس انسانی فطرت کا کچھ بہتر احساس رکھتے ہیں جس کے نقش و نگار نظیر نے اِس خوبی سے دکھائے ہیں۔ یہ ناخواندہ اشخاص اپنی پسند کی نظمیں زبانی رکھتے ہیں بخلاف اسکے کہ پڑھے لکھے حضرات اپنی پسند کے شعراء کا کلام زبانی

نہیں رکھتے ۔ اور ان کی ایک بہت بڑی جماعت ان مقبول نظموں کو رغبت سے سنتی اور متلذذ ہوتی ہے اور اس لذت کے اُٹھانے میں اپنا وقت کہیں زیادہ صرف کرتی ہے بہ نسبت اس کے کہ پڑھے لکھے اشخاص کہیں کہیں اپنے اُن غیر اصلی اور لفاظ شعرا پر صرف کرتے ہوں جن کے مدّاح ہونے کا وہ دم بھرتے ہیں۔ اور پھر ناخواندہ اشخاص کی خوشی زیادہ گہری بھی ہے اسلیے کہ اُن کا سلیقۂ فطری زیادہ سچّا ہے اور اُن کی رغبت کی شے زیادہ قابل مدحت ہے "

" اُس کے دل و دماغ کی صفائی اور اُس کی تجربے کی لطافت اِس درجے کی ہے کہ جب وہ کوئی فحش خیال بھی پیدا کرتا ہے (جب کہ یہ بات اُس تصویر کی صحت خط و خال اور تکمیل کے لیے ضروری ہوتی ہے) تو فحش پر اس لطافت کے ساتھ پردہ ڈال دیتا ہے کہ وہ ہمیشہ خود ہندوستانی لوگوں کو بھی صاف نظر نہیں آتا جو اس کثرت کے ساتھ ذومعنی الفاظ اور ضلع جگت کا استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ وہ کسی پاک جذبۂ دل کی اعلیٰ خوبیاں تعرف الاشیاء باضدادہا کے اصول پر بیان کرنے کو ہوتا ہے تو شہوانی خیال کو دماغ میں دیر تک رہنے اور اُس پاکیزہ خیال کے محو کرنے کی اجازت نہیں ہوتی جس کو نظیر بار بار پڑھنے والے کے پیش نظر رکھتا ہے "

" بعض مضامین شدّت سے فحش ہیں مگر شوخی جو سچّی اور جان دار نقاشی کے لیے ایک جزو ضروری ہے اس طرح اس کے کلام میں ملی ہوئی ہوتی ہے کہ فحش بالکل نظر نہیں آتا۔ صرف پاکیزہ ظرافت اور لطافت چھائی ہے اور بڑی دل موہ رہی ہے "

" نظیر نے مادری زبان کے خزانوں پر اپنا سکّہ بٹھا دیا ہے۔ اُس نے اس خصوص میں وہ کام کیا ہے جو صرف سلاطین (اقلیم سخن) مثلاً چاسر و شیکسپیر کر سکتے ہیں۔ اُس نے ہندی الفاظ کو تمام اُن خوش نما ترکیبوں میں ظاہر کیا ہے جن میں وہ ظاہر ہو سکتے تھے اور اپنی ذات پر جو اں مردانہ اعتماد کر کے جو ذکاوت کا خاصّہ ہے اُس نے لفظوں کے نئی ترکیبوں اور نئے معنوں میں استعمال کرنے کی جرات کی ہے اور یہ ترکیبیں اور معنی ہمیشہ خوش آیند ہیں "

"جو کچھ نظیر نے لکھا ہے اُس میں مشکل سے کوئی معمولی مصرعہ ہوگا۔ اور جو کچھ اُس نے لکھا ہے اُس کا ایک بہت بڑا حصہ بجائے خود ایک مشاہدہ ہے۔ اس کے خیال کی گہرائی اور اُس کی اُن نادر ترکیبوں کی قوت جن میں کہ ہر لفظ اظہار معنی میں دوسرے کا معاون ہے جس قدر غور کیجیے اُسی قدر ظاہر ہوتی ہے۔ علم والے ہندوستانی ادبا جن کی کوشش صرف الفاظ کے پیچھے صرف ہے وہ رسائی خیالات میں اس قدر کوتاہ ہیں کہ اکثر نظیر کی وسعت و خوبی معنی کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے ہیں اور وہ اُس کی ترکیبوں کی خصوصیت مناسبت کو بھی نہیں سمجھتے جو وہ ترکیبیں اُن تمام معانی کے ساتھ رکھتی ہیں جو اُن سے نکلتے ہیں۔ اور یہی وہ شاعر ہے جس سے قریب قریب تمام یوروپین ناظرین بالکل ناواقف ہیں اس لیے کہ ہندوستانی اُدبا و شعرا اُس کا نام لینا بھی کبھی پسند نہیں کرتے۔"

"علم والا گروہ جو کہ نظیر کی قدردانی کی صلاحیت نہیں رکھتا اُس کی پرستش کی چیز ناسخ ہے۔ ناسخ جس کی تشبیہیں نہایت صناعی کے ساتھ مختلف اور صداقت سے بہت زیادہ دور ہیں اور جس کی زبان عربی اور فارسی الفاظ اور فارسی ترکیبوں کا ایک خاصا میلا ہے جس میں کسی معمولی ہندی لفظ یا حرف کو صرف اُسی صورت میں شریک کیا گیا ہے جب کہ اُس کی شرکت سے گریز نہیں رہا۔" (ماخوذ از دیباچہ لغات ہندوستانی و انگریزی مصنفہ ڈاکٹر فیلن۔ صفحہ ۸ تا ۱۰)۔

۱۳۔ مذکورہ بالا دور کے بعد یعنی نظیر کی موت کے تقریباً ۷۵ برس کے بعد کچھ اور لوگوں کو خاص طور سے اُس کے حالات اور کلام کے کھوج کا شوق دامنگیر ہوا جن میں مولوی عبدالغفور صاحب شہباز پروفیسر اورنگ آباد کالج کا نام خاص طور پر قابل تذکرہ ہے، آپ نے ۱۸۹۹ء میں ۴۲۵ صفحوں پر ایک ضخیم کتاب "زندگانی بے نظیر" کے نام سے مرتب کی جس میں انتہائی تلاش و تحقیق اور اس وقت کے بڑے نقادوں، ادیبوں اور مورخوں کے مشورے کے بعد کلام نظیر کو کافی تفصیل کے ساتھ ریسرچ کیا اور صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ

اس کے فوراً ہی بعد ایک نئی کلیات نظیر بھی گیارہ سو صفحات پر مشتمل شائع کی جس پر اگر یہ کہا جائے تو شاید بالکل بجا ہوگا کہ پرانے تنقید نگاروں اور مورخین سخن نے جو دانستہ یا نادانستہ ٹھوکر کھائی تھی اُن کی ان خدمتوں سے بڑی حد تک تلافی ہوگئی اور ملک کا ہر پڑھا لکھا طبقہ نظیر اور کلام نظیر سے آشنا ہوگیا،

شہباز ہی کا یہ لٹریچر آج کل عام طور سے تمام مصنفین و مؤلفین کے لیے جو نظیر کے متعلق کچھ لکھتے پڑھتے رہتے ہیں خضر راہ رہتا ہے۔

۱۴۔ اس کے بائیس برس کے بعد نظیر کے ہموطن حضرت مخمور اکبرآبادی کا نام ہے، آپ نے بھی اس سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ "روح نظیر" جو آپ کا مرتبہ مجموعہ ہے دو ایڈیشنوں میں ابتک شائع ہو چکا ہے، پہلا ایڈیشن مختصر تھا مگر اب تازہ ایڈیشن جو ۱۹۴۶ء میں آگرہ کے اندر شائع ہوا ہے ۲۶×۱۷/۵×۷ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں آپ نے علاوہ بہت سے غیر مطبوعہ کلام کے اضافے کے شروع کتاب میں ۸۰ صفحہ پر ایک بہت ہی کارآمد اور مبسوط مقدمہ اور ۱۶۰ صفحوں پر نظیر کے کلام پر تبصرہ کرکے اُردو ادب پر بڑا بھاری احسان کیا ہے، اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً ملک کے ادبی و تاریخی رسائل میں بھی اکثر نظیر کے اوپر آپ کے مقالات شائع ہوتے رہے ہیں چنانچہ جنوری ۱۹۴۰ء میں آپ نے جو مقالہ تحریر کیا تھا اس میں آپ لکھتے ہیں،

نظیر پر اک نظر کہا جاتا ہے کہ نظیر (۱۷۳۰ — ۱۸۳۰) محمد شاہ کے عہد سے اس عہد کی ابتدا تک جسے تاریخ، دور مستقبل میں عہد انقلاب کہے گی گمنام رہا، اس کی گمنامی، اس کی شخصیت اور شیکسپیر کی زندگی کے حالات کی طرح ایک عظیم الشان راز ہے جس کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے۔ یہ گمنامی اس شخصیت کی گمنامی ہے جسے ایک صدی سے زیادہ کی طویل بے اعتنائی صفحۂ ہستی سے مٹانے اور ذہنوں سے محو کرنے میں کامیاب نہ ہوئی۔ زبان کے مورخوں کی عدم توجہی اور نقادوں کے استہزا کے باوجود جس شاعر کا کلام مسلمہ ناموروں کے دوش بدوش

درس میں داخل، بے نواؤں اور گداگروں کو حفظ اور مثالوں اور کہاوتوں کے طور پر ورد زبان ہو، جس کی پوری نظمیں عطف و اضافت کی صحت کے ساتھ، ستر اور اسی برس کے ناخواندہ بوڑھوں کو یاد ہوں اور جو انہیں تھرک تھرک کر عام جلسے میں گانا آج بھی اپنا فخر سمجھتے ہوں، جس کے صرف نام سے بسنت کے جشن میں ہزاروں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی فرقہ وارانہ کشمکش کے اس ملعون دور میں جمع ہو جائیں، جس کی قبر پر عقیدت مند جلا چراغ چڑھا کر منت مانگیں، اور اہل نظر پرستار پھولوں کے ہار گجرے چڑھائیں۔ اس کی گمنامی ضرور ایک اہم راز ہونی چاہیے۔ اگر آپ اردو زبان کے شاعروں کے کلیات، دیوان اور منتخبات کے مختلف قلمی اور مطبوعہ نسخے جمع کر کے یہ فیصلہ کرنا چاہیں کہ سب سے زیادہ متنوع اشاعتوں میں کس کا کلام مفید ہے تو آپ کو سر دفتر اسی گمنام شاعر کا نام ملے گا جسے مغرب کے مبصروں نے اردو کا واحد شاعر تسلیم کیا ہے۔ ان شہادتوں کے بعد آپ حیرت میں پڑ کر نظیر کی گمنامی کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ نظیر کے باب میں گمنامی کا لفظ اصل میں ایک اضافی لفظ ہے جو صرف نظیر کی ذات کی نسبت سے اپنے اندر معنی رکھتا اور اپنے مفہوم کا حامل کہا جا سکتا ہے۔ شہرت کی جو مقدار نام نہاد گمنامی میں نظیر کا حصہ رہی وہ کسی بڑے شاعر کے لیے مباہات کا موجب بن سکتی ہے لیکن خود نظیر کی ذات کے لیے گمنامی کی مترادف ہے۔ شہرت کے عام معنی میں نظیر پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کی شخصیت عام امتیازات کی دسترس سے بالاتر ہے۔ دوسرے شاعروں کی ناموری حدیں جہاں ختم ہوتی ہیں وہاں سے نظیر کی ابتدا ہوتی ہے۔ نظیر کو جب گمنام کہا جائے تو مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ بقدر کمال اس کی فطنت کی داد نہیں دی گئی،

انیسویں صدی کے آخری دو اور بیسویں کے پہلے ربع کی عام ہندوستانی آنکھیں نظیر کے کمال کے جوہر پرکھنے سے قاصر تھیں۔ آب حیات کے مصنف نے اگر نظیر کو نظر انداز کیا تو اس سے نظیر کی بے کمالی یا آزاد کی جوہر ناشناسی ثابت نہیں ہوتی۔ جو ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خود نفس ذوق میں اتنا بلوغ پیدا نہ ہوا تھا کہ آسمان شعر کے انتہائی منازل

میں اُڑان بھر سکتا۔

نظیر کا عہد اور شاعرانہ کمال

نظیر کے عہد کی شاعرانہ فضا، اُس جیسی فطنت کی خلقت کے لیے بظاہر سخت ناموزوں تھی۔ لیکن فطرت کو کلیہ توڑنا یا استثنا رسے اس کا ثبوت مقصود تھا، اس لیے نظیر کو تصنع کا مخالف اور واقعیت کا علمبردار بنا کر بھیجا۔ زمانے کے لحاظ سے وہ سوداؔ (۱۷۱۳—۱۷۸۱)، میرؔ (۱۷۹۳—۱۸۱۰)، جرأتؔ (۵—۱۸۱۰)، انشاؔ (۵—۱۸۱۷) اور مصحفیؔ (۱۷۵۰—۱۸۲۴) کا معاصر تھا۔ اُردو شعر کی دُنیا میں ان ناموں کی عظمت مسلّم ہے، لیکن ذراسی ادبی بصیرت بتا دیتی ہے کہ ان سب کے کلام کی قسم ایک ہے۔ رنگ و اسلوب کے ہلکے ہلکے تنوع سے قطع نظر کر کے، ان استادوں کے کلام میں کوئی بنیادی فرق نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ مشترک یہ ہے کہ ان کے انکار حقیقت سے اتنے دور ہیں جتنے تصنع سے قریب ہیں۔ زندگی کی آئینہ داری ان کے یہاں قریب قریب نہ ہونے کے برابر ہے۔

نظیر کی "بے راہ روی" نے اُس کے لیے "سرراہے" پیدا کر دیا جس پر قدم زن ہو کر اُس نے آپ اپنی شاہراہ بنالی۔ میرؔ و سوداؔ کے ماحول میں نظیرؔ، ذوقؔ، مومنؔ کے ماحول میں غالبؔ، آتشؔ و ناسخؔ کے ماحول میں انیسؔ اور داغؔ و امیرؔ کے ماحول میں اکبرؔ جیسی شخصیتوں کا پیدا ہونا صریحی خرق عادت ہے۔ لیکن ایسا منظم مظاہرہ جیسا نظیر نے کیا بہت کم ہوا کرتا ہے۔ معجزۂ فطرت کے انتہا پسند مظاہر میں سے ایک شدید آلۂ کار ہے۔ اس کی حدیں عرفان و انکار کی آخری حدوں سے ملی ہوئی ہیں۔ فطرت جب خود دخل دینا چاہتی ہے تو قیامت سے کم برپا نہیں کرتی فطنت کا آوازہ تائیدی نوا نہیں ہوتا۔ نظیر اور اُردو شعر کی دُنیا کا پہلا باغی ہے جس نے تحریک انقلاب کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ نظیرؔ، غالبؔ، انیسؔ اور اکبرؔ کا متحدہ اثر ہے جس نے نادرؔ کاکوروی سرورؔ جہان آبادی، اقبالؔ، صفیؔ، ثاقبؔ جانسی، فانیؔ اور جوشؔ جیسے صاحبان فکر و بصیرت شعرا اُردو میں پیدا کیے، جنھوں نے پرانی روش کو ترک کر کے فطرت، انسان اور زندگی کا غائر مطالعہ کیا۔

دنیا میں چراغ سے چراغ جلا کرتا ہے۔ دوسرا، پہلے سے سیکھ کر تیسرے کو سکھاتا ہے۔ خیالات کے نشو ونما اور سوسائٹی کی درجہ بدرجہ ترقی کا عام اصول یہی ہے۔ لیکن بعض شخصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو کسی سے اپنا چراغ نہیں جلاتیں خود اپنی ذات کی فطری درخشانی کے باعث سب سے الگ تھلگ چمکتی ہیں۔ نظیر نے اپنا چراغ کسی سے نہیں جلایا۔ اس کی فطرت اور بصیرت اس کی رہنما بنیں۔ وہ صحیح معنی میں تلمیذ الرحمان تھا۔ نہ اس کا کوئی اُستاد تھا نہ اس نے اپنا مخصوص انداز بیان اور نظریۂ شعر کسی کو باقاعدہ سکھایا۔

یہی وجہ ہے کہ جب سماج کا بھونڈا یا ناتراش فن نقادی اپنے محدود معیار کے مطابق اسکے کلام پر نقد کرنے بیٹھا تو ہر کس وناکس کو طرح طرح کی خامیاں نظر آنے لگیں۔ خود ان نقادوں کے فہم کی رسائی چند خود ساختہ اُصولوں کی دیوار تک تھی اور بس،

یہ پہلی اصولی غلطی تھی جو نظیر کے سمجھنے یا سراہنے میں کی گئی۔ ضرورت اس کی تھی کہ پہلے نظیر کے نظریے کا جائزہ لیا جاتا اور خود اس کے وضع کردہ نقطۂ نظر کے حدود کے اندر انکے کلام کے محاسن ومعائب کو سمجھا اور جانچا جاتا۔

نیا آرٹ پرکھنے کے لیے نیا معیار سامنے ہونے کی حاجت تھی۔ اس لیے نظیر کا تقابل کسی سے ممکن اور جائز نہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اہل کمال کے مصنوعات میں ان کی شخصیت کا مکمل عکس ہوتا ہے۔ انکی صناعت ان کے نفس کا آئینہ ہوتی ہے۔ اُردو کے بیشتر شعرا میں یہ خصوصیت نظر نہیں آتی نظیر اس خصوص میں بھی فرد ہے۔ اس کے کلام سے اس کی شخصیت جھلکتی ہے۔ اس کی فقیرانہ زندگی اور معلمی کا پیشہ اس کی روح کے استغنا، ذہن کی وسعت اور قلب کی طمانیت کے اٹل ثبوت ہیں۔ یہ سب کیفیتیں بغیر بتائے کلام سے صاف ظاہر ہیں۔

بعض خصوصیات

قناعت عوام میں عیب لیکن خواص میں ہنر ہے۔ نظیر مفلس تھا مگر بڑا قانع تھا۔ اس کی قناعت اس کی زندگی کا ایک مستقل اور نہایت دلچسپ باب ہے۔ اس کی قناعت کا

درجہ اس لیے بہت بلند ہے کہ اس کی قناعت مجبوری کا دوسرا نام نہیں بلکہ ان تمام پاکیزہ اجزا سے مرکب ہے جو اس صفت کا لازمہ ہیں۔ حصول ثروت کے ذرائع، زمانہ نے نظیر کے لیے بہم کیئے اور بار بار بہم کیئے، مگر اس کی غیرت وایثار نے ان سے استفادہ نہیں کیا۔ دُنیا کے بہت سے ارباب کمال زندگی بھر مفلس رہے ہیں مگر خود اختیاری مفلسی کا شرف بہت کم کو حاصل ہوا ہے۔ جو شخص نظیر کی طرح جہاد کریگا وہی قناعت کے اتنے بلند مرتبے پر فائز ہو سکتا ہے

نظیر اُردو کا پہلا شاعر ہے جس نے ورڈسورتھ کی طرح عامۃ الورود موضوعات پر عام زبان میں شعر کہا اور اس کا فائدہ یا ذائقہ عوام تک پہونچایا۔ دقیق خیالات اور مشکل الفاظ کے جو تودے اساتذہ نے فہم کی راہوں میں جمع کر دیئے تھے وہ نظیر نے ہٹائے اور خیال کی آمد و شد کے لیے راستہ صاف کیا۔ کیا یہ طریقۂ کار، انسانیت پر احسان نہیں کہ نظیر نے شعر کی دولت سوسائٹی کے اس طبقے تک پہونچا دی جواب تک ہر اعتبار سے نااہل سمجھا جاتا تھا اور اس میں سمجھنے اور غور کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی۔ فیض سخن ایک بڑی مشہور بات ہے لیکن جس سخن سے صحیح معنی میں فیض پہونچا وہ نظیر ہی کا سخن ہے۔ تربیت نفس میں نظیر کا کلام سعدی کے کلام کے برابر اثر کرتا ہے۔ ابھی بتایا گیا ہے کہ نظیر نے عام زبان میں شعر کہا۔ عام کا لفظ یہاں جان کر استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے ہمارے نام نہاد ثقات یا اُن حضرات کو جو زبان کو انشاء کی نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں بڑی چڑ پیدا ہے مگر میں تو یہ کہنے پر تیار ہوں کہ عوام تک کوئی سیاسی، اخلاقی یا وجدانی پیغام پہونچانے کے لیے اگر عام زبان جسے سوقیانہ یا بازاری کہا جاتا ہے بولنی پڑے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں انسان کا مفاد زبان کو ستھرے رکھنے کی ضرورت سے مقدم ہے۔ ستھرا پن ایک اضافی بات ہے جس کی حدیں ضرورت اور حالات کے تحت میں بدلتی رہتی ہیں لیکن اگر ایسا نہ بھی ہو تو خود ستھرے پن کا معیار فائدے کے مدارج کی نسبت سے قائم کرنا چاہیئے۔ چنانچہ نظیر سوقیانہ زبان عام طور پر استعمال کر کے اگر اپنا شعری مشن پورا کر لیتا تو کچھ بے جا نہ ہوتا۔ یہ محض ایک علمی عصبیت ہے کہ عام کو سوقیانہ مترادف قرار دیا گیا ہے۔ عام کے معنی سوقیانہ یا بازاری نہیں، عام فہم ہیں۔

۱۵۔ مخمور صاحب کے بعد ۱۹۴۲ء میں مرزا فرحت اللہ بیگ چغتائی کا اسم گرامی ہے، آپ نے بھی عہد حاضر کے اس تقاضے سے متأثر ہو کر نظیر اور کلام نظیر کی اشاعت کی طرف اپنے قلم کو حرکت دی اور دو سو صفحے سے زائد پر دیوان نظیر تیار کیا جس کے شروع میں ادبی و تاریخی نقطۂ نظر سے بہت ہی اچھے انداز میں آپ نے نظیر کے کلام پر تبصرہ بھی فرمایا ہے۔

۱۶ و ۱۷۔ مرزا صاحب کے بعد نظامی صاحب بدایونی کا نام بھی بھلانا نہ چاہیے۔ آپ نے ۱۹۴۳ء میں نظیر کی ملکی و قومی نظموں کا جو ایک مجموعہ شائع کیا ہے وہ بھی اپنی جگہ پر قابل دید چیز ہے، اس مجموعہ کا پیش لفظ پنڈت اجودھیا پرشاد پاٹھک ایڈوکیٹ آگرہ کا لکھا ہوا ہے اور اور ۸ صفحہ پر نظیر کا تعارف خود انہوں نے اپنے قلم سے کرایا ہے۔

۱۸۔ اس سلسلے میں نیاز فتحپوری صاحب ایڈیٹر رسالہ 'نگار' لکھنؤ کا نام مدتوں تک یادگار رہیگا آپ نے جنوری ۱۹۴۰ء میں خاص طور پر اپنے رسالے کا ایک نمبر نظیر کے نام سے شائع کیا جس میں آپ نے ایک درجن سے زائد مقالات تحقیقی اور بہت سا غیر مطبوعہ کلام مہیا کر کے اپنے قارئین تک پہونچایا، نگار کا یہ نمبر تقریباً سوا سو صفحات پر مشتمل ہے اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ اس میں آپ نے نظیر کے ایک بڑھاپے کی قلمی تصویر اور تحریر کا عکس بھی تیار کرا کر شامل رسالہ کیا ہے،

آپ اپنے مقالۂ افتتاحیہ میں نظیر کے متعلق لکھتے ہیں۔

"اگر آپ نے نظیر کے تمام اصناف سخن کا مطالعہ کیا ہے، تو میری طرح غالباً آپ کو بھی یہ بات محسوس ہوئی ہوگی کہ اس کا کوئی کلام ایسا نہیں جس میں کچھ "چہل بل" نہ ہو، کوئی "انوٹ" نہ پائی جائے اور ایک قسم کی "اینڈ" موجود نہ ہو، لیکن ان سب کے ملنے کے بعد جو چیز بنتی ہے اُسے کس لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں، یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی جسے نظیر کے مقطع نے سمجھا دیا کہ اسے "چھکلے بازی" کہتے ہیں اور نظیر ایک "چھکلے باز" شاعر تھا۔ لیکن "چھکلے باز" کسے کہتے ہیں یہ بات بجائے خود ذرا تشریح طلب ہے۔

"چھکلے باز ہماری سوسائٹی کا وہ انسان ہے (سوسائٹی سے علحدہ اس کا کوئی مفہوم متعین

نہیں کیا جاسکتا، جو بچوں سے لے کر بوڑھوں تک غریبوں سے لیکر امیروں تک، ہر عمر و طبقہ کی محفل میں اپنی جگہ پیدا کرلیتا ہے جو کبھی "بارِ خاطر" نہیں بلکہ ہمیشہ "یارِ شاطر" ثابت ہوتا ہے اور جس کی ہستی تکلف و تصنع سے بالکل پاک ہوتی ہے۔ اس کی زندگی کا رجائی پہلو ہمیشہ نمایاں رہتا ہے، اور خود وہ ہنسے یا نہ ہنسے لیکن دوسروں کو ہنسانے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ وہ ایک ایسا مرنجاں مرنج اہلا گہلا، قلندر ڈرا اور چونچال لیکن بے ضرر انسان ہوتا ہے کہ وہ ہر شخص سے محبت کرنا چاہتا ہے اور ہر شخص اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ وہ مردِ مرتاض بننے کا دعویٰ کبھی نہیں کرتا، وہ مذہبی تنگ نظری سے ہمیشہ علیحدہ رہتا ہے، وہ ایک نہایت دلچسپ قسم کا "رند" ہے جو دنیا کو دوسروں کی نگاہوں سے دیکھنے کا زیادہ شائق ہوتا ہے اور اپنے آپ کو سو باتوں کے اندر جذب کر کے اپنی انفرادیت کو بھی اجتماعی چیز بنا دیتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ گھل مل کر زندگی بسر کرنا اس کا نصب العین ہوتا ہے اور دل پر چوٹیں کھانے کے بعد بھی ہر وقت مسکراتے رہنا اس کا شعار ہے، اس کی رنگینیٔ طبع اکتسابی نہیں بلکہ یکسر وہبی ہوتی ہے، اور اسی لیئے وہ کبھی موقعہ پر چوکتا نہیں اور ہونٹوں پر آئی ہوئی بات کو روکتا نہیں۔ بولی ٹھولی، ضلع جگت، پھبتی، فقرہ بازی، بذلہ سنجی میں مشتاق ہوتا ہے اور محفل کا جو رنگ ہوتا ہے اُسی میں ڈوب جاتا ہے۔ اگر اس کے ہاتھ میں کبھی تسبیح ہوتی ہے تو کسی وقت اس کی کمر میں زنار بھی نظر آتی ہے۔ اگر ایک وقت وہ لمبی داڑھی کے ساتھ محرابِ مسجد میں دکھائی دیتا ہے، تو دوسرے وقت ریش و بروت صاف، اور بجتی کے ساتھ ساتھ بھی نظر آتا ہے، وہ بچوں کے ساتھ مل کر کھیلتا ہے، جوانوں کی محفل میں شریک ہو کر حسن و عشق کی باتیں کرتا ہے اور بوڑھوں کی صحبت میں وعظ و نصیحت کرتا ہے،

وہ اختلافِ مسلک و مشرب کو زندگی کا تنوع سمجھ کر اس سے دلچسپی لیتا ہے اور اسی لیے وہ اذان کی آواز اور صدائے ناقوس دونوں سے محبت کرتا ہے۔ اس کی زندگی یکسر نغمہ و رقص ہے جس میں سوائے قہقہۂ نشاط اور ہمہمۂ زندہ دلی کے کچھ نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کی داستانِ عبرت و بصیرت بھی ایک ایسا لطیف و پُرسکون اثر چھوڑ جاتی ہے کہ سننے والے کو اُسکی موت بھی زندگی کا نیا تجربہ

محسوس ہونے لگتی ہے۔

یہ ہے میرے نزدیک "چٹکلے باز" کا مفہوم اور اگر آپ نے نظیر کے کلام کا وسیع مطالعہ کیا ہے تو غالباً آپ بھی مجھ سے متفق ہوں گے کہ وہ واقعی "چٹکلے باز" شاعر تھا اور اس کا یہ کہنا کہ

"اس کے تو ہر سخن میں ہے اے یار چٹکلا"

بالکل صحیح و درست ہے۔

نظیر کی ہمہ گیری | جزئیات کا مطالعہ اس کا اتنا وسیع ہے کہ کوہ سے لے کر پر کاہ تک کوئی چیز اس کی نگاہ سے نہیں چھوٹتی اور "آہنگ شعر" اتنا زبردست رکھتا ہے کہ ایک غیر متوازن چیز میں بھی وہ بلا کا توازن پیدا کر دیتا ہے۔ رہا الفاظ کا ذخیرہ سو اس باب میں تو اردو کا کوئی شاعر اس کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا، اور الفاظ کے گڑھنے میں جو ید طولیٰ اُسے حاصل ہے اس میں نظیر آپ اپنی نظیر ہے۔ اسی لئے اس کے یہاں وہ سب کچھ ہے جو دوسروں کے یہاں الگ الگ پایا جاتا ہے اور اس کی شاعری داخلی و خارجی دونوں حیثیتوں سے بڑی مکمل چیز ہے۔

شاعری کے سلسلے میں نظیر کے یہاں کیا نہیں ہے۔ غزل، قصیدہ، رباعی، مثنوی، مسدس ترجیع بند، مستزاد سبھی کچھ ہے اور ہر چیز اپنی جگہ لفظی و معنوی حیثیت سے ایک جڑا ہوا نگینہ نظر آتی ہے۔

مباحث کے تنوع کے لحاظ سے اس کا کلیات ایک ایسا نایاب ذخیرہ ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو حیثیت و معاشرت کا کوئی انداز اور احساسات و تأثرات کا کوئی منظر ایسا نہیں ہے جو اس میں موجود نہ ہو۔ امیر و غریب، شاہ و گدا، زاہد و رند، سنجیدہ و غیر سنجیدہ، ہندو مسلمان، گبر و ترسا علٰحدہ علٰحدہ سب کی دلچسپی کا سامان اس میں موجود ہے اور عالم محسوسات کی شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو جس کا ذکر کسی نہ کسی نہج سے نظیر نے نہ کیا ہو۔ مشاغلِ زندگی، ضروریاتِ انسانی مظاہرِ تمدن میں "مقطع" اور "منسوڑ" قسم کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے نظیر نے چھوڑ دیا ہو اور جس پر پورے اہتمام شاعرانہ کے ساتھ تمام ممکن صنائع و بدائع لئے ہوئے قلم نہ اٹھایا ہو

پھر لطف یہ ہے کہ نظیر کا کوئی رنگ سخن ایسا نہیں ہے جس میں واقعیت نہ پائی جاتی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اس کی زبان سے نکلتا ہے وہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہے اور اس لیئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظیر نے اپنی زندگی میں سبھی پاپڑ بیلے اور ہر رنگ و صحبت میں شریک ہو کر اس سے لطف اٹھایا ہے

نظیر کا کمال شعری | نظیر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ طبقۂ عوام کا شاعر تھا، اور اسی لیئے اس نے شاعرانہ اسقام و اغلاط کی پرواہ نہیں کی، مگر میری رائے میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ وہ عامۃ الناس کا شاعر تھا اور اس میں کسی طبقہ کی تخصیص نہیں ہے، کیونکہ اس کے کلیات میں ہر طبقہ اور ہر جماعت کی دلچسپی کا سامان پایا جاتا ہے۔

وہ حضرات جنہوں نے صرف اس کی سادگی بیان اور سیدھی سیدھی باتوں کو دیکھ کر اس کے "عوامی" شاعر ہونے پر حکم لگایا ہے وہ غالباً یہ سن کر حیرت کریں گے کہ نظیر جب فارسی تراکیب اور لفظی شان و شوکت کا اہتمام کرتا ہے تو وہ بالکل غالب و مومن بلکہ موجودہ زمانے کا شاعر نظر آتا ہے۔ ایک غزل ملاحظہ ہو:۔

جاں بھی بجاں ہے ہجر میں اور دل فگار بھی
ترہے مژہ بھی اشک سے جیب کا تار تار بھی

طرفہ فسوں سرشت ہے چشم کرشمہ سنج یار
لیتی ہے اک نگاہ میں صبر بھی اور قرار بھی

دیکھیئے کیا ہو اب طرح دل کی لگے ہیں گھات میں
عشوۂ پر فریب بھی غمزۂ سحر کار بھی

زلف کو بھی ہے دمبدم عزم کمند افگنی
دام لیئے ہے مستعد طرۂ تابدار بھی

چند اشعار اور مختلف غزلوں سے ملاحظہ ہوں:۔

جس طرف تھے دیکھیئے عیش و طرب کا جوش تھا
مستی و رندی ہوسبازی و بے اندیشگی

قد میں خم، آنکھوں میں نم، چہرہ پچھڑی رنگ زرد
سر سے پا تک تھت ناخوش منظری، بدہیئتی

جس کے لب سے سخن پند گہر جوش ہوئے
گھر بھر پھر وہ ہمارے گہر گوش ہوئے

چاہت کے اب افشا کن اسرار تو ہم ہیں
کیوں دل سے بھگڑتے ہو، گنہگار تو ہم ہیں

کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ
حسرت زدۂ شوخیٔ رفتار تو ہم ہیں

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ اشعار اسی کے ہیں جو

کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

پکاتا پھرتا ہے۔

ایک غزل اور ملاحظہ ہو:

اے صف مژگاں تکلف برطرف — دیکھتی کیا ہے الٹ دے صف کی صف

دیکھ وہ گورا سا مکھڑا رشک سے — پڑ گئے ہیں ماہ کے منہ پر کلف

آگیا جب بزم میں وہ شعلہ رو — شمع تو بس ہو گئی جل کر تلف

ساقی بھی یوں جام لے کر رہ گیا — جس طرح تصویر ہو ساغر بکف

نظیر تقریباً سو سال زندہ رہے اور ۱۲۴۶ھ میں ان کا انتقال ہوا جب ولی دکنی دربار دہلی پہنچے ہیں اسوقت نظیر کی عمر سات آٹھ سال کی تھی اور جب غالب جوان تھے تو نظیر کی زندگی کے کم از کم پندرہ سال ضرور باقی تھے اس لیے اگر نظیر کی شاعری کی ابتدا ۲۰ سال سے مانی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے میرزا مظہر، شاہ حاتم، سودا، میر، سوز، قائم، حسرت (استاد جرأت) رنگین، شاہ نصیر، ممنون، مومن، غالب، ذوق، جرأت، انشاء، مصحفی اور ناسخ سب کا زمانہ دیکھا ہے جن میں سے کچھ اس کے قبل مر گئے اور کچھ اس کے بعد بھی زندہ رہے اور اس لیے اگر اس کے کلام میں وہ سب کچھ پائیں جو اس کے ہمعصر شعراء کے کلام میں پایا جاتا ہے تو تعجب نہ کرنا چاہیئے، گو نظیر کا وہ انفرادی رنگ جس کا ذکر ہم آئندہ کریں گے ایسا تھا جس کی ہوا بھی انکے ہمعصر شعراء میں سے کسی کو نہ لگی تھی۔

ذیل کے اشعار اس بات کا ثبوت ہیں کہ نظیر کا عہد ان سب شاعروں کا عہد تھا اور وہ بیک وقت متقدمین و متوسطین و متاخرین تمام شعرا کی صف میں جگہ پا سکتا ہے۔

شرمندہ رفو نہیں عاشق کا چاک جیب — کس باغباں نے گل کا گریباں سلا دیا؟

تمہاری زلف کالے یار ہم سے بل نہ گیا — ہمارے دل سیتی اک بال بھر خلل نہ گیا

کہیں ہیں دیکھ جو قدموں پہ گر رہے ہیں ترے　　وگرنہ یاں سے میاں ہاتھ کون مل نہ گیا
جلا کے پر، جو لگن میں پڑا سلگتا ہے　　پتنگ پہلے ہی خانہ خراب جل نہ گیا

بہار آئی کیا ہر شاخ پر گل نے مکاں اپنا　　بنا اب تو بھی اے بلبل چمن میں آشیاں اپنا
ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوے　　کہ ہم کو راہ میں اک آشنا نے لوٹ لیا

ٹھہرنا عشق کے آفات کے صدموں میں نظیر　　کام مشکل تھا پر اللہ نے آسان کیا

جس کام کو جہاں میں تو آیا تھا اے نظیر　　خانہ خراب تجھ سے وہی کام رہ گیا

اس کے چہرہ پہ نہیں کاکل مشکیں کی نمود　　یہ پٹاری کے تئیں توڑ کے کالا نکلا
مٹ گئے شور و فغاں جی کے نکلتے ہی نظیر　　پھر نہ سینہ سے اٹھی آہ، نہ نالا نکلا

میر اور اس کا اختلاط ہو گیا مثل ابر و برق　　اس نے مجھے رلا دیا میں نے اسے ہنسا دیا
تیشہ کی کیا مجال تھی جو یہ تراشے بے ستوں　　تھا وہ تمام دل کا زور جس نے پہاڑ ڈھا دیا
سن کے ہمارا عرض حال یار نے یک بیک نظیر　　ہنس کے کہا کہ بس جی بس تم نے تو سر پھرا دیا

خط کے آنے پہ بھی کافر مجھ کو ترساتا رہا　　جیسا شرماتا تھا جب، ویسا ہی شرماتا رہا
آہ کے، نالہ کے، ٹھنڈی سانس کے یا اشک کے　　اب خدا جانے کہ کس کے ساتھ جی جاتا رہا

آج دیکھ اس نے مری چاہ کی چتون یارو　　منہ سے گو کچھ نہ کہا دل میں تو جانا ہوگا
دیکھ لے اس چمن دہر کو دل بھر کے نظیر　　پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہوگا

تمہارے ہاتھ سے کل ہم بھی رو لیے صاحب　　جگر کے داغ جو دھوئے تھے دھو لیے صاحب
کل اس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش　　کہ اب تو آپ بھی ٹک لب کو کھولیے صاحب

کچھ اسے شرم، کچھ ہے ہم کو حجاب　　ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب
کیوں نہ عشرت دو چند ہو جو ملے　　یار مہ چہرہ اور شب مہتاب

کہیں بیٹھنے دے دل اب مجھے جو حواس ٹک میں بجا کروں　　نہیں تاب مجھ میں کہ جب تلک تو پھرے تو میں بھی پھرا کروں
جو نگہ سے چاہ کے دیکھوں ٹک تو چڑھا کے تیوری یہ کہتا ہے　　تری اس نگہ کی سزا ہو یہ کہ بس اب میں تجھ سے چھپا کروں

مجھے مدتوں سے ہے دردِ دل جو کہا کچھ اس کا علاج کر   تو کہا کہ اسکی دوا یہ ہے تو کہا کرے میں سُنا کروں
کوئی بولا تمنے نظیر کو نہ جھڑک دیا، تو کہا میاں   دل و جاں سے مجھ پہ وہ ہے فدا، اسے کس طرح میں خفا کروں

نہ دن کو چین نہ راتوں کو خواب آنکھوں میں   بھر آرہی ہے ترے غم سے آب آنکھوں میں
جدھر وہ دیکھے اُدھر حسن کی صف اُلٹ دے ہے   بھری ہے شوخ کے ایسی شراب آنکھوں میں
تھما نہ اشک، نہ نیند آئی، نا پلک جھپکی   بسا ہے جب سے وہ خانہ خراب آنکھوں میں
شتابی آن کے محبوب پگڑیاں رنگ لو   نظیر لایا ہے بھر کر شہاب آنکھوں میں

جام نہ رکھ ساقیا، شب ہے پڑی اور بھی   پھر جہاں کٹ گئے چار گھڑی اور بھی
پہلے ہی ساغر میں تھے ہم تو پڑنے لپٹنے   اتنے میں ساقی نے دی اس سے کڑی اور بھی

سرِ خنکِ چشم سے موتی بہت پروئے گئے   دلے یہ داغ جگر سے کبھی نہ دھوئے گئے
غرور نے تو ہمارے بہت ہی کھینچا سر   پر اس کو ہم بھی سدا خاک میں ملوئے گئے
نظیر کیا ہی مزا تھا کہ کل خوشی سے ہم   گئے تھے یار کو لینے سو آپ ہی کھوئے گئے

یوں کارواں شباب کا گزرا کہ گوشِ زد   آوازِ پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی
پوچھی نظیر ایک نے کل تنگیِ وصلِ یار   ہم نے کہا یہ اُس سے کہ کیا کہیے کیا ہوئی
جو تنگل دور باش تھی روزِ نخست کی   اب بھی جو ہم گئے تو وہی برملا ہوئی

دل ٹھیرا ایک تبسم پہ کچھ اور بہا اے جان نہیں   گر ملیں دیجیے اور نہ لے لیجیے تو فائدہ ہے نقصان نہیں
جب سنتا ہے احوال مرا یوں کہتا ہے عیاری سے   ہے کون وہ، اس سے ہمکو تو کچھ جان نہیں پہچان نہیں
کچھ بن نہیں آتا کیا کیجیے کس طور سے ملیے اے ہمدم   وہ دیکھ ہمیں رُک جاتا ہے اور ہمکو چین اک آن نہیں

گر ہم نے دل صنم کو دیا پھر کسی کو کیا   اسلام چھوڑ کفر لیا، پھر کسی کو کیا
کیا جانے کس کے غم میں ہیں آنکھیں ہماری لال   اے ہمنے گو نشہ بھی پیا، پھر کسی کو کیا
آپ ہی کیا ہے اپنے گریباں کو ہمنے چاک   آپ ہی سیا سیا نہ سیا، پھر کسی کو کیا

نظیر کی خصوصیت اس کا مطالعۂ جزئیات ہے جو اس کی بعض غزلوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے

اور جس وقت وہ کسی منظر کی تصویر کھینچنے پر آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک ذرہ کا حساب لے رہا ہے۔ ایک غزل میں ہولی کا سماں پیش کرتا ہے،

ہولی کی رنگ فشانی سے ہے رنگ یہ کچھ پیراہن کا
جوں رنگارنگ بہاروں میں ہو صحن چمن اور گلشن کا

جس خوبی اور رنگینی سے گلنار کھلے ہیں عالم میں
ہر آن جھمکتا ہے جوڑوں سے ہے حسن کچھ ایسا ہی تن کا

مے جام لبالب بھر دینا، پھر ساقی کو کچھ دھیان نہیں
پیالہ پہونچے دوست تلک یا ہاتھ لپک لے دشمن کا

ہر محفل میں رقاصوں کا کیا سحر دلوں پر کرتا ہے
وہ حسن جتانا گانے کا اور جوش دکھانا جوبن کا

ہے روپ عبیروں کا مہوش اور رنگ گلالوں کا گلگوں
ہیں بھرتے جس میں رنگ، بنا ہے رنگ عجب اس برتن کا

اس گلرو نے یوں ہم سے کہا کیا مستی اور مدہوشی ہے
نا دھیان ہمیں کچھ چولی کا نا ہوش ہمیں کچھ دامن کا

جب ہم نے نظیر اس گلرو سے یہ بات کہی ہنسکر اُس دم
کیا پوچھے ہے لے رنگ بھری ہے مست مہینہ پھاگن کا

ایک محبوب کا ذکر غزل میں اس طرح کرتے ہیں:۔

اس گورے بدن کا کوئی کیا وصف کرے آہ
ختم اس کے اوپر گلرخی و سیم تنی ہے

منھ چاند کا ٹکڑا ہے، بدن چاندی کی تختی
دنداں ہیں گہر، ہونٹ عقیق یمنی ہے

بلور کی پتلی کہوں یا موتی کا دانہ،
یا چین میں اک چینی کی صورت یہ بنی ہے

نرمی میں صفائی میں، نزاکت میں تن اُسکا
ریشم ہے نہ گلبرگ، نہ برگ سمنی ہے

گر پھول کی پتی کی بنا، پہنے وہ پوشاک
چھل جاوے بدن اُسکا یہ نازک بدنی ہے

کل میں نے کسی شخص سے نام اس کا جو پوچھا
یعنی یہ پری یا کہ غزال ختنی ہے

وہ بولا کہ اس شوخ کو کہتے ہیں ہیرا
کام اس کا سدا دلبری و دلشکنی ہے

تب میں نے وہیں ہنسکے کہا اس سے نظیر آہ
ہیرا نہ کہو اس کو یہ ہیرے کی کنی ہے

نظیر کی ایک اور خصوصیت ہے جو بہت کم آپ کو کسی اور شاعر کے یہاں نظر آئے گی، یہ ہے کہ وہ موقعہ محل کے لحاظ سے الفاظ ایسے استعمال کرتا ہے کہ سامعہ پر بھی اس کا خاص اثر پڑتا ہے اور سننے والا خوف و ہراس، یا لطف و انبساط کی تمام کیفیات الفاظ میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ برسات

کی رنگ رلیوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے :۔

روز مزدوں سے رات کو برسے تھا مینہ جھک جھک
بوندیں پڑیں ٹپک ٹپک ، پانی بہا جھپک جھپک

جام رہے چھلک چھلک، شیشے رہے بھبک بھبک
ہم بھی نشوں میں خوب چھک لوٹتے تھے بہک بہک

نظیر کو اختراع الفاظ کا خاص سلیقہ حاصل تھا اور موضوع کے لحاظ سے ان کا اتنا صحیح صرف کرتا تھا کہ الفاظ خود معنی ہو کر رہ جاتے تھے، اس مثال میں آپ نے دیکھا کہ مستی و سرخوشی ظاہر کرنے کے لیے جو الفاظ اس نے استعمال کیے ہیں ان میں کتنی موسیقی پائی جاتی ہے۔

جدت و اختراع | نظیر میں جدت و اختراع کا مادہ بھی بہت تھا، جس کی مثالیں اس کے کلام میں بہت مل سکتی ہیں۔ اس زمانہ میں مسلسل غزلیں کہنے کا رواج تھا، خاصکر ظفر اس کا بہت شائق تھا لیکن صرف ایک محاورے یا ضرب المثل کے لیے پوری غزل کہہ ڈالنا نظیر ہی کی جدت تھی۔ مثالاً دو غزلیں ملاحظہ ہوں :۔

نگہ کھلوں میں اگر تیرے غم کے بہلوں کا
تو ہو نباہ نہ چھیلوں کا اور نہ پہلوں کا

سنے سے نام محبت کا تھر تھراتے ہیں
یہ کچھ تو حال ہے تیرے ستم کے دہلوں کا

کہا جو یار سے اک دن کہ دل یہ چاہے ہے
طریق جیسے ہے عشرت کے اچھے گہلوں کا

مکان ہو ایک سنہرا دھرے ہوں شیشہ و جام
بچھا ہو فرش بھی واں بادلہ روپہلوں کا

کھلی ہو چاندنی بکھرے ہوں ڈھیر پھولوں کے
پلنگ بھی ہو بہت نرم روئی کے پہلوں کا

یہ سن کے اس نے کہا یہ تو وہ مثل ہے نظیر
کہ سو دیں جھونپڑے میں خواب دیکھیں محلوں کا

جہاں میں جو نہ ہوا اس پری کا دیوانہ
تو اس نے آہ مزہ عاشقی کا کیا جانا

کہا یہ شوخ نے تو ہم کو چاہتا ہے نظیر
یہ پوچھا میں نے بھلا تم نے کس طرح جانا

تو ہنس کے کہنے لگا اس طرح میں سمجھا ہوں
کہ تجھ کو پاس ہمارے ہے دمبدم آنا

جو ہم نہ ہو دیں تو آ کر ہمارے کوچہ میں
یہ جم کے بیٹھنا پہروں تلک نہ گھبرانا

جو ہم خفا ہوں تو آ کر ہزار منت سے — خوشی ہو چھیڑنا ہنس ہنس کے گالیاں کھانا
پس ایسی باتوں سے کیونکر نہ چاہ ثابت ہو — خدا گواہ، کھیل نہیں، عقل سے ہے پہچانا

نظیر نے مستزاد بھی کہے ہیں، لیکن تھوڑی سی جدت کے ساتھ، بعض شعر ملاحظہ ہوں:۔

یہ مہر فزا رخ — کرتا ہے نگاہوں کو ترا مطلع انوار
اب تیرے سوا رخ — کس کا ہے بتا نام خدا ایسا چمکدار
فرقت کے الم سے — دل تڑپے ہے اور آنکھیں کھلی رہتی ہیں دن رات
دیکھیں گے ترا رخ — وہ کونسا دن ہوگا مبارک جو ہم اے یار

تضمینوں میں ان کی اپج دیکھیئے:۔

رہوں کا ہیکو دل خستہ، پھروں کا ہے کو آوارہ — اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
خدا گر مجھ گدا کو سلطنت بخشے تو میں یارو — بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

پوری غزل اسی طرح سے تضمین کی ہے۔

بعض غزلیں انہوں نے اردو فارسی دونوں میں لکھی ہیں یعنی بعض شعر اردو کے ہیں بعض فارسی کے، اسی قسم کی ایک غزل کے آخری اشعار سنیئے:۔

نظیر ایک دن اس تند خو سے میں نے کہا — یہ فارسی میں کہ "اے مہ عذار زہرہ جبیں"
چہ کردہ ام کہ نگاہے بحال من نہ کنی — چہ گفتہ ام کہ نگوئی "دے بیا بنشیں"
بجز جفا و تعدی نمی کنی بر من — نظر عتاب قریں داری و جبیں پر چیں
ولم برائے ہمیں بردہ کہ ظلم کنی — شنید و گفت "بلے بردہ ام برائے ہمیں"

اکبار انہوں نے اپنے پنجابی محبوب سے پنجابی میں بھی گفتگو کی تھی، ملاحظہ ہو:۔

کل نظیر اس نے یہ پوچھا بزبان پنجاب
"نیہہ وچ میڈی ہو کے حال تسا ڈے میاں"

یعنی ہماری محبت میں میاں جی تمہارا کیا حال ہے؟

جو رہتھ ہم نے کہا حال اساڈے دل دا تسی سب جانندی ہو جی اسے کے عرج کراں"

یعنی ہمارے دل کا حال تم خود خوب جانتی ہو ہم کیا بتائیں۔

اس میں شک نہیں کہ نظیر اپنی خصوصیات کے لحاظ سے، ہندوستان کا عجیب غریب شاعر تھا جس میں کبیر کے اخلاق اور خسرو کی ذہانت کا نہایت دلکش امتزاج پایا جاتا تھا اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو شاعری میں تغزل سے ہٹ کر سب سے پہلے اسی نے نظمیں لکھنے کی ابتدا کی اور سچ پوچھیے تو انتہا بھی کر دی، لیکن افسوس ہے کہ وہ بہت قبل از وقت پیدا ہوا۔ وہ اس زمانہ کا شاعر تھا جو انیسویں صدی میں اُسے ہونا چاہیے تھا۔

۱۹۔ علامہ سیماب اکبرآبادی مرحوم نے اپنے ایک مضمون کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

شیخ ولی محمد نظیر اکبرآبادی دورِ چہارم کے شاعر تھے اور یہ وہ دور تھا کہ لکھنؤ میں جرأت و انشا اور مصحفی و رنگین کا طوطی بول چکا تھا، اور ان سے پہلے ولی دکنی، شاہ مبارک آبرو، شرف الدین مضمون محمد شاکر ناجی، غلام مصطفےٰ خاں یکرنگ، میر تقی میر، میر حسن، میر سوز وغیرہ شعرا اردو شاعری کی بساط پر انگڑائیاں لے چکے تھے، نظیر اکبرآبادی کے سامنے انہیں کے فرمودات تھے اور انہیں کا اسلوبِ بیان تھا۔ ان کے علاوہ فارسی شعراء کا کلام بھی ہندوستان میں صدیوں سے موجود تھا اور بطورِ علوم متداولہ ان کی منثور و منظوم کتابیں مکاتب میں شریک درس و تدریس تھیں۔ سعدی حافظ، صائب، نظیری، وحشی، آصفی، خسرو اور بیدل کا فارسی کلام عام طور پر مطبوع و مقبول سمجھا جاتا تھا۔

میاں نظیر انہیں دیسی اور بدیسی باغوں کے خوشہ چیں تھے۔ عربی فارسی اچھی جانتے تھے چنانچہ اُن کے کلام میں جا بجا ایسے الفاظ اور ایسی ترکیبیں پائی جاتی ہیں جن سے اُن کے علوم متداولہ شرقیہ پر عبور کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً نہاں سازیاں، تراندازیاں۔ تشنید۔ سخن دلکشا۔ فسوں نگار۔ کنارہ گیر عجز انتما وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی معلم تھے اور یہی شغل اُن کا کفیل حیات تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ اردو اپنے تمام مصطلحات و محاورات کے ساتھ مکمل ہو چکی تھی اور اس میں

زیادہ سے زیادہ قوّتِ بیان موجود تھی۔ ہندو تہذیب بھی تشنۂ تکمیل نہ تھی اور (بین الاقوامی ؟) قانونِ معاشرت بھی مرتب ہو چکا تھا۔ ہندوستان کی دو بڑی قومیں، ہندو اور مسلمان باہم متحد تھے۔ مسلمان ہندوؤں کے اور ہندو مسلمانوں کے تہواروں اور میلوں تماشوں میں کشادہ دلی کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ مذہبیات اور معتقدات میں دونوں کو غلو تھا۔ لیکن تعصب دونوں میں نہ تھا۔ اسی خوشگوار ماحول میں میاں نظیر اکبرآبادی کی شاعری پروان چڑھی اور یہی ماحول اُن کی شاعری پر محیط رہا۔

فنی اور لسانی درجہ نظیر کے کلام میں بارے تئیں۔ ٹک۔ میرے کنے۔ ہووے گا۔ اُس کے ہاں۔ آغوش ذری۔ آیاں۔ جایاں۔ تس اوپر۔ آن کے۔ ٹملک۔ مت۔ پرکھ۔ پنہاتا۔ بجھا دیا۔ دوانہ۔ تب بیلی۔ دال دکھلا۔ بتلا۔ پر (بجائے مگر) کرکر (بجائے کر کے) ہے گا۔ ندان (نادان) چل بچل (ٹھک ٹھکا۔ جب پے ڈب۔ چلیاں۔ جھمک۔ جھمک کر۔ لباس کرنا۔ بود باشے (بود و باش) چلون (چلمن) مزدور (مزدور) جدھر تدھر۔ دوالیں (دیواریں) کالیاں۔ ماگوں ٹھاں۔ جاگہ (جگہ) زور تماشا۔ انگشتیاں ہیں وغیرہ الفاظ جا بجا پائے جاتے ہیں اور حیرت یہ ہے کہ یہی الفاظ اپنی ترقی یافتہ اصلاحی صورت کے ساتھ بھی اُن کی نظموں میں موجود ہیں۔

نظیر نے جو زمانہ پایا ہے اُس میں اِن الفاظ کا استعمال کچھ زیادہ قابلِ اعتراض نہیں مگر بعض لغزشیں اُن کے علمی اقتدار کو بنظرِ شبہ دیکھنے پر بھی مجبور کرتی ہیں۔ یعنی سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص عربی اور فارسی میں شعر کہہ سکتا ہو جو بحیثیت معلم عربی کی صرف و نحو اور فارسی کے قواعد سے کما حقہ واقف ہو اور بقولِ بعض جس نے مرزا غالب اکبرآبادی کو درس دیا ہو۔ وہ ایسی غلطیاں کیونکر کر سکتا ہے ؟

مثلاً اصَل بفتح صاد مہملہ۔ ذَرَا بجائے ذرا۔ قرَض خواہ بحرکت رائے مہملہ۔ صرَف بحرکت رائے مہملہ۔ طیوروں بجائے طیور۔ اعَضا بجائے اعضا۔ ورَنے بجائے ورنہ۔ زہَر بفتح ہائے ہوز۔ جوان و لڑکے مفلس و کنگال۔ سارنگی و دے۔ جامہ و انگیا۔ دولت و گھر بار (واؤ عطف کا غلط استعمال)

مثل پھول (اضافت کا غلط محل)، گل و ریحان تماشا۔ گلستان تماشا۔ زلف پریشان تماشا (بہ اعلان نون بغیر اضافت) ناقۂ سوار (بجائے ناقہ سوار) یہ ایسی غلطیاں ہیں جو عربی فارسی میں تبحر رکھنے والے کے قلم سے کسی طرح متوقع نہیں ہو سکتیں۔ مگر نظیر کے یہاں علیٰ حالہ موجود ہیں۔

اس کا سبب یہ ہے کہ میاں نظیر کی شاعری کا منتہاہی "عوام کی ترجمانی زبانِ عوام میں تھا" اسی لیے وہ عوام کی زبان پر چڑھے ہوئے الفاظ اپنی نظموں میں اُسی تلفظ یا لہجے کے ساتھ دانستہ لاتے تھے جو عوام کا محاورہ تھا۔ وہ جس سوسائٹی کے شاعر تھے اُس سوسائٹی کے رجحانات اُسی کی زبان اور اُسی کے پیرایۂ بیان میں ادا کرنا پسند کرتے تھے۔ ادبیات میں "طبقاتی تقسیم" کا مقصود و منشا بھی یہی ہے کہ ایک ادیب یا شاعر کو تمام طبقات سے اس قدر قریب اور اُن کے جذبات کو اتنا چھوتا ہوا چلنا چاہیے کہ کوئی طبقہ بعید القلم اور "اچھوت" نہ رہ جائے اگر میاں نظیر اپنی سوسائٹی کی ترجمانی اُسی ماحول میں رس بس کر نہ کرتے تو یقیناً اُن کے کلام کو قبولیت عام حاصل نہ ہوتی۔

نظیر کی شاعری اُس طبقے کی نمایندگی کرتی ہے جسے اُس دور کے خاص خاص مشاہیر شعرا نے پست سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا اور ناقابلِ توجہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ نظیر کی نگاہ جزئیاتِ زندگی کے ہر ذرّے کو کروٹ بدلواتی نظر آتی ہے وہ اُن موضوعات کی گہرائی میں حقائق و معارف ٹٹولتے ہیں جہاں ایک بلند بانگ، جذباتی شاعر کی نگاہ صرف سطحی نقش نگاری کی مصوری میں مصروف ہوتی ہے۔ گو اُن کی بعض نظمیں جذباتی نقطۂ نگاہ سے مطلق عریاں اور یکسر حیاسوز بھی ہیں۔ تاہم اُن کی بیشتر نظموں کا افادی پہلو بہت بلند اور بے نظیر ہے۔

امتیازی گوشے اگر نظیر کی شاعری لسانی نقطۂ نگاہ سے دیکھی جائے تو اُس میں بعض خصوصیات اُس زمانہ کے لحاظ سے ممتاز بھی پائی جاتی ہیں۔

مثلاً الفاظ کا ترنم اور کثرت۔ مرادفات کی فراوانی۔ موسیقی آمیز بحریں اور ہر موضوع کے متعلق بیش از بیش معلومات۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ میاں نظیر کی شاعری ایک مخصوص ماحول میں

محدود ہے اور اس میں عالمگیر جذبات کے مقابلے پر مقامی رنگ جو صرف اکبرآباد یا آگرہ کی فضیلوں کا پروردہ نظر آتا ہے۔

نظیر نے جتنی نظمیں بحر متدارک مجنون (شانزدہ رکنی) میں کہی ہیں اُن میں ایک مخصوص ترنم اور غیر معمولی موسیقی پائی جاتی ہے۔ ایک مصرعے میں بہت سے متوازن وہم قافیہ الفاظ رکھ کر وہ ایک ایسا جزر و مد پیدا کر دیتے ہیں کہ الفاظ بجائے خود رقصاں معلوم ہوتے ہیں۔ ذخیرۂ الفاظ اُن کے پاس بہت زیادہ ہے اس لیے کہ وہ اردو میں بھاشا، سنسکرت، ہندی، عربی، فارسی، پنجابی غرض جس زبان کا لفظ اُنہیں ملتا ہے اُس کو بے تکلف کھپا دیتے ہیں اور موسیقی قائم رکھنے کے لیے اگر اُنہیں عروض یا لسانی قانون توڑنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کی بھی پروا نہیں کرتے۔

اُن کی نظمیں عموماً تفصیلی ہیں۔ جن میں زندگی کے ہر گوشے کو بے نقاب کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ نظموں میں افسانویت بھی بطور خاص پائی جاتی ہے۔ مشرقی رسم و رواج کی ترجمانی اور مشرقی اسیال و عواطف نظیر کی نظموں میں نسبتاً زیادہ ہیں۔ جن کو مغربی احساسات کی ہوا بھی نہیں لگی۔

حقیقت یہ ہے کہ اُن کی شاعری موجودہ سوسائٹی اور تہذیب کے ارتقا کی آئینہ دار ہے۔ آج ادبی رجحانات کی تعمیری بلندیاں اُنہیں بنیادوں پر قائم نظر آتی ہیں جو بارھویں صدی ہجری میں میاں نظیر نے علی الرغم خواص رکھی تھیں۔ اگر یہ بنیادیں قائم نہ ہوتیں تو شاعری کا تعمیری منصوبہ محتاج تکمیل رہ جاتا اور مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پچاس سال کے بعد موجودہ سوسائٹی کا رجحان پھر اُسی سطح پر آجائے گا جس سطح سے یہ ارتقائی بنیادیں اُٹھائی گئی تھیں۔ ملک کا عام رجحان متحدہ قومیت کی طرف بیش از بیش معلوم ہوتا ہے اور میاں نظیر کی اساس فکر متحدہ قومیت ہی پر تھی۔

اس ناتمام تجزیئے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لسانیت میں میاں نظیر کی شاعری

انھیں شاعرِ عوام کی صف میں بہت بلند جگہ دیتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فطرت نگاری اور مخلوط معاشرت کی ترجمانی میں نظیر اکبر آبادی کے سر پر اولیت کا سہرا باندھا جا چکا ہے۔ نظم مسلسل کی بنیاد میاں نظیر ہی کے ہاتھوں رکھی گئی ہے اور بھاشا آمیز اردو میں قاآنی کی سی روانی انھیں کی جودت طبع کا حصّہ ہے۔

۲۰۔ احتشام حسین صاحب رضوی ایک کڑی تنقید کے طور پر نظیر کے اوپر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مرکزیت، معیار کی بلندی اور دربار سے وابستگی کی وجہ سے اُردو شاعری کا میدان بہت تنگ ہوگیا، جو شاعران قیود سے کسی طرح سے بچ سکے وہ البتہ عوام سے اور عوام کے مسائل سے قریب تر آئے لیکن ایسے شعراء کا نام مثال کے طور پر لکھنے کے لیے بھی نہیں ملتا۔ اُردو شاعری کے دورِ متقدمین اور متوسطین میں لے دے کے نظیر اکبر آبادی کا نام سامنے آتا ہے۔ ان کا تعلق براہِ راست نہ دلّی سے تھا اور نہ لکھنؤ سے۔ اُردو ادب کی تاریخ میں نظیر کا اپنا ایک الگ دور ہی وہ کسی دور میں کسی گروہ کے ساتھ شریک نہیں کیئے جا سکتے۔ نظیر کی عمر اکبر آباد میں بسر ہوئی اگر نکلے تو گردو پیش کے اضلاع متھرا اور بندرابن وغیرہ تک چلے گئے۔ وہ دلّی اور لکھنؤ دونوں سے اپنی ایک علٰحدہ دنیا بنا رہے تھے۔ اس لیئے نہ تو ہم ان کے یہاں وہ معیار شاعری پاتے ہیں جو دہلی اور لکھنؤ میں پایا جاتا ہے نہ زبان کی وہ صفائی نظر آتی ہے جو ان دو مرکزوں کے لیے مخصوص تھی اور نہ کسی دربار سے اُن کا تعلق ہی معلوم ہوتا ہے، اُستادی اور شاگردی کا رشتہ بھی بڑا اثر ڈالتا ہے لیکن ہمیں کہیں سے پتہ نہیں چلتا کہ دہلی یا لکھنؤ کا کوئی شاعر اُن کا اُستاد رہا ہو۔ یہ چند باتیں نظیر کو دوسرے شعراء سے بہت الگ کرتی ہیں۔

نظیر نے دربار سے علٰحدہ رہ کر عوام سے رشتہ جوڑا۔ اُن سے پہلے یا اُن کے بعد اُردو کا کوئی شاعر ایسا نہیں ملتا جس سے ہم اُن کا مقابلہ کریں یا اس کے دور میں انھیں رکھیں اسی لیئے میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ نظیر کا اپنا ایک علٰحدہ دور تھا جو تاریخی حیثیت سے

اُردو شاعری کے کئی ادوار پر حاوی تھا نظیر کی صحیح تاریخ پیدائش کا پتہ نہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ انکا انتقال ۱۸۳۰ء میں ہوا۔ عمر کے متعلق تذکرہ نویسوں اور تاریخ ادب لکھنے والوں کا خیال ہے کہ اسّی بچاسّی سال سے کم نہیں جیے اس لیئے اگر ہم اُن کی تاریخ پیدائش سنہ ۱۷۴۰ء اور سنہ ۱۷۵۰ء کے درمیان مان لیں تو اس سے کام چل جاتا ہے۔ اُردو شاعری کے دور متقدمین کے ابتدائی شعراء کو چھوڑ دیجیے تو بھی عمر کے لحاظ سے نظیر کے ہمعصر کم سے کم بیس مشہور شعراء قرار پاتے ہیں۔ دوسرے درجہ کے بعض صاحبان کمال اور تیسرے درجے کے شعراء کا ذکر نہیں۔ جنہیں مورخین نے کئی ادوار میں تقسیم کیا ہے وہ سب نظیر کے ہمعصر ہیں۔ اس کی پوری اہمیت شاید ناموں سے واضح ہو سکے۔ صرف اُن کے نام سُنیئے جنھوں نے اُردو شاعری کے ارتقاء میں حصہ لیا ہے۔ حاتم، مضمون، فغاں، میر، سودا، درد، سوز، مظہر، تاباں قایم، یقین، حسرت، رنگین، نصیر، جرأت، انشا، مصحفی، رند، ناسخ، آتش (سلسلہ کا خیال نہیں کیا گیا ہے) ان میں سے کون نام ایسا ہے جسے اُردو ادب کی خدمت کے سلسلہ میں کسی نیچے درجہ پر رکھا جاسکتا ہے اور پھر ان میں سے کون ہے جس کی دُنیا کی سرحد نظیر کی دُنیا سے ملتی ہے؟

شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ نظیر اصل میں نظم لکھنے والے تھے غزلگو شعراء سے اُن کا مقابلہ درست نہیں۔ اس سلسلہ میں شاید یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ ان ہی میں سے بعض شاعر نظم کے بھی اچھے اُستاد تھے۔ میر، سودا، حسن، انشا اور مصحفی نے نظمیں بھی کہی ہیں لیکن نظیر کے مقابلہ میں یہ لوگ کسی اور دُنیا کے بسنے والے معلوم ہوتے ہیں۔ وجہ بالکل ظاہر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا تعلق کسی نہ کسی طرح دربار سے تھا، اس لیئے وہ عوام کے قریب نہ آسکے، اُن کی مثنویاں اور دوسری چیزیں زیادہ تر امارت اور اُس کے متعلقات یا انفرادی رنج وغم، ہجو یا مدح کا تذکرہ کرتی ہیں، لیکن نظیر کا کلام پڑھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود عوام میں سے اُٹھے اور اُن ہی کے درد دکھ، ہنسی، خوشی افکار و تأثرات میں شریک رہے۔

نظیر کا معیاری مقام نظیر نے عوام کے جذبات کی ترجمانی کی تو عوام ہی نے نظیر کو زندہ رکھا۔ اُردو شاعری کی معیار پرستی نے نظیر کو ختم ہی کر دیا تھا اگر فقیروں اور گداگروں نے اور معمولی لکھے پڑھے

لوگوں نے اُن کے بنجارہ نامہ، آدمی نامہ اور دوسری نظموں کو یاد نہ رکھا ہوتا۔ اُن کے موضوعات کی فہرست ہی پر ایک نظر اس بات کو اچھی طرح واضح کرتی ہے کہ نظیر انسان اور انسانی متعلقات میں سے اُن معمولی چیزوں کو نظر انداز نہ کرتے تھے جنہیں بڑے بڑے شعرا نہ دیکھتے تھے اور نہ محسوس کرتے تھے، یا اگر محسوس بھی کرتے تھے تو اُس پر لکھنا شاعری کے جوہر کو غلط استعمال کرنے کے برابر جانتے تھے۔ آٹا، دال، پیسہ، کوڑی، جھونپڑا، تلاشِ زر، ہولی، مفلسی، روٹیوں کی تعریف، بنجارہ نامہ، آدمی نامہ اور ایسی ہی دوسری چیزیں اُن کا پسندیدہ موضوع تھیں کیونکہ نظیر غریبوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے متھرا اور بندرابن کے تیرتھوں میں جاتے تھے۔ مسلمانوں کے عرس اور ہندوؤں کے میلوں میں شریک ہوتے تھے۔ عید اور شب برات کے ساتھ ہولی اور دیوالی سے بھی ایک سچے ہندوستانی کی طرح لطف اُٹھاتے تھے،

فنی کمال نظیر کی شاعری میں انسان ایک زندہ، متحرک، حساس اور مادی اسباب سے مسرور و دلگیر ہو جانے والی مخلوق کی شکل میں آتا ہے۔ "آدمی نامہ" میں انہوں نے مفلس عوام کے زخم پر مرہم لگانے کی کوشش کی ہے جہاں ہر شخص آدمی ہونے کی حیثیت سے ایک ہی کشتی کا سوار نظر آتا ہے انسان کی عظمت کے سامنے طبقات کے تفوق اور پستی کا سر جھکتا ہے۔ ہر شخص جو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا ہوا ہے وہ "آدمی" ہے اور اسی احساس کی تفسیر نظیر کے بہت سے خیالات ہیں مجموعی حیثیت سے "آدمی نامہ" میں نظیر نے اپنے خالص بیانیہ انداز میں طرح طرح سے یہی سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ "اشراف اور کمینہ سے لے شاہ تا غلام" ہر شخص "آدمی" ہے۔ یہ خیال عوام کے دلوں میں نہ جانے کون سی آگ بھڑکا سکتا تھا لیکن وہ زمانہ طبقاتی اور سیاسی شعور کا نہ تھا۔ نظیر نے اس خیال سے عوام کے دماغ کو بسانا چاہا تھا تاکہ اُن میں بھی خود شناسی کی پیاس پیدا ہو۔ رمال اور نجومی آج بھی جاہل اور ناسمجھ لوگوں کو دھمکا کر، بہلا کر اور دوسرے طریقوں سے اپنے فریب میں پھنسا لیتے ہیں۔ اُس وقت تو یہ عام بات تھی اور بیچارے عوام آسانی سے اُن کا شکار ہو جاتے تھے نظیر نے اُن جھوٹے خداؤں کا راز فاش کرنا چاہا تھا تاکہ عوام اُن سے بچ سکیں ؎

جہاں میں کیا کیا خرد کے اپنے ہر اک بجاتا ہے شادیانے
کوئی حکیم اور کوئی مہندس کوئی ہو پنڈت کتھا بکھانے
کوئی ہو عاقل کوئی ہو فاضل کوئی نجومی لگا کہانے
جو چاہو کوئی یہ بھید کھولے یہ سب ہیں حیلے یہ سب بہانے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروروں پنڈت ہزار سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عوام کی ہمدردی کا بہترین ذریعہ نظیر کے پیش نظر یہ تھا کہ وہ اُن کے بہت سے بے بنیاد توہمات کو اُن کے دل سے نکال کر انہیں بتا دیں کہ آدمی ہونے کی حیثیت سے وہ بھی سب کے برابر ہیں اور جذبات و احساسات میں خواص سے مشابہت رکھتے ہیں مثالوں سے مضمون کی طوالت بڑھتی جائے گی۔ معمولی طور سے کلیاتِ نظیر کا مطالعہ ان خیالات کو اچھی طرح واضح کر دے گا۔

جن موضوعات کی جانب آج بھی شعراء پوری طرح متوجہ نہیں ہو سکے انہیں نظیر نے بہت پہلے اپنا بنا لیا تھا۔ "ککڑی" اور "تل کے لڈو" "کورے برتن کی تعریف" اور "کوڑی" "مفلسی" "آٹے دال کا بیان" "پیسہ" اور ایسے ہی نہ جانے کتنے موضوعات کا انتخاب اُن کے صحیح رجحان کا پتہ دیتا ہے اور یہ رجحان رابطۂ عوام کے بغیر نہیں بن سکتا تھا۔

زندگی کا ایک روشن پہلو

موضوعات پر ایک نظر ڈالیے تو "آٹے دال کا بیان" "مفلسی" "پیسہ" "چپاتیاں" "روٹی کی تعریف" اور ایسی متعدد نظموں سے ہمارے دماغ پر عجیب و غریب اثر پڑتا ہے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے نظامِ معاشرت میں ان چیزوں کا بیان صرف اخلاق اور خدا ترسی کے تصور پر مبنی تھا اور نہ صرف ہندوستان بلکہ دُنیا کے دوسرے ممالک میں بھی ایسے تمدن سے اختلاف کی باقاعدہ کوشش نہیں کی گئی تھی اور نہ آج ہی ہمارے شعراء پوری طرح اس صحیح سیاسی اور معاشرتی قوت سے کام لیتے ہیں لیکن نظیر نے عام انسانوں کی صحبت میں رہ کر ایک حساس شاعر کی طرح ان کی زندگی کے تصادمات کو محسوس کیا تھا، وہ اپنے "شہر آشوب" میں عام لوگوں کی بیکاری اور مفلسی کا رونا روتے ہیں اگرچہ اس میں نہ تو سودا کے انداز بیان کی

تلخی اور تیزی ہے اور نہ تمدن پر اتنی سخت تنقید، لیکن اُس بے اطمینانی کا اظہار ضرور ہے جو مغلیہ حکومت کے زوال کے زمانہ میں اچھی طرح پیدا ہو چکی تھی اور جس کی بنیاد مذہبی نہیں بلکہ قومی تھی۔ مثلاً۔

گر نہ آٹے دال کا اندیشہ ہوتا سدِّ راہ ۔۔۔ تو نہ پھرتے ملک گیری کو وزیر و بادشاہ
ساتھ آٹے دال کے ہی حشمت و فوج و سپاہ ۔۔۔ جا بجا گڑھ کوٹ سے لڑتے کٹے پھٹتے ہیں آہ
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا ہوتا قدم یاں درمیاں ۔۔۔ منشی و میر و وزیر و بخشی و نواب خاں
جا لگتے دربار میں کیوں آدھی آدھی رات ہاں ۔۔۔ کیا عجب نقشہ پڑا ہے آہ کیا کہیے میاں
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اپنے عالم میں یہ آٹا دال بھی کیا فرد ہے ۔۔۔ حُسن کی آن ادا سب اسکے آگے گرد ہے
عاشقوں کا بھی اسی کے عشق سے منھ زرد ہے ۔۔۔ تا کجا کہیے کہ کیا وہ مرد کیا نامرد ہے
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

آج یہ سوال ملک میں برابر اُٹھ رہا ہے کہ ایک حسین اور شریف دوشیزہ عصمت فروشی کی زندگی پر کیوں مجبور ہوتی ہے، ایک نیچے طبقے کا غریب آدمی چوری کی طرف کیوں مائل ہوتا ہے، ایک مفلوک الحال بچہ بھیک مانگنا کیوں شروع کرتا ہے؟ اور جواب کے لیے تجزیۂ نفس سے لیکر مذہب اور اقتصادیات تک بات جاتی ہے۔ تھوڑے سے لوگ جنہوں نے انسانی تمدن کی تاریخ کو انسانی ضروریات اور کشمکشِ حیات کی صحیح روشنی میں پڑھا ہے وہ تو کوئی حکمی جواب دیتے ہیں لیکن نظیر نے اس کا وہی جواب دیا ہے جو دُنیا کے بہترین ماہرینِ معاشیات دے سکتے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ نظیر موجودہ عہد کے کوئی ڈگری یافتہ ڈاکٹر تھے، مقصد صرف اتنا ہے کہ انہوں نے اپنے وسیع تجربات کی مدد سے وہی نتائج نکالے جو حکیمانہ اور عالمانہ تجزیۂ اسباب کے بعد نکالے جاتے ہیں۔ اُن کی نظم "مفلسی" کے بعض حصے ملاحظہ کیجیے ؎

مُفلس میں ہو دیں لاکھ اگر علم اور کمال — سب خاک بیچ آکے ملاتی ہے مُفلسی

مُفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر — دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر

ہر گز کسی کے دل کو نہیں ہوتی اس کی چاہ — جس طرح کُتّے لڑتے ہیں ایک استخوان پر

ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہے مُفلسی

جب خوب رو یہ آن کے پڑتا ہے دن سیاہ — پھرتا ہے بوسے دیتا ہے ہر اک کو خواہ مخواہ

ہر گز کسی کے دل کو نہیں ہوتی اسکی چاہ — گر حُسن ہو ہزار روپے کا تو اس کو آہ

کیا کوڑیوں کے مول بکاتی ہے مُفلسی

چوری پہ لاکے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو — آخر ندان بھیک منگاتی ہے مفلسی

۱۲۔ اختر اورینوی صاحب نے نظیر کے شاعری پر ایک مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

شیخ ولی محمد نظیر اکبر آبادی میر تقی میر کا ہمعصر تھا اس نے $\frac{۱۲۴۶ھ}{۱۸۲۴ء}$ میں انتقال کیا۔ یہ سلطنت مغلیہ کے زوال کا زمانہ تھا۔ سارے ہندوستان میں اضطراب و ابہام کا دور دورہ تھا۔ سماج میں یاس و قنوط یا خود فریبانہ تعیش پایا جاتا تھا یا پھر انفعالی روحانیت و مذہبیت، اس دور کی اُردو شاعری پر یہی اثرات کارفرما ہیں۔ لیکن غیر معمولی طور پر نظیر کی شاعری میں زندگی اور زندگی کی اُمنگوں کی روشنی بھی نظر آتی ہے۔ نظیر کو یہ روشنی عوام الناس یعنی "پرولیتاریات" کی صحبت سے ملی تھی۔ خلقت عامہ زندگی اور مسرت، قوت اور اُمید کا بہت بڑا سرچشمہ ہے جب تہذیب و تمدن اپنی بدنظمی کی وجہ سے خطرناک اور ہلاک ہو جاتا ہے تو زندگی اپنی نشاۃ اور احیاء کے لیے جنتا کی طرف نظر کرتی ہے۔ انسانیت کے مستقبل پر ایمان، عمل و سعی پر اعتماد اور ارادہ میں استحکام عوام الناس کے وسیع قلب سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سرچشمہ اُمید پر کتنی ہی پابندیاں عاید کی جائیں اس بجلی کے خزانے کو کتنا ہی مقید کیا جائے مگر پھر بھی بجلی تڑپ ہی اُٹھتی ہے اور اُمید کی کرنیں پھوٹ ہی پڑتی ہیں۔ نظیر اکبر آبادی نے جنتا کے سورج سے اپنی زندگی بداماں شاعری کا دیا جلایا۔ میر، سوز، درد، سودا وغیرہ بیجا انفرادیت کی بھول بھلیوں میں چکر کھاتے رہے اور نظیر اجتماعی

زندگی کے وسیع سبزہ زار میں کلیلیں کرتا پھرا۔ نظیر کی شاعری کے مطالعہ سے زندگی کے ممکنات پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ نظیر کی شاعری اُس عہد کی منفیانہ شاعری کے ریگستان میں ایک شاداب نخلستان ہے۔

نظیر جاگیردارانہ عہد کا شاعر ہے۔ اُس دور میں ادب یا تو دربار میں رقص کرتا تھا یا پھر مضمحل انفرادیت کے قید خانہ میں کراہتا رہتا تھا۔ مگر نظیر ان دونوں باتوں سے محفوظ ہے۔ نظیر نے زندگی کی وسعتوں کا مشاہدہ کیا، اجتماعیت کے ساگر میں تیراکی کی اور وہ آزادی کے آکاش کی طرف اُڑا۔

نظیر کی ہمہ گیری | نظیر شب برات، ہولی، دیوالی، برسات، طفلی، جوانی اور بڑھاپا سب سے واقف ہے اور ان کی تصویریں واقعیت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ وہ زندہ رہنے کی مسرت سے آشنا ہے۔ وہ اس بات کا قائل ہے کہ "دنیا میں سب کچھ انسان ہی کے لیے ہے" وہ "ریچھ" اور "گلہری" سے بھی دلچسپی رکھتا ہے کیونکہ مظاہر حیات مسرت آفریں ہیں وہ لالہ و گل، نسرین و سمن نیلوفر و سوسن و چنبیلی، مدھ مالتی، مولسری و کنول، موگرا، کیتکی، موتیا اور سرسوں کی بہار پر مفتوں ہے۔ کہتا ہے

دُنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ	کیا دستِ قدرت نے باندھا ہے یہ گلدستہ

نظیر کا منفیانہ رُخ

"سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاویگا جب لاد چلے گا بنجارا"

سے ظاہر ہوتا ہے۔ نظیر کہتا ہے کہ:۔

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک رہے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیئے پاک ہوے

اور: دکھ پاکے مر گیا کوئی سکھ پاکے مر گیا	جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مر گیا

نظیر کا سب سے زیادہ رچا ہوا رنگ قلندرانہ لطف اندوزی میں نظر آتا ہے۔ اس کی نظمیں "من موجی" "بنجری کا عالم" "کوڑی نہ رکھ کفن کو" اور "ہر حال میں خوش" شاعر کی اصلی شخصیت کو نمایاں کرتی ہیں اور یوں تو "باہمہ و بے ہمہ" کی روح نظیر کی شاعری میں ہر جگہ نظر آتی ہے

کہتا ہے :-

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

اور ، دل کی خوشی کی خاطر چکھے ڈال مال ودھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

پھر کہتا ہے :-

افلاس میں ادبار میں اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

نظیر "غم روزگار" کا علاج "غم عشق" میں نہیں بلکہ "کیف عشق" "بہجت محبت" میں ڈھونڈھتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہر وقت علاج و معالجہ ہی کی فکر میں سرگرداں رہتا ہے بلکہ وہ زندگی کی حقیقتوں میں ڈوب ڈوب کر امرت اور بِس کے تجربے کرتا ہے۔ زندگی کی مسرت زندگی کے وسیع تجربے میں پنہاں ہے۔ جینے کا احساس سب سے بڑی مسرت ہے۔ نظیر کے یہاں جامِ حیات کی تہ میں غمِ انجام کی تلخی کا احساس بھی ضرور ہے لیکن وہ اس احساس کو مستی کی موج اور بے خبری و بے خودی کی ترنگ میں بھول جانا چاہتا ہے۔

نظیر بہت بڑا حقیقت نگار ہے۔ وہ زندگی کے ہر رخ کو نہایت ہی صداقت کے ساتھ نمایاں کرتا ہے اور تنقیدی حقیقت نگاری پیش کرتا ہے لیکن کہیں پر بھی وہ انقلابی نہیں۔ وہ جہاد و مقابلہ کی روح سے نا آشنا ہے۔ وہ "پرولیتاری" تو ہے لیکن "پرولیتاریات" میں جذبۂ عمل پیدا نہیں کرتا وہ تو یہ کہتا ہے کہ۔

مشکِ تتار و مشکِ ختن بھی تجھی میں ہے
یاقوت سرخ و لعل یمن بھی تجھی میں ہے

نسرین و موتیا و سمن بھی تجھی میں ہے
القصہ کیا کہوں میں چمن بھی تجھی میں ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ ،

تنقیدنگاری

نظیر کے یہاں تنقیدی حقیقت نگاری کی مثالیں بھی بہت ملتی ہیں "ہائے رے افلاس" "مفلسی" "جوانی اور بڑھاپے کی لڑائی" وغیرہ نظموں میں اس کا رنگ جھلکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

دُنیا میں لے کے شاہ سے اے یار تا فقیر　　خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر
اشراف کو بناتی ہے اِک آن میں حقیر　　کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیرؔ
وہ جانے جس کے دل کو جلاتی ہے مفلسی

ایک مزاحیہ مگر دلخراش تنقیدی حقیقت نگاری کی مثال دیکھئے:۔

رکھ بوجھ سر پہ نکلا، اشتر ملا تو ایسا　　گھیرا خرابیوں نے لشکر ملا تو ایسا،
بڑھ گئے جو بال سر کے افسر ملا تو ایسا　　مفلس کا زرد چہرہ جوزر ملا تو ایسا،
آنسو جو غم سے ٹپکا گوہر ملا تو ایسا

ایک آپ بیتی کی مثال سُن لیجیے۔ نظیرؔ معلمی کرکے پیٹ پالتا تھا۔

جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں　　مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اُسے بے بتاتے ہیں　　وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
اُن کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

تجزیاتی نقطے اگر نظیرؔ کی فطرت کا تجزیہ کیا جائے تو مندرجۂ ذیل عناصر اُس میں پائے جائیں گے۔

(۱) دل کا گداز۔ نظیرؔ ایک گداز دِل کا مالک تھا۔ وہ انسانی کمزوریوں اور حماقتوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا پھر بھی وہ انسانیت سے محبت رکھتا تھا۔ وہ انسانی شان وشوکت کی فنا کا راز داں تھا۔ وہ زندگی کی بخششوں اور ناانصافیوں سے آشنا تھا۔ نظیرؔ کا دل بہت ہی حساس تھا اور اسکی آنکھیں بیک وقت مسرور و گریاں رہتی تھیں۔ نظیرؔ کی شاعری میں درد و سوز پایا جاتا ہے۔

(۲) رازِ زندگی سے واقفیت۔ نظیرؔ ایک حقیقت آگاہ شاعر تھا، زندگی اُس سے سرگوشیاں کرتی تھی اور وہ مآلِ حیات کو جانتا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ زندگی کا لطف زندگی کو آزادانہ و بھرپور انداز سے جینے ہی میں پوشیدہ ہے۔

(۳) رواداری۔ نظیرؔ کے دل کا گداز اور اس کی حقیقت آگاہی اُسے رواداری اور محبت سکھاتی تھی۔ اس کی رواداری اتنی وسیع تھی کہ وہ انسانی غلطیوں سے بھی مُسکراتا ہوا چشم پوشی کر لیتا تھا،

(۴) نظیر کی ہمدردیاں بہت وسیع تھیں۔ غریب، امیر، زاہد و رند، تاجر و حاکم، بوڑھے بچے، عورت مرد، انسان حیوان، ہندو مسلمان سبھی اس کے دل میں جگہ رکھتے تھے۔ اُس نے اپنی وسیع ہمدردیوں کو اپنے آرٹ میں کامیابی کے ساتھ منعکس بھی کیا ہے۔

(۵) خندہ پیشانی اور صبر، عارف شاعر۔ غم روزگار کو ہنسی خوشی کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے۔ وہ المناک انجام "حیات کو سمجھتے ہوئے بھی" دُنیا کے چمن سے لطف اندوز ہوتا ہے وہ جیون کے اونچ نیچ اور فنا و بقا کو جانتے ہوئے بھی کہتا ہے کہ:-

جو فقر میں پورے ہیں وہ ہر حال میں خوش ہیں
ہر کام میں ہر دام میں ہر حال میں خوش ہیں

(۶) ظرافت و مزاج لطیف۔ نظیر کی طبیعت میں ظرافت کا مادہ بہت نمایاں تھا۔ اس ظرافت کا اثر اس کے فن میں بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ ظریف و صاحب مزاح ہے لیکن مضحک اور ہنسوڑ نہیں، نظیر کے فن میں عریانی حد سے زیادہ واقعیت پسندی کے سبب پیدا ہوتی ہے۔ اس کا مقصد بھانڈپن یا پھکڑ پن نہیں۔ مثلاً "بچپن" کی نظم میں کہتے ہیں:-

دل میں کسی کے ہرگز نے شرم نے حیا ہے — آگا بھی کھل رہا ہے، پیچھا بھی کھل رہا ہے
پہنے پھرے تو کیا ہے ننگے پھرے تو کیا ہے — یاں یوں بھی واہ وا ہے اور وُوں بھی واہ وا ہے

درد اور مزاح کی ہم آہنگی ملاحظہ ہو:-

دریا کے تماشے کو اگر جاویں تو یارو — کہتا ہے ہر اک دیکھ کے جاتے ہو کہاں کو
اور ہنس کے شرارت سے کوئی پوچھے ہے بڑھو — کیوں خیر ہو کیا خضر سے ملنے کو چلے ہو

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا

نظیر کی ظرافت کی ایک نوع ہمدردانہ طنز بھی ہے۔ مثلاً "ہائے رے افلاس" اور "دُنیا بھی کیا تماشا ہے" اس کی مثالیں بکثرت ملیں گی۔

نظیر کی ظرافت تنقید سے زیادہ محض انکشاف حقیقت سے پیدا ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"امیر فقیر اچھے بُرے آدمی ہی ہیں" شاعر کہتا ہے:-

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں — بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں — اور آدمی ہی اُن کی چُراتے ہیں جوتیاں
جو اِن کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(۷) نظیر میں تخیل اور تجربہ بہت کافی نظر آتا ہے۔

ڈرامہ نگاری کے نمونے — نظیر کے اس فن کے مطالعہ سے ایک اور اہم صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے اندر ایک کامیاب ڈرامہ نویس کی خوبیاں بھی موجود ہیں۔ زندگی کی وسیع واقفیت اور دوسری مذکورہ بالا خصوصیات کے علاوہ نظیر میں مندرجۂ ذیل باتیں ایسی ہیں جو ایک ہوشمند ڈرامہ نگار میں پائی جاتی ہیں۔ نظیر نے زندگی کا مطالعہ مختلف زاویوں سے کیا ہے۔ مشاہدۂ حیات کے وقت اُس پر اکثر غیر جانبداری اور بے خودی کا عالم طاری رہتا ہے۔ نظیر مختلف طبائع اور نوع بہ نوع ادوار و کیفیاتِ حیات کو پیش کرتا ہے۔ ہستی کا مرقع دیکھنا ہو تو "طفلی"، "بچپن"، "بڑھاپا"، "جوانی"، "فقرا کی شان"، "من موجی"، "بے خبری کا عالم"، "کوڑی نہ رکھ کفن کو"، "پیسہ ہی سب کچھ کرتا ہے"، "ہر حال میں خوش"، "مفلسی"، "ہائے رے افلاس" وغیرہ نظمیں ملاحظہ فرمائیں۔ اِن نظموں میں کردار نگاری کی بہت سی خام و پختہ مثالیں آپکو ملیں گی۔ اگر نظیر ڈرامہ لکھتا تو اسی مواد سے بہت سے مشخص کردار پیدا کر لیتا۔

ڈرامہ نگار کے لیئے اشیاء کی وسیع واقفیت بھی ضروری بات ہے۔ نظیر بھی دُنیا بھر کی چیزوں اور اُن کی قسموں سے واقف ہے۔ جانوروں، پرندوں، پھلوں پھولوں، کھیل تماشہ کی چیزوں، سواریوں کی قسموں، لوازم خانہ داری، بازار کے سامان، رشتہ داریوں، متوسلین کی قسموں، پیشہ وروں وغیرہ سے نظیر کی واقفیت حیرت انگیز ہے۔ اس لحاظ سے وہ شیکسپیر کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کر سکتا ہے۔

نظیر کی شاعری موسیقیت سے ہم آغوش ہے اس کے یہاں داخلی اور خارجی دونوں قسم کی موسیقی پائی جاتی ہے۔ وہ مترنم بحور استعمال کرتا ہے اور بے ساختگی کے ذریعہ روانی پیدا کرتا ہے۔ اُسے الفاظ اور جملوں کے استعمال کا ایک خاص سلیقہ ہے۔ اس کے علاوہ نظیر کی شاعری میں ایک داخلی شیریں گداز اور ایک پُر کیف اندرونی ترنم پایا جاتا ہے۔ اُس کی شاعری زندگی کے زیر و بم پر رقص کرتی معلوم ہوتی ہے ہر چند کہ نظیر سادہ اور عام فہم زبان کے استعمال کے ساتھ ساتھ قواعد و املا کی غلطی بھی کرتا ہے اور برجستگی و صفائی کے باوجود فن عروض کے برتنے میں خامیوں کی مثالیں بھی پیش کرتا ہے تاہم اسکی بنیادی موسیقیت و ترنم میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوتی۔

الغرض نظیر کی شاعری بہت ہی بلند مقام رکھتی ہے اور اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ زندگی کی تہوں میں اپنی جڑیں پھیلائے ہوئے ہے۔

مذکورہ بالا افراد کے علاوہ علامہ شبلی مرحوم، حکیم اصغر حسین صاحب فرخ آبادی مرحوم، مولانا جالب دہلوی مرحوم، پروفیسر الیاس برنی، ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم، حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری مصنف "بحر الفصاحت"، مولوی حبیب الرحمن خاں شروانی مرحوم، مولانا حسرت موہانی (جو ابھی کل ۱۴ر مئی ۱۹۵۱ء کی دوپہر تک اس دنیا میں تشریف فرما تھے اور شام کو بعد مغرب سپرد خاک ہو کر اعلیٰ علیین میں طیور جنت کے ساتھ غزلخوانی کرنے کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون)، رام بابو سکسینہ کلکٹر مؤلف تاریخ ادب اُردو، مولوی لطیف الدین احمد صاحب، مجنوں گورکھپوری صاحب وغیرہم نظیر کے متعلق وقتاً فوقتاً بہت ہی وزنی اور گرانقدر خیالات کے ساتھ اس کے کلام پر حُسنِ قبول کا مہر کہ لگائے جانے کی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں۔

نظیر کی قلمی خدمات | تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق اللسان ہیں کہ نظیر نے بہت کافی عمر پائی، دماغ کی قوت و مضبوطی، نظر کی تیزی و دور رسی اور جذبات و خیالات کی وسعت و فراوانی میں وہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، ساری عمر درس تدریس، شعر و شاعری اور لکھنے پڑھنے ہی میں صرف ہوئی چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر اُن کا صرف کلام منظوم ہی کسی طرح اکٹھا ہو جائے تو دو لاکھ اشعار سے کم نہ نکلیں گے

مگر باوجود اس قدر کثرتِ شعر گوئی کے آج اُن کے کلام کا سب سے بڑا ذخیرہ جس کے متعلق فخر کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تیج کمار بکڈپو لکھنؤ کے اس مجموعے سے جو آپ کے ہاتھ میں ہے صرف پندرہ سولہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے زائد نہیں ہے۔ اس کثرت کے مقابلے میں اس قلت کی سب سے بڑی وجہ تو خود نظیر کی لاپرواہی اور وارفتہ مزاجی تھی یعنی خود انہوں نے کبھی اپنے کلام اور تصنیفاتِ نثر و نظم کو جمع اور محفوظ رکھنے کی کوشش نہیں کی، نہ معلوم کتنی چیزیں ضائع ہو گئیں، نہ معلوم کتنی دوسروں کو بانٹ دیں اور نہ معلوم کتنی ایسی چیزیں آج بھی متفرق طور سے لوگوں کے کتبخانوں اور سینوں و سفینوں میں محفوظ ہوں گی جیسے لوگ بروقت حاصل کر کے اپنے پاس رکھ لیا کرتے تھے۔

مشہور فرانسیسی محقق گارسان دی تاسی کا بیان ہے کہ نظیر کا سب سے پہلا دیوان ۱۸۲۰ء میں لیتھو کے ذریعہ سے ناگری حروف میں شائع ہوا تھا، اس کے بعد فارسی خط میں دوسرا ایک مجموعہ اور شائع ہوا جسے خود نظیر نے مرتب کیا تھا، اس پر اُن کی قلمی تصویر بھی چسپیدہ تھی اس کے علاوہ دیوان کے اندر نظموں سے متعلق ہندوؤں کے اوتاروں کی بھی متعدد تصویریں شامل تھیں۔ شہباز صاحب نے "زندگانی بے نظیر" میں لکھا ہے کہ میں نے انھیں بہت تلاش کیا، اُن کے عزیزوں اور ورثاء وغیرہ سے بھی حاصل کرنے کی کوشش کی مگر کسی طرح کامیابی نہیں ہوئی، مرزا فرحت اللہ بیگ چغتائی کو اتفاقاً یہ دونوں مجموعے آغا حیدر حسن دہلوی پروفیسر نظام کالج حیدر آباد کے یہاں مل گئے جو انھیں ان کے نانا عبدالرحمٰن خاں احسان دہلوی کے کتب خانہ سے ۱۸۵۷ء کی دست برد کے بعد بچ بچا کر ہاتھ لگ گئے تھے۔

مرزا صاحب نے نظیر کا جو مجموعہ کلام شائع کیا ہے اس میں زیادہ تر اسی دیوان کے اشعار ہیں، مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ یہ دونوں دیوان کشمیری کاغذ پر چھپے ہوئے ہیں اور قیاس ظاہر کیا ہے کہ اسے نظیر کے کسی ہندو شاگرد نے جمع کیا ہو گا، اور وہ غالباً مہاراجہ بلونت سنگھ راجہ ہوں گے۔

ان دونوں مجموعوں کے علاوہ سات ہزار اشعار پر مشتمل ایک اور کلیات کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جو نظیر کے نہایت محبوب و مخلص شاگرد بلاس رائے کے لڑکوں کے اہتمام سے شائع ہوا تھا مگر یہ بھی

کل نہیں تھا بلکہ یہ لڑکے اپنی تعلیم کے زمانے میں استاد کا رطب و یابس کلام جو کچھ مل جاتا تھا کہیں لکھ لیا کرتے تھے اُسی کو مطبع الٰہی کمبوہ دروازہ میرٹھ نے شائع کر دیا، نظیر کے قریبی عزیز مرزا نوازش علی کا بیان ہے کہ ان سب کے سوا نظیر کا ایک اور دیوان ردیف وار مرتب تھا، قطب الدین خاں باطن (شاگرد نظیر و مؤلف گلستان بے خزاں) نے جو اشعار اپنی کتاب میں درج کئے ہیں اُن سے بھی کچھ اسکے اوپر روشنی پڑتی ہے۔

راجہ بلاس رائے کے لڑکوں کا شائع کیا ہوا یہی دیوان سنہ ۱۸۲۰ء میں مطبع احمدی چار سو دروازہ میرٹھ میں شائع ہوا پھر اسکو اور مطبع الٰہی والے اڈیشن کو سامنے رکھ کر فحش اور مبتذل کلام کا ذخیرہ خارج کر کے مطبع نولکشور نے شائع کیا، اُس زمانے میں کلام نظیر بر نولکشور کا یہی اڈیشن آخری اور مجموعی ذخیرہ کلام خیال کیا جاتا تھا، پھر مولوی عبد الغفور صاحب شہباز کو ادھر توجہ ہوئی اور انھوں نے بڑی تلاش و تحقیق کے بعد ایک سوانح عمری مع نمونۂ کلام کے اور ایک کلیات مرتب کر کے شائع کی، ان دونوں کتابوں کی نشر و اشاعت بھی مطبع نولکشور ہی کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہونچی اور مرزا فرحت اللہ بیگ اور مخمور صاحب اکبرآبادی کے بعد آج پھر یہ ساڑھے نو سو صفحہ سے متجاوز اور شاندار و عظیم ترین ذخیرہ منشی نولکشور کے پرپوتے کنور تیج کمار صاحب کی سعی و کوشش سے ملک و قوم کے سامنے پیش ہو رہا ہے،

معترضین نظیر کا کہنا ہے کہ نظیر کے تین مکمل دیوان اور تھے دو اُردو میں اور ایک فارسی میں اور تصنیفاتِ نثر کے بارے میں باطن صاحب نے تشریح کی ہے کہ

جس وقت مزاج عالی تحریر نثر پر ملتفت ہوا مضمون انشاہائے زمی گزین قدر متین فہم قرین، بزم عیش، رعنا زیبا، حسن بازار، طرز تقریر وغیرہ نو عدد مثال نو رتن زیب بازوئے شاہد مدعا ہو کر دست بستہ آن پہونچا۔

ان میں سے پانچ عدد قلمی تصنیفات شہباز صاحب کی نظر سے گذر چکی ہیں اور اُن کے جستہ جستہ کچھ ٹکڑے بھی اپنی تالیف میں انھوں نے شریک اشاعت کئے ہیں مگر ان تمام تصریحات و حقائق کے

بعد لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا ہے کہ وہ معمولی تعلیم اور محض مکتبی زندگی کے آدمی تھے اسکی وجہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ بیان کی جائے یہ تسلیم کئے بغیر رہا بھی نہیں جاسکتا کہ اسکی سب سے بڑی ذمہ داری خود نظیر کے اوپر اور نظیر کے بعد اُن کے شاگردوں اور خاندانی ورثار کے اوپر عائد ہوتی ہے ورنہ جیسا اُن کے بعض کلام اور مخالف تذکرہ نگاروں نے مشہور کر رکھا ہے حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسکا ثبوت سطور ماسبق میں ملاحظہ فرمائیے۔

فارسی تصنیفات میں سے ایک تصنیف کا نام "طرز تقریر" ہے۔ اس میں انھوں نے صرف یہ بتایا ہے کہ معشوقوں سے چھیڑ چھاڑ کیونکر کی جاتی ہے اور اس سلسلہ میں کہیں کہیں ضلع جگت سے بھی کام لیا ہے۔ ہر چند اُن کی یہ تصنیف فارسی کی کوئی سنجیدہ تصنیف نہیں ہے لیکن یہ اس وقت کا رنگ تھا ورنہ اتو فارسی میں اس قسم کا نثر بکثرت پایا جاتا ہے۔

طرز تقریر میں تقریباً دو سو علٰحدہ علٰحدہ ٹکڑے ہیں، جن میں سے اکثر "نازنینے را دیدم" یا اس کے ہم معنی فقرہ سے شروع ہوتے ہیں اور پھر اُس نازنین سے اِن کی بات چیت شروع ہوتی ہے، جس میں کبھی یہ معشوق کو بناتے ہیں اور کبھی وہ انھیں بناتا ہے اور آخر میں نظیر ایک شعر پڑھ کر اس صحبت کو ختم کر دیتے ہیں۔ مثلاً

ایک بار کسی نازنین کے پاس گئے اس نے پوچھا "چہ کسی" (تو کون ہے) انھوں نے کہا "پروانۂ شمع رویان" اس نے کہا "مانع پرافشانی" کہا "اجازت؟" اس نے جواب دیا "پروانہ پروانگی نہ خواہد" اور انھوں نے یہ شعر پڑھ کر اپنی ہار مان لی:۔

گفتم کہ درست گفتی اے شمع　　پروانۂ خام بایدم گفت

ایک اور واقعہ انھیں کی زبان میں سنئے۔

"بروئے نازنینے شرمگیں نگاہ، نگاہ کردم۔ عرق بر رخش پدید آمد۔ گفتم "گوہر بحر شرم؟" گفت "کرم نگاہ گرم"

گفتم اے نازنین شرم آگیں　　حسن را شرم خوبی دگر ست

یہ کتاب اسی طرح کے سوال و جواب سے بھری ہوئی ہے اور اکثر جگہ صرف ایک ایک لفظ سے مدعا ظاہر کیا گیا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو:-

"پیش محبوبے رفتم، دیدم کہ انجیر نہادہ است و زلف گرہگیر کشادہ۔ بہ قدرِ تفاوت بنشستم۔ گفت "اگر دلپذیر چندے ازیں بگیر"۔ دانستم بعزمِ تسخیر، گفتم "کجا ایں تو قیر، اگر لطف ست ہمیں جا عنایت" تاثیر۔ گفت "این چہ تقریر" گفتم "از دوراً انجیر و نزدیک زنجیر، ترکِ انجیر از بیمِ زنجیر خوش تدبیر" گفت "چساں؟" گفتم۔

صید رم دارد و صیاد فسوں می خواہد — ہر کسے مصلحتِ خویش نکو می داند

اس سلسلے میں انھوں نے اپنی پیرانہ سالی کو سامنے رکھ کر کبھی بعض نو نے "طرزِ تقریر" کے پیش کیے ہیں اور کافی "پیرافشانی" کا ثبوت دیا ہے، چنانچہ ایک واقعہ ملاحظہ ہو:-

نازنینے نسترن بدن، حمایلِ سمن در گلویم انداخت، گفتم "ریشِ من نسترن ست خجلت آرد" گفت "ہمرنگ ضرر ندارد"

ایں سخن چوں بتِ سمنبر گفت — شد دلِ من سمن سمن مسرور

اب دو چار شالیں ضلع جگت کی بھی سن لیجیے:۔

برائے شوخے ظرافت شعار حمایل گل بردم، گفت "ہندی ایں؟" گفتم "ہار" گفت "زنہار از اصطلاحِ قمار"

نزد نازنینے سیمیں ذقن رفتم و گفتم "سیب خوش رسیدہ است" گفت "بیار" گفتم "اگر دستم بہ سیب رسد" گفت "بے آسیب نخواہد رسید"

اس کتاب میں جتنے واقعات درج ہیں، وہ سب فرضی ہیں، چنانچہ مصنف نے خود کتاب کے آخر میں لکھا ہے کہ "نظرِ حقیر، نثرِ مسرت مشحون و نظمِ مناسب مضمون بہ لطفِ ہمنشینی و ہمراہی نازنیناں تحریر نمودہ و خاطرِ خود را فرحت و انبساط برافزودہ"

قدر متین میاں نظیر کے فارسی خطوط کا مجموعہ ہے جو زیادہ تر انشا کی حیثیت سے لکھے گئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض ان کے وہ خطوط بھی ہوں جو واقعی انھوں نے اپنے احباب کو لکھے تھے۔

یہ کتاب بہ لحاظ انشا و مطالب "طرز تقریر" سے بہتر ہے اور اس کا انداز تحریر بھی اس سے بالکل مختلف ہے اس میں مختصر نویسی یا اشارات سے کام نہیں لیا گیا بلکہ پورے جملے لکھ کر تسلسل کو قایم رکھا گیا ہے اور اس میں اشعار بھی اچھے نظر آتے ہیں بعض منظوم خطوط ہیں اور فارسی کی چند غزلیں اور رباعیاں بھی ہیں جو نظیر کی فارسی دانی کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں۔

اس مجموعہ میں ۱۳۴ رقعات ہیں اور ان میں سے شاید چند وہ رقعات جو پھلوں وغیرہ کی رسید میں لکھے گئے ہیں اصلی ہوں تو ہوں، ورنہ سب انشائی حیثیت رکھتے ہیں۔

"تخم گل مہندی" کی رسید میں لکھتے ہیں :۔

قدرداں، قدر فزا، از گل الطافِ تو ہست ۔۔۔ رونقِ رنگِ حنا در کفِ دستِ چمنم"

بلطف تخم گل مہندی ندرت نگار، ہم رنگ خیالِ رنگین ادایان گلبنِ تمنا تازہ گردید۔ شگفتی آن بنا بے کہ ناکاشتہ ہجوم شاخ و برگ و جوشِ غنچہ و گل پیشِ نگاہ جلوہ نما۔ دوستِ بہار خنابستہ گلزمین خیاباں را منت بر فرق نہاد تشریفِ گل کا رسید ہد۔ گلشن خاطر شگفتہ باد!

کسی اور صاحب کو آئینہ کی رسید میں شکریہ کا خط لکھتے ہیں!

خوشدلی ز آئینہ شد ایں مخلص دیرینہ را ۔۔۔ ہمچناں کز عکسِ روئے مہ رخاں آئینہ را

از توجہ آئینہ خوشنما خورسندی رو نمود و خیالِ چندیں انشراح برائت خاطر افزود۔ طلب راہ وجود آں شہرت و پرواز را بنمودش مفاخرت ......!

ایک منظوم رقعہ ملاحظہ ہو جس میں غالباً انھوں نے تیراکی کا میلہ دیکھنے کے لئے رتھ طلب کی ہے :۔

محیطِ بخشش و بذل استقامت ۔۔۔ لا ذو منبع احساں سلامت

چوں شوقِ صحبت رنگیں نگارم ۔۔۔ ہمانا موج دریا در شمارم

گر بعد از سلام الفت آرا ۔۔۔ بنوکِ خامہ آرم دعا را

کہ امروز از برائے سیرِ دریا　　جہانے حاضر و خلقے ست یکجا
نظر تا میرسد یکسر بہار ست　　چمن بر ساحلِ دریا نثار ست
زغسلِ مردمان و بازیِ آب　　بہر سو شوخیِ گرداب بیتاب
زعکسِ گلعذاراں آبِ دریا　　برنگِ تختۂ گلشن در نظر ہا
بہ ساحل بسکہ مہ رویاں عیان اند　　شکار دامِ الفت ماہیان اند
بفرحت قطرہ زن ہر موجِ آب ست　　مئے مقصود در جامِ حباب ست
بہارِ حسن و آبِ بحر در جوش　　ہم پہلو بہ پہلو دوش بر دوش
چو بر دریا چنیں رنگیں بہار ست　　دلم از بہر آں بس بیقرار ست
دریں صورت نظر بر بے قراری　　عطا سازند رتھ بہر سواری
چو زاں مجمع ہمہ شادند امروز　　کنم من ہم دلِ خود عشرت اندوز
کہ باشد دیدنِ عالم غنیمت　　اگر یک لحظہ باشد دم غنیمت
نظیر اکنوں ندارد غیر ازیں یاد　　کہ باشد خانۂ الطاف آباد

اس رقعہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی الفاظ کا صحیح صرف کر سکتے تھے اور نثر نگاری کے لئے وہ اچھے الفاظ اور اچھی ترکیبیں استعمال کرنے سے عاری نہ تھے۔

چند رقعات میں رباعیاں بھی نظر آتی ہیں، لیکن ان میں سے بعض میں یہ جدت کی گئی ہیں کہ چوتھا مصرعہ ایک ہی رکھا ہے اور اس طرح ان کو ایک مسلسل نظم بنا دیا ہے مثلاً:

دل برد ز من چو نازنینے زیبا　　پُر حیلہ و پُر فریب و پُر ناز و ادا
گفتم کہ دلم دہ بہ تبسم فرمود　　البتہ گر تو بعد یک لحظہ بیا

چوں روز دگر بہ آں بتِ عشوہ نما　　گفتم کہ نشد وعدۂ دیروز وفا
بشنید و بخندید و بفرمود امروز!　　البتہ گر تو بعد یک لحظہ بیا

اس کے بعد نظیر پھر گئے، کئی بار گئے اور ہمیشہ یہی جواب ملا کہ

"البتہ مگر تو بعد یک لحظہ بیا"

یہاں تک کہ ساتویں رباعی میں یہ صورت پیدا ہو گئی کہ

ناچار ز روئے عجز گفتم او را
آں "لحظہ" بفرما کہ چہ باشد گفتا
چنداں۔ نظیر خواہم بتو، گفت
البتہ مگر تو بعد یک لحظہ بیا

ایک رقعہ میں مستزاد رباعی بھی پائی جاتی ہے ا۔

ظاہر ز سرائے تو با صد تزئین
اے باغ جمال
ریحان و گل و نرگس و سرو و نسرین
رنگیں تمثال
اسرار چمن در چمن از فہم تو اے یار
بکشاید دیر
یک لحظہ دریں باغ بیا و بنشیں
واکن فی الحال

اسی طرح حسن بازار ہے، جو بالکل "مینا بازار" کے انداز پر لکھی گئی ہے، جس میں اکبر آباد کے بعض دوکانداروں کی صفت بیان کی گئی ہے اور سراسر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے جس سے اس نوع کے انشار میں متقدمین کام لیا کرتے تھے۔ عبارت کی رنگینی، تعبیرات کی ندرت، تشبیہات کی جدت، رعایتِ الفاظ وغیرہ سب وہی ہے اور اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ نظیر نے کم لکھا ہے اور دوسروں نے زیادہ، یا یہ کہ نظیر کے یہاں صرف تفنن ہے اور دوسروں کے یہاں اصل مقصود۔

گلفروشوں کا حال بیان کرتے ہیں:۔

نشستنِ گلفروش در دوکان برخسارِ گلگوں و لبِ خنداں و نزاکت، ہر تارِ پیراہن رگِ نسریں نشان از رنگینی دوکان چمن در بازار جلوہ گر و گلشن پیشِ نظر۔ تحریک ساعد سمن رنگ متحرکِ دست ساقی بر ساغر مل و تمثیل بہتر ازیں جنبشِ شاخِ گل بر سرِ انامل.......

یہ رسالہ بہت مختصر ہے، لیکن اس سے ان کی فارسی دانی پر کافی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ابتدائی تعلیم عربی فارسی کی بہت اچھی ہوئی تھی۔

اُردو انشاء میں بھی لکھی جس کا نام فہم قریب ہے۔ یہ دستور الصبیان کی وضع کی مختصر سی کتاب ہے، اور اس میں مبتدیوں کے لیے آسان و عام فہم عبارت میں رقعات لکھے گئے ہیں۔ صرف ایک رقعہ کی عبارت میں کسی قدر رنگینی نظر آتی ہے۔ یہ رقعے مرشد، باپ، چچا، خالو، ماموں، پھوپھا، بھائی اور ماں کے نام ہیں۔ ان کا مقصود، مبتدی طالب علموں کو خط و کتابت سکھانا ہے۔ ان میں عام القاب، آداب، خط کے شروع کرنے اور ختم کرنے کے اُس زمانہ کے مروّج طریقے درج ہیں۔ اُن کے مضامین میں روزمرّہ کام آنے والی چیزیں مثلاً تقاضائے خرچ۔ ارسال زر، طلب خیریت، تلاش روزگار، معذرت وغیرہ شامل ہیں۔

نثر فارسی میں بقول باطن انھوں نے نو نثریں لکھی تھیں لیکن پروفیسر شہباز کو صرف پانچ کی زیارت ہوئی۔ ان میں سب سے بہتر بزم عیش ہے جس میں انھوں نے آگرہ کے میلوں کو خوب تفصیل سے لکھا ہے، ان میلوں کا حال تفصیل کے ساتھ ان کے منظوم کلام میں بھی ہے۔ یہ نثریں چھپی نہیں، اُن کے قلمی نسخے شہباز صاحب کی نگاہ سے گذرے تھے ان کے دیکھے ہوئے ایک نسخہ کے بارے میں اُن کو یہ بتایا گیا کہ یہ خود میاں نظیر نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ لیکن پروفیسر شہباز اس کو اس بنا پر صحیح تسلیم نہیں کرتے کہ کتاب میں ایسی فاش غلطیاں موجود ہیں جو مصنف کے قلم سے سرزد نہیں ہو سکتیں۔

پروفیسر شہباز کا حسن عقیدت بجا و درست لیکن اسکو کیا کیا جائے کہ نظیر کے یہاں اس قسم کی غلطیاں تو اکثر پائی جاتی ہیں اور لطف یہ ہے کہ برسوں سے ناقدین و مبصرین سب انکو اسی طرح غلط لکھتے اور پڑھتے ہی چلے آرہے ہیں، کوئی اصلاح یا حذف کی طرف توجہ نہیں کرتے مثلاً عربی کا حسب ذیل شعر جو کلیات ہذا کے صـ ۲۳۳ پر مرقوم ہے۔

قد او وجدک و عشی ذرقاد موع نعرا و من فی اقلک — کثیر حزنا مع الهموم ثقیل هجرا و کا لجبالا

بہرحال طرز تقریر میں پہلوں کے اوپر کافی اظہار خیال کیا گیا ہے شریفے کے اوپر لکھتے ہیں:۔

دو شوخ لطیفہ بردار شریفہ طلبیدہ۔ چوں پیش رسید گفتم شریف تر گردید۔ گفت دلت بجفایت دوید۔ گفتم جائے کہ بہتر و زود تر رسد مشرف باید گردید۔ وحصول دو فرحت باید گردانید۔ یکے شریفہ و دیگر لطیفہ۔ عنایت کردہ گفت

دلت خوش گردید۔ گفتم وقتے کہ از دست ناز خواہد رسید" ؎

چوں ز دست ناز ہم آمد بدستا
گفتم اکنون خاطرِ من شاد شد"

جامن کے اوپر لکھتے ہیں:-

"نزد نازنینے رفتم۔ وگفتم جامن خوب تر آمدہ است ؎

گویم بے تکلف طرفہ جامن   تواں کردن بیا نش تا بجامن

گفت بر وِ من خوش دارم۔ رفتم و زود آوردم۔ قدرے بمن داد و گفت دیگر۔ گفتم ہمیں ایں جامن۔ چوں خود تناول ساخت دو سہ تخمش بر من انداخت۔ خوش وقت شدم و گفتم، ؎

ازیں جامن ہمینم آرزو بود
ز لطفِ نازنیں خوباں بر آمد"

آم کے اوپر تحریر ہوتا ہے:-

"در اصل انبہ کہ پسند خاطرِ خاص و عام ہست و شہد و شکر بے قدرے الّیام پیش نازنینے رفتم۔ گفتم انبۂ ذائقہ فریب دیدہ آمدہ ام۔ گفت چرا نیاوردی گفتم اکنوں چہ درنگ۔ مگر رنج انامل نزاکت شامل نہ شود۔ تبسم کرد و گفت خوب۔ رفتم و زود آوردم۔ گفت چہ قسم است۔ گفتم ہمہ بہ ترشی درشت۔ گفت اگر بر آید۔ گفتم یک مشت۔ سرخ سرخ روئی پسند و سر سبزی بنگاہ نیازمند۔ و زرد ہم ایں کہ بجز رند و روے گرفتنم رز دنہ کند۔ ہنگام تناول ہماں قسم۔ گفت ہر چہ ازینہا خوش آید باید گرفت۔ شیرہ گرفتہ گرفتم۔ گفت چرا۔ گفتم باطاعت۔ حکم ہمیں خوش آمد۔ بخندید۔ زیادہ مسرور شدم و گفتم ؎

لذتِ انبہ خوردنِ ایں طور   پیش من بہ ازیں نمی باشد"

کہا جاتا ہے کہ نظیر ایک درجن سے زائد زبانوں کا عالم تھا اور جتنی زبانیں وہ جانتا تھا تقریباً سب میں کچھ نہ کچھ اپنے جذبات بھی نظم کر دیتا تھا مثلاً ذیل کی ایک غزل ملاحظہ فرمائیے اور سوچئے کہ اسمیں اُسنے کتنی زبانیں استعمال کی ہیں۔

دو زلفیں اسکی سیاہ پُر خم کہ اُن کے بل اور شکن کو یارو | نہ پہونچے سنبل نہ پہونچے ریحاں، نہ پہونچے ناگن، نہ پہونچے کالا

ادائیں بانکی عجب طرح کی وہ ترچھی چتون بھی کچھ تماشا | بھویں وہ جیسے کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا

پری رُخ مہ جبیں شکر لب بین دے تو باد آ بہ پیش چشم | بیاد سروِ تو بیقرارم، نہال عشقت شدہ است بالا

تساں نے ملنے نوں دل ہو بے کل یہی اوہ کلاں نت آکھدا ہے | سدا لے جیوں تے اپنے گھر وچ نہیں تو اتھے اساڈے مل آ

تمہاری آسا لگی ہے تن من، تمہارے درشن کو ترسیں نیناں | دلارے سندر انوٹھے ابرن، ہٹیلے موہن، انوکھے لالا

چھپن کر من کو جو جیون تھی لے یار کا ہیں لگائی اتنی۔ | پھر اتبین آکر کبھو تو مہاں کی پلک کنارا جو تہاں نے لگالا

لگن برت ہے ہیا میں مورے برہ میں تیرے لے من ہو بیوُل | توڑے جو نیناں نہ دوہا مکو نہ جینوں تنکو بھواد کھالا

جگت سبھا است بر بجھ، اہک کسوا، من کرن کہا | دوائی کیتی تتن شر بجن، نہ سدھ کی گریہ نہ بدھ کی جالا

وہ جامہ زیبی وہ دل فریبی وہ سج دھج اسکی، وہ قد زیبا | کہ دیکھ جس پر فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا

بہت میں نے چاہا پوچھوں میں نام اسکا وے وہ گلرو | نہ مجھ سے بولا، نہ کی اشارت، نہ دی تسلی، نہ کچھ سنبھالا

کبھی تو ہنس کر شتاب آجا نظیر کی بھی طرف ٹک اے جاں
بنا کے سج دھج اٹھا کے دامن، لگا کے ٹھوکر، ہلا کے بالا

اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں بھی اسکے کلام سے پیش کی جاسکتی ہیں۔

جناب مخمور اکبر آبادی صاحب نے روح نظیر کے دوسرے اڈیشن مطبوعہ ۱۹۴۶ء میں لکھا ہے کہ ضیائے عباسی ہاشمی ضیائی بدایونی والا نسخہ جس سے خود صاحب روح نظیر نے بہت کچھ استفادہ کیا ہے، بہت سی ایسی غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے جو کہیں اور نہیں ملتیں۔

اس کے علاوہ مولوی عابد علی صاحب (شاہ گنج ۔ آگرہ) نے کلام نظیر کا جو ذخیرہ مرتب کیا ہے اس میں اس کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام شامل ہے۔

اسی طرح منشی درگا پرشاد مہر ایڈوکیٹ ورئیس بنی گلی آگرہ کے پاس بھی نظیر کا بہت سا

غیر مطبوعہ کلام موجود ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پنڈت کیلاش ناتھ کنزرو وکیل سرکار و رئیس اکبرآباد کے قبضہ میں بھی بہت سا غیر مطبوعہ کلام نظیر تھا جن کا بڑا حصّہ پورے دیوان حافظ کی تضمینوں پر مشتمل تھا۔

اسی طرح سہارن پور کے ایک ایڈوکیٹ بابو رام گوپال کے پاس بھی کچھ غیر مطبوعہ کلام محفوظ بتایا جاتا ہے، یہ اسی کھتری خاندان سے ہیں جہاں میاں نظیر پڑھانے جایا کرتے تھے۔

اور مولوی عابد علی صاحب، (شاہ گنج - آگرہ) کے قول کے مطابق بندرا بن کے کسی حلوائی یا کنجڑے کے پاس نظیر کا اچھا خاصہ غیر مطبوعہ کلام موجود ہے۔

اور ان سب کے ماسوا نظیر کی جانب منسوب بہت سا کلام لوگوں کو زبانی یاد ہے، جو قید تحریر سے آزاد اور سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے، کلام نظیر کے ان حافظوں میں پھیری کرنے والے گداگر، قلندر، خوانچہ والے، "چنا جور گرم" بیچنے والے وغیرہ شامل ہیں۔

نظیر کا مسلک و مذہب مختصراً نظیر کے مذہب کے متعلق اوپر کچھ لکھا جا چکا ہے اب یہاں ذرا اور تفصیل کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے۔

نظیر مذہباً شیعہ تھے شہباز صاحب نے اُن کی نواسی کے حوالے سے اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے یہی لکھا ہے اس کے علاوہ اُن کے کلام کے تتبع سے بھی یہی نظر آتا ہے، حضرت علیؓ کے معجزات و منقبت والے اشعار اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ لیکن بظاہر ان کے کلام میں مذہبی تنگ نظری اور تعصب کم نظر آتا ہے۔ وہ صوفی منش اور وحدت الوجود کے قائل تھے۔ بزرگان دین سے گہری عقیدت رکھتے تھے، سُنّی بزرگ مثلاً شیخ سلیم چشتیؒ وغیرہ کی شان میں اُن کا کلام اُن کے حسن عقیدت کا مظہر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر مذہب والا اُن کو اپنے میں شامل کہتا تھا۔

اُن کی وفات پر سُنیوں اور شیعوں دونوں نے اپنے اپنے طریقے پر نماز جنازہ ادا کی، اور جنازے کی چادر اُن کے ہندو شاگرد تبرکاً لے گئے۔ شاگردوں ہی نے اُن کی قبر پختہ بنوائی۔ ہندو شاگردوں نے سوئم کے دن قبر پر میلہ کیا اس سلسلہ میں غلام رسول کی مسجد میں قرآن خوانی بھی ہوئی۔ قبر اب بھی

موجود ہے۔ مگر لوح مزار غائب ہو چکی ہے۔ انتقال کی تاریخ اس مصرع سے نکلتی ہے سہ

مخمس بے سروپا، بیت بے دل، فرد بے مرشد

نظیرؔ کے عادات و اخلاق کی سب ہی نے تعریف و توصیف کی ہے۔ ان کے کلام کے اس حصہ کو چھوڑ کر جو شاید ان کی جوانی کا کلام ہے، اور جس میں شوخی و رندی زیادہ نمایاں ہے، باقی کلام سے ان کے بہترین اخلاق پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ وہ طبعاً آزاد اور وارستہ تھے تمام عمر نہ کسی کی مدح سرائی کی نہ ہجو سے اپنی زبان و قلم کو گندہ کیا۔ ہر شخص سے بکشادہ پیشانی ملتے۔ خلاف مزاج باتوں پر کبھی برہمی کے آثار چہرے سے ظاہر نہ ہوتے۔ اُن کی خوش مذاقی ہر انجمن کو شگفتہ بنا دیتی۔ حاجتمندوں کے ساتھ اپنی حیثیت سے بڑھ کر سلوک کرتے اور حتی الامکان کسی سائل کو اپنے دروازے سے خالی نہ واپس کرتے دوستی کا پاس و لحاظ حد درجہ کرتے۔ بچوں، جوانوں، بوڑھوں سب ہی سے بے تکلف بات چیت کرتے۔

سطور بالا میں نظیرؔ کی مذہبیت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ایک عام رائے کے ماتحت تھا، خود راقم الحروف نے جہاں تک اُن کے کلام کا مطالعہ کیا ہے اس سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ نظیرؔ بھی غالبؔ وغیرہ کی طرح غالی شیعہ تھے جیسا کہ اُن کے مندرجہ ذیل اشعار سے کچھ مترشح بھی ہوتا ہے،

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شان میں کہتے ہیں۔

علیؓ کو جو کوئی پہچانتا ہے　　برابر مصطفےٰ کے مانتا ہے
جو ان میں کچھ تفاوت جانتا ہے　　وہ اپنے خاک سر پر چھانتا ہے
رگائی اُس نے دوزخ کی مگر خاک

پڑھوں جس دم مناقب میں علیؓ کا　　پھٹے سینہ مخالف خارجی کا
حواس اُڑ جائے ہر اک ناصبی کا　　دھڑک جاوے کلیجہ مدعی کا
عدو کا دم میں ہو جاوے جگر چاک

اسی طرح کئی جگہ انھوں نے ائمہ اثنا عشر اور حضرات پنجتن رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی بطور خاص تذکرہ کیا ہے، میرے نزدیک ایک شخص کے شیعہ ہونے کے لئے اس قسم کے عقائد کا اظہار

کر دینا ہی اس کے خالی ہونے کے لئے کافی ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ آجکل کے عام شیعوں کی طرح شاید تبرائی نہ ہونگے۔

نظیر کی نواسی کا بیان زندگانی بے نظیر میں یوں درج ہے:۔

"نانا جان بڑے ہی سخی مزاج کے آدمی تھے۔ اُنھوں نے تمام عُمر اپنے ہاتھ سے روپیہ نہیں چھوا۔ جہاں کہیں سے روپیہ آیا، روپیہ لانے والے سے کہا کہ اسکو رومال میں باندھ دو۔ پھر اس رومال کا ایک سرا پکڑ کر جیسے کوئی نجس چیز ہو، گھر میں ڈال جاتے یا کسی آدمی سے کہتے کہ گھر بھجوا دو۔ نانی کا جس طرح بھی جی چاہتا، خرچ کرتیں۔ وہ پوچھتے بھی نہیں کہ کیا ہوا اور کدھر گیا۔"

بہر حال کچھ بھی ہو نظیر کو بزرگوں سے خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہوں کافی عقیدت تھی اسی بنا پر اُن کے کلام میں تصوف کے اثرات کثرت سے نمایاں ہیں۔ لیکن دقیق و غامض مسائل میں نہایت آسان عام فہم اور عوام پسند زبان میں ادا کیا ہے، اور اس سلسلہ میں انھوں نے جو کچھ کہا محض "قال" نہیں "حال" ہے، ہر قسم کے شاعرانہ غلو و مبالغہ سے خالی۔ شہباز صاحب نظیر کے اس رنگ طبیعت پر لکھتے ہیں:۔

"صوفیوں میں بیٹھتے بیٹھتے اُس پر عام جلوہ باری کی حقیقت روشن ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ وحدت الوجود کا آفتاب کس طرح ہر ذرہ کے مطلع سے چمک رہا ہے۔ اس یقین کے ساتھ کبھی اسکی زبان گستاخ نہیں۔ وہ ادب کے قرینے ملحوظ رکھتا ہے منصور کی طرح انا الحق کے شور سے توحید کی روئی نہیں دُھنکتا۔ عرفان کی عینک چڑھی ہوئی ہے۔ عزت کے تال ادب کی کمائی میں جھک رہے ہیں۔ نگاہیں کہاں سے کہاں پہونچتی ہیں۔ کہتا ہے ؎

تنہا نہ اُسے اپنے دلِ تنگ میں پہچان ۔ ہر باغ میں، ہر دشت میں، ہر سنگ میں پہچان
سب رنگ میں، بارنگ میں، نیرنگ میں پہچان ۔ منزل میں، مقامات میں، فرسنگ میں پہچان
نت روم، نت ہند میں، اورنگ میں پہچان ۔ ہر راہ میں، ہر ساتھ میں، ہر سنگ میں پہچان

ہر عزم و ارادے میں ہر آہنگ میں پہچان ہر دھوم میں، ہر صلح میں، ہر جنگ میں پہچان
ہر آن میں، ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

اس کا ایک اور بند ملاحظہ ہو ؎

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآن بغل مار کہتا ہے کوئی دیر میں پوتھی کے سماچار
ہو بیٹھا ہے کوئی یار، بھٹکتا ہے کوئی وار بیٹھا ہے کوئی عیش میں، پھرتا ہے کوئی خوار
عاجز کوئی بے کس، کوئی ظالم، کوئی لٹھ مار مفلس کوئی، ناچار، تو انگر کوئی زردار
زخمی کوئی ماندا کوئی، اچھا کوئی بدکار جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں سب اسرار
ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

اسی مسلک "ہمہ اوست" پر نظیر زندگی بھر جمے رہے، دونوں مذاہب کے پیرو، ان کا احترام کرتے اور ان کے کلام کی قدر کرتے تھے، پروفیسر شہباز نے مرحوم کی نواسی سے ان کے مذہبی عقائد کے بارہ میں بتایا کہ اگرچہ وہ شیعہ عقائد رکھتے تھے لیکن کسی فرقہ والے سے جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ صلح کل آدمی تھے تعزیہ داری بھی کرتے تھے اور اپنے زمانہ کے مشائخ سے خاص ربط رکھتے تھے، ہندوؤں کے یہاں علمی کے سلسلہ میں ملازمتیں کیں، اور انکی فرمائش پر کنھیا جی کے جنم، اور مہادیو وغیرہ کے بیاہ پر معرکۃ الآرا خلوص میں ڈوبی ہوئی نظمیں لکھیں جو ہندو عوام میں بہت مقبول ہوئیں، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے مزاج میں تعصب نام کو نہ تھا۔

آگرہ میں ایک بزرگ حضرت میر ابو العلا کا مزار ہے۔ ان کا عرس نویں صفر کو ہوتا ہے اُس عرس میں نظیر نہایت پابندی سے شرکت کرتے تھے۔

اگرچہ شبدیز قلم ابھی اپنی منزل تمام کرنے کے لئے تیار نہیں ہے مگر کیا کروں وقت کا تقاضا ہے کہ اگر وہ خود نہ رکے تو زبردستی اُسے روک دیا جائے اسلئے مجبوراً نظیر ہی کے چند شعروں کو جو بار بار دل کے پردوں اور دماغ کی چلمنوں سے آ آ کے تکرار رہے ہیں آپ کی خدمت میں پیش کر کے رخصت ہوتا ہوں

وہ کہہ رہا ہے :-

نظیر اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا
جو عمر دیکھو تو دس برس کی، پہ قہر و آفت غضب خدا کا
جو شکل دیکھو تو بھولی بھالی، جو باتیں سنیئے تو میٹھی میٹھی
یہ دل وہ پتھر، کہ سر اڑا دے جو نام لیجئے کبھی وفا کا
جو گھر سے نکلے تو یہ قیامت کہ چلتے چلتے قدم قدم پر
کسی کو ٹھوکر، کسی کو جھٹکا، کسی کو گالی، نپٹ لڑا کا
یہ راہ چلنے میں چلبلاہٹ کہ دل کہیں ہے نظر کہیں ہے
کہاں کا اونچا، کہاں کا نیچا، خیال کس کو قدم کی جا کا
یہ جھنجلاہٹ، یہ چلبلاہٹ، خبر نہ سر کی، نہ تن کی سُدھ بدھ
جو چیرا بکھرا، بلا سے بکھرا، نہ بند باندھا کبھی قبا کا
گلے لپٹنے میں یوں شتابی کہ شکل بجلی کے اضطرابی
کہیں جو چمکا چمک کر کہیں جو لپکا تو پھر چھپا کا
نہ وہ سنبھالے کسی کے سنبھلے، نہ وہ منائے منے کسی کے
جو قتلِ عاشق پہ آکے مچلے تو غیر کا پھیر نہ آشنا کا

ادھر اسکی نگہ کا ناز سے آکر لپٹ جانا
ادھر رونا، تڑپنا، غش میں آنا، دم الٹ جانا
یہ کچھ بہروپ بن دیکھو کہ بن کر شکل دانے کی
بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا، پھر سمٹ جانا
پہ یکتائی یہ یک رنگی، بس اور پر یہ قیامت ہے
نہ کم ہونا، نہ بڑھنا اور ہزاروں گھٹ میں بٹ جانا
نظیر ایسا جو چنچل، دلربا بہروپیا ہووے
تماشا ہے پھر ایسے شوخ سے سودے کا پٹ جانا

تیرے بھی منہ کی روشنی رات گئی تھی مہ سے مل
تاب سے تاب، رُخ سے رُخ، نور سے نور، ظِل سے ظِل
یوسفِ مصر سے مگر ملتے ہیں سب ترے نشاں
زلف سے زلف، لب سے لب، چشم سے چشم، تِل سے تِل
جتنے ہیں کشتگانِ عشق اُن کے ازل سے ہیں ملے
اشک سے اشک، نم سے نم، خوں سے خوں، گِل سے گِل
جب سے ہوا ہے کوہکن، کرتے ہیں اس کا غم سدا
کوہ سے کوہ، جُو سے جُو، سنگ سے سنگ، سِل سے سِل
یار ملا جب اے نظیر میرے گلے، تو مل گئے
جسم سے جسم، جاں سے جاں، روح سے روح، دل سے دل

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سیہ کار

عبدالمومن الفاروقی غفرلہ

مورخہ ۱۵ مئی سنہ ۱۹۵۵ء

غزلیات دیوان نظیر اُردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردیف الف

(۱)

دل ہوا جس روز بسمل ابروے دلخواہ کا — تھا وہی پہلا دن اس بسمل کی بسم اللہ کا
جس نے دیکھا وہ رُخ انور، تو اُسکو عمر بھر — پھر نہ روے مہر خوش آیا نہ چہرہ ماہ کا
ایک دن آگے خلیل اللہ کے اک شخص نے — یک بیک آ کر لیا مُنھ سے جو نام اللہ کا
اُس خلیل اللہ نے سنتے ہی آ کر شوق میں — سب دیا اس کو جو تھا اسباب عز و جاہ کا
اور کہا اے شخص پھر بہر خدا یہ نام لے — میں بجاں مشتاق ہوں اس اسم خاطر خواہ کا
گر وہ لیتا نام پھر اللہ کا تو بالیقیں — جی نکل جاتا وہیں حضرت خلیل اللہ کا
حاصل اس کہنے کا اُسکی چاہ کچھ آساں نہیں — جب کوئی ایسا ہو جب لے نام اُسکی چاہ کا
دی ہمیں اُس نے نفخت فیہ من روحی سے جان — مال بھی ہم کو دیا عرفاں کی رسم و راہ کا

اس میں کیا طاقت جو مالک ہو کوئی بت اے نظیر
جان بھی اللہ کی اور مال بھی اللہ کا

یعنی ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی ۱۲

(۲)

دل کو چشم یار نے جب جام سے اپنا دیا — اُن سے خوش ہو کر لیا اور کہہ کے بسم اللہ پیا
دیکھ اُس کی جامہ زیبی گل نے اپنا پیرہن — اس قدر پھاڑا کہ بُلبل سے نہیں جاتا سیا

بے قراری نے نگاہ یمبر پھیری ادھر — کی عنایت ہم کو اس سیماب[۱] نے یہ کیمیا

اس کے کوچے میں جسے جا بیٹھنے کو مل گئی — مسندِ زرباف پر غالب ہے اس کا بوریا

دل چھپا بیٹھا تو اس زلفِ مسلسل سے نظیر
اے اسیرِ دامِ نافہمی یہ تو نے کیا کیا

(۳)

خوباں[۲] کو جب اُس کا رُخِ زیبا نظر آیا — کہتے ہیں جسے حسن وہ کیا کیا نظر آیا

محبوب قمر شکل جسے رشک سے دیکھیں — اُس چہرۂ انور میں وہ نقشا نظر آیا

دیکھا نگہ مہ نے اُدھر شام کو کیا کیا — خورشید سحر کو اُسے تکتا نظر آیا

ہر قطرۂ شبنم سے لگا منھ کو چھپانے — جب گُل کو گلستاں میں وہ مکھڑا نظر آیا

ہم کیا ہیں نظیر اُس سے تو ہر آئینہ رو کو
حیرت کا اثر آئینہ آسا نظر آیا

(۴)

تجھے کچھ بھی خدا کا ترس ہے اے سنگدل ترسا — ہمارا دل بہت ترسا ارے ترسا نہ اب ترسا

میں اس پر مبتلا وہ غیر مذہب شوخ اب ترسا — قیامت ہے مسلماں عاشق اور معشوق ہے ترسا

فقط تیر نگہ سے تو نہ دل کی آرزو نکلی — ترے قرباں لگا اب کوئی اس سے بھی بہتر سا

نہ جاؤں میں تو اُسکے پاس لیکن کیا کروں یارو — یکایک کچھ جگر میں آکے لگ جاتا ہے نشتر سا

پکارا دور سے دے کر صفیر اُس نے تو کیا میرا — دھڑک کر یک بیک سینے میں دل لوٹا کبوتر سا

ہوا بیمار تیرے عشق میں جو چرخ چارم پر — مسیحا پڑھ رہا ہے کچھ بچھا کر اپنا بستر سا

نظیر اِک دو گلے کرنے بہت ہوتے ہیں خوباں سے
چلو اب چُپ رہو بس کھول بیٹھے تم تو دفتر سا

۱؎ سیماب: پارہ۔ سیماب سے کیمیا بنتی ہے ۱۲۔
۲؎ اب اس قسم کی جمع متروک ہے۔ آسی۔

(۵)

ہو کیوں نہ ترے کام میں حیران تماشا — یارب تری قدرت میں ہے ہر آن تماشا
ہے عرش سے تا فرش نئے رنگ نئے ڈھنگ — ہر شکل عجائب ہے، ہر اک شان تماشا
افلاک پہ تاروں کی جھمکتی ہے طلسمات — اور روئے زمیں پر گل و ریحان تماشا
جنات، پری، دیو، ملک، حور بھی نادر — انسان عجوبہ ہیں تو حیوان تماشا
جب حسن، کے جاتی ہے مرقع پہ نظر آہ — کیا کیا نظر آتا ہے ہر اک آن تماشا
چوٹی کی گندھاوٹ کہیں دکھلاتی ہے لہریں — رکھتی ہے کہیں زلف پریشان تماشا
گر عشق کے کوچے میں گزر کیجیے تو واں بھی — ہر وقت نئی سیر ہے ہر آن تماشا
منھ زرد، بدن خشک، جگر چاک، المناک — غل، شور، تپش، نالہ و افغان تماشا

ہم پست نگاہوں کی نظر میں تو نظیر آہ
سب ارض و سما کی ہے گلستان تماشا

(۶)

مجھے اس جھمک سے آیا نظر اک نگار رعنا — کہ خور اسکے حسن رخ کو لگا تکنے ذرہ آسا[۱]
خد و خال خوبی آگیں، لب لعل پان سے رنگیں — نظر آفتِ دل و دیں، مژہ صد مضرت افزا
بڑی رخ پہ زلف پر خم، مسی رشک رنگ نیلم — غرض اس طرح کا عالم کہ پری کہے اہا ہا!
کہا ہم نے "اے سمن بر، پری چہرہ مہر پیکر — جو چلی ہو یوں جھمک کر کہو عزم ہے کدھر کا
ہے یہ وقت سیر بستاں چلیں ہم بھی ساتھ اے جاں — کہا سن کے یہ "اے میاں کوئی تم بھی ہو تماشا
ہے یہ آشنائی اگلی، نہ شناخت اک دو دن کی — جو ہے دل دہی کی مرضی تو ہے لوچ پھر یہ کیسا

کہا جب نظیر ہم نے "یہی دل میں ہم تو رکھتے"
تو کہا "جو نیکی ہووے تو پھر اس کا پوچھنا کیا"

۱ آشنا کو جس تماشا کہا گیا ہے صحبت کے تعلق میں ہے ۱۲

(۷)

شور افگن جنوں ہے جس جا نگاہ کرنا
جانا بھی آگے اس کے اکثر پئے نظارہ
ملنا بھی اُس روش سے جس میں گمانِ اُلفت
پوچھا اگر اُس صنم نے "ہم حُسن میں ہیں کیسے؟"

رکھتا ہے کام ہمدم واں ضبطِ آہ کرنا
باعث بھی بہرِ اخفا پھر رو براہ کرنا
گر کچھ بھی ہو تو دل میں دورِ اشتباہ کرنا
تو بے شعوری اپنی، ہنس کر، گو اہ کرنا

کیا کیا نظیر تجھ میں مکر و فریب ہیں، جو
اُس رمز آشنا سے اس ڈھب کی چاہ کرنا

(۸)

وہ رشکِ چمن کل جو زیبِ چمن تھا
گیا میں جو اُس بن چمن میں، تو ہر گل
یہ غنچہ جو بے درد گلچیں نے توڑا
تن مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا
جو قبر کہن اُن کی اُکھڑی تو دیکھا

چمن جنبش شاخ سے سینہ زن تھا
مجھے اُس گھڑی اخگر پیرہن تھا
خدا جانے کس کا یہ نقش دہن تھا
گیا وہ تو، جس سے مزیّن یہ تن تھا
مشیّن بدن تھا، معطّر کفن تھا
نہ عضوِ بدن تھا، نہ تارِ کفن تھا

نظیرؔ آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی
جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

یہ ایک نسخے میں آغاز قطعہ مقطع سے ہے

(۹)

وہ مجھ کو دیکھ کچھ اُس ڈھب سے شرمسار ہوا
سبھوں کو بوسے دیے ہنس کے، اور ہمیں گالی
ہمارے مرنے کو' ہاں' تم تو جھوٹ سمجھے تھے
قرار کرکے نہ آیا وہ سنگدل کافر

کہ میں حیا ہی پر اُس کی فقط نثار ہوا
ہزار شکر، بھلا اس قدر تو پیار ہوا
کہا رقیب نے، لو، اب تو اعتبار ہوا
بڑیں قرار پہ پھر، یہ کچھ قرار ہوا

گلے کا ہار جو اُس گلبدن کا ٹوٹ پڑا — تو ڈور نظر کا وہیں اُس کو ایک بار ہوا
کسی سے اور تو کچھ بس چلا نہ اُس کا نظیر
ندان[1] میرے ہی آکر گلے کا ہار ہوا

(۱۰)

جوشِ نشاط و عیش ہے ہر جا بسنت کا — ہے طرفہ روزگار طرب زا بسنت کا
باغوں میں لطفِ نشو و نما کی ہیں کثرتیں — بزموں میں نغمہ خوشدلی افزا بسنت کا
پھرتے ہیں کر لباس بسنتی وہ دلبراں — ہے جن سے زرنگار سراپا بسنت کا
چادر پہ یار کے یہ کہا ہم نے صبحدم — صدائے جاں ہے اب تو ہر کہیں چرچا بسنت کا
تشریف تم نہ لائے جو کر کر بسنتی پوش — کہئے گناہ ہم نے کیا کیا بسنت کا
سنتے ہی اس بہار سے نکلا کہ جسکے تئیں — دل دیکھتے ہی ہو گیا شیدا بسنت کا
اپنا وہ خوش لباسِ بسنتی دکھا نظیر
چمکا یا حُسن یار نے کیا کیا بسنت کا

(۱۱)

بتوں کے زرد پیراہن میں عطرِ چنپا جب مہکا — ہوا نقشا عیاں ہولی کی کیا کیا رسم اور رہ کا
گلال آلودہ گلچہروں کے وصفِ رخ میں نکلے ہیں — مزا کیا کیا صریرِ کلک سے بُلبُل کی چہ چہ کا
گلابی انکھڑیوں کی ہر نگہ سے جام مل پی کر — کوئی سرخوش، کوئی بیخود، کوئی لوٹا، کوئی بہکا
چھڑکنا رنگ، خوباں پر عجب شوخی دکھاتا ہے — کبھی کچھ نازکی وہ وہ، کبھی انداز رہ رہ کا
بھگویا دلبروں نے جب نظیر اپنے کو ہولی میں
تو کیا کیا تالیوں کا غل ہوا، اور شور قہ قہ کا

(۱۲)

گر عیش سے عشرت میں کٹی رات تو پھر کیا — اور غم میں بسر ہو گئی اوقات تو پھر کیا

[1] ندان - آخر کار۔ پرانا لفظ ہے اور اب اردو میں متروک ہے ۱۲

جب آئی اجل پھر کوئی ڈھونڈا بھی نہ پایا | قصوں میں رہے حرف و حکایات تو پھر کیا
حد بوس و کنار اور جو تھا اس کے سوا آہ | گر وہ بھی میسر ہوا ہیہات تو پھر کیا
دو دن اگر ان آنکھوں نے دنیا میں، مری جان، | کی ناز و اداؤں کی اشارات تو پھر کیا
پھر اڑ گئی اک آن میں سب حشمت و سب شان | لے شرق سے تا غرب لگا ہات تو پھر کیا
اسپ و شتر و فیل و خر و نوبت و لشکر | گر قبر تلک اپنے چلا سات تو پھر کیا
جب آئی اجل پھر وہیں اٹھ بھاگے شتابی | رندوں میں ہوئے اہل خرابات تو پھر کیا
دو دن کو جو تعویذ و فتیلہ، و عمل سے | تسخیر کیا عالم جنات تو پھر کیا
اس عمر دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی | سب چھان لیے ارض و سموات تو پھر کیا
اک دم میں ہوا ہو گئے سب علمی و نظری | تھے یاد جو اسباب و علامات تو پھر کیا
اس نے کوئی دن بیٹھ کے آرام سے کھایا | وہ مانگتا در در پھرا خیرات تو پھر کیا

دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز نظیر آہ
بالفرض ہوئی اس سے ملاقات تو پھر کیا

(۱۴)

سحر آیا جو نہیں میں کلبۂ احزاں میں بیچارا | وہیں اک بارگی جوش جنوں نے دل کو للکارا
پڑا ہے کیا فسردہ مثل برف اے شعلۂ آتش | بہار آئی، دکھا گر تجھ میں ہے کچھ قوت و یارا
اڑا کر گرد، مل کر خاک، نکلا گھر سے پھر باہر | چڑھایا بند، اور ہو کر کے، نالہ آہ کا مارا
ہجوم محشرم - ہنگامہ ام، دیوانہ ام، مستم، | نہ از پائے شناسم سر، نمی دانم زبر بالا را
قضا نے لا دیں اک اس قدر زنجیر پہنائی | کہ جس کے غل کا پہونچا عرش کے کانوں میں جھنکارا
کھنکتی دور تک جاتی تھی اس شور و فغاں سے وہ | کہ گر جاتا زمیں کے رعد کی نوبت کا نقارا

نظر آیا جو نہیں پھر ہوش میں، تو کھکے یہ بولا
کہ "آخر ہر کجا اے راز و اے می شود یارا"[۱۱]

لہ جھنکارا — یہی جھنکار ہے، علت بڑھانا فقیر کا اختراع و تصرف ہے ۱۲
ـہ یارا میں الف ندائیہ ہے
آئی

(۱۴)

رہوں کاہے کو دلخستہ پھروں کاہے کو آوارا ۔ اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل ما را
خدا اگر مجھ گدا کو سلطنت بخشے تو میں یارو ۔ بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
ہم اپنا تو بہشت و چشمۂ کوثر سمجھتے ہیں ۔ کنار آب رکناباد و گلگشت مصلےٰ را
زمیں پر آیا جب یوسف اسی دن آسماں رویا ۔ کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را
یہ ظالم سنگدل محبوب جادوگر ستم پیشہ ۔ چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را
جو صاحب حسن ہیں ہرگز نہیں محتاج زینت کے ۔ بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را
بتوں کی گالیوں میں بھی عجب لذت نکلتی ہے ۔ جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خا را
تو ہستی کی گرہ پر عقل کے ناخن نہ توڑ اے دل ۔ کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معما را

نظیر اس لطف سے تضمیں کر تو مصرع حافظ
کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

(۱۵)

دیکھ لے جو عالم اس کے حسن بالا دست کا ۔ حوصلا اتنا کہاں اپنی نگاہ پست کا
نیست رہتے ہم تو یہ سیریں کہاں سے دیکھتے ۔ یہ فقط احسان ہے اس ذات پاک ہست کا
بے صدا آکر لگا اور ہو گیا سینے کے پار ۔ یہ خدنگ صاف تھا کس بے نشاں کی شست[۱] کا

بات کچھ کہتا ہے اور نکلے ہے منہ سے کچھ نظیر
یہ نشہ تجھ کو ہوا کس کی نگاہ مست کا

(۱۶)

دیا دل تو پھر عہد و پیمان کیسا ۔ لیا جس نے اس کا ہے احسان کیسا
جہاں زلف کافر میں دل پھنس گیا ہے ۔ تو واں دین کیسا اور ایمان کیسا
ادائے کیا دل کو پہلو میں بیکل ۔ کرے گی ستم دیکھیے آن[۲] کیسا

[۱] شست: چٹکی ۱۲ منہ
[۲] ادا و ناز، روش، ڈھنگ ۱۲ آسی

ادھر کاجل آنکھوں میں کیا کیا کھلا ہے ۔ ملا ہے مسی سے اُدھر پان کیسا

نظیرؔ اس سے ہم نے چھپایا جو دل کو
تو ہنس کر کہا "ہیں یہ انسان کیسا"

(١٧)

کیا دن تھے وہ جو واں کرم دلبرانہ تھا ۔ اپنا بھی اس طرف گزر عاشقانہ تھا
مل بیٹھنے کے واسطے آپس میں ہر گھڑی ۔ تھا کچھ فریب واں تو ادھر کچھ بہانہ تھا
چاہت ہماری تاڑتے ہیں واں کے تاڑباز ۔ تس پر ہنوز خوب طرح دل لگا نہ تھا
کیا کیا دلوں میں ہوتی تھی بن دیکھے بیکلی ۔ بے کل کی بات حیف کہ ایسا زمانہ تھا

اب اس قدر ہوا وہ فراموش اے نظیرؔ
کیا جانے وہ معاملہ کچھ تھا بھی یا نہ تھا

(١٨)

نگہ کے سامنے اُس کا جو نہی جمال ہوا ۔ وہ دل ہی جانے ہے اُس دم جو دل کا حال ہوا
اگر کھوں میں کہ چمکا وہ برق کی مانند ۔ تو کب مثل ہے یہ اس کی جو بے مثال ہوا
قرار و ہوش کا جانا تو کس شمار میں ہے ۔ غرض پھر آپ میں آنا مجھے محال ہوا
ادھر سے بھر دیا مے نے نگاہ کا ساغر ۔ ادھر سے زلف کا حلقہ گلے کا جال ہوا

بہارِ حسن وہ آئی نظر جو اس کی نظیرؔ
تو دل وہیں چمنِ عشق میں نہال ہوا

(١٩)

لطف تشریف جو عشق اسکے نے آغاز کیا ۔ ہم نے تعظیم کی اور جھپٹ در دل باز کیا
دیکھ کر اس کو بتاں بجز سب اپنا بھولے ۔ اس شہِ حسن کے عالم نے یہ اعجاز کیا
لطف سے جس کی طرف ایک نگہ کی اُس نے ۔ اُس کو سو قدر و شرف سے وہیں ممتاز کیا

لہ عجب نور۔ آسی

جس کے ہاں پاؤں رکھا اُس نے تو کیا کیا اسکو
عالم ظاہر و باطن میں سرافراز کیا

ہم تو کس گنتی میں ہیں جن نے اُس کے تو نظیر
ہیں جو معشوق انھیں عاشق جانباز کیا

(۲۰)

مرا خط ہے جہاں یارو وہ رشک حور لیجانا
کسی صورت سے تم وہاں تک مرا مذکور لیجانا

اگر وہ شعلہ رو پوچھے مرے دل کے پھپولوں کو
تو اُس کے سامنے اک خوشۂ انگور لیجانا

جو یہ پوچھے کہ اب کتنی ہے اُسکے رنگ پر زردی
تو یارو تم گل صد برگ یا کافور لیجانا

اگر پوچھے مرے سینے کے زخموں کو تو اے یارو
کہیں سے ڈھونڈھ کر اک خانۂ زنبور لیجانا

رقیب روسیہ کے حال کا گر ماجرا پوچھے
تو اس کے سامنے جنگل سے اک لنگور لیجانا

نظیر اک دن خوشی سے یار نے ہنس کر کہا مجھ کو
کہ تو بھی ایک بوسہ ہم سے اے رنجور لیجانا

(۲۱)

بتوں کی مجلس میں شب کو مہرو جو اور ٹک بھی قیام کرتا
گنشت ویراں صنم کو بندہ، برہمنوں کو غلام کرتا

خراب خستہ سمجھ کے تو نے پیارے مجھ کو عبث نکالا
جو رہنے دیتا تو گل رخوں میں قسم ہے تیری میں نام کرتا

کہ مو ڑوں دل جو موے پڑے ہیں نکلتے خوں میں کفن سے نالاں
قیامت آجاتی جو وہ قامت گلی میں اپنی خرام کرتا

نہ اتنے قصے نہ جنگ ہوتی پیارے تیرے ملاپ اوپر
رقیب آپی سے زہر کھاتے جو وصل کا تو پیام[۱] کرتا

وہ سرو قامت جو مُسکرا کر چمن میں جاتا تو مُسکرا کر

[۱] پیام کرتا فارسی کے محاورہ کا ترجمہ ہوسکتا ہے لیکن اردو میں اس خلاف دور کا ہے ۱۲

تڑپتی بلبل، سسکتی قمری، گلوں پہ ہنسنا حرام کرتا
بھلا ہوا جو نقاب تو نے اٹھایا چہرے سے ہے پری رو
وگرنہ سینے سے دل تڑپ کر نگہ میں آکر مقام کرتا
جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن کو لاتا، نہ شب بناتا، نہ صبح لاتا نہ شام کرتا
وہ بزم اپنی تھی میخوری کی، فرشتے ہو جاتے مست بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں انکو سلام کرتا
نظیرؔ تیری اشارتوں سے یہ باتیں غیروں کی سن رہا ہے
وگرنہ کس میں تھی تاب و طاقت جو اس سے آکر کلام کرتا

(۲۲)

کلال[1] گردوں اگر جہاں میں جو خاک میری کو جام کرتا
تو میں صنم کے لبوں سے مل کر عجب یہ عیش مدام کرتا
جو پاتا لذت لبانِ مستاں زِ مے محبت سے تیری زاہد
تو صومعے[2] سے نکل کے اپنے وہ میکدے میں مقام کرتا
وہ بزم اپنی تھی میکشی کی وہ سیر ہوجاتے مست بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو میں یہ کہکر سلام کرتا
جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن کو لاتا، نہ شب بناتا، نہ صبح لاتا، نہ شام کرتا
نظیرؔ آخر کو ہار کر میں گلی میں اس کی گیا تھا بکنے
تماشا ہوتا جو لے کے مجھ کو وہ شوخ اپنا غلام کرتا

[1] یہ غزل تمیم ہو شعار سے کی گئی ہے۔ دو شعر اس کے اوپر کی نظیر غزل میں گزر چکے ہیں باقی شعر نئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اسی غزل کی نظیرؔ نے نظر ثانی کی ہے یا ممکن ہے کہ دو غزلہ ہو۔
[2] صومعہ: عبادت خانہ ترسایاں

(۲۳)

شانے سے اس کے کل جو ہیں در دشانہ تھا وہ درد شانہ کا ہے کو تھا رشک شانہ تھا
ترچھی نگاہ سے بھی جو دیکھا تو وہ خدنگ واں ہی لگا غرض جہاں اس کا نشانہ تھا
زریں مباف کا بھی دکھا تا کمر کو موڑ لمبی کو اسپ شوق کے اک تازیانہ تھا
لیلیٰ ہی اسکے ہوش سے واقف تھی ورنہ یہاں اکثر یہ جانتے ہیں کہ مجنون دِ و انہ تھا

اقرار کر کے وہ جو نہ آیا میاں نظیر
وہ پُرفسوں ہے یہ بھی اک اس کا بہانہ تھا

(۲۴)

جب سر زلف تا کمر پہونچا اس کمر کو بہت ضرر پہونچا
ہلکی پہونچی سے بھی لچکتا ہے نازک اس کا ہے اس قدر پہونچا
اے نسیم سحر تو اس گل کو ق بیکلی کی مری خبر پہونچا
کہیو اے جاں نظیر کو تیرے رنج ہجر اب تو بیشتر پہونچا

یا بلالے اسے اِدھر اے جاں
یا تو ہی آپ کو اُدھر پہونچا

نامۂ یار جو سحر پہونچا خوش رقم خوب وقت پر پہونچا
تھا لکھا یوں کہ اے نظیر اب تک کس سبب تو نہیں ادھر پہونچا
میں نے اس کو کہا کہ اے محبوب اس لیے میں نہیں اُدھر پہونچا
یوں سُنا تھا تم آپ آتے ہو اس میں نامہ یہ پُر گھر پہونچا

مجھ کو پہونچا ہی جانو اپنے پاس
آج۔ کل۔ شام یا سحر پہونچا

له شانہ اول یعنی کنگھی، دوم یعنی کندھا، شانہ یعنی سے مراد درازی زلف
اسی

(۲۵)

ساقی ظہورِ صبح وترشح ہے نور کا
دے مے یہی تو وقت ہے نورِ ظہور[1] کا

کوچہ میں اس کے جس کو جگہ مل گئی وہ پھر
مائل ہوا نہ صحن چمن کے سرور کا

یہ گل[2] جو ہم نے ہاتھ پہ کھائے ہیں روبرو
ہم کو یہی ملا ہے تبرک حضور کا

سیماب جس کو کہتے ہیں سیماب یہ نہیں
دل آب ہوگیا ہے کسی ناصبور کا

مے پی کے عاشقی کے خرابات میں نظیر
نے ڈر ہے محتسب[3] کا نہ صدر الصدور کا

(۲۶)

یہاں میں جو نہ ہوا اُس پری کا دیوانہ
تو اس نے آہ مزا عاشقی کا کیا جانا

کہا یہ شوخ نے ہم کو تو چاہتا ہے نظیر
یہ پوچھا میں نے بھلا تم نے کس طرح جانا
ق

تو ہنس کے کہنے لگا اس طرح میں سمجھا ہوں
کہ تجھ کو پاس ہمارے ہے دمبدم آنا

جو ہم نہ ہوویں تو آکر ہمارے کوچے میں
یہ جم کے بیٹھنا پھروں تلک نہ گھبرانا

جو ہم خفا ہوں تو آکر ہزار منت سے
خوشی ہو چھیڑنا ہنس ہنس کے گالیاں کھانا

پس ایسی باتوں سے کیونکر نہ چاہ ثابت ہو
خدا کو دیکھا نہیں عقل سے تو پہچانا

(۲۷)

ہوئی صبح جب گھر سے وہ یار نکلا
کہا خلق نے رشکِ گلزار نکلا

کئی آگئے پیچ میں زلف کے واں
مری چشموں سے جو گھر بار نکلا

قضا تیری کافر ادھر آگئی جو
بھلی لٹ پٹی باندھ دستار نکلا

عجب پھیر قسمت کا ہے میری یارو
جسے یار سمجھا وہ اغیار نکلا

خفا ہم سے شب کو صنم ہو نشے میں
سرے مجھ کو دے کر وہ بازار نکلا

[1] نورِ ظہور کا وقت صبح کے وقت کو کہتے ہیں۔
[2] گل کھانا۔ آگ میں گرم کی ہوئی چیز سے داغ کھانا۔
[3] محتسب۔ منہیات شرعیہ پر احتساب رکھنے والا۔ صدر الصدور شاہی زمانہ میں ایک بڑا عہدہ ہوتا تھا۔ آسی

بہت چاہا دل بیچ دیجے صنم کو — میرے دل کا وہ ناخریدار نکلا

صراحی سے ساقی نے مے جو پلائی
نظیر اس قدر ہو کے سرشار نکلا

(۲۸)

کیا جو یار نے ہم سے پیام رخصت کا — تو دم نکل گیا سنتے ہی نام رخصت کا
مثال شمع کے جھٹ پٹ ٹپک پڑے آنسو — سنا جو شوخ کے منھ سے کلام رخصت کا
چلا ہوں یار کی مجلس سے اٹھ کے اے ساقی — مجھے پلا دے تو اب ایک جام رخصت کا
میاں جو شکل ستم کی تھی سو تو سب دیکھی — امیدوار ہے اب یہ غلام رخصت کا

تم اپنے ظلم سے ہرگز نہ باز آؤ گے
چلا، نظیر سے لیجے سلام رخصت کا

(۲۹)

کل مرے قتل کو اس ڈھب سے وہ بانکا نکلا — منھ سے جلاد فلک کے بھی اہاہا نکلا
آگے آہوں کے نشاں سمجھے مرے اشکوں کے — آج اس دھوم سے ظالم ترا شیدا نکلا
یوں تو ہم کچھ نہ تھے پر مثل انار و مہتاب — جب ہمیں آگ لگائی تو تماشا نکلا
کیا غلط فہمی ہے صد حیف کہ مرتے دم تک — جس کو ہم سمجھے تھے قاتل وہ مسیحا نکلا
غم میں ہم بھان متی بن کے جہاں بیٹھے تھے — اتفاقاً کہیں وہ شوخ بھی واں آنکلا
سینے کی آگ دکھانے کو دہن سے میرے — شعلے پر شعلہ بھبھوکے پہ بھبھوکا نکلا

مت شفق کہہ یہ ترا خون فلک پر ہے نظیر
دیکھ ٹپکا تھا کہاں اور کہاں جا نکلا

(۳۰)

نظر پڑا اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا — جو عمر دیکھو تو دس برس کی پہ قہر و آفت غضب خدا کا

جو شکل دیکھو تو بھولی بھولی جو باتیں سنئے تو میٹھی میٹھی ۔ یہ دل وہ پتھر کہ سر اُڑا دے جو نام لیجیے کبھی وفا کا
جو گھر سے نکلے تو یہ قیامت کہ چلتے چلتے قدم قدم پر ۔ کسی کو ٹھوکر کسی کو چھکّر کسی کو گالی، پٹنٹ لڑا کا
یہ راہ چلنے میں چلبلاہٹ کہ دل کہیں ہے نظر کہیں ہے ۔ کہاں کا اونچا کہاں کا نیچا خیال کسکو قدم کی جا کا
اڑا دے آنکھیں وہ بے حجابی کہ پھر پلک سے پلک نہ مارے ۔ نظر جو نیچی کرے تو گویا کھلا سراپا چمن حیا کا
یہ جھنجھلاہٹ یہ چلبلاہٹ خبر نہ سر کی نہ تن کی سُدھ بُدھ ۔ جو چیر اُکھڑا بلا سے بگھرا، نہ بند باندھا کبھو قبا کا
لگے لپٹنے میں یوں شتابی کہ مثل بجلی کے اضطرابی ۔ کہیں جو چمکا چمک چمک کر کہیں جو لپکا تو پھر چھپا کا
نہ وہ سنبھالے کسی کے سنبھلے نہ وہ منائے منے کسی کے ۔ جو قتل عاشق پہ آکے مچلے تو غیر کا پھیر نہ آشنا کا
یہ رم یہ نفرت یہ دور کھنچنا یہ ننگ عاشق کے دیکھنے سے ۔ جو چیتا کھٹکے ہوا سے لگ کر تو سمجھے کھڑکا تگ کے پا کا
جتا دے الفت چڑھائے ابرو ادھر لگاوٹ ادھر تغافل ۔ کرے تبسم جھڑک دے ہر دم روش سہیلی چلن دغا کا

(نظیرؔ) ہٹ جا رے سر کرے بدل سے صورت چھپائے منھ کو
جو دیکھ لیوے گا وہ ستمگر تو یاد ہوگا ابھی جھڑا کا

(۳۱)

کہنے اس شوخ سے دل کا جو میں احوال گیا ۔ واں نہ تفصیل گئی پیش نہ اجمال گیا
دام کاکل سے گلا کیا۔ یہ جو ہے طائرِ دل ۔ آپ اپنے یہ پھنسانے کو یہ وبال گیا
دل بے تاب کی کیا جانئے ہوئی کیا صورت ۔ پیچھے اس شوخ ستمگر کے جو فی الحال گیا
لے گیا ساتھ لگا وہ بت قاتل گھر تک ۔ یا اُسے مار کے رستے میں کہیں ڈال گیا
ق

خیر وہ حال ہوا یا یہ ہوئی شکل نظیرؔ
کچھ تاسف نہ کرو۔ جانے دو۔ جنجال گیا

(۳۲)

دل لگا کر قرار کھونا تھا ۔ ہم کو سیماب وار ہونا تھا
دل کو اس سیمبر کے کوچے میں ۔ عاشقوں کی طرح جو سونا تھا

(۱) پچھلی اور چھوٹی [illegible] عنایت

له چھپا لگا جلدی
له بھرا کا مراد
سنقایا۔ خاتمه ۱۲
آسی

جب وہ سویا تو چاؤ تھا تکیہ　　حاصلِ مدعا بچھونا تھا
جوں ملی چشم ترکفِ پا سے　ق　وہیں واں آبلے کا ہونا تھا
اشک تھا گرم تر نظیر اسے
کچھ دمِ سرد سے سمونا تھا

(۳۴)

عشق میں عقل و ہوش کھونا تھا　　کیجے کیا اب ہوا جو ہونا تھا
شب کو آکر وہ پھر گیا ہیہات　　کیا اسی رات ہم کو سونا تھا
کھول دی چاہ دیدۂ تر نے　ق　یاں نہ لازم پلک بھگونا تھا
اور جو ایسا ہی تھا تو گوہرِ اشک　　ہٹ کے اغیار سے پرونا تھا
یا چھپانا نظیر تھا بہتر
یا تعشق سے ہاتھ دھونا تھا

(۳۵)

عاشق ہو دم کے لینے کو جنجال کر دیا　　دل نے ہمارے جی کا یہ احوال کر دیا
سینہ سپر بنا کے ہوا اس کے روبرو　　مژگاں نے اس سپر کو بھی غربال کر دیا
مہندی بھرے جو ہاتھ سے اٹکا تو اس نے بھی　　ایسے طمانچے مارے کہ منھ لال کر دیا
ہنس کر کہا تمھارے طرف کل ہم آئیں گے　ق　ہم کو یہ کہہ کے یار نے خوشحال کر دیا
پھر پاؤں در پہ آکے رکھا اس نے جب نظیر
جتنے تھے رنج و غم انھیں پامال کر دیا

(۳۶)

کر لیتے الگ ہم تو دل اس شوخ سے کب کا　　گر اور بھی ہوتا کوئی اس طور کی چھب کا
بوسہ کی عوض ہوتے ہیں دشنام سے مسرور　　اتنا تو کرم ہم پہ بھی ہے یار کے لب کا

اس کان کے جھمکے کی لٹک دیکھ لی شاید — ہر خوشہ اسی تاک میں رہتا ہے عنب کا
دیکھا جو بڑی دیر تلک اس نے منھ اپنا — لے دست حنا بستہ میں آئینہ حلب کا
جب ہم نے کہا رکھیے اب آئینہ کو، یہ تو — حصّہ ہے کسی اور بھی دیدار طلب کا
یہ سُن کے ادھر اس نے کیا غصّے میں منھ سرخ — بھبکا ادھر آئینہ بھی ہمسر ہو غضب کا ق

تم ربط کے ڈھب جس سے لڑاتے ہو نظیر آہ
وہ دلبرِ عیار ہے کچھ اور ہی ڈھب کا

(۳۷)

حسن اُس شوخ کا اہا ہا ہا — جن نے دیکھا کہا اہا ہا ہا
زلف ڈالے ہے گردن دل میں — دام کیا کیا بڑھا اہا ہا ہا
تیغ ابرو بھی کرتی ہے دل پر — وار کیا کیا نیا اہا ہا ہا
آن پر آن وہ اجی او ہو — اور ادا پر ادا اہا ہا ہا
ناز سے جو نہ ہو وہ کرتی ہے — چِپکے چِپکے حیا اہا ہا ہا
طائرِ دل پہ اُس کا بازِ نگاہ — جس گھڑی آ پڑا اہا ہا ہا ق
اس کی پھرتی اور اسکی لپ جھپ کا — کیا تماشا ہوا اہا ہا ہا
بزم خوباں میں جب گیا وہ شوخ — اپنی سج دھج بنا اہا ہا ہا ق

کی "او ہو ہو" کسی نے دیکھ نظیر
کوئی کہنے لگا اہا ہا ہا ہے

(۳۸)

کان میں اس شوخ چنچل کے جو نتھیں بالا پڑا — آ گئی چکر میں برق اور ماہ پر ہالا پڑا
دیکھنا ہمدم یہ اُترا اس سنبلستاں میں قمر — یا یہ کاکل میں کسی کے چھلے ہے بالا پڑا
دیکھ نقشِ تن مرا اپنی گلی کی خاک پر — یوں کہا یہاں تو اد دیوانہ نہ تو آنا پڑا ق

عیش سے بجز نیند سونے کے یے اس جا مگر
جب گل لالہ سے پوچھا میں نے لے دل سوختہ
سن کے بولا جس سے تو جلتا ہوا آیا ہی یاں

رات تھا کوئی ہمارا چاہنے والا پڑا
کس طرح سینے میں تیرے داغ یہ کالا پڑا
یار مجھ پر بھی اسی آتش کا پرکالا پڑا

سنگدل، محبوب کو کہنا غلط تھا اے نظیر
ہم نے جب جانا جب اس بیدرد سے پالا[1] پڑا

(۳۸)

پردہ[2] اُٹھا کر رخ کو عیاں اُس شوخ نے جس ہنگام کیا
ہم تو رہے مشغول ادھر یاں عشق نے دل کا کام کیا

آ گئے جب صیاد کے بس میں سوچ کیے پھر حاصل کیا
اب تو اُسی کی ٹھہری مرضی جن نے اسیر دام کیا

چشم نے چھینا پلکوں نے چھیدا زلف نے باندھا دل کو آہ
ابرو نے ایسی تیغ جڑی جو قصہ ہی سب اتمام کیا

سخت خجل ہیں اور شرمندہ رہ رہ کر پچھتاتے ہیں
خواب میں اُس سے رات لڑے ہم کیا ہی خیال خام کیا

چھوڑ دیا جب ہم نے صنم کے کوچے میں آنے جانے کو
پھر تو ادھر اس شوخ نے ہم سے شکوہ بھرا پیغام کیا

ق

اور ادھر سے چاہت بھی یوں ہنس کر بولی واہ جی واہ
اُٹھیے چلیے یار سے ملیے اب تو بہت آرام کیا

یار کی مے گوں چشم نے اپنی ایک نگہ سے ہم کو نظیر
مست کیا، اوباش بنایا، رند کیا، بدنام کیا

(۳۹)

[1] پالا پڑنا۔ سابقہ پڑنا۔ معاملہ پڑنا ۱۲
[2] میر کی غزل بھی اسی زمین میں موجود ہے "الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا" الخ مقابلہ کرو ۱۲۔ آسی

جب میں سُنا کہ یار کا دل مجھ سے ہٹ گیا
سنتے ہی اس کے میرا کلیجہ اُلٹ گیا

فرہاد تھا تو شیریں کے غم میں موا غریب
لیلیٰ کے غم میں آن کے مجنوں بھی لٹ گیا

میں عشق کا جلا ہوں مرا کچھ نہیں علاج
وہ پیڑ کیا ہرا ہو جو جڑ سے اُکھٹ گیا

اتنا کوئی کہے کہ دوانے، پڑا ہے کیا
جا دیکھ ابھی ادھر کوئی پریوں کا غٹ گیا

چھینا تھا دل کو چشم نے، لیکن میں کیا کروں
اوپر ہی اوپر اس صفِ مژگاں میں بٹ گیا

کیا کھیلتا ہے نٹ کی کلا آنکھوں آنکھوں میں
دل صاف لے لیا ہے جو پوچھا تو نٹ گیا

آنکھوں میں میری صبح قیامت گئی جھمک
سینے سے اس پری کے جو پردہ الٹ گیا

سُن کر لگی یہ کہنے وہ عیار نازنیں
"کیا بولیں، چل، ہمارا تو دل تجھ سے پھٹ گیا"

جب میں نے اُس صنم سے کہا کیا سبب ہے جان
اخلاص ہم سے کم ہوا اور پیار گھٹ گیا

ایسی وہ بھاری مجھ سے ہوئی کون سی خطا
جس سے یہ دل اداس ہوا جی اُچٹ گیا

آنکھیں تمھاری کیا پھریں اس وقت میری جان،
سچ پوچھیے تو مجھ سے زمانہ اُلٹ گیا

عشاق جاں نثاروں میں میں تو امام ہوں
یہ کہہ کے میں جو اس کے گلے سے لپٹ گیا

ق

کتنا ہی اُس نے تن کو چھڑایا جھڑک جھڑک
پر میں بھی قینچی باندھ کے ایسا چمٹ گیا

یہ کشمکش ہوئی کہ گریباں مرا ادھر
ٹکڑے ہوا، اور اس کا دوپٹہ بھی پھٹ گیا

آخر اسی بہانے ملا یار سے نظیر
کپڑے بلا سے پھٹ گئے سودا تو پٹ گیا

(۴۰)

مرا دل ہے مشتاق اس گلبدن کا
کہ یہ باغ اک گل ہے جسکے چمن کا

وہی زلف ہے جس کی نکہت سے اب تک
پڑا خون سوکھے ہے مشک ختن کا

وہی لعل لب ہے، کہ حسرت سے جس کے
جگر آج تک خوں ہے لعل یمن کا

عجب سیر دیکھی نظیر اس چمن کی
ابھی وصل تھا نرگس و نسترن کا

ے لٹ جانا۔ زار و نزار ہونا۔ نحیف ہونا۔ ؎ اُکھٹنا، سوکھنا۔ مُرجھانا خراب و تباہ ہونا۔ ؎ غٹ۔ مجمع، گروہ، پرا۔ ؎ نٹنا۔ مکرنا۔ ؎ دل پھٹنا۔ دل میں کدورت پیدا ہونا۔ بیزار ہونا۔ ؎ قینچی باندھ کر لپٹنا۔ دونوں ہاتھ کھول کر اس طرح لپٹنا کہ دوسرا مجبور ہو جائے۔ قینچی باندھنا۔ حریف کی دونوں ٹانگوں میں اپنی ٹانگیں ڈال دینا۔ آسی

ابھی یک دگر جمع تھے سنبل و گل	ابھی تھا بہم جوش سرو و سمن کا
ابھی چہچہے بلبلوں کے عیاں تھے	ابھی شور تھا قمریٔ نعرہ زن کا

گھڑی بھر کے ہی بعد دیکھا یہ عالم
کہ نام و نشاں بھی نہ واں تھا چمن کا

(۴۱)

ملا مجھ سے وہ آج چنچل چھبیلا	ہوا رنگ سن کر رقیبوں کا نیلا
کیا مجھ سے جس نے عداوت کا پنجہ	سنلقی علیک قولاً ثقیلا
نکل اس کی زلفوں کے کوچے سے لے دل	تو پڑھتا، قم اللیل الا قلیلا
کہستاں میں ماروں اگر آہ کا دم	فکانت[1] جبالٌ کثیبًا مہیلا

نظیر اس کے فضل و کرم پر نظر رکھ
فقل حسبی اللہ نعم الوکیلا

(۴۲)

آن رکھتا ہے عجب یار کا لڑ کر چلنا	ہر قدم ناز کے غصے میں اکڑ کر چلنا
جتنے بن بن کے نکلتے ہیں صنم نام خدا	سب میں بھاتا ہے مجھے اس کا بگڑ کر چلنا
ناتوانی کا بھلا ہو جو ہوا مجھ کو نصیب	اسکی دیوار کی اینٹوں کو رگڑ کر چلنا
اسکی کاکل ہے بری مان کہا اے افعی	دیکھیو اس سے تو کاندھا نہ رگڑ کر چلنا

چلتے چلتے نہ خلش کر فلکِ دوں سے نظیر
فائدہ کیا ہے کمینے سے جھگڑ کر چلنا

(۴۳)

سحر[2] جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا
جھلک وہ مکھڑے میں اُس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہو اُجالا

ت: سنلقی علیکم عذابًا ثقیلا

[1] اصل آیت یوں ہے:- فَکَانَتِ الْجِبَالُ کَثِیْبًا مَّھِیْلًا

[2] اس غزل میں سات زبانیں استعمال کی ہیں اسی

وہ زلفیں اُس کی سیاہ پُرخم کہ اُن کے بل اور شکن کو یارو
نہ پہونچے سنبل، نہ پہونچے ریحاں، نہ پہونچے ناگن، نہ پہونچے کالا

ادائیں بانکی عجب طرح کی، وہ ترچھی چتون بھی کچھ تماشا
بھنویں وہ جیسے کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا

وہ انکھیں مست اور گلابی اُس کی کہ اُن کو دیکھے تو دیکھتے ہی
مے محبت کا اُس کی دل کو ہو کیا ہی گہرا نشہ دو بالا

لبوں پہ سُرخی وہ پان کی کچھ کہ لعل بھی منفعل ہو جس سے
وہ آن ہنسنے کی بھی پھر ایسی کہ جس کا عالم ہی کچھ نرالا

وہ جامہ زیبی، وہ دل فریبی، وہ سج دھج اُس کی، وہ قدِ زیبا
کہ دیکھ جس پر فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا

نگہ لڑائی ہے اُس نے جس دم، جھٹک لیا جھپٹ دل کو میرے
ادا او دانے ادھر دبوچا پلک پلک نے اُدھر اُچھالا

جو لے لیا دل کو میرے یارو تو اُس نے لی راہ اپنے گھر کی
پڑا تڑپتا میں رہ گیا واں، زباں پہ آہ اور لبوں پہ نالا

بہت یہ میں نے تو چاہا پوچھوں میں نام اُسکا وے وہ گل رو
نہ مجھ سے بولا، نہ کی اشارت، نہ دی تسلی، نہ کچھ سنبھالا

پری رخِ من، شکر لبِ من، دمے تو باز آ بہ پیشِ چشم
بیاد سروِ تو بے قرارم، نہالِ عشقت شدہ است بالا

فدائے وجہک عشق شرقا، دموع نہراً و من فراقک
کثیر حزنا مع الہموم ثقیل ہجرا وکالجبالا

تُسادے ملنے نوں دل ہے بے کل ایہی اوہ کلاں نت اکھدا ہے

لہ عبارت اسکی ہر ترکیب نحوی ٹھیک نہیں مگر ہر جگہ یوں ہی مندرج ہے۔

سدا اے مینتوں وے اپنے گھر وچ نہیں تو اٹھے اسافے نال آ
تہاری آسا لگی ہر نس دن، تہارے درشن کو ترسیں نیناں

ڈلارے سُندر، انوٹھے ابرن، ہٹیلے موہن، انوکھے لالا
جن کے من کو جو چھنوں تھی اے یار کا میں لگائی آتی

بھرائیں آکر کھبر لو بھاں کی پلک کٹارا جو تھان نے گھالا
اگن برت ہے ہیا میں موسے برہ میں تیرے لے من موہنواں

تورے جو نیناں نے موہا ہمکو نہ جینوں تنکو بھوا و کھالا
جگت سبھا، امت برکھ، اٹک کھسوا، ممن کرن کھا

دواتی کینی تمن سُر بچن، نہ سُدھ کی گر یہ، نہ بُدھ کی جھالا

کبھی تو ہنس کر شتاب آجا نظیر کی بھی طرف ٹک اے جاں
بنا کے سج دھج، بھرا کے دامن، لگا کے ٹھوکر، ہلا کے بالا

(۴۴)

ادھر یار جب مہربانی کرے گا
تو اپنا بھی جی شادمانی کرے گا

دیا دل نظیر اسکو یوں کہہ کے اے جاں
کھوگے تو یہ پاسبانی کرے گا

پڑھے گا یہ اشعار بیٹھو گے جب تک
جو لیٹو گے افسانہ خوانی کرے گا

بٹھاؤ گے در پر تو ہو گا یہ درباں
لڑاؤ گے تو پہلوانی کرے گا ق

اطاعت میں۔ خدمت میں۔ فرمانبری میں
غرض ہر طرح جانفشانی کرے گا

(۴۵)

جو دل دے کے کچھ شاد کامی کرے گا
تو اپنی یہاں نیک نامی کرے گا

جسے چاہ کی یاد ہے پختہ کاری
وہ کاہے کو الفت میں خامی کرے گا

کہا یوں نظیرؔ ایک دن دل سے میں نے   ق   وہ بت تجھ پہ کیا لطف سامی کرے گا
بڑی دوڑ یہ، تلخ دشنام دے کر   ذرا ہنس کے شیریں کلامی کرے گا

جہاں دیکھتا ہوں وہ آگے تو پیچھے
میاں کیا تو اس کی غلامی کرے گا

(۴۶)

ڈر ہم کو نظر کا ہے، وہ گھر سے چلا ہو گا   کچھ ہار پڑے ہوں گے کچھ عطر ملا ہو گا
بالی کو ہلا ہم سے کتنوں کو دیا چکر   چھلوں سے بھی کیا جانے کس کس کو چھلا ہو گا
محفل میں ہوئی ہو گی یاد اسکو بہت میری   جب شمع کے شعلے سے پروانہ جلا ہو گا
اس لب سے ملی ہو گی دشنام بھی اک جس کو   شکر کی طرف اُس کا پھر دل نہ چلا ہو گا

مت دیکھ نظیرؔ اس کی ہر دم خم ابرو کو
اک روز یہی شمشیر اور دل کا گلا ہو گا

(۴۷)

وہ غنچہ دہن جس کو اک دم بھی ملا ہو گا   دل گل کی طرح اس کا پہلو میں کھلا ہو گا
ہاتھ اس کے حنا بستہ ایسے ہیں کہ دیکھ ان کو   سینہ کئی عاشق کا ناخن سے چھلا ہو گا[1]
کوچے میں نظیرؔ اس کے دل جا تو پڑا لیکن   ق   ہر دم کا ستم اس سے کاہے کو جھلا[2] ہو گا
ابرو نے کیا ہو گا جس وقت اسے بسمل   وہ ضعف زدہ ہرگز تڑپا نہ ہلا ہو گا

پلکیں تو جھکی ہوں گی آنکھوں پہ نقاہت سے
اور چشم کے جادو سے منھ بھی تو کِلا[3] ہو گا

(۴۸)

بیٹھو یاں بھی کوئی پل کیا ہو گا   ہم بھی عاشق ہیں خلل کیا ہو گا
دل ہی ہو سکتا ہے۔ اور اس کے بغیر   جان من دل کا بدل کیا ہو گا

[1] چھلا ہوگا۔
[2] برداشت ہوا ہوگا
[3] منھ کلنا۔ بات نہ کرسکتا۔
آسی

حسن کے ناز اُٹھانے کے سوا
ہم سے اور حسن عمل کیا ہوگا

کل کا اقرار جو میں کرکے اُٹھا
بولا بیٹھ اور بھی چل کیا ہوگا

تو جو کل آنے کو کہتا ہے نظیرؔ
تجھ کو معلوم ہے کل کیا ہوگا

(۴۹)

سنا تھا شور قاتل کی اکڑ کا
نظر آیا تو دل سینے میں دھڑکا

نگہ کا تیر وہ مارا کہ دل سے
نہ صدمہ اُٹھ سکا جس کی رگڑ کا

ق

فرو کچھ ہو چلا تھا شعلۂ دل
دیا جھپکوں نے پھر مژگاں کی جھڑکا

ہوئی ہم کو میسر جب شب وصل
رہا جی میں سحر ہونے کا دھڑکا

پلک جھپکی تھی کچھ اس میں نظیر آہ
جو آنکھیں کھل گئیں دیکھا تو تڑکا

(۵۰)

کل اس کے چہرے کو ہم نے جو آفتاب لکھا
تو اس نے پڑھ کے وہ نامہ بہت عتاب لکھا

جبیں کو مہ جو لکھا تو کہا ہو چپ یہ نہیں
یہ کیسی اس کی سمجھ تھی جو ماہتاب لکھا

چمکتے دانتوں کو گوہر لکھا تو ہنس کے کہا
ستارے اُڑ گئے تھے جو دُرِ خوش آب لکھا

لکھا جو مشک خطا زلف کو تو بل کھا کر
کہا خطا کی جو یہ حرف ناصواب لکھا

گلاب عرق کو لکھا تو بولا ناک چڑھا
اسے نہ عطر میسر تھا جو گلاب لکھا

جگر کباب لکھا اپنا، تو کہا جل کر
بھلا جی کیا میں شرابی تھا جو کباب لکھا

حساب شوق کا دفتر لکھا تو جھنجھلا کر
کہا میں کیا متصدی تھا جو حساب لکھا

جو بے حساب لکھا اشتیاق دل تو کہا
وہ کس حساب میں ہے یہ بھی بیحساب لکھا

ہوئی جو رد و بدل ایسی کتنی بار نظیرؔ
تو اس نے خط کا ہمارے نہ پھر جواب لکھا

(۵۱)

رُخ و جبیں، مژۂ تیز و چشم و ابرو کو — سنان و بدر و مہ و نرگس و ہلال، لکھا
تن و دل و لب و دنداں کو رُوئے فکرت سے — عقیق و سیم و دُر و سنگ کے مثال، لکھا
ذقن کو، چاہ، زنخداں کو، گوش و گردن کو — صراحی، سیب و گل و چشمۂ زلال، لکھا
کفِ حنائی و انگشت ساعد و قد کو
سناک و برگ گل و غنچہ و نہال، لکھا

(۵۲)

ق

اپنے کوچے میں جس کو جا دینا — اس کو لازم نہیں اُٹھا دینا
لے چلا تھا نظیر وہ جس دن — تھا ہمیں دل کو یہ جتا دینا
جب یہ کھینچیں نگہ کی تجھ پر تیغ — تو سر اپنا وہیں جھکا دینا
اور یہ اُس شوخ سے بھی کہنا تھا — اس کی تم یاد مت بھلا دینا
ہو جو کچھ کام کا تو رکھ لیجو
ورنہ اس کو ہوا بتا دینا

(۵۳)

ایسا ہی جو وہ خفا رہے گا — تو چاہ میں کیا مزا رہے گا
مت ربط کر اس سے ورنہ اے دل — اپنے تو کیے کو پا رہے گا

ق

دیکھیں گے ہم اک نگاہ اس کو — کچھ ہوش اگر بجا رہے گا
خوباں یہ میاں نظیر اپنا — ایسا ہی جو دل فدا رہے گا
پہلو سے نکل کے آخر اک دن
کوچے میں بتوں کے جا رہے گا

(۵۴)

نہ آیا آج بھی کل کی طرح وہ گلعذار اپنا
گلے کا ہار پھر ہوگا دل امیدوار اپنا

نہیں پھر چھوڑتا یار و وہ آخر رہی جاتا ہے
جہاں صیاد نے تاڑا کہ ہے اس جا شکار اپنا

جھڑک لو، مار بیٹھو، گالیاں دو، نازنیں لوگو!
نیاز ناز خوباں ہم تو کھو بیٹھے وقار اپنا

ہنسی میں لے لیا بوسہ جو اُس محبوب کا ہم نے
تو یوں بولا، کیا تم نے بھی کیا اب یہ شعار اپنا

تمھیں تو بوجھ کا سمجھے[1] تھے ہم لیکن اب آگے کو
نظیرؔ اس ہلکے پن سے تم نے کھویا اعتبار اپنا

(۵۵)

منتظر اس کے دلا تابہ کجا بیٹھنا
شام ہوئی اب چلو صبح پھر آ بیٹھنا

ہوش رہا نے قرار، دین رہا اور نہ دل
پاس بتوں کے ہمیں خوب نہ تھا بیٹھنا

لطف ہے اے دل تجھے لگے جو ابرو بٹھائے
بیٹھیو لیکن بہت پاس نہ جا بیٹھنا

دل کی ہماری غرض باندھے ہے کیا بند بند
شوخ کا وہ کھول کر بند قبا بیٹھنا

کوچے میں اس شوخ کے جاتے تو ہو اے نظیرؔ
جُل میں کہیں اپنی جاہ تم نہ جتا بیٹھنا

(۵۶)

سامنے اس صف مژگاں کے میں کل جاؤں گا
چھد تو جاؤں گا پر آگے سے نہ ٹل جاؤں گا

تیغ اس ابرو کی جب معرکہ آرا ہو گی
اپنی جانبازی کے گوہر میں اُگل جاؤں گا

ہے کف پا وہ مصفّا کہ جسے دھیان میں لا
پائے نظّارہ یہ کہتا ہے پھسل جاؤں گا

مجھ کو دیتے ہو عبث خانۂ زنجیر میں جا
جوں صدا میں ابھی اس گھر سے نکل جاؤں گا

آپ سے جا ہوں تو اُٹھ جاؤنگا اس بزم سے میں
اور اک "ہوں" بھی کروگے تو مچل جاؤں گا

گرچہ ہوں بے حرکت ضعف سے جوں آتش سنگ
پر جو چھیڑا تو شرر ساں میں اُچھل جاؤں گا

موم ہوں میں تو بتاں مجھ کو نہ سمجھو آہن
ٹک بھی تم گرم ہوئے تو میں پگھل جاؤں گا

---

[1] بوجھ کا سمجھے تھے۔ یعنی تم کو ہوشیار جانتے تھے ۱۲ سہ
اس زمین میں بھی اکثر اساتذہ کی غزلیں موجود ہیں مثلاً۔ داغ، ذوق، بیان یزدانی وغیرہم
آسی

غصہ ہو کر تم اگر لاکھ طرح بدلو رنگ	میں وہ یک رنگ نہیں ہوں جو بدل جاؤں گا

بیکلی آج ہی واں لے گئی مجھ کو تو نظیرؔ
میں نے ہر چند یہ چاہا تھا کہ کل جاؤں گا

(۵۷)

ترے بیمار کو تجھ بن شفا ممکن نہ تھی ہوتی	فلاطوں کیا اگر خود عیسیٰ گردوں نشیں آتا
عجب احوال ہے کچھ اضطراب دل سے کیا کہیئے	غرض اک دم قرار اس بن نہیں آتا نہیں آتا
مری بیتابیوں کی اب تلک اسکو بدگمانی ہے	اگر وہ بھی کہیں پھنستا تو اس کو بھی یقیں آتا
مجھے یاں تک خوشی تھی اسکے آنے کی کہ میں خوش تھا	اگر وہ قتل کو میرے چڑھائے آستیں آتا
بڑے حظ لوٹتے گر اس شب مہتاب میں یارو	ادھر ساقی اُدھر مطرب ادھر وہ مہ جبیں آتا

(۵۸)

گلزار ہے داغوں سے یہاں تن بدن اپنا	کچھ خوف خزاں کا نہیں رکھتا چمن اپنا
اشکوں کے تسلسل نے چھپایا تن عریاں	یہ آب رواں[1] کا ہے نیا پیرہن اپنا
کس طرح بنے ریسے سے انصاف تو ہے شرط	یہ وضع مری دیکھو وہ دیکھو چلن اپنا
انکار نہیں آپ کے گھر چلنے سے مجھ کو	میں چلنے کو موجود جو چھوڑ و چلن اپنا

مسکن کا پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو
جس جا پہ کہ بس گر رہے وہ ہے وطن اپنا

(۵۹)

گلہ لکھوں میں اگر تیرے غم کے چہلوں[2] کا	تو ہو تباہ نہ چھیلوں کا اور نہ بہیلوں کا
سنے سے نام محبت کا تھر تھراتے ہیں	یہ کچھ تو حال ہے تیرے ستم کے دہلوں[3] کا
کہا جو یار سے اک دن کہ دل یہ چاہے ہے	طریق جیسے ہے عشرت کے البیلے گھیلوں[4] کا
مکاں ہو ایک سنہرا دھرے ہوں شیشہ و جام	بچھا ہو فرش بھی واں بادلہ[5] رو پہلوں کا

[1] آب رواں ایک کپڑے کا نام
[2] چہلا - کیچڑ دلدل کی زمین ہو
[3] دہل. خوف
[4] البیلے گھیلے - خوشحال لوگ - بیفکرے خوش فعلیاں کرنے والے ۱۲
[5] بادلہ ایک کپڑا ہے روپہلا نقرئی رنگ - چاندی سا چمکدار ۱۲ آسی

یہ سُن کے اس نے کہا یہ تو وہ مثل ہے نظیرؔ
کہ سوئیں جھونپڑے میں خواب دیکھیں محلوں کا

(۶۰)

اُس کے شرارِ حُسن نے شعلہ جو اک دکھا دیا
طور کو سر سے پاؤں تک پھونک دیا جلا دیا

پھر کے نگاہ چار سو ٹھہری اُسی کے روبرو
اُس نے تو میری چشم کو قبلہ نما بنا دیا

میرا اور اُس کا اختلاط ہو گیا مثل ابر و برق
اُس نے مجھے رُلا دیا میں نے اُسے ہنسا دیا

میں ہوں پتنگ کاغذی ڈور ہے اسکے ہاتھ میں
چاہا ادھر گھٹا دیا چاہا اُدھر بڑھا دیا

تیشے کی کیا مجال تھی یہ جو تراشے بے ستوں[1]
تھا وہ تمام دل کا زور جس نے پہاڑ ڈھا دیا

شکوہ ہمارا ہے بجا مفت بُتوں سے کس لیے
ہم نے تو اپنا دل دیا ہم کو کسی نے کیا دیا

سُن کے یہ میرا عرضِ حال یار نے یوں کہا نظیرؔ
چل بے زیادہ اب نہ بک تو نے تو سر پھرا دیا

(۶۱)

نہ آیا رات بھی کتنا ہی انتظار کیا
قرار کر کے مجھے کافر نے بیقرار کیا

چمن میں اُس گلِ رنگیں کی جامہ زیبی نے
ہر ایک گل کے گریباں کو تار تار کیا

کیا ہے کیا مہ کنعاں پہ حُسن نے احساں
کہ اُس کے دور میں تجھ کو نہ آشکار کیا

وہ کیا ہنر تھا کہ مجنوں نے رام کی لیلیٰ
ہنر تو اُس نے کیا جس نے تجھکو یار کیا

نظیرؔ آج تصدق کو کچھ نہ تھا ہم پاس
وہی جو باقی تھا اک جی وہی نثار کیا

(۶۲)

پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا
المنۃ للہ تقدس و تعالےٰ

کر قتل مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا
ظالم، تجھے جیتا رکھے اللہ تعالےٰ

[1] بے ستون وہ پہاڑ جس سے فرہاد نے جوئے شیر نکالی تھی ۱۲ -
[2] اس میں بھی میر کی غزل موجود ہے اور دیگر اساتذہ کی بھی غزلیں ہیں ۱۲ -

دیکھ اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی آہ
"پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا"

"مر مر" مجھے کہتا تھا سو مرتا ہوں میں یارو
اب لاؤ، کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا؟

بن تختۂ گل آخرش اس خاکِ چمن سے
نکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالا

قاصد تو مرا نام تو لیجو نہ، ولیکن
کہنا! "کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا"

کیا خاک اڑانے کو چلیں، آہ! چمن میں
نہ یار، نہ ساقی، نہ صراحی، نہ پیالا

جیسا کہ وہ ہو مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا
اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا

شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے
ہے یہ تو اُسی چاند سی صورت کا اُجالا

لے لے کے بلائیں مجھے یہ کہتی ہیں آنکھیں
"صدقے ترے، پھر ایک نظر مجھ کو دکھالا"

صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا
گر پھوٹ کے رویا، تو مرے پاؤں کا چھالا

اوروں کو جو گرتے ہوئے دیکھا تو لیا تھام
ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

ہم تجھ سے اُسی روز کو روتے تھے، نظیرؔ آہ!
کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا؟

(٦٣)

پھر ہو کے خفا روٹھ گیا ہم سے وہ لالا
اے داغ، مبارک ہو تجھے منصب والا

شیریں کے در او پر یہ جو ہے شیر نہ جانو
فرہاد کے لوہو کا چھلکتا ہے پیالا

کیا جانیے کس حال میں ہووے گا، عزیزو،
دل آج مرا اسلمہ اللہ تعالیٰ

بوسے کی طلب کی تو کہا ناز سے "چل دور"
اور دل کو کہا ہے تو وہیں ہنس کے کہا "لا"

رگ رگ میں ترے ہجر میں اے رشکِ مسیحا
مرتا ہوں، مرے اب کوئی جینے کی دوا لا

مجھ زلف کے مارے کو نہ زنجیر پنہاؤ
کافی ہے مرے قید کو اک مکڑی کا جالا

شاید کہ مُوا رات کو سینے میں مرا دل
نے آہ، نہ زاری، نہ دمِ سرد، نہ نالا

یہ سیل کے اشکوں کی بیاباں میں نہیں نہر
پھوٹا کوئی مجنوں کے مگر پاؤں کا چھالا

گر بس ہو مرا تو میں کسی چور سے کہدوں
جا آج پلنگ اُس کے تو سونے کا اُٹھا لا

وہ آپ سے روٹھا نہیں ننّے کا نظیر آہ!
کیا دیکھے ہے، چل، پاؤں پڑ اور اُسکو منا لا

(۶۴)

آتے اِدھر جو ہم نے وہ کجکلاہ دیکھا
بھولے گھمنڈ اپنے رخ کی چمک جھمک کا
دل جا رہا تھا اس کی زلف سیہ میں لیکن
پوچھا نظیر اس سے کیا یاں تو آپ ہی آیا

ق

پھر نثار دل کو بے دستگاہ دیکھا
جب مہ رخوں نے یارو وہ رشک ماہ دیکھا
پہلو میں پھر جو ہم نے آج اس کو آہ دیکھا
یا کچھ خطا کی چلتے واں تجھ کو راہ دیکھا

بولا میں بے گنہ ہوں۔ ہم نے کہا غلط ہے
چھوڑا تجھے جو اس نے کچھ تو گناہ دیکھا

(۶۵)

اُس شوخ کا جو ہم نے رخ بھر نگاہ دیکھا
کوچے میں اس صنم کے بیخود جو دل پڑا ہے
آزردہ دیکھ ہم کو اک شخص نے یہ پوچھا
سن کر کہا یہ اس سے اے یار اس صنم کو

ق

ہم نے کہا کہ دیکھا بولا کہ واہ دیکھا
کیا جانے کیا جھگڑا[1] جادو پناہ دیکھا
تم نے نظیر اس کو دو دن ہی چاہ دیکھا
ہر لحظہ ہم نے دیکھا یا گاہ گاہ دیکھا

چاہیں تو اب بھی جا کر دیکھیں ہم اس کو لیکن
ہے سچ تو یوں کہ دیکھا جب تک نباہ دیکھا

(۶۶)

اس کا مکھڑا جو بے نقاب ہوا
اس کی آنکھوں کی دیکھ کیفیت
دل اُدھر سے خجل پھرا جو نظیر

حیرت چشم آفتاب ہوا
منفعل ساغر شراب ہوا
جی میں اندوہ بے حساب ہوا

[1] جھگڑا۔ جلوا۔ جمال ۔۔ آسی

سر جھکا بیٹھنا وہ اس کا دیکھ   ہم کو معلوم یوں شتاب ہوا

یہ تو یوں بیٹھتا نہ تھا شاید
بہر تنبیہ کچھ عتاب ہوا

(٦٧)

چاہ میں دل بہت خراب ہوا   جب وہ گل ہم سے بے حجاب ہوا
سختیاں ہجر کی سہیں جس نے   وصل سے جب وہ کامیاب ہوا
خانۂ زیں میں دیکھ کر اس کو   ق   خیل عشّاق ہم کباب ہوا
رات آیا نہ وہ تو کیا کیا کچھ   اہل محفل کو اضطراب ہوا

مے ہوئی خون دل صراحی میں
جام مے دیدۂ پر آب ہوا

(٦٨)

وہ رشک چمن گل جو زیب چمن تھا   چمن جنبش شاخ سے سینہ زن تھا
گیا میں جو اس بن چمن میں تو ہر گل   مجھے ہر گھڑی اخگر پیرہن تھا
یہ غنچہ جو بیدرد گلچیں نے توڑا   خدا جانے کس کا یہ نقش دہن تھا
نظیر آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی   ق   جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا
تن مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا   گیا وہ تو جس سے مزیّن یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا ہے جن کا   مشیّن کفن تھا معطر بدن تھا۔

جو قبر کہن اُن کی اُکھڑی تو دیکھا
نہ عضو بدن تھا نہ تار کفن تھا

(٦٩)

ہو کے مہ وہ تو کسی اور کا پالا نکلا   ہم نے سمجھا تھا جسے گل سو وہ لالا نکلا

لینے خیرات ترے چہرۂ پُر نور سے رات
بدرِ چاندی کا لیے ہاتھ میں پیالا نکلا

اس کے چہرے پہ نہیں کاکل شکیں کی نمود
یہ پٹارے کے تئیں توڑ کے کالا نکلا

تھا ارادہ تری فریاد کریں حاکم سے
وہ بھی اے شوخ ترا چاہنے والا نکلا

ق
رات کوٹھے پہ چڑھا وہ، تو کہوں کیا یارو
منظرِ بام سے اس کے، وہ اُجالا نکلا

برق جوں چمکے ہے یا چھوٹے ہے جیسے مہتاب
وہ اُجالا تو کچھ اس سے بھی نرالا نکلا

جی کی سب دھوم تھی جب تن سے وہ نکلا تو نظیرؔ
پھر نہ سینے سے اُٹھی آہ نہ نالا نکلا

(۷۰)

لے کے دل مہر سے پھر رسم جفا کاری کیا
تم دل آرام ہو کرتے ہو دل آزاری کیا

تم سے جو ہو سو کرو۔ ہم نہیں ہونے کے خفا،
کچھ نہیں اور سے کرنی ہے نئی یاری کیا

جوں حباب آئے ہیں ملنے کو نہ ہوویں یہ حبیب
ہم سے اک دم کے لیے کرتے ہو بیزاری کیا

تیغ ابرو کی تو اُلفت نے کیا دل کو دو نیم
دیکھیں اب کرتی ہے کاکل کی گرفتاری کیا

پھر سنان مژہ دل پر وہ اُٹھاتا ہے نظیرؔ
زخمِ شمشیر نگہ آہ نہیں کاری کیا

(۷۱)

اس نے جب آنکھیں لڑا کر ہنس دیا
ہم نے بھی نظریں ملا کر ہنس دیا

آن کیا کیا دلبری نے دی دکھا
شوخ نے جب پان کھا کر ہنس دیا

ایک بوسے کی طلب کی ہم نے جب
پاس لا منھ پھر ہٹا کر ہنس دیا

ہم نے پوچھا کل نہ آئے کس لیے
پاؤں کی منہدی دکھا کر ہنس دیا

ایک دن اُس نے بوقتِ اختلاط
خوب ہم کو گدگدا کر ہنس دیا

ہم نے جب کی گدگدی اس کے نظیرؔ
پھر تو کیا کیا کھل کھلا کر ہنس دیا

(۷۲)

خرام ناز سے اس شوخ نے دامن کو جب جھٹکا
ہماری خاک نے کیا کیا ہوا کے ساتھ سر پٹکا

نہیں گٹھا[1] عبادت کا ترے ماتھے پہ اے زاہد
نشاں ہے یہ کسی محبوب بے پروا کی چوکھٹ کا

عبث محنت ہے کچھ حاصل نہیں پتھر تراشی سے
یہی مضمون تھا فرہاد کے تیشے کی کھٹ کھٹ کا

نظیر آرام سے گر تجھ کو اس دنیا میں رہنا ہے
سوا اللہ کے ہرگز کسی سے دل کو مت اٹکا

(۷۳)

آج دیکھ اس نے میری چاہ کی چتون یارو
منھ سے گو کچھ نہ کہا دل میں تو جانا ہوگا

پھر نظر دیکھیں گے اس عہد شکن کی صورت
دیکھیے کون سا یارب وہ زمانا ہوگا

تلخیٔ مرگ جسے کہتے ہیں افسوس افسوس
ایک دن سب کے تئیں زہر یہ کھانا ہوگا

دیکھ لے اس چمن دہر کو دل بھر کے نظیر
پھر ترا کاہے کو اس دہر میں آنا ہوگا

(۷۴)

گر ہم نے دل صنم کو دیا پھر کسی کو کیا
اسلام چھوڑ کفر لیا پھر کسی کو کیا

کیا جانے کس کے غم میں ہیں آنکھیں ہماری لال
اے ہم نے گو نشہ بھی پیا، پھر کسی کو کیا

آپی کیا ہے اپنے گریباں کو ہم نے چاک
آپی سیا سیا نہ سیا، پھر کسی کو کیا

(۷۵)

آغوش تصور میں جب ہم نے اسے مسکا
لب ہائے نزاکت سے اک شور تھا بس بس کا

اس تن کو نہیں طاقت شبنم کے تلبس[2] کی
اے دست ہوس اس پر تو قصد نہ کر مس کا

سو بار حریر اس کا مسکا نگہِ گل سے
شبنم سے کب اے بلبل پیراہن گل مسکا

[1] گھٹا۔ سیاہ نشان جو جسم پر پڑ جاتا ہے ۱۲
[2] تلبس۔ پہننا، لباس کرنا ۱۲ آسی

(۷۷)

جال میں زر کے اگر موتی کا دانا ہوگا
دام زلف اور جہاں خال کا دانا ہوگا
دل کو ہم لائے تھے مژگاں کی صفیں کھلانے
آج دیکھ اُس نے مری چاہ کی چتون یارو
پھر نظر دیکھنگے اُس عہد شکن کی صورت
خوں بہانے کا مرے حشر میں جب ہوگا بہا
وہ بھی کچھ ایسی ہی کہدیگا کہ جس سے اسکو
تلخی مرگ جسے کہتے ہیں افسوس افسوس

وہ نہ اس دام میں آوے گا جو دانا ہوگا
پھنس ہی جاوے گا غرض کیسا ہی دانا ہوگا
یہ نہ سمجھے تھے کہ تیر دل کا نشانہ ہوگا
منہ سے گو کچھ نہ کہا دل میں تو جانا ہوگا
دیکھیے کون سا یارب وہ زمانا ہوگا
دیکھیں کیا اُس گھڑی قاتل کو بہانا ہوگا
بات کی بات بہانے کا بہانا ہوگا
ایک دن سب کے تئیں زہر یہ کھانا ہوگا

دیکھ لے اس چمن دہر کو دل بھر کے نظیر
پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہوگا

(۷۸)

[۱]مانی نے جو دیکھا تری تصویر کا نقشا
اس ابروِ خم دار کی صورت سے عیاں ہے
مژگاں کو تری دیکھ، یہ کہتے ہیں سپاہی
یہ زلفِ سیہ عارضِ قاتل پہ نہ جا تو
کیا پردے ہی پردے میں مجھے قتل کیا، آہ!
کیا گردشِ ایام ہے، اے آہِ جگر سوز
یا گھر سے نکالوں تجھے، یا قتل کروں، آہ!
دن رات ترے کوچے میں رو دیے ہی ہمیشہ
میں تو صفِ محشر میں بھی لوں گا تجھے پہچان

سب بھول گیا اپنی وہ تحریر کا نقشا
خنجر کی شباہت، دمِ شمشیر کا نقشا
"تصویر یہ بھالے کی ہے اور تیر کا نقشا"
تقدیر نے کھینچا ہے یہ زنجیر کا نقشا
ہرگز نہ کھلا کچھ مری تقدیر کا نقشا
اُلٹا نظر آیا تری تاثیر کا نقشا
ٹھہرا ہے یہ کچھ اب مری تقدیر کا نقشا
عاشق کے یہ ہے منصب و جاگیر کا نقشا
[۲]رانجھا کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا نقشا

۱؎ ایک نقاش کا نام۔ جو بابل کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ اس کا اصلی نام قورنیقوس بن فاتن تھا۔ یہ حکیم قادرون کا شاگرد تھا۔ اس نے دین زردشت اور دین مسیحی کو امتزاج دے کر ایک نئے مذہب کی ایجاد کی اور خود پیغمبری کا دعوی کیا تو اس کے بہت سے پیرو ہو گئے۔ اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ شاپورگان۔ کنز الاحیا۔ سفر الجبابرہ وغیرہ اس کی مشہور تصانیف [ہیں۔ ا]س نے بہت سیاحی کی اور فن نقاشی میں روم اور چین کے نقاشوں سے بھی بڑھ گیا اس کا خیال تھا کہ عورتوں سے مجامعت کرنے سے پاک روحیں آسمان سے آتی اور کثیف جسموں میں رہتی ہیں اسلیے جماع نہ کرنا چاہیے شاپور بادشاہ سے اسی بات پر اس کا مکالمہ ہوا۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر تیرے کہنے پر عمل کیا جائے تو دنیا ویران ہو جائے۔ مانی نے کہا کہ جانوں کی آبادی ہو گی اس لیے اجسام کی ویرانی کی پروا نہ کرنا چاہیے۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر تجھے مار ڈالا جائے تو آبادی ہو گی یا ویرانی اُس نے کہا جسم کی ویرانی اور جان کی آبادی۔ بادشاہ نے کہا ہم تیرے ہی قول پر عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کو قتل کر دیا گیا اور شہر شاپور کے دروازے پر لٹکا دیا۔ اس کی پیرو جماعت کا نام مانویہ ہے ۱۲ مستفاد از فرہنگ آنندراج۔ ۲؎ ہیر اور رانجھا دو عاشق و معشوق کا نام۔ رانجھا ہیر پر عاشق تھا ۱۲ مولانا عبد الباری آسی

فرہاد نے تیشے سے لہو اپنا بہا کر
شیریں کو دکھایا وہ جوئے شیر کا نقشا
یہ تربتِ مجنوں پہ نہیں گھانس اُگی یار
لیلیٰ کی یہ ہے زلفِ گرہ گیر کا نقشا

تدبیر تو کچھ بن نہیں آتی ہے نظیرؔ آہ
اب دیکھیے کیا ہوتا ہے تقدیر کا نقشا

(۷۹)

"قاصد، صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا؟
حرفِ عتاب، یا سخن دل کشا کہا؟
تجھ کو قسم ہے، کیجو نہ پوشیدہ مجھ سے تو
کہیو وہی جو اُس نے مجھے برملا کہا"
قاصد نے جب تو سُن کے کہا کیا "کہوں میں یار
پہلے مجھی کو اُس نے بہت ناسزا کہا
پھر تجھ کو سو عتاب سے جھنجلا کے دمبدم
کیا کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کیا بُرا کہا
اس کا مزا چکھاؤں گا جا کر اُسے شتاب
رہ رہ اسی سخن کے تئیں بار ہا کہا
میری تو کچھ خطا نہیں تو ہی سمجھ اسے
بے جا کہا یہ اس نے مجھے، یا بجا کہا

کہتا تھا میں تجھے کہ نہ بھیج اُس کو خط میاں
لیکن نظیرؔ تو نے نہ مانا مرا کہا"

(۸۰)

ہاتھ اُس کا جب نقاب کے گوشے تلک گیا [1]
گوشہ اُٹھا تو نور کا بقعہ [2] جھلک گیا
ساقی نے بھر کے جام دیا ہم کو اس طرح
جو لب تلک آتے آتے کئی جا چھلک گیا
آیا نظر وہ حسن جو اس کا تو دم بدم
گھر تک میں اس جھلک سے جھپکتا پلک گیا
نالہ شبِ فراق میں نکلا تو اس کا شور
ایسا ہوا کہ تا سرِ بامِ فلک گیا

اشک اس قدر ڈھلا کہ ہر اک قطرہ اے نظیرؔ
اک پل مژہ کے پاس نہ ٹھیرا ڈھلک گیا

اشک کی بجائے
اشک اب اکثر شعرا
کے نزدیک غیر فصیح
اور متروک ہے
[2] نور کا بقعہ یہ
لفظ دو طرح پر رائج
ہے۔ بُقعہ اور بُکّا
بقعہ نقعہ کا بگڑا ہوا
ہے جس کے معنی
زمین کے اس ٹکڑے
کے ہیں جو اوروں
سے ممتاز ہو جیسے
بقعۂ آبادی سے
جو نور کا مقام ہے
بقعۂ ہے نور کا۔
بقعے کی بجائے بکّا
رائج ہو گیا جس کے
معنی حشمت بکا
حشمت نور وغیرہ
[3] اس گل کے
سامنے نہیں جچتے
لوں کے رنگ۔
بکے اُڑا رہا ہے
چمن میں گلاب کے
برق لکھنوی
آسی

(۸۱)

ہوش و خرد کو کر دیا ترک اور شغل جو کچھ تھا چھوڑ دیا
ہم نے تمہاری چاہ میں اے جاں دیکھو تو کیا کیا چھوڑ دیا

کوچے میں اس رشک چمن کے جاکے جو بیٹھا پھر اس نے
باغ و چمن یاں جتنے ہیں سب کا سیر و تماشا چھوڑ دیا

لوٹا ہوش اور لوٹا دیں کو دل کو بھی کچلا کیا واہ
ناز کو اس نے آج تو کچھ بیداد پر ایسا چھوڑ دیا

دن کو ہمارے پاس وہ چنچل کاہے کو آوے گا اے دل
رات کو اک دم خواب میں آنا جس نے ادھر کا چھوڑ دیا

طائر دل جب ہم سے گیا پھر فائدہ کیا جو پوچھیں نظیرؔ
شوخ نے اس کو ذبح کیا یا قید رکھا یا چھوڑ دیا

(۸۲)

نیچی نگہ کی ہم نے تو اس نے منھ کا چھپانا چھوڑ دیا
کچھ جو ہوئی پھر اونچی تو رخ سے پردہ اٹھانا چھوڑ دیا

زلف سے جکڑا پہلے تو دل پھر اس کا تماشا دیکھنے کو
نظروں کا اس پر سحر کیا اور کر کے دوانا چھوڑ دیا

اس نے اٹھایا ہم پہ طمانچہ، ہم نے ہٹایا منھ کو جو آہ
شوخ نے ہم کو اس دن سے پھر ناز دکھانا چھوڑ دیا

ق

بیٹھ کے نزدیک اس کے جو اک دن پاؤں کو ہم نے چوم لیا
اس نے ہمیں بے باک سمجھ کر لطف جتانا چھوڑ دیا

پھر جو گئے ہم ملنے کو اس کے، دیکھ کے اس نے ہم کو نظیرؔ

یوں تو کہا: ہاں آؤ جی! لیکن پاس بٹھانا چھوڑ دیا

(٨٣)

ڈر اس کے دل کو ہجر میں کب یاس[1] کا لگا — ہے دھیان جس کو وصل کی یاں آس کا لگا
صبح گلو کے نور سے کیا کیا جھلک گیا — تکمہ جو اس کی جیب میں الماس کا لگا
اے زلف یار کیا ہمیں سنبل کی بو سے کام — ہے یاں تو دل کو عشق تیری باس[2] کا لگا
دیکھا تو ہم نے چھپ کے اسے تو بھی جی کو خوف — ہے اس کے تاڑ جانے کے وسواس کا لگا

زخم اس نگہ کی تیغ کا دل پر میاں نظیر
صد حیف ایک تو لگا اور پاس[3] کا لگا

(٨٤)

دل میں جب چاہ نے قیام کیا — عقل کی پختگی کو خام کیا
چپکے چپکے ہی لے لیا دل کو — نگہ شرمگیں نے کام کیا
منع تھا اشک کا بہا دینا — پر جفا نے جو ازدحام[4] کیا
اٹھ چلے دل سے آنسو جب تو نظیر[5] — ق — چاہ نے رُکنے کا پیام کیا

جب یہ دیکھا تو ہو کے پھر لاچار
خانۂ چشم میں قیام کیا

(٨٥)

دن کتنے ہم میں اور اس میں ہر وقت یہی ایراد[6] رہا — ہم کرتے ادھر سے چاہ رہے وہ کرتا اُدھر بیداد رہا
صحرائے جنوں کے پھرنے سے جو خار چُبھے تھے پاؤں میں — ہر چند نکالے مدت تک پر تو بھی وہ ایک آدھ رہا
وہ چشم گلابی دیکھی جب یوں بادہ کشی کو بھولے ہم — تھے کہتے مے کا جام ہے پھر نام نہ اُس کا یاد رہا
گو ناز اُٹھائے ظلم سہے یا کھینچے رنج بہت لیکن — شمشاد قدوں کی چاہت میں ہاں دل تو ہمارا شاد رہا
کہنے کو نظیر البتہ الگ یہاں چاہ سے تھا پر دل اسکا — تھا زلف بتاں کے پھندے میں گو ظاہر میں آزاد رہا

---

[1] یاس - بو - اکثر بدبو کے معنی میں - اور کمتر خوشبو کے معنی میں آتا ہے ١٢ [2] یعنی یہی بہت تھا کہ زخم لگا - مگر یہ زخم قریب سے لگا جو اور بھی مہلک ہے [3] آسی [4] بعض لوگ ازدحام میں (ز) کی بجائے (ذ) بولتے اور لکھتے ہیں وہ قطعی غلط ہے ١٢ آسی [5] ایراد - اعتراض کرنا ١٢ آسی

(۸۶)

دل نہ لو، دل کا یہ لینا ہے ذرا خفا ہو گا
اس کو دل کہتے ہیں بس لیتے ہی چرچا ہو گا

تم کو ہر آن ادھر ہووے گی حسن آرائی
ہم کو ہر لحظہ ادھر ذوق تماشا ہو گا

ہم بھی سو چاہ سے دیکھیں گے تمھاری جانب
تم سے بھی ضبط تبسم نہ پھر اصلا ہو گا

جونہی ہم دیکھیں گے تم اور متبسم ہو گے
چاہ کا غنچۂ سربستہ وہیں وا ہو گا

گفتگو ہووے گی باہم جو اشارات کے ساتھ
متن اس قصہ کا بھی حریفوں میں محشی ہو گا

پاؤں تک ہاتھ جو لاویں گے کسی عذر سے ہم
تاڑنے والوں میں شور اس کا بھی برپا ہو گا

جب یہ تقریر سنی اس شہ خوباں نے نظیر
ہم سے دل لے لیا اور ہنس کے کہا کیا ہو گا

(۸۷)

کل جو رخ عرق فشاں یار نے ٹک کھا دیا
پانی چھڑک کے خواب سے فتنے کو پھر جگا دیا

اس کے شرار حسن نے جلوہ جو اک دکھا دیا
طور کو سر سے پاؤں تک پھونک دیا جلا دیا

پھر کے نگاہ چار سو ٹھہری اسی کے روبرو
اس نے تو میری چشم کو قبلہ نما بنا دیا

میرا اور اس کا اختلاط ہو گیا مثل ابر و برق
اس نے مجھے رلا دیا میں نے اسے ہنسا دیا

میں ہوں پتنگ کاغذی ڈور ہے اس کے ہاتھ میں
چاہا ادھر گھٹا لیا چاہا ادھر بڑھا دیا

تیشے کی کیا مجال تھی یہ کہ تراشے بے ستوں
تھا وہ تمام دل کا زور جس سے پہاڑ ڈھا دیا

گزرے جو سوئے خانقاہ واں بھی یہ شکل جا تماشا
اہل صلاح و زہد کو فرش کیا بچھا دیا

نکلے جو راہ دیر سے اک ہی نگاہ مست میں
گبر کا صبر کھو دیا بت کو بھی بت بنا دیا

شکوہ ہمارا ہے بجا مفت بروں سے کس لیے
ہم نے تو اپنا دل دیا ہم کو کسی نے کیا دیا

سن کے ہمارے حال کا یار نے اک سخن نظیر
ہنس کے کہا کہ بس جی بس تم نے تو سر پھرا دیا

ا۔ اشارات۔ اشارے۔ مجازاً رمز و کنایہ۔ علم حکمت کی ایک کتاب جو بو علی سینا کی تصنیف ہے۔ متن اصل کتاب جس پر حاشیہ لکھا گیا ہو ۱۲

۲ رشتہ در گردنم افگندہ دوست ۔ میبرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست ۱۲

۳ بے ستون بڑا پہاڑ جس میں جوئے شیر بنانے کی شیریں نے فرہاد سے درخواست کی تھی۔ اور یہی شرط عقد و وصلت رکھی تھی ۱۲

۴ اہل صلاح و زہد۔ عابد۔ زاہد لوگ۔ فرش کر دینا بچھا دینا گرانا

۵ مفت بر۔ بغیر کسی قیمت اور محنت کے کوئی چیز لے جانے والا ۱۲ آسی

(۸۸)

سبھوں کو مے ہمیں خوناب دل پلانا تھا
فلک مجھی پہ تجھے کیا یہ زہر[1] کھانا تھا

لگی تھی آگ جگر میں بجھائی اشکوں نے
اگر یہ اشک نہ ہوتے تو کیا ٹھکانا تھا

نگہ سے اس کی بچاتا میں کس طرح دل کو
ازل سے یہ تو اسی تیر کا نشانا تھا

نہ کرتا خوں میں ہمیں کس طرح وہ رنگیں آہ
اسے تو ساتھ ہمارے یہ رنگ لانا تھا

شب فراق کی ادنیٰ سی اک یہ حالت ہے
کہ تھا جو گھر سو ہمارا وہ قید خانا تھا ق

جو کروٹیں تھیں سو وہ بیکلی کی شدت تھی
جو خواب تھا سو وہ دل غش میں ڈوب جانا تھا

غرض نہ سر کی خبر تھی نہ پا کا ہوش نظیر
سرھانا پائینتی اور پائینتی سرھانا تھا

(۸۹)

شور آہوں کا اُٹھا نالہ فلک سا نکلا
آج اس دھوم سے ظالم ترا شیدا نکلا

یوں تو ہم تھے یوں ہی کچھ مثل انار و مہتاب
جب ہمیں آگ دکھائی تو تماشا نکلا

غم سے ہم بھانمتی[2] بن کے جہاں بیٹھے تھے
اتفاقاً کہیں وہ شوخ بھی واں آ نکلا ق

سینے کی آگ دکھانے کو دہن سے اپنے
شعلے پر شعلہ بھبھو کے پہ بھبھوکا نکلا

مت شفق کہہ یہ ترا خون فلک پر ہے نظیر
دیکھ ٹپکا تھا کہاں اور کہاں جا نکلا

(۹۰)

شہر دل آباد تھا جب تک وہ شہر آرا[3] رہا
جب وہ شہر آرا گیا پھر شہر دل میں کیا رہا

کیا رہا پھر شہر دل میں جز ہجوم درد و غم
تھی جہاں فوج طرب، واں لشکر غم آ رہا

آ رہا آنکھوں میں دم، تو بھی نہ آیا وہ صنم
حیف کس سے پوچھیے جا کر کہ وہ کس جا رہا

[1] زہر کھانا حسد کرنا ۔ جلنا ۱۲ ۔
[2] بھانمتی بازیگر شعبدہ و بازی دکھانے والا ۱۲
[3] شہر آرا شہر کو آراستہ کرنے والا ۱۲
آسی

(۹۱)

عیسیٰ کی قُم سے حکم نہیں کم فقیر کا
خوبی بھری ہے جسمیں دو عالم کی کوٹ سب
سب جھوٹ ہے کہ تم کو ہمارا ہو غم میاں
ہم کیوں نہ اپنے آپ کو رولیویں جیتے جی
مرجاویں ہم تو پر نہ خبر ہو یہ تم کو آہ
اب ہم پہ کیا گزرتی ہے اور کیا گزر گئی
جب جیتے جی کسی نے نہ پوچھا کہ مہرباں
ہو کیوں نہ اُس کو فقر کی باتوں میں دستگاہ

ارِنی[۱] پکارتا ہے صدا دم فقیر کا
اللہ نے کیا ہے وہ عالم فقیر کا
بابا کسے خدا کے سوا غم فقیر کا
اے دوست کون پھر کرے ماتم فقیر کا
کیا جانے کب جہاں سے گیا دم فقیر کا
کس سے کہیں وہ یار ہے محرم فقیر کا
پھر بعد مرگ کس کو رہا غم فقیر کا
ہے بالکا[۲] نظیر یہ آتم[۳] فقیر کا

(۹۲)

کدھر ہے آج الٰہی وہ شوخ چھل بلیا[۴]
تمام گوروں کے حیرت سے رنگ اُڑجاتے
تجھے خبر نہیں بلبل کے باغ سے گل چیں
نظیر یار کی ہم نے جو کل ضیافت کی
سو یار آپ نہ آیا رقیب کو بھیجا

کہ جس کے غم سے مرا دل ہوا ہے باولیا
جو گھر سے آج نکلتا وہ میرا سانولیا[۵]
بڑی سی پھولوں کی اک بھر کے لے گیا ڈلیا
پکایا قرض منگا کر پلاؤ اور قلیا
ہزار حیف ہم ایسے نصیب کے بلیا[۶]

ادھر تو قرض ہوا اور اُدھر نہ آیا یار
پکائی کھیر تھی[۷] قسمت سے ہو گیا دلیا

(۹۳)

ترے جمال کی سورج، جھلک نہ دیکھ سکا
تو وہ ہے نور سراپا کہ تیری صورت کو
گلی کی خاک بھی ہو کر نہ ٹھہرنے پائے

کھلی نقاب رہی جب تلک، نہ دیکھ سکا
بشر تو کیا ہے، مری جاں، ملک نہ دیکھ سکا
ہمیں تو، آہ! فلک یاں تلک نہ دیکھ سکا

[۱] ارنی بفتح اول وکسر دوم صحیح ہے مگر فارسی کے شعرا نے بسکون دوم بھی استعمال کیا ہے ع موسیٰ ارنی جام تہی بود دست شیشہ بکر پایہ ارنی شکست۔ نظامی گنجوی ۱۲
[۲] بالکا۔ مرید۔
[۳] آتم۔ قدیم ۱۲
[۴] چھل بلیا۔ نٹکھٹ دھوکہ باز۔ باولیا۔ باولا۔ پاگل ۱۲
[۵] سانولیا۔ سانولے رنگ والا ۱۲
[۶] بلیا۔ نادر دار ابی ۱۲
[۷] کھیر پکائی قسمت سے دلیا ہو گیا یعنی قسمت نے بنا بنایا کام بگاڑ دیا ۱۲
عبدالباری آسی

یہ ناتواں ہوں، کہ آیا جو یار ملنے کو — تو صورت اُس کی، اُٹھا کر پلک، نہ دیکھ سکا

گھڑی تو دل کو پرویا، گھڑی جگر چھیدا — کبھی خوشی مجھے وہ اک پلک نہ دیکھ سکا

لگا گھٹانے جو آبِ مے کو دمبدم ساقی — ہمارے جام کی، شاید، چھلک نہ دیکھ سکا

نظیرؔ تم سے نہ ہوتا کبھی جدا پیارے،
پہ کیا کرے، کہ یہ کافر فلک نہ دیکھ سکا

(۹۴)

عشق کا جو گلِ زخمِ دمِ شمشیر کھِلا — رہ گیا جسم پہ مثلِ گلِ تصویر کھِلا

طفلِ اشک، اے مژہ، چاہے کہ بہے ٹک تو اُسے — پیارے، مہر سے، اُلفت سے، بہ تدبیر کھِلا

محوِ تدبیر ہیں ہم، لیک خدا ہی جانے — کون سا گل ہے بسِ پردۂ تقدیر کھِلا

(۹۵)

اُدھر اُس کی نگہ کا ناز سے آکر پلٹ جانا — اِدھر مرنا، تڑپنا، غش میں آنا، دم اُلٹ جانا

یہ کچھ بہروپ بن دیکھو کہ بن کر شکل دانے کی[1] — بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا، پھر سمٹ جانا

یہ یکجائی، یہ یکرنگی، تس اوپر یہ تماشا ہے کہ — نہ کم ہونا نہ بڑھنا، اور ہزاروں گھٹ میں بٹ جانا

(۹۶)

رُخ تو وہ ماہتاب سا دیکھا — تن بھی موتی کی آب سا دیکھا

کی نگہ چشم پر تو اُس کو بھی — ساغرِ پُر شراب سا دیکھا

پیرہن برگِ گل پہ جوں شبنم — عرقِ تن گلاب سا دیکھا

ق

تھے ابھی ہم جواں نظیرؔ اور اب — رنگِ مو سیمِ ناب سا دیکھا

شام کی صبح ہو گئی دم میں
یہ تو کچھ ہم نے خواب سا دیکھا

[1] دل یا ظرف کو کہتے ہیں۔ ۱۲

(۹۷)

چاہ میں اس کی دل نے ہمارے نام کو چھوڑا نام کیا
شغل میں اس کے شوق بڑھا کر کام کو چھوڑا کام کیا

زلف دوپٹہ دھانی میں کر کے پنہاں مرادل باندھ لیا
صید نہ کھا دے کیونکر جل[1] جب سبزے میں پنہاں دام کیا

رم[2] پر اپنے آہوے دل کو غرّہ نہایت تھا لیکن
چنچل آہو چشم نے اس کو ایک نگہ میں رام کیا

سمجھے تھے یوں ہم دل کو لگا کر یاد یں گے یاں آرام بہت
حیف اسی فہمید[3] نے ہم کو کیا کیا بے آرام کیا

ہم نے کہا جب نازبتاں کے تم تو بہت کام آئے نظیر
سن کے کہا کیا آئے جی ہاں کچھ بہت کے موافق کام کیا

(۹۸)

چشم ساقی سے جس نے جام لیا
اس نے پھر نشۂ مدام لیا

دل تغافل سے گر چلا جس دم
دست لطف صنم نے تھام لیا

صبح بہر سلام ہم نے نظیر
ق
پہلے اک پہ ادب مقام لیا

سر جھکا رکھ کے ہاتھ ماتھے پر
دو گھڑی جھک کے خم سے کام لیا

جب ذرا چشم کی اشارت سے
اس گل اندام نے سلام لیا

(۹۹)

کسی کو بتا دہج[4] دکھا جا رہے گا
کسی کو دل اس سے لگانا رہے گا

کسی چشم سے تیر مژگاں لگیں گے
کسی کا دل ان کا نشانا رہے گا

[1] جل کھانا — فریب کھانا۔ اور سبزہ جو شے بچھا سبز مراد کردہ اسیرے دام بہر رنگ نمی بود گرفتار شدند۔
[2] رم۔ بھاگ۔ تیزی کے ساتھ دوڑ وغیرہ وغیرہ۔
[3] فہمید۔ سمجھ۔ عقل ۱۲
[4] دہج۔ وضع قطع۔ فی زمانہ نا موزنت ۱۲ آسی

کہیں دل کو لے کر ہنسیں گے خوشی ہو / کہیں غم میں آنسو بہاتا رہے گا
کہیں شوخیاں ہوں گی ناز و ادا کی / کہیں دیکھ انھیں غش میں آتا رہے گا

یہ حسن اور نظیرؔ عشق جب تک رہیں گے
میاں یاں یہی کارخانا رہے گا

(۱۰۰)

جو پیش نظر وہ گل اندام ہو گا / تو دامن نگہ کا شفق فام[1] ہو گا
نہ دیکھ اس کی مژگاں کو لے دل وگرنہ / ابھی چھد کے تو رشک بادام ہو گا
اگر چل گئی تیغ ابرو کی تجھ پر / تو بس ایک ہی وار میں کام ہو گا
دیا دل نظیرؔ اپنا مدت سے تو نے / ق مگر دیکھیے کب وہ ہنگام ہو گا

لب جام سے لب لگے ہوں گے تیرے
اور آغوش میں وہ دل آرام ہو گا

(۱۰۱)

خیال یار سدا چشم نم کے ساتھ رہا / گرا جو چاہ میں دم تھا وہ دم کے ساتھ رہا
گیا سحر وہ پری رو جدھر جدھر یارو / میں اس کے سایہ صفت ہر قدم کے ساتھ رہا
پھرا جو بھاگتا مجھ سے وہ شوخ آہو چشم / تو میں بھی تھک نہ رہا گو وہ رم کے ساتھ رہا
لیلا اس کو نہ چھوڑا جو گھر سے نکلا وہ / ہر اک بہانے سے میں اس صنم کے ساتھ رہا

نظیرؔ پیر ہوا تو بھی بار ناز بتاں
کچھ اس کے دوش کے کچھ پشت خم کے ساتھ رہا

(۱۰۲)

بے جا ہے رہ عشق میں اے دل گلۂ پا / یہ اور ہی منزل ہے نہیں مرحلۂ پا
ہنگام خرام اس کے، ہجوم دل عشاق / غش کردہ ہیں ٹھوکر کے بہ ہر فاصلۂ پا

[1] شفق فام سرخ آتشی

کل بوسۂ پا ہم نے لیا تھا سو نہ آیا / شاید کہ وہ بوسہ ہی ہوا آبلۂ پا

اس پا کی رہ رشک میں نازک قدموں کے / پھرتے ہیں بھٹکتے ہوئے سو قافلۂ پا

سو ناز سے ٹھوکر بسر عرش لگا نا / اس گل کے سوا کس کا ہے یہ حوصلۂ پا

گلبرگ پہ رکھتے ہی قدم ہنس کے جو کھینچا / شاید ہوئی سختی سے رگ گل خلۂ پا [۱]

دل سے رہ دل بستگی کب طے ہو نظیر آہ / وہ زلف مسلسل جو نہ ہو سلسلۂ پا

(۱۰۳)

ہے عزم کشور دل کی ادا کو غارت کا / فریب دے ہے تبسم ہمیں بشارت کا

بسا جو وادی میں جا کر تو وہ ملا آرام / کہ قیس بھول گیا نام بھی عمارت کا

دل اس کے آگے سے جلدی سرک میں کہتا ہوں / مجھے تو ڈر ہے نہایت تیری جسارت کا

بھویں تو کھینچ چکی ہیں کمان اے غافل / نگہ کا تیر ہے اب منتظر اشارت کا

نظیر سے ہیں جو پیری میں دلربا ملتے / یہ فیض اس کو در دل کی ہے زیارت کا

(۱۰۴)

گلچیں نہ توڑ گل یہ بعید و قریب کا / بیٹھے بٹھائے دل نہ ستا عندلیب کا

جس کے شمیم زلف بھری ہو مشام میں / کیا رتبہ اس کے سامنے سنبل کی طیب کا [۲]

ق

احوال دل جو ہم نے کل ایک دوست سے کہا / آیا سخن یہ گوش میں جب اس حبیب کا

اس کی دوا جو ہو تو کسی نازنیں سے ہو / اے مہرباں یہ کام نہیں ہے طبیب کا

اس کج کلہ کی چاہ کی مت کر ہوس نظیر / کیا اس نے دل قبول کیا تجھ غریب کا

۱؎ خلۂ پا: پاؤں میں لگی ہوئی پھانس
۲؎ طیب: خوشبو۔۔
آسی ۱۲

(۱۰۵)

اٹکا لیا جو زلف نے دل کو اٹک گیا
لٹکا لیا جو باندھ کے چیں سے لٹک گیا

جی ہو گیا اس آتشیں عارض کو دیکھ موم
دل بھی سپند وار ہوا اور چٹک گیا

کیا جانے اس کا پاؤں پڑا کس مژہ پہ آج
کانٹا سا کچھ جو دل میں ہمارے کھٹک گیا

دل لے گیا تھا شوخ جو کاکل سے باندھ کر
جلدی سے پھر جو زلف ہلا کر جھٹک گیا

آیا وہ ناپسند اُسے جب تو اے نظیر
جس کی بلا تھی اس کے ہی سر پہ پٹک گیا

(۱۰۶)

تھا عہد یہ دل اس کو زنہار میں نہ دوں گا
دیکھا اسے تو بھولا "زنہار میں نہ دوں گا"

بوسہ جو ہم نے مانگا دو چار بار اس سے
بولا کہ تو کیا کر تکرار میں نہ دوں گا

جب اس نے مجھ سے پوچھا تو دل پری کو دیگا
میں نے کہا یہ ہنس کر اے یار میں نہ دوں گا

سلک گہر نے مانگا ہار آنسوؤں کا جس دم
ق بولا نظیر اس سے زنہار میں نہ دوں گا

قدر اس کی چاہ میں ہے سو درج دُر سے افزوں
اے سلک درکموں یہ ہار میں نہ دوں گا

(۱۰۷)

دل واں سے جو کل شتاب آیا
دلبر کو بہت عتاب آیا

مدت میں ذرا اٹھا دیا تھا
پھر چہرے پہ اب نقاب آیا

اس چشم کو دیکھ چشم نرگس
ایسی کھلی پھر نہ خواب آیا

پیری میں نظیر اپنے بر میں
وہ شوخ جو بے حجاب آیا

آکر لگے کہنے اس سحر کو
آغوش میں آفتاب آیا

(۱۰۸)

محفل میں اس کے پہونچے اور یار کو نہ دیکھا
بھولے ہمیں جو اپنی مقدار کو نہ دیکھا

عارض کے دیکھنے میں یوں محو ہو گئے ہم
جو ابروؤں کی ہرگز تلوار کو نہ دیکھا

ایسا چھپایا اس نے زلفوں سے منھ کو ہم سے
چاہا بہت پر اس کے رخسار کو نہ دیکھا

ق

دل دیکھنے کو آیا۔ یارو۔ تو اس صنم نے
ناطاقتی میں اس کے اطوار کو نہ دیکھا

تیر نگہ لگایا ایسا نظیرؔ جس کی
پیکاں تو کیا کہ ہم نے سوفار کو نہ دیکھا

(۱۰۹)

اُس نے کتابی رخ دکھا ہوش ہمارا کھو دیا
ایک جھلک میں حرفِ صبر صفحۂ دل سے دھو دیا

چہرے کو جب چھپا لیا تازے اس کی شرم نے
دیکھی یہ شکل ہم نے جب بس نہ چلا تو رو دیا

مہندی سے ناخن اس کے سُرخ دیکھے تو اس نگار نے
چٹکی وہ لی کہ دل میں آہ کیا کہیں کیا چبھو دیا

چھید لیا نگہ سے دل اُس نے تو ہم نے دیکھ کر
نوکِ مژہ سے اشک کے قطروں کو لے پرو دیا

دیکھیں جفائیں اسکی جب ہم سے کہا یہ جی نے آہ
کیا کہوں تجھ سے اے نظیرؔ تو نے تو دل ڈبو دیا

(۱۱۰)

ہے اب تو یہ دھن اس سے میں آنکھ لڑا لوں گا
اور چوم کے منھ اس کا سینے سے لگا لوں گا

گر تیر لگا دے گا بیم وہ نگہ کے، تو
میں اس کی جراحت کو ہنس ہنس کے اٹھا لوں گا

ق

دل جاتے اُدھر دیکھا جب میں نے نظیرؔ اسکو
روکا ارے وہ تجھ کو لے گا تو میں کیا لوں گا

واں ابرو و مژگاں کے ہیں تیغ و سناں چلتے
ٹک سوچ تو میں تجھ کو کس کس سے بچا لوں گا

پڑ جاوے گی جب شہ وہ لے دل تو بھلا پھر میں
کیا آپ کو تھاموں گا کیا تجھ کو سنبھالوں گا

لہ شہ پڑنا سے یہاں مراد - افتاد پڑنا مصیبت پڑنا ہے آسی

(۱۱۱)

اٹھاوے تو گر ناز اس دلستاں کا
نہیں کام اے دل یہ تجھ ناتواں کا
کیا دل کو زیر اک طمانچے میں یارو
زبردست ایسا ہے نازان تباں کا
ہوئی تیغ ابرو سے دل کی وہ صورت
جو احوال ہوتا ہے مہ سے کتاں[1] کا
نظیر اب سنا ہے کہ اس تند خو نے
ق کیا بن کے خونخوار پھر قصد یاں کا

جو آتا ہے آنے دو اس تیغ زن کو
ڈرے وہ میاں جس کو خطرہ ہو جاں کا

(۱۱۲)

ہوا مسکن اپنا در اس دلستاں کا
یہ سر ہو چکا اب اسی آستاں کا
ہمارے تحمل کو وہ جانتا ہے
اٹھاتا ہے جو ناز دل سے بتاں کا
طلب اس کے لب سے جو بوسہ کریں ہم
تو کب ہے یہ مقدور اپنی زباں کا
لگے کہنے جب حال اپنا تو اس نے
کہا طول چھوڑو نظیر اس بیاں کا

کوئی ایک دو بات کہنی ہو کہہ لو
میاں تم نے چھیڑا یہ قصہ کہاں کا

(۱۱۳)

یہ بھلا ہوا جو اس نے نہ سحر نقاب الٹا
نہیں سوئے تخت[2] پھرتا وہیں آفتاب الٹا
مجھے بیقرار کرنا جو نہ تھا اسے تو پھر کیوں
بصد انتظار آ کر بصد اضطراب الٹا
خجل اس کے آگے ہونے میں لگا تو وہ نگہ کی
کہ پہونچ کے تا در دل وہیں پھر حجاب الٹا
کہا پاؤں دابنے کو میں نے چوم لی کف پا
تو بجائے لطف کیا کیا بسر عتاب الٹا
مری خاک پر جو آیا تو ہنسا کے یہ گل ہیں
یہی گل کھلا کے واں سے وہ صنم شتاب الٹا
بھرے جام چشم کیا کیا مے اشک سے وہ میکش
جو اخیر بزم دیکھے قدح شراب الٹا

[1] کتاں ایسی ریشم کا ایک کپڑا بنایا جاتا ہے۔ جو مشہور ہے کہ چاندنی میں پھٹ جاتا ہے۔
[2] تحت نیچے
عبدالباری آسی

گیا گھر نظیرؔ اس کے بہزار نامرادی
پہ ہزار شکر واں سے وہ ہو کامیاب اُلٹا

(۱۱۴)

خط بھی آیا تو بھی ظالم مجھ کو ترساتا رہا … جیسے شرماتا تھا جب ویسے ہی شرماتا رہا
آہ کے نالے کے ٹھنڈی سانس کے یا اشک کے … اب خدا جانے کہ کس کے ساتھ جی جاتا رہا
سہو سے اک شب جو میرا لگ گیا زلفوں کو ہاتھ … کیا کہوں کیا کیا بلا سر پہ مرے لاتا رہا
وہ تو وہ پر اُس کی کج ذاتی کو دیکھا چاہیے … زلفِ کافر کا بھی ایک اک بال بل کھاتا رہا
اُٹھ گیا پر دا جو اُس رشکِ پری کے منھ سے رات … اسقدر دل غش میں آکر آپ سے جاتا رہا
جو سر اُس کا رکھ کے زانو پر میں چشم ترسے آہ … دو گھڑی تک پانی اُس کے منھ میں ٹپکاتا رہا

یار سے ہو کر خفا غیروں سے کیا ملنا نظیرؔ
منھ سے ٹھہرا پیر جب پھر دم سے کیا ناتا رہا

(۱۱۵)

کیا ڈھب ہے دل کو لینا اور اجتناب کرنا … آپ عشرتوں سے رہنا ہم کو خراب کرنا
کیا جانے یاد آئی کس شوخ چلبلے کی … کچھ بے طرح ہے دل کا آج اضطراب کرنا
پیتے ہیں مدتوں سے ناصح جو ہم تو اس کو … کہنے سے تیرے کب ہو ترکِ شراب کرنا
بھولیں نظیرؔ کیونکر ہم اس معاملے کو … ق … دیکھا جو خواب میں بھی اس کا حجاب کرنا

اپنا وہ پاس جانا - کہنا کہ لیجے لے جاں
اس کا پرےؔ سے سرکنا، رکنا، عتاب کرنا

(۱۱۶)

شیوۂ ناز ہوش چھل جانا … طرزِ رفتار دل کچل جانا
صفِ مژگاں کے جھوک سے گر کر … ہم سے کب ہو سکا سنبھل جانا

۱؎ پرے سرکنا۔ علیحدہ ہٹنا ۱۲ عبدالباری آسی

اس نے آنے کہا ہے صبح۔ اے رشک   ق   تو پلک سے نہ ایک پل جانا
ہم ابھی منتظر ہیں آنے کے   دن ڈھلے گا تو تو بھی ڈھل جانا

دل نے سیکھا ہے بے طرح سے نظیر
بن کہے، بن سنے، نکل جانا

(۱۱۷)

بے ناز اسے ہر دم ہیں منتظر آنے کا   اب دیکھیے جلوہ ہو کس طرفہ بہانے کا
دیکھ اس صف مژگاں کو وہ شکل ہوئی دل کی   ہو جاتا ہے تیروں سے جو حال نشانے کا
صد چاک ہوا کیا دل رشک کے آرے سے   جب ربط نظر آیا اس زلف سے شانے کا
ہر لحظہ نئی چھیڑیں ہر دم خلش تازہ   ہے کام بہت مشکل کچھ ناز اُٹھانے کا

ٹھہرا تھا نظیر آنا اور یاں جو نہ آیا وہ
کچھ ناز کیا شاید پھر راہ دکھانے کا

(۱۱۸)

ادا کے توسن پر اس صنم کو جو آج ہم نے سوار دیکھا   تو ملتے ہی ٹک عناں کے کیا کیا کھلتے صبر و قرار دیکھا
جھپک پہ مژگاں کے جب نگہ کی تو اُس نے اک پل میں پیش ڈالا   جو چشم و غمزہ کی طرز دیکھی تو جادو اس کا شعار دیکھا
جو دیکھی اس کی وہ تیغ ابرو تو جی کو ہیبت نے آن گھیرا   نگہ جو کاکل کے دام پر کی تو دل کو اسکا شکار دیکھا
حنا جو ہاتھوں میں اسکے دیکھی تو رنگ نکلا ہو عجب کچھ   کمر جو دیکھی تو ایسی نازک کہ مو بھی اس پر نثار دیکھا

وہ دیکھ لیتا ہماری جانب تو اس میں ہوتی کچھ اور خوبی
پر اس نے ہرگز ادھر نہ دیکھا نظیر ہم نے ہزار دیکھا

(۱۱۹)

اگر ہے منظور یہ کہ ہووے ہمارے سینے کا داغ ٹھنڈا
تو آ لپیٹے گلے سے اے جاں جھمک سے کر چھپ چراغ ٹھنڈا

ہم اور تم ایک جان دو قالب تمہارا میرا ہے ایک تن من
لگایا تم نے جبیں پہ صندل ہوا ہمارا دماغ ٹھنڈا

لبوں سے لگتے ہی ہو گئی تھی تمام سردی دل و جگر میں
دیا تھا ساقی نے رات ہم کو کچھ ایسی مے کا ایاغ ٹھنڈا

درخت بھیگے ہیں کل کے مینھ سے چمن چمن میں بھرا ہے پانی
جو سیر کیجے تو آج صاحب عجب طرح کا ہے باغ ٹھنڈا

وہی ہے کامل نظیر اس جا، وہی ہے روشن دل اے عزیزو
ہوائے دنیا کی جس کے دل کا نہ ہووے ہرگز چراغ ٹھنڈا

(۱۲۰)

شب مہ میں دیکھا اس کا وہ جھمک جھمک کے چلنا
کیا انتخاب مہ نے یوں چمک چمک کے چلنا

روش ستم میں آنا تو قدم اٹھانا جلدی
جو رہ کرم میں آنا تو ٹھٹھک ٹھٹھک کے چلنا

نہ دھڑک ہو جو نکلنا تو سر خطر پہ ٹھوکر
جو نظر گزر سے ڈرنا تو جھجک جھجک کے چلنا

جو نوازشوں میں آنا تو رگڑ کے دوش جانا
جو سر عتاب ہونا تو پھٹک پھٹک کے چلنا

ہے کھبا نظیر اب تو مرے جی میں اس صنم کا
وہ اکڑ کے دھج دکھانا وہ ہمک ہمک کے چلنا

(۱۲۱)

آن نے دل لے لیا جیسے کہوں اس آن کیا
اب ادا کی تاب لاؤں ایسی مجھ میں جان کیا

لے کے دل پھر بیٹھا ہے وہ دین لینے وہ بھی ہم
دل دیا جس کو نہ دیں گے اس کو ہم ایمان کیا

جانے پاتا واں نہیں یاں گھر میں دل لگتا نہیں
میں کروں یارو بھلا اس درد کا درمان کیا

کر کے دل خوگر تبسم سے جو لی تیوری چڑھا
تم نے تو یہ طرز کی اب میں کروں اے جان کیا

کیوں ہوس کرتا ہے بیجا ہو کے بیقدر اے نظیر
اس کی محفل میں تجھے گر دخل ہو امکان کیا

(۱۲۲)

کیوں جی کیا تم نے مرے دل سا جواں باندھ لیا
سن کے بولا کہ وہ کیا چیز تھا ہاں باندھ لیا

ہم نے جب بات کی اس غنچہ دہن سے کھل کر
پہلے جب اس کے رقیبوں کا وہاں[1] باندھ لیا

جنت و خلد و ارم سب نظر آجاتے ہیں
دھیان محبوب کے کوچے کا جہاں باندھ لیا

گر کہے کوئی کہ ہم زلف سے چھوٹ آئے ہیں
سب غلط، پھر کوئی چھوٹے ہے جہاں[2] باندھ لیا

ق
ہنستے ہنستے یہ کہا میں نے کل اس سے اے جاں
سچ کہو تم نے مرے دل کو کہاں باندھ[3] لیا

دل کو خوباں سے گر کھینچے کہہ کہہ کے نظیر
کوئی دن ہم نے بھی خوب اپنا سماں باندھ لیا

(۱۲۳)

اُس نے کہا کہ مجھ سا غنچہ دہن ہے کون سا
مینے کہا کہ واقعی اس میں سخن ہے کون سا

دیکھے ہے کیا چمن کو تو جسکی چمن ہے رنگ و بو
دیکھے تو دیکھ اُسے کہ وہ رشک چمن ہے کون سا

قبلہ نما کی طرح سے تکتی ہے جسکو چشم خلق
ایسے تو اب تمھیں ہو اور قبلہ من ہے کون سا

لعل و دُر اس کے دیکھکر ہم نے نہ جانا پھر کہ یاں
لعل یمن ہے کون سا دُر عدن ہے کون سا

اُسکی جو بو لے زلف سے رکھے ہے عزم ہمسری
میں بھی تو دیکھوں ٹک اُسے مشک ختن ہے کون سا

تو جو نظیر شادماں بیٹھا ہے گھر بنا کے یاں
کچھ تو خیال کر میاں تیرا وطن ہے کون سا

(۱۲۴)

گرم یہاں یوں تو بڑا حُسن کا بازار رہا
میں فقط ایک دکاں ہی کا خریدار رہا

جب سے دیکھا اُسے پھر آئینہ چشم کے بیچ
تا دم مرگ وہی عکس نمودار رہا

کس طرح دیکھئے ہم جا کے چمن میں سنبل
دل تو اس کا کل مشکیں کا گرفتار رہا

آ پھنسا جو کوئی اس دام گہ ہستی میں
تھا جو دانا تو بہت زیست سے بیزار رہا

[1] وہاں باندھ لیا یعنی مقید کر دیا
[2] غزل کے پہلے مصرع اور ہر مصرع میں باندھ لیا بمعنی گرفتار کیے ہیں ۱۲ آسی

بس جو ہوتا تو نہ رہتا کبھی دنیا میں نظیرؔ
تھا جو بے بس کوئی اس دام میں ناچار رہا

(۱۲۵)

آنے کا عہد اس کے گر سچ نظر میں آتا
تو اشک لحظہ لحظہ کیوں چشم تر میں آتا

پہلو میں اپنے ہوتا کیا کیا سرور دل کو
گر ایک دم ہمارے وہ شوخ بر میں آتا

ق
تیر نگاہ چلتا اس کا تو پھر وہ ہمدم
جاتا کہیں نہ ہرگز سیدھا جگر میں آتا

طائر کو دل کے اس نے باندھا نظیرؔ جو تھا
چھٹتا تو وہ ادھر کو اک پہر بھر میں آتا

شہرت جو ہے کہ چھوٹا شاید غلط ہے یارو
گر چھوٹتا تو آخر اپنے ہی گھر میں آتا

(۱۲۶)

محفل میں اپنی ہم کو جس دم وہ بار دے گا
اپنا نہال الفت اس دن ہی بار دے گا

دست حنائی اس کے مت دیکھ ہر دم اے دل
پھر ہاتھ سے تو اپنا صبر و قرار دے گا

ق
دیکھ اس سے ہم کو ناخوش اک ہمنشیں نے پوچھا
بن دیکھے اس کے تم کو یہ دل قرار دے گا

ہم نے کہا کہ اب تو ہم اس گھڑی ملیں گے
جب ایک بوسہ ہم کو وہ گلعذار دے گا

بولا نظیرؔ تم کو ہے چار دن کی چاہت
وہ تند خو تمہیں تو کیا ایک چار دے گا

(۱۲۷)

کچھ تو ہو کر دو بدو کچھ ڈرتے ڈرتے کہہ دیا
دل پہ جو گزرا تھا ہم نے آگے اس کے کہہ دیا

باتوں باتوں میں جو ہم نے درد دل کا بھی کہا
سن کے بولا تو نے یہ کیا بکتے بکتے کہہ دیا

اب کہیں کیا اس سے ہمدم دل لگاتے وقت آہ
تھا جو کچھ کہنا سو وہ تو ہم نے پہلے کہہ دیا

ق
چاہ رکھتے تھے چھپائے ہم تو لیکن اس کا بھید
کچھ تو ہم نے سامنے اک ہمنشیں کے کہہ دیا

یہ ستم دیکھو ذرا منھ سے نکلتے ہی نظیرؔ
اس نے اُس سے اُس نے اس سے اس نے اس سے کہدیا

(۱۲۸)

کہا تھا ہم نے تجھے تو اے دل کہ جاہ کی مے کو تو نہ پینا
جو اس کو پی کر تو ایسا بہکا کہ ہم کو مشکل ہوا ہے جینا

جو آنکھیں چنچل کی دیکھیں ہم نے تو نوک مژگاں نے دل کو بھیدا
نگہ نے ہوش و خرد کو لوٹا ادا نے صبر و قرار چھینا

کہا جو ہم نے کہ آن لگیے ہمارے سینے سے اس دم ریجاں
تو سن کے اس نے حیا کی ایسی کہ آیا منھ پر وہیں پسینا

کیا ہے غصہ میں ہاتھ لا کر میرا گریبان جو ٹکڑے اس نے
پھٹا ہی رہنا ہے اب تو بہتر نہیں مناسب کچھ اس کو سینا

کہا تھا آؤں گا دو ہی دن میں و لے نہ آیا وہ شوخ اب تک
گنا جو ہم نے نظیرؔ دل میں تو اس سخن کو ہوا مہینا

(۱۲۹)

صنم کے کوچے میں چھپ کے جانا اگرچہ یوں ہے خیال دل کا
پہ وہ تو جاتے ہی تاڑے گا پھر آنا ہوگا محال دل کا

گہر نے اشکوں کے یاں نکل کر جھمک دکھائی جو اپنی ہر دم
تو ہم نے جانا کہ موتیوں سے بھرا ہے پہلو میں تھال دل کا

کبھی اشارت کبھی لگاوٹ کبھی تبسم کبھی تکلم
یہ طرحیں ٹھہریں تو ہم سے پھر ہو بھلا جی کیونکر سنبھال دل کا

وہ زلف پر پیچ و خم ہے اس کی پھنسا تو نکلے گا پھر نہ ہرگز

ہمارا کہنا ہے سچ ارے جی تو کام اس سے نہ ڈال دل کا

میں لحظہ لحظہ ہوں کھینچ لاتا وہ پھر اسی کی طرف ہے جاتا
کروں نظیرؔ اس کی فکر میں کیا ہے اب تو میرے یہ حال دل کا

(۱۳۰)

نہ چھوڑے دل کو وہ افسوں نگہ لڑانے کا
جو کچھ ہو دیر تو پھر ڈھب ہے مسکرانے کا

حیا سے وہ تو نہ کرتا نگہ، ولیکن ہے
یہ لطف پنجۂ مژگاں کے گد گدانے کا

بتوں کی زلف فراموش دل کو ہو کیونکر
بسیرا جو ہے طائر کب آشیانے کا

پڑیں گے پاؤں ہم اس جامہ زیب کے لے دل
جو ہاتھ آگیا دامن کسی بہانے کا

لیا جو دستِ حنا بستہ سے دل اس نے نظیرؔ
یہی مآل ہے اس کے حنا لگانے کا

(۱۳۱)

خوش ہوئی سینہ میں مژگاں کی جھپک تیر لگا
تو بھی اے جنبشِ ابرو کوئی شمشیر لگا

کیا ہی خوش وقت ہوا کر کے مرے دل کو صید
یعنی کیا خوب مرے ہاتھ یہ نخچیر لگا

ہم تو پھنستے نہ ترے دام میں لیکن ہیہات
لے¹ گئی دل کو تری زلف گرہ گیر لگا

میں کہا کیوں نہیں اس شوخ سے ملتا تو نظیرؔ
ق
سن کے اس بات کو یوں کہنے وہ دلگیر لگا

میں تو کیا پر زرے اُڑادے وہ بھی اگر کوئی
اس کی دیوار سے دیوے مری تصویر لگا

(۱۳۲)

کلال² گردوں اگر جہاں میں جو خاک میری کا جام کرتا
تو میں صنم کے لبوں سے مل کر عجب ہی عیش مدام کرتا

جو پاتا لذت بسان مستاں مئے محبت سے تیری زاہد

¹ لگا کرلے جانا، بہلا پھسلا کر ساتھ لے جانا ۔ ² کلال ۔ کمہار ۱۲ آسی

تو خانقہ سے نکل کے اپنی وہ میکدے میں قیام کرتا

وہ بزم اپنی تھی مے کشی کی فرشتے ہوجائے مست و بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میاں ان کو سلام کرتا

جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن دکھاتا نہ شب بتاتا نہ صبح لاتا نہ شام کرتا

وہ بزم اپنی تھی مے خوری کی فرشتے ہوجاتے مست و بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میاں اُن کو سلام کرتا
(مکرر)

نظیرؔ آخر کو ہار کر میں گلی میں اس کی گیا تھا بکنے
تماشا ہوتا جو مجھ کو لے کر وہ شوخ اپنا غلام کرتا

(۱۳۳)

گر چشم اُٹھا رخ پر مرآت[۱] لقا ہونا
گر سر بہ گریباں ہو ہم چشم حیا ہونا

ہے ایک جو دو کرتی اس تیغ سے ابرو کی
یہ فائدہ ہے یعنی یکتا سے دوتا ہونا

اس نخلہ[۲] قامت کا یہ پھل ہے کہ دیکھ اسکو
جوں نخل خزاں دیدہ بے برگ و نوا ہونا

کاکل کے رسا کا بھی ہے لطف یہ کچھ جیسے
ہر صبح نسیم آسا زنجیر بپا ہونا

گو حسن سے فندق[۳] کے دل شاد ہوا لیکن
پڑتا ہے کئی دن تک انگشت نما ہونا

بالفرض سراپا یہ ہو کوئی نظیرؔ عاشق
اُس سے بھی پھر آخر کو ہے بے سر و پا ہونا

(۱۳۴)

گرم گلشن کا جو کل وہ رشک مہر و مہ گیا
طرّہ آواز خندیدن سے کا مل بھر تک
دیکھ اُسے رنگ بہار و سرود گل اور آب جو

ق

جب پھر ادا ل سے تو گل بازار تک ہمرہ گیا
گل سے زر بلبل سے چہچہ کبک سے قہقہ گیا
اک اُڑا اک گر گیا اک جل گیا اک بہ گیا

---

[۱] مرآۃ آئینہ ۱۲
[۲] نخلہ یعنی نخل
[۳] فندق ایک میوہ کا نام جسے پوروں سے تشبیہ دیتے ہیں ۱۲ منتہی

ہوگیا سنتے ہی بیدم بیقرار و بے حواس
گوش دل میں نامہ بر کیا جانے کیا کچھ کہہ گیا

وائے آخر ہم رہے اور نے وہ سرو گلعذار
قصہ خوانوں کے مگر کہنے کو قصہ رہ گیا

کس توقع پر کرے یاں کی کوئی ثروت بہم
جب کہ خالی ہاتھ اسکندر سا شاہنشہ گیا

غور سے دیکھا تو اُس کے طاق ہستی پہ نظیرؔ
اتنی حشمت تھی فقط اک آئینہ ہی رہ گیا

(۱۳۵)

اس سرخ لب سے ہم نے لعل یمن کو دیکھا
جب ہنس دیا تو سلک دُرِّ عدن کو دیکھا

تا رنگ ہمارا ہے آج تک بھی رنگیں
کل ہم نے ایک ایسے گل پیرہن کو دیکھا

سنبل[1] ہوئی تصدق دیکھ اس صنم کے کاکل
نسرین[2] نثار لائی جب اُس کے تن کو دیکھا

ق
بلبل نے ہو کے نازاں کل یوں کہا جو ہم سے
میں نے تو گل کو تم نے اس گلبدن کو دیکھا

ہم نے نظیرؔ ہنس کر جب اس کو یہ سنایا
تو نے چمن کو ہم نے رشک چمن کو دیکھا

(۱۳۶)

دل ہم نے جو چشم بت بیباک سے باندھا
پھر نشہ صہبا سے نہ تریاک[3] سے باندھا

اس زلف سے جب ربط ہوا جی کو تو ہم نے
شانے کا تصور دل صد چاک سے باندھا

دیکھا نہ قد سرو کو پھر ہم نے چمن میں
جس دن سے دل اس قامت چالاک سے باندھا

ق
جو آہوئے دل بھاگ گیا اس صید فگن کو
جھپ اس نے اسے کاکل پیچاک[4] سے باندھا

اور جو نہ پسند آیا اسے وہ تو نظیرؔ آہ
نے صید کیا اس کو نہ فتراک سے باندھا

(۱۳۷)

پایا مزا یہ ہم نے اپنی نگہ لڑی کا
جو دیکھنا پڑا ہے غصہ گھڑی گھڑی کا

[1] سنبل کو اب مذکر بولتے ہیں ۱۲
[2] نسرین سیوتی ۱۲
[3] تریاک - افیون ۱۲
[4] پیچاک بپیچیدہ ۱۲ آسی

عقدہ تو نازنیں کے ابرو کا ہم نے کھولا		اب کھولنا ہے اس کی خاطر کی گلجھڑی[1] کا
اس رشکِ مہ کے آگے کیا قدر ہے پری کی		کب پہونچے حسن اس کو ایسی گری پڑی[2] کا
اس گلبدن نے ہنس کر اک لیکے شاخِ نسریں	ق	ہم سے کہا کہ کیجیے کچھ وصف اس چھڑی کا

جب ہم نظیر بولے، اے جاں یہ وہ چھڑی ہے
دل ٹوٹتا ہے جس پر جوں پھول پنکھڑی کا

(۱۳۸)

جن دنوں حسن بتاں کے دل پئے نظارہ تھا		سو بسو ہر دم رواں اور کو بکو آوارہ تھا
مدتوں میں ایک دن ہم دل سے ملنے کو گئے		کس لیے مربوط اس سے اپنا جی ہموارہ[3] تھا
وہ تو لعل بے بہا تھا جا کے دیکھا ہم نے کیا		جور سے سنگیں دلوں کے شیشۂ صد پارہ تھا
تھے پڑے پہلو کے نیچے جائے بسترِ خار و خس		اور بزیرِ سر عوض بالش کے سنگ خارہ تھا

کھو چکا تھا بیوفاؤں میں جو عمر اپنی نظیر
لب پہ آہ سرد تھی اشکوں سے تر رخسارہ تھا

(۱۳۹)

ہوا خورشید کے دیکھے سے دونا اضطراب اپنا		کہ یہ نکلا سحر کو اور نہ نکلا آفتاب اپنا
ترے منہ کے جو ہر دم روبرو آنے کو کہتا ہے		ذرا آئینہ لے کر منہ تو دیکھے آفتاب اپنا
نہ اتنا ظلم کر اے چاندنی بہرِ خدا چھپ جا		تجھے دیکھے سے یاد آتا ہے مجھ کو ماہتاب اپنا
خفا دیکھا ہے اس کو خواب میں دل سخت مضطر ہے		کھلاوے دیکھیے کیا کیا گل تعبیرِ خواب اپنا
سحر آسا عیاں ہوتے ہی لی راہِ عدم ہم نے		ہوا آنا بھی اور جانا بھی ایسا کچھ شتاب اپنا

نظیر اس بحر میں فرصت کم اور عیش و طرب لاکھوں
تو پھر اب حق بجانب ہے کرے کیا کیا حباب اپنا

[1] گلجھڑی۔ گرہ گتھی ۱۲
[2] گری پڑی — گئی گزری حقیر ۱۲
[3] ہموارہ ہمیشہ ۱۲ اسی

(۱۴۰)

عشق کا مارا نہ صحرا ہی میں کچھ چوپٹ پڑا
ہے جہاں اس کا عمل وہ شہر بھی ہے پٹ پڑا

عاشقوں کے قتل کو کیا تیز ہے ابرو کی تیغ
ٹک اُدھر جنبش ہوئی اور سر ادھر سے کٹ پڑا

اشک کی نوک مژہ پر شیشہ بازی دیکھیے
کیا کلائیں کھیلتا ہے بانس پر یہ نٹ پڑا

شاید اس غنچہ دہن کو ہنستے دیکھا باغ میں
اب تلک غنچہ بلائیں لیتا ہے چٹ چٹ پڑا

دیکھ کر اس کے سراپا کو یہ کہتی ہے پری
سر سے لیکر پاؤں تک یاں حسن اُبھر کر پھٹ پڑا

کیا تماشا ہے کہ وہ چنچل ہٹیلا چلبلا
اور سے تو ہٹ گیا پر میرے دل پر ہٹ پڑا

کیا ہوا گو مر گیا فرہاد لیکن دوستو
بیستوں پر ہو رہا ہے آج تک کھٹ کھٹ پڑا

ہجر کی شب میں جو کھینچی آن کر نالے نے تیغ
کی پٹے بازی ولے تاثیر سے ہٹ ہٹ پڑا

دل بڑھا کر اس میں کھینچا آہ نے پھر نیمچہ
اے نظیر آخر وہ اس کا نیمچہ بھی پٹ پڑا

(۱۴۱)

کل جو وہ دلربا ادھر آیا
دل کو لینے کو تھا مگر آیا

ق

دوسرے دن بھی شوخ پھر فرزا
اس طرف جب ہوئی سحر آیا

پھر گیا دھج دکھا کے پھر دم میں
مسکراتا وہ سیمبر آیا

میں نے جانا یہ دل نہ چھوڑے گا
ہے اسی کی یہ تاک پر آیا

جب یہ دیکھا تو میں نظیر اک دن
خود ہی دل اس کے نذر کر آیا

(۱۴۲)

جب ہمنشیں ہمارا ابھی عہد شباب تھا
کیا کیا نشاط و عیش سے دل کامیاب تھا

ق

حیرت ہے اس کی زود روی کیا کہیں ہم آہ
نقش طلسم تھا وہ کوئی یا حباب تھا

۱؎ چوپٹ پڑنا گویا برباد تباہ ہونا چٹ پڑنا یہاں اسی معنی میں ہے ستوں ۲؎ شیشہ بازی اسکو کہتے ہیں کہ چوٹی شیشے کے برتن وغیرہ سر پر رکھ کر بانس اور بلیوں وغیرہ پر چڑھتے ہیں کلائیں نٹوں کی کثرت اور کرتب ۱۲ ۳؎ ہٹ پڑنا یعنی اسکے لینے کے لیے بلند ہوا ۱۲ ۴؎ یعنی پہاڑ پر تیشہ زنی کی آوازیں آ رہی ہیں ۱۲ ۵؎ پٹ پڑنا یہاں ٹوٹ پڑنے کے معنی میں ہے ۱۲ انتہی

تھا جب وہ جلوہ گر تو دل و جاں میں دمبدم
عشرت کی حد نہ عیش و طرب کا حساب تھا

تھے باغ زندگی کے اُسی سے ہی آب و رنگ
دیوان عمر کا بھی وہی انتخاب تھا

اپنی تو فہم میں وہی ہنگام اے نظیر
مجموعۂ حیات کا لُب لُباب تھا

(۱۴۳)

اگر اُس گلبدن کا دل میں کچھ آزار ہو پیدا
تو پھر اپنے ہی سینے میں عجب گلزار ہو پیدا

ہم اپنے قتل ہونے کا ابھی جوہر دکھا دیویں
اگر قاتل کی ابرو کی کہیں تلوار ہو پیدا

تجلی طور کی ٹھہری نگاہوں میں ٹھہر جائے
اگر موسیٰ سا کوئی طالب دیدار ہو پیدا

بس آئینے میں یکبارگی جمال اس کا نظر آئے
تو روز حشر تک اُس میں نہ پھر زنگار ہو پیدا

اگر انکار کی لذت کو ہم سمجھیں تو پھر یارو
اُسی انکار کے پردے میں پھر اقرار ہو پیدا

کریں زنار اپنی گردن دل کا نظیر اس کو
اگر اس زلف کافر کا کبھی اک تار ہو پیدا

(۱۴۴)

دل پریرویوں کی چاہت سے تو ہے مغرور کیا
اُن کے دیوانوں میں تنہا ہے تو ہی مشہور کیا

وصف حسن حور و پری کا یوں کہا یک بات کر
حُسن میں ہم سے زیادہ ہے پری اور حور کیا

جب کہا ہم تو تمھیں اُٹھنے نہ دیں گے بزم سے
ہنس کے فرمایا کسی کی تاب کیا مقدور کیا

چھینے دل لیتے ہیں پھر رکھتے ہیں اُسکو تلخ کام
کیوں جی ان شیریں لبوں کا ہے یہی دستور کیا

منہ بنائے کس لیے بیٹھے ہو دل تو دے چکے
اب جبیں کرنے سے پُرچیں ہے تمھیں منظور کیا

جاں اگر درکار ہے تم کو تو کہتے کیوں نہیں
اس کا بھی دے ڈالنا اے جاں ہے ہمکو دور کیا

یہ جو ہو کر دو بدو آج اس کو دیکھ آیا نظیر
اس کا بدلا تجھ سے دیگا تو ہے مسرور کیا

(۱۴۵)

جب اس کے ہی ملنے سے ناکام آیا ۔ تو یارب یہ دل میرا کس کام آیا
کبھی اس تغافل منش کی طرف سے ۔ نہ قاصد نہ نامہ نہ پیغام آیا
صد افسوس دم اپنا نکلا ہے کس دم ۔ کہ جب گھر سے گھر تک وہ گلفام آیا
مجھے صبح کو قتل کر وہ مسیحا ۔ ق ۔ جو گھر اپنے فرخندہ فرجام آیا
کسی نے مری بات بھی واں نہ پوچھی ۔ اگرچہ ہر اک خاص اور عام آیا
غرض پھر اسی کو جو یاد آئی میری ۔ تو گھبرا کے جس دم ہوئی شام آیا
جلایا اٹھایا گلے سے لگایا ۔ عزیزو پھر آخر وہی کام آیا

گئی بیوفائی نظیر اب جہاں سے
وفاداریوں کا بھی ہنگام آیا

(۱۴۶)

بحسب عقل تو کوئی نہیں سامان ملنے کا ۔ مگر دنیا سے لیجادیں گے ہم ارمان ملنے کا
عجب مشکل ہے کیا کہیے بغیر از جان دینے کے ۔ کوئی نقشہ نظر آتا نہیں آسان ملنے کا
ہمیں تو خاک میں جا کر بھی کیا کیا بیکلی ہو گی ۔ جب آجاوے گا اس غنچہ دہن سے دھیان ملنے کا
کسی سے ملنے آئے تھے سو یاں بھی ہو چلے[1] اکدم ۔ کہے دیتا ہوں یہ مجھ پر نہیں احسان ملنے کا
نظیر اک عمر ہم اس دلربا کے وصل کی خاطر ۔ بہت روئے بہت پیٹے یہ کیا امکان ملنے کا

ہماری بیقراری اضطرابی[2] کچھ نہ کام آئی
وہ خود ہی آملا جب وقت آیا آن ملنے کا

(۱۴۷)

تمھاری زلف کا اے یار ہم سے بل نہ گیا ۔ ہمارے دل سے[3] اک بال بھر خلل نہ گیا
ہمیں ہیں دیکھ جو قدموں پہ گر رہے ہیں ترے ۔ وگرنہ یاں سے میاں ہاتھ کون مل نہ گیا

[1] ہو چلے یعنی ہوگئے ۔ کرتے چلے ہو ۱۲

[2] اضطرابی یعنی بعض اکثر فصحا کے نزدیک درست نہیں ہے ۱۲

[3] سی یعنی سے یہ قدیم دہان کا لفظ ہے اور ذکر کے ساتھ بھی قریب قریب متروک ہو چکا تھا ۱۲ آسی

جلا کے پر جو لگن میں پڑا اسلگتا ہے
پتنگ پہلے ہی خانہ خراب جل نہ گیا

(۱۴۸)

دیکھیے جلوہ جو اُس کے حُسنِ بالا دستؔ کا
بے صدا آکر لگا اور ہوگیا سینے کے پار

حوصلہ اتنا کہاں اپنی نگاہِ پست کا
یہ خدنگِ صاف تھا کس بے نشاں کی شستؔ کا

(۱۴۹)

اک پردۂ ہستی نہ رہا، جوں نظر آیا
اُس مہر پر انوار سے، شبنم کی طرح، ہم

وہ پردہ برانداز ہمیں کیوں نظر آیا؟
گُم ہوتے گئے، ہم کو وہ جوں جوں نظر آیا

(۱۵۰)

سر سبز دل جلوں کو نہ ہرگز کرے فلک
جب سے ہوئے ہیں وہ لبِ جاں بخش جلوہ گر

دانہ کہیں اُگا ہے جو آتش میں بھُن گیا
تب سے تمام نسخۂ عیسیٰ کا گُن گیا

(۱۵۱)

لاکر ہر اک ادا میں وہ عیّار چٹکلا
سب جانتے ہیں چٹکلا بازی نظیر کی

چٹکی بجا کے چھوڑے ہے ہر بار چٹکلا
اس کے ہر اک سخن میں ہے لے یار چٹکلا

متفرقات ردیف الف

۱ لائے خاطر میں ہمارے دل کو وہ مغرور کیا
جس کے آگے مہر گیا، مر گیا، پری کیا، حور کیا

۲ دل ہوا نظر دن سے بسمل ابروے دلخواہ کا
تھا وہی پہلا دن اُس بسمل کی بسم اللہ کا

۳ نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا
بنایا آہ! کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

۴ بہار آئی ہے کیا ہر شاخِ گل پر ہے مکاں اپنا
بنا اب تو بھی اے بلبل چمن میں آشیاں اپنا

۵ پہونچے نہ ذہن وصف میں سست اُسکے نام کا
موصوف ہو جو خاص خدا کے کلام کا

۱؎ حسنِ بالا دست
حسن بلند مرتبہ ۱۲
۲؎ چٹکی، نہ کہ کہان
وغیرہ ۱۲ ۳؎
بھن گیا یعنی اثر
جاتا رہا ۱۲ ۴؎
قابل۔ دامن ۱۲
آشتی

۶ دیکھ سبزوں کی طراوت کو زمیں پڑھتی ہے ۔۔۔ آیۂ انبتہا اللہ نباتاً حسنا

۷ چمن طراز حقیقی نے اپنی صنعت سے ۔۔۔ کسی کو پھول بنایا، کسی کو گھاس کیا

۸ وصل اُس کا ہو تا کیونکر میسّر ۔۔۔ وہ نورِ جاں تھا، میں آب و گِل تھا

۹ ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوے ۔۔۔ کہ ہم کو راہ میں اک آشنا نے لوٹ لیا

۱۰ ٹھہرنا عشق کے آفات کے صدموں میں نظیر ۔۔۔ کام مشکل تھا پر اللہ نے آسان کیا

۱۱ جس کام کو جہاں میں تو آیا تھا اے نظیر ۔۔۔ خانہ خراب تجھ سے وہی کام رہ گیا

۱۲ جو وصف زلف کا پوچھا تو حلقے حلقے کو ۔۔۔ مآب و مرجع و ملجائے صد اسیر کہا

۱۳ دیکھ اُسے رنگِ بہار و سرو و گل اور جویبار ۔۔۔ اک اُڑا، اک گر گیا، اک جل گیا، اک بہہ گیا

۱۴ تو ہے وہ گل، اے جان، کہ ترے باغ میں ہے شوق ۔۔۔ جبریل کو بلبل کی طرح نعرہ زنی کا

۱۵ ہے کون سی وہ چشم نہیں جس میں اس کا نور؟ ۔۔۔ ہے کون سا وہ دل کہ نہیں جس میں اُس کی جا؟

۱۶ بدن گل، چہرہ گل، رخسار گل، لب گل، دہن ہے گل ۔۔۔ سراپا اب تو وہ رشکِ چمن ہے ڈھیر پھولوں کا

۱۷ نظیر اب اس ندامت سے کہوں کیا ۔۔۔ "فأه[1] آہا ثمّ آہا ثمّ آہا"

۱۸ ہے کفِ پا وہ مصفا کہ جسے دھیان میں لا ۔۔۔ پائے نظارہ یہ کہتا ہے "پھسل جاؤں گا"

۱۹ نہ آئی بو جو ذرا تیرے مصحفِ رخ کی ۔۔۔ نسیم پھاڑ گئی آکے ہر ورق گل کا

۲۰ اب تو ذرا سا گاؤں ہے، بیٹی نہ دے اسے ۔۔۔ لگتا تھا ورنہ، چین کا داماد آگرا

۲۱ ہم وہ درخت ہیں کہ جسے دم بدم اجل ۔۔۔ ارّہ ادھر دکھاتی ہے، اُدھر تبر قضا

۲۲ بتوں کی نازبرداری میں بھی تیری عبادت کی ۔۔۔ مری اس بندگی کا اب تو ہی شاہد ہے معبودا

۲۳ عزیزو کیا پڑے سوتے ہو غفلت میں، ذرا جاگو ۔۔۔ جرس فریاد می دارد کہ "بربندید محمل ہا"

۲۴ ہوئی جو رد و بدل رائے کتنی بار نظیر ۔۔۔ تو اُس نے خط کا ہمارے نہ پھر جواب لکھا

۲۵ ہے تاج گنج میں اب تو نظیر کا میلا ۔۔۔ نظیر کیا ہے عجب بے نظیر کا میلا

لے خدا اس کو
اچھی طرح اگائے
[1] بس افسوس
پھر افسوس پھر
افسوس ۱۲ آسی

ردیف باء

(۱۵۲)

دیا جو ساقی نے ساغرِ مے دکھا کے آن اک ہمیں لبالب
اگرچہ میکش تو ہم نئے تھے پہ لب پہ رکھتے ہی پی گئے سب

نہ دے ہمیں آ کے کوئی دھوکا۔ کہ ہے تصور میں وہ تو بیٹھا
کب اس کا یہ قد کب اس کا یہ تن کب اس کا یہ رخ کب اس کا یہ لب

چلے ہیں دینے کو ہم جسے دل وہ ہنس کے بے بس اب ہیں تو
یہی ہے خواہش، یہی تمنا۔ یہی ہے مقصد۔ یہی ہے مطلب

کبھی جو آئے ہیں دیکھنے ہم تو آپ تیوری کو ہیں چڑھاتے
جو ہر دم آویں تو کیجے خفگی میاں ہم آتے ہیں ایسے کب کب

نہ پی تھی ہم نے یہ مے تو جب تک نظیر ہم میں تھا دین و ایماں
لگا لیوں سے وہ جام پھر تو کہاں کا دین اور کہاں کا مذہب

(۱۵۳)

جب کھلے اس معجزہ آرا کے لب — بند ہوئے حضرت عیسیٰ کے لب
عشق میں اس گوہرِ نایاب کے — آج تلک خشک ہیں دریا کے لب
نام سے اس لب کے ہیں لب ریز شہد — خلد کی حوران شکر خا کے لب
لعل بھی ہو رشک سے یاقوتِ زرد — دیکھے اگر اس دُرِ یکتا کے لب
ایک تبسم سے بنے لاد نام — ایسے ہیں اس شاہدِ رعنا کے لب

اس لبِ جاں بخش کے آگے نظیر
کس کو خوش آئیں گے مسیحا کے لب

(۱۵۴)

ہیں گرچہ یاں تو اور بھی محبوب خوب خوب — لیکن اسی کو کہتے ہیں سب خوب خوب خوب
تمام خدا میں کیا لکھوں اس گل کے حسن میں — کیا کیا عیاں ہیں ناز کے اسلوب خوب خوب
فرقت میں اب کے بار تو دلدار نے ہمیں — خوبی سے کیا ہی بھیجے ہیں مکتوب خوب خوب
فضل الٰہی اب تو نظیرؔ اپنی بزم میں — اسباب سب ہیں عشرت مرغوب خوب خوب

ہیں اس طرف تو ساقی و مطرب کرشمہ سنج
اور اس طرف کو بیٹھے ہیں محبوب خوب خوب

(۱۵۵)

ق

یہ جواہر خانۂ دنیا جو ہے با آب و تاب — اہل صورت کا ہے دریا اہل معنی کا سراب
وہ عظیم الشان مکاں دیتی تھیں جنکی رفعتیں — ہنس کے طاق آسماں کو طاق ابرو سے جواب
وہ مطلا قصر وہ رنگیں منقش بام و در — وہ مرصع خوابگاہیں بہر عیش و بہر خواب
صحن میں بستاں سرا ایسے پُر از غلمان و حور — جن کی انہار روشوں میں جائے آب گل خالص گلاب
وہ مُطلّا قصر رنگین و منقش بام و در — جن کی رنگینی سے تھا قصر ارم کو پیچ و تاب
ان میں تھے وہ صاحب ثروت جنہیں کہتے تھے لوگ — کیقباد و قیصر و کیخسرو و افراسیاب
مہر وش، بہرام صولت، بدر قدر و چرخ رخش — مشتری پیکر ثریا بارگہ کیواں جناب
وہ تجمل وہ تموّل وہ تفوق وہ غرور — وہ تحشم وہ تنعم وہ تعیش وہ شباب
ہر طرف فوج بتاں ہر سو ہجوم گل رخاں — جن کے عارض رنج ماہ و رشک روئے آفتاب
چشمک و آن و اشارات و ادا و سرکشی — طنز و تعریض و کنایت غمزہ و ناز و عتاب
صبح سے لے شام تک اور شام سے لے تا صبح — دمبدم رقص و سرود و پے بہ پے جام شراب
ساقی و مطرب ندیم و مستی و مے خوارگی — ساغر و مینا و گل، عطر و مے و نقل و کباب
کثرت اہل نشاط و جوش نوشا نوش سے — از زمیں تا آسماں شور نے و چنگ و رباب

لے نہر کی جمع انہار ہے۔ پھر انہار کو بصورت جمع انہاروں کہنا صحیح نہیں اب اس کے استعمال سے اجتناب ضروری ہے۔ متقدمین کے یہاں اس قسم کے الفاظ لکھے جاتے تھے۔ ۱۱ کے مطلا لفظ فارسی ہے اہل فارس نے بقاعدہ عربی اسکو اسم مفعول کی صورت میں استعمال کیا ہے مگر اس کی صحت میں کلام ہے اگرچہ آج بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ لتب وغیرہ بھی اسی قسم کے لفظ ہیں ۱۲ آسی

وہ بہاریں وہ فضائیں وہ ہوائیں وہ سرور
یا تو وہ ہنگامۂ تنشیط[۱] تھا یا دفعتاً
جو وہ سب جاتے رہے دم میں حباب آسا مگر
تھا جہاں وہ مجمع رنگین وہاں اب ہے تو کیا
ہیں اگر دو خشت باہم تو لب افسوس ہیں
اور جو کوئی طاق ہے تو صورت چشم پر آب

وہ طرب وہ عیش کچھ جس کا نہیں حد و حساب
کر دیا ایسا کچھ اس دور فلک نے انقلاب
رہ گئے عبرت فزا وہ قصر ویران و خراب
نقش سم گور یا کہنہ کوئی پر عقاب

خواب کہیے اس تماشے کو نظیرؔ اب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں واللہ اعلم بالصواب

(۱۵۶)

بحر ہستی میں صحبت احباب
یوں ہے جیسے بروئے آب حباب
گردش آسماں میں ہم کیا ہیں
پر کاہ میانۂ گرداب
بادۂ ناب کیا ہے خون جگر
زردئ رنگ ہے شب مہتاب
جس کو رقص و سرود کہتے ہیں
وہ بھی ہے اک بگولۂ خانہ خراب
عمر کہتے ہیں جس کو وہ کیا ہے
مثل تحریر موج نقش بر آب
جسم کیا روح کی ہے جولانگاہ
روح کیا اک سوار پا بر کاب
حسن اور عشق کیا ہیں یہ بھی ہیں
خطفۂ[۲] برق و قطرۂ سیماب
زندگانی و مرگ بھی کیا ہیں
ایک مثل خیال و دیگر خواب
فرصت عمر قطرۂ شبنم
وصل محبوب گوہر نایاب
کیوں نہ عشرت دو چند ہو جو ملے
یار مہ چہرہ اور شب مہتاب

سب کتابوں کے کھل گئے معنی
جب سے دیکھی نظیرؔ دل کی کتاب

۱ تنشیط: نشاط، خوشی ۲ خطفہ: بجلی کی چمک آنی

(۱۵۷)

رات کھینچا جو اُس نے رُخ سے نقاب
چھٹ گئی روئے ماہ پر مہتاب

اس حنا بستہ دست کو پہونچے
پنجۂ آفتاب میں کیا تاب

ق

اس کو توسن پہ کل جو ہم نے نظیرؔ
آتے دیکھا ادھر شتاب شتاب

چوم لی باگ اس طرح پہلے
جی میں خوش ہو گیا دل بیتاب

دل سے پھر چشم دامن زین سے
جھاڑی پلکوں سے گرد رکاب

(۱۵۸)

تمہارے ہاتھ سے کل ہم بھی رو لیے صاحب
جگر کے داغ جو دھونے تھے دھو لیے صاحب

ق

کل اس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش
کہ اب تو آپ بھی ٹک لب کو کھولیے صاحب

یہ سن کے میں نے نظیرؔ اس سے یوں کہا ہنس کر
جو کوئی بولے تو البتہ بولیے صاحب

لہ جناب [illegible]
لہ پہنچے یعنی ان کا
سا رتبہ حاصل کرے
عبدالباری آسی

(۱۵۹)

خوباں میں اس طرح ہے وہ دلخواہ سب سے خوب
جوں وقت شب ستاروں میں ہو ماہ سب سے خوب

محبوب کا جو وصل تصور میں ہو تو پھر
مشتاق وصل کو ہے یہی راہ سب سے خوب

دل جس کو چاہتا ہے وہی جانے چاہ کو
اپنی تو فہم میں ہے وہی چاہ سب سے خوب

کیسا ہی وہ بُرا ہو پہ لگ جائے جس سے دل
لگتا ہے جی کو پھر وہی واللہ سب سے خوب

خوبی میں خوبرو تو سبھی خوب ہیں نظیرؔ
پر خوب غورؒ کی تو ہے اللہ سب سے خوب

(۱۶۰)

ہوا جو اُس کا وہ کوچہ چمن سرشت نصیب
پہ کم نصیب ہوے ہم کہ بعد مرگ نظیرؔ

خدا نے ہم کو اسی جا کیا بہشت نصیب
ہوئی مزار کو اپنے، نہ ایک خشت نصیب

(۱۶۱)

دل سا دُرِ یتیم بکا کوڑیوں کے مول
بازار یوسفی نے نہ دیکھی تھیں خواب میں

کیا کیجیے، خیر، یہ بھی خریدار کے نصیب
جو گرمیاں ہوئیں ترے بازار کے نصیب

(۱۶۲)

میں ہوں اور مہرو ہے اور ساقی ہے اور بزم شراب
ثروت و مال و منال و حشمت و جاہ و جلال

پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
کوئی اسکو کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں یہ خواب

(۱۶۳)

کچھ اسے شرم کچھ ہے ہم کو حجاب
کیوں نہ عشرت دوچند ہو جو ملے

ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب
یار مہ چہرہ اور شب مہتاب

متفرقات ردیف (ب)

ساغر کے لب سے پوچھیے اُس لب کی لذتیں
۲۶ کس واسطے کہ خوب سمجھتا ہے لب کی لب

ہو حسن اثر کیوں نہ مری آہ میں، یا رب؟
۲۷ سب کچھ ہے مُہیا تری درگاہ میں، یا رب

گزرے دو دم نہ خوشی سے کبھی اے وائے نصیب
۲۸ تھی عجب کلک وہ جس سے مرے لکھوائے نصیب

بقولِ حضرت صائب، ہزار حیف، نظیرؔ
۲۹ کہ در بہار ندارم بکف بہائے شراب

ایک نظر گر تجھے دیکھیں، تو شادی سے پھر
۳۰ مہ کو لگیں چار چاند، مہر کو چار آفتاب

سلہ غور بہ تذکیر و بہ تانیث دونوں طرح صحیح ہے ۱۲ عبدالباری آسی

ردیف بائے فارسی (پ)

(۱۴۴)

ہے جو اس محبوب کے انگشتری در دست چپ
رکھتی ہے کیا کیا نزاکت پروری در دست چپ

جس کماں کو کھینچتا ہے وہ بت ابرو کماں
اسکے قبضے میں ہے سوزنیت وری در دست چپ

لکھ جو لکھتا ہے قلم سے کر تو پھر کیا کیا رقم
کرتے ہیں قرطاس پر زیب آوری در دست چپ

کل تو دائیں ہاتھ میں تسبیح رکھتا تھا نظیر ق
اور مصلے کی عنایت گستری در دست چپ

آج صہبا کی گلابی اس کے ہے در دست راست
اور چھلکتی مے کی اک پیالی بھری در دست چپ

(۱۴۵)

کیونکر رہے نہ آہ وہ اُلفت پذیر چپ
سحر نگاہ کا جسے کر دیوے تیر چپ

بوسہ جو مانگتے ہیں تو منھ پر طمانچہ مار
کرتا ہے شوخ ہم کو سمجھ کر حقیر چپ

کاکل میں ہم نے پھنس کے جو شکوہ کیا ذرا
بولی وہ چشم اس کی وہیں "اے اسیر چپ"

دیکھ اس نے ہم کو چیں بجبیں ہو کے یوں کہا ق
دیکھے ہے سب طرح ہمیں ہو کر یہ پیر چپ

چاہا کہیں کہ پیر کے کیا دل نہیں میاں
تیوری کو اس کی دیکھ رہے ہم نظیر چپ

(۱۴۶)

کب غیر نے یہ ستم سہے چپ
ایسے تھے ہمیں جو ہو رہے چپ

شکوہ تو کریں ہم اس سے اکثر
پر کیا کریں دل ہی جب کہے چپ

سن شور گلی میں اپنی ہر دم
بولا کبھی تم نہ یاں رہے چپ

جب ہم نے کہا نظیر اس سے ق
ہم رہنے کے یاں نہیں گے چپ

سوچو تو کبھی چمن میں اے جاں
بلبل نے کیے ہیں چہچہے چپ

(١٦٧)

دل کو لیکر ہم سے اب جاں بھی طلب کرتے ہیں آپ
لیجیے حاضر ہے پر یہ تو غضب کرتے ہیں آپ

مورد تقصیر گر ہوتے تو لازم تھی سزا
یہ جفا پھر کیجئے ہم پر کس سبب کرتے ہیں آپ

کرتے ہو ابرو سے کشتہ رخ سے دیتے ہو جلا
حسن میں اعجاز کیا کیا روز و شب کرتے ہیں آپ

قیس سے جو تھا کیا در پردہ لیلا نے سلوک
سو وہی اے مہرباں ہم سے بھی اب کرتے ہیں آپ

بیکلی ہوتی ہے حسرت سے دل صد چاک کو
اپنی زلفِ عنبریں کو شانہ جب کرتے ہیں آپ

ق
ہم نے پوچھا پھر بھی اسکی جاں پھری سب جسم میں
نزع میں دوری سے جس کو جاں بلب کرتے ہیں آپ

سنکے فرمایا نظیر اپنی دعائے لطف سے
یہ بھی ہو سکتا ہے کیا اس کا عجب کرتے ہیں آپ

ردیف تاء فوقانی (ت)

(١٦٨)

کسی نے رات کہا اس کی دیکھ کر صورت
کہ میں غلام ہوں اس شکل کا بہر صورت

ہیں آئنے کے بھی کیا طالع اب سکندر واہ
کہ اس نگار کی دیکھے ہے ہر سحر صورت

ق

عجب بہار ہوئی کل تو وقت نظارہ
جو میں ادھر کو ہوا اُس بت کی اُدھر صورت

اُدھر کو جب میں گیا اُس نے لی ادھر کو پھیر
پھرا میں اُس نے پھرائی جدھر جدھر صورت

ہزاروں پھرتیاں میں نے تو کیں پر اے نظیر
نہ دیکھنے دی مجھے اپنی آنکھ بھر صورت

(١٦٩)

دل ہے یوں پہلو میں یادِ بتِ گلفام سمیت
جیسے رہتا ہے انگوٹھی میں نگیں نام سمیت

کھل گئی مکھڑے پہ جب کاکلِ مشکیں اس کی
آئی اس وقت نظر ہم کو سحر شام سمیت

جب گیا باغ میں وہ غنچہ دہن مے گوں چشم
آگیا رشک میں پستہ، گل بادام سمیت

دیکھی ساقی کے حنا پنجہ نہ رشک میں جب
بوسۂ دست لیا ہم نے لبِ جام سمیت

خوش ہوا دیکھ کے کیا کیا چمنستاں کو نظیر
جب وہ گلشن میں گیا اپنے گل اندام سمیت

(١٧٠)

کھل گیا رخسار اس کا جب گھڑی کاکل سمیت
حسن کے گلشن کا دیکھا ہم نے گل سنبل سمیت

ہم کو دیکھا باغ میں اس نازنیں کے ساتھ جب
ہو گئی محوِ نگاہ رشک بلبل گل سمیت

بزم میں اس کی بہارِ چشمِ مے گوں دیکھ کر
کیا کہوں کیا کیا ہوا مدہوش ساقی مل سمیت

اُس کے بازو کی لچک سے لگ کے یوں مٹتا ہے دل
جس کی جنبش پر فدا ہو شاخِ گل بلبل سمیت

خوش ہوا دل میں و لے ناخوش وہ ظاہر میں نظیر
آگیا اس کی نظر جب ہاتھ میرا گل سمیت

(١٧١)

کیا نام خدا اپنی بھی رسوائی ہے کمبخت
رسوائی مجنوں بھی تماشائی ہے کمبخت

اڑنے کو لڑے اُس سے پراب کرتے ہیں افسوس
افسوس عجب اپنی بھی دانائی ہے کمبخت

اک بات بھی مل کر نہ کریں اُس سے ہم اے چرخ
کیا تجھ کو یہی بات پسند آئی ہے کمبخت

ہمدم تو یہی کہتے ہیں چل بزم میں اُس کی
کیا کہیے اُسے اپنی جو خود رائی ہے کمبخت

وہ تو نہیں واقف پہ ہمیں دل میں خجل ہیں
کس منہ سے کہیں ہم نے قسم کھائی ہے کمبخت

یارو ہمیں تکلیف نہ دو سیر چمن کی ۱؎
آنے دو بلا سے جو بہار آئی ہے کمبخت

رہنے دو ہمیں کنج قفس میں کہ ہمارے
قسمت میں یہی گوشۂ تنہائی ہے کمبخت

اس جام نگوں سے مئے راحت نہ طلب کر
یاں بادہ نہیں بادیہ پیمائی ہے کمبخت

توڑے ہیں بہت شیشۂ دل جس نے نظیر آہ
پھر چرخ وہی گنبد مینائی ہے کمبخت

(۱۷۲)

قسمت میں گر ہماری یہ مے ہے تو ساقیا
بے اختیار، آپ سے شیشہ کرے گا جست

کچھ ہم کو امتیاز نہیں صاف و دُرد کا
اے ساقیانِ بزم، بیارید ہرچہ ہست

متفرقات ردیف (ت)

فرد

تری قدرت کی قدرت، کون پا سکتا ہے کیا قدرت
ترے آگے کوئی قادر کب آسکتا ہے، کیا قدرت

ردیف تائے ہندی (ٹ)

(۱۷۳)

گلے سے دل کے رہی یوں ہے زلف یار لپٹ
کہ جوں سپیرے کی گردن میں جائے مار لپٹ

مزے اٹھاتے کمر بند کی طرح سے اگر
کمر سے یار کی جاتے ہم ایک بار لپٹ

۱؎ غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا غالب
۲؎ آسماں جام نگوں حال کرے عشرت تھی بہت جتنی بچے باقی ساغر نشاں [illegible] ابھی بہت آتی

ق

ہمارے پاس وہ آیا تو کھول کر آغوش — یہ چاہا جاویں ہم اُس سے بہ انکسار لپٹ
وہیں وہ دور سرک کر عتاب سے بولا — ہمارے ساتھ نہ ہو کر تو بیقرار لپٹ

ہمیں جو چاہیں تو لپٹیں نظیرؔ اب ورنہ
تو چاہے لپٹے سو ممکن نہیں ہزار لپٹ

(۱۷۴)

نگہ لڑانے کے آگے اسکی ہے ناز کرتی بڑی لگاوٹ
حنا دکھانے کے سامنے بھی ہے دست بستہ کھڑی لگاوٹ

دکھا کے ہمیں کو جبیں کے اوپر اسے تو کچھ حسن ہے دکھاتا
جو سادہ دل ہو تو سمجھے خفگی اور اس کی ہو وہ بڑی لگاوٹ

چھڑی اٹھاتا ہے جب وہ گل کی تو ہے کچھ اس میں بھی گل کھلاتا
لگا دے تن پر وہ جس کے ہنس کر تو وہ چھڑی ہو چھڑی لگاوٹ

خفا ہو جس سے تو وہ یہ جانے کہ مجھ سے روٹھا ہیں اب ولیکن
پھنسا وہ پھندے میں مدتوں کو جہاں تک اسکی لڑی لگاوٹ

نظیرؔ دل کو بچا دے یار دکیاس صنم سے کہ جس میں ہو وے
گھڑی مچلنا۔ گھڑی چٹکنا۔ گھڑی جھجکنا گھڑی لگاوٹ

(۱۷۵)

صورت کبھی دکھلائی تو اس میں بھی لگاوٹ — باتوں کی جو ٹھہرائی تو اس میں بھی لگاوٹ
آتے نہیں اوّل تو کبھی، اور کہیں شاید — تشریف جو فرمائی تو اس میں بھی لگاوٹ
جس بات میں کچھ رمز تھی اور ہم جو نہ سمجھے — وہ ہم کو جو سمجھائی تو اس میں بھی لگاوٹ
بوسے کا جو اقرار کیا وہ بھی فقط چھل — اور ہنس کے قسم کھائی تو اس میں بھی لگاوٹ
ہنسنے میں نظیرؔ اس کے لگاوٹ تو ہے لیکن — ابرو میں جو چیں آئی تو اس میں بھی لگاوٹ

ردیف ثاء مثلثہ (ث)

(۱۷۶)

بتوں کی چاہ نہیں ہم کو دل پذیر عبث — ہم ان کی زلف میں ہوتے نہیں اسیر عبث
کتاں جو عشق کے باعث سے ٹکڑے ہوتا ہے — اگرچہ اس سے کرے ہمسری حریر[۱] عبث
وہ ہم کو چھوڑ کے ہے اور لوگ ہنس کے کہتے ہیں — کرے ہے چاہ بڑھاپے میں دیکھو پیر عبث
جھکے تھے بوسے کو لینے نپائے جب ہیہات — ہم اس کی نظروں میں اے دل ہوئے حقیر عبث

وہ پوچھتا بھی نہیں اور نہ منہ لگاتا ہے
لپٹتے پھرتے ہو اس سے میاں نظیر عبث

(۱۷۷)

دے کے دل بے مہر کو کرنا گلا یہ بھی عبث — اور جو کہیے اس سے مت کر تو جفا یہ بھی عبث
دام میں پھنس کر غلط فہمی ہے کہنا چھوڑ دو — پھر جو یہ کہیے نہ کیجے اب رہا یہ بھی عبث
ہوں جو بے درد ان سے کیا رکھیے توقع لطف کی — کچھ اگر کہیے تو پھر ہوتا ہے کیا یہ بھی عبث
سن کے خواہش بوسہ و دشنام کی بولا وہ شوخ — یہ تمنا بھی ہے بے جا مدعا یہ بھی عبث

جب نہ ہو دشنام کے دینے کے لائق تو نظیر
پھر جو بوسے کے لیے تو نے کہا یہ بھی عبث

ردیف جیم (ج)

(۱۷۸)

کرنے لگا دل طلب جب وہ بت خوش مزاج — ہم نے کہا جان کل اس نے کہا ہنس کے آج
زلف نے اس کی دیا کاکل سنبل کو رشک — چشم سیہ نے لیا چشم سے آہو کے باج[۲]

[۱] حریر۔ ایک ریشمی کپڑا۔
[۲] باج۔ خراج، محصول، ٹیکس

اس کی وہ بیمار چشم دیکھ رہا تو، جو دل
رہ تو سہی میں ترا کرتا ہوں کیسا علاج

کام پڑا اُن کو جاہ سے جس دن ہمیں
چھٹ گئے اس روز سے اور جو تھے کام کاج

دل تو نہ دیتے ہم آہ سے گئی لیکن نظیر
اس کی جبیں کی حیا اور وہ آنکھوں کی لاج

(۱۷۹)

اس کے تشریف جو لانے کی خبر پائی آج
دل نے کی پھر ہوس انجمن آرائی آج

کیوں نہ جوں جام ہنسیں ہم کہ بہت مدت میں
اپنے دلخواہ پھرا گنبد مینائی آج

ہو گئی باغ میں عطریت سنبل برباد
نکہت اس زلف کی لے کر جو صبا آئی آج

اس کے کوچے کی طرف جاتے ہیں ہم نے ہمدم
ق امتحان کو جو ذرا دیر کی ٹھہرائی آج

شام نزدیک جب آئی تو کہا اس نے نظیر
کیا سبب ہے نہیں آیا جو وہ سودائی آج

ردیف جیم فارسی (چ)

(۱۸۰)

بتوں کی کاکلوں کے دیکھ کر پیچ
پڑے ہیں دل پہ کیا کیا پیچ پر پیچ

طریقِ عشق بے رہبر نہ ہو طے
کہ ہے یہ رہ نہایت پیچ در پیچ

نہ ہووے دل کی تکل[1] کٹ کے برباد
اگر ڈالے نہ وہ تارِ نظر پیچ

وہ زلف اُس کی جو ہے پُر پیچ و پُر خم
کمندِ جاں ہے اے دل اسکا ہر پیچ

نظیر اک روز اپنے زخم سر کو
ق جو باندھا ہم نے دے کر بیشتر پیچ

نظر کرتے ہی اس سرکش نے اک بار
کہا کر کے سخن کا مختصر پیچ

دعا دیجے ہماری تیغ کو آج
کہ جس نے آپ کو بخشا یہ سر پیچ[2]

[1] تکل۔ ایک قسم کا پتنگ جس میں دو کانپیں جڑتی ہیں ۱۲ [illegible]
[2] [illegible]

(۱۸۱)

اس کے بالا ہے اب وہ کان کے بیچ — جس کی کھبتی ہے جھوک[لے] جان کے بیچ

دل کو اس کی ہوا نے آن[شہ] کے بیچ — کر دیا باؤلا اک آن کے بیچ

ق

آتے اس کو ادھر سُنا جس دم — آ گئی انبساط جان کے بیچ

راہ دیکھی بہت نظیرؔ اس کی — جب نہ آیا وہ اس مکان کے بیچ

پان بھی پانداں میں بند رہے
عطر بھی قید عطردان کے بیچ[عظ]

(۱۸۲)

کی تم نے جفا ہم نے وفا جھوٹ ہے یا سچ — سوچو تو اسے دل میں ذرا جھوٹ ہے یا سچ

غصہ بھی کیا دُکھ بھی دیے تم نے ولیکن — چپ ہو رہے ہم سر کو جھکا جھوٹ ہے یا سچ

تم ہم سے کئی بار خفا ہو گئے اے جان — پر ہم نہ ہوئے تم سے خفا جھوٹ ہے یا سچ

جو تم نے کہا اس کے بجا لانے میں ہم نے — اک لحظہ توقف نہ کیا جھوٹ ہے یا سچ

سن کر یہ نظیرؔ اس نے کہا ہنس کے بصد ناز
جانے اسے اب میری بلا جھوٹ ہے یا سچ

نظیرؔ یار سے کیوں درد دل نہیں کہتا؟ — ۳۳ — سُنا نہیں ہے وہ تو نے کہ "سانچ کو کیا آنچ"؟

ردیف حاءِ حطی (ح)

(۱۸۳)

کچھ ایسی ہے کوئے یار کی صُبح — ہو جس سے خجل بہار کی صُبح

مکھڑا جو کھلا سحر کو اس کا — گردوں نے وہیں نثار کی صُبح

کی زلفِ سیہ نے منفعل شام — رخسار نے شرمسار کی صُبح

لے جھوک - لرزش، ٹیک - ریلا جیسے گی دھکا ... شہ آن یعنی ساعت۔ عظ - دونوں مصرعوں میں آیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ تحریف کاتب ہو۔ مگر مطابق اصل لکھ دیا گیا۔ ورنہ یہ ایطائے جلی کی بدترین مثال ہے ۳۲ آسی

ق

رہتا ہے جہاں وہ یار ہم کو
بھاتی ہے اُسی دیار کی صبح

اُس گل نے سنی جو بے قراری
میرے دلِ بیقرار کی صبح

فرمایا کریں گے ہم تسلی
اس خستۂ دل فگار کی صبح

(۱۸۴)

تھی چھوٹی اس کے مکھڑے پر کل زلف مسلسل اور طرح
پھر دیکھا آج تو اس گل کے تھے کاکل کے بل اور طرح

وہ دیکھ جھڑکتا ہے ہم کو، گر غصہ ہر دم اور رہیں
بے چین اسی کے ملنے سے زنہار نہیں کل اور طرح

معلوم نہیں کیا بات کہی غمّاز نے اس سے جو ہم سے
تھیں پہلی باتیں اور نمط اب بولے ہے چنچل اور طرح

دل مجھ سے اس کے ملنے کو کہتا ہے تو اس کے پاس بھجے
جب سے پہونچا تھا بھیس بدل پھر اب کے سے چل اور طرح

ہے کتنے دنوں سے عشق نظیرؔ اس یار کا ہم کو جس کی ہیں
صبح اور برن شام اور بھبن آج اور دوش کل اور طرح

(۱۸۵)

ق

آرسی نے ایسی دیکھی حسن میں کس کی طرح
جو کھلی ہی رہ گئی آنکھ اس کی نرگس کی طرح

محفل خوباں میں آیا جس گھڑی وہ مہ جبیں
ہو گئی وہ انجمن انجم کی مجلس کی طرح

دیکھ کر حیرت زدہ محبوب نے مجھ سے کہا
دے نشاں اس کا تو اب حیرت میں آئینے کی طرح

جب نہ میں کچھ کہہ سکا تب ہنس کے اُس نے ناز سے
رکھ کے آئینے پہ انگلی یوں کہا اس کی طرح

جس کو کہتے ہیں نگاہ لطفِ خوباں اے نظیرؔ
ہے وہ مثلِ کیمیا ہم منتظر مس کی طرح

ردیف خائے معجمہ (خ)

(۱۸۶)

جب مجھ سے پھیرتا ہے وہ کرکے عتاب رُخ
ہوتا ہے آنسوؤں سے مرا غرق آب رخ

غش سے نہ آوے ہوش میں مجبور ناتواں
چھڑکے اگر نہ لطف سے اس کا گلاب رخ

پھرتے ہیں اُس جبیں کی تمنّا میں مہ جبیں
اور رُخ کے منتظر ہیں کئی آفتاب رخ

ناخن سے میرے رخ کو جو کرتا نہ ہو فگار
تو آکے مجھ کو یار دکھا دے شتاب رخ

تابش سے جس کے چہرے کی خورشید ہو خجل
پھر مہ کب اُس کا دیکھ سکے بے نقاب رخ

جس شخص منتخب ہے یہ پوچھیں ہیں جا کے ہم
دیوان حسن میں ہے وہ کیسا کتاب رخ

کہتا ہے وہ کہ جتنے پری رو ہیں اے نظیر
سب میں اُسی کا ہم نے کیا انتخاب رخ

(۱۸۷)

چھپاتا ہے جو ہم سے وہ صنم رخ
دکھاتا ہے ہمیں کیا کیا الم رخ

نہیں دم لینے دیتی بے قراری
نہ دیکھیں ہم جو اس کا ایک دم رخ

ق
نظر آتی ہے کیا کیا شکل فرحت
ٹک اس کا دیکھ لیتے ہیں جو ہم رخ

نظیر اس دلربا کا حسن ہے وہ
پری جس کے نہیں ہو سکتی ہم[1] رخ

قمر ہر شام تکتا ہے جبیں کو
سحر دیکھے ہے مہر صبحدم رخ

(۱۸۸)

ق
ہم تو ہو جائیں اس سے اب گستاخ
ہونے دے گا مگر وہ کب گستاخ

ایک شب ہم نے بے قراری سے
چھو لی زلف اس کی ہو کے جب گستاخ

[1] یعنی پری کا رُخ ویسا نہیں ہو سکتا آتی

لا کے ابرو پہ چیں کہا اُس نے — نکلے تم تو کوئی عجب گستاخ
ہم تو اس کی بہت سزا دیں گے — کس لیے تم ہوئے بے ادب گستاخ

آج تو زلف چھو لی تم نے نظیر
کل یوں ہی چوم لو گے لب گستاخ

ردیف دال مہملہ (د)

(۱۸۹)

مرہم ہو کس طرح سے دل افگار کو پسند — آئی ہے کب شفا دل بیمار کو پسند
دل جنس طرفہ اپنی تو ہے فہم میں مگر — جب جانیے کہ آوے خریدار کو پسند
تھے ہم تو خود پسند بہت لیکن عشق میں — اب ہے وہی پسند جو ہو یار کو پسند
کل سے ہمارے پہلو میں فریاد دل نہیں — کیا جانے آگیا وہ کس عیار کو پسند
آزادگی میں عیش ہیں لاکھوں پر آوے کب — اُس زلفِ پر شکن کے گرفتار کو پسند
کیونکر نہ ٹکڑے ٹکڑے ہو دل اُس کا جو کرے — سو جان سے تیغ ابروئے خمدار کو پسند
کوچے میں دلبروں کے دل ناتواں کو ہم — جب لے گئے کہ ہو کسی دلدار کو پسند
واں جس نے دیکھا اُس نے کہا ہنس کے او میاں — کرتا ہے کون ایسے دل زار کو پسند

ناچار پھیر لائے اُسے[۱] ہم کہ وہ نظیر
آیا نہ مہر ورز نہ ستمگار کو پسند

(۱۹۰)

جب ہم کو اس کی زلف کے آئے پسند بند — ایسے پھنسے کہ جس سے بندھے دل کے بند بند
کرنے فریب روز جو آتے ہو تم میاں — ہم کو بھی کتنے یاد ہیں اس ڈھب کے چھند[۲] بند
گردن کب اُس کی کاکل پر پیچ سے چھٹے — بندش میں[۳] حلقہ حلقہ ہے جس کا کمند بند

۱؎ مقصود - یعنی ۱۲
۲؎ چھند بند - مکر و فریب ۱۲
۳؎ یعنی جس کے ایک ایک حلقے میں کمند کے بند کا اثر ہے ۱۲ آسی۔

ہوتے ہی قید چاہ میں تڑپا دل اس طرح
پھڑکے ہے جیسے دام میں ہو کر پرند بند

آیا جو وہ تو اس سے نظیر اس طرح ملا
نیمے[1] کے جس میں ٹوٹ گئے اس کے چند بند

(۱۹۱)

در پے ہیں دل اپنے کے ادھر عشوہ گرے چند
خواہندۂ یک جاں ہیں ادھر موکمرے چند

کیا کیا نگس ہوش کے باندھیں ہیں پر و بال
کر کر کے شکر خند ، بہم لب شکرے چند

ایک دن یہ ہوا عزم کہ با صد طرب و عیش
گلشن میں بسر کیجیے شام و سحرے چند

ق

جب گھر سے چلا میں تو ملے راہ میں اک جا
حیرت زدہ و خستہ و خونیں جگرے چند

دیکھا جو مجھے سوئے چمن گرم تگ و پو
یوں لب سے کیے پند کے افشاں گہرے چند

اے یار تو جاتا ہے چمن میں تو خبر دار
جلدی ہی نکل آئیو کر کے نظرے چند

واں آج تو البتہ مہیا ہیں بہر سو
داؤدی و نسرین و گل و برگ دبے چند

گل برگ خزاں دیدہ نظیر اس میں اڑیں گے
اور ہوں گے پڑے بلبل و قمری کے پرے چند

(۱۹۲)

چھوٹا، بڑا، نہ کم، نہ منجھولا ازار بند
ہے اُس پری کا سب سے امولا[2] ازار بند

ہر اک قدم پہ شوخ کے زانو کے درمیان
کھاتا ہے کس جھلک سے جھکولا ازار بند

گوٹا، کناری، بادلہ، مقیش کے سوا
تھے چار تولے موتی، جو تولا ازار بند

ہنسنے میں ہاتھ میرا کہیں لگ گیا تو وہ
لونڈی سے بولی "جا مرا دھو لا ازار بند"

"اور دھو نہیں، تو پھینک دے، ناپاک ہوگیا
وہ دوسرا جو ہے، سو پرو لا ازار بند"

اک دن کہا یہ میں نے کہ "اے جان! آپ کا
ہم نے کبھو مزے میں نہ ...... ازار بند"

سُن کر لگی یہ کہنے کہ "اے واہ چھڑے، چہ خوش!
ایسا بھی کیا میں رکھتی ہوا، پھونا ازار بند"

[1] نیمہ ایک قسم کا اونچا جامہ ۔ یا ادھی صدری ہے ۱۲
[2] امولا ۔ بے قیمت بیش بہا ۔ آستی

آجاوے اس طرح سے جواب ہر کسی کے ہاتھ
دیبا تو کچھ نہیں مرا بھولا ازار بند

اک رات میرے ساتھ وہ عیار، مکرباز
لیٹی، چھپا کے اپنا ممولا ازار بند

جب سوگئی تو میں نے بھی دہشت سے اسکی آہ
پہلے تو چپکے چپکے ٹٹولا ازار بند

آخر بڑی تلاش سے اُس شوخ کا نظیر
جب آدھی رات گزری تو..... ازار بند

(۱۹۳)

تو ہی نہ سنے جب دل ناشاد کی فریاد
پھر کس سے کریں ہم تری بیداد کی فریاد

تیشے کی وہ کھٹ کھٹ کا نہ تھا غلغلہ یارو
کی غور تو وہ تھی دل فرہاد کی فریاد

کل رات کو اس شوخ کی جاکر پس دیوار
اک درد فراہم نے جو بنیاد کی فریاد

سنتے ہی کہا اس نے کہ ہاں دیکھو تو اس جا
کس نے یہ نکلتی ہوئی ایجاد کی فریاد

فریاد نظیر آگے ہی اس کے ہے بہت خوب
واں دیکھنے کا دیکھنا فریاد کی فریاد

ردیف ذال معجمہ (ذ)

(۱۹۴)

دیا ہمارا اُسے نامہ بر نے جب کاغذ[ل]
تو بولا طیش میں آکر پھر آیا اب کاغذ

ابھی تو دیر نہ گزری تھی ایک ساعت کی
وہ سمجھا کیا ہے جو بھیجے ہے جب تب کاغذ

جنوں ہوا اُسے یا خبط جس میں لکھ کر ہوش
گھڑی گھڑی جو وہ لکھتا ہے بے سبب کاغذ

رقم کرے ہے اگر وہ جواب خط ہم کو
تو کوئی پوچھے اُسے ہم نے بھیجا کب کاغذ

کبھی نہ ہم نے لکھا اُس کو یہ کہ تو یاں آ
کبھی نہ اس سے کیا بھول کر طلب کاغذ

بغیر لکھنے کے اوپر یہ کچھ قیامت ہے
کہ پے بہ پے چلے آتے ہیں روز و شب کاغذ

ل کاغذ یعنی خط
نامہ ۱۲ سلہ
جب نہ تب
گاہ بیگاہ ۱۲
آسی

غرض یہ آکے کہا ہم سے نامہ بر نے نظیر
کہ تم بھی زور ہو اور لکھتے ہو عجب کاغذ

(۱۹۵)

جو پادیں دست بت دلستان کا تعویذ
تو ہم بنا دیں اسے اپنی جان کا تعویذ
یقیں ہو جس کے اثر کا وہ نقش دل کا ہے
قلم سے لکھیے تو ہے وہ کمان کا تعویذ
جنونِ عشق میں تاثیر کی یہ بو، لادے
بخط مشک ہو یا زعفران کا تعویذ
کلائی ہم نے جو پکڑی پچک گیا۔ ہمدم
وہ اس کے دست نزاکت نشان کا تعویذ

نہ اُٹھتا پہونچے سے بھاری اسی سبب سے نظیر
بنا تھا بھاپ سے وہ عطردان کا تعویذ

(۱۹۶)

ہو کچھ آسیب تو واں چاہیے گنڈا تعویذ
اور جو ہو عشق کا سایہ تو کرے کیا تعویذ
دل کو جس وقت یہ جن آن کے پٹنا پھر تو
کیا کریں واں وہ جو لکھتے ہیں فلیتا تعویذ
ہم تو جب ہوش میں آویں جو کہیں سے پاویں
یار کے ہاتھ کا بازو کا گلے کا تعویذ
زور تعویذ کا چلتا تو عرب میں یارو
کیا کوئی ایک بھی مجنوں کو نہ دیتا تعویذ
کوہکن کوہ کو کس واسطے کاٹا کرتا
دیتے غم خوار نہ کیا اس کے تئیں لا تعویذ
آخر اس کے بھی گیا دل کا دھڑکنا اس روز
قبر کا تیشے نے جب اس کے تراشا تعویذ

ہم کو بھی کتنے ہی لوگوں نے دیے آہ نظیر
پر کسی کا کوئی کچھ کام نہ آیا تعویذ

مطلع

عشق کا دُور کرے دل سے جو دھڑکا تعویذ ۳۴
اس دھڑکے[۱] کا کوئی ہم نے نہ دیکھا تعویذ

[۱] دھڑکے کا تعویذ یعنی زور کا تعویذ ۔ ۱۲ امنی

ردیف رائے مہملہ (ر)

(۱۹۷)

رہا ہے غم سے یوں آنکھوں میں آبِ رغوانی بھر
کہ جوں ساغر میں دے ساقی شرابِ رغوانی بھر

گلِ عارض شگفتہ صبحدم دیکھ اس کا خجلت سے
گیا پانی سحر کا آفتابِ رغوانی بھر

بھری ہے کاسۂ سر میں وہی اپنے ہوا ساقی
کہ جس سے ہے رہا ہے کا حبابِ رغوانی بھر

گلوں سے اشک کے اس دیدۂ خونبار نے یارو
دیا اک دم میں دامانِ سحابِ رغوانی بھر

نظیر اس گل نے بنوائے جو تھے اوراق گلگوں کے
گئی شعروں سے وہ تیرے کتابِ رغوانی بھر

(۱۹۸)

ایک دن اس مہر خوبی کے حضور
بیٹھ کر ہم نے کہا اے رشکِ حور

ہم کریں عجز و نیاز و انکسار
تم کرو جور و جفا ناز و غرور

کچھ سبب اس کا بتا جو اس گھڑی
یہ تعجب ہو ہمارے دل سے دور

حسن کے فرمایا کہ گل نے باغ میں
کب لیا بلبل کے دل کو کرکے زور

شمع نے بھی کب کہا پروانے کو
یہ کہ تو جل مجھ پہ ہو کر ناصبور

ق

بلبل و پروانہ جب آپ ہی کریں
اس میں گل اور شمع کا پھر کیا قصور

عشق میں بوڑھے ہوئے تم بھی نظیر
اب تلک تم میں نہ آیا کچھ شعور

(۱۹۹)

کس طرح مل جائیے اس اچپلے سے دوڑ کر
ڈر کے چلتا ہے جو اپنے دل چلے سے دوڑ کر

گھر سے جب آیا وہ اوپر دیکھنے کو اس کے میں
اُٹھ چلا دیوار کے سایے تلے سے دوڑ کر

ﻠﮧ آب ارغوانی
مراد سرخ پانی
خون کے آنسو
ﻠﮧ پانی بھرنا
عاجز ہونا ۱۲
ﻠﮧ زور مکر و
فریب - حیلہ
بہانہ ۱۲ ﻠﮧ
اچپلا - چلبلا ۱۲
آسی

عید کے دن بھی نہیں ملتے سمجھ ہم کو بُرا
ہاں میاں سچ ہے کہ ملتے ہیں بھلے سے دوڑ کر

شام تک بھی وہ نہ نکلا گھر سے اپنے ہمنشیں
کیا ہوا جو ہم گئے تھے دن ڈھلے سے دوڑ کر

آج اس کی فہم میں کیا جانے کیا آیا نظیر
جو ہمارے لگ گیا چنچل گلے سے دوڑ کر

(۲۰۰)

بسمل کے گلے کی نہیں تدبیر کوئی اور
جز یہ کہ لگا جائیے شمشیر کوئی اور

یوں چھوڑ کے زخمی جو ہیں جاتے ہو تم آہ
کیا ترکش مژگاں میں نہیں تیر کوئی اور

اس لطف سے جز موئے قلم مانیٔ تقدیر
کیا تاب جو کھینچے تری تصویر کوئی اور

بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتے تو غضب تھا
صد شکر کہ ہے کاتب تقدیر کوئی اور

غنچہ بھی تری تنگدلی دیکھ نظیر آہ
کہتا ہے کہ ایسا نہیں دلگیر کوئی اور

(۲۰۱)

یوں آئینے میں عارض تر آئے ہے نظر
پانی میں جیسے عکس قمر آئے ہے نظر

حسن صفا سے اس رخ آئینہ رشک پر
ٹھہرے ہے کب نظر وہ اگر آئے ہے نظر

کاری وہ زخم سینہ مرا ہے کہ جھانک کر
دیکھے اگر کوئی تو جگر آئے ہے نظر

رہنے کو اپنے ہم نے جو سوچا تو ہمنشیں
دونوں جہاں میں اس کا ہی در آئے ہے نظر

بھولے ہم اس کے کوچے کو جنت میں کب نظیر!
اپنا ہزار کوس سے گھر آئے ہے نظر

(۲۰۲)

ہرگز نہ پلائے مجھے تو آنکھ بدل کر
ساقی ترے کوچے سے نہ جاؤں گا سنبھل کر

میں کشتۂ ابرو ہوں ترا اے مرے قاتل،
آتے ہوئے ہاتھ میں کیوں تیغ، مچل کر

نہ حال سے
ہو عزم دیر شاید
کعبے سے پھر کر
لوٹ آتا ہے
دور ہا ہے
ہم کو نظر اپنا
آ گئی

تم نے تو ابھی دل سے کیا قتل ہے مجھ کو
بیٹھے ہو لبیں باندھ کے باہر جو نکل کر
جب ہم سے خفا ہو کے ہے وہ شمع رو جاتا
خاموش ہو رہ جاتا ہوں پروانہ سا جل کر
میں عاشقِ بے دل ہوں ترا، اے مرے جانی
مت آنکھ چرا ہم سے، تو ایسا نہ خلل کر
کہتا ہے نظیر اس کو ذرا پیار سے تو سو جا
تب اُٹھ کے کھڑا ہوتا ہے وہ شوخ اُچھل کر

(۲۰۳)

رہے جو شب کو ہم اُس گل کے ساتھ کوٹھے پر
تو کیا بہار سے گزری ہے رات کوٹھے پر
یہ دھوم دھام رہی صبح تک، اہا ہا ہا!
کسی کے اُترے ہے جیسے برات کوٹھے پر
مکاں جو عیش کا ہاتھ آیا، غیر سے خالی
پٹے کے چلنے لگے پھر تو ہات کوٹھے پر
گرایا، شور کیا، گالیاں دیں، دھوم مچی
عجب طرح کی ہوئی واردات کوٹھے پر
لکھیں ہم عیش کی تختی کو کس طرح اے جاں
قلم زمین کے اوپر، دوات کوٹھے پر
کمند زلف کی لٹکا کے دل کو لے لیجے
یہ جنس یوں نہیں آنے کی ہات کوٹھے پر
خدا کے واسطے زینے کی راہ بتلاؤ
ہمیں بھی کہنی ہے کچھ تم سے بات کوٹھے پر
لپٹ کے سوئے جو اُس گل بدن کے ساتھ نظیر
تمام ہو گئیں حل مشکلات کوٹھے پر

(۲۰۴)

کبھی تو آؤ، ہمارے بھی جان کوٹھے پر
لیا ہے ہم نے اکیلا مکان کوٹھے پر
کھڑے جو ہوتے ہو تم آن آن کوٹھے پر
کروگے حسن کی کیا تم دکان کوٹھے پر
تمھیں جو شام کو دیکھا تھا بام پر میں نے
تمام رات رہا میرا دھیان کوٹھے پر
یقیں ہے بلکہ مری جان جب کہ نکلے گی
تو آرہے گی تمھارے ہی 'جان' کوٹھے پر
مجھے یہ ڈر ہے کسی کی نظر نہ لگ جاوے
پھرو نہ تم کھلے بالوں سے 'جان' کوٹھے پر

ناراض ہونا

لبیں باندھ کر بیٹھنا۔ سکوت اختیار کرکے بیٹھ جانا
آسی

بشر تو کیا ہے فرشتے کا جی نکل جاوے
تمہارے حسن کی دیکھ آن بان کوٹھے پر

جھمک دکھا کے ہمیں اور بھی پھنسانا ہے
جبھی تو چڑھتے ہو تم جان جان کوٹھے پر

تمہیں تو کیا ہے، ولیکن مری خرابی ہو
کسی کا آن پڑے اب جو دھیان کوٹھے پر

گو چونے کاری میں ہوتی ہے سُرخی تو ایسی
کسی کے خون کا یہ ہے نشان کوٹھے پر

یہ آرزو ہے کسی دن تو اپنے دل کا درد
کریں ہم آن کے تم سے بیان کوٹھے پر

ق
لڑاؤ غیر سے آنکھیں کہو ہو ہم سے آہ!
کہ تھا ہمیں تو تمہارا ہی دھیان کوٹھے پر

خدا کے واسطے، اتنا تو جھوٹ مت بولو
کہیں نہ ٹوٹ پڑے آسمان کوٹھے پر

کمند زلف کی لٹکا کے اُس صنم نے نظیرؔ
چڑھا لیا بے مجھے اپنے نزان[1] کوٹھے پر

(۲۰۵)

دھواں کلیجے سے میرے نکلا جلا جو دل بس کہ رشک کھا کر
وہ رشک یہ تھا کہ غیر سے ٹک ہنسا تھا چنچل مِسی لگا کر

نقط جو چتون پہ غور کیجے تو وہ بھی وہ سحر ہے کہ جس کا
کرشمہ بندہ، غلام غمزہ، دغائیں نوکر، فریب چاکر

خرام کی ہے وہ طرز یارو کہ جس میں نکلیں کئی ادائیں
قدم جو رکھنا تو تن کے رکھنا جو پھر اُٹھانا تو ڈگمگا کر

لٹک میں بندوں کی دل جو آوے تو خیر بندے ہی اُلجھ لیں
وگرنہ آوے تو پھر نہ چھوڑے اُدھر سے بالا جھمک دکھا کر

مجال کیا ہے جو دو بدو ہو نظر سے کوئی نظر لڑا دے
مگر کسی نے جو اس کو دیکھا تو سو خرابی سے چھپ چھپا کر

سنے کسی کے نہ درد دل کو وگر سنے تو جھڑک کے اس کو

[1] نزان - آخر کار ۱۲ آسی

یہ صاف کہدے تو کیا بلا ہے جو سر پھراتا ہے ناحق آکر

نظیرؔ وہ بت ہے دشمن جاں نہ ملیو اس سے تو دیکھ ہرگز
دگر ملا تو خدا ہے حافظ، بچے ہیں ہم بھی خدا خدا کر

(۲۰۶)

دیتے ہیں جان حور و ملک جس کی آن پر
سبزہ[۲] پڑا ہے کان میں اس سبزہ رنگ کے
جگنی[۳] پہ جان تڑپے ہے چنپاکلی پہ دل

کیونکر نہ ہو پھر اُس کا دماغ آسمان پر[۱]
سر سبزیاں ہیں اب تو زمرد کی کان پر
اور روح لوٹتی ہے پڑی عطر دان پر

کوچے میں اس کے جاتے تھے سینہ سپر کیے
کل تو میاں نظیرؔ بھی کھیلے تھے جان پر

(۲۰۷)

رکھی ہرگز نہ ترے رُخ نے رُخِ بدر کی قدر
عزت و قدر کی اُس گل سے، توقع ہے عبث
راستی خوار ہے اس چشمِ فسوں پرور سے
مے پرستوں میں ہے یوں، ساغرِ دنیا کا وقار

کھوئی کاکل نے بھی آخر کو شبِ قدر کی قدر
واں نہ عزت کی کچھ عزت ہے نہ کچھ قدر کی قدر
ہاں، مگر منزلتِ مکر ہے، اور غدر[۴] کی قدر
جیسے اسلام میں ہو محتسب و صدر[۵] کی قدر

کفش برداری سے اُس مہر کی چمکا ہے نظیرؔ
ورنہ کیا خاک تھی اس ذرۂ بے قدر کی قدر

غزل مستزاد

(۲۰۸)

یوں ہجر میں روتا ہوں میں اُس گل کے شب و روز کر نالہ و فریاد جیسے کہ کسی وقت
یوسف کے لیے روئی تھیں یعقوب کی آنکھیں۔ ہر شام و سحر کو ۔ خوناب میں بھر بھر

---

[۱] آسمان پر دماغ ہونا۔ غرور ہونا ۱۲
[۲] سبزہ۔ سبز رنگ کا جو اہر کان میں پہنا جاتا ہے زمرد۔ پنا ۔
[۳] جگنی۔ گلے کا ایک زیور ۔ چنپاکلی گلے کا ایک زیور ۱۲
[۴] غدر۔ بیوفائی ۔ شکست عہد ۱۲
[۵] صدر زمانہ شاہی کا ایک معزز عہدہ ۱۲ آسی

خط میں نے جو بھیجا اُسے باحسرت دیدار۔ لکھ خونِ جگر سے۔ اور داغ کی کر مُہر
تکتی رہیں جا کر مرے مکتوب کی آنکھیں۔ اُس رشکِ قمر کو۔ حسرت سے سراسر

(٢٠٩)

پڑی ہے خاک گورستاں میں کیا کیا قدِ موزوں پر
اُگی ہے گھاس کس کس گلبدن کے رُوئے گلگوں پر
وہ رکھے اینٹ چھاتی پر، بزیرِ خاک سوتے ہیں
چمکتے تھے سُنہرے قصر جن کے بامِ گردوں پر

(٢١٠)

لن ترانی نے کیا اپنا ظہور آخرِ کار
موسیٰ بیخود ہوے اور جل گیا طور آخرِ کار
قرب سمجھا تھا جسے تو، وہ ہی دوری ای شیخ
اُسی نزدیک نے پھینکا تجھے دور آخرِ کار

(٢١١)

دنیا ہے ایک نگار فریبندہ جلوہ گر
الفت میں اس کی کچھ نہیں جز کلفت و ضرر
آج اس پہ جتی کمیں تو لگائی کل اس پہ گھات
حسرت فزا و ہوش ربا و شکیب بر
ہوتا ہے آخر اس کے گرفتار کا یہ حال
جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر
سحر و فسوں وہ رکھتی ہے بہرِ فریبِ دل
حیران ہو سحرِ سامری بھی جس کو دیکھ کر
لینے کو نقدِ عمر کے شیریں ہے مثلِ قند
جب لے چکے تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر
جو اس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل
ملتے ہیں اپنے دستِ تاسف بیک دگر
تو بھی جو اس کے پاس لگا دیگا دل تو یار
اس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر
میں تجھ کو اس کے ربط سے کرتا نہ منع آہ
لیکن کروں میں کیا۔ تجھے درپیش ہے سفر
تو اس مثل کو سوچ ذرا اگر سفر گزین
کرتا ہے قطعِ راہ کو باندھے ہوے کمر
کر درمیانِ رہ کوئی مل جائے باغ اُسے
تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اک نظر
بس اس نگارخانے کو تو بھی اسی نمط
سیرِ مسافرانہ کر اور اس سے درگذر
اس حرف کو نظیر کے یوں دل میں دے مکاں
کرتا ہے جیسے نقش نگیں کے جگر میں گھر

(۲۱۲)

مستزاد مثلث

بے جرم و خطا یار نہ کر چشم نمائی تیوری کو چڑھا کر | اور رنجش بیجا سے نہ کر صاف لڑائی منھ سرخ بنا کر
اِس جور کی کب ہم سے ہوئی عہدہ برائی۔ اتنی نہ جفا کر

کرتا ہوں ترے ہجر میں اے شوخ پریزاد میں نالہ و فریاد | دیتا نہیں خاطر سے تری لے ستم ایجاد جب کوئی مری داد
پھر ہار کے دیتا ہوں میں تیری ہی دہائی۔ ہاتھوں کو اٹھا کر

دل تڑپے ہے بسمل کی طرح جی ہے نہیں جی مشتاق اجل ہوں | آنکھوں میں دم آیا ہے نہیں مرنے میں باقی چھن[1] یا کوئی پل ہوں
لائی مجھے ظالم تری اس درجہ جدائی۔ بے اجتو ملا کر

سدھ لے گئی بالے کی جھمک صبر کرن پھول نے اور عقل کو بندے | بالے کی گئی جھوک لگا سینہ میں اک ہول[2] دل لے گئے جھمکے
اور جی کے تئیں لے گئی زنجیر طلائی۔ زنجیر بنھا کر

کاجل کی کھچاوٹ نے کیا دل پہ یہ طوفاں جو ہوش اڑا دیا | مسی کی دھڑی نے وہ کیا ظلم نمایاں غنچہ پہ یہ غش آیا
ہاتھوں نے بھی اک آگ سی سینے میں لگائی مہندی کو دکھا کر

کیا اسکی نظیر اب میں کہوں تن کی لطافت میلا ہو نگہ سے | اور اسکے سوا اور یہ نرمی و نزاکت ٹک ناز و ادا سے
اک پھول اٹھا دے تو مڑک جائے کلائی۔ بل سیکڑوں کھا کر

مستزاد دوم

(۲۱۳)

یہ نور فزا رخ کہ کرتا ہے نگاہوں کو ترا مطلع انوار | اب تیرے سوا رخ کس کا ہے بتا نام خدا ایسا چمکدار
فرقت کے الم سے دل تڑپے ہے اور آنکھیں کھلی رہتی ہیں ہیہات | دیکھیں گے ترا رخ وہ کونسا دن ہوگا مبارک جو ہم اے یار

[1] چھن بالکسر۔ لحظہ، ساعت ۱۲
[2] ہول کرنا۔ کسی دھار دار آلہ کا چبھو تا ۱۲ آسی

متفرقات ردیف ”ر“

کتنا تنگ صفا ہے کہ پائے نگاہ کا
۳۵ ہلکا سا اک غبار ہے چہرے کے رنگ پر

داغ مرنے کا وہی محروم جانے جسکو، آہ!
۳۶ موت آپہونچی شباب، اور یار آیا دیر کر

ردیف رائے ثقیلہ (ڑ)

(۲۱۴)

اے شوخ، ہر گھڑی نہ ہوس آشنا کو چھیڑ
ایسا ہی چھیڑنا ہے، تو اہلِ وفا کو چھیڑ

چھیڑے گا جب، تو پیش نہ جائیگا کچھ فسوں
اے دل نہ اُس کے افعی زلفِ دوتا کو چھیڑ

چھیڑیں تو یاد مجھ کو بھی ہیں گی بہت، ولے
دل کی خوشی یہ ہے کہ نہ اُس دلربا کو چھیڑ

رک رک کے اشک چشم کے لایا ہے عنقریب
اے غنچہ لب، بس اب نہ دلِ مبتلا کو چھیڑ

اک حرف چھیڑ کا تو صریحاً نہ کہہ نظیر
چھیڑے تو پردے پردے میں اس پر جفا کو چھیڑ

(۲۱۵)

یوں ہم اس زلف میں آئے ہیں دلِ زار کو چھوڑ
جیسے جاتا ہے کوئی رات میں بیمار کو چھوڑ

آئی کیا کیا نظر اس دم گل و سنبل کی بہار
رُخ پہ جب اس نے دیا کاکلِ بلدار[1] کو چھوڑ

خار کی اس نے تو پھر ہم نے کلائی پکڑی
ق اور نہ جنگل سے دیا دامنِ غبار کو چھوڑ

جب نظیر اس نے کہا چھوڑ تو یوں بولے ہم
دیں کلائی کو بھی اور دامنِ زنار کو چھوڑ

پر یہ ہے شرط کہ تو ہاتھ میں لے تیغ میاں
یا کوئی ہاتھ ادھر چھوڑ دے یا عار کو چھوڑ

[1] کاکل بلدار — اکثر فصحا ایسی ترکیبوں کو جائز نہیں رکھتے ۱۲ آسی

(۲۱۶)

تا زمیں اس نازنیں نے جب لیا منھ ہم سے موڑ — دل نے چاہا کھا کے بل دے رشتۂ الفت کو توڑ
ہم نے جب مارا طمانچہ دل کے اور گردن پکڑ — دی جھکا اور یوں کہا تو ان کے قدموں کو نہ چھوڑ
گر نہ سمجھا آج تک تو اب سمجھ اے بیوقوف — یہ تو تجھ کو ایک ہیں اور ان کو تجھ سے ہیں کروڑ
دم میں گھبراتا پھرے گا یاد رکھ اس بات کو — کل نہیں پڑنے کی ایسی ایک کل دیں گے مروڑ

کر یہی جلدی تو اس دم تجھ سے کہتا ہے نظیر
سر جھکا تقصیر بخشا، پاؤں پڑ اور ہاتھ جوڑ

ردیف زاء معجمہ (ز)

(۲۱۷)

آیا ادھر کو اک دن وہ گلبدن نہ ہرگز — کام آئے کچھ ہمارے اے دل جتن نہ ہرگز
کب مل کے بیٹھے ہم سے وہ دلربا کہ اپنا — لگنے دے پیرہن سے جو پیرہن نہ ہرگز
کیا کیا ہوس کی ہم نے ملنے کی اس سے لیکن — آیا ہمارے بر میں وہ سیمتن[1] نہ ہرگز
ساعد[2] ہیں اس صنم کے وہ سیمگوں کہ جن کو — نسریں[3] نہ پہونچے اصلا اور نسترن نہ ہرگز

ہووے ذرا بھی ناخوش وہ خوش خرام جس میں
تو اے نظیر چلیو ایسا چلن نہ ہرگز

[1] سیمتن بھرا ہی۔
[2] ساعد بنجا۔
[3] نسرین نسترن سیوتی، سیوتی سفید پھول کا نام ہے نسرین لغات میں سفید گلاب بھی بتایا گیا ہے۔ آسی

(۲۱۸)

جو آوے منھ پہ ترے ماہتاب ہے کیا چیز — غرض یہ ماہ تو کیا آفتاب ہے کیا چیز
یہ پیرہن میں ہے اس گورے گورے تن کی جھلک — کہ جس کے سامنے موتی کی آب ہے کیا چیز
بھلا دیں ہم نے کتابیں کہ اس پری رو کے — کتابی چہرے کے آگے کتاب ہے کیا چیز
تمہارے ہجر میں آنکھیں ہماری مدت سے — نہیں یہ جانتیں دنیا میں خواب ہے کیا چیز

نظیرؔ حضرت دل کا نہ کچھ کھلا احوال
میں کس سے پوچھوں یہ ندرت مآب ہے کیا چیز

جو سخت ہووے تو ایسا کہ کوہ آہن کا
جو نرم ہووے تو برگ گلاب ہے کیا چیز

گھڑی میں سنگ گھڑی موم اور گھڑی فولاد
خدا ہی جانے یہ عالی جناب ہے کیا چیز

ردیف سین مہملہ (س)

(۲۱۹)

دل کے لینے کا رکھ کے دل میں پاس
آ گیا وہ صنم ہمارے پاس

پہلے آنے سے اس کے آتی ہے
ہم کو اس زلف عنبریں کی باس

مل کے جب وہ چلا تو ہم نے کہا
کل بھی گر تم نہ آئے بے وسواس

تو یہ خاطر میں یاد رکھیے گا
ہے بندھی ایک شے ہمارے پاس

جب نظیرؔ اس نے ہم سے کھلوائی
تھی وہ کیا چیز ریزۂ الماس[1]

(۲۲۰)

گر وہ مژہ ہو مائل جنگ پر طاؤس
تو سہم[2] سے بے پر ہو خدنگ پر طاؤس

یوں زلف معنبر کے خط سبز ہے نزدیک
گویا پر طوطی ہے بجنگ پر طاؤس

دکھلاویں جو ہم داغ دل اپنے کی سیاہی
پرواز کرے خوف سے رنگ پر طاؤس

دیکھے جو ترے عاشق گل خوردہ کی تصویر
حیرت زدہ ہو دیدۂ تنگ پر طاؤس

لکھ لکھ کے نظیرؔ اس غزل تازہ کو خوباں
رکھ لیں گے کتابوں میں برنگ پر طاؤس

[1] ریزۂ الماس۔ ہیرے کی کنی جسکے کھانے سے کلیجے میں زخم پڑ جاتا ہے اور آدمی مر جاتا ہے۔ سو انہوں نے جانیں گے اے ناصح نادان ہیرے کی کنی جان کے کھائی نہیں جاتی۔ داغ سے نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحت دل کا کہ اس میں ریزۂ الماس جزو اعظم ہو۔ مختصراً

[2] سہم۔ خوف۔ ڈر۔

(۲۲۱)

زلفیں یہ دو نہیں رُخِ دلبر کے آس پاس
ابرِ سیہ ہے ماہِ منوّر کے آس پاس

تجھ میں تو یہ شمیم نہ تھی سچ کہہ اے نسیم
کس کی پھری تو زُلفِ معنبر کے آس پاس

گلشن میں جا کے پھرتا ہوں اُس قد کو یاد کر
دو دو پہر میں سرو و صنوبر کے آس پاس

روویں گے ہم تو دیکھیو کوچے میں اپنے یار
پانی ہی پانی ہوگا ہر اک گھر کے آس پاس

اُس شوخ کی طرف میں رقیبوں کے خوف سے
دیکھوں بھی ہوں تو، آہ! نظر بھر کے آس پاس

ہم تو کمر بندھانے کے حیلے سے پھر لیے
ٹپکے کے ساتھ ساتھ ستمگر کے آس پاس

مثلِ بنفشہ آہ کا چکر سا باندھ دوں
پھرنے دے گر وہ اپنے مجھے سر کے آس پاس

باراں ہو گرچہ، باد ہو، کچھ ہو، ہر ایک بار
پھر آنا اُس صنم کے مجھے گھر کے آس پاس

اے شمع ٹک تو دیکھ کہ پروانہ اس گھڑی
کس کس طرح پھرے ہے ترے سر کے آس پاس

اس چاہ پر تو تجھ کو بھی لازم ہے یہ کہ اب
اُٹھ کے پھرے تو آ کے ہر اک سر کے آس پاس

کیا کیا ہجوم ہوں گے محبّوں کے اے نظیر
محشر کے روز ساقیِ کوثر کے آس پاس

فرد

ابھی تازہ حلقۂ زلف میں جو پھنسا ہے طائرِ دل بھلا | ۳۷ | اُسے رنج پہونچے ہے اے صبا تو گھڑی گھڑی نہ ہلا قفس

ردیف شین معجمہ (ش)

(۲۲۲)

ہم نے پوچھا آپ کا آنا ہوا یاں کس روش
ہنس کے فرمایا کہ آئی آپ کے دل کی کشش

دل جونہی تڑپا وہیں دلدار آ پہونچا شتاب
اپنے دل کی اس قدر تاثیر رکھتی ہے طپش

سیر کو آیا تھا جس گلشن میں کل وہ نازنیں
تھی عجب نازاں بجا اس بات کی ایک ایک روش

ڈالتی ہے زلفِ پیچاں گردنِ دل میں کمند
اور رگِ جاں سے کرے ہے نشترِ مژگاں خلش

بھول کر اس کی جفا کا شکوہ مت کیجیو نظیرؔ
تو پریشاں[1] گو ہے سخت اور یار ہے نازک منش

(۲۲۳)

شیریں کو جیسی جو کی تھی شیر پر نوازش
ویسی ہی اب ہے اس کی مجھ پیر پر نوازش

کتنی کڑی ہے تو بھی سینے سے لگ رہی ہے
اس کو یہ ہے طلا کی زنجیر پر نوازش

دو دن خفا ہو اس سے چاہا جو لطف ہم نے
کہہ کر "چہ خوش" یہ بولا تقصیر پر نوازش

ہم جب شبیہ اپنی پھینک آئے اُسکے در پر
دیکھی تو کرکے اس کی تحریر پر نوازش

ہنس کر نظیرؔ واں سے ٹھوکر لگا ہٹا دی
کی اس نے یہ ہماری تصویر پر نوازش

(۲۲۴)

ہم ایسے کب تھے کہ خود بدولت یہاں کبھی کرتے قدم نوازش
مگر یہ اک اک قدم پہ اے جاں فقط عنایت کرم نوازش

کہاں یہ گھر اور کہاں یہ دولت جو آپ آتے ادھر کو اے جاں
جو آن نکلے ہو بندہ پرور تو کیجیے اب کوئی دم نوازش

لگا کے ٹھوکر ہمارے سر پر بلا تمہاری کرے تاسف
کہ ہم تو سمجھے ہیں اس کو دل سے تمہارے سر کی قسم نوازش

جواب مانگا جو نامہ بر سے تو اس نے کھا کر قسم کہا یوں
زبان قلم ہو جو جھوٹ بولے کہ واں نہیں یک قلم نوازش

اُٹھا دیں ناز ان کے ہم نہ کیونکر نظیرؔ دل سے کہ جن کے ہووے
جفا تلطف، عتاب شفقت، غضب توجہ، ستم نوازش

[1] پریشان گو۔ بکواس کرنے والا یعنی فضول گو

مقطع

۲۸ اب تو بھی اے نظیرؔ یہاں سے قدم تراش
واماندگان راہ تو منزل پہ جا پڑے

ردیف صاد مہملہ (ص)

(۲۲۵)

جن دنوں ہم کو اس سے تھا اخلاص
کھل رہا تھا وہ جا بجا اخلاص
اس کو بھی ہم سے تھی بہت اُلفت
اور ہمیں اس سے تھا بڑا اخلاص
ل کے جب بیٹھتے تھے آپس میں
تھا دکھاتا عجب مزا اخلاص
ایک دن ہم میں اور نظیرؔ اس میں
ق
ہو کے خفگی جو ہو چکا اخلاص
ہم یہ بولے کدھر گئی اُلفت
وہ یہ بولا کدھر گیا اخلاص

(۲۲۶)

ہے تو کہنے کو ہر کہیں اخلاص
لیک مشکل ہے، ہمنشیں اخلاص
اس کی باریکیاں وہی جانے
ہووے جس شخص کے تئیں اخلاص
رشک سے ایک غیر نے اس کو
ق
اپنے دل کا جتا وہیں اخلاص
یوں کہا تم نظیرؔ سے اے جاں
دل سے رکھتے ہو یا یونہیں اخلاص
اس نے اخفائے راز کو میرے
منھ سے اس کے سنا جو ہیں اخلاص
یوں کہا ایسے پوچ لوگوں سے
کوئی رکھتے ہیں نازنیں اخلاص
اس کو ہو کچھ تو خیر وہ جانے
ہم کو تو اس سے کچھ نہیں اخلاص

ردیف ضاد معجمہ (ض)

(۲۲۷)

سنیئے اے جاں کبھی اسیر کی عرض
اپنے کوچے کے جا پذیر کی عرض

چھد گیا دل زباں تلک آتے
ہم نے جب کی نگہ کے تیر کی عرض

اس گھڑی کھلکھلا کے ہنس دیجیے ق
ہے یہی اب تو کہنہ پیر کی عرض

جب تو اس گلبدن شکر لب نے
یوں کہا سن کے اس حقیر کی عرض

اب تلک ڈھن ہے حسن دنداں کی
دیکھ اس پوپلے نظیر کی عرض

(۲۲۸)

کہیئے کہاں تک ہمیں تم سے ہے جو جو عرض
کچھ نہ اگر ہو سکے منھ سے تو بولو غرض

چشم سے ہم نے کہا کیجیے دل کے تئیں
اس نے نشے میں کہا او میاں کس کو غرض

یار نے ہم سے کہا کچھ ہے تمنا تمھیں ق
ہم نے کہا جی بہت پر ہے یہ اب تو غرض

پہلے تو اک بوسہ دو پھر ہمیں دشنام دو
اس گھڑی بر لائیے آپ یہی دو غرض

جب یہ سنا یار نے ہنس دیا اور یوں کہا
تم بھی نظیر اب تو میاں خوب کوئی ہو غرض

ردیف طاءِ مہملہ (ط)

(۲۲۹)

حسن کو ہے دلبری سے ارتباط
رُخ کو ہے جاں پروری سے ارتباط

ہر مژہ کو تیر سے ہے ہمسری
چشم کو افسوں گری سے ارتباط

قد کو ہے سرو سہی سے ہم قدی
تن کو ہے نازک تری سے ارتباط
ناز کو شوخی سے ہے پیوستگی
آن کو ہے غارت گری سے ارتباط
مل کے ایسے نازنیں سے پھر نظیر
کب کیا ہم نے پری سے ارتباط

(۲۳۰)

جب ہم نے اسے رقم کیا خط
جھپ نامہ رساں نے لے لیا خط
جاتے ہی دیا جو اس صنم کو
اس نے وہیں پڑھ کے لکھ دیا خط
آیا جو وہ نامہ بر تو ہم نے
خوش ہو کے بہت طلب کیا خط
جب اس نے کہا نظیر ہنس کر
تھا لطف کی وہ جو کیمیا خط
تعویذ شفائے دل سمجھ کر
میں نے ہی وہ دھو کے پی لیا خط

ردیف ظائے معجمہ (ظ)

(۲۳۱)

دل ہے اس کجکلاہ سے محظوظ
جی بھی ہے اس کی چاہ سے محظوظ
تم سے جو ناز ہو کرو اے جاں
ہم ہیں اس رسم و راہ سے محظوظ
خوش پری کا بھی جو ہو سو ہو ہم تو
ہیں اسی رشک ماہ سے محظوظ
کیا تماشا ہے یارو کل تو نظیر
تھا بہت خانقاہ سے محظوظ
آج بیٹھا ہے میکدے کے بیچ
مغبچے کی نگاہ سے محظوظ

(۲۳۲)

رہا سہہ کر ملال خوش مخطوظ — دل سے ہم ہیں کمال خوش مخطوظ

خم ابرو سے اس کے ہو تشبیہ — کیوں نہ ہو پھر ہلال خوش مخطوظ

خوش نگاہوں کو سن کے آہو چشم — دشت میں ہیں غزال خوش مخطوظ

خوب دیکھا تو گل سے بلبل کا — دل ہے گل کی مثال خوش مخطوظ

ہے یہی خوب یار سے جو نظیر
رہیئے فی کلِ حال خوش مخطوظ

ردیف عین مہملہ (ع)

(۲۳۳)

اس رُخ کی ہمسری میں جو آوے خیال شمع — اتنی تو دھیان میں نہیں آتی مجال شمع

محفل میں اس کے تن کی نزاکت کو دیکھ کر — کرتی ہے اپنے شعلے کا رنج و ملال شمع

ہے منصفی تو یوں پر پروانہ پر لکھے — لکھنا اگر کسی کو ہو وصف جمال شمع

جاگا جو بزم عیش و طرب میں وہ صبح تک — ق دیکھا نظیر شرم سے ہم نے یہ حال شمع

ایسی چھپی وہ پردۂ فانوس میں کہ پھر
وقت سحر تلک نہ گیا انفعال شمع

(۲۳۴)

ہے ترا رخ بھی تجلی میں کچھ اس نور کی شمع — دیکھ جس نور کو کافور ہو کافور کی شمع

چشم بد دور اسی رُخ سے ہوئی تھی روشن — مشعل وادیٔ ایمن، شجر طور کی شمع

ہے شب مہ میں وہ رخشاں ترے عارض کی جھلک — جس کے پرتو سے خجل ہو شب دیجور کی شمع

آفریں ہے دل پروانہ کو جس نے جل کر — حسن کے گرمیٔ بازار میں مشہور کی شمع

آیا نزدیک جو محفل کے وہ مہ رات نظیرؔ
اہل محفل نے خجل ہو کے وہیں دور کی شمع

ردیف غین معجمہ (غ)

(۲۳۵)

ساقیا ہے بہار زینت باغ — دے چھلکتے ہمیں بھی مے کے ایاغ
دیکھی جس دن سے اس پری کی چشم — پھر ہمیں ہوش کا ملا نہ سراغ
اس نے بھیجا نہ رقعہ ایک اور ہم — کئی مکتوب کر چکے ابلاغ[1]
جائے حیرت ہے کل نظیرؔ اپنا — ق — تھا پراگندہ بوئے مے سے دماغ

آج لینے کو جام سے در پے
نہیں ساقی کی منتوں سے فراغ

(۲۳۶)

کی جفا اس نے مہر کہہ کے دریغ — کیوں رہے دل ہم یہ کیسے بھلے دریغ
وہ تو ہنستا ہے اور ہمارے آہ — آئے دامن تلک اشک بہہ کے دریغ
کیا کریں اب تو آ گئے اے دل — جل میں اس شوخ رشک مہ کے دریغ
کتنے دن ہم بھی منہ لگے اس کے — پھر معاتب[2] ہوئے نگہ کے دریغ

مثل خس جا کے روئے بحر نظیرؔ
آ لگے پھر کنارے بہہ کے دریغ

ردیف فاء (ف)

(۲۳۷)

ساقی یہ پلا اُس کو جو ہو جام سے واقف — ہم آج تلک مے کے نہیں نام سے واقف

---

[1] ابلاغ بھیجنا
[2] معاتب - معتوب ۱۲ عبدالباری آسی

مستی کے سواد ور میں اُس چشمِ سیہ کے
کافر ہو جو ہو گردشِ ایام سے واقف

مر کر بھی تہِ خاک نہ آسودہ ہوئے، آہ!
اے عشق نہ تھے ہم ترے انجام سے واقف

صیاد کی اُلفت سے پھنسے آن کے ورنہ
تھے کاہے کو ہم اس قفس و دام سے واقف

لنے کا پیام اس سے کہو جا کے عزیزو
جو اس کے نہ ہو وصل کے پیغام سے واقف

اوروں سے قسم کھائیے اور ہم تو، مری جاں
ہیں خوب تمھاری قسم اقسام سے واقف

کوئی نہیں کرتا جو کیا تو نے نظیرؔ، آہ!
دل اُس کو دیا جس کے نہیں نام سے واقف

(۲۳۸)

محفل میں ہم تھے اس طرف وہ شوخِ چنچل اس طرف
تھی سادہ لوحی اس طرف مکر و فسوں چھل اس طرف

بیٹھے ہم اپنے دھیان میں بیٹھا وہ اپنی آن میں
فکرِ نظارہ اس طرف کھڑے پر آنچل اس طرف

کیا کیا دکھاتی ہے الم کیا کیا رکھے ہے پیچ و خم
آہوں کی شورش اس طرف زلفِ مسلسل اس طرف

ہم وے کے دل ہیں رنج کش وہ لے کے دل ہو جی ہے خوش
بے تابیٔ جاں اس طرف راحت خوشی کل اس طرف

آج اس سے ملنے کو نظیرؔ احوال ہے دل کا عجب
ہم کھینچتے ہیں اس طرف کہتا ہے وہ چل اس طرف

(۲۳۹)

کان میں اس کے نہیں لعل و گہر دونوں طرف
چھد رہے ہیں کان و دریا کے جگر دونوں طرف

بزم میں اس یار کی ہم ہیبتِ اغیار سے
دیکھتے تو ہیں پہ رہتی ہے نظر دونوں طرف

خوف بدنامی کا اس کو ہے تو ہے ہم کو بھی آہ
یہ وہ ٹھہری ہے مثل جو ایک ڈر دونوں طرف

اشک سے یاں چشم تر واں چشم نم سرمے سے ہے
چاہ رکھتی ہے غرض اپنا اثر دونوں طرف

غور سے دیکھا تو کیا کیا دل کی مچھلی کے نظیر
گھات میں رہتے ہیں بالے کے مگر[1] دونوں طرف

(۲۴۰)

اے صف مژگاں تکلف برطرف
دیکھتی کیا ہے اُلٹ دے صف کی صف

دیکھ وہ گورا سا مکھڑا رشک سے
پڑ گئے ہیں ماہ کے منھ پر کلف[2]

آگیا جب بزم میں وہ شعلہ رو
شمع تو بس ہو گئی جل کر تلف

ساقی بھی یوں جام لے کر رہ گیا
جس طرح تصویر ہو ساغر بکف

ردیف قاف (ق)

(۲۴۱)

دل پھنسانے کے ہمنشیں لائق
ہے وہی زلف اور وہ چیں[3] لائق

پاس اپنے بٹھالے ہم کو ابھی
جانے گر کچھ وہ نازنیں لائق

اب تو ملتی ہے دمبدم دشنام
ٹھہرے اس لطف کے ہمیں لائق

اس کی چین جبیں سے دل کو نظیر — ق
دیکھا ہوتا جو ہمگیں لائق

ہم نے ہنس کر وہیں کہا اے دل
تو ابھی چاہ کے نہیں لائق

(۲۴۲)

دیکھا جو ہمیں اس نے لگا پاؤں سے تا فرق
ہنس کر یہ کہا قیس میں اور اس میں ہے کیا فرق

وہ دشت اور یا اس کے وابستہ جو دیکھے — ق
پھر دشت میں اور یاں میں ہیں کچھ نہ رہا فرق

[1] گرد گھوریاں جو ایک دریائی جزندہ ہے۔ کان کے ایک زیور کا نام ۱۲
[2] کلف۔ جھائیں ایک قسم کے داغ جو منھ پر پڑ جاتے ہیں
[3] چیں۔ شکن ۱۲

کل ہنس کے نظیرؔ اس نے کہا نازمیں ہم سے ق کچھ بوسہ وو دشنام میں بھی تم نے کیا فرق
جو چاہو سو ہم دیویں تمھیں ہم نے کہا جب دو نوں کی حلاوت میں نہیں ہم کو ذرا فرق

گو لطف سے دینے کو کہا آپ نے ہم کو
پر کہنے میں اور کرنے میں لے جاں ہے بڑا فرق

فرد

مضمون سرد نہری جاناں رقم کروں ۳۹ گر ہاتھ آئے کاغذ کشمیر کا ورق

ردیف کاف تازی (ک)

(۲۴۳)

بیٹھے ہیں اب تو ہم بھی بولو گے تم نہ جب تک
دیکھیں تو آپ ہم سے ناخوش رہیں گے کب تک

اقرار تھا سحر کا ایسا ہوا سبب کیا
جو شام ہونے آئی اور وہ نہ آیا اب تک

محفل میں گلرخوں کے آیا جو وہ پریرو
ہو شکل حیرت اس کی صورت رہے وہ سب[۱] تک

بوسہ نظیرؔ ہم کو دینے کہا تھا اس نے ق
ہم وقت پاکے جس دم لینے کی پہونچے ڈھب تک

ہر چند تھا نشے میں وہ شوخ تو بھی اس نے
ہرگز ہمارے لب کو آنے دیا نہ لب تک

(۲۴۴)

مے خوردہ جو دیکھا اسے آتے ہوئے در تک
دشوار پہونچنا ہوا اپنے ہمیں گھر تک

پردہ جو اٹھا اس رخ تاباں سے تو دیکھا
اک جوش تجلی تھا عیاں حد نظر تک

مت زلف کو دیکھ اس کی نڈر ہو کے تو اے دل
یہ مار سیہ ہے اسے پر[۲] خوف و خطر تک

ہجراں میں ہوئی رات ہمیں طرفہ اذیت ق
جب لیل کی لیلا کے گئی زلف کمر تک

ٹک آنکھ لگی تھی کہ وہیں خواب میں یارو
ہم اشک فشاں پہونچے جو اس رشک قمر تک

---

[۱] یعنی حیرت سے سب اس کی صورت تک کر رہ گئے ۱۲
[۲] یعنی اس کو دیکھتا ہے تو خوف و خطر کے ساتھ دیکھ ۱۲ آسی

عزم اس نے کیا پونچھنے اشک کے بعد پھر — وہ دست نگاریں گئے جب دیدۂ تر تک

چشم اپنی گئی کھل جو نظیر اس میں تو پھر ہم
ملتے کف افسوس رہے وقت سحر تک

ردیف کاف فارسی (گ)

(۲۴۵)

اس کے ناز و ادا کے رنگ اور ڈھنگ — ہیں وہ کچھ جس سے ہو پری بھی دنگ
لعل دیکھے جو سرخی اس لب کی — طے کرے رشک کے کئی فرسنگ
دیکھی جب ہم نے وہ گلابی چشم — پھر نہ اس دن سے پی مے گلرنگ
ق
جب نظیر آگیا وہ آئنہ رو — مہر سے کرکے اس طرف آہنگ

رنج دل یوں گیا رخ اس کا دیکھ
جیسے اٹھ جائے آئینے سے زنگ

(۲۴۶)

یار کے کاکل نے دل ہم سے لیا اور الگ — چشم فسوں گر نے بھی سحر کیا اور الگ
آن دکھا کر قریب ہو گئے گیسو وہیں — غمزۂ خونخوار نے خوں بھی پیا اور الگ
تیر نگہ کے تئیں یاد وہ انداز ہیں — سینے میں عشاق کے دل کو سیا اور الگ
ناز، قرار و خرد لے کے گیا پھر مگر — تیغ نے ابرو کے بھی وار کیا اور الگ

نشتر مژگاں کی واہ کیا کہوں پھر تو نظیر
ہے جو رگ دل اسے چھیڑ دیا اور الگ

ردیف لام (ل)

(۲۴۷)

ہے یہ شور اس دل جلے کا اس کے در کے متصل
جیسے لگتی ہے کسی کے آگ گھر کے متصل

آتے جاتے ہر گھڑی ہم دیکھتے تھے اسکو آہ
جن دنوں گھر تھا ہمارا اُس کے گھر کے متصل

گر نکلتا ہے تو اے دل جلد سینے سے نکل
ورنہ غم کی آگ آ پہونچی جگر کے متصل

یک بیک غائب چمک کر جیسے ہو جاتی ہے برق
یوں ہی چھپ جاتا ہے وہ آ کر نظر کے متصل

ہیں یہ زلفیں منھ پہ یا بدلی کے دو ٹکڑے سیاہ
چلتے چلتے تھم رہے آ کر قمر کے متصل

اب تو یہ دُھن ہے کسی تدبیر سے یارو اگر
ہاتھ جا پہونچے مرا اُس کی کمر کے متصل

کچھ ہی ہو جی جاوے اس میں یار پھر اک بار
کھینچ لاؤں اس صنم کو اپنے گھر کے متصل

جی چھپانا اس گھڑی قاتل سے کیا حاصل نظیر
آ گئی شمشیر اُس کی اب تو سر کے متصل

(۲۴۸)

کب مثل شیشہ اُن کا کسی سے بر آئے دل
پتھر جنھیں خدا نے دیا ہو بجائے دل

جب سے چلا وہ دل مرے پہلو سے کھینچ کر
دل سے مرے صدا یہی نکلی کہ ہائے دل

آوے اگر بتاں کے تئیں رسم دلبری
تو تو جہاں میں پھر کہیں ڈھونڈھا نہ پائے دل

اب تو تری جفا سے یہ مانگوں ہوں میں دُعا
ق
ظالم، خدا کرے کہ کہیں تو لگائے دل

اور جس پہ تو فدا ہو وہ ظالم ہو اس قدر
جو مطلقاً ترا وہ نہ خاطر میں لائے دل

تجھ پہ بھی چند روز تو یہ کشمکش رہے
دُر دُر اُدھر کرے اِدھر ادھر کو ستائے دل

ناچار جیسے تجھ سے پھرا آتا ہوں دل کو میں
ایسا ہی تو بھی اُس سے لگا کر پھرائے دل

شیدا ہوں میں تو لیلیٰ و مجنوں کی چاہ پر
خالق نے کیا ہی خوب تھے انکے بنائے دل

تھے اُن کے پاک آبلے چھاتی پہ اسکی آہ
کیا اتحادِ جسم تھا اور کیا صفائے دل

ہیں یاں بڑے جو اہل دل اکثر یہ کہتے ہیں
چھوٹا سا اک نظیرؔ بھی ہے خاکپائے دل

(۲۴۹)

دکھا کر اک نظر دل کو نہایت کر گیا بیکل
پری رو، تند خو، سرکش، ہٹیلا، چلبلا، چنچل
وہ عارض اور جبیں تاباں کہ ہوں دیکھ اسکو شرمندہ
قمر، خورشید، زہرہ، شمع، شعلہ، مشتری، مشعل
کفوں میں، انگلیوں میں، لعل لب میں چشم مژگوں میں
حنا، آفت، ستم، فندق، مسی، جادو، فسوں کاجل
بدن میں جامۂ زرکش، سراپا جس پہ زیب آور
کڑے، بُندے، پچھڑے، چھلّے، انگوٹھی، نورتن، ہیکل
نزاکت اور لطافت وہ کہ یا تک کر حیراں میں
سمن، گل، لالہ، نسریں، نسترن، دُر، پرنیاں[۱]، مخمل
سراسر پر فریب ایسا کہ ظاہر جس کی نظروں سے
شرارت، شوخی، عیاری، طرح، پھرتی، دغا، چھلبل

نظیرؔ اک عمر عشرت ہو، ملے ایسا پری پیکر
اگر اک آن، اگر اک دم، اگر اک چھن، اگر اک پل

[۱] پرنیاں: ایک نفیس ریشمی کپڑا ۱۲ آسی

(۲۵۰)

اے دل اپنی تو چاہ پر مت بھول
دلبروں کی نگاہ پر مت بھول
عشق کرتا ہے ہوش کو برباد
عقل کی رسم و راہ پر مت بھول
دام ہے وہ ارے کمند ہے وہ
دیکھ زلف سیاہ پر مت بھول
واہ کہہ کر جو ہے وہ ہنس دیتا
آہ اس ڈھب کی واہ پر مت بھول

گر پڑے گا نظیرؔ کی مانند
تو زنخداں کی چاہ پر مت بھول

(۲۵۱)

کھولی جو ٹک اے ہمنشیں اس دلربا کی زلف کل
کیا کیا جتائے خم کے خم کیا کیا دکھائے بل کے بل

آتا جو باہر گھر سے وہ ہوتی ہیں کیا کیا خوشی — گر دیکھ لیتے ہم اُسے پھر ایک دم یا ایک پل
دل کو تو بیم فتنہ ہے ہم اس سے مل سکتے نہیں — آتا ہے جس دم خواب میں جب دیکھتے ہیں بے خلل
کیا بے بسی کی بات ہے یارو نظیر اب کیا کرے — ق وہ آنے واں دیتا نہیں آتی نہیں یاں جی میں کل

دل ہر گھڑی کہتا ہے یوں جس طور سے اب ہو سکے
اٹھ اور سنبھل گھر سے نکل اور پاس اس چنچل کے چل

(۲۵۲)

تیرے بھی منہ کی روشنی، رات گئی تھی مہ سے مِل — تاب سے تاب رُخ سے رُخ، نور سے نور ظِل سے ظِل
یوسفِ مصر سے گر ملتے ہیں سب ترے نشاں — زُلف سے زُلف، لب سے لب، چشم سے چشم، تِل سے تِل
جتنے ہیں کشتگانِ عشق اُن کے ازل سے ہیں ملے — اشک سے اشک، نم سے نم، خون سے خون، گِل سے گِل
جب سے مُوا ہے کوہ کن کرتے ہیں اُس کا غم سدا — کوہ سے کوہ، جو سے جو، سنگ سے سنگ، سِل سے سِل

یار مِلا جب اے نظیر میرے گلے، تو مِل گئے
جسم سے جسم، جاں سے جاں، روح سے روح، دل سے دل

(۲۵۳)

جو دل کو دیجیے تو دل میں خوش ہو کرے ہے کس کس طرح سے ہلچل
اگر نہ دیجیے تو وہ ہیں کیا کیا جتاوے خفگی، عتاب، اکڑ، بَل

اگر یہ کہیے کہ ہم ہیں بیکل ذرا گلے مِل تو ہنس کے ظالم
دکھاوے ہیکل اُٹھا کے، یعنی بلا سے میری، مجھے تو ہے کل

جو اس بہانے سے ہاتھ پکڑیں کہ دیکھ دل کی دھڑک ہمارے
تو ہاتھ جھپ سے چھڑا لے کہہ کر مجھے نہیں ہے کچھ اسکی اٹکل[۱]

جو چھپ کے دیکھیں تو تاڑ جاوے، وگر صریحاً تو دیکھو پھرتی
کر آتے آتے نگاہ رخ تک چھپا لے منھ کو الٹ کے آنچل

سلہ اٹکل۔ اندازہ، شناخت ۱۱۲اکل

کرے جو وعدہ تو اس طرح کا کہ دل کو سنتے ہی ہو تسلی
جو سوچیے پھر تو کیسا وعدہ، فقط بہانہ، فریب اور چھل

جو دل کو بوسے کے بدلے دیجے تو ہنس کے لیجے بہت خوشی سے
جو بوسہ مانگو تو پھر یہ نقشا کبھی تو آج اور کبھی کہے کل

نہ جل تیں آوے نہ پھر کے نکلے نہ پاس بیٹھے نظیر اک دم
بڑا ہی پُرفن، بڑا ہی سیانا، بڑا ہی شوخ اور بڑا ہی چنچل

(۲۵۴)

اسی کا دیکھنا ہے ٹھانتا دل
جو تیر نگہ سے چھانتا دل

بہت کہتے ہیں مت مل اس سے لیکن
نہیں کہنا ہمارا مانتا دل

ق

کہا اس نے یہ ہم سے کس صنم کو
تمھارا ان دنوں ہے مانتا دل

چھپاؤ گے تو چھپنے کا نہیں یاں
ہمارا ہے نشاں پہچانتا دل

کہا ہم نے نظیر اس سے کہ جس نے
یہ پوچھا ہے اسی کا جانتا دل

(۲۵۵)

دکھی جو اس محبوب کی ہم نے جھلک ہتھیلی کی کل
بانی ہر ایک تعویذ میں اپنے دل بیکل کی کل

جب ناز سے ہنس کر کہا اس نے ارے چل کیا ہو تو
کیا کیا پسند آئی ہمیں اس نازنیں چنچل کی چل

ہے وہ کف پا نرم تر اس کی کرو وقت ہمسری
ڈالے کف پائے صنم نرمی وہیں مخمل کی چل

ہم ہیں تمھارے مبتلا مدت سے ہے یہ آرزو
بیٹھو ہمارے پاس بھی اے جاں کبھی اک پل کی پل

ہے دم غنیمت اے نظیر اب میکدے میں بیٹھ کر
تو آج تو مے پی میاں پھر دیکھیو کل کی کل

ا؎ بلبلا ہونا - فریب کھانا - دھوکہ کھانا ۔ ۲؎ یعنی جو تیر نگہ سے دل کو چھانتا ہے دل اسی کے دیکھنے کا ارادہ رکھتا ہے ۔ آسی

ردیف میم (م)

(۲۵۶)

کرکے نیرنگ فقط دل ہی نہ لے جاؤ گے تم
لے چلا دل کو وہ جب ہم نے یہ پوچھا کیوں جی
روٹھ کر اس سے چلے ہم تو کہا یوں اس نے
بے کلی بعد گھڑی بھر کے ستا وے گی جب
بس یہ بہتر ہے کہ مت روٹھ کے جاؤ ورنہ

ق

ایسے ایسے تو بہت رنگ ابھی لاؤ گے تم
پھر بھی آؤ گے تو ہنس کر کہا اب آؤ گے تم
اب تو اس طیش میں البتہ چلے جاؤ گے تم
ہار کر پھر ادھر آنے ہی کی ٹھہراؤ گے تم
پھر جو آؤ گے تو یاں آنے نہیں پاؤ گے تم

ایک تو ہم تمھیں یاں آنے نہ دیویں گے نظیر
اور سوا اس کے جہاں جاؤ گے پچھتاؤ گے تم

(۲۵۷)

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
بس ترسنے ہی چلے افسوس! پیمانے کو ہم
مے بھی ہے، مینا بھی ہے، ساغر بھی ہے، ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم
کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر، اے بے خبر
کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم
ہم کو پھنسنا تھا قفس میں، کیا گلہ صیاد کا
بس ترستے ہی رہے ہیں آب اور دانے کو ہم
طاق ابرو میں صنم کے کیا خدائی رہ گئی
اب تو پوجیں گے اسی کافر کے بتخانے کو ہم
باغ میں لگتا نہیں، صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جاکے بٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

کیا ہوئی تقصیر ہم سے، تو بتا دے اے نظیر
تاکہ شادی مرگ سمجھیں ایسے مرجانے کو ہم

(۲۵۸)

نہیں یاں بیٹھتے جو ایک دم تم
تو کیا ڈرتے ہو ہم سے اے صنم تم

ہنسو، بولو، ملو، بیٹھو، بھلا جی — نہیں کیا عاشق و معشوق ہم تم
جو یاں آیا کبھی جا ہو تو بے خوف — ادھر لایا کرو اپنا قدم تم
نہایت سادہ دل ہیں ہم تو لے جاں — نہ سمجھو ہم میں ہرگز پیچ و خم تم

سنا جب یہ نظیر اس نے تو ہنس کر
کہا یہ تو ہمیں دیتے ہو دم تم

(۲۵۹)

رہ کے خاموش خوش[1] آئے بت گلفام کو ہم — سیکھے ہیں بلبل تصویر سے اس کام کو ہم
لذت آن و ادا لینے کو ہیں اور رہی آہ — ناز برداروں میں اس کے ہیں فقط نام کو ہم
میکدے سے نہ نکالو ہمیں اے بادہ کشاں — لب محبوب سمجھتے ہیں لب جام کو ہم
جس سے کرتے ہیں بتاں عہد جفا مہر و وفا — رشک سے دیکھتے ہیں اس نیک سرانجام کو ہم

چھوٹ کر دام سے اس کاکل مشکیں کے نظیر
یاد کرتے ہیں اسیری کے اب آرام کو ہم

[1] خوش آئے یعنی اچھے معلوم ہوئے۔ خوش آ لگے کو۔ محاورہ ہے ۱۲ امتی

(۲۶۰)

نہ اس کے نام سے واقف نہ اس کی جا معلوم — ملے گا دیکھیے کیونکر وہ بت خدا معلوم
جواب دیکھیے دل لے کے یہ کہا چپکے — نہ ہو یہ اور کسی کو ترے سوا معلوم
لگا کے زخم جگر پر جو پھر نمک چھڑکا — تو اس میں ہم کو ہوا اور بھی مزا معلوم
بدن پری کا ترے تن سے گو کہ گورا ہے — دلے وہ چاہے کہ ایسا ہو گدگدا معلوم
ہم اس پہ مرتے ہیں مدت سے اور وہ کہتا ہے — قسم خدا کی ہمیں تو یہ اب ہوا معلوم
ق
کیا تھا عہد نہ وعدہ نہ قول نے اقرار — جو آ گیا وہ مرے پاس شب کو نا معلوم
جو مجھ سے ہنس کے کہا جس لیے ہم آئے ہیں — نظیر تم نے بھی سچ کہیو کیا کیا معلوم
کہا یہ میں نے مجھے کیا خبر تمھیں جانو — کسی کے دل کی بھلا جی کسی کو کیا معلوم

(۲۶۱)

تمھیں جس گھڑی دیکھتے ہیں میاں ہم / تو ہوتے ہیں جی میں بہت شادماں ہم

بتوں کے عجب حسن اور ناز دیکھے / جہاں میں غرض جن دنوں تھے جواں ہم

تمھیں جس قدر چاہتا ہے دل اپنا / وہ جی جانتا ہے کریں کیا بیاں ہم

ق

نظیر اپنا ہم کو سمجھ کر نہ روٹھو / تمھارے ہی ملنے کو آتے ہیں یاں ہم

جو ملنا ہے مل لو کوئی دم وگرنہ
یہی جان لو او میاں پھر کہاں ہم

(۲۶۲)

بتوں کی دیکھ زلف عنبریں ہم / پھنسا بیٹھے دل اپنے کے تئیں ہم

لگا نا دیکھتے تیر نگہ کا / اگر دل میں نہ ہوتے سہمگیں ہم

کہا ہم نے کبھی آؤ ادھر کو / کہا ہنس کر نہیں جاتے کہیں ہم

ق

نظیر اب تو ہوئے اے جاں تمھارے / عجب کیا ہے اگر بیٹھیں قریں ہم

جو ہو کر ہمنشیں ہوں کچھ بھی گستاخ
سو اس ڈھب کے میاں ہرگز نہیں ہم

(۲۶۳)

ہر آن تمھارے چھپنے سے ایسا ہی اگر دکھ پائیں گے ہم
تو ہار کے اک دن اس کی بھی تدبیر کوئی ٹھہرائیں گے ہم

بیزار کریں گے خاطر کو پہلے تو تمھاری چاہت سے
پھر دل کو بھی کچھ منت سے کچھ ہیبت سے سمجھائیں گے ہم

گر کہنا دل نے مان لیا اور ترک بیٹھا تو بہتر ہے
اور چین نہ لینے دیوے گا تو بھیس بدل کر آئیں گے ہم

اوّل تو نہیں پہچانو گے اور لو گے بھی پہچان تو پھر
ہر طور سے چھپ کر دیکھیں گے اور دل کو خوش کر جائیں گے ہم

گر چھپنا بھی کھل جاوے گا تو مل کر افسوں سازوں سے
کچھ اور ہی لٹکا سحر بھرا اس وقت بہم پہونچائیں گے ہم

جب وہ بھی پیش نہ جاوے گا اور شہرت ہووے گی پھر تو
جس صورت سے بن آوے گا تصویر کھنچا منگوائیں گے ہم

سو توقف کروگے چھپنے کو تو بہتر ورنہ نظیر آسا
جو حرف زباں پر لائیں گے پھر وہ ہی کر دکھلائیں گے ہم

(۲۶۴)

کبھو دیکھوں نہ سنبل باغ کو میں، مجھے اُس خم زلفِ دوتا کی قسم
نہ نگہ کروں عارضِ گُل کی طرف، مجھے اُس رُخِ مہر و وفا کی قسم

یوں پھرے ہے چمن کی فضا میں صبا، وہ ہزار طرح سے ہو نافہ کشا
مرے دل کو نہ ہو کبھی اس کی ہوا، مجھے کوے صنم کی ہوا کی قسم

جو ہیں آیا ادھر کو وہ چشم سیہ، وہیں لے گیا دل کو بہ سیر نگہ
رہی عقل و خرد کو نہ جی میں جگہ، مجھے اُس بُتِ ہوش رُبا کی قسم

بدن اُس کا ہے رُو کشِ برگ سمن، مرے بر میں جو آوے وہ رشکِ چمن
کھلے غنچۂ دل مرا گُل کے تمن، مجھے اُس کھلے بندِ قبا کی قسم

ترے عشق نے دل میں جو درد دیا، تو کچھ اُس سے مزہ میں ایسا لیا
نہ کروں نہ کروں نہ کروں میں دوا میں نے کھائی ہے اب تو دوا کی قسم

لگی مہندی جو ہاتھوں میں اُس کے میاں، تو وہ سرخی کچھ ایسی ہے لالہ فشاں
وہ شفق جو کہ صبح کو ہووے عیاں سو وہ کھاتی ہے اُس کی حنا کی قسم

میں نے دیکھا نظیرؔ جو اُس کے تئیں، تو تھا شرم و حیا سے وہ سرو قریں
لیا نیچی نگاہوں سے جان دل و دیں، میں کہوں کیا اب اُسکی حیا کی قسم

(۲۶۵)

ہوں تیرے تصور میں، مری جاں، ہمہ تن چشم — دل ہے مرا جوں آئنہ حیراں ہمہ تن چشم
تا ایک نظر دیکھے تجھے اے مہِ تاباں — رہتا ہے سدا مہرِ درخشاں ہمہ تن چشم
آنکھوں کو ملے تا کہ ترے پاؤں کے نیچے — ہر نقشِ قدم سے ہے بیاباں ہمہ تن چشم
دیوانگی میری کے تحیر میں شب و روز — ہے حلقۂ زنجیر سے زنداں ہمہ تن چشم

اُس آئنہ رو کے ہے تصور میں، نظیرؔ، اب
حیرت زدہ نظارہ، پریشاں ہمہ تن چشم

(۲۶۶)

گر کسی سے نہ دل لگاتے ہم — لذتیں چاہ کی نہ پاتے ہم
گر نہ کرتے کچھ احتمالِ جفا — تو بھلا ناز کیا اُٹھاتے ہم
ق
ایک دن بھی جو وہ ادھر آتا — بہرِ تسلیم سر جھکاتے ہم
شاد ہو کر بٹھاتے اور ہر دم — لب پہ شکرِ قدوم لاتے ہم

چلنے لگتا تو باتیں کرتے نظیرؔ
گھر تلک ساتھ اس کے جاتے ہم

لفظ احتمال، برداشت اٹھانا، جھیلنا
قدوم - آنا ۱۲
آسی

(۲۶۷)

تدبیر ہمارے ملنے کی جس وقت کوئی ٹھہراؤ گے تم — ہم اور چھپیں گے یاں تک جی جو خوب ہی پھر گھبراؤ گے تم
بیزار کرو گے دل ہم سے یا منت در سے روکو گے — وہ دل تو ہمارے بس میں ہے پھر کس طور اسے سمجھاؤ گے تم
گر جادو منتر سیکھو گے تو سحر ہماری نظروں کا — اس کوچے میں بھلا دیں گے پھر کہیئے کیونکر آؤ گے تم
گر چھپ کر دیکھنے آؤ گے ہم اپنے بالاخانے سے — سب پردے چھوڑے رکھیں گے پھر کیونکر دیکھنے پاؤ گے تم

گر جادو منتر سیکھو گے تو سحر ہماری نظروں کا
تاثیر کو اس کی کھو دے گا کچھ پیش نہیں لے جاؤ گے تم[1]
تصویر اگر منگواؤ گے تو دیکھ ہماری صورت کو
حیران مصور ہووے گا پھر رنگ کہو کیا لاؤ گے تم

جس وقت نظیرؔ ان باتوں کی ہم خوب کریں گے ہشیاری
جو حرف زباں پر لاؤ گے تم پھر کیونکر کر دکھلاؤ گے تم

(۲۶۸)

اُسی کی ذات کو ہے دائما ثبات و قیام
قدیر، و حی، و کریم، و مُہیمن، و منعام[3]
کہ جس کو پہونچے نہ فکرت، نہ دانش و اوہام
بروج بارہ میں لا کر رکھی وہ بار یکی
قلم کو لوح پہ بخشی ہے طاقتِ ارقام
ادھر فرشتہ کر دیئے، اور اُدھر غلماں
یہ دو ہیں شمس و قمر، اور ساتھ ان کے یار
عطارد، و زحل، و زہرہ، مشتری، بہرام[4]
جو جا ہیں ایک پلک ٹھہریں یہ سو طاقت کیا
پھرا کریں گے یہ آغاز سے لے تا انجام
بشر جو چاہے کہ سمجھے انھیں، سو کیا امکاں
ہے یاں فرشتوں کی عاجز عقول اور افہام
نکالے اُن سے گل و میوہ شاخ و برگ و بار
سب اُس کے لطف و کرم کے ہیں عام یہ انعام
اُسی کے باغ سے دل شاد ہو کے کھاتے ہیں
چھوہارے، کشمش، و انجیر و پستہ، و بادام
چمک رہا ہے اُسی کی یہ قدرتوں کا نور
بہر زباں، و بہر ساعت، و بہر ہنگام
کہ اس کا شکر کریں شب سے ما بروز ادا
اطاعت اُس کی بجا لاویں صبح سے تا شام

نظیرؔ نکتہ سمجھ مہر و فضل خالق کو
اُسی کے فضل سے دونوں جہاں میں ہے آرام

(۲۶۹)

دیکھے نہ مجھے کیونکر، از چشم حقارت او
وہ سرو جواں یار و، من فاختۂ پیرم
چپ بیٹھوں تو کہتا ہے: خاموش چرا ہستی؟
کچھ بولوں تو ہوتا ہے، آزردہ ز تقریرم

[1] پیش نہ لے جاؤ گے: کچھ کر نہ سکو گے ۱۲
[3] یہ سب خدائے کریم کے اسم پاک ہیں
[4] بہرام ستارہ مریخ؛ ایک فرشتے کا نام جو مسافر کی حفاظت پر مقرر ہے ۱۲ آسی

ردیف نون (ن)

(۲۷۰)

گر گئی ہے اُس کی مژگاں کی جھپک بکل ہیں
کل اگر چاہے تو ہمدم اس گھڑی کچھ جھل ہیں

کچھ تو جاتا دل سے خارِ بیقراری کا خلش[1]
کاش وہ نوکِ مژہ دیتی قرار ایک پل ہیں

وہ کفِ پا[2] ہم نے سہلائی ہے نازک نرم نرم
کیا جتاتی ہے تو اپنی نرمی اے مخمل ہیں

اس پری رو کی گلی میں یا نہاں یا آشکار
جس طرح سے ہو سکے، اے ہمنشیں، لے چل ہیں

ہم تو ہوں کیفی[3] ترے، پر کیا کریں، اے چشمِ یار
ہوش میں آنے نہیں دیتا ترا کاجل ہیں

دل خمِ ابرو کو دیتے ہیں، تو کس کس پیچ سے
دام میں لیتا ہے اُس کا کاکل کا اک بل ہیں

ہم تو اُس کے چاہنے والے ہیں مدت سے نظیر
اور نیا گنتا ہے اب تک وہ صنم بیکل ہمیں

(۲۷۱)

کہتے ہیں یاں کہ "مجھ سا کوئی مہ جبیں نہیں"
پیارے! جو ہم سے پوچھو، تو یاں کیا، کہیں نہیں

تجھ سا تو کوئی حسن میں یاں نازنیں نہیں
یوں نازنیں بہت ہیں، پہ ناز آفریں نہیں

ق

ساقی کو جام دینے میں، اُس خوش نگہ کو آہ!
ہر دم اشارتیں ہیں کہ "اس کے تئیں نہیں"

جب اُس نہیں کے کہنے سے مانے ہے وہ بُرا
آپ ہی پھر اُس کو کہتا ہوں ہنس کر نہیں نہیں

اتنا تو چھیڑتا ہوں کہ کہتا ہے جب وہ شوخ
"بندہ تو میرا مول خریدا نہیں، نہیں؟

ساقی! تجھے قسم ہے، دیے جا مجھے تو جام
یاں دم میں دم ہے ہوتی نہیں جب نہیں نہیں"

پوچھے ہے اُس سے جب کوئی قتلِ نظیر کو
کہتا ہے "ہم نے مارا ہے؟ ہاں ہاں نہیں نہیں"

---

[1] خلش کو متقدمین نے بتذکیر بھی استعمال کیا ہے جیسے سودا کا یہ شعر ہے: زبلا ہے شگر ... شکستہ۔ بالی کے ... کر جس نے دل سے ... خلش ہاں کا ... گئی زبانا فصحا اس کو تانیث ہی فصیح جانتے ہیں۔ آسی

[2] کف پا: تلوا۔ کف کئی معنوں میں مستعمل ہے جیسے جھاگ، بلغم، اس معنی میں کف بالاتفاق مذکر ہے۔ ہتھیلی یا تلوے کے معنی میں کف بااختلاف مذکر و مؤنث ہے ... زینت سے ... حسن خداداد ہے ... سعدی سے ... مثال ... صورت ... خورشید کے ... آتش ... کہتے ۱۲ آسی

[3] شرابی۔ اکثر افیون کھانے والوں کے لیے مستعمل ہے ۱۲ آسی

(۲۷۲)

سزاوار" ارے ارے" ہوئے ہیں		بھلا اتنے تو ہم بارے ہوئے ہیں
نہ رکھتے ہم سے بل زلفوں کے حلقے		مگر اس کے یہ سنبکارے ہوئے ہیں
تمھاری دیکھ کر عیاریوں کو		میاں کچھ ہم بھی عیارے[۱] ہوئے ہیں
بلاتے ہی نہ آئے ہم تو[۲] بولا	ق	کہیں یہ نقد دل ہارے ہوئے ہیں

پھر آئی یوں نظیرؔ اس نے کہا ہاں
کسی خنجیل کے ہلکارے ہوئے ہیں

(۲۷۳)

فرقت میں خستہ دل کا جب حال دیکھتے ہیں	جی کی ہر اک طپش سے ہم فال دیکھتے ہیں
خم تاب، حلقے، بل، چیں گرہ و شکن سے اب تم	زلفوں میں پھنس کے کیا کیا جنجال دیکھتے ہیں
ابرو کو دیکھتے ہی دو تیغ بے نگا تی	اور زخم کا نمک ہے جب خال دیکھتے ہیں
کرتے نگہ ہیں جب ہم رفتار پر تو اس سے	دل کو ہر اک قدم پر پامال دیکھتے ہیں

اڑتا ہے رنگ رخ سے ڈر کر نظیرؔ کیا کیا
غصے میں ہم جب اس کا منھ لال دیکھتے ہیں

(۲۷۴)

آج تو ہمدم عزم ہے یہ کچھ ہم بھی کام کریں	کلک اٹھا کر یار کو اپنے نامۂ شوق ارقام کریں
خوبی سے القاب لکھیں آداب بھی خوش آئینی سے	بعد اس کے ہم تحریر مفصل فرقت کے آلام کریں
یا خود آوے آپ ادھر یا جلد بلا دے ہم کو وہاں	اس مطلب کے لکھنے کو بھی خوب سا سرانجام کریں
حسن زیادہ آن موثر ناز کی خوش ہو وہ چند	ایسے کتنے حرف لکھیں اور نامے کو اتمام کریں
سنکے وہ ہنسکر یوں بولا یہ تو تمھیں ہے فکر عبث	عقل جنھیں ہے وہ تو ہرگز اب یہ خیال خام کریں
کام یقیناً ہے وہی اچھا جو کہ ہو وانہ موقع سے	بات کہیں یا نامہ لکھیں یا رو رو صبح سے شام کریں

[۱] عیار کی بجائے عیارے استعمال کیا ہے ۱۲ آسی
[۲] آپ ہی کے بجائے آپی استعمال کیا گیا ہے جو بالکل ناجائز ہے ۱۲ آسی

اس میں بھلا کیا حاصل ہوگا سوچ تو دیکھو میاں نظیرؔ
وہ تو خفا ہو پھینک دے خط اور لوگ تمھیں بدنام کریں

(۲۷۵)

خوباں تمہارے آگے جو نام جمال لیں
دامن سے لگ کے منھ کو گریباں میں ڈال لیں

تیر نگہ لگا کے نہ کھینچو بھوؤں کی تیغ
پھر کھینچنا ہم اس کے تو پیکان نکال لیں

دل ناوک نگاہ پیاپے سے گر چلا
فرصت جو کچھ بھی دو تو ہم اس کو سنبھال لیں

رو کے ہی رکھیئے ٹک صف مژگاں کی نوک جھوک
ہم طاقت اپنے دل کی ذرا دیکھ بھال لیں

دل ہم تو دے چکے ہیں بتوں کو میاں نظیرؔ
میلا رکھیں یہ اس کے تئیں یا اُجال لیں

(۲۷۶)

وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں
تو مہ کے طشت میں گھی[1] کے چراغ جلتے ہیں

پڑے ہوس ہی ہوس میں ہمیشہ گلتے ہیں
ہمارے دیکھیئے ارمان کب نکلتے ہیں

ہجوم آہ سے آنکھوں سے اشک ڈھلتے ہیں
بھرے ہیں چاؤ جو دل میں سو یوں نکلتے ہیں

چراغ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو ہم تو چلتے ہیں

بزنگ اشک کبھی گر کے ہم نہ سنبھلے آہ
یہی کہا کیئے جی میں کہ اب سنبھلتے ہیں

نکالتا ہے ہمیں پھر وہ اپنے کوچے سے
ابھی تو نکلے نہیں ہیں، پر اب نکلتے ہیں

فدا جو دل سے ہے ان شوخ سبزہ رنگوں پر
یہ ظالم اس کی ہی چھاتی پہ مونگ[2] دلتے ہیں

ق

ہوا نحیف بھی یاں تک کہ حضرت مجنوں
یہ مجھ سے کہتے ہیں اور ہاتھ اپنے ملتے ہیں

کوئی تو پگڑی[3] بدلتا ہے اور سے لیکن
میاں نظیرؔ ہم اب تم سے تن بدلتے ہیں

[1] گھی کے چراغ جلنا۔ خوشی منانے کی علامت ۱۲
[2] چھاتی پہ مونگ دلنا علاقہ تکلیف پہونچانا ۱۲
[3] پگڑی بدلنا بھائی چارہ کرنا۔ دوستی کرنا ۱۲ آسی

(۲۷۷)

صفائی اس کی جھلکتی ہے گورے سینے میں
نہ توئی ہے، نہ کناری نہ گوکھرو تس پر
جو پوچھا میں کہ "کہاں تھی" تو ہنس کے یوں بولی
پڑا جو ہاتھ مرا سینے پر تو ہاتھ جھٹک
جو ایسا ہی ہے تو اب ہم نہ روز آویں گے
کبھو مشک کبھی بس بس، کبھو پیالہ چٹک
چڑھی جو دوڑ کے کوٹھے پہ وہ پری اک بار
وہ پہنا کرتی تھی انگیا جو سرخ لاہی کی

چمک کہاں ہے یہ الماس کے نگینے میں
سجی ہے شوخ نے انگیا بنت کے مینے میں
"میں لگ رہی تھی اس انگیا موئی کے سینے میں"
پکاری! "آگ لگے اوئی اس قرینے میں"
کبھو جو آئے تو ہنستے ہیں یا مہینے میں
دماغ کرتی تھی کیا کیا شراب پینے میں
تو میں نے جا لیا اُس کو اُدھر کے زینے میں
لپٹ کے تن سے وہ تر ہو گئی پسینے میں

یہ سرخ انگیا جو دیکھی ہے اس پری کی نظیر
مجھے تو آگ سی کچھ لگ رہی ہے سینے میں

(۲۷۸)

کیا کاسۂ مے لیجیے اس بزم میں اے ہم نشیں
یہ کاسۂ فیروز گوں ہے شیشہ باز پر فنوں
ہو اعتماد اس کا کسے ہے شیشہ بازی یاد اسے
کل دامن صحرا میں ہم گزرے جو وقت صبحدم
بولا بہ فریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے او میاں
گلبرگ سے نازک بدن سر پاؤں سے رشک چمن
دن رات ناز و نعمتیں مہ طلعتوں کی صحبتیں
باغ و چمن پیش نظر، بزم طرب شام و سحر
ایک آسماں کے دور سے اک گردش فی الفور سے

دور فلک سے کیا خبر پہونچے کا لب تک یا نہیں
جتنے حیل ہیں اور فسوں سب اُسکے ہیں نیرنگیں
رکھتا ہے شاد اک دم جسے کرتا ہے پھر اندوہگیں
اک کاسۂ سر پر الم آیا نظر اپنے وہیں
تھے ہم بھی سر پر آسماں گو اب تو ہیں زیر زمیں
زریں و سیمیں پیرہن دلکش مکانوں کے مکیں
عیش و نشاط و عشرتیں ساقی قران مطرب قریں
ہر سو بکثرت جلوہ گر حسن بتان نازنیں
اب سوچیے گا غور سے در لحظہ آں در لحظہ ایں

سلہ توئی ایک قسم کی کپڑے پر بنی ہوئی بیل۔ کناری پتلا گوٹا۔ گوکھرو ایک قسم کا بٹا ہوا اور موڑا ہوا گوٹا۔ بنت لمبی چپٹی جس پر سنہری نقرئی تاروں کا کام ہو ۱۲ آسی
سلہ اُدھر۔ درمیان ۱۲
سلہ لاہی۔ ایک سرخ کپڑا ۱۲
سلہ حیل جمع حیلہ ۱۲
سلہ وقت صبح دم کی قسم کی ترکیبوں پر سوال ہوتا ہے۔ اگرچہ اہل فارس نے استعمال کی ہیں جیسے صائب کا یہ شعر ؎ مرد چوں پیر شود حرص جواں می گردد + خواب سگ وقت سحرگاہ گراں میگردد ۱۲ آسی

سنتے ہی جی بھر آگیا، رخسار پر اشک آگیا
دل عبرتوں سے چھا گیا، خاطر ہوئی بس ہمگیں

اس میں سر انجا ناگہاں ہر مو ہوا مثل زباں
بولا نظیر آگہ ہو ہاں، من نیز روزے ہمچنیں

(۲۷۹)

بگولے اٹھ چلے تھے اور نہ تھی کچھ دیر آندھی میں
کہ ہم سے یار سے آ ہو گئی مٹھ بھیڑ آندھی میں

جتا کر خاک کا اڑانا، دکھا کر گرد کا چکر
دہیں ہم لے چلے اُس گلبدن کو گھیر آندھی میں

رقیبوں نے جو دیکھا یہ اڑا کر لے چلا اُس کو
پکارے "ہائے! یہ کیسا ہوا اندھیر آندھی میں"

وہ دوڑے تو بہت، لیکن انھیں آندھی میں کیا سوجھے
زبس ہم اُس پری کو لائے گھر میں گھیر آندھی میں

چڑھا کوٹھے پہ، دروازے کو موند اور کھول کر پردے
لگا چھاتی سے لئے بوسے، کیا ہشت پھیر آندھی میں

وہ کوٹھے کا مکاں، وہ کالی آندھی، وہ صنم گل رو
عجب رنگوں کی ٹھہری آ کے ہیرا پھیر آندھی میں

اٹھا کر طاق سے شیشہ، لگا چھاتی سے دلبر کو
نشوں میں عیش کے کیا کیا کیا دل سیر آندھی میں

کبھی بوسہ، کبھی انگیا پہ ہاتھ، اور گاہ سینے پر
لگے لٹنے مزے کے سنگترے اور بیر آندھی میں

مزے، عیش و طرب، لذت، لگے یوں ٹوٹ کر گرنے
کہ جیسے ٹوٹ کر میووں کے ہوویں ڈھیر آندھی میں

رقیبوں کی میں اب خواری خرابی کیا لکھوں یارے
بھری نتھنوں میں اُنکے خاک دس دس سیر آندھی میں

کسی کی اڑ گئی پگڑی، کسی کا پھٹ گیا دامن
گئی ڈھال، اور کسی کی گر پڑی شمشیر آندھی میں

نظیر آندھی میں کہتے ہیں کہ اکثر دیو ہوتے ہیں
میاں، ہم کو تو لے جاتی ہیں پریاں گھیر آندھی میں

(۲۸۰)

کھلے گل سبزہ نزہت بار ہے کیا کیا بہاریں ہیں
صبا ہر رنگ خوشبو ہے یار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

ہجوم ابر ہے چمکے ہے برق اور مینھ برستا ہے
نشہ ہے تازگی ہے یار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

صدائے بلبلاں ہر آبجو ہے صحن گلشن ہے
سمن ہے سرو ہے گلزار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

صنم کے لب میں پان، ہاتھوں میں مہندی پیر پر پائل | کناری ہے دھنک سے، ہار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

نظیر اب عاشق کی بیتاب ہے ہر دم یہ کہہ کہہ کر
چمن ہو، گل ہو، تکمیل رخسار ہو، کیا کیا بہاریں ہیں

(۲۸۱)

یہ جو خوباں حجاب کرتے ہیں
اپنے ملنے سے دیکھئیے کس دن
کل کہا ہم نے او نظیر میاں
چپکے بیٹھے ہو کیوں تو سن کے کہا

ق

ہم پہ ناز و عتاب کرتے ہیں
ہم کو پھر کامیاب کرتے ہیں
تم سے ہم یہ خطاب کرتے ہیں
شکوے جی میں حساب کرتے ہیں

ہیں تو کرنے بہت ولیکن ہم
دل میں کچھ انتخاب کرتے ہیں

(۲۸۲)

جب اس کا ادھر ہم گزر دیکھتے ہیں
ادھر تیر چلتے ہیں ناز و ادا کے
ستم ہے کن انکھیوں سے گر اک نگہ سے
نہ دیکھیں تو یہ حال ہوتا ہے دل کا
جو دیکھیں تو یہ جی میں گزرے ہے خطرہ
مگر اس طرح دیکھتے ہیں کہ اس پر

تو کر دل میں کیا کیا حذر دیکھتے ہیں
ادھر اپنا سینہ سپر دیکھتے ہیں
غضب ہے اگر آنکھ بھر دیکھتے ہیں
کہ سو سو تڑپ کے اثر دیکھتے ہیں
ابھی سر اڑے گا اگر دیکھتے ہیں
یہ ثابت نہ ہو جو ادھر دیکھتے ہیں

چھپا کر، دغا کر، نظیر اس صنم کو
غرض ہر طرح اک نظر دیکھتے ہیں

(۲۸۳)

مژگاں وہ جھپکتا ہے اب تیر ہے اور میں ہوں | سر پاؤں سے چھدنے کی تصویر ہے اور میں ہوں

کہتا ہے وہ گل تیرے پرزے میں اڑا دوں گا
اب صبح کو قاتل کی شمشیر ہے اور میں ہوں
بے جرم و خطا جس کا خوں ہووے روا یارو
اس خوبیٔ قسمت کا نخچیر ہے اور میں ہوں
ہے قتل کی دھن اس کو اور میری نظر حق پر
تدبیر ہے اور وہ ہے تقدیر ہے اور میں ہوں

دل ٹوٹا نظیر اب تو دو چار برس رو کر
اس قصر شکستہ کی تعمیر ہے اور میں ہوں

(۲۸۴)

چمن میں جب سے لب اس غنچہ لب نے کھولے ہیں
گلوں کے پہلو میں غنچے نہیں پھپھولے ہیں
یہ مہر و مہ جو نشیب و فراز ہیں گرداں
تمہارے باغ میں ایسے کئی ہنڈولے ہیں
تلا نہ حسن تمہارا، وگرنہ میزاں میں
فلک پہ شمس و قمر لاکھ بار تولے ہیں
ہمارے قطرۂ اشک اس کی سرد مہری سے
کسی زمانے میں موتی تھے اب تو اولے ہیں

وہ سنگدل جو نہ بولا تو کیا تعجب ہے
میاں نظیر کہیں بت بھی منہ سے بولے ہیں

(۲۸۵)

گل نظر آیا چمن میں اک عجیب رشک چمن
گل رخ و گلگوں قبا و گلعذار و گل بدن
مہر طلعت، زہرہ پیکر، مشتری رو، مہ جبیں
سیمبر، سیماب طبع و سیم ساق و سیم تن
تیر قد، نشتر نگہ، مژگاں سناں، ابرو کماں
برق بہ ناز و رزم ساز و نیزہ باز و تیغ زن
زلف و کاکل خال و خط چاروں کے یہ چاروں غلام
مشک تبت مشک چیں مشک خطا مشک ختن
نازنیں، ناز آفریں، نازک بدن، نازک مزاج
غنچہ لب رنگیں ادا سیمیں زنخ شیریں دہن
بے مروت بے وفا بے درد بے پروا خرام
جنگجو قتال وضع و تند خو و دل شکن
دوش و بر دندان لب چاروں سے یہ چاروں خجل
نسترن برگ سمن دُرِ عدن لعل یمن
سختی و بے رحمی و ظلم و جفا اس شوخ کے
معتمد، موصی الیہ و مستشار و مؤتمن

مبتلا ایسے ہی خونخواروں کے ہوتے ہیں نظیر
بے قرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

(۲۸۶)

کیوں نہ ہو بام پہ وہ جلوہ نما تیسرے دن
ماہ بھی چھپ کے نکلتا ہے دلا تیسرے دن

ہاتھ سے اب تو قلم رشک مسیحا رکھ دے
نسخے بدلیں ہیں جہاں کے حکما تیسرے دن

غرق دریائے محبت کی نہیں ملتی لاش
ورنہ ڈوبا ہوا نکلے ہے سنا تیسرے دن

دل بیمار رہے عشق میں کیوں کر سرسبز
خاک سے دانے کو ہے نشو و نما تیسرے دن

چھوڑ مت زلف کے مارے کو تو دریا میں ہنوز
سانپ کے کاٹے کو دیتے ہیں بہا تیسرے دن

اب ذرا چشم کے بیمار کا کر اپنے علاج
ہوتی معلوم ہے تاثیر دوا تیسرے دن

لوگ کہتے ہیں کہ ہیں پھول ترے کشتے کے
مہندی ہاتھوں میں تو قائل نہ لگا تیسرے دن

عمر اک ہفتہ نہیں باغ میں اے گل مت بھول
رنگ بدلے ہے زمانے کی ہوا تیسرے دن

چار حرف[1] اس بت پرخوں کے اوپر بھیج نظیر
آپ سے آپ جو ہو جائے خفا تیسرے دن

(۲۸۷)

عیش کر خوباں میں، اے دل، شادمانی پھر کہاں
شادمانی گر ہوئی تو زندگانی پھر کہاں

جس قدر پینا ہو پی لے پانی انکے ہاتھ سے
آب جنت تو بہت ہوگا، یہ پانی پھر کہاں

لذتیں جنت کے میوے کی بہت ہوں گی وہاں
پر یہ میٹھی گالیاں خوباں کی کھانی پھر کہاں

واں تو ہاں حوروں کے گہنے کے بہت ہوں گے نشاں
ان پریزادوں کے چھلوں کی نشانی پھر کہاں

الفت و مہر و محبت سب ہیں جیتے جی کے ساتھ
مہرباں ہی اٹھ گئے، یہ مہربانی پھر کہاں

واعظ و ناصح بکیں تو انکے کہنے کو نہ مان
دم غنیمت ہے میاں یہ تو جوانی پھر کہاں

جا پڑے چپ ہو کے جب شہر خموشاں میں نظیر
یہ غزل یہ ریختہ یہ شعر خوانی پھر کہاں

[1] چار حرف بھیجنا یعنی لعنت بھیجنا — آسی

(۲۸۸)

لیتا ہے جان میری تو میں سر بدست ہوں
اک دم کی زندگی کے لیئے مت اُٹھا ب مجھے
تو مست کر شراب سے، اے گل بدن ؑ ب مجھے
دور از طریق مجھ کو سمجھیو نہ زاہدا

اے یار میں تو کشتۂ روز الست ہوں
اے بے خبر میں نقش زمیں کی نشست ہوں
ظالم میں تیری چشم گلابی سے مست ہوں
گر تو خدا پرست ہے میں بت پرست ہوں

ان سنگدل بتوں کا گلہ کیا کروں نظیر
میں آپ اپنے شیشۂ دل کی شکست ہوں

(۲۸۹)

یہ ہم سے آپ جو چیں بر جبیں ہیں
بتاں لیتے ہیں دل دونوں طرح سے
کھڑے تھے ہم جو اس گلرو کے آگے
کہا کہیے نظیر اپنی تمنا

ق

اگر ہم جاہ کے لائق نہیں ہیں
اگر بیباک ہیں یا شرگیں ہیں
سبب یہ کچھ جو ہم الفت گزیں ہیں
بڑے ہی آپ صاحب دور بیں ہیں

کچھ ایسا ہو کہ جس میں لوگ ہم کو
کہیں یہ بھی اب ان کے ہمنشیں ہیں

(۲۹۰)

اس کے رخسار کی صباحت میں
حُسن کو دیکھ اے دل ناداں
ہو گئے جو مقیم کوئے بتاں
دل لگا کر نظیر بیٹھے ہم

ق

شور ہے خال کا ملاحت میں
ورنہ پڑ جائے گا قباحت میں
پھر نہ آئے کبھی سیاحت میں
رنج سے دور ہو کے راحت میں

جب سنا یہ کہ یاں ہے فرقت بھی
آ گیا فرق استراحت میں

(۲۹۱)

کیا کہیں ہم یہ رات چاہت میں
گزری کیا واردات چاہت میں

شرط الفت میں کیا مزا لے دل
چاہیے کچھ ثبات چاہت میں

یار چاہے تو پل میں آساں ہو
ورنہ ہیں مشکلات چاہت میں

کڑوی باتیں نظیر لگتی ہیں
دل کو مثل نبات چاہت میں

کردے حنظل کو ایک دم میں شہد
ہم نے دیکھی یہ بات چاہت میں

(۲۹۲)

نہ دیویں ہم تو دل اپنا کبھی بتوں کے تئیں[۱]
پر ان کے حسن کے آگے کچھ اختیار نہیں

ق

نظیر اک دن اس تند خو سے میں نے کہا
یہ فارسی میں کہ اے مہ عذار زہرہ جبیں

چہ کردہ ام[۲] کہ نگاہے بحال من نہ کنی
چہ گفتہ ام کہ نگوئی دمے بیا بنشیں

بجز جفا و تعدی نمی کنی بر من[۳]
نگہ عتاب قریں داری و جبیں پرچیں

دلم[۴] برائے ہمیں بردہ کہ ظلم کنی
شنید و گفت "بلے بردہ ام برائے ہمیں"

(۲۹۳)

دور سے منھ کو دکھا جاوے تو کچھ دور نہیں
اپنے منظور کو یہ بات بھی منظور نہیں

تاک کر سنگ نہ پھینکو کہ مرے سینے میں
دل پر اک آبلہ ہے خوشۂ انگور نہیں

اک تبسم ہے بتوں کا مری صحت کی دوا
پر وہ شوخی سے یہ کہتے ہیں تو رنجور نہیں

ان کا گورا وہ بدن ہے کہ برابر اس کے
سیم خالص نہیں موتی نہیں بلور نہیں

حسن میں اس در یکتا ہے جو ہمتا ہو نظیر
آدمی کیا کہ پری کا بھی یہ مقدور نہیں

[۱] تئیں متروک ہے اور اس کے بجائے اب کو زیادہ فصیح سمجھا جاتا ہے ۱۲
[۲] میں نے کیا خطا کی ہے کہ تو میرا حال نہیں دیکھتا اور ایسا میں نے کیا کیا ہے کہ دم بھر بیٹھنے کے لیے تو مجھ سے نہیں کہتا ۱۲
[۳] سوائے اس کے تو مجھ پر ظلم و جور کرے اور کچھ نہیں کرتا۔ میری طرف سے تیری نگاہ میں عتاب بھرا ہے اور پیشانی پر شکن پڑی ہے ۱۲
[۴] کیا تو میرا دل اسی لیے لے گیا تھا کہ مجھ پر ظلم کرے۔ اس نے یہ سنا تو بولا کہ جی ہاں اسی لیے میں نے دل لیا تھا ۱۲

(۲۹۴)

دل ٹھہرا ایک تبسم پر کچھ اور بہا اے جان نہیں
گر ہنس دیجے اور لے لیجے تو فائدہ ہے نقصان نہیں

یہ ناز ہے یا استغنا ہے یا طرز تغافل ہے یارو
جو لاکھ کوئی تڑپے سسکے فریاد کرے کچھ دھیان نہیں

جب سنتا ہے احوال مرا یوں کہتا ہے عیاری سے
ہے کون وہ اس سے ہم کو تو کچھ جان نہیں پہچان نہیں

کچھ بن نہیں آتا کیا کیجے کس طور سے ملیے اے ہمدم
وہ دیکھ ہمیں رک جاتا ہے اور ہم کو چین اک آن نہیں

تر دیکھ کے میری آنکھوں کو یہ بات سناتا ہے ہنس کر
ہیں کہتے جس کو چاہ میاں وہ مشکل ہے آسان نہیں

دل پھنس کر اس کی زلفوں میں تدبیر رہائی کی مت کر
کب چھوٹا اس کے دام سے تو وہ دانا ہے نادان نہیں

زنہار نہ رکھیو دل میں نظیرؔ اس لب سے توقع بوسے کی
گر بھولے سے بھی یار تجھے دشنام وہ دے امکان نہیں

(۲۹۵)

کیا دل لگا دیں مہرباں ہم حسن صورت سے کہیں
نے واں ثبات اس سے ہم نے یاں قیام اپنے تئیں
تھا اک مکان دلکشا رشک چمن جس کی فضا
تھی اس جگہ رونق فزا رقاصہ شوخ اک نازنیں
قد حسرت سرو چمن لب غیرت لعل یمن
جعد معنبر پرشکن نوک مژہ نشتر قریں
دیکھ اس کے رقصوں کی ادا دل رقص میں تھا جا بجا
نغمات یکسر سحر زا، انداز کل جادو گزیں
ناز و ادا کی گرمیاں غارت گر صبر و تواں
طور تکلم در فشاں طرز تبسم شکریں

کیا کیا لگاوٹ بے بدل کیا کیا رکھاوٹ پُر محل
گردوں نے اک گردش جو کی زار و عجوزہ[۱] ہوگئی
وہ گل سا مکھڑا زرد ہے گرمی کا عالم سرد ہے
جوں بید لرزاں دست و پا ہو جائے چوب گل عصا
نے چشم میں مستی رہی نے خو میں وہ تندی رہی
دیکھ اس کو میں نے ناگہاں پوچھا کچھ اپنا کر بیاں

کیا کیا بناوٹ بل بہ بل کرتی تھی وہ زہرہ جبیں
وہ نوجوانی تازگی دیکھی تو کوسوں تک نہیں
جاں رنج سے پُر درد ہے آزردہ دل اندوہگیں
ہر موجو سنبل رشک تھا یکسر ہے برگ یاسمیں
نے لب میں وہ سرخی رہی نے منھ میں وہ دُرِّ ثمیں[۲]
تھی کل تو رشکِ گلستاں ہے آج خار ہمگیں

بولی نظیر عبرت میں رہ کیا پوچھنے کی ہے جگہ
یاں کی یہی ہے رسم و رہ گا ہے چناں گاہے چنیں

(۲۹۶)

کہیں بیٹھنے دے دل اب مجھے جو حواس ٹک میں بجا کروں
نہیں تاب مجھ میں کہ جب تلک تو پھرے تو میں بھی پھرا کروں

تو ہزار مجھ کو ستا پری تری چاہ مجھ سے نہ چھوٹے گی
مرے دل کی تو ہے یہی خوشی تو جفا کرے میں وفا کروں

جو نہی بوسہ میں نے کیا طلب تو کہا تجھے تو نہیں ہے ڈر
مجھے خوف ہے کہ مباد اگر کوئی دیکھ لے تو میں کیا کروں

مجھے مدتوں سے ہے درد دل جو کہا کچھ اس کا علاج کر
تو کہا کہ اس کی دوا ہے یہ تو کہا کرے میں سنا کروں

جو نگہ سے چاہ کے دیکھیے تو چڑھا کے تیوری یہ کہتا ہے
یہی اس نگہ کی سزا ہے یہ کہ بس اب میں تجھ سے چھپا کروں

کبھی اس کے کوچے میں جا ملے جو بکام دل گھڑی دو گھڑی
تو مجھے ہیں یاد وہ مکر و فن پھر اسی کے دل میں جا کروں

۱؎ عجوزہ۔ بڑھیا
۲؎ دُرِّ ثمیں قیمتی موتی ۳؎ مثال
سقوط عین ۱۲
آسی

کوئی بولا تم نے نظیر کو نہ جھڑک دیا تو کہا میاں
دل وجاں سے مجھ پہ فدا ہے وہ اسے کس طرح میں خفا کروں

(۲۹۷)

دوانہ ترا عاشق زار میں ہوں ۔۔۔ فدا تجھ پہ مدت سے اے یار میں ہوں
قریبوں میں کب تیرے آتا ہوں ظالم ۔۔۔ فریبی جو تو ہے تو عیار میں ہوں
جسے اس نے کاٹا ہوا ہے اجل وہ ۔۔۔ سمجھتا تری زلف کو مار میں ہوں
اگرچہ وہ گل ہے دیا چشم نرگس ۔۔۔ ترے باغ تازہ کا اک خار میں ہوں

(۲۹۸)

تفرقہ ہوتا ہے ایسا بھی گل اندام کہیں ۔۔۔ مے کہیں، شیشہ کہیں، ساقی کہیں، جام کہیں
دل کی بیتابی نہیں ٹھہرنے دیتی ہے مجھے ۔۔۔ دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں
ایک دل دیجیے کس کس کو سبھی مانگتے ہیں ۔۔۔ گندے بالے کہیں اور زلف سیہ فام کہیں
نامہ بر نامہ لکھوں یا میں زبانی کہہ دوں ۔۔۔ خط کے پرزے پہ لکھوں قاصد ناکام کہیں

دل بھی اور جان دیا سب نے اسی پر ہے نظیر
گل کہیں، غنچہ کہیں، بلبل بدنام کہیں

(۲۹۹)

نہ دن کو چین نہ راتوں کو خواب آنکھوں میں ۔۔۔ بھر آرہا ہے ترے غم سے آب آنکھوں میں
جدھر وہ دیکھے ادھر صف کی صف الٹ دے ہے ۔۔۔ بھری ہے شوخ کے ایسی شراب آنکھوں میں
تھما نہ اشک نہ نیند آئی نا پلک جھپکی ۔۔۔ بسا ہے جب سے وہ خانہ خراب آنکھوں میں

شتابی آن کے تجویز ہو، پگڑیاں رنگ لو
نظیر لایا ہے بھر کر شہاب آنکھوں میں

(۳۰۰)

اپنی پرستشوں کی گرچہ نہایتیں ہیں
لیکن بتوں کی ہم سے اب تک شکایتیں ہیں

منھ کو پھرا کے ہم سے آئینے کو دکھانا
آئینہ رویوں کی کیا کیا رعایتیں ہیں

کہتے ہیں ہم جو آؤ تو در جواب اس کے
ایک اک سخن میں سو سو طرزیں کنایتیں ہیں

بے رحمی نگہ کی فریاد جب ہیں کرتے
تو ہم کو جھڑکیاں ہیں اس کی حمایتیں ہیں

بخت سیہ ہمارا محروم لطف سے ہے
اور سرمہ و مسی پر کیا کیا عنایتیں ہیں

سن کر کسی کے غم کو کہتے نہیں کہ سچ ہے
تحریک لب کی اپنے یاں تک کفایتیں ہیں

دے کر نظیر دل کو جو جو سہیں جفائیں
کہئیے کہاں تک ان کو لاکھوں حکایتیں ہیں

(۳۰۱)

یہ جو گلرو نگار ہنستے ہیں
فتنہ گر ہیں ہزار ہنستے ہیں

عرض بوسے کی سچ نہ جانو تم
ہم تو اے گلعذار ہنستے ہیں

دل کو دے مفت ہنستے ہیں ہم یوں
جس طرح شرمسار ہنستے ہیں

ق

ہم جو کرتے ہیں عشق پیری میں
خوبرو بار بار ہنستے ہیں

جو قدیمی ہیں یار دوست نظیر
وہ بھی بے اختیار ہنستے ہیں

(۳۰۲)

کہتے ہیں جس کو نظیر سنئیے ٹک اس کا بیاں
تھا وہ معلم غریب بزدل و ترسندہ جاں

کوئی کتاب اس کے تئیں صاف نہ تھی درس کی
آئے تو معنی لکھے ورنہ پڑھائی رواں

فہم نہ تھا علم سے کچھ عربی کے اسے
فارسی میں ہاں مگر سمجھے تھا کچھ این و آں

لکھنے کی یہ طرز تھی کچھ جو لکھے تھا کبھی
پختگی و خامی کے اس کا تھا خط درمیاں

شعر و غزل کے سوا شوق نہ تھا کچھ اسے — اپنے اسی شغل میں رہتا تھا خوش ہر زماں
قامتِ پست قد سانولا ہندی نژاد — تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق عیاں
ماتھے پہ اک خال تھا چھوٹا سا مسّے کے طور — تھا وہ پڑا آن کر ابروؤں کے درمیاں
وضع سبک اس کی تھی، قش پہ نہ رکھتا تھا ریش — مونچھیں تھیں اور کانوں پر پٹّے بھی تھے پربیاں
پیری میں جیسی کہ تھی اس کو دل افسردگی — ویسی ہی رہی تھی ان دنوں جن دنوں میں تھا جواں
جتنے غرض کام ہیں اور پڑھانے سوا — چاہیے کچھ اس سے ہوں اتنی لیاقت کہاں

فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر
عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و نان

(۳۰۳)

جب کہ اُلٹی ہم نے تکرارِ نظر پہ آستیں — کھینچ لی اُس نے رخِ رشکِ قمر پہ آستیں
اُس پری رو کے دوانے کی یہ ہے شکلِ لباس — تارِ دامن خار پہ، شاخِ شجر پہ آستیں

(۳۰۴)

طلعتِ یوسف صباحت میں ہو لاثانی ولے — یہ نمک یہ خال و خط، یہ زلف یہ ابرو کہاں
کس طرح سنبل ہو اُن زلفوں سے آ کر سر بسر — یہ لٹک، یہ بل، یہ پیچ و تاب، یہ خوش بو کہاں

(۳۰۵)

یہ حسن دی بہاراں جن دہلی آندیاں ہیں — کر کہ طرح جگر وچ دھوماں مچاندیاں ہیں
کوئی نہ دیکھدا ہے، دیکھو ادھر تو پیارے — تم بن ہماری انکھیاں آنجھو بہاندیاں ہیں

(۳۰۶)

کل نظیرؔ اس نے جو پوچھا بہ زبانِ پنجاب — نیہہ وچ میںڈی ہے کے حال تساڈا وے میاں
جوڑ ہتھ ہم نے کہا حال "اساڈے دل وا — تسی سب جان دی ہو جی اسے کے عرج کراں

(٣٠٧)

چاہت سے اب افشائے اسرار تو ہم ہیں — کیوں دل سے جھگڑتے ہو گنہگار تو ہم ہیں
کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ — حسرت زدہ شوخی رفتار تو ہم ہیں

متفرقات (ن)

۴٠ چھوٹا سا خال اس رخ خورشید تاب میں — ذرہ سما گیا ہے دل آفتاب میں
۴١ چمن میں جب سے لب اس غنچہ لب نے کھولے ہیں — گلوں کے پہلو میں غنچے نہیں پھپھولے ہیں
۴٢ میں اک اپنے یوسف کی خاطر، عزیز و — یہ ہستی کی ساری دکان بیچتا ہوں
۴٣ طوفان اٹھا رہا ہے مرے دل میں سیل اشک — وہ دن خدا نہ لائے جو میں آبدیدہ ہوں
۴۴ صبح جب بول اٹھا مرغ سحر گکڑوں کوں — اٹھ گئے پاس سے وہ رہ گیا میں ٹکڑوں ٹوں
۴۵ کس کو کہیئے نیک اور ٹھہرائیے کس کو برا — غور سے دیکھا تو سب اپنے ہی بھائی بند ہیں

ردیف واؤ۔ (و)

(٣٠٨)

نکلے ہو کس بہار سے تم زرد پوش ہو — جس کی نوید پہونچی ہے رنگ بسنت کو
دی بر میں اب لباس بسنتی کو جیسے جا — ایسے ہی تم ہمارے بھی سینے سے آلگو
گر ہم نشے میں بوسے کہیں دو تو لطف سے — تم پاس منھ کو لاکے یہ ہنس کر کہو کہ لو
بیٹھو چمن میں نرگس صد برگ کی طرف — نظارہ کرکے عیش و مسرت کی داد دو
سن کر بسنت مطرب زریں لباس سے — بھر بھر کے جام پھر مے خوشرنگ کے پیو
کچھ قمریوں کے نغمے کو دو سامعے میں جا — کچھ بلبلوں کا زمزمہ دل کشا سنو

مطلب ہے یہ نظیرؔ کا یوں دیکھ کر بسنت
ہو تم بھی شاد دل کو ہمارے بھی خوش کرو

(۳۰۹)

ہم دم چھپا دے واں کوئی کیا دل کی چاہ کو
دکھلا حنائی دست لیا جیب سے دین و دل
بیٹھا جو چاندنی میں تو رُخ کی جھلک دکھا
ناصح تو راست کہتا ہے، لیکن وہ کیا کرے؟
جھڑکی سے، اُس نے ہم کو خفا دیکھ کر، کہا:
جاتے ہیں جھڑکیوں میں ہماری وہ لذتیں

شاہد جہاں سمجھتے ہیں پہلی نگاہ کو
کیا دست رس ہے دیکھیے اس دستگاہ کو
خجلت تھی کون سی کہ نہ دی روئے ماہ کو
دے بیٹھے اپنا دل جو کسی کج کلاہ کو
ق "کیا ناپسند گنتے ہو اس رسم و راہ کو
جو چاہ میں سمجھتے ہیں بہتر نگاہ کو

گر عار ہے کچھ اس میں تمھیں، تو میاں نظیر
لے جاؤ اپنے اس دل عزت پناہ کو

(۳۱۰)

حسن و فا سے کیا کیا دکھلا دیا ہے تم کو
ہوش و خرد دل و دیں صبر و قرار اپنا
تیوری دکھا کے ہم کو بولا ادب سے رہنا
چاہت کی دُھن میں ہم سے اک مہرباں نے پوچھا ق

کیوں جی دل اپنا ہم نے کیسا دیا ہے تم کو
دیکھو تو ہم نے اے جان کیا کیا دیا ہے تم کو
مت بھولنا یہ ہم نے سمجھا دیا ہے تم کو
نقشا کسی نے اس کا بتلا دیا ہے تم کو

مشکل ہے وہ تو اور تم سمجھے نظیر آساں
یہ تو میاں کسی نے بہکا دیا ہے تم کو

(۳۱۱)

چاہت میں جس سے اے دل کچھ بھی معاملہ ہو
مجنوں کی عشق بازی ہم نے سنی تو جانا
بے بوسۂ کفِ پا ہیہات تو نہ اے دل
چاہت کی شرطیوں ہے، ہو چاہ جسکی اس سے

وہ راہ واں نہ چلیے جس راہ کا گلہ ہو
کیونکر نہ ہو وہ لیلیٰ جس کا یہ حوصلہ ہو
ایسا نہ ہو کہ اس کے پاؤں میں آبلہ ہو
ظاہر میں گر ہو دوری دل میں نہ فاصلہ ہو

مژگاں کی نوکیں چبھوئیں دل کو نظیر اپنے
کب دیکھنے میں آویں، جب پھر مقابلہ ہو

(۳۱۲)

بھوؤں کی تیغ کہاں دل پہ آزمانے دو ۔۔۔ قرار ایک کا کر کے لگے لگانے دو
مجال کیا جو چھوئیں ہم تمہاری زلف اے جاں ۔۔۔ بھلا ہمیں کف پا تک تو ہاتھ لانے دو
ق
حنا لگائی ہے یا حرف ہے نزاکت کا ۔۔۔ نہ باہر آنے کے اکثر یہ ہیں بہانے دو
کہا کسی نے نظیر آتا ہے تو اس گل نے ۔۔۔ کہا کہ اس کو نہ آگے قدم بڑھانے دو

جو ہو بعید نہایت تو روک دو اس کو
ہمارے پاس نہ اس وقت اس کو آنے دو

(۳۱۳)

جو دیکھو ہنس کے تم تو بند اشکوں کی روانی ہو ۔۔۔ لب جاں بخش کو کھولو تو اپنی زندگانی ہو
وہ گورا چاند سا مکھڑا عرق آلودہ گر دیکھے ۔۔۔ تو کیا شک ہے کہ بہہ جاوے پری کا حسن پانی ہو
مجھے کل اک پری نے یوں کہا ہم اے نظیر اس دم ۔۔۔ کہیں اک بات ایسی جس میں تجھ کو شادمانی ہو
نہ مل اس سنگدل سے تو جو ملنا ہو تو مل ہم سے ۔۔۔ کہا میں نے یہ سنکر واہ تم بھی خوب سیانی ہو

اسے میں چھوڑوں اور چاہوں تمہیں اے بی یہ ممکن ہو
عجب تم بھی کوئی اٹھن سٹرن خبطن دوانی ہو

(۳۱۴)

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو ۔۔۔ یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
جدا جو ہم کو کرے اس صنم کے کوچے سے ۔۔۔ الٰہی راہ میں ایسا کوئی رقیب نہ ہو
علاج کیا کریں حکما تپ جدائی کا ۔۔۔ سوائے وصل کے اس کا کوئی طبیب نہ ہو
نظیر اپنا تو معشوق خوبصورت ہے ۔۔۔ جو حسن اس میں ہے ایسا کوئی عجیب نہ ہو

(۳۱۵)

مہ ہے اگر جو سے شیر، تم بھی زری پوش ہو
دودھ چھٹی کا اسے یاد دلانے چلو

آئینۂ ماہ کو لعل لب اپنے دکھا
چشمۂ کافور میں آگ لگانے چلو

تم ہو مہ چاردہ، چار قدم رکھ کے آج
بدر فلک قدر کی قدر گھٹانے چلو

(۳۱۶)

تیر نگہ کو راہ ادھر دیکھ بھال دو
لکڑی سے پہلے تاڑنے والوں کو ٹال دو

ان ابروؤں کے وہ بھی مقابل نہ ہو سکیں
بالفرض آسماں پہ اگر ہوں ہلال دو

ڈالی سمیت گل کو اُٹھایا تو ہے وہ لے
پہنچے میں نازکی ہے بس اب اسکو ڈال دو

تلوار اس کے ابرو نے کھینچی میاں نظیر
دل تم بھی دو بدو ہی کے سانچے میں ڈھال دو

(۳۱۷)

کہا جو ہم نے "ہمیں در سے کیوں اُٹھاتے ہو؟"
کہا کہ "اس لیے تم یاں جو غل مچاتے ہو"

کہا "لڑاتے ہو کیوں ہم سے غیر کو ہمدم؟"
کہا کہ "تم بھی تو ہم سے نگہ لڑاتے ہو"

کہا جو حال دل اپنا، تو اُس نے ہنس ہنس کر
کہا "غلط ہے، یہ باتیں جو تم بناتے ہو"

کہا "جتاتے ہو کیوں ہم سے روز ناز و ادا؟"
کہا "کہ تم بھی تو چاہت ہمیں جتاتے ہو"

کہا کہ "عرض کریں ہم پہ جو گزرتا ہے"
کہا "خبر ہے ہمیں، کیوں زباں پہ لاتے ہو"

کہا کہ "روٹھے ہو کیوں، ہم سے کیا سبب اسکا؟"
کہا "سبب ہے یہی، تم جو دل چھپاتے ہو"

کہا کہ "ہم نہیں آنے کے یاں" تو اُس نے نظیر
کہا کہ "سوچو تو کیا آپ سے تم آتے ہو؟"

(۳۱۸)

دل جن کو دیا تام تک اُن کا نہ پوچھا
تکلیف نہ ہو تا لب ریحاں نفسوں کو ؎

گو آتش گل بھڑکی ہے، پر یہ نہیں توفیق　　پھونکے جو اسیرانِ چمن کے قفسوں کو

(۳۱۹)

خط کی رخساروں پر اس گل کے جو تحریریں ہیں دو　　ہے وہ مصحف رخ کہ جس کے ساتھ تفسیریں ہیں دو
حسن وہ ترک ستمگر ہے کہ جس کے پاس چار　　ترکشیں مژگاں کی اور ابرو کی شمشیریں ہیں دو
یا بلاؤ ہم کو پنہاں یا تم آؤ چھپ کے یاں　　گر ملا چاہو تو ملنے کی یہ تدبیریں ہیں دو
فی الحقیقت فیض جذب عشق سے باہم ہیں ایک　　لیلیٰ و مجنوں کی گو ظاہر میں تصویریں ہیں دو

دل دیا اور کی وفا اس کی جفاؤں پر نظیر
غور سے دیکھا تو یہ اپنی ہی تقصیریں ہیں دو

(۳۲۰)

کچھ ڈر ہے ادھر آؤ اور اک آن نہ بیٹھو　　ہنس کر یہ کہا تم کہیں پاس آن نہ بیٹھو
خوباں خرد و ہوش کو چھینے ہیں میاں دل　　تم ان میں لیے ساتھ یہ سامان نہ بیٹھو
زلفوں میں پھنسا ہم کو یہ کہتا ہے وہ عیار　　اس کوچے میں تم مثل پریشان نہ بیٹھو
یوں کھول کے رخسار پہ کاکل سر محفل　　غافل نظر بد سے مری جان نہ بیٹھو

آگے ہو نظیر اب جو تم اس بزم بتاں میں
نظارہ کرو سر بگریبان نہ بیٹھو

(۳۲۱)

منہ کو دکھا کر ذرا اے گل خنداں تو　　پوچھ کبھی تو مرے دیدۂ گریاں تو
داغ پہ دل، چشم تر، آہ بلب، سینہ چاک　　دیکھ مری چاہ کے آن کے ساماں تو
ہنس کے رقیبوں کے ساتھ پیار سے یوں دمبدم　　توڑے ہے کیوں زخم پر میرے نمکداں تو
شام سے لے صبح تک صبح سے لے تا بہ شام　　دل سے نہیں بھولتا اب مرے ایک آن تو
جان تو دے گا نظیر جانے نہ دے گا تجھے　　ہاتھ سے اس کے عبث کھینچے ہے داماں تو

(۳۲۲)

چھٹ کے بھی نہ الفت سے جو امداد کوئی ہو / تو ناز کا حسرت زدہ کیا شاد کوئی ہو
مشاطہ[1] ذرا بہر خدا حسن کی اس کے / اتنی نہ ہوا باندھ جو برباد کوئی ہو
اے دل تو عبث اس سے نہ کر خواہش دشنام / دشنام تو وہ دے جو اسے یاد کوئی ہو
تخفیف جفا کا یہ سبب ہے کہ مبادا / شاید کہیں مجھ سا نہ پریزاد کوئی ہو
منظور ہوا دام میں جب دل کو پھنسانا / پھر وسوسہ کیا چاہیے صیاد کوئی ہو
ڈر ہم کو بناوٹ کی اداؤں کا نہیں ہے / وہ آن غضب ہے جو خدا داد کوئی ہو

بیداد بھی کرتا ہے بہت وہ تو نظیر آہ
البتہ جو شائستۂ بیداد کوئی ہو

فرد

سرچشمۂ بقا سے ہرگز نہ آب لاؤ ۴۶ حضرت خضر کہیں سے جا کر شراب لاؤ

ردیف ہائے ہوز (ہ)

(۳۲۳)

جنھیں بر آرہے صحبت خیال یار کے ساتھ / وہ سب بہاریں ہی سمجھے ہیں اس بہار کے ساتھ
اکیلے باغ میں جانے سے لطف کیا ہمدم / چمن کی سیر جو کیجے تو گلعذار کے ساتھ
ہوائیں ہو کے یہاں روح سنبلستاں کی / لگی پھرے ہے تری زلف مشکبار کے ساتھ
میں منتظر بھی ہوں اور پوچھ بھی نہیں سکتا / یہ اور رشک کا نسخہ ہے انتظار کے ساتھ
رقیب کہتے ہیں پھرتا ہے یار ساتھ تیرے / وہ گر پھرا بھی تو مجھ سے خراب خوار کے ساتھ
شراب و شاہد و عیش و نشاط و درد و الم / یہ سب معاملے ہیں اک نفس کے تار کے ساتھ

[1] مشاطہ کنگھی کرنے والی اور زلف کا بناؤ سنگھار کرنے والی عورت ۱۲ آسی

نظیر کاکل پیچاں نہ جانیو اس کو
میاں یہ مار ہے بازی نہ کیجو مار کے ساتھ

(۳۲۴)

دامان و کنار اشک سے کب تر نہ ہوئے آہ
وہ چار بھی آنسو مرے گوہر نہ ہوئے آہ

جیسے کہ دل ان لالہ عذاروں کے ہیں سنگیں
دل چاہنے والوں کے بھی پتھر نہ ہوئے آہ

کہتے ہیں کہ نکلا ہے وہ اب سیر چمن کو
کیا وقت ہے اس وقت مرے پر نہ ہوئے آہ

خوباں کے تو ہم فدوی و بندہ بھی کہائے
لیکن وہ ہمارے نہ ہوئے پر نہ ہوئے آہ

کیا تفرقہ ہے جب کہ گئے ہم تو نہ تھا وہ
اور آیا وہ ہم پاس تو ہم گھر نہ ہوئے آہ

کیا نقص ہے اس غیرت خورشید کے آگے
ہم لعل تو کب ہوتے ہیں اخگر نہ ہوئے آہ

دریا بھی بہے مے کے پر اے بادہ پرستاں
یہ خشک وہ لب ہیں کہ کبھی تر نہ ہوئے آہ

دیکھ اس کو نظیر اب مجھے آتا ہے یہی رشک
کیوں ہم بھی اسی طرح کے دلبر نہ ہوئے آہ

(۳۲۵)

پان کھا کر جب کہا اس نے کہ لانا آئینہ
رشک رنگ لعل ہو گا ہم نے جانا آئینہ

جب کہا کچھ ہم یہ فرمائش نہیں کرتے میاں
دیکھ کر منھ کو یہ فرمایا لے آنا آئینہ

ق

دیر تک دیکھا کیا منھ کو تو ہم نے یوں کہا
دیکھیں ٹک اپنا میاں ہم کو دکھانا آئینہ

لینے جو آیا نظیر اس سے یہ بولا ہنس کے شوخ
ہاتھ سے ان کے نہیں یہ تو لگانا آئینہ

یہ پرانے ہیں اگرچہ گو گرفتاروں میں ہیں
خیر ان کو بھی کوئی لا دو پرانا آئینہ

(۳۲۶)

جو کہتے ہو چلیں ہم بھی ترے ہمراہ بسم اللہ
پھر اس میں دیر کیا اور پوچھنا کیا ولہ بسم اللہ

قدم اس ناز سے رکھتا ہوا آتا ہے محفل میں
کہ اہل بزم سب کہتے ہیں بسم اللہ بسم اللہ

لگائی اس نے جو جو تیغ ابرو کی مرے دل پر
لب ہر زخم سے نکلی بجائے آہ بسم اللہ

شب مہ میں جو کل ٹک ڈگمگایا وہ شہ انجم
وہیں بولے خدا حافظ پکارا ماہ بسم اللہ

وہ جس دم نسخۂ ناز و ادا آغاز کرتا ہے
تو ہم کہتے ہیں ایک ایک آن پر واللہ بسم اللہ

جو اس کی چاہ کا جی میں ارادہ ہے تو بس اے دل
مبارک ہو تجھے جا شوق سے تو چاہ بسم اللہ

نظیر اس دلربا محبوب چنچل سے لگا کر دل
ہمیں کہنا پڑا ہے دمبدم اللہ بسم اللہ

(۳۲۷)

لگی ہے دل کی لگن اس حیا شعار کے ساتھ
جو آرسی کو بھی دیکھے کبھی تو عار کے ساتھ

کمال شوخیاں تس پر یہ تمکنت یہ مزاج
کہ ہے بلک سی ادا وہ بھی سو وقار کے ساتھ

ہزار گل کی بہاریں نہ ہو سکیں ہمسر
تمھارے ایک کرن پھول کی بہار کے ساتھ

جو پا بہو طائر دل بچ سکے تو کیا امکان
ہجوم دام ہے کاکل کے تار تار کے ساتھ

اسے میں سحر کہوں یا فسون طرفہ نظیر
کہ ایک پل میں نگہ لڑ گئی ہزار کے ساتھ

(۳۲۸)

زاہد و روضۂ رضواں سے کہو عشق اللہ
عاشقو، کوچۂ جاناں سے کہو، عشق اللہ،

جس کی آنکھوں نے کیا بزم دو عالم کو خراب
کوئی اُس فتنۂ دوراں سے کہو، عشق اللہ،

یارو دیکھو جو کہیں اُس گلِ خنداں کا جمال
تو مرے دیدۂ گریاں سے کہو، عشق اللہ،

ہیں جو وہ کشتۂ شمشیر نگاہِ قاتل
جا کے اُن گنج شہیداں سے کہو، عشق اللہ،

آہ کے ساتھ مرے سینے سے نکلے ہے دھواں
اے بتاں مجھ دلِ بریاں سے کہو، عشق اللہ،

یاد میں اُنکے رُخ و زلف کی ہر آن نظیر
روز و شب سنبل و ریحاں سے کہو عشق اللہ

۱ بسم اللہ کہنا بمعنی ... بھی استعمال ہوتا ہے اور کسی کام کے شروع کرتے وقت بھی کہتے ہیں ۱۲
۲ لگن لگنا ۔ لو لگنا ۔ تعلق خاطر ہونا ۔ دھن بندھنا ۱۲
۳ عشق اللہ آزاد فقیروں کا سلام ۱۲ نمی

(۳۲۹)

نورِ حق، شافعِ امت سے کہو، عشق اللہ[سلہ] ہر دم اس شاہِ ولایت سے کہو عشق اللہ

یاد کر، مومنو، اُس کا وہ ہرا پیرا ہن سبزۂ باغِ امامت سے کہو، عشق اللہ

لشکرِ شام کو للکار کے تنہا وہ لڑا گوہرِ درجِ شجاعت سے کہو، عشق اللہ

پر سوا حق کی رضا اُس نے نہ کچھ دم مارا اُس جواں مرد کی ہمت سے کہو، عشق اللہ

ہیں زمانے میں یہی بارہ امام اے یاراں سب ہر اک صاحبِ عزت سے کہو، عشق اللہ

راہِ مولیٰ میں خوشی ہو کے دیا اپنا سر ان شہیدوں کی شہادت سے کہو، عشق اللہ

مال و جاں دولت و گھر بار تلک بخش دیا اُس سخی دل کی سخاوت سے کہو، عشق اللہ

دل میں خوش بیٹھے ہوئے کرتے ہیں اللہ اللہ ان جوانوں کی قناعت سے کہو، عشق اللہ

کہیں ہیں باطنی لوٹے ہیں عبادت کے مزے دوستو اُن کی عبادت سے کہو، عشق اللہ

چاہیں اکسیر کریں خاک کو ہر دم سے لے اُن کی سب کشف و کرامت سے کہو، عشق اللہ

کر سخن عشق کا پھر سب کو سناتا ہے نظیر اُس کے سب حرف و حکایت سے کہو عشق اللہ

[سلہ] یہ غزل بطریق سلام کہی گئی ہے۔ ہاتھ پانا قبضہ پانا قدرت پانا۔ آسی

(۳۳۰)

اُس نگہ نے ایسے حسن کے پایا ہے گنجینے پہ ہاتھ رکھتی ہے تعظیم کو جس کے پری سینے پہ ہاتھ

آج تو وہ حسن چمکا تھا کہ غش آتا اسے رکھ نہ دیتے ہم اگر جلدی سے آئینے پہ ہاتھ

یوں پڑا کوچے میں اسکے میں کہ اس نے رحم سے رکھ لیا، "ہا" کہہ کے اپنے سیم گوں سینے پہ ہاتھ

پاؤں اس کے دابتے غیروں نے دیکھا تھا مجھے کوٹتے سب مل کے گر پاتے مرے سینے پہ ہاتھ

کب اُترتا بام سے میرے وہ ملنے کو نظیر دل نہ رکھتا زیر پا اس کے جو ہر زینے پہ ہاتھ

(٣٣١)

کل لگ چلے جو ہمدم ہم یار سے زیادہ
دشنام دے کے جھڑکا ہر بار سے زیادہ

بوسے جو کرکے وعدہ دینے لگا تو بولا
لو جی مگر نہ لینا اقرار سے زیادہ

ہے بالین تو اس کا پر غور سے جو دیکھا
کیا کیا لگا و ٹمیں ہیں مقدار سے زیادہ

پوچھا تمھارے منھ کی ہے کس قدر تجلی
ہنس کر کہا کہ مہ کے انوار سے زیادہ

بیدردی بتاں کا شکوہ نظیرؔ مت کر
ان کی تو ہیں جفائیں اظہار سے زیادہ

(٣٣٢)

گورے ہاتھ اس کے وہ رکھتے ہیں عجب[1] تاب پہ ہاتھ
مار بیٹھے ہیں غرض پنجۂ مہتاب پہ ہاتھ

پوچھا خواب آتا ہے تم کو تو اشاروں کے طریق
رکھ دیا ہم نے وہیں مسند کمخواب پہ ہاتھ

پڑ گئی دور سے تھی جی میں دھڑک تو لیکن
ہم نے دیکھا اسے رکھ کر دل بیتاب پہ ہاتھ

پاؤں میں دیکھ حنا اس کی سر انگشتوں کی
رکھ لیا شرم سے ہر برگ نے عناب پہ ہاتھ

دی جو دشنام بجائے شکر بوسہ نظیرؔ
مارے خوش وقتی سے جب دل نے اسی راب پہ ہاتھ

(٣٣٣)

بسکہ دل اس کا ہے مانوس خیال آئینہ
ہے وہ ملک حسن محروس خیال آئینہ

تھا وہ پشت بام پر عکس آرسی میں ہم نے بھی
زور حکمت سے لیا بوس خیال آئینہ

[1] یعنی اس کے گورے ہاتھ عجب تاب پر قدرت رکھتے ہیں
آسی

تا ابد آزاد ہیں دام و قفس کے جور سے
بلبل تصویر و طاؤس خیال آئینہ

دل جفا سے اُس کی آزردہ ہو سو ہوتا نہیں
بے خطر ہے زنگ سے روس خیال آئینہ

کل اسے آئینہ خانے میں جو تھی مشق خرام
تھا دو صد جا ہم کو پابوس خیال آئینہ

صافی دل کا لغت اس سے نہ پھر پنہاں رہے
یک نظر دیکھے جو قابوس خیال آئینہ

ہے اگر منظور سیر عالم حیرت نظیر
تو دل اپنا کر تو محبوس خیال آئینہ

(۳۳۷)

ہم سے تو آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ
ہم عید کے بھی دن رہے اُمیدوار آہ!

ملنا تو اک طرف ہے عزیزو کہ بھر نظر
پوشاک کی بھی ہم نے نہ دیکھی بہار آہ!

تھی اُس عید کی، سو گئی وہ بھی، دوستو
اب دیکھیں کیا کرے دل امیدوار، آہ!

ہر عید میں ہمیں تو سدا یاس ہی رہی
کافر کبھی نہ ہم سے ہوا ہم کنار آہ!

جس عید میں کہ یار سے ملنا نہ ہو نظیر
اُس کے اُپر تو حیف ہے، اور صد ہزار آہ

(۳۳۸)

تری وہ شان کی رفعت ہے یا رسول اللہ
کہ لامکاں نے کہا "لا الٰہ الا اللہ"

وہ نورِ دیدۂ احمدؐ کہ جس کے رُتبے کی
حدیثِ بضعۃ منّی ہے دو جہاں میں گواہ

متفرقات ردیف (ہ)

مطلع

غم نہیں گر دل بری سے دل کو لیجاتا ہے وہ ۴۷ پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

مصحف رُخ پہ ترے ابرو سے پیوستہ نہیں ۴۸ سو قلم سے یدِ قدرت نے لکھا بسم اللہ

ردیف یائے تحتانی (ی)

(۳۳۹)

خجلت تو نہ دی کچھ اُس بمیر کی یاری نے
شرمندہ کیا ہم کو ناتجربہ کاری نے

گلشن میں نقاب اُٹھا دو بار رخ اُنکے سے
کیا لطف کیا ہم پر کل بادِ بہاری نے

صد پارہ کیا دم میں کل گل کے گریباں کو
اُس رشکِ گلستاں کی اک زیب شعاری نے

رات اُس کو منا آتے پھر صبح تلک ہم کو
اک لحظہ نہ دی فرصت ساعات شماری نے

کیا کیا چمن پر گل دکھلائے نظر اُس دم
اُس دستِ نگاریں کی توصیف شماری نے

(۳۴۰)

میاں دل مجھے لے چلے حسن والے
کہوں اور کیا، جا خدا کے حوالے

ادھر آ ذرا تجھ سے مل کر میں رو لوں
تو مجھ سے ذرا مل کے آنسو بہا لے

چلا اب تو ساتھ ان کے تو بے بسی سے
لگا میرے پہلو میں فرقت کے بھالے

خبردار ان کے سوا زلف و رخ کے
کہیں مت نکلنا اندھیرے اُجالے

ترے اور بھی ہیں طلب گار کتنے
مبادا کوئی تجھ کو واں سے اُڑا لے

کہیں قہر ایسا نہ کیجو کہ مجھ کو
بکانے پڑیں فال تعویذ والے

کسی کا تو کچھ بھی نہ جاوے گا لیکن
پڑیں گے مجھے اپنے جینے کے لالے

تری کچھ سفارش میں ان سے بھی کر دوں
کرے گا تو کیا یاد مجھ کو بھلائے

سنو دلبرو! گل رخو! مہ جبینو!
میں تم پاس آیا ہوں اک التجا لے

خدا کی رضا یا محبت سے اپنی
پڑا اب تو آکر تمھارے یہ پالے

تم اپنے ہی قدموں تلے اس کو رکھیو — تسلی دلاسے میں ہر دم سنبھالے
کبھی اس کو تکلیف ایسی نہ دیکھیو — کہ غم میں یہ رہ رہ کے کرے آہ و نالے
تمہارے یہ سب ناز اٹھا دے گا لیکن — وہی بوجھ رکھیو جسے یہ اٹھا لے
نظیرؔ آہ دل کی جدائی بری ہے — بہیں کیوں نہ آنکھوں سے آنسو کے نالے

اگر دسترس ہو تو کیجے منادی
کہ پھر کوئی سینے میں دل کو نہ پالے

(۳۴۱)

اب دیکھیں پھر ہم اے ہمدم کس روز منہ اس کا دیکھیں گے
وہ زلف وہ تل وہ خال وہ خد وہ رنگ وہ نقشا دیکھیں گے

جب پاس صنم کے بیٹھیں گے خوش ہو کے اس کے لطف سے ہم
وہ بزم وہ خط وہ عیش وہ مے وہ جام وہ مینا دیکھیں گے

مسرور بہت دل ہووے گا خوش جی بھی ہو گا کیا کیا جب
وہ ناز وہ دھج وہ آن وہ سج وہ زیب وہ بالا دیکھیں گے

وہ کاجل چنچل آنکھوں کا وہ مہندی نازک ہاتھوں کی
وہ پان وہ لب وہ حسن وہ چھب وہ گوش وہ بالا دیکھیں گے

ہے جو جو خواہش دل میں نظیرؔ آوے گا ادھر محبوب تو ہم
وہ ربط وہ دہن وہ چین وہ سکھ وہ سیر وہ چرچا دیکھیں گے

(۳۴۲)

خوشی دو چند تمھیں سیر ماہتاب میں ہے — جلو میں چاہنے والے قمر رکاب میں ہے
لیا ہے ہم سے دل اور دیں بھی ہو طلب کرتے — ق — دل اس تقاضے سے اپنا تو پیچ و تاب میں ہے
کہا کہ "دفتر حسن پہ یہ خوں کی نظیرؔ — تمھیں خبر نہیں، یہ بھی اسی حساب میں ہے"

(۴۴۳)

تھے آگے بہت جیسے خوش اے یار ہمیں سے — ایسے ہی تم اب رہتے ہو بیزار ہمیں سے
ہیں سب سے تو اے ماہ اشارات، ولیکن — رہتی ہے بھری ابرو سے خمدار ہمیں سے
محفل میں جو دیکھا تو اِدھر تم ہو خفا، اور — ساقی کو بھی ہے حجت و تکرار ہمیں سے
اوروں سے جو کہتے ہو کہ "ہم اُن سے ہیں ناخوش" — اُس کو تو فقط کرنا ہے اظہار ہمیں سے
گلگشتِ چمن کرتے ہو جب ہمرہِ یاراں — واں بھی غرض آتی ہے تمھیں عار ہمیں سے
اقرارِ ملاقات ہے ہر اک سے بصد مہر — کی غور تو ہے گا تمھیں انکار ہمیں سے

سمجھے گا جو رتبے کو نظیرؔ، اہلِ وفا کے
تو ملنے لگے گا وہ طرح دار ہمیں سے

(۴۴۴)

دل دے کے پھر نہ کیسے ہنس کر ملا کروگے — ہاں کرکے عار ہم سے پھٹکے رہا کروگے
کہتے ہو اب جو ہر دم بس جاؤ خوش رہو تم — جاویں گے جب تو تم بھی پھر خوش رہا کروگے
خوبی تو لطف میں ہے اے جاں وگرنہ ہم تو — سختی بھی کھینچ لیں گے گر تم جفا کروگے
ہر دم تو دیکھو رکھ کر اپنے قریب دل میں — کہتا ہے تم تو اک دن ہم سے دغا کروگے

مت عاشقی میں یارو ناخوش نظیرؔ سے ہو
اب تو ہوا وہ عاشق پھر کیجیے کیا کروگے

(۴۴۵)

مجبور ہو ہم اس کی یوں انجمن سے نکلے — جیسے قفس میں پڑ کر بلبل چمن سے نکلے
دل دے کے شمع رو کے کوچے سے کب اُٹھیں ہم — پروانہ پر جلا کر کیونکر لگن سے نکلے
سحر نگہ کے ہمرہ پہلو سے یوں چلا دل — جیسے کوئی ہو بے بس اپنے وطن سے نکلے
لیلیٰ وشوں کو اس کی ہو کس طرح نہ الفت — مجنوں کی شان جس کے دیوانہ پن سے نکلے

کل تو وہ دیج بدل کر دل لے گیا ہمارا
آج اے نظیر دیکھیں وہ کس پھبن سے نکلے

(۳۴۶)

عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے
دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے

ناز اٹھانے میں جفائیں تو اٹھائیں لیکن
لطف بھی ایسا اٹھایا ہے کہ جی جانے ہے

زخم اس تیغ نگہ کا مرے دل نے ہنس ہنس
اس مزیداری سے کھایا ہے کہ جی جانے ہے

اس کی دزدیدہ نگہ نے مرے دل میں چھپ کر
تیر اس ڈھب سے لگایا ہے کہ جی جانے ہے

بام پر چڑھ کے تماشے کو ہمیں حسن اپنا
اس تماشے سے دکھایا ہے کہ جی جانے ہے

اس کی فرقت میں ہمیں چرخ ستمگار نے آہ
یہ رُلایا یہ رُلایا ہے کہ جی جانے ہے

حکم چپی[1] کا ہوا شب تو سحر تک ہم نے
رتجگا[2] ایسا منایا ہے کہ جی جانے ہے

تلووں سہلانے میں گو اونگھ کے جھک جھک تو پڑے
پر مزا بھی وہ اڑایا ہے کہ جی جانے ہے

رنج ملنے کے بہت دل نے سہے لیک نظیر
یار بھی ایسا ہی پایا ہے کہ جی جانے ہے

(۳۴۷)

دوری میں اس قمر کے جب آتی ہے چاندنی
خوابیدہ حسرتوں کو جگاتی ہے چاندنی

مہ آسماں پہ ہوتا ہے دیکھ اس کو شرمسار
روئے زمیں پہ ٹھوکریں کھاتی ہے چاندنی

محفل میں ہم کو دیکھ یہ کہتا ہے منہ کو پھیر
کیا میلی مفت میں ہوئی جاتی ہے چاندنی

اس سیمبر کے تن کی نزاکت کو باغ میں
نسرین و نسترن کو دکھاتی ہے چاندنی

کیا ایک دل ہے ہم نے جو کہہ بھیجا اے نظیر
تم بن ہمارے دل کو ستاتی ہے چاندنی

سن کر پیامبر سے کہا جا کے تو یہ کہہ
البتہ اپنا جی بھی کڑھاتی ہے چاندنی

گر ہم بغیر واں شب مہ سے ہو تم خفا
تو تم بغیر یاں کسے بھاتی ہے چاندنی

[1] چپی۔ آہستہ آہستہ ہاتھ پاؤں دبانا ۱۲
[2] رتجگا۔ رات بھر کسی تقریب کے لیے جاگنا ۱۲ آسی

(۳۴۸)

جاں بھی بجاں ہے ہجر میں اور دل فگار بھی
تر ہے مژہ بھی اشک سے جیب بھی اور کنار بھی

طرفہ فسوں سرشت ہے چشم کرشمہ سنج یار
لیتی ہے اک نگاہ میں صبر بھی اور قرار بھی

کوچے میں اس کے بیٹھنا حسن کو اسکے دیکھنا
ہم تو اسی کو سمجھے ہیں باغ بھی اور بہار بھی

دیکھیے کیا ہو بے طرح دل کی لگے ہیں گھات میں
غمزۂ پرفریب بھی عشوۂ سحر کار بھی

زلف کو بھی ہے دمبدم عزم کمند افگنی
دام لیے ہے مستعد طرۂ تابدار بھی

ق

بیٹھے بتوں کی بزم میں جتنے تھے قدرجیدہ لوگ
اپنے قریب دفن سے واں تھا یہ خراب خوار بھی

گننے لگے وہ اپنے جب چاہنے والوں کو نظیر
اٹھ کے یکایک اس گھڑی ہم نے کہا "ہیں یار بھی"

(۳۴۹)

جو تو کہتا ہے اے غافل "یہ میرا ہے یہ تیرا ہے"
یہ جس کا ہے، اسی کا ہے "نہ تیرا ہے نہ میرا ہے"

تو اول سوچ تو دل میں کہ تو ہے کون اور کیا ہے
نمازی ہے، شرابی ہے، اچکا ہے، لٹیرا ہے

فرشتہ ہے، پری ہے، دیو ہے، یا آدمی، جن ہے
بلا ہے، بھوت ہے، یا من، مزدور یا کمیرا ہے

تری کیا ذات ہے کیا نام ہے کیا کام کرتا ہے
مسافر ہے وطن ہے یا ترا اس جا پہ ڈیرا ہے

جب ان چیزوں سے تو اپنے تئیں کچھ چیز ٹھہرا لے
تو اسکے بعد پھر کہیو "یہ میرا ہے یہ تیرا ہے"

یہ چیزیں تو غرض کیا ہیں، تو اپنا ہی نہیں مالک
تجھے او بے خبر ناداں یہ کس غفلت نے گھیرا ہے

تو کچے سوت کا دھاگا، عبث بل پیچ کھاتا ہے
یہ سب وہم غلط ہے اور قصور فہم تیرا ہے

تو کیا جانے کہ تجھ کو کس نے کس چرخے میں کاتا ہے
تو کیا جانے کہ تجھ کو کس اٹیرن میں اٹیرا ہے

تماشا ہے مزا ہے سیر ہے کیا کیا اہا! ہا ہا!
مصور نے عجب کچھ رنگ قدرت کا بکھیرا ہے

ترقی میں تنزل ہے، تنزل میں ترقی ہے
اندھیرے میں اجالا ہے، اجالے میں اندھیرا ہے

طلسمات حقیقی ہے یہ کچھ سمجھا نہیں جاتا
یہی چاند اور یہی سورج، یہی شام اور سویرا ہے

نظیر اللہ اللہ! اس جہاں میں دم غنیمت ہے
کہاں ہم اور کہاں پھر تم، کوئی دم کا بسیرا ہے

(۳۵۰)

ابرو نے کماں زلف نے زنجیر دکھادی
مژگاں نے بھی اک ترکش پر تیر دکھادی

مُکّر دُرِّ دنداں میں مسی شوخ نے ہنس کر
کیا کیا رقم طرفہ کی تحریر دکھادی

کوچے کی تری خاک نشینی نے ہمیں تو
تانبا ہو طلا جس سے وہ اکسیر دکھادی

کل اُس نے کہا حُسن میں ہم رشکِ پری ہیں
مکھڑے نے ہمارے ہے وہ تنویر دکھائی

ہم بولے نظیر اُس سے کہ ہے جھوٹ تو ہنس کر
جھٹ اُس نے پری کی ہمیں تصویر دکھادی

(۳۵۱)

ناگن ہے تری زلف کی دل کیونکہ نہ ڈر جائے
یہ کاٹ بھی کھاوے جو کسی کو تو گزر جائے

شکل و بدن و زیور و پوشاک سب اُسکی
اک عالمِ تصویر ہیں جس جس پہ نظر جائے

عشاق سے ہے گرم تپاک اتنی ہی خاطر
تو کوئی مرے در سے دم سرد نہ بھر جائے

ہے حسن پرستی بھی عجب چیز وفا کیش
دل پر یہی ہو جائے تو اس کا نہ اتر جائے

محبوب کے رتبے پہ نظر رکھیو نظیر آہ
ایسا نہ ہو جو یار کے دل سے تو اُتر جائے

(۳۵۲)

نہ سرخی غنچۂ گل میں ترے دہن کی سی
نہ یاسمن میں صفائی ترے بدن کی سی

میں کیوں نہ پھولوں کہ اس گلبدن کے آنے سے
بہار آج مرے گھر میں ہے چمن کی سی

یہ برق ابر میں دیکھے سے یاد آتی ہے
جھلک کسی کے دوپٹے میں نورتن کی سی

گلوں کے رنگ کو کیا دیکھتے ہو اے خوباں
یہ رنگتیں ہیں تمھارے ہی پیراہن کی سی

جو دل تھا اصل میں آباد تیرے ہجر میں آہ !
بنی ہے شکل اب اُس کی اُجاڑ بن کی سی

تو اپنے تن کو نہ دے نسترن سے اب تشبیہ
بھلا تو دیکھ یہ نرمی ہے تیرے تن کی سی؟

ترا جو پاؤں کا تلوا ہے نرم مخمل سا
صفائی اُس میں ہے کہنے تو نسترن کی سی

نظیر ایک غزل اس زمیں میں اور بھی لکھ
کہ اب تو کم ہے روانی ترے سخن کی سی

(۲۵۳)

نہیں ہوا میں یہ بو نافۂ ختن کی سی
لپٹ ہے یہ تو کسی زلفِ پُرشکن کی سی

میں ہنس کے اس لیے منھ چومتا ہوں غنچے کا
کہ کچھ نشانی ہے اس میں ترے دہن کی سی

خدا کے واسطے گُل کو نہ میرے ہاتھ سے لو
مجھے بُو آتی ہے اس میں کسی بدن کی سی

ہزار تن کے چلیں بانکے خوبرو، لیکن
کسی میں آن نہیں تیرے بانکپن کی سی

مجھے تو اُس پہ نہایت ہی رشک آتا ہے
کہ جس کے ہاتھ نے پوشاک ترے تن کی سی

ق

کہا جو تم نے کہ "منکا ڈھلا تو آؤں گا"
ہے بات کچھ نہ تھی اس میں بھی مکروفن کی سی

وگرنہ سچ ہے تو اے جان اتنی مدت میں
یہی بس ایک کہی تم نے میرے من کی سی

وہ دیکھ شیخ کو لاحول پڑھ کے کہتا ہے
"یہ آئے دیکھیے ڈاڑھی لگا کے سن کی سی"

کہاں تو اور کہاں اُس پری کا وصل نظیر
میاں تو چھوڑ یہ باتیں دِوانے پن کی سی

(۲۵۴)

دل میں کچھ خوشدلی جو آپہونچی
ایسی دل کو نوید کیا پہونچی

کیوں نہ ہو رشک اس کے کوچے میں
ہم نہ پہونچے مگر صبا پہونچی

ق

کف کبھی اپنے ہاتھ کی ہیہات
اس کے پہنچے تلک نہ جا پہونچی

سن کے شہرت نظیر جاہت کی
واں سے تاکیدِ اخفا پہونچی

منکا ڈھلنا — مرتے وقت آدمی کی گردن کا کسی طرف مائل ہونا ۱۲ منہ

اخفا۔ پوشیدہ ہونا، چھپانا ۱۲ آسی

پہنچ گیا یاں وہ کوس شیدائی[1]
جس کی کوسوں تلک صدا پہنچی

(۳۵۵)

کیوں نہ اس کی ہو در با[2] پہونچی		جس کے پہونچے پہ ہو فدا پہونچی
گر پہونچ ہو تو ہم ملیں آنکھیں		ایسی اس کی ہے خوشنما پہونچی
دل کو پہونچے نے رنج کیا کیا وہ		اپنی لیتا ہے جب چھپا پہونچی
ایک چھڑی گل کی بھیج کر اس کو	ق	فکر تھی وہ نہ پہونچی یا پہونچی

صبح پوچھی رسید جب تو نظیر
دی ہمیں شوخ نے دکھا پہونچی

(۳۵۶)

اس صنم کا قرار کیا کہئے	سختیٔ انتظار کیا کہئے
لطف ہو تو کچھ کہیں اے دل	وہ تو کرتا ہے عار کیا کہئے
ہم تجھے چاہیں تو نہ پوچھے بات	یہ طرح ہو تو یار کیا کہئے
اور اب واہ کے سوا تجھ سے	اے تغافل شعار کیا کہئے

تھا جو کہنا سو ہم نظیر اس سے
کہہ چکے بار بار کیا کہئے

(۳۵۷)

کئی دن سے ہم بھی ہیں دیکھتے اسے ہم پہ ناز و عتاب ہے
کبھی منہ بنا کبھی رخ پھرا کبھی چیں جبیں پہ شتاب ہے

ہے پھنسا جو زلف میں اس کے دل تو بتا دیں کیا تجھے ہمنشیں
کبھی بل سے بل کبھی خم سے خم کبھی تاب چین سے تاب ہے

[1] مراد شوالا ۱۲
[2] پہونچی پہنچے کا ایک مشہور زیور ۱۲ آسی

وہ خفا جو ہم سے ہے غنچہ لب تو ہماری شکل یہ ہے کہ اب
کبھی رنجِ دل کبھی آہِ جاں کبھی چشم غم سے پُر آب ہے

نہیں آتا وہ جو ادھر ذرا ہمیں انتظار میں اس کے یاں
کبھی جھانکنا کبھی تاکنا کبھی بے کلی پئے خواب ہے

وہ نظیر ہم سے جو آملا تو پھر اس گھڑی سے یہ عیش ہیں
کبھی رخ پہ رخ کبھی لب پہ لب کبھی ساغرِ مئے ناب ہے

(۳۵۸)

جب آیا وہ یاں دلربائی جتانے
تو کیا کیا لگا خوش ادائی جتانے

دکھانے لگی زلف اپنی درازی
مژہ بھی لگی کچھ رسائی جتانے

ق

نظیر ایک دن اس پری رو کے آگے
گئے ہم جو کچھ آشنائی جتانے

دیا جام اور ہم جو ہچکے[۱] تو بولا
تم آئے ہو نفرت فزائی جتانے

پلادیں گے ہم تو میاں فائدہ کیا
لگے تم جو یاں پارسائی جتانے

(۳۵۹)

پھر اس طرف وہ پری رو جھمکتا آتا ہے
برنگ مہر عجب کچھ چمکتا آتا ہے

ادھر اُدھر جو نظر ہے تو اس لیے یارو
جو ڈھب سے تاکتے ہیں انکو تکتا آتا ہے

کوئی جو راہ میں کہتا ہے دل کی بے تابی
تو اس سے کہتا ہے کیا تو یہ بکتا آتا ہے

ملاپ کرنا ہے جس سے تو اس کی جانب واہ
قدم اُٹھاتا ہے جلد اور ہمکتا[۲] آتا ہے

ہمارے دل کی جو آتش ہے دینی بھربھڑکا
جبھی نظیر وہ پلکیں جھپکتا آتا ہے

۱؎ ہچکے یعنی ذرا جھجکیائے ۱۲ ۲؎ ہمکنا۔ ہچکے کا ایک گھوڑے سے دوسری طرف میں جانے کا ارادہ کرنا ہچک کر چلنا ناز و انداز اور تبختر سے چلنا ۱۲ آسی

(۳۶۰)

دیکھ عقدِ ثریا ہمیں انگور کی سوجھی — کیوں بادہ کشو ہم کو بھی کیا دور کی سوجھی
موسیٰ کے تئیں گو شجرِ طور کی سوجھی — پر ختمِ رسالت کو بہت دور کی سوجھی
غش کھا کے گرا پہلے ہی شعلے کی جھلک سے — موسیٰ کو بھلا کہیے تو کیا طور کی سوجھی
ہم نے تو اُسے دیکھ یہ جانا کہ پری ہے — پریوں نے جو دیکھا تو انھیں حور کی سوجھی
دیکھا جو نہانے میں وہ گورا بدن اس کا — بلور کی چوکی پہ جھلک نور کی سوجھی
سر پاؤں سے جب پھنس گئے اس زلفِ سیہ میں — جب ہم کو سیاہی شبِ دیجور کی سوجھی
جنت کے لیے شیخ جو کرتا ہے عبادت — کی غور جو ظاہر میں تو مزدور کی سوجھی

مصنوع میں صانع نظر آوے تو نظیر آہ
نزدیک کی پھر کی ہے جہاں دور کی سوجھی

(۳۶۱)

یہاں تو کچھ اپنی خوشی سے نہیں ہم آئے ہوئے — اک زبردست کے ہیں کھینچ کے بلوائے ہوئے
آتے ہی روئے تو آگے کو نہ رو دیں کیونکر — ہم تو ہیں روزِ تولد ہی کے دکھ پائے ہوئے
دیکھ کر غیر کے ساتھ اس کو کہا یوں ہم نے — ہو تو تم چاند پہ اسوقت ہو گہنائے ہوئے
کل جو گلشن میں گئے ہم تو عجب شکل سے آہ — ہجر کے مارے ہوئے جی سے تنگ آئے ہوئے
گل جو تازے تھے کھلے کہتے تھے شبنم سے یہ بات — دیکھ کر اُن کو جو وہ پھول تھے کمھلائے ہوئے

آج ہیں شاخ پہ جس طور سے پژمردہ نظیر
کل اسی طرح سے ہم ہو دیں گے مرجھائے ہوئے

(۳۶۲)

جام نہ رکھ ساقیا شب ہے پڑی اور بھی — پھر جہاں کٹ گئے چار گھڑی اور بھی
پہلے ہی ساغر میں تھے ہم تو پڑے لوٹتے — اتنے میں ساقی نے دی اس سے کڑی اور بھی

پلکیں تو چھید یں تھیں دل مارے تھی برچھی نگاہ
ابرو نے اس پر سے ایک تیغ جڑی اور بھی
کچھ طپش دل تھی کچھ سنتے ہی فرقت کا نام
آگ سی ایک آگ پر آن پڑی اور بھی
میری شب وصل کی صبح چلی آتی ہے
روک رے اس دم فلک ایک گھڑی اور بھی
گرچہ اُبھر آئی ہیں تن پہ مرے پر میاں
اتنی لگائیں جہاں ایک چھڑی اور بھی

کیا کہوں اس شوخ کی واہ میں خوبی نظیرؔ
سنتے ہی اس بات کے ایک جڑی اور بھی

(٣٦٣)

جہاں ہے قد اس کا جلوہ فرما تو سرو واں کس حساب میں ہے
وہ قامت[1] ایسا ہے کچھ قیامت، قیامت اسکی رکاب میں ہے

یہ سب غلط ہے جو یوں ہیں کہتے کہ اس کا مکھڑا نقاب میں ہے
نقاب کیا ہے وہ شرمگیں تو نقاب سے بھی حجاب میں ہے

وہ گورا پنڈا اور اس میں سرخی مگر خدا نے سرے تا پا
کیا ہے پیدا تو موتیوں کا اور اُس کو گوندھا شہاب[2] میں ہے

جھمک جو مکھڑے کی دیکھی اس کے تو ہم نے اپنے یہ دل میں جانا
اسی کے پرتو سے مہر ہے روشن اسی کا نور آفتاب میں ہے

رہے گا محبوب جس مکاں میں تو واں ہی دیکھیں گے اس کو جا کر
غرض وہ جس کا کہ نام دل ہے یہ دھن اس عالیجناب میں ہے

جو غصہ ہو کر وہ دیوے گالی تو اس ادا سے، کہ ہم تو کیا ہیں
فرشتے غش ہو کے لوٹ جاویں یہ لطف اُسکے عتاب میں ہے

بندھا ہے جب سے خیال اس کا عجب طرح کی لگن لگی ہے
کبھی وہ دل میں کبھی وہ جی میں کبھی وہ چشم پُر آب میں ہے

[1] قامت کی تذکیر و تانیث میں فصحا کا اختلاف ہے ۱۲ منہ
[2] شہاب ایک سرخ رنگ ۱۲ اسی

وہی ادھر ہے وہی اُدھر ہے وہی زباں پر وہی نظر میں
جو جاگتا ہوں تو دھیان میں ہے جو سو گیا ہوں تو خواب میں ہے

نظیر سیکھے سے علم رسمی بشر کی ہوتی ہیں چار آنکھیں
پڑھے سے جس کے ہوں لاکھ آنکھیں وہ علم دل کی کتاب میں ہے

(۳۶۴)

ہم تو عاشق ہیں ترے ناز اُٹھانے والے
تم سے کم دیکھے ہیں محبوب ستانے والے

بند کر قید محبت میں خبر میری نہ لی
دام میں لے کے پھنسے دام چھڑانے والے

کل شب وصل میں کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں
آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے

کل جو رستے میں ملاقات ہوئی تو یہ کہا
کہاں جاتے ہو طرحدار جلانے والے

گزری مدت کہ مرے ساتھ لپٹنے نہیں آئے
کیا ہوئے یار گلے ہم کو لگانے والے

یوں تو اوقات گزرتی ہے مزیداری میں
نہ ملے چین مزے دار دکھانے والے

اب کے ملتا ہو نظیر اس سے تو کہنا جا کے
کیا ملیں ہم نہ رہے یار بلانے والے

(۳۶۵)

کسی کی چھین نہ لی ہم نے جاہ کی گٹھری
نظر پڑی نہیں ہرگز نباہ کی گٹھری

پس از وفات نہ آئے ہماری تربت پر
بجائے سبزہ رکھی لا کے کاہ کی گٹھری

مژہ سے اس کی پڑا ہے مقابلہ، یارب
ادھر یہ دل ہے اُدھر ہے سپاہ کی گٹھری

تمھارے طرۂ دستار نے کٹا لی ہے
متاعِ صبر اسی داد خواہ کی گٹھری

حضور میں تری رحمت کے جھک نہیں سکتا
اگر سر پہ ہے مرے بار گناہ کی گٹھری

رکھے ہے کون، جنوں، وادیٔ محبت میں
بغیر آبلۂ پا زاد راہ کی گٹھری

بہم ہوا تھا جو کچھ یاں طواف کعبہ سے
کرشمے نے وہ بتوں کے تباہ کی گٹھری

کوئی تو غرق ہے بحر فراق کا یاں شوخ نہیں حباب یہ ہے سوز و آہ کی گٹھری
ابھار سینے، یہ اس کے کچوں کا ہے بار سے یہ شاہ حسن کے ہے خیمہ گاہ کی گٹھری
بڑا، سے ناز و ادا کا ہجوم جو یہ لشکر بجا ہے گر کہیں گردِ سپاہ کی گٹھری

زمیں، نظیر نہیں گرم اس میں ہے کیا خاک
مگر ہے زورِ طبیعت نباہ کی گٹھری

(۳۶۶)

نہیں آئے کل سے جو تم ادھر اسے کیا خیال میں لائیے جو کچھ عذر[۵] ہو تو بیاں کرو نہیں جیسے آتے تھے آئیے
یہ کہا کہ ہم سے بھی بولیے تو بنا کے منھ کہا غیرت یہ سخن ہے سچ کہ ہر ایک کو بہت اپنے منھ نہ لگائیے
لگے جب بچھانے بساط ہم گلی اسکی میں تو کہا میاں یہ جو دام بیٹھے بچھاتے ہو اسے جلدیاں سے اٹھائیے
وہ نگار گل رخ و گلبدن جو گلے سے آ کے لگے تو پھر یہ شگفتگی ہو برنگ گل کہ نہ پھولے دل میں سمائیے
یہ وہ ہاتھ ہیں کہ تم کریں یہ بہار ان کی عجب ہو جب کڑے ان میں سونے کے ڈالیے حنا انھیں خوب بچائیے
جو کہا تھا تم نے کہ بزم میں تمھیں پاس اپنے بٹھا چکے نہیں لائق اسکے تو ہم مگر جو کہا تو کر بھی دکھائیے

جوں ہی آتے دیکھا نظیر کو طرف اپنی ہنس کے کہا کہ ہاں
تمھیں لائی اپنی کشش ادھر اجی آئیے اجی آئیے

[۵] جو کچھ عذر میں عین ساقط ہوتا ہے ممکن ہے کوئی عذر ہو، آسی

(۳۶۷)

یہ چھپکے کا جو بالا کان میں اب تم نے ڈالا ہے اسی بالے کی دولت سے تمھارا بول بالا ہے
نزاکت سر سے پاؤں تک بڑی قربان ہوتی ہے الٰہی اس بدن کو تو نے کس سانچے میں ڈھالا ہے
یہ دل کیونکر نگہ سے اسکی چھدتے ہیں میں حیراں ہوں نہ خنجر ہے نہ نشتر ہے نہ جمدھر ہے نہ بھالا ہے
بلائیں ناگ کالی ناگنیں اور سانپ کے بچے خدا جانے کہ اس جوڑے میں کیا کیا باندھ ڈالا ہے
نہ غول آتا ہے خوباں کا سر کے ادل میں کہتا ہوں یہ کمبو کی نہیں پلٹن یہ پریوں کا رسالا ہے
جسے تم لے کے بیدردی سے پاؤں میں کچلتے ہو یہ دل میں نے تو اے صاحب بڑی محنت سے پالا ہے

نظیر اک اور لکھ ایسی غزل جو سن کے جی خوش ہو
تری اس ڈھب کی باتوں نے تو دل میں شور ڈالا ہے

(٣٦٨)

نہ سر نے کوند بجلی کی نہ شعلے کا اجالا ہے
کچھ اس گورے سے مکھڑے کا جھمکڑا ہی نرالا ہے

وہ مکھڑا اگل سا اور اس پر جو نارنجی دوشالا ہے
سحر خورشید نے گویا شفق سے سر نکالا ہے

کہیں خورشید بھی چھپتا ہے پردے میں چھپائے سے
اُٹھا دو منھ سے پردے کو بڑا پردا نکالا ہے

کھلے بالوں میں منھ کی روشنی پھوٹے نکلتی ہے
تمھارا حسن تو صاحب اندھیروں کا اُجالا ہے

نہ جھمکیں کس طرح کانوں میں اُسکے حسن کے جھمکے
ادھر جھمکا اُدھر بندا ادھر بجلی کا بالا ہے

رقیب اور یار آتے تھے سو ہم نے مکر سے یارو
اسے دل دے کے رکھا اور اسے دم دے کے ٹالا ہے

کن انکھیوں کی نگہ گھتی اشارت قہر حتیون کے
جو دو دن دیکھا تو برچھی ہے جو یوں دیکھا تو بھالا ہے

اُتار اگالیوں پر پہلے پھر بوسہ لیا ہم نے
جب اُس نقشے پہ کھینچا تھا اب اس قالب میں ڈھالا ہے

ہوئے ہیں ہم چراغ صبح کیا تم ایسے بیٹھے ہو
جو تم نے اب تلک کانوں میں اپنے تیل ڈالا ہے

جہاں تک رنگ ہیں دونوں جہاں میں سب اسی کے ہیں
دے وہ آپ تو ہرگز نہ گورا ہے نہ کالا ہے

نظیر اس سنگدل قاتل سے دعویٰ خون کا مت کر
میاں جا تجھ سے یاں کتنوں کو اُس نے مار ڈالا ہے

(٣٦٩)

کون یاں ساتھ لیے تاج و سریر آیا ہے
یاں تو جو آیا ہے پہلے سو فقیر آیا ہے

عشق لایا ہے فقط ایک ہی سینے کی سپر
حسن باندھے ہوئے سو ترکش و تیر آیا ہے

کل کسی شخص نے اس شوخ سے جا کر یہ کہا
آج در پر ترے اک عاشق پیر آیا ہے

پشت خم کردہ عصا ہاتھ میں گردن ہلتی
ضعف پیری سے نہایت ہی حقیر آیا ہے

سُن کے یہ شکل و شباہت مری اس شوخ نے آہ
وہیں معلوم کیا یہ کہ نظیر آیا ہے

(۳۷۰)

ہوش نگہ سے چلی زلف کی اب گھات ہے — دیکھیے آگے ابھی پہلی ملاقات ہے
کھینچ کے ابرو کی تیغ کہتے ہو کچھ ڈر نہیں — میرا تو کانپے ہے دل آپ کی کیا بات ہے
اُٹھتے ہو کیوں ڈر کے تم جان تمھاری بے مجھے — زلف سیہ کی قسم چار گھڑی رات ہے
بوسے کی درخواست میں تم نے جو دشنام دی — دل میں نہ کچھ لائیے ہم کو مساوات ہے

مُشت[1] اُٹھائی نظیر تم کو تو اس شوخ نے
اَب جو کھسکتے نہیں یاں سے تو پھر لات ہے

(۳۷۱)

دیکھ کر کرتی گلے میں سبز دھانی آپ کی — دھان کے بھی کھیت نے اب آن مانی آپ کی
کیا تعجب ہے اگر دیکھے تو مُردہ جی اُٹھے — چین نیفے کی ڈھلک پیڑو پہ آنی آپ کی
ہم تو کیا ہیں، دل فرشتے کا بھی کافر چھین لے — ٹک جھمک دکھلا کے پھر انگیا چھپانی آپ کی
آپڑے دو سو برس کے مُردۂ بیجان میں جان — جھکے اوپر دو گھڑی ہو مہربانی آپ کی
اک لپٹ کُشتی کی ہم سے بھی تو کر دیکھو ذرا — ہاں بھلا ہم بھی تو جانیں پہلوانی آپ کی
دیکھو کہنا مانو مت خالی سلائی سے رکھو — ورنہ کوسے گی ہمیں یہ سُرمہ دانی آپ کی
چھلّے غیروں پاس تو وہ خاتم زر لے نگار — ہے ہمارے پاس بھی اب تک نشانی آپ کی
وقت تو جاتا رہا پر بات باقی رہ گئی — ہے یہ جھوٹی دوستی اب ہم نے جانی آپ کی
ہم نے بھیجا تم کو، تم کہتے ہو "یاں پہنچا نہیں" — کھا گئی شاید وہ کُٹنی تیری جانی آپ کی
ایک شب اے جانِ جاں گھر میں مرے ہی آئیے — حال پر بندے کے ہوگی مہربانی آپ کی
کیا عجب صورت رقیب روسیہ کی دیکھ کر — خوف سے حالت ہوئی ہو پانی پانی آپ کی
ایک عالم کو دلہن کی طرح سر پھوڑے گا اب — گر اسی صورت رہی شیریں زبانی آپ کی
کہا ہمیں لگتی ہے پیاری جب وہ کہتی ہے نظیر — ہے میاں کچھ ان دنوں نامہربانی آپ کی

لہ مشت - گھونسا - مکا ۱۲ آسی ۱۲

ف گر نہیں باور تو جھک کر دیکھ لو ترقی تھا
تر تو کیا بلکہ شیشتی ہوگی ...... آپ کی

(۳۷۲)

ہنسے، روئے، پھرے، رسوا ہوئے، جاگے، بندھے، چھوٹے
غرض ہم نے بھی کیا کیا کچھ محبت کے مزے لوٹے

کلیجے میں پھپھولے، دل میں داغ، اور گل ہیں ہاتھوں پر
کھلے ہیں دیکھیے، ہم میں بھی یہ اُلفت کے گل بوٹے

تفاوت کچھ نہیں گلچیں میں اور بیدردِ خوباں میں
جو اُس کے ہاتھ گل ٹوٹے تو اُن کے ہاتھ دل ٹوٹے

ہزاروں گالیاں دیں، پھر ذرا ہنس کر اِدھر دیکھا
بھلا، اتنی تسلّی سے پھپھولے دل کے کب پھوٹے

کُھلے ہو جیسے تم، میں یہ مانگوں ہوں دعا دل میں
کوئی دلبر مرے آگے تمھیں بھی خوب سا کوٹے[۱]

زباں کی کر کے مقراض اور بنا دشنام کا کاغذ
ہمارے حق میں کیا کیا آپ نے کترے ہیں گل بوٹے[۲]

یہ کہتے ہیں کہ عاشق چھوٹ جاتا ہے اذیت سے
جب اُس کی عمر کو لشکر اجل کا آن کر لوٹے

ہماری روح تو پھرتی ہے معشوقوں کی گلیوں میں
نظیر اب ہم تو مر کر بھی نہ اس جنجال سے چھوٹے

[۱] خوب سا کوٹے یعنی اچھی طرح
[۲] ہمارے ۔۔۔ گل کرنا، عجیب و غریب کام کرنا ۱۲ آسی

(۳۷۳)

چھپا کر جو بھاگے ہم اس سے ذرا جی
جو غنچہ دہن میں اس کی خاطر ہے نازک
خفا اس سے ہو کر ہم آئے تو لیکن

تو بولا کہاں جائیے گا بھلا جی
پری میں کہاں ایسی نازک مزاجی
کئی دن تک اپنا بھٹکتا رہا جی

جو بیٹھا تھا جا کر نظیرؔ اس کے در پر | ق | بہت حسن الفت سے اپنا لگا جی

اُٹھایا جو اس نے جھڑک کر تو واں سے
چلا ہو کے بے بس یہ کہتا بھلا جی

(۳۷۴)

ہم دیکھیں کس دن حسن اے دل اس رشک پری کا دیکھیں گے
وہ قد وہ کمر وہ چشم وہ لب وہ زلف وہ مکھڑا دیکھیں گے

مت دیکھ بتوں کی ابرو کو ہٹ یاں سے تو اے دل ورنہ تجھے
ایک آن میں بسمل کر دیں گے اور آپ تماشا دیکھیں گے

دل دے کر ہم نے آج اسے ہی دیکھی صورت تیوری کی
یہ شکل رہی تو اے ہمدم کل دیکھیں کیا کیا دیکھیں گے

جب دیکھی اس کی چیں بجبیں یوں ہم نے نظیرؔ اس بت سے کہا
خیر آپ تو ہم سے ناخوش ہیں اب اور کو ہم جا دیکھیں گے

کیا لطف رہا اس چاہت میں جو ہم چاہیں اور تم ہو خفا
یہ بات سنی تو وہ چنچل یوں ہنس کر بولا دیکھیں گے

(۳۷۵)

ہے عزم یہ دل میں ہم بھی اسے اک روز نظر بھر دیکھیں گے
گر کھوے گا پر تیر نگہ چھد جائیں گے ہم پر دیکھیں گے

جو نقشہ ہوگا الفت کا اور بات بھی کچھ بن آوے گی
کیا بات ہے اے دل پھر تو اُسے ہم جا کر اکثر دیکھیں گے

سر رکھ کر اس کی چوکھٹ پر بس ہم تو اسی کے در کے ہوئے
اب اور کسی کے کہنے سے کب اور کوئی در دیکھیں گے

ق
وہ حسن کی تابش سے منھ پر کہتے ہیں کہ پردہ رکھتا ہے
بن دیکھے ہی پھر آئیں گے یاں ہم آہ یوں ہی کر دیکھیں گے

٥
اور شاید مکھڑا کھول دیا کر لطف نظیر اس نے پھر ہم کو
ٹھہرے گی نگہ تو دیکھیں گے جو نہ ٹھہری تو کیونکر دیکھیں گے

(٣٧٦)

ناز کا اس کے جو تھپیڑا ہے — طبع مشتاق کو وہ پیڑا ہے
کچھ تماشے جنوں کے بھی دیکھو — گرد دِوانے[1] کو تم نے چھیڑا ہے
دیکھو نرگس کے ٹک خیاباں کو — دید بازوں کا یہ بھی کھیڑا ہے
ق
دیکھ انکار جام اس سے نظیر — یوں کہا میاں یہ کیا بکھیڑا ہے

پی لو جلدی ابھی تو ساغر ہے
ورنہ پھر تم ہو اور تڑیڑا ہے

[1] دیوانے کی بجائے دوانہ قدیم زبان ہے ۱۲

(٣٧٧)

نہ آیا آج بھی، سب کھیل اپنا مٹی ہے — تمام رات یہ سر اور پلنگ کی پٹی ہے
جبیں پہ قہر نہ تنہا سیاہ پٹی ہے — بھوؤں کی تیغ بھی کافر بڑی ہی کٹی ہے
ٹپکتی نکلتی ہیں اشکوں کی شیشیاں یارو — ہمارے سینے میں کس شیشہ گر کی بھٹی ہے
گلے لگائیے منھ چومیئے سلا رکھیئے — ہمارے دل میں بھی کیا کیا ہوس اٹھتی ہے

کوئی حجاب نہیں تجھ میں اور صنم میں نظیر
مگر تو، آپ ہی پردہ اور آپ ٹٹی ہے

(٣٧٨)

منھ سے پردہ نہ اٹھے صاحب سن یاد رہے — پھر قیامت ہی عیاں ہے یہ سخن یاد رہے
کھولو اتنی نہ زباں غنچہ دہن یاد رہے — پھر ہمارے بھی دہن ہے یہ سخن یاد رہے

کوچہ گردوں میں نہیں ہم جو یہ کوچہ چھوڑیں
خاک کرنا ہے ہمیں یاں ہی بدن یاد رہے

عہد آنے کا کیا ہے تو گرہ بند میں دے[1]
اس سے شاید تجھے اے عہد شکن یاد رہے

آپ کے کوچے کو ہم کعبۂ مقصود سمجھ
بھول بیٹھے ہیں سب آرام وطن یاد رہے

حرف اٹھ جانے کا کہہ بیٹھے ہو اب تو لیکن
پھر نہ کہیئے گا کبھی قبلۂ من یاد رہے

سو چمن ایک فقط مکھڑے میں اسکے ہیں نظیر
جب یہ صورت ہو تو پھر کس کو چمن یاد رہے

(۳۷۹)

ٹک ہونٹ ہلاؤں تو یہ کہتا ہے نہ بک بے
اور پاس جو بیٹھوں تو سناتا ہے سرک بے

کہتا ہوں کبھی گھر میں مرے آ، تو ہے کہتا
چوکھٹ پہ ہماری کوئی دن سر تو پٹک بے

ق

جب بدر نکلتا ہے تو کہتا ہے وہ مغرور
کہدو اسے یاں آن کے اتنا نہ چمک بے

پردہ جو الٹ دوں گا ابھی منہ سے تو دم میں
اڑ جائے گی چہرے کی ترے سب چمک بے

سب بانکپن اب تیرا نظیر عشق نے کھویا
کیا ہو گئی سچ کہہ وہ تیری دو ٹک[2] دبک بے

(۳۸۰)

اس کا ادھر وہ حسن دکھانا گھڑی گھڑی
اور ہم کو غش پہ غش ادھر آنا گھڑی گھڑی

دن رات اس کے ہجر میں گھڑیال کی طرح
پڑتا ہے ہم کو شور مچانا گھڑی گھڑی

کہتا ہے اب تو پہر میں کچھ آٹھ سات بار
کیا جانے کیا کرے گا یہ آنا گھڑی گھڑی

باہر کبھی جو نکلے تو کہہ آوے گھر میں یوں
گر دیر ہو تو مجھ کو بلانا گھڑی گھڑی

ہو شب جو وصل کی تو بہت ہو کے مضطرب
کرنا ہر ایک طرح بہانا گھڑی گھڑی

القصہ وقت صبح تک اس کو تو روٹھنا
اور ہم کو پاؤں پڑ کے منانا گھڑی گھڑی

جاتی ہے اس میں قدر کچھ اچھا نہیں نظیر
گھر میں کسی کے دوڑ کے جانا گھڑی گھڑی

[1] بند میں گرہ یاد رہنے کے لیے دیا کرتے ہیں ۱۲
[2] روت دیکھ ... ڈانٹ ڈپٹ ۱۲ آتنی

(٣٨١)

سراپا حسن سمدھن گویا گلشن کی کیاری ہے
پری بھی اب تو بازی حسن میں سمدھن سے ہاری ہے

کھنچی کنگھی، گندھی چوٹی، جمی پٹی، لگا کاجل
کماں ابرو، نظر جادو، نگہ ہر اک دلاری ہے

جبیں مہتاب، آنکھیں شوخ، شیریں لب، گہر دنداں
بدن موتی، دہن غنچہ، ادا ہنسنے کی پیاری ہے

نیا کمخواب کا لہنگا، جھمکتے تاش کی انگیا
کچیں تصویر سی جن پر لگا گوٹا کناری ہے

ملائم پیٹ مخمل سا، کلی سی ناف کی صورت
اٹھا سینہ، صفا پیڑو، عجب جوبن کی ناری ہے

سرین نازک، کمر پتلی، خط گلزار رو مادل
کہوں کیا آگے اب اس کے مقام پردہ داری ہے

لٹکتی چال، مدھ ماتی، چلے بچھوؤں کو جھنکاتی
ادائیں دل لیے جاتی عجب سمدھن ہماری ہے

بھرے جوبن پہ اتراتی جھمک انگیا کی دکھلاتی
کمر لہنگے سے بل کھاتی، لٹک گھونگھٹ کی بھاری ہے

(٣٨٢)

اس گورے بدن کا کوئی کیا وصف کرے آہ
ختم اس کے اوپر گلرخی و سیمتنی ہے

منہ چاند کا ٹکڑا ہے بدن چاند کی تختی
دنداں ہیں گہر، ہونٹ عقیق یمنی ہے

بلور کی پتلی کہوں یا موتی کا دانہ
یا چین میں اک چینی کی مورت یہ بنی ہے

نرمی میں صفائی میں، نزاکت میں تن اس کا
ریشم ہے نہ گلبرگ، نہ برگ سمنی ہے

گر پھول کی پتی کی بنا پہنے وہ پوشاک
چھل جاوے بدن اس کا یہ نازک بدنی ہے

کل میں نے کسی شخص سے نام اسکا جو پوچھا
یعنی یہ پری یا کہ غزال ختنی ہے

وہ بولا کہ اس شوخ کے تئیں کہتے ہیں ہیرا
کام اس کا سدا دلبری و دل شکنی ہے

تب میں نے وہیں ہنس کے کہا اس سے نظیر آہ
ہیرا نہ کہو اس کو یہ ہیرے کی کنی ہے

(۳۸۳)

کمر تک اس نے زلفوں کو جو بل دے دے کے چھوڑا ہے
یہ دو زلفیں نہیں ہیں کافر ایک ناگن کا جوڑا ہے

سمند آسماں کب آپ سے دوڑے ہے اس پر تو
کسی کی ایڑ پر ہے ایڑ اور کوڑے پہ کوڑا ہے

دیا اس سنگدل کے ہاتھ اپنے شیشۂ دل کو
جو سچ پوچھو تو میں نے لعل کو پتھر سے پھوڑا ہے

یہی ہے دھوم کل سے وہ مرے ملنے کو آتا ہے
گلے میں ہار ہے اور تن میں نافرمانی جوڑا ہے

غرض میں تو نظیر اس سے سمجھتا ہوں کہیں شاید
کسی کا نیل[۱] بگڑا ہے جو یہ طوفان جوڑا ہے

[۱] نیل بگڑنا۔ شامت آنا۔ آسی

(۳۸۴)

تمہارے حسن کے شعلے کو دیکھے شمع جلتی ہے
چھپی ہے پردۂ فانوس میں جس پر پگھلتی ہے

حنا اس ہاتھ سے بندھ کر کھلی ہے ایسی کچھ جس سے
پری کے ہاتھ کی مہندی بھی اپنے ہاتھ ملتی ہے

منہ اپنا دیکھتا ہے شوخ آئینے میں خوش ہو کر
بتوں کی شوخیوں کے سامنے کچھ بات چلتی ہے

نزاکت سے جو آیا ہے پسینہ اس کے عارض پر
تو کیا پنکھا موافق کا جھپک مژگاں کی جھلتی ہے

صفت کرتا ہے وہ اٹکھیلیوں کی چال چلنے کی
کہ جس کے دل کو شوخی اس کی پے در پے کچلتی ہے

نگہ لیتی ہے دل کو دیکھتے ہی دیکھتے چھپ سے
ہنسی کی آن بھی ہنستے ہی ہنستے دل کو چھلتی ہے

نظیر اب دل تو مچلا یار کے کوچے میں کیا کیجیے
اٹھو جلدی نہیں تو جان بھی اب دم میں چلتی ہے

(۳۸۵)

درج غم میں چشم نے گوہر اُگل کر بھر دیے
اشک نے جنگل کے جنگل دم میں ڈھل کر بھر دیے

جلوہ گر محفل میں رات اُس حسن کے شعلے کو دیکھ
شمعدان شمعوں نے اپنے سب پگھل کر بھر دیے

کل جو ٹک رویا کسی کو یاد کر وہ گل بدن
اشک تھے آنکھوں میں یا موتی مچل کر بھر دیے

جام کم بھرتے ہیں ساقی کو ذرا چھیڑا جو ہیں
اُس نے ایک دو چار ساغر مجھ کو جل کر بھر دیے

ذبح کرتا تھا وہ قاتل مجھ تپش آلودہ نے
خوں میں سب دامن کے پاٹ اُس کے اچھل کر بھر دیے

زخم شانوں کے تری زلفوں نے اے وعدہ خلاف
آخرش لیت و لعل سے آج کل کر بھر دیے

کہتے ہیں اے باغباں جتنے کہ خالی تھے چمن
جوش گل نے آ کے سب وہ پھول پھل کر بھر دیے

اب ترے رونے کا عالم حد سے گزرا اے نظیر
اشک نے تیرے تو سب جل تھل نکل کر بھر دیے

(۳۸۶)

رخ پری، چشم پری، زلف پری، آن پری
کیوں نہ اب، نام خدا ہو، ترے قربان پری

جھمکے جھمکے وہ ثریا کے کرن پھول وہ پھول
بُندے بالے پری، موتی پری، اور کان پری

رشک خورشید جبیں، ابرِ سیہ سی پٹی
لہر چوٹی کی غضب، زلفِ پریشان پری

حسن گلزار، قمر شکل، صراحی گردن
مہ جبیں سیب ذقن، چاہِ زنخدان پری

بار غمزہ کی بلا، تیر نگہ، دست سنان
تیغ ابرو کی ستم، ترکش مژگان پری

مسکرانے کی ادا جیسے چمک بجلی کی
آن ہنسنے کی قیامت، لب و دندان پری

آنکھ مستی کی بھری، شوخ نگاہیں چنچل
تہہ کا جل کی کھچاوٹ، مسّی و پان پری

بینی اور نتھ کا وہ عالم کہ چھدے دل جس سے
حور جگنی کی جھلک، گوہر غلطان پری

دُھکدھکی چاند سی، جگنو کبھی ستاروں کی مثال
عطرداں طرفہ، وہ توڑے بھی درخشان پری

چاک سینے کا غضب، صاف بدن موتی سا
انگیا تصویری، کرتی کا گریبان پری

پشت گلبرگ، شکم سیم، کمر تارِ نگاہ
ساقِ بلور، گلاوٹ میں ہر اک آن پری

کھیر اپشواز کا وہ جیب کے کناری قرباں ‌ ‌ اچال آفت کی نشاں جنبش د امان پری

کیا کہوں اُس کے سراپا کی میں تعریف نظیر
قدپری، دھج پری، عالم پری، اور شان پری

(۳۸۷)

سمجھے تھے چاہ ہم کو یاں غم نہ لینے دیگی ‌ ‌ کچھ گاہ گاہ ہوگا بیم نہ لینے دے گی
اس زلف میں نہ پھنسیو وہ پیچ و خم سے اپنے ‌ ‌ پھر چین تجھ کو اے دل اک دم نہ لینے دے گی
ابرو کی تیغ جس دم زخمی کرے گی پھر تو ‌ ‌ ٹانکا نہ دینے دے گی مرہم نہ لینے دے گی
مت دو نظیر دل کو اس تند خو کی چاہت ‌ ق ‌ دم خوش دلی کا تم کو باہم نہ لینے دے گی

مشکل پڑے گی وہ تو پھر آنے واں نہ دیگا
اور بے قراری تم کو یاں دم نہ لینے دے گی

(۳۸۸)

وہ جب گھر سے نکلا سچکتے سچکتے ‌ ‌ قدم بھی اُٹھائے جھجھکتے جھجھکتے
نہ مانا کبھی دل نے کہنا ہمارا ‌ ‌ نہایت ہم عاجز ہوئے بکتے بکتے
نہ آیا ادھر کرکے وعدہ وہ اور ہم ‌ ‌ گئے جی میں گھبرا اُدھر تکتے تکتے
نظیر اس کی محفل میں جب دو ر بیٹھا ‌ ق ‌ ہوا جب وہ ناخوش جھجھڑکتے جھڑکتے

بٹھایا تو دور اس نے پر اپنے ڈھب سے
وہ پھر واں ہی پہونچا سرکتے سرکتے

(۳۸۹)

اُدھر جو دیکھا تو اُس پری کی نگاہ جام شراب لائی ‌ ‌ اُڑا دیا ہوش ایک پل میں نشہ کچھ ایسا شتاب لائی
اُٹھایا اُس نے جو رخ سے پردہ ہماری خاطر کچھ پیا ‌ ‌ بہت یہ چاہا کہ دیکھیں اک دم نگاہ ہرگز نہ تاب لائی
کہا جو ہم نے کہ دل کو لیجئے تو شرمگیں ہو "نہیں" تو کی پر ‌ ‌ وہ دل کا لینا ہی تھا جو اسکی حیا جبیں پر حجاب لائی

گو جفا کا نظیر ہم نے کیا جو اس نازنیں سے جا کر
ق
تو سن کے اس کی وہ چین ابرو کچھ اس طرح کا عتاب لائی

جو غش میں آیا ہمیں پسینہ تو پھر ہنسا وہ کچھ اس ادا سے
کہ تھی عرق کی تری جو منھ پر وہی تری پھر گلاب لائی

(۳۹۰)

دیا جب دل تو پھر ستم کا نہ اس کے ہرگز حساب کیجے
گلے کو جی میں نہ راہ دیجے نہ چشم اپنی پر آب کیجے

کیا ہے آنے کا وعدہ اس نے لگی ہے ڈھلنے گو رات جبھی
بجا ہے اب جاگتا ہی لے دل نہیں مناسب کہ خواب کیجے

ق

ہم آئے ملنے کو تم سے اس دم تم اپنا بیٹھے ہو منھ چھپا کر
یہ وضع کیا ہے جو دل کو لیجے اور اپنے ناز و عتاب کیجے

جو یوں ہی ٹھہری تو ڈر ہے کس کا بس ایک گھڑی سی نہ کیجے جھٹ کی
ہمیں اٹھا دیجے یاں سے اے جاں گر نہ ترک حجاب کیجے

میاں نظیر اب ہو تم جو عاقل تو جتنی فرصت نظر پڑی یاں
درنگ اس میں نہ آنے دیجے جو کچھ ہو کرنا شتاب کیجے

(۳۹۱)

پھر بہار آئی ہے اور موج ہوا لہرائے ہے
دیکھیے اپنے جنوں کو اب کے کیا لہرائے ہے

اس کی چوٹی کا تصور دل میں یوں لہرائے ہے
سانپ کے کاٹے کو جیسے لہر پہ لہر آئے ہے

صبح کا کرتا ہے وعدہ وہ تو پھر آتا ہے کب
دوسرے دن کا کہیں جب تیسرا پہر آئے ہے

گر وہ بوسے کی طلب میں ہو خفا تو ہے بجا
ہنس کے اک دشنام دینے میں جسے قہر آئے ہے

مجھ کو کاٹا ہے صریحاً زلف کی ناگن نے آہ
تو مجھے افعی گزیدہ کس طرح ٹھہرائے ہے

زہر مہرے سے مسی مالیدہ لب کے کر علاج
ورنہ مجھ کو بے طرح چڑھتا ہوا زہر آئے ہے

گر وہ روٹھا ہے تو تو بھی اس کو کہہ بھیج اے نظیر
ہم بھی پار رکھتے نہیں ندی تو کیا گھبرائے ہے

(۳۹۲)

جس کے لب سے سخن پند گہر جوش ہوئے
عمر بھر پھر وہ ہمارے گہر گوش ہوئے

کل جو گزرے تھے ہم اک کہنہ مزارستان میں
یعنی اک شخص یہ بولا کئی یاں عظم دہن
مجھ سے یوں کہنے لگے جن کے ہیں یہ عظم رمیم
رات دن فرحت و عشرت میں بسر کرتے تھے
ایک دم چرخ حسد پیشہ سے مانند چراغ
اب کوئی نام و نشاں سے نہیں ان کے آگاہ

واں عجب طور کی عبرت سے ہم آغوش ہوئے
سخت پوشیدہ نگہ سے مری ہم دوش ہوئے
وہ بصد عیش و طرب خرش خور و خوش پوش ہوئے
کبھی گلشن میں پھرے اور کبھی مے نوش ہوئے
دیر پل بھر نہ لگی آہ جو خاموش ہوئے
ایسے وہ خاطر عالم سے فراموش ہوئے

جب سنا میں نے یہ اس شخص سے احوال نظیر
روح تھرا گئی لرزاں خرد و ہوش ہوئے

(٩٣)

ایام شباب اپنے بھی کیا عیش اثر تھے
دن رات وہ محبوب میسر تھے کہ جن کی
ساقی کے ادھر جام، ادھر ناز و ادا سے
محفل سے جو اُٹھتے تھے ذرا ہم تو لپٹ کر
ہمراہ گل اندا موں کے ہو خرم و خنداں
کیا شور تھے کیا زور تھے ہر لحظہ اہاہا

کہتے ہیں جنھیں عیب وہ اس وقت ہنر تھے
زلفیں الم شام تھیں رخ رشک سحر تھے
جادو نظراں خوش نگہاں پیش نظر تھے
نازک بدناں سو کمراں دست و کمر تھے
باغ و چمن و گلشن و بستاں میں گزر تھے
کیا ولولے کیا نعرے تھے بے خوف و خطر تھے

دکھلا کے جھمک جاتے رہے دم میں نظیر آہ
کیا جانے وہ دن برق تھے یا مثل شرر تھے

(٩٤)

گلباز عشرت ہو جیسے کیا گلرخوں سے دو گھڑی
ہر دم تغیر دیکھ یاں ہیبت سے یوں کانپے ہے جاں
اک گلبدن مغرور تھا رقص اس کا بس مشہور تھا

کرتا ہے گلبازی کی یاں اک دم میں گردوں گلجھڑی
جیسے ہوا سے ہر زماں ہو بید کی لرزاں چھڑی
جس جس کا وہ منظور تھا کرتا تھا چور اس پر گھڑی

دل اس نے دیکھا جس جگہ بے جرم و تقصیر و گنہ
مارا وہیں تیر نگہ یا تیغ ابرو کی جڑی

ہردم نگاہ جانستاں ہے کرتا غمزے کا ہاں
کرتی تھی کیا کیا پھرتیاں واں جا پڑی یاں آپڑی

سر پاؤں تک گلپوش تھا بلبل وشوں کا جوش تھا
ہر دل پڑا بیہوش تھا جاں دست بستہ تھی کھڑی

وہ گرم دیکھ اس کی دکاں اک سرد مہری کر عیاں
ناگاہ چرخ آسماں اس مہر پیکر سے لڑی

وہ حسن سب جاتا رہا میں نے کہا یہ کیا ہوا
بولا میاں اب کیئے کیا حیرت ہے مجھکو بھی بڑی

تھی جو نظیر ایسی چمک جاتی رہی سب یک بیک
کیا جانے وہ ظالم چمک مہتاب تھی یا پھلجھڑی

(۳۹۵)

کیا کہیں دنیا میں ہم انسان یا حیوان تھے
خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے

کر رہے تھے اپنا قبضہ غیر کی املاک پر
غور سے دیکھا تو ہم بھی سخت بے ایمان تھے

اور کی چیزیں دبا رکھنا بڑی سمجھی تھی عقل
چھین لیں جب اس نے جب جانا کہ ہم نادان تھے

ایک دن اک استخواں اوپر پڑا میرا جو پاؤں
کیا کہوں اس دم مجھے غفلت میں کیا کیا دھیان تھے

پاؤں پڑتے ہی غرض اس استخواں نے آہ کی
اور کہا غافل کبھی تو ہم بھی صاحب جان تھے

دست و پا، زانو، سر و گردن، شکم، پشت و کمر
دیکھنے کو آنکھیں اور سننے کی خاطر کان تھے

ابرو و بینی، جبیں، نقش و نگار و خال و خط
لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے

رات کو سونے کو کیا کیا نرم و نازک تھے پلنگ
بیٹھنے کو دن کے کیا کیا کوٹھے اور دالان تھے

کھل رہا تھا روبرو جنت کے گلشن کا چمن
نازنیں محبوب گویا حور اور غلمان تھے

لگ رہا تھا دل کئی چنچل پریزادوں کے ساتھ
کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہیں پیمان تھے

گلبدن اور گلعذاروں کے کنار و بوس سے
کچھ نکالی تھی ہوس کچھ اور بھی ارمان تھے

مچ رہے تھے چہچہے اور اڑ رہے تھے قہقہے
ساقی و ساغر صراحی پھول عطر و پان تھے

ایک ہی چکر دیا ایسا اجل نے آن کر
جو نہ ہم تھے اور نہ وہ سب عیش کے سامان تھے

ایسی بیدردی سے ہم پہ پاؤں مت رکھ اے نظیر
او میاں تیری طرح ہم بھی کبھی انسان تھے

(٣٩٦)

تاب اس کے دیکھنے کی نہ لائے چلے گئے — کیا کیا پری جوان تھے آئے چلے گئے
آدم رہا نہ کوئی پیمبر رہا یہاں — وہ بھی سرزمیں میں سمائے چلے گئے
دارا رہا نہ جم نہ سکندر سا بادشاہ — تخت زمیں پہ سیکڑوں آئے چلے گئے
عالم تھا یہ زلیخا کا یوسف کی چاہ میں — رقعے ہزار بیاہ کے آئے چلے گئے

دیکھا نظیر میں نے چمن میں جو آپ کو
مہندی بھرے جو ہاتھ دکھائے چلے گئے

(٣٩٧)

سرشک چشم سے موتی بہت پرو نے گئے — دلے یہ داغ جگر کے نہ ہم سے دھوئے گئے
غرور نے تو ہمارے بہت ہی کھینچا سر — پر اس کو ہم بھی سدا خاک میں ملے گئے
ہماری ان کی رہی عمر بھر یہی صحبت — اُدھر وہ ہنستے گئے ہم ادھر سے روئے گئے
سمائے ایسے ہیں آکر کہ پھر مرے دل سے — نہ جاگتے میں کبھی اور کبھی نہ سوئے گئے

نظیر کیا ہی مزہ تھا کہ کل خوشی سے ہم
گئے تھے یار کو لینے سو آپ کھوئے گئے

(٣٩٨)

لگا یا دام زلفوں کی شکن نے پیچ نے بل نے — بنایا پان نے رنگ اور سنبھالا سحر کاجل نے
مرا دل دیکھتے ہی اس صنم کو ہو گیا شاداں — نگاہیں دم بدم سو عیش و عشرت سے لگیں چلنے
کبھی خوش ہو کے ہو ہو کی کبھی لو لالا ہا ہا — عجب لوٹے مزے اس وقت نظاروں کی اکل نے
نہ بولا منہ سے ہرگز دیکھ کر وہ خوشدلی میری — مگر کچھ کچھ تبسم کی شکر لب سے لگا ملنے

مجھے کر جل سے غافل بھولی صورت کا بنا نقشہ
اب اس ظالم کے ہاتھوں سے بچاؤں کیونکر اپنا جی
چلا ڈرتا جو آگے کو تو وہ پھر ہنس کے یوں بولا
ادب سے یوں کہا اب تو ہوئی تقصیر یہ مجھ سے
لگے غمزے لگانے تیر ادھر دکھلا کے سو پھرتی
ادھر آنکھوں کے جادو نے بنایا باؤلا کیا کیا

کیا اک بار منہ غصہ میں سرخ عیار چنچل نے
اٹھا کر جھٹ قدم واں سے لگا گھر کی طرف چلنے
اڑا کر مفت نظارے بچا اب تم گئے ٹلنے
لگے قطرے پسینے کے مرے منہ سے وہیں ڈھلنے
ادھر سے تیغ ابرو کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے
ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی چھل بل نے

دکھا کر مجھ کو اپنی واں زبردستی کے یہ نقشے
وہیں دل لے لیا جھٹ پٹ نظیر اس شوخ چنچل نے

(۳۹۹)

الطاف بیاں کب ہم سے ہوں یکجان تمھاری صورت کے
کچھ کہنے پر موقوف نہیں معلوم ابھی ہو جاوے گا
منہ دیکھنے کی یہ بات نہیں سچ پوچھو تو اب دنیا میں
آئینہ رخوں کی محفل میں جس وقت عیاں تم ہوتے ہو

ہیں لاکھوں اپنی آنکھوں میں احسان تمھاری صورت کے
خورشید مقابل ہو دیکھے اک آن تمھاری صورت کے
بے صبر کریں ہیں پریوں کو ارمان تمھاری صورت کے
سب آئینہ ساں رہ جاتے ہیں حیران تمھاری صورت کے

کی عرض نظیر اک بوسے کی تو ہنس کے چنچل یوں بولا
اس منہ سے بوسہ لیجیے گا قربان تمھاری صورت کے

(۴۰۰)

بے ہوش دل کو لینا ٹھہرا دیا ابھی سے
بوسے کی ہم کو چٹک اور واں ہے تازہ الفت
کر عہد مہربانی دکھلا دی چین ابرو
پہلے ہی دیکھنے میں آنکھیں دکھائیں کیا کیا

ہم کو یہ ناز اس نے دکھلا دیا ابھی سے
اس آرزو نے دل کو للچا دیا ابھی سے
اس شمع رو نے اے دل جلا دیا ابھی سے
چنچل نے ہم کو یارو دہلا دیا ابھی سے

کیونکر نظیر اس کی چاہت نبھے گی دل سے
ہم کو تو ایک ادا نے گھبرا دیا ابھی سے

(۴۰۱)

دل و جاں ہمارے نہ غنچے سے ملتے
دکھائے تم تو ہمیں پر اسی نے
وہ گجرے جو تھے نسترن کے تو ان سے
اگر جا ہمیں اس کے کوچے میں ملتی

جو اس گل سے ملتے تو ہم گل سے کھلتے
بھلائے وہ گر نہ وہ ہم سے نہ چھلتے
نزاکت نہ ہوتی تو بہو نچے نہ چھلتے
تو پھر عمر بھر ہم وہاں سے نہ ہلتے

ملا وہ تو بولا نظیر اس سے ہنس کر
میاں تم نہ ملتے تو ہم کیونکہ ملتے

(۴۰۲)

ہوے خوش ہم ایک نگار سے ہوے شاد اس کی بہار سے
کبھی شان سے کبھی آن سے کبھی ناز سے کبھی پیار سے

ہوئی پیرہن سے بھی خوش دلی کلی دل کی اور بہت کھلی
کبھی طرّے سے کبھی گجرے سے کبھی بدھی سے کبھی ہار سے

وہ کناری ان میں جو تھی گندھی اسے دیکھ کر بھی ہوئی خوشی
کبھی نور سے کبھی لہر سے کبھی تاب سے کبھی تار سے

گئے اس کے ساتھ چمن میں ہم تو گلوں کو دیکھ کے خوش ہوے
کبھی سرد سے کبھی نہر سے کبھی برگ سے کبھی بار سے

وہ نظیر سے تو ملا کیا مگر اپنی وضع میں اس طرح
کبھی جلد سے کبھی دیر سے کبھی لطف سے کبھی عار سے

(۴۰۳)

ہوئی شکل اپنی یہ ہمنشیں جو صنم کو ہم سے حجاب ہے
کبھی اشک ہے کبھی آہ ہے کبھی رنج ہے کبھی تاب ہے

ذرا در پہ اس کے پہونچ کے ہم جو بلا دیں اس کو تو دوستو
کبھی غصہ ہے کبھی چھیڑ ہے کبھی حیلہ ہے کبھی خواب ہے

جو اس انجمن میں ہیں بیٹھتے تو مزاج اس کے سے ہم کو واں
کبھی عجز ہے کبھی بیم ہے کبھی عتاب ہے کبھی داب ہے

وہ ادھر سے جا کے جو آتا ہے اسے دونوں حال سے ملیں یاں
کبھی سوچ ہے کبھی فکر ہے کبھی غور ہے کبھی تاب ہے

جو وہ بعد بوسے کے ناز سے ذرا جھڑکے ہے تو نظیر کو
کبھی مصری ہے کبھی قند ہے کبھی شہد ہے کبھی راب ہے

(۴۰۴)

جن دنوں چاہت کی ہم کو دمبدم تقریر تھی
ہے جو نقش حب اسی کی رات دن تحریر تھی

کس روش سے دیکھیے اور ملیے اس سے کس طرح
تھا یہی اندیشہ دل میں اور یہی تدبیر تھی

ہم نے دیکھا وہ بدو اور تم نے چھیڑا دل کو آہ
لائق تعزیر ہم تھے دل کی کیا تقصیر تھی

یوں نظر آیا ہمیں کل ایک جاگہ پہ نظیر
ق گریہ اور اس کی ہر دم آہ کی تاثیر تھی

تھا زمیں پہ پاؤں پھیلائے پڑا دیوانہ وار
چشم تھی حیرت زدہ اور ہاتھ میں تصویر تھی

(۴۰۵)

جب اس کی زلف کے حلقے میں ہم اسیر ہوئے
شکن کے عادی ہوئے خم کے خو پذیر ہوئے

خدنگ دار جو عمر سے تھے اس کے چھٹپن میں
پر اب نظر میں جو آئے تو رشک تیر ہوئے

جھڑک دیا ہمیں کوچے میں اس نے جس دم دیکھ
ہم اپنے دل میں کچھ اس دم خجل کثیر ہوئے

جو گاہ گاہ اُدھر جاتے ہم تو رہتی قدر
ق
گھڑی گھڑی جو گئے اس سبب حقیر ہوئے

نگہ کے لڑتے ہی ہنس کر کہا نظیرؔ اس نے
یہ باتیں چھوڑ دو کچھ سمجھو اب تو پیر ہوئے

(۴۰۶)

تن پر اس کے سیم فدا اور منھ پر مہ دیوانہ ہے
سر سے لے کر پاؤں تلک اک موتی کا سا دانہ ہے

ناز نیا انداز نرالا چتون آفت چال غضب
سینہ ابھار اصافن تم اور چھب کا قہر یگانہ ہے

بانکی سج دھج آن انوکھی بھولی صورت شوخ مزاج
نظر دزدیاں گھل کھیل لگاوٹ آنکھوں میں شرمانا ہے

تن بھی کچھ گدرایا ہے اور قد بھی بڑھتا آتا ہے
کچھ کچھ حسن تو آیا ہے اور کچھ کچھ اور بھی آنا ہے

جب ایسا حسن قیامت ہو بیتاب نہ ہو دل کیونکر نظیرؔ
جان پر اپنی کھیلیں گے اک روز یہ ہم نے جانا ہے

(۴۰۷)

اس کے جھمکے کی لٹک سے جو ملا بالا ہے
دل مرا جھوک سے دونوں کی تہ و بالا ہے

بالے پن میں تو ہمیں تھے، یہ قیامت دیکھو
اب ذرا حسن جو چمکا تو ہمیں بالا ہے

جتنے اس باغ میں ہیں سرو، صنوبر، شمشاد
اس کا قد نام خدا سب کے اوپر بالا ہے

خال چہرے پہ نہیں اس کے، یا اللہ نے واہ
حسن کے خوان میں کیا خوب نمک ڈالا ہے

سرخ رو، پان ہوا اس کے لبوں سے ایسا
جس کے ہم رنگ نہ گلنار نہ گل لالا ہے

سنگدل، شوخ، جفا کار، ستمگر، بے رحم
دل پرونے کے لیے جس کی نگہ بھالا ہے

قہر جھمکوں کی جھمک تس پہ غضب ہے بالا
اب کوئی آن میں سب خلق تہ و بالا ہے

ایسے ظالم سے کوئی دل کو لگاتا ہے نظیرؔ
اب تری جان کا اللہ ہی رکھوالا ہے

(۴۰۸)

ہمدم چلیں ہم اس کی طرف کیا نثار لے
جاویں مگر یہی دل اُمید وار لے

ہو بیقرار کیونکر نہ جاویں ہم اُسکے پاس
ہم کو تو ہو قرار پہ جب دل قرار لے

اے حسرت نثار اس ابرو کے وار پر
جو تجھ کو وارنا ہے سو اب تو بھی وار لے

ق

کوچے میں اس کے اشک مسلسل کے ہار گوندھ
جاتا ہوں جب میں ہاروں کو بے اختیار لے

کہتا ہوں گل فروش کی مانند بار بار
تازے ہیں موتیا کے اگر کوئی ہار لے

سو سو طرح کے مکر بناتا ہوں اس لیے
شاید وہ محل میں آن کے مجھ کو پکار لے

دل چیز کیا جو اس کے تئیں دیجیے نظیر
ہم نقد جاں بھی دیویں اگر وہ اُدھار لے

(۴۰۹)

دست غیر اس کے حنا واں پاؤں پر باندھا کیے
یاں کئی مشفق ہمارے زخم سر باندھا کیے

اُٹھ کے آخر جا پڑی اس روئے رخشاں پر نگاہ
گرچہ ہم مدت سے اس طائر کے پر باندھا کیے

اپنے اشکوں سے ہم اُسکے دست غم میں دمبدم
جب تلک جیتے رہے سلک گہر باندھا کیے

خال و ابرو کی نظر بازی سے باز آئے نہ ہم
گو وہ ہم پر ہر گھڑی تیغ و سپر باندھا کیے

قتل کا سنتے ہی مژدہ ہم تو شادی مرگ ہو
اول منزل کو پہنچے وہ کمر باندھا کیے

غش جو آیا رات اس کی چشم کے بیمار کو
رشتۂ چشم اس کے بازو تا سحر باندھا کیے

اشک اُدھر پانی میں کچھ گھولا کیے اس دم نظیر
سرخ سی کچھ گولیاں تحت جگر باندھا کیے

(۴۱۰)

دل زلف میں رکھتے ہو تو اُکتانے نہ پاوے
یہ صید نیا ہے ابھی گھبرانے نہ پاوے

کہتا ہے کہ کوچے میں ہمارے جو کوئی دل
لاوے، تو کچھ کمیو پہ جانے نہ پاوے

کاکل ہے کھلی اس لیے تا پاؤں نگہ کا
تیوری جو چڑھی رہتی ہے اس کا ہے سبب یہ
شکل ہو کہ جو چاہے تو پھر آوے نہ در تک
چپکے ہی جفائیں سہے کچھ بولے نہ ہرگز

اس میں ہی بندھے چہرے تلک آنے نہ پاوے
جو شکوہ زباں پر کوئی کچھ لانے نہ پاوے
اور دل کہیں بہلاوے تو بہلانے نہ پاوے
بولے تو زباں گونگی ہو بتلانے نہ پاوے

ہم ایک نظر دیکھ نظیر اس کو جو بھاگے
بولا کہ اسے پیچھاں جانے نہ پاوے

(۴۱۱)

ادا و ناز میں کچھ کچھ جو ہوش اس نے سنبھالا ہے
ابھی کیا عمر ہے، کیا عقل ہے، کیا فہم ہے، لیکن
تبسم قہر، ہنس دینا قیامت، دیکھنا آفت
ابھی نوک نگہ میں اس قدر تیزی نہیں اس پہ
اکڑنا، تن کے چلنا، دھج بنانا، وضع دکھلانا
کسی کے ہاتھ کاندھے پر کسی کے لات سینے پر

تو اپنے حسن کا کیا کیا دلوں میں شور ڈالا ہے
ابھی سے دلفریبی کا اک نقشہ نرالا ہے
پلک دیکھو تو نشتر ہے نگہ دیکھو تو بھالا ہے
کئی زخمی کیے ہیں اور کئی کو مار ڈالا ہے
کبھی نیمہ کبھی چپکن کبھی خالی دوشالا ہے
کہیں نفرت کہیں الفت کہیں حیلہ حوالا ہے

نظیر ایسا ہی دلبر شہرۂ آفاق ہوتا ہے
ابھی سے دیکھیے فتنے نے کیسا ڈھب نکالا ہے

(۴۱۲)

ہم کل ایک ایسے پری رو کے نظر بند ہوئے
ایسے کمبخت ہوئے ہاتھ ہمارے ہیہات

جس کا منھ دیکھ کے پریوں کے بھی پر بند ہوئے
ایک دن اس کی کمر کے نہ کمربند ہوئے

حور پہونچے نہ پری جن کی نزاکت کو نظیر
ایسے کچھ حضرت آدم کے جگر بند ہوئے

(۴۱۳)

کیا ادا کیا ناز ہے کیا آن ہے — یاں پری کا حسن بھی حیران ہے
حور بھی دیکھے تو ہو جاوے فدا — آج اس عالم کا وہ انسان ہے
اس کے رنگ سبز کی ہے چین میں دھوم — کیوں نہ ہو آخر کو ہندوستان ہے
جان و دل ہم نذر کو لائے ہیں آج — لیجیے یہ دل ہے اور یہ جان ہے
دل بھی ہے دل سے تصدق آپ پر — جان بھی جی جان سے قربان ہے
دل کہاں پہلو میں جو ہم دیں تمہیں — یہ تو گھر اک عمر سے ویران ہے
عقل و ہوش و صبر سب جاتے رہے — ہاں مگر اک ادھ موئی سی جان ہے
وہ بھی گر لینی ہوں تو لے جائیے — خیر یہ بھی آپ کا احسان ہے

آن کر مل تو نظیر اپنے سے جان
اب وہ کوئی آن کا مہمان ہے

(۴۱۴)

جب آنکھ اس صنم سے لڑی تب خبر پڑی — غفلت کی گرد دل سے جھڑی تب خبر پڑی
پہلے کے جام میں نہ ہوا کچھ نشہ تو آہ! — دل پر نے دی تب اس سے کڑی تب خبر پڑی
لائے تھے ہم تو عمر بیشا یاں لکھا، و لے — جب سیاہی پر سفیدی چڑھی تب خبر پڑی
داڑھیں لگیں اکھڑنے کو، دنداں ہوئے شہید — مجلس میں چل بچل یہ پڑی تب خبر پڑی
بن دانت بھی ہنسے، یہ جب آنکھیں جلیں تو آہ! — جب لاگی آنسوؤں کی جھڑی تب خبر پڑی
شہتیر سا وہ قد تھا، سو خم ہو کے جھک گیا — گرنے لگی کڑی یہ کڑی تب خبر پڑی
نیچا دکھایا شیر نے تو بھی یہ سمجھے جھوٹ — جب جا لگی گلے کی کڑی تب خبر پڑی
کپڑے بدل کے عطر لگا، پہن پھول ہار — نکلی سواری، دھوم پڑی تب خبر پڑی
جب آئے اس گڑھے میں نظیر اور ہزار من — اوپر سے آ کے خاک پڑی تب خبر پڑی

(۴۱۵)

دیر سے آج جو نکلے بتِ ذی شان گئی — لے گئے صبر گئی، دیں گئی، ایمان گئی
اتنا رویا ہوں کہ، اب لختِ جگر کے، یارو — ڈھیر ہیں چشم سے لے تا سرِ دامان گئی
اب تو ٹک منھ کو دکھا، یار، کہ نرگس بن کر — نکلے ہیں خاکِ چمن سے ترے حیران گئی
اس کے دامن سے لگوں، پاؤں پڑوں، ساتھ چلوں — خاک ہوں، تو بھی مرے دل میں یہ ارمان گئی
آخر آیا ہے، تو گلشن میں بھی ٹک اب تو چل — یاں بھی رہتے ہیں ترے چاک گریبان گئی
پان کھا کھا نہ ہنس اس درجہ تو، اے دشمنِ جاں — ابھی بھر جائیں گے خون میں لبِ دندان گئی
نظر آتے ہیں مجھے اس کی گلی میں دن رات — ٹکڑے ٹکڑے گئی، بسمل گئی، بے جان گئی
جان کر گورِ غریباں میں قیامت نہ مچا — ابھی سوتے ہیں ترے بے سر و سامان گئی

بادشا کو نہ لکھا رقعہ کبھی جس نے نظیر
اس شہِ حسن کے آئے مجھے فرمان گئی

(۴۱۶)

بالفرض اگر ہم ہوے حوا کے شکم سے — آدم کے تئیں پوچھیے: "یہ کس کا جنا ہے"
حکمت کا الٹ پھیر نہیں جن کی نظر میں — وہ کہتے ہیں غافل: "یہ بقا ہے، یہ فنا ہے"

اک اس کی دوا ابھی نہیں جاتی نظیر، آہ!
کچھ اور ہی معجون کا نسخہ یہ بنا ہے

(۴۱۷)

زلف ہو بر سرِ احساں، تو گرفتار کرے — چشم کی عین عنایت ہو، تو بیمار کرے
تیغِ ابرو کی نوازش ہو، تو بجز زخم حصول — شورِ لب زخم کو چاہے، تو نمک دار کرے

(۴۱۸)

پکارا قاصدِ اشک آج فوجِ غم کے ہاتھوں سے — ہوا تاراج پہلے شہرِ جاں، دل کا نگر پیچھے

سنو، میں خوں کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں اور باقی | چلے آتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے لختِ جگر پیچھے

(۴۱۹)

جو اس کے ناز و ادا ہم کو دل پذیر ہوئے | تو اس کے کاکلِ پرخم میں ہم اسیر ہوئے
چھوئی جو زلف ذرا اس کی ہم نے ہو گستاخ | تو غصہ ہو کے کہا تم بھی اب شریر ہوئے
نہ چھوٹا ہم سے وہ نقشہ نگہ لڑانے کا | ہے دل کی دھن تو وہی کیا ہوا جو پیر ہوئے
حقیر ہونے کی خوبی انہیں کو ہے معلوم | جو خوش نگاہوں کی نظروں میں کچھ حقیر ہوئے

بتوں کے ناز کی جب شوخیاں نظر آئیں
میاں نظیرؔ سے جب ہم فقط نظیرؔ ہوئے

(۴۲۰)

جب اس مہ جبیں پاس ہم شب کو پہونچے | فروغِ مسرت کے منصب کو پہونچے
جو دیکھی میاں ہم نے تسخیر تم میں | پری کی لگاوٹ کب اس ڈھب کو پہونچے
ق
نگہ کی جو صہبا طلب کی تو بولا | تمہارا لب اس کے نہ مشرب کو پہونچے
تمہیں اس کی دل میں تمنا عبث ہے | یہ وہ مے نہیں ہے جو ہم سب کو پہونچے

جو شکوہ جفا سے کرے کچھ نہ ہرگز
وہی یاں نظیرؔ اپنے مطلب کو پہونچے

(۴۲۱)

خفا ان دنوں ہم سے وہ دلربا ہے | کہیں کچھ تو جھنجھلا کے کہتا ہے کیا ہے
ابھی ہم تو ہو جاویں اس بت سے ناخوش | ولے کیونکہ ہو دل تو اس پر فدا ہے
اسے چھیڑ کر وہ جو کھاتے ہیں جھڑکی | وہی جانتے ہیں جو اس کا مزا ہے
ق
کسی نے کہا اس سے میکش ہے وہ تو | نظیرؔ اب جو اے جاں تمہیں چاہتا ہے
کہا اس نے یہ سن کے او میاں تمہیں کیا | کوئی رند ہے یاں کوئی پارسا ہے

(۴۲۲)

ہمیں اس نے وعدہ سے شاید پھلا ہے ۔۔۔ گر دن چڑھ گیا اس قدر جو ڈھلا ہے
جو کہتے ہیں بوسہ ہمیں بھی ملے گا ۔۔۔ تو اس کی زبان پر بھلا جی بھلا ہے
کرو وہ جو نازک ہے پہونچے میں اس کے ۔۔۔ نزاکت کے سانچے میں کیا کیا ڈھلا ہے
جتاتا ہے کچھ ناز اس گل نے جس کو ۔۔۔ وہی باغ الفت میں پھولا پھلا ہے

تعدی نظیر اس کی تم بھی اٹھا لو
میاں اب اسی میں تمہارا بھلا ہے

(۴۲۳)

تن دیکھنے جس گل کا ہر برگ سمن نکلے ۔۔۔ وہ سیمتن اس تن سے کس طور نہ تن نکلے
یوں زلف کے حلقے سے رخسار نمایاں ہے ۔۔۔ جوں مار سیہ منھ میں پکڑے ہوئے من نکلے
یہ نقش ہیں چیچک کے منھ پر عرق آلودہ ۔۔۔ یا حسن کی صافی سے قطرے کئی چھن نکلے
دل چاہ زنخداں میں گو غرق ہوا لیکن ۔۔۔ اب بھی وہ اگر پاوے زلفوں کی رسن نکلے

تھا میں جو نظیر اس کے دنداں کے تصور میں
جب منھ سے مرے ایسے موتی سے سخن نکلے

(۴۲۴)

جو دیکھی بالیدگی میں ہر دم بہار حسن نگار ہم نے ۔۔۔ تو ویسی بڑھتی کبھی نہ دیکھی کسی چمن کی بہار ہم نے
ادائیں غمزے کی ہیں جتاتی کرنی تحقیقت اگر کسی نے ۔۔۔ رکھا ہے دل طاق آسماں پر لیا ہے جب ان سے اٹھا ہم نے
پھنسا کے پنجے دل ہمارا ہمیں سے کہتا ہے پھر یہ ہنس کر ۔۔۔ کہ آج تم ہم کو تہنیت دو کیا ہے پہلا شکار ہم نے
قدم وہ گن گن ادا سے رکھنا کچھ اور مطلب نہیں مگر ہاں ۔۔۔ غرض ہے گن گن کے دل کچلنا کیا جو دل میں شمار ہم نے
کہا جو کاکل سے دل لیے ہو کہو تو بولی وہ ہنس کے تو سو ۔۔۔ جو پوچھا آنکھوں سے تم ہی کہہ دو تو ہنس کے بولیں ہزار ہم نے
جو زلف جھٹکے تو کمر لٹکے جو کمر لٹکے تو زلف جھٹکے ۔۔۔ یہی دلوں کی خرابیاں ہیں جو دیکھے لیل و نہار ہم نے

نظیر چاہے جو قدر اپنی تو ایسے چنچل سے مت لگا دل
کیا ہے کتنوں کو خوار اس نے جتا دیا تجھ کو یار ہم نے

(۴۲۵)

کاکل مشکیں کا تجھ کو شوق بے تابانہ ہے
اے دل صد چاک سچ کہہ دل ہے تو یا شانہ ہے

کر دیا پہلے ہی ساغر میں ہمیں مست و خراب
ہمنشیں چشم بتاں کا بھی عجب میخانہ ہے

شمع رویوں کو تو کچھ پروا نہیں پر کیا کریں
دل جو ہم رکھتے ہیں وہ دل تو نہیں پروانہ ہے

پڑ گئی تھی ایک دن چشم گلابی پر نگاہ
اب تلک پا میں ہمارے لغزش مستانہ ہے

پھر وہ چشم مست ادھر کو میل کرتی ہے دلا
یاد ہے اس کا نشہ کچھ، یہ وہی میخانہ ہے

حال دل ہم نے کہا جس دم تو بولا سچ کہو
یہ کوئی قصہ نیا ہے یا کہن افسانہ ہے

اس پری رو سے چلا پھر دل لگانے کو نظیر
کیا کہیں یہ شخص بھی کوئی عجب دیوانہ ہے

(۴۲۶)

مکھڑے پہ اپنے تم نقاب کھینچو ہو کیوں حجاب سے
یہ تو بھبھوکا وہ نہیں چھپ سکے جو نقاب سے

دل کو دوانہ کر گیا زلف کی پیچ و تاب سے
آنکھوں سے خواب لے گیا نرگس نیم خواب سے

قد ہے وہ اس کا جلوہ گر دیدۂ تر سے میرے یوں
جیسے عیاں ہو عکس سرو نہر چمن کے آب سے

اپنا کتابی رخ جو تم پھیرے ہو مجھ سے دمبدم
ہم نے کیا ہے انتخاب کیا یہی اس کتاب سے

سویا ہے وہ ابھی نسیم لگیو نہ اس کے تن سے تو

اور جو گی تو وہ ابھی چونک پڑے گا خواب سے

سخت عذاب تھا ہمیں ہاتھ سے دل کے رات کو
بارے وہ تم نے لیا چھوٹے ہم اس عذاب سے

کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیر
ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ یہ اک حباب سے

(۴۲۷)

دیکھی نہ جدا یار کی ابرو کبھی جبیں سے
یہ ہم کو توقع نہ تھی اس زہرہ جبیں سے

کیونکر نہ چمن میں ترے قامت پہ فدا ہو
ہر سرو اسی چاؤ میں نکلا ہے زمیں سے

دی سینے میں جا نقش محبت کو جو اس کے
ہم جی میں بہت شاد ہوئے دل کے نگیں سے

جب دیکھ کے ہم کو در منظر کو لیا بھیڑ
ق
یہ بات کہی ہم نے تب اس غرفہ نشیں سے

کیوں جی تمھیں کیا عار ہمیں سے ہے یہ رکھنی
سن کر یہ نظیر اس نے کہا ہاں جی تمھیں سے

(۴۲۸)

آدم اک دمڑی کی ٹھیا کو رہے عاجز سدا
ہم کو کیا کیا پیچوان اور گڑگڑی پر ناز ہے

غور سے دیکھا تو اب وہ یہ مثل ہے اے نظیر
باپ نے پدڑی نہ ماری بیٹا تیر انداز ہے

(۴۲۹)

یوں کارواں شباب کا گزرا کہ گوش زد
آواز پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی

پوچھی نظیر ایک نے کل شکل وصل یار
ق
ہم نے کہا یہ اس سے کہ کیا کہیے کیا ہوئی

جو شکل دور باش تھی روز نخست کی
اب بھی جو ہم گئے تو وہی برملا ہوئی

(۴۳۰)

لو نہ ہنس ہنس کے تم اغیار کے گل دستوں سے — اتنی ضد بھی نہ رکھو اپنے جگر خستوں سے

فندقیں بزم میں دیکھو اُس کے سر انگشتوں سے — رشتۂ ربط نے لی رہ کعبِ گل دستوں سے

رو برو ہووے نہ چشمانِ بتاں سے، اے دل — ڈرتے رہنا ہی مناسب ہے، سیہ مستوں سے

دستِ صیاد سے چھوٹے تو اُچھل پڑے ڈرے — ورنہ کیا فائدہ، اے آہوئے دل جستوں سے

پیش جاتی نہیں ہرگز کوئی تدبیر نظیر
کام جب آن کے پڑتا ہے زبردستوں سے

(۴۳۱)

آیا نہیں جو کر اقرار ہنستے ہنستے — چل دے گیا ہے شاید عیار ہنستے ہنستے

آشنا نہ ہنس دل اس سے، ایسا نہ ہو کہ چنچل — لڑنے کو تجھ سے ہووے تیار ہنستے ہنستے

لے کر صریح دل کو وہ گلعذار، یارو — ظاہر کرے ہے کیا کیا انکار ہنستے ہنستے

ہنس ہنس کے چھیڑ اس کو زنہار تو نہ اے دل — ہوگا گلے کا تیرے یہ ہار ہنستے ہنستے

ہنسنے کی آن دکھلا، لیتا ہے دل کو گلرو — کرتا ہے شوخ یارو یہ کار ہنستے ہنستے

جھنجھلا کے حالِ دل کا کہنا نہیں روا ہے — لائق یہاں تو کرنا انکار ہنستے ہنستے

دستار سرخ سج کر طرّہ زری کا رکھ کر — ق — آیا جو دل کو لینے دلدار ہنستے ہنستے

آنکھیں لڑا کے اُس نے ہنس کر نگہ کی ایسی — جو لے گیا دل آخر خونخوار ہنستے ہنستے

آیا ہے دیکھنے کو تیرے نظیر اے گل
دکھلا دے ٹک تو اس کو دیدار ہنستے ہنستے

(۴۳۲)

بکھرے ہیں اُس پری میں اب تو یارو سر بسر موتی — گلے میں، کان میں، ہتھ میں جدھر دیکھو اُدھر موتی

کوئی بندوں سے مل کر کان کے نرموں میں لٹکا ہے — یہ کچھ لذت ہے جب اپنا چھداتے ہیں جگر موتی

وہ سمرن موتیوں کی انگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اسکے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی

وہ ہنستے ہیں تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
ادھر لعل اور ادھر نیلم، ادھر مرجاں ادھر موتی

سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے
کہ کچھ وہ خشک موتی، کچھ پسینے کے وہ تر موتی

فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشکِ قمر موتی

جو کہتا ہوں "ارے ظالم ٹک اپنا نام تو بتلا"
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر "موتی"

کڑے سونے کے کیا، موتی بھی اُسکے پاؤں پڑتے ہیں
اگر باور نہ ہو دیکھو ہیں اُس کی کفش پر موتی

وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیونکر نہ برساوے ہماری چشمِ تر موتی

تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اُسکے
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی

نظیر اس ریختے کو سن وہ ہنس کر یوں لگی کہنے
"اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی"

(۴۴۳)

ناخوش دکھا کے جس کو ناز و عتاب کیجے
اے مہرباں پھر اس کو خوش بھی شتاب کیجے

جو اپنے مبتلا ہوں اور دل سے چاہتے ہوں
لازم نہیں پھر ان سے رُک کے حجاب کیجے

بیٹھے جو شام تک ہم - بولا وہ مہرباں ہو
جو خواہشیں ہیں ان کا کچھ انتخاب کیجے

ہم نے نظیر ہنس کر اس شوخ سے کہا یوں
ہیں خواہشیں تو اتنی کیا کیا حساب کیجے

موقع کی اب تو یہ ہے - جو وقت شب ہے اے جاں
ہم بیٹھے پاؤں دابیں اور آپ خواب کیجے

(۴۴۴)

گئے ہم جو الفت کی واں راہ کرنے
ق اشارے سے چاہت کے آگاہ کرنے

کہا اس نے آنا ہوا کس سبب سے
کہا آپ کے دل کو ہمراہ کرنے

بٹھایا اور اک چٹکی لی ایسی جس سے
لگے منہ بنا ہم وہیں آہ کرنے

جو یہ شکل دیکھی تو چٹکی بجا کر ‖ کہا یوں نظیرؔ اور لگا واہ کرنے

میاں ایک چٹکی سے کی آہ رک کر
اسی منہ سے آئے ہو تم چاہ کرنے

(۴۳۵)

پہلے ہی جو بتوں کی گھاتیں شمار کرتے ‖ تو ہم سے دل یہ مرے کرکاہے کو عار کرتے
اے دل تجھے تو ہم نے اکثر جتا دیا تھا ‖ ق ‖ واں دام زلف ہر دم ہیں آشکار کرتے
جو آگیا ادھر کو نخچیر دل تو پھر وہ ‖ اک آن میں ہیں اس کو اپنا شکار کرتے
پھنسنے تلک اشارت کی تو بھی تو نہ سمجھا ‖ غافل تجھے کہاں تک ہم ہوشیار کرتے

جب دل نظیرؔ بولا ہوتا تو اس طرح تھا
کیا حاصل اب جو مجھ کو ہو شرمسار کرتے

(۴۳۶)

سحر کو نکلے تھے سیر کرنے جو ہمدم اک دن ہم اپنے گھر سے
تو ایک گورا وہ شوخ دیکھا رخ اس کا بہتر رخ سحر سے

جو ہم کو دیکھا کیا تبسم بہت ہوئے خوش ہم اپنے دل میں
کہا نہ منھ سے کہ آؤ بیٹھو مگر اشارت کیے نظر سے

ہمیں بھی کچھ کچھ تھی رمز فہمی جو دلبروں سے ملے تھے اکثر
سمجھ اشارت نگہ کی بیٹھے بہت ادب سے ذرا حذر سے

کہا تمہارا ہے کیا ارادہ۔ کہا یہ ہم نے ارادہ کیا ہے
گھڑی دو گھڑی ہیں ملتے پری رخان کرشمہ گر سے

یہ سن کے اس نے نظیرؔ ہم کو دکھائی ایک آن ایسی ہنس کر
کہ بیٹھے دیکھ اس ادا کو ایسے کہ پھر نہ سرکے ہم اس کے در سے

(۴۳۷)

کی اس صنم نے جس دم ہم پر نگاہ دل سے
ہم نے بھی اس نگہ سے کی اس کی چاہ دل سے

چاہت ہماری اے جاں تم ظاہری نہ سمجھو
ہم چاہتے ہیں تم کو اے رشک ماہ دل سے

جب دیکھتے ہیں اس کی طرز خرام یارو
ہم ہر قدم پہ کیا کیا کہتے ہیں واہ دل سے

بن دیکھے اس پری کے بے تابیاں ہماری
گھیرے ہیں گاہ جی کو لپٹے ہیں گاہ دل سے

باتیں ہمارے دل کی کہہ دیں نظیر اس نے
ہے سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہے راہ دل سے

(۴۳۸)

ہے زلف خوش جو ایسی اور ہے وہ بند دل کی
کیا کیسے بے وقوفی اس خود پسند دل کی

ہجراں نے جس کو ہمدم مجبور کر دیا ہو
جز وصل پھر دوا کیا اس دردمند دل کی

دشنام اس کی لب کے کھائے جو ہیں مکرر
اب گر گیا ہے یارو نظروں سے قند دل کی

جتنا چھڑایا اس سے اتنا ہی جا کے لپٹا
کرتی ہے کچھ یہ صورت چاہت میں بند دل کی

نکلی نظیر ہرگز حلقے سے پھر نہ گردن
ایسی ہوئی وہ پر خم کاکل کمند دل کی

(۴۳۹)

کوچے میں اس کے اکثر کہتے ہیں یاں سے اٹھیے
پر ہم سے دل ہے کہتا مت خوف جاں سے اٹھیے

کہنے سے غیر کے تو ہم کب اٹھیں گے یارو
جب تک نہ وہ کہے گا اپنی زباں سے اٹھیے

بیٹھا اس کے پاس ہم نے ٹک چھو لیا جو زانو
ہنس کر کہا یہ اس نے اب آپ یاں سے اٹھیے

رہ دیر میں تو اے دل مت یاد خانقہ کر
واں بیٹھیے نہ ہرگز پھر جس مکاں سے اٹھیے

دیں دے چکے تھے پہلے دے بیٹھے دل نظیر اب
کس زندگی کی خاطر کوئے بتاں سے اٹھیے

(٤٤٠)

لیجے یہ دل نہایت اچھا ہے　　کیا بیاں کیجے اس میں کیا کیا ہے
اور کو کیا خبر یہی جانے　　ہم نے جس ڈھب سے اسکو دیکھا ہے
الفت غیر ہم پہ ٹھہرا کر　　ق　　رات دن اب اسی کا چرچا ہے
ایک دل تھا سو دے چکے تم کو　　ہم پہ یہ اتّہام بے جا ہے

منھ دکھاتے نظیر رہتے ہیں
یہ بھی کچھ اور ہی تماشا ہے

(٤٤١)

وہ مہ جبیں جو آیا شب کو ہمارے آگے　　اس لطف سے ہمارے سوتے نصیب جاگے
جلتی نہ ہوتے گریاں تو یاں اگر نہ ڈھلتی　　دشمن ہوے یہ تیرے اے شمع تن کے تاگے
ہم مستقل تھے دل میں کس کی طرح نہایت　　چکّر دیا یہ تو نے اے چاہ کے سہاگے
دکھلائی اس نے کیا کیا ابرو کی تیغ پہ ہم　　نظریں رہے لڑاتے اور اک قدم نہ بھاگے

تم تو نظیر کرے اور ہم نے کل ہی دیکھا
تھے تم تو پیچھے پیچھے وہ شوخ آگے آگے

(٤٤٢)

کب آہ وہ کر سکتے ہیں دل کی طپشوں سے　　صحبت ہے جنھیں حسن کے نازک منشوں سے
کر چرب زباں سے نہ پری رویوں کی تسخیر　　یہ لوگ جو ملتے ہیں تو دل کی کششوں سے
ہے آج تو خوش پر نہیں بلبل کو یہ معلوم　　کل سر کو ٹپکنا ہے چمن کی روشوں سے
خوباں تو چلے ہم سے چلن ناز کے لیکن　　چھیڑا ہے انھیں ہم نے بھی کن کن ڈھنگوں سے

مدت میں نظیر اس نے کیا دل کے تئیں قتل
صد شکر کہ ہم آج چھٹے سب خلشوں سے

(۴۴۳)

بے کام جس کے دل کو اس زلف عنبریں سے — کب ہو وہ جیں با بروئے ایک آن اس کی چیں سے
چمکے ہے چاندنی میں جب شوخ کی انگوٹھی — مہتاب میں ہیں گویا الماس کے نگیں سے
تھا خواب میں جو اک شب ہم نے پری کو دیکھا — ق — تعبیر اس کی پوچھی جب ایک پیش بیں سے
سن کر کہا یہ اس نے ظاہر ہے جو تمہارا — دل ان دنوں میں اٹکے اک شوخ مہ جبیں سے

باتیں نظیرؔ جس کی ہوں قند سے زیادہ
دشنام اس کے بہتر ہوں کیوں نہ انگبیں سے

(۴۴۴)

کل سنا ہم نے یہ کہتا تھا وہ اک ہمراز سے — دیکھتا تھا مجھ کو آج اک شخص عجب انداز سے
وہ نیاز و عجز تھا اس کی نگہ سے آشکار — جس طرح طائر کسی جا تھک رہے پرواز سے
تو جو واقف ہو تو جا اس کو بلا لا جلد یاں — میں تسلی دوں اسے کچھ شرم سے کچھ ناز سے
ہے مراد دل اس سے ملنے کو نہایت بیقرار — سن کے وہ ہمراز بولا اس بت طناز سے
میں تو اس کو جانتا ہوں نام ہے اسکا نظیرؔ — اور خبر ہے مجھ کو اس کی چاہ کے آغاز سے
تم ہو سادے مہرباں اس کو بکھیڑے یاد ہیں — اور سوا اس کے ذرا ڈرتا ہے جی غماز سے

سن کے یہ ہمراز سے اس نے کہا ہنس کر میاں
کچھ بھی ہو ہم تو ملیں گے اس بکھیڑے باز سے

(۴۴۵)

ہم دل نہ دیں گے ہنس کر بولا یہ کیا سخن ہے — ہم نے کہا کہ حضرت اس نے کہا کہ گُن ہے
اب نہ دل دیویں اپنا یا دیویں اس صنم کو — ہر آن اب اسی کی جی میں اُدھیڑ بُن ہے
کاکل ہیں اس پری کے حسرت فزائے سنبل — رخ رو کش چمن ہے قد رشک سرو بُن ہے
اب تک نظیرؔ کیا کیا بھرتا ہے چاہ کے دم — ہر چند مدتوں سے قد خم ہے اور کہن ہے

ملتا ہے جو پری رو دیکھے ہے دو بدو ہو
گو پیر ہے پر اب بھی دل میں یہ اُس کے جگن ہے

(۴۴۶)

پھڑکتی چشم ہے اور شوق بیتابی جتاتا ہے
خوشی ہے جاں بھی، اور دل بھی نہیں پھولا سماتا ہے
نگہ بھی لحظہ لحظہ سوئے در آتی ہے گھبرا کر
خیال گوش بھی ہر دم طرف کھٹکے کے جاتا ہے
نجومی خود بخود آ کہہ گیا خوش وقتیاں ہوں گی
ادھر کچھ زاغ بھی پیہم صدا اپنی سناتا ہے
شگوں جتنے جہاں میں ہیں معین شاد ہونے کے
ہر اک ان سے بھی ہر ساعت بروئے کار آتا ہے
نظیر ایسی تو باتوں سے عیاں ہے یہ کہ وہ گل رو
کوئی دم یا کوئی پل میں ابھی تشریف لاتا ہے

(۴۴۷)

رکھیں نہ کیونکہ ہم اپنے کنارے دل کی خوشی
ہمیں تو چاہیئے اے جاں تمھارے دل کی خوشی
ہمارے دل کے نہ ہاتھ آنے سے جو ناخوش تھے
لیا وہ تم نے ہوئی اب تو بارے دل کی خوشی
یہ تم جو دیتے ہو دشنام اور جھڑکتے ہو
نہ سہتے ہم جو نہ ہوتی پیارے دل کی خوشی
نہ پھنستے چشم کی ایما سے زلف میں ہرگز
اگر نہ کرتی ہمیں کچھ اشارے دل کی خوشی
گلہ نہ آنے کا سن کر کہا نظیر اس نے
نہ آئے ہم تو نہ آئے، ہمارے دل کی خوشی

(۴۴۸)

کچھ نہ دیکھا میں نے جز بیداد تیرے ہاتھ سے
اے مرے بیداد گر فریاد تیرے ہاتھ سے
پنجۂ خورشید بھولا تھا ید بیضا کا رشک
پھر وہی رشک اس کو آیا یاد تیرے ہاتھ سے
زخم کھایا ہم نے منھ پر جب تو قاتل نے کہا
اپنے چہرے پر ہوا یہ صاد تیرے ہاتھ سے
کھولی ناخن سے رگ دل تو نے اے فصّادِ جاں
یہ نیا نشتر ہوا ایجاد تیرے ہاتھ سے

صید کیا تو نے تو مارا دل یہ صیادوں کے ہاتھ ہاتھ ملتے ہیں غرض صیاد تیرے ہاتھ سے
ہاتھ ٹوٹیں تیرے گلچیں تو نے کیوں توڑے یہ گل حیف کیا گلشن ہوا برباد تیرے ہاتھ سے

تو نے چنگل سے چھڑایا یار کا دامن نظیر
ہم ہوئے جی میں نہایت شاد تیرے ہاتھ سے

(۴۴۹)

دل جب بندھا ہمارا اس زلف کی رسن سے کس کس طرح کی بندش دیکھی شکن شکن سے
شبنم نے زیب جیسا پایا ہے گل سے ہمدم لی پیرہن نے زینت ویسی ہی اس کے تن سے
ہر چند منھ پر اپنے لاتا نہیں و لیکن تہ تہ میں بیکلی ہے غنچے کو اس دہن سے
گل چھو لیا جو ہم نے ٹک دامن اس صنم کا نزدیک ہو کے کچھ کچھ اپنے کسی جتن سے

پھولے خوشی سے ایسے جو دل نظیر بولا
ایسا نہ ہو جو نکلو آغوش پیرہن سے

(۴۵۰)

دل لینے کے اوروں کو ہنر کیا نہیں آتے پر جو ہمیں آتے ہیں وہ اصلا نہیں آتے
بازی گریاں ہم تو بہت کرتے ہیں لیکن محبوب کبھی بہر تماشا نہیں آتے
ہم حال تو کہہ سکتے ہیں اپنا پہ کہیں کیا جب وہ ادھر آتے ہیں تو تنہا نہیں آتے
وعدہ تو کیا ہے کہ ہم آئیں گے پر ان کو حیلے جو ہیں چل دینے کے کیا کیا نہیں آتے

جب ہم نے نظیر اس سے کہا آئیے ٹک یاں
سن کر عجب اک آن سے بولا، نہیں آتے

(۴۵۱)

غنچے کا منفعل ہے اس کے دہن دہن سے گل کا بھی شرمگیں ہے کیا کیا بدن بدن سے
سج دھج کی ہم سے اس کی تعریف کس طرح ہو حیرت میں ہے پری کا جس کے بدن بدن سے

دکھی جو زلف ہم نے آئیں نظر میں کیا کیا — چھینوں سے چھینیں باہم یک جا شکن شکن سے
تم نے جو ڈھب نکالے ہم نے بھی فن جتائے — ہم پہ تمہارے اے جاں سیکھے چلن چلن سے

یہ حسن ہے نظیر اب بازار میں ہیں بیٹھے
گل شوق رخ میں اس کے آکر چمن چمن سے

(۴۵۲)

دل اپنا جو ہم عاشق اس کا کریں گے — تو دھن ہے کہ ہرگز نہ افشا کریں گے
مناسب نہ ہوگا جو منھ دیکھنا وال — تو پھر ڈھب ہے کچھ اور نقشا کریں گے
نظیر ایک دن بازیگر بن کے ہم نے — ٹ کہا ہم بھی یاں کچھ تماشا کریں گے
تو بولا ہمیں یاد ہیں وہ تماشے — کہ تم کو گھڑی بھر میں شیدا کریں گے

جنوں میں تماشے جو کچھ تم سے ہوں گے
ہم ان سب کو ہنس ہنس کے دیکھا کریں گے

(۴۵۳)

سہی گو کہ جھڑکی نرالی نکالی ہے — جو سہ لی وہ جھڑکی تو گالی نکالی
ڈرا دل نہ گوری جبیں کی جو چیں سے — تو خونخوار کاکل نے کالی نکالی

کھڑے ہو کے جب زلف کھولی تو گویا
صنوبر نے سنبل کی ڈالی نکالی

(۴۵۴)

جو میخانے میں جا کر ایک جام مے پیا ہم نے — تو جس جا خشت پائے خم تھی واں سر رکھ دیا ہم نے
اٹھائے ناز خوباں کے بہاریں حسن کی دیکھیں — مزا دشنام اور بوسے کا بھی اکثر لیا ہم نے
بنا کر چاہ میں چہرے کی رنگت کو برنگ زر — بھلا کر یاد میں سونا یہ سیکھی کیمیا ہم نے
کبھی نو لعبتِ پری زادوں کے دامن سے لگے جا کر — کبھی ان کی تعدی سے گریباں کو سیا ہم نے

سلہ بازی گر۔ بھانمتی۔ تماشا دکھانے والا۔ شعبدہ باز ۱۲
ؔ مراد کالی ناگنی ۱۲ آسی

ملے، روٹھے، ہنسے، روئے، پھرے، بیٹھے، ڈرے، سنبھلے
نظیر اک دل لگا کر واہ کیا کیا کچھ کیا ہم نے

(۴۵۵)

یہ کیشی ہو بھلا کس نمط[1] زمیں کے تلے
کب اس شراب کی ملتی ہے بط زمیں کے تلے

رقم ہیں اور تو یکسر عیاں مگر ہیں گے
زر دفینہ کے حرف و نقط زمیں کے تلے

یہ رسم نامہ نویسی تو جیتے جی تک ہے
وگرنہ لکھتا ہے پھر کون خط زمیں کے تلے

نہ نکلے رہ کے کوئی جس جگہ سے حشر تلک
سو وہ مکاں تو ہے یار و فقط زمیں کے تلے

نہاتے دھوتے جواب ہیں سو بعد مرگ کہاں
اگرچہ کتنے ہی جاری ہیں شط[2] زمیں کے تلے

محرف اور برابر تو ہیں یہیں یارو
قلم کو کون لگاتا ہے قط زمیں کے تلے

یہ دھو میں پھیلیں جو زیر فلک عیاں ہیں نظیر
جو چاہو پھر یہ ملیں سب غلط زمیں کے تلے

(۴۵۶)

یہ ستیاں نیستیاں یاں بھی ہیں ایسی، جیسے
وہ گھر اور وہ وہاں، کچھ نہیں اور سب کچھ ہے

بے زری، فاقہ کشی، مفلسی، بے اسبابی
ہم فقیروں کے بھی ہاں کچھ نہیں، اور سب کچھ ہے

(۴۵۷)

تن دیکھنے جس گل کا جاں چھوڑ کے تن نکلے
وہ سیم تن اس تن سے کس طور نہ تن نکلے

یہ نقش ہیں چیچک کے منھ پر عرق آلودہ
یا حسن کی صافی سے قطرے کئی چھن نکلے

(۴۵۸)

بقا ہماری جو پوچھو، تو جوں چراغِ مزار
ہوا کے بیچ کوئی دم، رہے رہے نہ رہے

ملو جو ہم سے تو مل لو، کہ ہم بنوکِ گیاہ
مثالِ قطرۂ شبنم، رہے رہے نہ رہے

---

[1] نمط۔ طور۔ طرح۔ بط شراب ایک ظرف جس میں شراب بھرتے ہیں (ایک قسم کی صراحی)
[2] شط۔ دریا۔ عبدالباری آسی

(۴۵۹)

کھجوری[1] چوٹی ادا میں موتی جتا میں لٹیں فام میں چھوٹی / ہوا اس سے گھوٹی کہ دل ہر اک کا ہر اک لٹک میں لٹکتا ہے
وہ نیچی کافر سیاہ پٹی[2] نہ دل کے زخموں پہ باندھے پٹی / پڑھی ہے جس نے کہ اسکی پٹی وہ پٹی سے سر ٹپکتا ہے

متفرقات ردیف (ی)

۴۹ مرتا ہے جو محبوب کی ٹھوکر پہ نظیر آہ / پھر اس کو کبھی اور کوئی لت نہیں لگتی
۵۰ منہ زرد، وہ آہ سرد، ولب خشک، وچشم تر / سچی جو دل لگی ہے، تو کیا کیا گواہ ہے
۵۱ بیٹھے بٹھائے خلد میں ابلیس نے، نظیر / کیا دم دیا ہے حضرت آدم کو دیکھیے
۵۲ چمک[3] ہے، درد ہے، کوندن پڑی ہے، ہوک اٹھتی ہے / مرے پہلو میں کیوں یا رو، یہ دل ہے یا کہ پھوڑا ہے
۵۳ ہو کے خفا اور تیوری چڑھا کر بولی میں اپنی کہا نظیر / آپ نے جد گھالی ہتی نہیں بن ٹھن ادھو کا بن پھیے
۵۴ گئی گزری اپنی وہ میکشی، لگی جب سے آگ فراق کی / یہ جلے ہے دل سو کباب ہے، یہ سرشک چشم شراب ہے
۵۵ مری اس چشم تر سے ابر باراں کو ہے کیا نسبت / کہ وہ دریا کا پانی اور یہ خون دل ہے برسائی
۵۶ عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے / دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے
۵۷ میں دست وگریباں ہوں دم باز پسیں سے / ہمدم، اُسے لاتا ہے تو لا جلد کہیں سے
۵۸ کچھ نہ دیکھا ہم نے جز بیداد تیرے ہاتھ سے / اے مرے بیداد گر، فریاد تیرے ہاتھ سے
۵۹ باتیں ہمارے دل کی کہہ دیں، نظیر، اس نے / ہے سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہے راہ دل سے
۶۰ تہ جھکنے میں جھمک قس پہ غضب بالا ہے / اب کوئی آن میں سب خلق تہ و بالا ہے
۶۱ وہ نیاز عشق تھا اس کی نگہ سے آشکار / جس طرح سے تھک رہے طائر کہیں پرواز سے
۶۲ جس طرف تھے دیکھتے عیش و طرب کا جوش تھا / مستی و رندی ہوس بازی و بے اندیشگی
۶۳ قد میں خم آنکھوں میں نم چہرے پہ چھپری رنگ زرد / سر پہ اک تخت ناخوش منظری بد ہیئتی

تمام شد غزلیات

---

[1] کھجوری چوٹی — وہ گندھی ہوئی چوٹی جس کی گندھاوٹ کھجور کی سی ہو۔
[2] سیاہ پٹی۔ وہ چیٹ جو گوندھنے کے بعد آخر حصہ میں چوٹی پر ڈالی جاتی ہے۔ پٹی پڑھنا کسی کے سکھائے پڑھائے پر ہونا۔ تیسری پٹی کے معنی پلنگ کی پٹی ۱۲
[3] چمک۔ درد کی ایک قسم کی ٹیس۔ کوندنا وہ مبہم درد کی چمک ہونا ۱۲ آسی

مخمسات عاشقانہ نظیر

خمسہ بر غزل مولانا سعدی رحمۃ اللہ علیہ

(۲۶۰)

نمی دانم کہ ایں مردم کیانند
دلا پیش آں کہ ایں عالم برانند

کہ یاراں رفتہ و خوش بگذرانند
بگنگن خیمہ تا محمل برانند

کہ ہمراہان آں عالم روانند

میاں اس جا بجز ذاتِ خداوند
نہ ہو دنیا کے رشتوں میں تو پابند

نہ بھائی ہے کوئی اپنا نہ فرزند
زن و فرزند یار و خویش و پیوند

برادر خواندگان کاروانند

جہاں تک یہ تماشے ہیں مقابل
اگر دانا ہے تو اے مردِ عاقل

اے ناداں یہ سب ہیں نقشِ باطل
نباید بستن اندر صحبتے دل

که بے ایشاں بمانی تا نمانند

تکبر میں نہ کر عمر اپنی برباد
تجھے کیا، آہ! یہ نکتہ نہیں یاد

بجا مست اپنے ہاتھوں داد بیداد
نہ اول خاک بود ست آدمی زاد

بہ آخر چوں بہ بیند پیشی ہمانند

تونگر کیا غنی، کیا شاہ درویش
سبھوں کو ایک دن چلنا ہے درپیش

امیر وقت کیا محتاج دل ریش
پس آں بہتر کہ اول آخر خویش

بہ بیند پیشند و قدر یہ خود بدانند

سراسر کام دنیا کے ہیں گندے
ذرا تو دیکھ اے خالق کے بندے

غرور و کبر میں مست اپنا تن دے
زمیں چندے بخورد از خلق و چندے

ہنوز از کبر سر بر آسمانند

گیا اک دن میں گورستاں میں دل سرد
جو دیکھا ہے تو با چشم و رخ زرد

پڑی اک رنج تھی واں ہر قفسے پر گرد
یکے بر تربتے فریاد می کرد

کہ اینہا پادشاہانِ جہانند

یہ وہ ہیں جن کے تن تھے گورے گورے
بڑے تھے سلطنت کے ان کے تورے[1]

مرصع جام و زریں آب خورے
بہ گفتم تختہ بر کن ز گورے

بہ بیں تا پادشہ یا پاسبانند

کہاں ہے ان کی وہ شان و جلالت
یہ سن کر مجھ سے وہ صاحب کرامت

کہاں وہ تاج و تخت و ملک و دولت
بگفتہ تختہ بر کندن چہ حاجت

کہ می دانم کہ مشتِ استخوانند"

گھڑی کی عمر ہو یا لاکھ کا سن
جو ہوں بیمار ظاہر یا کہ باطن

نظیر اس بزم سے چلنا ہے اک دن
نصیحت دارو سے تلخ است و لیکن

[1] توره مختلف اقسام کے لذیذ کھانے جو خوانوں میں لگا کر بڑے تکلف کے ساتھ امیروں کے وہاں تقریبات میں تقسیم ہوتے ہیں ایک معنی اس کے ناز و غرور بھی ہیں ۱۲ شہباز

زوار و خانۂ سعدی ستانند

ایضاً

(۴۶۱)

سراپا

کل ہم جو گئے باغ میں ٹک لطف اٹھانے اور دل کو لگے سیرِ گلستاں کی دکھانے
اتنے میں کہوں کیا تجھے اے یارِ یگانے پر بود دلم و رچمنے سروِ روانے
زرّیں کمرے، سیمبرے، موے میانے

وہ شوخ کہ عالم میں نہ دیکھا ہو کسی نے وہ حسن کہ نے حور نے پایا نہ پری نے
کیا تجھ سے کہوں اسکی میں خوبی کے قرینے خورشید رُخے، ماہ وشے، زہرہ جبینے
یاقوت لبے، تنگ دلے، تنگ دہانے

گلفام، گل اندام، دل آرام، نکوئے دلدار، دل آزار، جفا کار، دو روئے
آہو صفتے کبک تگے، عنبریں موئے بیداد گرے، کج کلہے، عربدہ جوئے
شکر شکنے، تیر قدے، سخت کمانے

ابرو خم طاق حرم و زلف گذشتے قد رنج دلِ طوبیٰ و رُخ رشکِ بہشتے
تل نقش سویدائے دل و خط لب کشتے جادو نظرے، عشوہ گرے، الحسن سرشتے
آسیب دلے، رنج تنے، آفت جانے

وہ رُخ کہ ہر اک شوخ پری زاد کو شہ دے وہ زلف کہ سنبل جسے بیتاب ہو کہہ دے
گر حور بھی دیکھے تو اُسے جان میں رہ دے عیسیٰ نفسے، خضر رہے، یوسف عہدے
جم مرتبہ، تاجورے، شاہ جہانے

لہ شہ۔ شطرنج بازوں کی اصطلاح میں بادشاہ کو کسی مہرے کی زد سے بچانے کے لیے تنبیہ کی آواز۔ جسے کشت بھی کہتے ہیں۔ رُخ کی رعایت سے یہاں شہ لایا گیا ہے کہ اس کا رخ ایسا ہے جو ہر معشوق کو ہٹنے اور بچنے کی صلاح دیتا ہے ۱۲ آسی

شمشیر نگہ، تیر مژہ، قاتلِ خلقے
غارت گر و برباد دہِ حاصلِ خلقے
مشہورِ جہان، فتنۂ جاں، مقبلِ خلقے
ننگِ شکرے، چوں شکرے در دلِ خلقے

شوخے، نمکینے، چو نمک شورِ جہانے

کیا اُس کی بیاں تعریف کہوں حسن ادا کی
ہے ختم دو عالم کی اسی شوخ پہ خوبی
پھر مثل نظیر اُس بتِ رعنا سے لگا جی
بے زلف و رخ و لعلِ لب او شدہ سعدی

آبے، و بخارے، و غبارے، و دخانے

خمسہ بر غزل حضرت امیر خسرو

(۴۶۲)

کب لالہ و گل کر سکیں عارض سے تیرے ہمسری
قد سے خجل سرو سہی، رفتار سے کبکِ دری
محبوب تجھ سے سیکھ لیں ناز و ادا و دلبری
اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری

ہر چند وصفت میکنم در حسن زاں زیبا تری

ہے شور تیرے حسن کا یکسر زمیں سے چرخ تک
دن رات صورت کو تری شمس و قمر رہتے ہیں تک
دیکھے ہے جو تیرے تئیں کہتا یہی ہے یک بیک
"تا نقش می بندد فلک کس را نہ داد ایں نمک

حوری ندانم یا ملک، فرزندِ آدم یا پری"

تیرا رخ اے رعنا صنم بھر کر نظر دیکھے ہے جو
گھو دین و ایماں کے تئیں باندھے ہے وہ زنار کو
دیوانے تیرے عشق میں دل سے نہیں کچھ ایک دو
عالم ہمہ یغمائے تو، خلقے ہمہ شیدائے تو

ایں نرگسِ شہلائے تو آورد رسمِ کافری

ہے خلق و خوبی میں بھرا اس طور سے وہ نازنیں
بہزاد و مانی دیکھتے تو ہوتے وہ حیرت قریں
گر اس بیاں کے راست کا آتا نہیں تجھ کو یقیں
صورت گرِ نقاش چیں رو صورتِ یارم ببیں

یا صورتے کش ایں چنیں یا ترک کن صورت گری

سلہ یا تنگ
ذکر تا صحیح نادان
مجھے اتنا پ
یا لا کے دکھائے
دہن ایسا کمر ایسی
آسی

ہیں خلق میں ہر سو عیاں رنگیں ادا، زیبا صنم
گلگوں قبا، نازک بدن، سوز نیب و زینت سے بہم

کی غور تو سچ ہے یہی مجھ کو محبت کی قسم
آفاقہا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

آیا نظر جس روز سے تجھ سا شکر لب مہ لقا
ابرو کماں، جادو نظر، شیریں سخن اور عشوہ زا

اپنے وطن کو چھوڑ کر مثلِ نظیرؔ[1] مبتلا
خسرو غریب است و گدا، افتادہ در شہر شما

باشد کہ از بہر خدا، سوے غریباں بنگری

خمسہ بر غزل حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

(۴۶۳)

کیست تا آں ساقیِ گلفام را
از من بیدل دہر پیغام را

تشنہ لب مگذار ایں ناکام را
ساقیا برخیز و در دہ جام را

خاک بر سر کن غمِ ایام را

گو کرے پینے میں ہیں بدنامیاں
عزت و حرمت کا جاتا ہے نشاں

ہم تو سمجھے ہیں یہ لاثانی میاں
گرچہ بدنامیست نزدِ عاقلاں

مانمی خواہیم ننگ و نام را

دیکھ کر نالے ہمارے شعلہ زن
عابد و زاہد[2] کے بھولے مکر و فن

کیوں نہ اب جل جل کے ہوں دشمن کے تن
دود و آہِ سینۂ سوزانِ من

سوخت ایں افسردگانِ خام را

یہ جو ہیں پہنا ہے جبّہ سر بسر
ہے بھرا اس میں سراپا مکر و شر

ذرنے خدا کے واسطے اے مغبچہ
ساغرے پر کن کہ تا از سر

برکشم ایں دلقِ ازرق فام را

[1] اس میں اشارہ ہے دہلی چھوڑنے کی طرف جو نظیرؔ کا وطن اصلی تھا۔ شہباز

تنگ دارم منزل و ماوائے خود　　کردہ ام کوئے مغاں را جائے خود
عاشقم بر طرزِ بے پروائے خود　　محرم رازِ دل شیدائے خود
کس نمی بینم ز خاص و عام را

یہ جو یاں خوباں رکھیں ہیں بند و بست　　دل کو لیتے ہیں بصد افسون و دست
ان کا میں عاشق نہیں اے خود پرست　　با دل آرائے مرا خاطر خوش است
کز دلم یک بار برُد آرام را

عشق میں آرامِ دل ہوتا ہے کب　　یاں تو ہر دم غم ہے اور رنج و تعب
کوئی دن مثلِ نظیر اس غم میں اب　　صبر کن حافظ بہ سختی روز و شب
عاقبت روزے بیابی کام را

خلہ۔ست بمعنی دستاں ۱۲

ایضاً

(۴۶۴)

آمد نگار دلبرِ شیریں کلامِ ما　　رشکِ ارم ز نزہت او شد مشامِ ما
زور روزگار سکۂ دولت بنامِ ما　　ساقی بہ نورِ بادہ برافروز جامِ ما
مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما

زاہد تو کم خوری سے کریں تن کو اپنے کاست　　ہم رند پی شراب کریں عیشِ دل کے راست
جس دم کہ آ کے چھوٹے گا دیوانِ حشر راست　　ترسم کہ صرفۂ نبرد روزِ باز خواست
نانِ حلال شیخ ز آبِ حرامِ ما

جامے ز دستِ ساقیِ رنگیں کشیدہ ایم　　غم را بہ نشت بازدہ عشرت خریدہ ایم
زاہد خبر ندارد ازاں گل کہ چیدہ ایم　　ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذتِ شربِ مدامِ ما

چرخ و فلک جہاں ہیں خرامندہ شد بعشق
قائم وہی رہیگا جو پایندہ شد بعشق
شمس و قمر بھی نور میں تابندہ شد بعشق
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

کیا کیا کریں ہیں ناز و ادا سیم تن یہاں
دیکھا جو خوب سب ہیں یہ دھوکے کی ٹٹیاں
آوے ابھی وہ شوخ تو ہو جاویں سب نہاں
چنداں بود کرشمہ و نازِ سہی قداں
کآید بجلوہ سروِ صنوبر خرامِ ما

زاہد ہمیں خدا نے کیا ہے جو مے پرست
دیکھے تو کس طرح کرتی ہے نگاہ پست
مستِ الست ہم ہیں نہیں آج کل کے مست
مستی بچشمِ شاہدِ دلبندِ ما خوش است
زاں رو سپردہ اند بہ مستی قیامِ ما

جب سے جدا ہوا فلکِ حسن کا وہ چاند[1]
مثل نظیر ہجر کی سختی سے ہو کے ماند
روتے ہی روتے ہم کو یہ گزرا تمام چاند
حافظ ز دیدہ دانۂ اشکے ہمی فشاند
باشد کہ مرغِ وصل کند قصدِ دامِ ما

دیگر

(۴۶۵)

تا کے بدلق و سبحہ کنی فکرِ دامِ را
بگذار یک نفس تو چنیں مکرِ خام را
آری بحلقۂ در کفِ خود خلقِ عام را
صوفی بیا کہ آئینہ صافست جام را
تا بنگری صفائے مےِ لعل فام را

یہ صید گاہ عشق ہے دیر و حرم نہیں
باز آ تو اس خیال سے سنتا ہے ہمنشیں
یاں لاکھوں جال اڑ گئے اور سیکڑوں کمیں
عنقا شکارِ کس نشود، دام باز چیں
کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

[1] چاند اول۔ مجازاً معشوق۔ چاند دوم۔ مہینہ آسی

کیفیتِ شراب ز ہر مے پرست پُرس
سیرِ جہاں نہ از دل و از عقل پست پُرس
بازانکہ در ازل شدہ جامے بدست پُرس
رازِ درونِ پردہ ز رندانِ مست پُرس
کیں حال نیست صوفیِ عالی مقام را

گر زیرِ آسماں تجھے فرصت ہے ایک جو
گرچہ شراب ناب کی اس جا لگی ہے پَو[۱]
کر اپنے دل کے عیش تو ایک ایک دم میں سو
در بزمِ دورِ یک دو قدح درکش و برو
یعنی طمع مدار وصالِ دوام را

کھو کر جوانی تو جو ہوا یار اب فریش[۲]
آتا ہے تجھ کو دیکھ مرے جی میں اب تو طیش
پیری کا اب تو آن پڑا تیرے سر پہ جیش
اے دل شباب رفت، نچیدی گلے ز عیش
پیرانہ سر بکن ہوسِ ننگ و نام را

پیرِ مغاں نے جب سے دیے جام تو بتو
مثلِ نظیر اب تو لگی دل کو مے کی لو
جب سے کلاہ و دلق و مصلا ہوا گرو
حافظ مرید جامِ مے است اے صبا برو
و ز بندہ بندگی برساں شیخ جام را

دیگر

(۴۴۶)

کہاں وہ کیقبادی کارخانہ؟
کہوں کیا تجھ سے اے یارِ یگانہ
کہاں وہ مے، وہ جامِ خسروانہ؟
سحر گاہانہ مخمورِ شبانہ
گرفتم بادہ با چنگ و چغانہ

پڑا جب گوش میں وہ نالۂ نے
ہوئی مستی و مدہوشی جو در پے
تو سوجھی اور ہی عالم کی اک شے
نہادم عقل را رہ توشہ از مے
بملکِ عاقبت[۳] کردم روانہ

[۱] پَو وہ جگہ جہاں پانی کی سبیل رکھی جاتی ہے۔ اسی کو پنسال پنسالا اور پنسالی بھی کہتے ہیں ۱۲

[۲] ذی فراش۔ وہ شخص جو کمزوری کے سبب دن رات بچھونے پر پڑا رہے۔ تا وقتیکہ صیغۂ تصغیر کا خیال نہ کیا جائے قافیہ صحیح نہیں مگر قائل نے تلفظ عوام کی رعایت کی ہوگی۔ شہباز

[۳] عافیت

کیا پہلے ہی ساغر نے یہ دل شاد — کہ سر اپنا رہا مجھ کو نہ یاد
تو مجھ کو کر کے اور اک جام امداد — نگارے مے فروشم عشوہ داد

کہ ایمن گشتم از مکر زمانہ

ہوا جب میں نہایت شاد و خرم — تو رکھ کر سر قدم پر اس کے ہر دم
کہا میں نے اسے اے ساقی جم — بدہ کشتی مے تا خوش برانیم

ذبرانم

دریں دریاے ناپیدا کرانہ

کہا ہے گر مجھے منزل سے محرم — تو رستے میں نہ چھوڑے خضر عالم
کہا جب میں نے یہ نکتہ تو اسدم — ز ساقی کماں ابرو شنیدم

کہ اے تیر ملامت را نشانہ

یہ رہ باریک ہے اور تو ہے فربہ — گماں اس عزم کی ہرگز نہ کر زہ
گمان و وہم کی جا گہ نہیں یہ — بر و ایں دام بر مرغ دگر نہ

کہ عنقا را بلند است آشیانہ

اگر ہے تجھ کو اس رہ سے سروکار — تو ہو سب ماسوا سے تارک اے یار
نہ رکھیو بو خودی کی کچھ خبردار — نہ بندی زاں میاں طوق کمردار

اگر خود را نہ بینی درمیانہ

وہی عاشق او ہی معشوق دلجوست — وہی بو، اور وہی مغز اور وہی پوست
وہی حامی، وہی دشمن وہی دوست — شراب و شاہد و ساقی ہمہ اوست

خیالِ آب و گل در رہ بہانہ

نظیرا اے چو تو شیدائیست حافظ — تن فانی عجب جائیست حافظ
نہ دریا و نہ صحرائیست حافظ — وجودِ ما معمائیست حافظ

کہ تحقیقش فسون است و فسانہ

دیگر

(۴۶۷)

تھا جو از بسکہ میں عصیاں میں خراب آلودہ ۔۔۔ طاعت کرے رہتا تھا حجاب آلودہ
اہل تقویٰ کا سمجھ داز اور آب آلودہ ۔۔۔ دوش رفتم بدرِ میکدہ خواب آلودہ
خرقہ تر دامن و سجادہ شراب آلودہ

لے گیا شوق جو واں مجھ کو اٹھا دوش بدوش ۔۔۔ جاتے ہی در پہ گرا پیرِ مغاں کے مدہوش
دیکھ کر مجھ کو، پڑا خواب میں غفلت کے خموش ۔۔۔ آمد افسوس کناں مغبچۂ بادہ فروش
گفت "بیدار شو اے رہرو خواب آلودہ"

جب میں جاگا تو کہا اس سے بہ شیریں سخنی ۔۔۔ یعنے ہے جان تری عشقِ مجازی کی بھنی[1]
دور کر دل سے یہ غفلت جو ہے خوباں کی جنی ۔۔۔ در ہوائے لب شیریں دہناں چند کنی
جوہر روح بیاقوت مذاب آلودہ

اے ہوس ناک یہ ہے میکدۂ قدس مقام ۔۔۔ مجھے مستانِ ازل کرتے ہیں یاں شرب مدام
تو بھی وہ مے جو پیا چاہے تو اے نیک انجام ۔۔۔ شست شوئے کن و آنگہ بخرابات خرام
تا نہ گردد ز تو ایں دیر خراب آلودہ

گر تجھے عشق حقیقی نے ہے کچھ دی توفیق ۔۔۔ تو تو سیکھ آن کے یاں اہلِ طریقت کا طریق
ایک ادنیٰ سا یہ اس عشق کا نکتہ ہے دقیق ۔۔۔ آشنایانِ رہِ عشق دریں بحرِ عمیق
غرق گشتند و نہ گشتند بآب آلودہ

یہ وہ دریا نہیں تو جس میں کرے آکے شنا ۔۔۔ یہ تو ہے معدنِ انوار و یقین صدق و صفا
گر تو چاہے کہ یہاں آوے تو اے غرق ریا ۔۔۔ پاک و صافی شو و از چاہِ طبیعت بدر آ
کہ صفائی ندہد آب تراب آلودہ

[1] عشق کو بالکل آگ سے استعارہ کیا ہے اور جان کو کباب سے" شہباز

ہم تو پھرتے ہیں نظیرؔ عشق میں اب خانہ بدوش
کل عجب طرح کا اک نکتہ ہوا گوہر گوش
کچھ جو حافظ نے کہا یار سے ہو دوش بدوش
گفت حافظ بہ و ایں نکتہ بیاران مفروش
آہ! ازیں لطف بانواعِ عتاب آلودہ

خمسہ بر غزل سراجؔ

(۲۶۸)

کھلی جبکہ چشمِ دلِ حزیں تو وہ غم رہا نہ تری رہی
ہوئی حسرت ایسی کچھ آنکھ پر کہ اثر کی بے اثری رہی
پڑی گوشِ جاں میں عجب ندا کہ جگر نہ بے جگری رہی
خبرِ تحیرِ عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا، نہ تو میں رہا، جو رہی سو بے خبری رہی

ہوئیں کیا ہی دلکو فراغتیں گئی جب کہ قیدِ لباس کی
کوئی پوچھو یارو نہ پہنو اب غرض اسکو جانے بلا مری
نہ ہوائے اطلس و گلبدن نہ تلاشِ بادلہ و زری
شہ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباسِ برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی، نہ جنوں کی پردہ دری رہی

کسی وقت کتبِ عقل میں بہت علم ہم نے بھی تھا پڑھا
کہ ہر اک سے حجتِ بحث تھی سو اس علم کا یہ کمال تھا
گیا جبکہ مدرسِ عشق میں تو اب آگے یارو کہوں میں کیا
وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی سو وہیں دھری رہی

ترے منھ پہ لب تو ہے وہ جھلک کہ جہاں تو جائے عیاں ہوا
اگر آفتاب جمال تھا، تجھے دیکھ وہ بھی نہاں ہوا
کوئی آگے تیرے نہ آسکا وہ قمر کہ مہر فشاں ہوا
ترے جوشِ حیرتِ حسن کا اثر اس قدر تو عیاں ہوا
کہ نہ آئینے میں جلا رہی، نہ پری کی جلوہ گری رہی

عجب اتفاق ہے خودبخود کے دل سے عشق نکل گیا
پڑی آگ غم کی وہ تن میں آ کہ برنگِ شمع پگھل گیا
ادھر آہ شعلہ زناں ہوئی ادھر اشک آنکھوں سے ڈھل گیا
چلی سمتِ غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخِ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

گرے عشق اب وہ جہاں میں کہ بھول سے بیٹھے وہ ہاتھ دھو
اُسے کچھ کسی کی خبر نہیں ہوا اب تو مثلِ نظیر و و

نہ کسی کے ڈر سے چھپے کہیں نہ کسی کے خوف کا ڈر سے رو
ترے دردِ عشق میں اے میاں دل بینوائے سراج کو

نہ خطر رہا نہ حذر رہا جو رہی سو بے خبری رہی

خمسہ بر غزل قدرت

(۴۶۹)

آہ کیس شعلہ رو سے طبع اب مایوس ہے
اور تپِ غم کی تپش چہرے[1] اُپر محسوس ہے

جو سپند آسا جگر اس آگ کا مانوس ہے
کس کی نیرنگی یہ برقِ شعلۂ فانوس ہے

جو شرر دل سے اُٹھا سو جلوۂ طاؤس ہے

بزم میں تیری صنم جب دم بہ چشم تر گئے
دیکھ تیرے عشق میں کیا کیا ہوا اب گھر[2] گئے

مر گئے پھر جی اُٹھے، تڑپا کیے، دُکھ بھر گئے
صبر اور تسکیں یہاں سے کوچ کب کے کر گئے

اب وداع ننگ ہے اور رخصت ناموس ہے

ہمنشیں احوال اپنا کوئی کیا تجھ سے کہے
خود بخود بیخود یہ دل میں اب خیال اُٹھنے لگے

آدمیت سے گئے، سودا ہوا، رسوا ہوئے
کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے

کیا ہی ملکِ روم ہے اور سرزمین روس ہے

جائیے جب واں تو کس راحت سے کیجے زندگی
سب طرح سے خرمی تمت سے کیجے زندگی

مثلِ گل کے نزہت و فرحت سے کیجے زندگی
گر میسر ہو تو کس عشرت سے کیجے زندگی

اس طرف آوازِ دُہل اُودھر صدائے کوس ہے

یہ خیالِ خام اپنے دل میں بندھتے تھے پڑے
جب زبان دل سے باہم یہ سخن ہونے لگے

کھل رہے تھے عیش و عشرت کے طبیعت پر درے
سنتے ہی عبرت پکاری اک تماشا میں تجھے

چل دکھاؤں تو جو حرص و آز کا محبوس ہے

---

[1] چہرے اُپر۔ بجائے چہرے کے اوپر۔ اب متروک ہے ۱۲ آسی۔
[2] گھر گئے۔ گھرا ہوا۔ یعنی لے خانہ برباد ۱۲
[3] دُہل۔ بضم اول و دوم صحیح ہے۔ ذکر بہ سکون یا ۱۲
[4] درے سے یہاں مراد در وا ترے ۱۲ آسی

میں سنے جانا لے چلے گی یہ گلستاں کی طرف | یا کنارِ آب یا خرّم بیاباں کی طرف
نہ وہ صحرا لے گئی نہ باغ و بستاں کی طرف | لے گئی یک بار گی گورِ غریباں کی طرف

جس جگہ جانِ تمنا سو طرح کا یاس ہے

میں جو واں آیا تو اُس جا ڈھیر دیکھے خاک کے | کوئی بے سایہ کہیں سایہ کسی پہ کیکر کے
اتنے میں عبرت پکڑ کر ہاتھ میرے خوف سے | مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے

یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

یہ وہ ہے جس کو کہ ہفت اقلیم دیتے تھے خراج | یہ وہ ہے جس کو کہ ہفت افلاک سے اُترا تھا تاج
یہ وہ ہے جس کا فرشتے سے نہ ملتا تھا مزاج | پوچھ تو اُن سے کہ ہاں وہ حشمت و دولت و تاج

کچھ بھی اُن کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے

کر دیا ہے عشق کے غم نے تو بے طاقت تجھے | اس مرض کی بے طرح مٹی ہے اب آفت تجھے
بس یہ کہتا ہے نظیرؔ اب نکتۂ حکمت تجھے | گر نہ بخشے شافعِ محشر تری قوت تجھے

اس کی قدرت دیکھ کر حیران جالینوس ہے

خمسہ بر غزل فغاںؔ

(۴۷۰)

دل دیتا ہوں یارب مجھے الزام نہ ہووے | اس کام کا آخر کو بد انجام نہ ہووے
یہ عشق مرا گوش زدِ عام نہ ہووے | ڈرتا ہوں محبت سے مرا نام نہ ہووے

دنیا میں الٰہی کوئی بدنام نہ ہووے

گر یار مرے قتل کو آیا ہے ترا دل | بہتر ہے، میں حاضر ہوں، وسے کچھ نہیں حاصل
گر یوں ہی ارادہ ہے تو مت چھوڑیو بسمل | شمشیر کوئی تیز سی لانا، مرے قاتل

ایسی نہ لگانا کہ مرا کام نہ ہووے

له خرم سے مراد سرسبز [illegible] ۔ که کیکر یا کیکرا محاورہ عوام میں ببول کے درخت کو کہتے ہیں۔ ببول کو دارسی نے کیکر لکھا ہے مگر منشی سید احمد کیکر لکھتے ہیں۔ خاں کا کیکر ہی صحیح ہے کیکر اسی کی تعظیم ہے شہباز کیکر یعنی ببول درست ہے۔ [illegible] اسی

بھر عمر پھرا اُس کے غم و درد سے نالاں
کیا ضد ہے موئے پر بھی اُسے دیکھیے یاراں
آخر ہوا میں ہاتھ سے اُس شوخ کے بیجاں
آتا ہے مری گور پہ ہمراہ رقیباں
یعنے اسے تربت میں بھی آرام نہ ہووے

پردہ میں ترے غم کا اگر دل سے اُٹھاؤں
نالہ جو کروں کوہ کو جا گہ سے ہلاؤں
اک آہ میں سو برق کے سینے کو جلاؤں
گر صبح کو چاک اپنے گریباں کا دکھاؤں
اے زندہ دلاں حشر تلک شام نہ ہووے

اپنا تو نظیرؔ ایک سگر تھا پہ یہ وہ
لو اُس کو بھی دل دے کے کیا ہم نے بیک سو
پائی تھی صبا نے بھی نہ اُس گل کی کبھی بو
جی دیتا ہے بوسے کی توقع پہ فغاں تو
ٹک دیکھیو سودا یہ ترا خام نہ ہووے

اصغرؔ کی عارفانہ غزل کی تضمین

(۱۷۴)

وہ رنگ کہیں لعل بدخشاں میں آیا
یاقوت میں، الماس میں، مرجان میں آیا
نیلم میں کہیں گوہر غلطاں میں آیا
جب حسن ازل پردۂ امکان میں آیا
بے رنگ بہ ہر رنگ ہر اک شان میں آیا

بو ہو کے ہر اک پھول کی پتّی میں بسا ہے
تنہا نہ ہمارے ہی وہ شہ رگ سے ملا ہے
موتی میں ہو آب، ستاروں میں ضیا ہے
نزدیک ہے وہ سب کے جہاں اُس سے بھرا ہے
جب چشم کھلی دل کی تو پہچان میں آیا

کیا قمری دل سوختہ کیا بلبل نالاں
سب مل کے یہی بات پکاریں ہیں ہر آں
کیا باغ و چمن تختہ کا، کیا زیرِ خیاباں
گل بھی وہی، سنبل وہی، نرگس وہی یکجاں
اپنے ہی تماشے کو گلستان میں آیا

کیا ارض و سما، حور و ملک، دیو پری جن — کیا وحشی و طائر نہیں اک دم کوئی اس بن
ہر رات یہی بات، یہی ذکر ہے ہر چھن[۱] — اول وہی، آخر وہی، ظاہر وہی، باطن
مذکور یہی آیتِ قرآن میں آیا

ماٹی سے کہیں خاک کا پتلا وہ ہوا ہے — یا روح بن اس خاک کے پتلے میں گھسا ہے
آپ ہی تو بنایا ہے اور آپ ہی وہ بنا ہے — حرمت سے ملائک نے اسے سجدہ کیا ہے
جس وقت کہ وہ صورت انسان میں آیا

آ کر کہیں دیتا ہے وہ سینے میں لگا آگ — اور حال کہیں کرتا ہے لا منھ کے اُپر جھاگ
جو اس کے شناسا ہیں یہی کہتے ہیں بے لاگ — مطرب وہی، آواز وہی، ساز وہی راگ
ہر راگ میں بولا وہ ہر اک تان میں آیا

کیا چمپئی، کیا پستئی، کیا اخضر و احمر — کیا سوسنی، کیا کشمشی کیا ابیض و اصفر
اب مثل نظیر اس چمن دہر کے اندر — بے رنگ کے رنگوں کو ذرا دیکھئے اصغر
سو طرح کے عالم کے خیابان میں آیا

خمسہ بر غزل خود

(۴۶۲)

مری بغل میں جو وہ گلعذار ہوتا تھا — نہال عیش کے دل کے چمن میں بوتا تھا
خوشی ہو منھ سے منھ اور لب سے لب بلوتا[۲] تھا — لپٹ لپٹ کے میں اس گل کے ساتھ سوتا تھا
رقیب صبح کو منھ آنسوؤں سے دھوتا تھا

وہ تھا جو پاس تو کیا کیا خوشی کی راتیں تھیں — کنار و بوس تھے عیش و طرب کی گھاتیں تھیں
مزے کی چٹکیاں چنچل پنے کی باتیں تھیں — تمام رات تھی اور کہنیاں و لاتیں تھیں
نہ سونے دیتا تھا مجھ کو نہ آپ سوتا تھا

[۱] چھن - لحظہ - ساعت - پل -
[۲] بلوتا کے بجائے بلو: عوام کی بول چال میں ہے خواص اس کو جائز نہیں سمجھتے
انسی

کچھ آگے چاہ نی کے بھی آہ کیا دن تھے
خوشی سے پیار سے ہنس ہنس کے گفتگو کرتے
کہ دونوں ہر کہیں چھپ چھپ کے بیٹھتے اُٹھتے
جو بات ہجر کی آتی تو اپنے دامن سے
وہ آنسو پونچھتا جاتا تھا اور میں روتا تھا

کسی طرح سے نہ تھی راہ دل میں کیسے کو
گلے لپٹنے تو کیا رگڑتے سینے کو
نہ جانتے تھے قرینے نہ بے قرینے کو
مسکتی چولی تو لوگوں سے چھپ کے سینے کو
وہ تاگے بٹتا تھا اور میں سوئی پروتا تھا

جو لگتی شوخ کے تلوے میں گدگدی کم کم
مچل کے ہنس کے چھڑاتا قدم کو ہر اک دم
تو چین مروڑ چڑھا ناک اور بھویں کر خم
غرض دکھانے کو آن و ادا کے سو عالم
وہ مجھ سے پاؤں دھلاتا تھا اور میں دھوتا تھا

مرے تو دل سے نہیں بھولتا ہے وہ عالم
گھڑی مچل گھڑی شوخی گھڑی میں حوں حپ دھم
کہ جب پلنگ پہ مرے پاس لیٹتا باہم
لٹا کے سینے پہ چنچل کو پیار سے ہر دم
میں گدگداتا تھا ہنس ہنس وہ ضعف کھاتا تھا

نہ ہووے کیونکہ مرا دامن و گریباں تر
تو گرم و سرد کی تکرار ناز سے کر کر
کہ پانی مجھ سے منگاتا جو وہ پری پیکر
وہ مجھ پہ پھینکتا پانی کی کلیاں بھر بھر
میں اس کے چھینٹوں سے تو پیرہن بھگوتا تھا

پڑے نہ کیونکہ مجھے کام اشک گلگوں سے
کبھی گلوں سے کبھی ڈالیوں کی چھڑیوں سے
کہ جاکے باغ میں ہم کھیلتے تھے پھولوں سے
نہانے جاتے تو پھر آہ کرتی چھینٹوں سے
وہ غوطے دیتا تھا اور میں اُسے ڈبوتا تھا

اُٹھے نہ کیونکہ مرے دل سے آہ کا شعلا
کہاں وہ عیش کہاں دل ہے اور کہاں وہ مزا
کہ اس طرح کا ہزار دل میں یار بے ملتا
ہوا نہ مجھ کو خمار آخر اُن شرابوں کا
نظیر آہ اسی روز کو میں روتا تھا

مخمس جوش جنوں

(۴۷۳)

کروں احوال کا اپنے بیاں کیا تجھ سے میں یارا — مرا جی نقدِ دل جس دن بساطِ عشق میں ہارا
پھرا از بس جو کوہ و دشت میں راتوں کو آوارا — سحر آیا جو ہیں میں کلبۂ احزاں میں بیچارا
وہیں یکبارگی جوش جنوں نے دل کو للکارا

کہ بس کیا کر چکا عمر اپنی صرف اے شعلۂ آتش — دیا آیا تری گرمی میں حرف اے شعلۂ آتش
نہیں نالا تو ہے دریائے ژرف اے شعلۂ آتش — پڑا اب ہے کیا افسردہ مثل برف اے شعلۂ آتش
بہار آئی دکھا گر تجھ میں ہے کچھ قوت و یارا

یہ سنتے ہی بھبوکا ہو گیا دل طیش میں آکر — لیا ایک ایسا چکر، جس طرح پھرتا ہے گھن چکر
کنار و جیب کی سب دھجیاں کر ڈالیں سر تا سر — اڑا اکر گرد مل کر خاک نکلا گھر سے پھر باہر
پڑھا یہ بند اور ہو کر کے نعرہ آہ کا مارا

چناں اکنوں ز خود رفتم، نمی دانم کجا ہستم — برنگِ جاں ز راہِ او گذشتم از کہ پیوستم
زرہ بگرفت اکنوں، ایں زماں شورِ جنوں دستم — بجوم محشرم، ہنگامہ ام، دیوانہ ام مستم
نہ از پا می شناسم سر، نمی دانم ز سر پارا

یہ پڑھتے ہی ہوئی پھر تو جنوں کی او رسائی — عجب دیوانہ پن کی آ کے موج آنکھوں میں لہرائی
جو ہیں دریائے دل نے آ کے پھر چلنے کی ٹھہرائی — قضا نے لا وہیں اک اس قدر زنجیر پہنائی
کہ جس کے غل کا پہونچا عرش کے کانوں میں جھنکارا

خدا جانے اڑا لائی قضا جا کر کہاں سے وہ — زمیں سے نکلی کافر یا کہ اتری آسماں سے وہ
زالی تھی غرض لے یارو، زندانِ جہاں سے وہ — گھسٹتی دور تک جاتی تھی اس شورِ فغاں سے وہ
مگر گر جا زمیں پہ رعد کی نوبت کا نقارا

گریباں چاک، سر عریاں، پریشاں مو، برہنہ پا،
جگر میں شور محشر، اور زباں اوپر ہا ہا ہا
لگا پھرنے جو ہیں شعلہ ہر اک کے گھر میں ہر اک جا
محلے میں پڑا غل دوڑیو، چلیو، غضب آیا
دوانہ ہو گیا ہے پہلواں، یارو، جنوں مارا

مچا بیداد و فریاد اس قدر اور الاماں جب واں
کوئی بھاگا کہیں جا کر، ہوا کوئی کہیں پنہاں
تو پھر اس حال سے آخر نکل کر واں سے سرگرداں
گیا اک دیر میں اور واں جو لعبت گر اٹھے نالاں
تو نکلا واں سے گھبرا کر بتوں کا باندھ پشتارا

عجب عالم ہوا اُس دم کہیں ہو حق، کہیں ہو ہا
اسی انبوہ سے جا کر پھر اک مسجد کو جا گھیرا
موذن بھاگ گئے اور عابد چھپے حجروں میں اپنے جا
مصلّا پھاڑ، شجرے توڑ، لوٹے پھوڑ کر اس جا
کئی زاہد کچل ڈالے کیا واعظ کا سر پارا

جنوں نے پھر کڑک اور تھر تھرا کر واں سے مارے پر
تو آ پہنچا اسی عالم میں اک میخانہ کے اوپر
مغان و مغبچہ بھاگے شرابی کانپ اُٹھے تھر تھر
خم و قرابہ و مینا و ساغر توڑ کر یکسر
زمین میکدہ سب مے سے کر دی خون کا گارا

چمن کے دیکھنے کی پھر ہوئی اس جا سے تیاری
کچل مارے تمامی پھول پھل اور تختہ و کیاری
ستم یہ دیکھ اک آتش[1] زدی بلبل جو چنگاری
تو لی پھر راہ جنگل کی نکل اس طور یک باری
بگولا باد کا، یا برق، یا آتش کا انگارا

فضا دیکھی جو صحرا کی تو زنجیریں تڑا ڈالیں
بلند و پست میدانوں کی سب گردیں اڑا ڈالیں
ہجوم جوش سے ہر کوہ کی کمریں ہلا ڈالیں
تو پھر اس کوہ و صحرا میں عجب دھومیں مچا ڈالیں
کبھی فرہاد کو گھیرا، کبھی مجنوں کو جا مارا

چلا ایسا ہوا کا آسماں سے آگے اک جھوکا
کہ اس شورِ جنوں کا آہ سب عالم گیا گذرا
بڑھا اس جوش سے آنکھوں میں آ کر اشک کا دریا
کہ لڑیاں بن کے کافر ہر سرِ مژگاں سے یوں اچھلا
گویا چھوٹا ہزارا ساون اور بھادوں کا فوارا

[1] آتش زدی کی بجائے آتش زدہ فصیح ہے نظیر کے زمانے میں اس کو صحیح مانا جا سکتا ہے مگر اس زمانے کے فصحا اس قسم کی ترکیبیں استعمال نہیں کرتے ایسے ہی یکباری بجائے یکبارگی فصیح نہیں ۱۲ [illegible] آسی

گھٹا امڈی جنوں کی اور دھواں آہوں کا آگمڈا[1]
تماشا دیکھنے کو اس گھڑی اک عالم آ امڈا
کڑک نالے کی بجلی نے پھر اس عالم کو چمکایا
لگا یوں منھ برسنے ہر طرف لڑکوں کے پتھروں کا
پڑے ہے جیسے جھڑیاں باندھ کر اولوں کا بوچھارا

بڑھا پھر تو جنوں کے جوش کا اس جوش پر ساماں
پڑے تھے اشک کی فوجوں سے نالوں کے نشاں برپا
جبھی سے کھل گئی شورِ قیامت کی بھی آگرواں
نقیب آہ کہتا تھا بڑھے جانا تک اے یاراں
کوئی پامال ہو جاوے تو پھر اپنا نہیں چارا

زمیں سے آسماں تک بندھ گیا ایسا سماں آکر
وحوش و طیر نکلے کانپ اٹھے دیوار و در پتھر
ہجوم خلق سے چلیں بھی مچی ہر کوچے کوٹھے پر
ہوا سناٹے لیتی تھی فلک کو آ گیا چکر
تماشا دیکھیں تھیں حوریں ملک کرتے تھے نظارا

عجب دیوانگی نے پھر تو کیں گہری ملاقاتیں
اڑا ادبر تو کر آیا فلک کے کان میں باتیں
کبھی دائیں کبھی بائیں دکھائیں وہ نئی گھاتیں
کھڑا رہتا تو پڑتی تھیں زمیں کے فرق پر لاتیں
جو چلتا تھا تو پھر پامال تھا کیا سنگ کیا خارا

میاں پھر تو جنوں کے بندھ گئیں واں اس قدر چاہیں
جو اس میں کوچۂ دلدار کی دل کو ہوئیں چاہیں
کہ ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہوئے خلقت کے اور بند ہو گئیں راہیں
تو لے بھاگا جنوں واں سے گلے میں ڈال کر باہیں
لے آیا واں کہ تھا جس جا وہ برجِ حسن کا تارا

کیا آ کر جنوں نے دل کا واں یہ غلغلہ برپا
نہ وہ انبر رہا نے وہ مزا نے دھوم نے چرچا
کہ جن کر آگ اور خس بس جلا یا گھر رقیبوں کا
نظیر آیا جو ہیں پھر ہوش میں تو کہہ کے یہ بولا
کہ آخر ہر کما سے راز واں می شود یارا

خمسہ

(۴۴م)

ہے دل میں عزم جس کی جانب کی چاکری کا
پایا ہے ناز اس نے شوخی میں برتری کا

[1] آگمڈا - یعنی آکر پھیل گیا - اب نہیں بولا جاتا - ممکن ہے کہ اس زمانہ میں اُمڈنا کا مترادف گمڈنا بھی ہو - امڈنا بھی قریب قریب ایسے ہی معنوں میں بولتے ہیں - ایسے ہی اس بند میں بوچھار کی بجائے بوچھارا لایا گیا ہے - جو حضرت نظیر کی جدت طبع اور قافیہ کی ضرورت کے لحاظ سے لایا گیا ہے ۱۲ محمد اشرف علی لکھنوی

کیا کیا بیاں ہو اس کی سج دھج ادا بھری کا — اک پینچے پہ جو اس نے طرّہ[1] رکھا زری کا
سورج کی بھولیں کرنیں دعویٰ برابری کا

وہ حسن ہے جو اس پر کب ہو بت چگل[2] میں — کاکل میں طرفہ خم ہے اچھا نمک ہے تل میں
کیا دور دیکھنے میں کیا طرز متصل میں — جس دن سے حسن چمکا اس کا تو شہر دل میں
کیا کیا پڑا ہے یارو شور اس کی دلبری کا

ہم دیکھتے ہیں جس کے ہر آن رخ کو خوش ہو — چاہت میں اس کی ڈالا خاطر سے پنج سب کھو
آئینہ دیکھو اس کو حسرت زدہ ہے یارو — عارض میں اس صنم کے ہے وہ جھلک کہ جس کو
دیکھے تو ہوش آدے پرواز میں پری کا

ہیں ناز اس کے چنچل اور ہر نگاہ جادو — آنکھوں سے اس کے ہو دے شرمندہ چشم آہو
گھر سے نکل کے اپنے کرتا نگاہ ہر سو — آیا جو دل کو لینے مجھ سے وہ شوخ گلرو
کیا کیا کہوں میں نقشہ اس دم کی دلبری کا

ہنس کر نگہ لڑائی بے باک ہو کے پہلے — پھر کی حیا کچھ ایسی دل دیکھ جس کو بہلے
زلفیں بھی کھولیں منہ پر کچھ چلبلی ادا سے — کیں میٹھی میٹھی باتیں ایسی نظیرؔ ہنس کے
جس کو مزا نہ پہونچے ہرگز شکر تری کا

مخمس

(۴۷۵)

جب اس نے دکھایا مجھے مکھڑے کا اُجالا — اک دم میں کیا ہوش کے عالم سے نرالا
بالی نے بھی اک جھوک دکھا کر کیا بالا[3] — دل چاہ زنخداں میں تبسم نے جو ڈالا
اس نے یہ سمجھایا اسے جو پھر نہ اُچھالا

پھر کا ہمیں اس شوخ نے الفت میں سمجھ خام — اور یوں کہا کچھ کا نہیں چاہ میں کچھ کام

---

[1] طرّہ یہاں کلغی کے معنی میں آیا ہے ۱۲ منہ
[2] چگل ایک شہر کا نام ۱۲ منہ
[3] بالا دینا۔ دھوکا دینے کے معنی میں ہے۔ شاید یہاں بالا کرنا اسی معنی میں لایا گیا ہے ۱۲ آسی

کوچے سے نکالا ہمیں ٹھہرائے یہ الزام　　　مے پی کے جو گرتا ہے تو لیتے ہیں اسے تھام

نظروں سے گرا جو اسے پھر کس نے سنبھالا

ہر لحظہ اسے ہم تو بہت منع تھے کرتے　　　کہتا جو نہ مانے تو بھلا کیا اسے کہیئے

اک روز غرض ہوکے نڈر خوف و خطر سے　　　دل ہو کے دلاور جو گیا سامنے اُس کے

غمزے نے گرا یا وہیں اک مار کے بھالا

یہ حال کیا اس کا جو ظالم کی خوشی نے　　　جب دل کے تئیں آ گئے خجلت کے پسینے

تھے واں جو کھڑے رحم کیا اس پہ بھی نے　　　زخمی اسے دیکھا تو کہا مجھ سے کسی نے

تو نے اسے کس واسطے پہلو سے نکالا

وہ جس گھڑی اے یار اُدھر کو گیا یاں سے　　　چاہا کہ ذرا سامنے اس شوخ کے ٹھہرے

اک پل نہ لگی واں میاں بسمل اسے کرتے　　　اب تڑپے ہے مجروح پڑا کوچے مین اسکے

جا تو ہی نظیر اب اُدھر اور اس کو اٹھا لا

خمسۂ دیگر

(۴۷۶)

نگہ کے جام کا کر عزم کچھ ادھر مے لا　　　خوشی سے بیٹھ بہم نا خوشی کی مت ٹھے لا

خفا ہوں جس میں ہم ایسی نہ ہر گھڑی شے لا　　　ہمارے دل کو نہ کر ہر دم اے پری میلا

یہی تو جان کہاں قیس اب کہاں لیلا

ملی ہے صحن گلستاں کو پھر کے سر سبزی　　　چمن چمن میں ہوئی تازگی و شادابی

صدائیں قمری کی ہیں بلبلوں کی چہچہے بھی　　　بہار گل کی تو آ پہونچی تو بھی اے ساقی

گلابی مے کی دکھا ساغر پیا پے لا

نثار کاکل مشکیں پہ جس کے ہے سنبل　　　ادا میں سحر بھرا ہے نگہ میں نشہ مل

ﻠﮧ رے ریٹ۔ رٹ۔ ضد۔ اشرف علی لکھنوی

کھلا ہے تازہ جو گلشن میں حسن کے وہ گل　　دل اس سے ملنے کو یوں چاہتا ہے جوں بلبل
چمن میں گل سے لپٹتی ہے بال و پر پھیلا

ہیں اس کے ناز و ادا کے کچھ اب تو یہ نقشے　　جدھر کو آتا ہے وو ہیں کو دل ہیں غش آتے
عجب ہوا ہے کچھ احوال اپنا کیا کہیے　　وہ اک نگہ جو ادھر کر گیا تو دل جب سے
پکارتا ہے پڑا ہر گھڑی وہی مے لا

ادھر اُدھر جو کوئی گلعذار ہے ملتا　　تو نظریں اس سے لڑا کر یں دل کو دینے لگا
بتوں کے دیکھنے کو پھرتے رہتے ہیں ہر جا　　ہوس تو گرم ہے اب تک بھی کیا ہوا جو کیا
میاں نظیر کو پیری نے برف کا تھیلا

مخمسہ

(۴۷۷)

وقت سحر جو ہم نے اک سیمبر کو دیکھا　　مکھڑے سے اس کے حیران روئے سحر کو دیکھا
چین جبیں سے ہر دم نقش خطر کو دیکھا　　کیا کیا نگہ لڑا کر اس فتنہ گر کو دیکھا
مدت میں آج میں نے دل کے جگر کو دیکھا

بالی کی جھوک کیا کیا ہر آن ہے درخشاں　　اور رنگ پاں ہے ایسا ہو لعل جس پہ قرباں
کیا کیا نزاکت اس کی ہم سے بیاں ہو اب یاں　　شبنم کے پیرہن سے تھے بل پہ بل نمایاں
اس نازکی سے ہم نے اس کی کمر کو دیکھا

آیا نظر جو اس کی آن و ادا کا نقشا　　طرز نگاہ ایسی ہوتا ہے سحر جیسا
جس دم ہنسا وہ گل رو یارو تو کیسے ایکیا　　اُجلاپن اس کے دیکھا دنداں میں ہم نے ایسا
جس کی جھلک سے میلا سلک گہر کو دیکھا

آنکھیں نشیلی ایسی مے ہو دے جس سے خجل　　نظریں کرے تھیں جادو ابرو کرے تھی بسمل

عجب وہ نگار سرکش ٹک آگیا مقابل — نوک مژہ نے اُسکی لپ جھپ سے ہو کے شامل
دل کو پرو دیا جس دم ہم نے اُدھر کو دیکھا

دیکھی جو یہ تعدی اس دلربا کی اس جا — کچھ جی سے پھر ہمارے اس وقت بن نہ آیا
جب حال دل کا اس نے پل میں بنا یا ایسا — پوچھا نظیرؔ چھیدا کیوں دل تو ہنس کے بولا
اس کی یہی سزا ہے اُس نے ادھر کو دیکھا

دیگر

(٣٤٨)

اس قد کے آگے تیرا طرز قیام کیا ہے — مت پھول سرو تیرا واں احترام کیا ہے
زیبائی تیری ایسی لطف التزام کیا ہے — چلنے میں ناز تجھ کو ہر صبح و شام کیا ہے
اے کبک اس کے آگے تیرا خرام کیا ہے

ناز و ادا میں اس کے ہے دلبری فراہم — اس رخ کے آگے دیکھیں صورت پری کی کیا ہم
بھولے ہے گھر پہونچنا جس کے نشے سے پیہم — اس چشم کی نگہ کے کیفی کے آگے ہمدم
افیون بھی کیا بلا ہے اے کا بھی جام کیا ہے

سرخی ہے اس کے لب کی کب لعل ہو برابر — دنداں کو اس کے دیکھے تو منفعل ہو گوہر
ابرو کی تیغ پر خم نوک مژہ ہے نشتر — زلف اس صنم کی جس جا ہوتی ہے دام گستر
واں کاکل پری کا اے یار دام کیا ہے

رمزیں نہیں ہیں خالی کچھ اس کے پیچ و خم سے — پھرتی ہے ناز و شوخی اس کے لگی قدم سے
اک روز دیکھ ہم کو عیاریوں کے دم سے — لینے کو دل ہمارا پوچھا یہ اس نے ہم سے
کیوں جی بھلا تمھارا کہئے تو نام کیا ہے

جب اس صنم نے ہنس کر ہم سے کہا یہ اس دم — جاتا کہ ہوش ایسے کچھ ہیں یوں ہی سے باہم

اور ہم تو مدتوں سے سمجھے ہیں مکر اور دم
تاڑا تو ہم نے لیکن بولے نظیرؔ یوں ہم
اس پوچھنے سے تم کو اے جان کام کیا ہے

خمسہ دیگر

(٤٧٩)

توسن کے زین پہ جس دم وہ زیب خانہ ہوگا
ہر ناز دل پہ اس کا جوں تازیانہ ہوگا
ہے تجھ میں ہوش جتنا وہ سب روانہ ہوگا
مست مل پری رخوں سے لے دل دوانہ ہوگا
تیر نگہ جھکیں گے اور تو نشانہ ہوگا

سج دھج تو اس صنم کی ہوتی ہے دل میں ساکن
رکھتا ہے راہ چلنے کیا کیا قدم وہ گن گن
پڑتا ہے چین ہم کو کب اس کے دیکھے بن
ایسا ہی حسن اس کا بڑھتا رہا تو اک دن
محبوب دہر ہوگا شوخ زمانہ ہوگا

ہم ہیں اسے بلاتے اور وہ ہے دو ہٹاتا
ہاتھوں سے اس کے جس دم کھینچا ستم بہت سا
جب دیکھتے ہیں جا کر تو منھ کو ہے چھپاتا
ہم نے کہا کہ دل کا یہ رنگ ہے تو بولا
گر لکھ رکھو گے اس کو رنگین فسانہ ہوگا

بھر کر نگاہ ہم نے صورت جو اس کی دیکھی
دیکھ اس کی زلف مشکیں یہ بات ہم نے سوچی
دل نے سرور پایا جی کو ہوئی تسلی
بکھری بلا ہے کاکل جب کیا ستم کرے گی
کم تیل پڑ گئے اس میں جس وقت شانہ ہوگا

چیٹک[لہ] تو دے گیا ہے جا کر ادھر سے ظالم
آیا نہ کر کے وعدہ اب جو سحر سے ظالم
دل کر گیا ہے کیفی اپنی نظر سے ظالم
جب تو لگا کے مہندی نکلا نہ گھر سے ظالم
دیکھیں نظیرؔ اس کا اب کیا بہانہ ہوگا

لہ چیٹک - دُھن
لو - شوق ١٢
محمد اشرف علی

خمسۂ دیگر

(۴۸۰)

یار فقط نہ آئینہ دیکھ کے تجھ کو ہے خجل
نکلے اگر تو صبحدم مہر بھی ہووے منفعل
شب کو تو آ جو بزم میں بیٹھا ہمارے متصل
تیرے بھی منہ کی روشنی رات گئی تھی مہ سے مل
تاب سے تاب رخ سے رخ نور سے نور ظل سے ظل

دھوم ترے جمال کی سنتے ہی سب پری رخاں
اپنے گھروں میں چھپ گئے شرم کے مارے ناگہاں
وصف اب ایسے حسن کا اور کروں میں کیا بیاں
یوسف مصری سے میاں ملتے ہیں تیرے سب نشاں
چشم سے چشم لب سے لب زلف سے زلف تل سے تل

جاں ہے گل کا پیرہن مرنے سے عندلیب کے
پرزے کتاں کے اڑ گئے ماہ کے دل میں داغ دے
شمع جلی جو رات کو ساتھ پتنگ بھی جلے
جلتے ہیں کشتگان عشق اُن کے ازل سے ہیں ملے
اشک سے اشک نم سے نم خون سے خون گل سے گل

قیس بھی اپنے عشق میں زور ہی نام کر گیا
مرنے کی جس کے تعزیت کرتے ہیں دشت خاک اڑا
جان گئی تو کیا ہوا عشق میں شرط ہے وفا
جب سے موا ہے کوہکن کہتے ہیں اسکا غم سدا
کوہ سے کوہ جو سے جو سنگ سے سنگ سل سے سل

ہجر میں ایک عمر سے ہم بھی جو بیقرار تھے
کون سے درد و غم ہوئے آہ جو وہ نہیں سہے
شکر ہے بارے یک بیک بعد صد انتظار کے
یار ملا جو آ نظیر میرے گلے تو مل گئے
جسم سے جسم جاں سے جاں روح سے روح دل سے دل

خمسہ دیگر

(۴۸۱)

دیتا ہے وہ انداز ترے کان کا بالا — دیکھے تو وہیں ہو مہِ نو آن کے بالا
ہر دلبر گلرو سے ترا ناز ہے بالا — مکھڑے کو ترے دیکھ کے رشکِ گل لالا
پھوڑے ہے پڑا دل میں تیرا چاہنے والا

لب لعل، دہن غنچہ، بدن سیم، جبیں ماہ — یاد آتی ہے دیکھے سے ترے قدرتِ اللہ
قامت کو ترے دیکھ یہ کہتے ہیں دل آگاہ — عالم کے چمن ساز نے یہ سرو کیا واہ
خوبی کے گلستاں میں عجب شان سے بالا

ہے آج ترے حسن کی وہ شان و تجمل — انسان تو کیا حور و ملک میں ہے پڑا غل
نازک بدناں ہو کے ترے عشق میں بلبل — سب تن کو ترے دیکھ یہی کہتے ہیں اے گل
اللہ نے کس نور کا یہ عطر نکالا

چہرے سے جو ٹک جان تو پردے کو اٹھائے — خورشید بھی ذرہ ہو ترے سامنے آدے
مہ جبیں ترے دیکھنے کی تاب نہ لائے — مہتاب بھی منہ رشک سے ہالے میں چھپائے
دیکھے اگر اک دم ترے مکھڑے کا اجالا

تو حسن کے عالم میں وہ ہے اے شہ خوباں — محبوب ترے دیکھنے کا رکھتے ہیں ارماں
آئینہ تجھے دیکھ کے رہ جاتا ہے حیراں — دنیا میں جسے کہتے ہیں سب مل کے پرستاں
واں بھی ترے عالم نے بڑا شور ہے ڈالا

کیا کیا میں کہوں وصف ترے ناز و ادا کا — میں نے تو کوئی نازنیں ایسا نہیں دیکھا
یک غمزہ یہ اس ناز و ادا کا ہے اہا ہا — دل طور تغافل سے جوں ہی گرنے پہ آیا
جھپ اس کو تری طرز تبسم نے سنبھالا

وہ دل کہ بہت طالع ہیں یاں جس کے مددگار
ہوتا ہے وہ اے جاں تری کاکل میں گرفتار
رکھ دھیان عنایت پہ ترے حسن کی ہر بار
مشتاق نظیر اک نگہ لطف کا ہے یار
اس کو بھی پلا دے کبھی اس مے کا پیالا

خمسہ دیگر

(۴۸۲)

دل کے دینے پر یہ کیئے ہو دیں ہم مغرور کیا
اور وفا اپنی دکھا کر ہو دیں ہم مسرور کیا
کثرت حسن اس صنم کے ہو سکیں مذکور کیا
لا دے خاطر میں ہمارے دل کو وہ منظور کیا
جس کے آگے مہر کیا، مہ کیا، پری کیا، حور کیا

چاہ تو کی ہے تمہاری ہم نے دیکر دل کو یاں
پر نہیں طرزوں سے واقف اسکی ابتک کے میاں
ہم ابھی چاہت کے کوچے میں ہیں جو نو وارداں
دل نیا ہم نے لگایا ہے بتا دو مہرباں
اس کی ہے رہ کیا، روش کیا، رسم کیا، دستور کیا

ہے یہی لازم کہ اس کی چاہ کا ہم دم بھریں
خوش رہیں یا اشک سے ہر آن آنکھوں کو بھریں
کچھ فریب دفن کے اوپر دھیان کیا اپنا دھریں
یاد ہوں عیاریاں جس کو بہت ہم کیا کریں
اس کے آگے مکر کیا، چھل کیا، افسوں کیا، زور کیا

دلبروں میں وہ صنم ایسا ہے سرکش تند خو
کھینچے ہے ابرو کی تیغ اس پر اسے دیکھے ہے جو
ٹھان کر ہم نے یہ دل میں آج ہونی ہے سو ہو
یوں کہا ہم لیں گے بوسہ اب تو چھو کر زلف کو
بولا منھ کیا، دستگہ کیا، تاب کیا، مقدور کیا

دل ہوا جس روز سے اس گل کے سنبل میں اسیر
الفت و مہر اس کی ہے اس کے نہایت دلپذیر
کیا ہوا گر وہ ہمیں رکھتا ہے نظروں میں حقیر
ہم کو چاہت ایک سی ہے اس پری رو سے نظیر
رو برو کیا، در قفا کیا، متصل کیا، دور کیا

خمسہ دیگر

(۳۸۳)

میاں یہ کس پری کے ہاتھ پر عاشق ہوئی مہندی
کہ باطن میں ہوئی ہو سرخ ظاہر میں ہری مہندی
کرے خونیں دلوں سے کیوں نہ ہر دم ہمسری مہندی
کٹی، پکلی گئی، ٹوٹی، چھنی، بھیگی، پسی، مہندی
جب اتنے دکھ سہے جب اسکے ہاتھوں میں لگی مہندی

حنائی پھبلیاں اس کے کف رنگیں میں جو دیکھیں
نگہ میں آن کر اس دم عجب رنگینیاں جھمکیں
کہوں کیا کیا میاں ان مہندی بھرے ہاتھوں کی اب ترمیں
شفق میں ڈوب کر جوں پنجۂ خورشید ہو رنگیں
چمک میں رنگ میں سرخی میں کچھ ایسی ہی تھی مہندی

ہتھیلی چاند سی ہو جن کی اور ناخن ستارے ہوں
وہ پتلی انگلیاں جن سے نزاکت کے سہارے ہوں
طلائی نقرئی ہیروں کے چھلّوں کے کرارے ہوں
جو گورے گورے ہاتھ اور نرم و نازک پیارے پیارے ہوں
تو بس وہ جان ہیں مہندی کی اور انکا ہے جی مہندی

وہ پہونچے جن میں پہونچی سو نیاز و عجز سے پہونچی
اور ان پوروں کے ملنے سے بڑھی ہے شان چھلّوں کی
عجب تم بھیگتی ہو اور عبث بچھڑے ہو بستی
کف نازک پر اس کے تو ہے اصلی رنگ کی سرخی
تمہاری دال یاں گلتی نہیں سنتی ہو بی مہندی

جو دیکھا میں نے ان مہندی بھرے ہاتھوں کا ہلانا
انگوٹھی بانک[1] چھلّے آرسی کا پھر نظر آنا
مرا دل ہو گیا اس شمع رو چنچل کا پروانا
بھلا کیونکر نہ ہوں یارو میں اس کو دیکھ دیوانا
کہ ہو دیں جس پری رو کے پری ہاتھ اور پری مہندی

یکایک دیکھ کر مجھ کو وہ چنچل نازنیں بھرمی
ادھر میں نے بھی دیکھا خوب اسکو کرکے بے شرمی
کہوں کیا کیا میں اسکی اب نزاکت واہ اور نرمی
ہوئی یاں تک اسے میری نگاہ گرم کی گرمی
کہ دست و پا میں اسکے دیر تک سلی گئی مہندی

[1] بانک ۔ ایک قسم کے چھلے کا نام ہے ۱۲ اشرف علی

کہاں تک گلعذاروں کے بھی ہاتھوں کو رسائی ہے
کہ جن کے واسطے اللہ نے مہندی بنائی ہے
یہ سرخی لعل نے نے پنجۂ مرجاں نے پائی ہے
نظیر اس گلبدن نے اور ہی مہندی لگائی ہے
مبارکباد، اچھا، واہ وا خاصی رچی مہندی

خمسہ دیگر

۴۴۴

جہاں میں ہم سے جو یہ غم رہے رہے نہ رہے
سرور و عیش سے باہم رہے، رہے نہ رہے
جو یاں بہت رہے یا کم رہے، رہے نہ رہے
ہم اشک غم ہیں اگر تھم رہے رہے نہ رہے
مژہ پہ آن کے ٹک جم رہے رہے نہ رہے

نہ زیب کعبہ نہ دیر مغاں کی رونق ہیں
نہ حسن دشت ہیں نے گلستاں کی رونق ہیں
کوئی کہے تو بھلا ہم کہاں کی رونق ہیں
رہیں وہ شخص جو بزم جہاں کی رونق ہیں
ہمارا کیا ہے اگر ہم رہے رہے نہ رہے

کسی کی سن کے زبانی مرا یہ حال تباہ
چلا ہے گھر سے مجھے دیکھنے وہ حسن پناہ
ہزار درد سے بھاری ہے اب یہ غم واللہ
مجھے ہے نزع میں آتا وہ دیکھنے اب آہ
کہ اس کے آنے تلک دم رہے رہے نہ رہے

ہم اپنے غم کو بھلا کس طرح کریں اظہار
کہ عمر اپنی تو ٹھہری ہے آکے مثل شرار
کس آرزو پہ بھلا دیویں اپنے دل کو قرار
بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار
ہوا کے بیچ کوئی دم رہے رہے نہ رہے

میاں ہماری تو آنکھوں میں دم ہے بر سر راہ
یہ آرزو ہے تمھیں دیکھ لیویں بھر کے نگاہ
ہمارا وقت تو رخصت کا آ لگا اب آہ
ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بنوک گیاہ
مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے

بتوں کے عشق میں جینے سے ہاتھ دھو لیجے
جو صبر و ہوش کو کھونا ہے اب سو کھو لیجے
ادائے ناز پہ ان کے نثار ہو لیجے
یہی ہے عزم کہ دل بھر کے آج رو لیجے
کہ کل یہ دیدۂ پرنم رہے رہے نہ رہے

جفا جو میاں تم نے ہم پہ جو کچھ کی
ہزار بات کی اک بات ہے یہ سن لو جی
یقیں ہے تم کو کہ ہم نے وہ سب خوشی سے سہی
تمہارے غم میں غرض ہم تو دے چکے ہیں جی
بلا سے تم کو بھی اب غم رہے رہے نہ رہے

تمہاری بزم میں اس وقت ہم جو حاضر ہیں
ہم اپنے کام میں اے یار، یار شاطر ہیں
نہ جانیو کہ ہمارے یہ بار خاطر ہیں
یہی سمجھ تو ہمیں تم کہ اک مسافر ہیں
جو چلتے چلتے کہیں تھم رہے رہے نہ رہے

ہوس ہے اب تو یہی نقد دل تلک دیجے
بھرا ہے شوق بہت دل میں آہ کیا کیجے
شراب عیش کی خوباں میں بیٹھ کر پیجے
نظیرؔ آج بھی چل کر بتوں سے مل لیجے
پھر اشتیاق کا عالم رہے رہے نہ رہے

دیگر

(۴۸۵)

اب تو ہر شوخ پری وش نے سنبھالا بالا
سب کے بالوں سے تمہارا ہے نرالا بالا
ہر کہیں زور دکھاتا ہے اُجالا بالا
تم نے جس دن سے صنم کان میں ڈالا بالا
ہو گیا چاند سے رخسار کا بالا بالا

آئی وہ شوخ جو کل ناز و ادا سے اس جا
پھرتیاں اس کے میں غمزہ، دل کی کہوں اب کیا کیا
تھی وہ سج دھج کہ پری دیکھ کے ہو جائے فدا
نوک مژگاں کو خبر ہونے نہ دی آہ ذرا
دل کو یوں اُس کی نگہ لے گئی بالا بالا

چال چلتی ہے عجب آن سے وہ ناز بھری
مستیاں وا وہیں کیا کیا کہوں اس جوبن کی
ہر قدم پر مرے سینے میں ہے ٹھوکر لگتی
جب ہلاتی ہے صراحی سی وہ گردن اپنی
نشۂ حسن کو کرتا ہے دو بالا بالا

اس کی پلکوں کی جو لگتی ہے مرے دل میں نوک
آہ سینے میں کروں اپنے میں کس کس کی روک
لے دل اس شوخ کے تو بالے سے جوبن کو نہ ٹوک
ایک تو قہر ہے کانوں میں کرن پھول کی جھوک[1]
تس[2] پہ کافر ہے جگر چھیدنے والا بالا

بالے جھٹکا دے کے انداز بھلے کرتے کیا کیا
یہ جو ہر جھوک میں ہے اپنی جھلک دکھلاتا
جز خجل ہونے کے کچھ جی سے نہ بن آتا تھا
لے دل اس بالے کی ہرگز تو لگاوٹ پہ نہ جا
تجھ کو تیلاوے گا بالی پہ یہ بالا بالا

جب وہ بن ٹھن کے نکلتے ہیں بنا حسن کی شان
طرز چتون کی لگاوٹ میں دکھا سحر نشان
اس کی ہر آن پہ ہوتی ہے فدا میری جان
وہ بھی کیا آن کا ڈھب ہے کہ دکھاتا ہر آن
کان کے پاس سے سرکا کے دو شالا بالا

ہو گیا جب سے دل اس شوخ کے بالے میں اسیر
یاں تلک اس بالے نے کی ہو مرے جی میں تاثیر
کوئی بن آتی نہیں وصل کی اس کے تدبیر
اب تو رہ رہ کے مرا دل یہی کہتا ہے نظیر
اک نظر چل کے مجھے اس کا دکھا لا بالا

خمسۂ دیگر

(۲۸۶)

بہر دنیا کس قدر بے جام مے مستانہ تھا
شمع بزم عیش و عشرت کا بجاں پروانہ تھا
خوش معاشی کے لیے مشتاق بیتا بانہ تھا
یہ دل ناداں ہمارا بھی عجب دیوانہ تھا

[1] جھوک کر چبھنی۔ بھبک ۔ دھکا۔ بچھو لاء۔ [2] تس ۔ اب متروک الاستعمال ہے ۔ اشرف علی

اس کو اپنا گھر یہ سمجھا تھا جو مہمان خانہ تھا

رات دن تھا محو ربط و اختلاط دوستاں
کچھ وفا اور بیوفائی کا نہ رکھتا تھا گماں
اس کی نادانی و کم فہمی کروں کیا کیا بیاں
تھے جو بیگانے یگانے ان کو گنتا تھا بجاں

اس قدر غفلت میں عقل و ہوش سے بیگانہ تھا

تھے طلسم پر عجائب عالم ظاہر سمات
جس کا رخ آیا ادھر بازی ہوئی پھر اسکی مات
راستی پوچھو تو ہے سو بات کی یہ ایک بات
نے لیا معنی کو اور صورت کو جانا بے ثبات

غور سے دیکھا تو عالم میں وہی فرزانہ تھا

فی المثل پہونچے بہم یاں درہم و دینار و دام
یا سرور روز و شب یا انتعاش[۱] صبح و شام
یہ نہیں وہ مے جو ٹھہرے ایک ساغر میں مدام
کیا غم اس اسباب ظاہر کا نہ ہو جس کو قیام

چشم معنی بیں میں یکساں ہے اگر تھا یا نہ تھا

جائے عشرت کیا جہاں ہووے تبدل ہر زماں
یعنی جو ثروت تھی یاں سو آج پہونچی جا کے واں
فکر سے دیکھا تو کیا تنبیہ ہے اے دوستاں
کہتے ہیں عہد سلف میں تھا کوئی ایسا مکاں

قطعۂ خلد اس کا ایک اک کنج اور کاشانہ تھا

رفعت اس کے بام کی بام فلک سے تھی دوچار
منظر[۲] یں بھی حسن و خوبی میں تھیں یکسر آشکار
ہر مکاں اس کا مرصع اور مطلا[۳] استوار
پر صفا و پر ضیا و پر نگار و پر بہار

زیب ہے سو سو طرح اس میں جو شاخ اور شانہ تھا

ساکن اس کے عیش کے رکھتے تھے کیا کیا کچھ ورود
کر رہے تھے سو تماشے خوش دلی کے زود زود
بج رہے تھے جا بجا قانون[۴] و بین و چنگ و عود
لحظہ لحظہ عیش و عشرت دمبدم رقص و سرود

گریۂ مینا و پیہم خندۂ پیمانہ تھا

کچھ نہ رکھتے تھے بغیر عیش و طرب کے دل میں ذ
تھے مہیا سب طرح خاطر کے مقصود و مراد
سیر کرنے کو یہ ہنگام مسا یا بامداد
مالک اس کا جب وہ پشت بام پر پھرتا تھا شاد

۱؎ انتعاش کے معنے بلند ہونے اور اٹھنے کے ہیں۔ مگر اہل فارس عیش و نشاط کے معنی میں استعمال کرتے ہیں ۱۲
۲؎ منظر۔ اب مذکر بولتے ہیں ۱۲
۳؎ طلا لفظ فارسی ہے مطلا بقاعدہ اہل عرب فارسی دانوں کا تراشا ہوا لفظ ہے جیسے مجتب ۱۲
۴؎ قانون ایک باجے کا نام ہے ۱۲
محمد اشرف علی

کیا کہوں کیا کیا اے ناز سرافرازانہ تھا

عشرتیں کرتا تھا واں ہر دم وہ کس کس طور سے
یہ تبدل سوچیو اے دوستو ٹک غور سے
ہرگز اندیشہ نہ تھا کچھ آسماں کے جور سے
تھا جہاں یہ کچھ عیاں واں انقلاب دور سے
ایک حرفِ برہم زدن میں کچھ نہ تھا ویرانہ تھا

ہو جہاں یہ شکل واں باقی رہے کیا ہوش میں
اس طرح سے دل تحیر کے نہ ہو آغوش میں
سرد کی آجا دے نہ کیونکر پھر ہوس کے جوش میں
واں طنینِ[۱] یک مگس آئے نہ ہرگز گوش میں
جس جگہ شورِ قیامت سازِ نوبت خانہ تھا

کیوں نہ ہو مختل وہ خردکی عالمِ حیرت میں راہ
خطفۂ[۲] برق ان کو گئے یا شرر اب کہیے آہ
ایسے ایسے جب یہ تبدیلات آجا دیں نگاہ
واں نظر آیا نہ ہرگز پارۂ سنگِ سیاہ
جس جگہ لعل و گہر سے یہ جواہر خانہ تھا

جس گھڑی اسباب دنیا اس قدر ہوں بیوفا
بے بقائی اس کی جو جو کہیے وہ سب ہے بجا
پھر دلِ آگاہ کو کیا اعتماد اس کا بھلا
خوب جو دیکھا نظیرؔ ان رفتگاں کا ماجرا
بہرِ خوف و عبرتِ آیندگاں افسانہ تھا

(۴۸۷)

خمسۂ دیگر

کیا تو نے حال اُس سے مرے درد کا کہا
رنج فراق کچھ نہ کہا تو نے یا کہا
اور میرے انتظار کا کیا ماجرا کہا
قاصد صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا
حرفِ عتاب یا سخنِ دل کشا کہا

آتا ہے ہول اب تو مرے دل میں ہو بہو
صبر و قرار ہوتے ہیں خاطر سے ایک سو

[۱] طنین۔ مکھی کی بھنبھناہٹ کی آواز ۱۲ اشرف علی
[۲] خطفہ۔ بجلی کی چمک۔ بجلی کا گرنا ۱۲ اشرف علی

جس جس طرح کی باتیں ہوئیں تیرے روبرو   تجھ کو قسم ہے کیجو نہ پوشیدہ مجھ سے تو
کیجو وہی جو اُس نے تجھے برملا کہا

میں تو کمال ہجر میں ہوں اُس کے بیقرار   دن رات اُس کے آنے کا رکھتا ہوں انتظار
جلدی سنا یہ مجھ کو جو ہوا تجھ پہ آشکار   قاصد نے جب تو سن کے کہا کیا کہوں میں یار
پہلے مجھی کو اُس نے بہت ناسزا کہا

بھیگا ہوا مرا عرقِ شرم بیچ نم   سنتا رہا میں اُس نے کہا جو جو بیش و کم
غصے کی باتیں کہہ چکا جب مجھ سے وہ صنم   پھر تجھ کو سو عتاب سے جھنجھلا کے دمبدم
کیا کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کیا بُرا کہا

سرنامہ خط کا دیکھتے ہی کھا کے پیچ و تاب   نامے کو دور پھینک دیا ہو کے پر عتاب
اور یہ کہا کہ جائے یہی خط کا تھا جواب   اس کا مزا چکھاؤں گا جا کر اسے شتاب
رہ رہ اسی سخن کے تئیں بارہا کہا

میرے جو ہوش سنتے ہی اس بات کے اُڑے   گھبرا کے جلد میں نے قدم راہ میں رکھے
آیا ہوں پر شتاب خبر کرنے کو تجھے   میری تو کچھ خطا نہیں تو ہی سمجھ اسے
بیجا کہا یہ اُس نے تجھے یا بجا کہا

تجھ پر تو اُس نگار کی خو بو تھی سب عیاں   کیوں نامہ لکھ کے تو نے کیا درد دل بیاں
اب آن کر کرے گا وہ کیا کیا خرابیاں   کہتا تھا میں تجھے کہ نہ بھیج اُس کو خط میاں
لیکن نظیر تو نے نہ مانا مرا کہا

(۴۸۸)

دیگر

خدا جہاں بجز اُس صنم کو کبھی مدار المہام کرتا   تو اک نظارے میں وہ ستمگر کام سب کا تمام کرتا

نہ کوئی جیتا نہ کوئی رہتا جو اپنی ضد کا وہ کام کرتا بتوں کی مجلس میں غضب کو سرو جو اور شک بھی قیام کرتا

کنشت ویران صنم کو بندہ برہمنوں کو غلام کرتا

فلک نے اپنی تمام خلقت میں مجھ کو تجھ کو کیا نرالا نہ مجھ سا عاشق نہ تجھ سا معشوق میں نے عالم کو دیکھ ڈالا
غریب حیران اسیر گریاں نہ جی میں طاقت نہ دل میں نالا خراب خستہ سمجھ کے تو نے پیارے مجھ کو عبث نکالا

جو رہنے دیتا تو گل خوں میں قسم ہے تیری میں نام کرتا

جہاں کی وسعت میں صور پھنکتا اندھیرا ہوتا تمام دوراں درخت اکھڑتے ستارے گرتے لرزتی زمین فرشتے ترساں
زمیں الٹتی سپہر گرتا پہاڑ اڑتے روئی سے یکساں کروڑوں دل جو میرے پڑے ہیں نکلتے خونیں کفن سے نالاں

قیامت ہو جاتی جو وہ قامت گلی میں اپنی خرام کرتا

یکایک آکر بہ مضطرابی ملا جو مجھ سے وہ ماہ پیکر کہا کہ خوب ہی لگا ہے جگر کہا رقیبوں سے میں نے جا کر
ہوا اب وہ دشمن ہماں کا خونی کہا یہی کرے ستم گر نہ اتنے قصے نہ جنگ ہوتے پیارے تجھ سے ملاپ اوپر

رقیب آپ ہی سے زہر کھاتے جو وصل کا تو پیام کرتا

ذرا بھوؤں کی شرارتوں سے گل جو چڑھتے مژہ کے خنجر تڑپتے لاکھوں بہ رنگ بسمل خوشی سے ہو کر شہید اکبر
نہ باغ بچتا نہ باغباں سب یہ حال ہوتا بگڑ برہم آکر وہ سرو قامت جو مسکرا کر چمن میں جاتا جو مسکرا کر

تڑپتی بلبل سسکتی قمری گلوں پہ ہنسنا حرام کرتا

ہماری جانب سے منہ چھپا کر جو بیٹھا مجلس میں آن کر تو حواس مدہوش و قرار اپنے تو وہیں اڑ گئے ہوا پہ ہر سو
رہا تھا جی باقی ایک نالہ سو وہ بھی اٹکا تھا آ کے جوں مو بھلا ہوا جو نقاب تو نے اٹھایا چہرے سے اے پری رو

وگرنہ سینے سے دل تڑپ کر نگہ میں آ کر مقام کرتا

کیا ہے کاکل کی فوج نے تو ہمارے دل پر ادھر کو شبخوں ادھر سے چہرے کی ہے چڑھائی عجب میں لیلی و نہار میں یوں
غلط نہ جانو اب اس کو یارو قسم ہے تم سے میں راست کہہ دوں جو زلفیں مکھڑے پہ کھولتا یہ صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں

نہ دن دکھاتا نہ شب بناتا نہ صبح لاتا نہ شام کرتا

عجب مزہ تھا جو میکدے میں ہم اور تھے بادہ پرست بیخود رفیقوں اور پینے سے بزم صنم کے چلتے تھے دست بیخود

ہر اک پڑا تھا سرہانے خم کے کرے تھا ہر اک حبیب بجود
وہ بزم اپنی تھی مخموری کی فرشتے ہو جاتے مست بجود
جو شیخ جی ان سے بچ کے آتے تو پھر میں ان کو سلام کرتا

ہمارے حق میں جو تیرے لگے ہر ایک نغمے سے چھن رہا ہے
ترا سبب ہے جو یہ سے ہوا گر چہ سن کر کے سن رہا ہے
نشے سے جیسے فلک بھی ظالم سرا بنا حسرتکا دھن رہا ہے
نظر تیری اشارتوں سے یہ باتیں غیروں کی سن رہا ہے
دگر نہ کس میں تھی تاب و طاقت جو تجھ سے آکر کلام کرتا

(۹۰۹)

خمسہ

تمر خجل ہوا خون کی جھلک نہ دیکھ سکا
گہر بھی لب کے سخن کی ڈھلک نہ دیکھ سکا
سنہرے رنگ کی کندن ڈلک نہ دیکھ سکا
ترے جمال کی سورج جھلک نہ دیکھ سکا
کھلی نقاب رہی جب تلک نہ دیکھ سکا

ترے الم میں نہ ہو دخل سو کدورت کو
ملاپ تجھ سے کہاں آب و گل کی مورت کو
نہ ہمسری ہو کبھی صاف سے کدورت کو
تو وہ ہے نور سراپا کہ تیری صورت کو
بشر تو کیا ہے مری جاں ملک نہ دیکھ سکا

غم فراق میں جینے سے ہم جو اکتائے
تو واں کبھی ذرے ہمارے ہوا نے اڑائے
نہ ان یار کے کوچے میں جا کے کام آئے
گلی کی خاک بھی ہو کر نہ ٹھہرنے پائے
ہمیں تو آہ فلک یاں تلک نہ دیکھ سکا

ہوا ہوں سوکھ کے کانٹا میں ہجر میں رو رو
کمال ضعف کا اپنے کہوں میں کیا یارو
نہ بال اور نہ کمر اب مرے مقابل ہو
یہ ناتواں ہوں کہ آیا جو یار ملنے کو
تو صورت اس کی اٹھا بھی پلک نہ دیکھ سکا

ہوا ہے آہ مجھے جب سے شوخ سے پالا
لگا لگا کے نگاہوں کا تیر اور بھالا
نہ جی کو چین ہوا اور نہ دل نے سکھ پایا
گھڑی تو دل کو پرو یا گھڑی جگر چھیدا
کبھی خوشی مجھے وہ اک پلک نہ دیکھ سکا

ابھی تو آہ خموں میں شراب ہے باقی
ہماری بار کو ظالم بعین مشتاقی
سبھوں کے عیش کی باں ہو رہی ہے بیباقی
لگا گھٹانے جواب ے کو دم بدم ساقی
ہمارے جام کی شاید چھلک نہ دیکھ سکا

کبھی ادھر کو نہ قاصد ترا گذر ہووے
تو آہ بھر کے یہ کہیو تو اس پری رو سے
دیا کر راہ میں جاتے کہیں نہ مجھ سے لے
نظر تمہارے نہ ہوتا کبھی جدا پیارے
پر کیا کرے کہ وہ کافر فلک نہ دیکھ سکا

(۲۹۰)

خمسہ دیگر

تمہارا منھ کو دیکھ جگر گل کا پھٹ گیا
قاصد تو بات کہتے ہی بس گھر کو سٹ گیا
قد کی بھی شان دیکھ کے ہر سرو کٹ گیا
جب میں سنا کہ یار کا دل مجھ سے ہٹ گیا
سنتے ہی اس کے میرا کلیجہ الٹ گیا

لائے ہو کیوں طبیب کو تم میرے پاس آج
پوچھو نہ مجھ سے ہر گھڑی تم صحت مزاج
یارو کہیں بھی عشق کی دارو کا ہے رواج
میں عشق کا جلا ہوں مرا کچھ نہیں علاج
وہ پیڑ کیا ہرا ہو جو جڑ سے اکھٹ گیا

اس عاشقی کے ہاتھ سے مرنے کے ہوں قریب
مت پوچھ حال دل کا مرے آگے ای طبیب
قسمت میں عاشقوں کی سدا دکھ پڑا نصیب
فرہاد تھا تو شیریں کے غم میں موا غریب

؎ سٹ گیا شاید سٹک گیا کی جگہ استعمال کیا ہے ۱۲ اشرف علی

لیلیٰ کے غم میں آن کے مجنوں بھی لٹ گیا

مجھ کو تو یار و حسن پرستی کا ہے مزا
میں تو اُسی کو دوست سمجھتا ہوں واہ وا
خوباں کا دیکھتا ہی مرے طلکی پڑ فدا
اتنا کوئی کہے کہ دوانے چڑا ے گیا
جا دیکھ ابھی اُدھر کوئی پریوں کا غٹ گیا

اُس شوخ کی نگہ میں دغا آن میں فسوں
قزاقی اُس کے حسن کی کیا کیا بیاں کروں
کب تک میں اُس کے ہاتھ سے بچتا ہوا پھروں
چھینا تھا دل کو چشم نے نکلیں میں کیا کروں
ادھر ہی اوپر اُس صف مژگاں میں پٹ گیا

وہ شوخ تو کرے ہے دغا آنکھوں آنکھوں میں
جادوگری ہے کرتا ہوا آنکھوں آنکھوں میں
لیتا ہے دل نگہ سے چرا آنکھوں آنکھوں میں
کیا کھیلتا ہے نٹ کی کلا آنکھوں آنکھوں میں
دل صاف لے لیا ہے جو پوچھا تو نٹ گیا

انگیا کے حسن کی جو نظر آ گئی بھڑک
سورج کی اب چمک کہوں بجلی کی یا چمک
اک آگ دل کے بیچ گئی اُس گھڑی بھڑک
آنکھوں میں میری صبح قیامت گئی جھمک
سینے سے اُس پری کے جو پردہ اُلٹ گیا

اک دن کہیں وہ سیر کو نکلی تھی مہ جبیں
پر کیا ہوا ہے مجھ سے جو تو بولتی نہیں
کی عرض اُس سے میں نے کہ اے میری دلنشیں
سن کر لگی یہ کہنے وہ عیار نازنیں
کیا بولیں چل ہمارا تو دل تجھ سے پھٹ گیا

مجھ کو تو اُس کے روٹھنے کا کچھ نہ تھا دھیان
ہاتھوں کو جوڑ چشم سے آنسو کو کر رواں
یہ بات سُن میں رہ گیا حسرت سے نیم جان
جب میں نے اُس صنم سے کہا کیا سبب ہے جان
اخلاص ہم سے کم ہوا اور پیار گھٹ گیا

ایسا تو اب غضب نہ کرو یار دلربا
میں جانتا نہیں ہوں تمہیں مجھ کو دو بتا
کس بات سے ہوا ہے مزاج آپ کا خفا
ایسی وہ بھاری مجھ سے ہوئی کون سی خطا

جس سے یہ دل اُداس ہوا جی اُچٹ گیا

میں تو تمھارے پیار سے جیتا ہوں ناتواں — دیکھے سے تم کو جان میں آئی ہے میری جاں
اُس دم جو تم خفا ہو تو میں کیا کروں بیاں — آنکھیں تمھاری کیا پھریں اس وقت میری جاں
سچ پوچھیے تو مجھ سے زمانہ اُلٹ گیا

تم پر تو میں نثار سدا صبح و شام ہوں — تم آبِ زندگی ہو تو میں تشنہ کام ہوں
ہر دم تمھاری جاہ کا دل سے غلام ہوں — عشاق جاں نثار دل میں میں تو امام ہوں
یہ کہہ کے میں تو اُس کے گلے سے لپٹ گیا

یہ جو جھیلا اُس سے ہوا آکے یک بیک — بالا سا وہ جگر وہیں اُس کا گیا دھڑک
جوں جوں میں لپٹا اُس سے وہ بولا کہ چل سرک — کتنا ہی اُس نے تن کو چھڑایا پھڑک پھڑک
پر میں بھی قینچی باندھ کے ایسا چمٹ گیا

کشتی سی پھر تو ہونے لگی آکے یک دگر — بازو چھڑائے اُس نے تو جا پکڑی میں کمر
وہ کھینچے مجھ کو میں اُسے کھینچوں تھا سر بسر — یہ کشمکش ہوئی کہ گریباں میرا ادھر
ٹکڑے ہوا اور اُس کا دوپٹہ بھی پھٹ گیا

اُس نے بھی میری ضد سے گریباں لیا تھا چیر — میں نے بھی اُس کی کرتی کی پھاڑی کئی دھجیر[نه]
پھر تو وہ ہنس کے میرے گلے لگ گئی شریر — آخر اُسی بہانے ملا یار سے نظیرؔ
کپڑے بلا سے پھٹ گئے سودا تو پٹ گیا

(۳۹۱)

خمسہ دیگر

تھا وصل کا جس طور نشہ دل میں دوبالا — ویسا ہی فلک نے یہ خلل ہجر کا ڈالا

[نه] دہجیر یعنی دھجی عام طور سے یہ لفظ مستعمل نہیں۔ صرف نظیر کی ایجاد و اختراع ہے۔ اشرف علی لکھنوی

کیونکر نہ بہے چشم سے اب اشک کا نالا
پھر ہو کے خفا روٹھ گیا ہم سے وہ لالا
اے داغ مبارک ہو تجھے منصب والا

قصّے کو میرے سامنے ہرگز نہ بجھانو
اثبات جو کرتا ہے تو اس بات کو چھانو
یہ جھوٹ نہیں تم اسے مانو کہ نہ مانو
شیریں کے در او پہ جو ہے شیر نہ جانو
فرہاد کے لوہو کا جھلکتا ہے یہ نالا

بھر عمر کبھی ہم سے ہوا اکٹھا نہ جدا او د
کل اس کے تئیں لے گیا اک شوخ جفاجو
جیتا ہے خدا جانے او یا مر گیا رو رو
کیا جانے وہ کس حال میں ہووے گا عزیزو
دل آج مرا اسلمہ اللہ تعالےٰ

ہے گرچہ لڑکپن میں ابھی شوخ وہ مشہور سا
پر دم میں کسی کے نہیں آتا ہے یہ مقدور
کیا کیا میں کروں اس کی اب عیاری کا مذکور سا
بوسے کی طلب کی تو کہا ناز سے چل دور
اوروں کو کہا سے کو وہیں ہنس کے کہا ، لا

دل سب سے اٹھا ، جان تجھے میں نے جو چاہا
جو ظلم و ستم تو نے کیا سب وہ اٹھایا
اب نزع میں ہوں تیرے تغافل سے ابا ہا
رگ رگ میں تیرے ہجر میں اے رشک مسیحا
مرتا ہوں کوئی اب مرے جینے کی دوا لا

اس شوخ کو یار و یہ کوئی جا کے سناؤ
یعنی مجھے اس ہجر کے زنداں سے چھڑاؤ
کچھ باقی نہیں مجھ سے تم اب ہاتھ اٹھاؤ
مجھ ضعف کے مارے کو نہ زنجیر پنہاؤ
کافی ہے مری قید کو اک مکڑی کا جالا

کل ہو جو گیا اس صف مژگاں کے مقابل
بسمل سا تڑپتا تھا سر شام سے گھائل
چپ ہونے سے اب مجھ کو یقیں ہو گیا حاصل
شاید کہ سوارات کو بینے مین مرا دل
نہ آہ ، نہ زاری ، نہ دم سرد ، نہ نالا

نہ زور ہے مرے پاس جا اس شوخ کو دیکھوں
نہ زور کہ دھمکا کے اُسے پاس بلاؤں

کچھ بن نہیں آتا ہے، کسے جا کے سناؤں | اگر بس ہو امرا تو میں کسی چور سے کہہ دوں
جا آج پلنگ اُس کے تو سونے کا اُٹھا لا

دنیا میں جو کرتا ہے کسی کی کوئی اب چاہ | سب ناز اُٹھاتا ہے وہ اُس شوخ کے دلخواہ
خوبوں کے مزاجوں سے ابھی تو نہیں آگاہ | وہ آپ سے روٹھا نہیں منّے کا نظیر آہ
کیا دیکھے ہے چل پاؤں پڑ اور اُس کو منا لا

(۴۹۲)

دیگر

تھا ہجر میں جیسا دل ویران تہ و بالا | ویسا ہی بسا وصل کا ہوتے ہی اُجالا
ہو چاہ کا تب پھر نہ بھلا کیونکر دو بالا | پھر اُن کے منّت سے ملا ہم سے وہ لالا
المنّۃ للّٰہ تقدّس و تعالےٰ

کچھ غم نہیں گر تو نے لہو میرا بہایا | بسمل کی طرح خاک میں اور خوں میں لٹایا
ارمان جو کچھ دل کا مرے تھا سو بر آیا | گر قتل مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا
ظالم تجھے جیتا رکھے اللہ تعالےٰ

اس عالم لیلیٰ کی ہوئی جب سے مجھے چاہ | تن سوکھ کے کانٹا ہوا اور شکل پر کاہ
اس حال کو پہونچا ہوں غم و درد سے واللہ | دیکھ اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی 'واہ'
پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا

آنکھوں میں دم آیا ہے مرا نزع سے اب تو | دنیا سے گزرتا ہوں میں حسرت زدہ رد رد
اُکھڑا ہے دم اور نکلے ہے جی اب کوئی دم کو | مر مر کے مجھے کہتا تھا 'سو مرتا ہوں میں' یار دو'
اب لاؤ کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا

غنچوں کی طرح مل کے لہو اپنے دہن سے
زخموں کے نشاں سب وہ نمایاں ہیں بدن سے
حسرت زدہ گھبرا کے ہر اک اپنے کفن سے
بن تختۂ گل آخرش اس خاک چمن سے
نکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالا

مرتا ہوں تڑپتا ہوں پڑا ہجر میں اُس بن
دن عمر کے بھرتا ہوں شب و روز ہیں گن گن
مل جاوے کہیں تجھ سے وہ کافر جو کسی دن
قاصد تو مرا نام تو لیجو نہ، و لیکن
کہنا کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا

اب فصل بہار آئی ہے جو دھوموں سے زمن میں
فرقت کے غم و درد سے طاقت نہیں تن میں
اور غُل میں پڑے بلبل و گل سرو و سمن میں
کیا خاک اُڑانے کو چلیں، آہ، چمن میں
نہ یار نہ ساقی نہ صراحی، نہ پیالا

مدت میں کہیں ایک تو آنا ہوا اُس کا
اور آتے ہی قسمت نے مری اُسکو رُٹھایا
رہ رہ کے مجھے اب تو یہی حیف ہے آتا
جیسا کہ وہ پھر مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا
اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا

یہ نور جو برسے ہے پڑا کوچہ و در سے
یارو یہ تجلّی تو نہ ہو شمس و قمر سے
دل دھڑکے ہے، دیکھا نہیں جاتا ہے نظر سے
شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے
ہے یہ تو اُسی چاند سی صورت کا اُجالا

اُس شوخ کی صورت کو ترس رہتی ہیں آنکھیں
دریا کی طرح رات وؔ[سلہ] دن بہتی ہیں آنکھیں
فرقت کا جو از بسکہ ستم سہتی ہیں آنکھیں
لے لے کے بلائیں مجھے یوں کہتی ہیں آنکھیں
صدقے ترے پھر ایک نظر اُس کو دکھا لا

ہے اُس کے تو چہرے پہ عجب رنگ جھلکتا
پر رنگ وہ ایسا ہے کہ سمجھا نہیں جاتا
نہ سبز نہ سرخ اور نہ سفید اور نہ سنہرا
دل جانے ہے اُس رنگ کو جو رنگ ہے اُسکا
یوں کچھ ہی کہو، وہ تو نہ گورا ہے نہ کالا

سلہ رات ودن کی جگہ رات و دن ۔ قدما لکھتے تھے، اب فصحا خلاف فصاحت سمجھتے ہیں ۱۲ محمد اشرف علی مہتمم دار الارقام لکھنؤ

ہجر نے مرے ہوش کو افلاک سے کھویا
نہ ابر نہ شبنم نے ٹک آنکھوں کو بھگویا
ٹلووں کے تئیں خار بیاباں نے پرویا
صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا
گر پھوٹ کے رویا تو مرے پاؤں کا چھالا

کل ہم نے جو کی بادہ کشی صبح سے تا شام
اس ضد کا بھلا کیوں نہ اُسے دیجیے الزام
اور پی کے چلے ساتھ ستمگر کے کئی جام
اوروں کو تو گرنے بھی نہ پائے جو لیا تھام
ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

کیا کیا نہ ستم تو نے سہے عشق میں جاں کاہ
اب جینے کا تیرے کوئی چارہ نہیں واللہ
آنکھوں میں دم آیا تراتن غم سے ہوا کاہ
ہم تجھ سے اسی روز کو روتے تھے نظیر آہ
کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا؟

(۲۹۳)

خمسہ ہفت زبان

ہمیشہ چاہت کی دھن ہے جس کو دل اُس کا ہے مہر خوں کا ہالا
لگائے رکھتا ہے اُس کی چینک جو حسن اُس نے ہے دیکھا بھالا
دیا دل اپنا اسی کو ہنس کر جہاں پہ پیر و نے یوں کہا، لا
سحر جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا
جھلک وہ مکھڑے میں اُس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہو اُجالا
ہوا نہایت ہی جی میں خوش دل نظر پڑا وہ صنم جو مجھکو
صفت کی اُس کے جمال کی واں کھڑے کھڑے میں تے دل ہی خوش ہو
جو دیکھی میں نے وہ اُس کی خوبی مری زباں سے بیاں وہ کب ہو

وہ زلفیں اُس کی سیاہ پُر خم کہ اُن کے بل اور شکن کو، بار دِ
نہ پہونچے سنبل، نہ پہونچے ریحاں، نہ پہونچے ناگن نہ پہونچے کالا
بہار دیکھی جو اُس صنم کی تو وصف اُس کا کہوں میں کیا کیا
پری بھی دیکھے تو شرمگیں ہو وہ حسن و خوبی بھرے سراپا
وہ چال چنچل وہ نظریں جادو، وہ پیاری صورت، وہ خوب نقشا
ادائیں بانکی عجب طرح کی، وہ ترچھی چتون بھی کچھ تماشا
بھویں وہ جیسی کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا
عجب روش کا وہ شوخ گل رو، کہوں میں کیا کیا کچھ اس کی خوبی
ہوا فدا میں دل اور جاں سے وہ طرز اس کی جو میں نے دیکھی
کچھ ایسا مہوش، کچھ ایسا دلبر، کہوں کہاں تک صفت میں اُس کی
وہ آنکھیں مست اور گلابی اُس کی کہ اُن کو دیکھے تو دیکھتے ہی
مے محبت کا اُس کی دل کو ہو کیا ہی گہرا نشہ دو بالا
وہ شوخ چنچل کچھ ایسے ڈھب کا کہ اُس کا مکھڑا جو کوئی دیکھے
پھرے دیوانہ سا ہر طرف وہ، اُسی کی چاہت میں ہوش کھووے
نگاوٹیں ہیں کئی طرح کی، فریب و فن بھی کئی نمط کے
لبوں پہ سرخی وہ پان کی کچھ کہ لعل بھی منفعل ہو جس سے
وہ آن ہنسنے کی بھی پھر ایسی کہ جس کا عالم ہی کچھ نرالا ہے
وہ طرفہ دلبر، وہ مہر منظر، وہ نسترن بر جو میں نے دیکھا
بجز اہا ہا کچھ اور ہرگز نہ حرف میری زباں سے نکلا
ہوا میں صورت کو دیکھتے ہی غلام اُس کی ہر اک ادا کا
وہ جامہ زیبی، وہ دل فریبی، وہ سج دھج اُس کی وہ قد زیبا

کہ دیکھ جس پر فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا
خوش اپنے دل میں ہوا بہت ہی میں اُس پریرو کے دیکھنے سے
نثار اُس پر ہوا میں کیا کیا جب اُس کے انداز و ناز دیکھے
جو خوبیاں میں نے اُس میں پائیں کہاں تک اُن کا بیاں ہو مجھ سے
نگہ لڑاتے ہی اُس نے جس دم جھپک لیا جھپ، تو دل کو میرے
ادا ادا نے ادھر دبوچا، پلک پلک نے ادھر اُچھالا
جب اُس پریرو کے ہاتھوں، آکر یہ شکل واں بے دل کی ٹھہری
رہا میں بے بس کہوں میں کس سے جو میرے اُس وقت جی پہ گذری
ہوئی اذیت جو مجھ پہ اُس دم وہ میں ہی جانوں، خبر کسے جی
جو لے لیا جی کو میرے، یارو، تو اُس نے لی راہ اپنے گھر کی
پڑا تڑپتا میں رہ گیا واں، زباں پہ آہ اور لبوں پہ نالا
جب اُس صنم کی ادا نے اُس جا دکھایا اپنا وہ سحر جادو
پھنسا میں زلفوں کے بل میں یارو رہی نہ عقل و خرد سر مو
ہوا میں بے کل برنگِ بسمل، جو ہوش تھا سب ہوا وہ یک سو
بہت یہ میں نے تو چاہا پوچھوں میں نام اُس کا و لے وہ گل رو
نہ مجھ سے بولا، نہ کی اشارت، نہ دی تسلی، نہ کچھ سنبھالا
غرض وہ عیار میرے دل کو جو لے گیا چھل کے واں سے اُس دم
صبا کے قاصد کو میں نے بھیجا کئی زبانیں سکھا کے پیہم
جو پہونچے واں تو یہ کہیو پہلے تو اس زباں سے بدیدۂ نم
پری رخ من، شکر لب من، دمے تو باز آ بہ پیش چشمم
بیاد سرو تو بے قرارم، نہال عشقت شدہ است بالا

گیا ہے جب سے تو منھ دکھا کر نہیں پڑا چین مجکو اب تک
کھلی ہیں آنکھیں برنگ نرگس، رہا ہوں تیری ہی راہ میں تک
جھمک دکھا جا ٹک اپنے رخ کی کسی طرح سے تو پھر یکا یک
فذاد و جھک عشق شرقا، دموع نہرا و من فرا تک
کثیر حزنا مع الہموم ثقیل ہجرا دکا لجبالا
ہوئی وہ تقصیر مجھ سے کیا اب تو جس کے باعث جدا ہوا ہے
مرا تو جان و دل، اے پری رو تجھی صنم پر فدا ہوا ہے
کسی طرح سے تو جلد آجا، نکلتی منھ سے یہی صدا ہے
تساڈے ملنے توں دل ہے بیکل ایہی وہ کلاں نت الکھدا ہے
سدا اے مینوں نہ سے اپنے گھر وچ نہیں تو اتھے اساڈے نال آ
تجھی میں رہتا ہے دھیان میرا نہ سکھ ہے دن میں نہ نیند رینا
ترا ہی لیتا ہوں نام ہر دم جپیں ہیں سمرن کو جیسے جپمال
کہیں سے آمل تو مجھ سے پیارے جو میرے دل کو ٹک آوے چینا
تہاری آسا لگی ہے نندن، تہارے درشن کو ترسیں نینا ں
دلاری سندر، انوٹھے ابرن، ہٹیلے موہن، انوکھے لالا
تری جدائی میں، اے ستمگر، یہ سختی مجھ پر ہے اب گذرتی
نہ گھر میں دل کو قرار آوے، نہ میرا باہر کہیں لگے جی
نہیں جو آیا تو اس طرف کو، یہ بات کیا تیرے دل میں ٹھہری؟
اپانے من کو جو چھینوں تھیں سی ابار کائیں لگائی اتنی
پھر ایتھیں آکر گھبر بو جھاں کی، پلک کنارا جو تہاں نے کھالا
وہ تیری صورت ہے جب سے دیکھی تو ہر دم آنکھیں رہے ہیں حیراں

جو کاکل آتی ہے یاد تیری تو دل ہے ہوتا بہت پریشاں
ارے سجیلے ارے چھبیلے ارے دھبیلے کبھی تو آ یاں
اگن برت ہے ہیا میں مورے برہ میں تورے ایمن بھوانواں
تورے جو نیواں لے موہا نہنکو نہ چینوں تنکو بھوا دکھا لا
گیا ہے جب سے تو دل کو لے کر نہیں ہے مجکو قرار یک جا
امید ملنے کی تیرے رکھ کر ادھر اُدھر ہوں میں جاتا آتا
ہوا ہے میرا یہ حال اب تو تری جدائی میں، اے دل آرا
جگت سبھا امت بر بیچھ اٹک کبھو امن کرن کھا
دوانے کینی تمن سریجن نہ سدھ کی گڑ برہو نہ بدھ کی جھالا
جو دل پہ گزرے ہے میرے تجھ بن، بیاں نہیں ہے کچھ اُسکا آساں
یہی تمنا ہے جی میں رہتی کہ تو بھی آوے کوئی گھڑی یاں
جو تجھ کو دیکھے تو ہو تسلی جو تجھ سے بولے تو دل ہو خوش ہاں
کبھی تو ہنس کر شتاب آجا نظیر کی بھی طرف ٹک، اے جاں
بنا کے بیج دھج پھرا کے دامن، لگا کے ٹھوکر، ہلا کے بالا

(۴۹۴)

خمسہ

چہرہ ہے ترا نور کی تنویر کا نقشا
یاں تک ہے ترے حُسن جہانگیر کا نقشا
اور مصرع قد حشر کی تفسیر کا نقشا
مانی نے جو دیکھا تری تصویر کا نقشا
سب بھول گیا اپنی وہ تحریر کا نقشا

ترچھی ہے تیر نظر نگہ نوک سناں ہے
آفت کی ہے تلوار قیامت کی کماں ہے
جس تیر کا مارا ہوا ہر پیر و جواں ہے
اُس ابرو خمدار کی صورت سے عیاں ہے
خنجر کی شباہت، دمِ شمشیر کا نقشا

پلکوں میں تری ہے جو درازی و سیاہی
عشاق کے لشکر میں پڑے کیوں نہ تباہی
ہر نوک پڑی دیتی ہے نشتر کی گواہی
مژگاں کو تری دیکھ یہ کہتے ہیں سپاہی
تصویر یہ بھالے کی ہے اور تیر کا نقشا

شانہ ہو جگر چاک یہ کہتا ہے سیانو
اُس قید سے ڈرتے رہو سنتے ہو دوانو
میں محرمِ اسرار ہوں کہنا مرا مانو
ہے زلفِ سیہ عارضِ قاتل پہ نہ جانو
تقدیر نے کھینچا ہے یہ زنجیر کا نقشا

اُس قاتل بیداد کی جس دن سے ہوئی چاہ
اس ظلم کی فریاد کروں کس سے میں اللہ
کچھ جرم و خطا مجھ سے نہ ہرگز ہوا واللہ
کیا پردے ہی پردے میں مجھے قتل کیا آہ
ہرگز نہ کھلا کچھ مری تقدیر کا نقشا

آگے تو مرے پاس وہ آتا تھا دل افروز
اس درد سے رونا مجھے آتا ہے شب و روز
اب دل میں لگاتا ہے مرے تیر جگر دوز
کیا گردشِ ایام ہے لے آہ جگر سوز
اُلٹا نظر آیا تری تاثیر کا نقشا

نکلا تھا رقیبوں کو لیے ساتھ وہ گمراہ
بس اتنی ہی تقصیر یہ کہتا ہے وہ خونخواہ
اتنا ہی کہا میں نے کہ صد آفریں اے واہ
یا گھر سے نکالوں تجھے، یا قتل کروں، آہ!
ٹھہرا ہے یہ کچھ اب مری تقدیر کا نقشا

کھیتی ہے محبت کی سو بووے ہے ہمیشہ
کھاوے وہی، بووے وہی، سووے ہے ہمیشہ
اور اشک کے قطروں سے پرووے ہے ہمیشہ
دن رات ترے کوچے میں رووے ہے ہمیشہ
عاشق کے یہ ہے منصب و جاگیر کا نقشا

ہے نقش مرے دل میں ترے حسن کا ہر آن
زنہار نہ بھولوں گا تجھے میں، ارے نادان
مر کر بھی مرے دل سے نہ جا دے گا ترا دھیان
میں تو صفِ محشر میں بھی لوں گا تجھے پہچان
رانجھا کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا نقشا

کیا قول کیا پورا کہ اُس کوہ پہ جا کر
ناچار جب آ سر پہ ہوا وقت برابر
دن رات تراشا کیا دلبر کی دنا پر
فرہاد نے تیشے سے لہو اپنا بہا کر
شیریں کو دکھایا وہ جوئے شیر کا نقشا

لیلیٰ کے کھلے بال جو دیکھے سے نمودار
کیا چاہ کا اُس کی میں کہوں آہ اب اسرار
بھر عمر رہا پھر اُسی پھندے میں گرفتار
پر تربتِ مجنوں پہ نہیں گھانس اُگی، یار
لیلیٰ کی یہ ہے زلفِ گرہ گیر کا نقشا

دن رات مرے قتل کو پھرتا ہے وہ گمراہ
کیا فکر کروں کس سے کہوں یہ غمِ جاں کاہ؟!
اب جی مرا کس طور بچے اے مرے اللہ
تدبیر تو کچھ بن نہیں آتی ہے نظیر آہ
اب دیکھیے کیا ہوتا ہے تقدیر کا نقشا

(۲۹۵)

خمسہ بر غزل خود

خوشی سے دل کی منگا عطر و پان کوٹھے پر
ہمارے ملنے کا رکھو دل میں دھیان کوٹھے پر
بچھا کے فرش لگا سائبان کوٹھے پر
کبھی تو آؤ ہمارے بھی جان کوٹھے پر
لیا ہے ہم نے اکیلا مکان کوٹھے پر

ادا کی تیغ بھوؤں کی کمان کوٹھے پر
بنا کے ناز و کرشمے کی شان کوٹھے پر
مژہ کا تیر نگہ کی سنان کوٹھے پر
کھڑے جو ہوتے ہو تم آن آن کوٹھے پر

کروگے حسن کی کیا تم دکان کوٹھے پر

تمہاری یاد میں اکرا کیا جگر میں نے — تمہارے ہجر میں چھانا ہے دربدر میں نے
کھڑا ہو دور سے ٹھہرا کے ٹک نظر میں نے — تمہیں جو شام کو دیکھا تھا بام پر میں نے
تمام رات رہا میرا دھیان کوٹھے پر

اگرچہ ہم کو ستاتے ہو تم بہت سا جی — جھڑک جھڑک کے اٹھاتے ہو اور سے گو کہ
تمہاری مجھ سے تو الفت نہ چھوٹے جیتے جی — یقیں ہے بلکہ مری جان جب کہ نکلے گی
تو آرہے گی تمہارے ہی جان کوٹھے پہ

تمہیں خبر نہیں پیارے ابھی ہو تم لڑکے — گلاب و عطر ملا ہے جو تم نے کپڑوں سے
یہ وقت شام ہے اور دونوں وقت ہیں ملتے — مجھے یہ ڈر ہے کسی کی نظر نہ لگ جاوے
بکھیر دو نہ تم کھلے بالوں سے جان کوٹھے پر

ادھر سے زلف بھی آکر ہوا سے لہراوے — ادھر سے پان مسی بھی جو رنگ دکھلاوے
ادھر سے چاند سا مکھڑا جھلک جو جھمکاوے — بشر تو کیا ہے فرشتے کا جی نکل جاوے
تمہارے حسن کی دیکھ آن بان کوٹھے پر

جہاں دلوں کی محبت کا کارخانہ ہے — وہاں تو لاکھ طرح دیکھنا دکھانا ہے
یہ بام بار کے آنے سے ہم نے جانا ہے — جھمک دکھا کے ہمیں اور بھی پھنسانا ہے
جبھی تو چڑھتے ہو تم جان جان کوٹھے پر

میاں یہ ہے سر بازار کچھ تو خوف کرو — گلابی پیتے ہوئے گر تو ٹک کنارے ہو
نشے میں پیارے نفس کے مجھ سے مت الجھو — تمہیں تو کیا ہے ولیکن مری خرابی ہو
کسی کا آن پڑے اب جو دھیان کوٹھے پر

پڑی ہیں اس پہ چھینٹیں کئی جو شنگرفی — نہیں تمہارے سر بام رنگ کی سرخی
ہزاروں دیکھی ہیں ہم نے منڈیریں چونے کی — کہ چونے کاری میں ہوتی ہے سرخی کب ایسی

کسی کے خون کا یہ ہے نشان کوٹھے پر

تمہارے ہجر نے اے جاں ہمیں کیا ہے گرد
بہا کے آنکھوں سے آنسو جگر سے بھر دم سرد
حواس باختہ غمناک چشم اور منھ زرد
یہ آرزو ہے کسی دن تو اپنے دل کا درد
کریں ہم آن کے تم سے بیان کوٹھے پر

ہوے ہیں ہم تو تمہاری محبتوں میں تباہ
سنو جی خوب سمجھتے ہیں ہم تمہاری چاہ
وے تمہاری وہی ہے دغا و مکر کی راہ
لڑاؤ غیر سے آنکھیں کہو ہو ہم سے آہ!
کر تھا ہمیں تو تمہارا ہی دھیان کوٹھے پر

یہ دم کی بات جو کہنا ہو اب تو اُس سے کہو
ہمیں تو دُھرتے[1] ہے معلوم آپ کی خو بو
نہ جانتا ہو تمہاری جو کوئی باتوں کو یہ
خدا کے واسطے اتنا تو جھوٹ مت بولو
کہیں نہ ٹوٹ پڑے آسمان کوٹھے پر

یہ سن کے باتیں مری ہنس پڑا وہ مہر منیر
پھر اپنے ناز و ادا میں سمجھ کے مجھ کو اسیر
لگا یہ کہنے کہ تو بھی کوئی بڑا ہے شریر
کمند زلف کی لٹکا کے اُس صنم نے نظیر
چڑھا لیا مجھے اپنے نِدان[2] کوٹھے پر

(۴۹۶)

خمسہ

چہرے پہ سیہ ناگن چھوٹی ہے جو لہرا کر
جس کاکل مشکیں میں پھنستے ہیں ملک آ کر
کس پیچ سے آئی ہو رخسار پہ بل کھا کر
اُس زلف کے پھندوں نے رکھا ہے مجھے الجھا کر
دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

جس دن سے ہوا آ کر اُس زلف کا زندانی
لیک ہو گئی پہ میری خاطر کی پریشانی

[1] دُھرے یعنی مُشر دیتا ہے ۱۲
[2] نِدان — آخر کار ۱۲ — اشرف علی لکھنوی

بھر عمر نہ جاوے گی اب جی سے پشیمانی — افسوس کہوں کس سے میں اپنی یہ نادانی

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

جس وقت لکھی ہووے قسمت میں گرفتاری — کچھ کام نہیں آتی پھر عقل کی ہشیاری
یہ قید مرے اوپر ایسی ہی پڑی بھاری — رونا مجھے آتا ہے اس بات پہ ہر باری

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

اس زلف کے ہر مو نے لاکھوں کے تئیں مارا — اللہ کی خواہش سے بندے کا نہیں چارا
کچھ بن نہیں آتا ہے طاقت ہے نہ کچھ یارا — اب کاہے کو ہوتا ہے اس قید سے چھٹکارا

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

اس زلف تنک مجھ کو کاہے کو رسائی تھی — قسمت نے مری خاطر زنجیر بنائی تھی
تقدیر مرے آگے جس دم اسے لائی تھی — شاید کہ اجل میری بن کر وہی آئی تھی

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

گر چاہ زنخداں میں یہ ڈوب کے مکھ پاتا — یوسف کی طرح اک دن آخر یہ نکل آتا
اس زلف کے زنداں سے کچھ پیش نہیں جاتا — آخر یہی کہہ کہہ کر حیرت میں گھبراتا

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

اس کر تو مرے دل کے ڈسنے کی شتابی ہے — اور تس پہ کہ وہ ناگن ہے دست خرابی ہے
اس غم سے لہو رو کر ہر چشم گلابی ہے — کیا طرفہ مصیبت ہے کیا سخت خرابی ہے

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

ہر چند مرے تن کا اس قید میں گلتا ہے — سر پاؤں سے جکڑا ہوں کچھ بس نہیں چلتا ہے
جی سینے میں تڑپے ہے اور اشک نکل ڈھلتا ہے — ہر وقت یہی مصرع اب منہ سے نکلتا ہے

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

اس قید کی سختی میں سنبھلا ہوں نہ سنبھلوں گا — اس کالی بلا سے میں جز رنج کے کیا لوں گا

اس موذی کے چنگل سے چھوٹا ہوں نہ چھوٹوں گا
آخر کو یہی کہہ کہہ اک روز میں جی دوں گا

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

یہ قید فرنگ ایسی دنیا میں بڑی شے ہے
چھوٹا نہ اسیر اس کا اس قید کی وہ رے ہے
اب چشم کا ساعر ہے اور خونِ جگر مے ہے
کچھ بن نہیں اتنا ہے کیا فکر کروں اے ہے

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

کہنے کو مرے یارو مت دل سے بھلا دیجو
زنجیر کوئی لاکر پاؤں میں پنھا دیجو
مرجاؤں تو پھر میرا آثار[1] بنا دیجو
مرقد پہ یہی مصرع تم میرے کھدا دیجو

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

اُس زلف کے پھندے میں یوں کون لٹکتا ہے
جوں چور[2] کسی جاگہ رستے میں لٹکتا ہے
کانٹے کی طرح دل میں غم آکے کھٹکتا ہے
یہ کہہ کے نظیر اپنا سر غم سے پٹکتا ہے

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

(۴۹۷)

مخمسہ

ہووے جو کوئی اُس بت خودکام سے واقف
پھر عمر نہ ہو پھر کبھی اسلام سے واقف
دل اپنا تو ہے چشم گل اندام سے واقف
ساقی یہ پلا اُس کو جو ہو جام سے واقف

ہم آج تلک مے کے نہیں نام سے واقف

نت[3] مست رہے میکدۂ عشق میں رہ کے
سرشار نشوں میں ہوئے پھرتے رہے بہکے
دیکھے نہ کبھی جور زمانے کی گرہ کے
مستی کے سوا دور میں اُس چشم سیہ کے

کافر ہو جو ہو گردش ایام سے واقف

[1] آثار۔ مراد قبر۔ نشان قبر ۱۲
[2] رستے میں چور کا لٹکنا۔ چور کے لٹکا کر کسی بڑے اونچے مقام پر چڑھنے سے مراد ہے ۱۲
[3] نت ہمیشہ ۱۲ اشرف علی

اُس شوخ ستمگار کی جس دن سے ہوئی چاہ
دکھ بھرتے ہی بھرتے غرض آخر ہوئے ناگاہ
جا ملک عدم میں بھی تڑپتے رہے واللہ
مرکر بھی تہ خاک نہ آسودہ ہوئے، آہ!
اے عشق نہ تھے ہم ترے انجام سے واقف

پہلے تو پھنسایا ہمیں اُس نور نظر نے
آخر کو لگا پھر ستم و ظلم وہ کرنے
اب، آہ، اسیری کے پڑے دکھ ہمیں بھرنے
صیاد کی الفت سے پھنسے آن کے ورنے[1]
بھتے کا ہے کو ہم اس قفس و دام سے واقف

منت سے بھلا کب وہ بلاتا ہے کسی کو
جھوٹا ہے، دغا باز ہے عیار ہے، بد خو
ہم نے تو بہت اس کی سمجھ رکھی ہے خو بو
ملنے کا پیام اس سے کہو جا کے عزیز و
جو اس کے نہ ہو وصل کے پیغام سے واقف

چاہو کہ پھر اب پیچ میں تو تم ہمیں اس آں
سو آہ یہ ہونا نہیں! اے خسرو خوباں
ناحق دل صد چاک کو کرتے ہو پریشاں
اوروں سے قسم کھایئے اور ہم تو مری جاں
ہیں خوب تمھاری قسم اقسام سے واقف

اول تو نہ کیجے کبھی خوباں کی میاں چاہ
اور کیجے تو ہو جیے سب چیز سے آگاہ
رونا مجھے رہ رہ کے یہی آتا ہے، واللہ
کوئی نہیں کرتا، جو کیا تو نے، نظیر آہ!
دل اُس کو دیا، جس کے نہیں نام سے واقف

(۴۹۸)

خمسہ

کھول ٹک چشم تماشا یار باشے[2] پھر کہاں
یہ شکار و صید، یہ شکرے و باشے[3] پھر کہاں
مال و دولت سونا روپا[4] تولا ماشے پھر کہاں
دم غنیمت ہے بھلا یہ بود و باشے پھر کہاں

---

[1] ورنہ۔ اور ورنے ایک ہی معنی میں آتا ہے ۱۲ [2] کلھیا رباشے کی بجائے یار باشے کہا گیا ہے ۱۲ — [3] باشہ ایک شکاری پرند کا نام ۱۲ [4] چاندی سونا روپیہ اشرفی ۱۲ محمد اشرف علی لکھنوی

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

دل لگا اُلفت میں اور کر لے پری زادوں کی چاہ — چاند سے مکھڑوں سے مل سوچ و ٹھوں پر کر نگاہ
کچھ مزے کچھ لوٹ حظ یہ وقت کب ملتا ہے آہ — کھالے پی لے سکھ دے اور دے لے جلالے واہ واہ

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

حسن والوں کے بھی کیا کیا حسن کے عالم ہیں لال — سانولے گورے، سنہری سُرخ باندھے پگڑیاں
کیا سجیں کیا کیا دھجیں کیا ناز کیا چھب تختیاں[۱] — بھولی بھولی صورتیں اور پیاری پیاری انکھڑیاں

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

صبح ہو تو سیر کر باغوں کی جا کر با فراغ — بلبلیں چہکیں ہیں، اور گل کھل رہے ہیں مثل باغ
شام ہو تو دوستی کو دیکھ، پی مے کے ایاغ[۲] — جل رہے ہیں جھاڑ و مشعل، شمع قندیل و چراغ

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

کتنے میخانوں کے در پر لوٹتے ہیں پی کے مے — کتنے مجلس کر کے سنتے ہیں دف و مردنگ و نے
دیروں میں اور مسجدوں میں کرتے ہیں غل ہے بہے — ہر طرف دھوئیں مچیاں ہیں، دید ہے اور سیر ہے

دیکھ لے دنیا کو، غافل، یہ تماشے پھر کہاں

کتنے دل میں عشق کتنے دلوں میں پھوٹ ہے — دوستی ہے دشمنی ہے ضد ہے، مارا کوٹ ہے
پیار ہے، ہنس مچنا ہے، اور جگت اور جھوٹ ہے — عدل ہے اور ظلم ہے غارت ہے لوٹا لوٹ ہے

دیکھ لے دنیا کو غافل، یہ تماشے پھر کہاں

واہ وا! کیا کیا نظیر اس خلق کے اطوار ہیں — خوار ہیں سردار ہیں زردار ہیں، لاچار ہیں
گذریاں[۳] ہیں چوک ہیں، بستے کئی بازار ہیں — دشت ہیں، صحرا ہیں اور دریا ہیں اور کہسار ہیں

دیکھ لے دنیا کو غافل، یہ تماشے پھر کہاں

---

[۱] چھب تختی۔ سینے اور جسم وغیرہ کی موزونی اور خوبصورتی ۱۲

[۲] ایاغ۔ پیالہ ۱۲

[۳] گزری وہ بازار جہاں پرانا سامان فروخت ہوتا ہے ۱۲ اشرف علی

(۴۹۹)

خمسہ دیگر

چمن میں دن کو جو اک دو قدم وہ چلتے ہیں
تو پھول آنکھوں سے تلوے اُنھوں کے ملتے ہیں
خوشی سے غنچے بھی ہر شاخ پر اُچھلتے ہیں
وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں
تو مہ کے طشت میں گھی کے چراغ جلتے ہیں

سحر کے نور تجلّی کے انتخاب کو دیکھ
اور اپنے جھمکے سے چہرے کی آب و تاب کو دیکھ
ہزار رشک سے عشرت کے پیچ تاب کو دیکھ
چراغ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو، ہم تو چلتے ہیں

جہاں تلک ہیں یہ بیدرد خوبرو، دلبر
سب اپنے چاہنے والوں کا کاٹتے ہیں سر
غرض یہ ظلم تو دیکھا کیے ہیں ہم اکثر
فدا جو دل سے ہیں ان شوخ سبز رنگوں پر
یہ کافر اُن کی بھی چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں

گلی میں یار کی میں، آہ، کس طرح جاؤں
نہیں ہے اتنی بھی طاقت جو اک قدم کو رکھوں
نہ تن میں خون ہے باقی، نہ اب رگوں میں خوں
ہوا ہوں خشک یہاں تک کہ حضرتِ مجنوں
یہ مجھ سے کہتے ہیں اور اپنے ہاتھ ملتے ہیں

ہمارے تم تو ہو ہم رنگ ظاہر و باطن
اُٹھائے تم نے بھی غم روز عشق کے گن گن
یہ التجا ہے ہماری کہ خوش ہو آج کے دن
کوئی تو پگڑی بدلتا ہے یار سے، لیکن
میاں نظیر، ہم اب تم سے تن بدلتے ہیں

(۵۰۰)

دلبری

ہے دام بچھا اُس کی زلفوں کے ہر اک بل میں
سرپاؤں سے شوخی ہے اُس چلبلی چنچل میں
جادو ہے نگاہوں میں اور سحر ہے کاجل میں
چتون کی لگاوٹ نے اک آن کی چھل بل میں

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

کرنے سے خبرداری ہرگز نہ ہوا لا حاصل
اُس شوخ ستمگر نے غمزے سے جو نہیں چاہا
اور راک کے سینے کو عیتارنے راہا
کی، یارو، یہ کچھ پھرتی، کیا کہیے، اہا ہا!

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

کیا پیش چلے اُس سے یوں ناز بھرا جو ہو
پگھارت، یہ چنچل پن کب یا دپری کو ہو
کس طور سرک جاتے، ہونا ہے جو کچھ سو ہو
اس ڈھب کے تئیں، یارو، دیکھو تو اُہو ہو ہو!

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

ہنس ہنس کے لگا جس دم وہ ناز و ادا کرنے
ہر آن لگی اُس کے سو مکر سے دم بھرنے
جی اُس کی لگاوٹ سے ہر لحظہ لگا ڈرنے
کیا کام کیا، یارو، اُس شوخِ ستم گر نے

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

ڈرتے تھے بہت ہم تو اُس شوخ لڑاکے سے
آیا جو ادھر پھرتا عیتار بلا کے سے
اور خوف میں تھے اُسکے ڈھب آن و ادا کے سے
نظروں کے ملاتے ہی چنچل نے چھپا کے سے

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

رکھتے تھے بہت ہم تو ہر آن کی ہشیاری
آج اُس بت پرفن نے آکر بطرح داری
خوباں سے نہ ملتے تھے، تو ہو نہ گرفتاری
چُل دے کے ہمیں لپ جھپ کی کچھ یہ فسوں کاری

سلہ ہا ہا۔ فائدہ ۱۷۹۵
سلہ ادا کا بجائے
اداتے بیا گیا ہے
جلدی سے [illegible]

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

سمجھے تھے اُسے ہم تو محبوب یہ بھولا ہے
یہ بات نہ سمجھے تھے جو سحر کا نقشا ہے
جو مکر ہے اور فن ہے ہرگز نہیں اٹما ہے
کیا کہیے نظیر آگے یہ زور تماشا ہے
پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

(۵۰۱)

مخمسہ دیگر

کہتا ہے تجھے کون کہ عاشق کو ستا سو
مدت سے رہا ہے تو مجھے غم سے رلا سو
اور شمع نمط اس کے کلیجہ کو جلا سو
جاتی ہے بہار عمر کی آنسوں ہی میں آسو
آسوارے آسوارے آسوارے آسو

گر ذبح مرے دل کو جو تو نے کہیں پھینکا
کیا تجھ سے کہوں پیارے میں احوال اب اُسکا
وہ خستہ جگر لوٹتا پھرتا ہے اہا ہا
بسمل سا تڑپتا ہے نہ مرتا ہے نہ جیتا
شاید کہ گئی میرے نصیبوں سے قضا سو

مجھ کو تو نہیں چین ذرا یارو اب اُس بن
عیار کی گھاتوں سے کبھی رات کبھی دن
کاٹوں ہوں سدا رات بھی گھڑیوں کو میں گن گن
یوں چوری سے اُس پاس میں سوتا ہوں ولیکن
کافر نے کبھی آپ سے ہرگز نہ کہا سو

ہے اب تو ترے حسن کی آنکھوں میں لگی چاہ
اے درد تو کاہے کو ہمیں پوچھے گا واللہ
اور آن پڑا در پہ ترے عشق کے ہمراہ
یا روینگے یا سوینگے یا جاگیں گے کر آہ
کیا تجھ کو پڑی ہے تو مری جان پڑا سو

غیروں کا اُسے خوف تھا اور کچھ اسے وسواس
تو بھی وہ صنم میرے لیے جاگا کیا پاس

اب یار و بھلا آہ مری ٹوٹے نہ کیوں آس
میں چھپ کے رقیبوں سے گیا جس گھڑی اُس پاس
یہ دیکھیے قسمت کہ اُسی وقت گیا سو

گلشن میں کھلے پھول سحر ہونے کو آئی
تارے بھی چھپے چاند نے صورت بھی چھپائی
خورشید کی کرنیں بھی لگیں دینے دکھائی
ابتک بھی مرے پاس وہ بو اُسکی نہ لائی
شاید کہ کہیں آج گئی بادِ صبا سو

وعدہ تو سرِ شام سے آنے کا کیا تھا
اور رات ڈھلی آدھی تو اب بھی نہیں آیا
شاید کسی دشمن نے دیا کچھ اُسے بہکا
دشمن کی بھی تقصیر نہیں سچ یوں میں کہتا
یارو مری تقدیر و نصیبا ہی گیا سو

یک عمر میں نکلا ہے مرے دل کا یہ ارماں
جو آج ہوا ہے تو مرا آن کے مہماں
باتوں ہی میں مت رات گذارے تو مری جاں
ٹک پیار سے سینہ سے لپٹ کر مری اس آں
یک پہر نہ سووے تو گھڑی بھر تو بھلا سو

جس تس سے وہ اقرار یوں ہیں کرتا ہے دلخواہ
اور آتا نہیں پاس کسی ایک کے گمراہ
اس جھوٹے دغا باز کی کیا دیکھیے اب راہ
زنہار وہ عیار نہ آوے گا نظیرؔ آہ
اب اس کے تو غم میں تو پڑا جاگیو یا سو

(۵۰۲)

دیگر

لگایا تھا دل ہم نے تم سے جو آہ
یہ جانا تھا تم کچھ کرو گے نباہ
سو تم نے نہ دیکھا کبھی بھر نگاہ
زمانے میں کیا یوں ہیں ہوتی ہے چاہ
میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

کہا تھا کہ ہم رات آویں گے آہ
ٹک سر کو ہم رہ گئے دیکھ راہ
رہے ساتھ غیروں کے تا صبح گاہ
بڑے تم بھی ہو جھوٹوں کے بادشاہ

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

لیا پہلے الفت میں دل کو لگا
اگر تھی تمہارے یہ دل میں دغا
بلا کر پھر آخر کو غوطہ دیا
تو کیوں ہم کو ناحق میں رسوا کیا

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

مزے غیر کو آہ اور ہم یہیں
تمھیں دیکھ کر ساتھ تک تک رہیں
خوشی ہو ویں اغیار ہم غم سہیں
غرض تم سے بس اور تو کیا کہیں

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

رقیبوں کو ساتھ اپنے لے آئیے
یہی جی میں آتا ہے مرجائیے
ہنسا کر انھیں ہم کو رلوائیے
تمھیں آفریں ہے یوں نہیں چاہیے

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

ادھر کی طرف دیکھیے میری جاں
وہ قول اور اقرار اب ہیں کہاں
خدا کو دیا کس نے تھا درمیاں
بھری ہیں غرض تم میں سب خوبیاں

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

تمہاری دغا کی یہ ہے داستاں
لکھے تو قلم کے ہیں آنسو رواں
کہوں تو نہیں چلتی منھ میں زباں
کروں کس طرح میں نظیر اب بیاں

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

(۵۰۳)

خمسہ

ملنے کا ترے رکھتے ہیں ہم دھیان ادھر دیکھ — بھاتی ہے بہت ہم کو تری آن ادھر دیکھ
ہم چاہنے والے ہیں ترے جان ادھر دیکھ — ہولی ہے صنم ہنس کے تو اک آن ادھر دیکھ
اے رنگ بھرے نو گل خنداں ادھر دیکھ

ہم دیکھتے تیرا یہ جمال اس گھڑی اے جاں — آئے ہیں یہی کر کے خیال اس گھڑی اے جاں
تو دل میں نہ رکھ ہم سے ملال اس گھڑی اے جاں — مکھڑے پہ ترے دیکھ گلال اس گھڑی اے جاں
ہولی بھی یہی کہتی ہے اے جان ادھر دیکھ

اب زرد یہ چیرا جو ترے سر پہ سجا ہے — اور اس پہ یہ طرہ جو زری کا بھی دھرا ہے ۱ کیسر۔ زعفران
نیمہ بھی ترا رنگ سے کیسر[1] کے بھرا ہے — پوشاک پہ تیری گل صد برگ فدا ہے
نرگس تری آنکھوں پہ ہے قرباں ادھر دیکھ

ہولی کی طرب ہے جو ہر اک جا پہ نمودار — سنتے ہیں کہیں راگ کہیں مے سے ہیں سرشار
ہے دل میں ہمیں تو تری نظروں سے سروکار — پچکاری ہمارے تو لگا یا نہ لگا یار
ہم کو تو فقط ہے یہی ارمان ادھر دیکھ

ہے دھوم سے ہولی کے کہیں شور کہیں غل — ہوتا نہیں کچھ رنگ چھڑکنے میں تامل
دف بجتے ہیں سب ہنستے ہیں اور دھوم ہے بالکل — ہولی کی خوشی میں تو نہ کر ہم سے تغافل
اے جان ہمارا بھی کہا مان ادھر دیکھ

ہے دید کی ہر آن طلب دل کو ہمارے — جیتے ہیں فقط تیری نگاہوں کے سہارے
ہیں یاں جو کھڑے آن کے اس شوق کے مارے — ہم ایک نگہ کے ترے مشتاق ہیں پیارے

ٹک پیار کی نظروں سے مری جاں ادھر دیکھ

ہر چار طرف ہولی کی دھومیں ہیں اہا ہا — دیکھو جدھر آتا ہے نظر روز تماشا
ہر آن جھمکتا ہے عجب عیش کا چرچا — ہولی کو نظیر اب تو کھڑا دیکھے ہے یاں کیا

محبوب یہ آیا ارے نادان ادھر دیکھ

(٥٠٤)

خمسہ

یوں دل سے اپنے نکلے ہے اب بار بار آہ — کرتا ہے جس طرح کہ دل بے قرار آہ
عالم نے کیا ہی عیش کی لوٹی بہار آہ — کیوں ہم سے آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ

ہم عید کے بھی دن رہے امیدوار آہ

ہو جی میں اپنے عید کی فرحت سے شادکام — دل کھول کھول سب ملے آپس میں خاص و عام
خوباں سے اپنے اپنے لیے سب نے دل کے کام — آغوش خلق گلبدنوں سے بھرے تمام

خالی رہا پہ ایک ہمارا کنار آہ

کتنا ہی جستجو میں پھرے ہم ادھر ادھر — لیکن ملا نہ ہم سے وہ عیار فتنہ گر
کیا پوچھتے ہو شوخ سے ملنے کی اب خبر — ملنا تو اک طرف ہے عزیزو کہ بھر نظر

پوشاک کی بھی ہم نے نہ دیکھی بہار آہ

رکھتے تھے ہم امید یہ دل میں کہ عید کو — کیا شاد ہو ملیں گے گلے سے ز ماہرو
سو تو وہ آج بھی نہ ملا شوخ حیلہ جو — تھی آس عید کی سو گئی وہ بھی دوستو

اب دیکھیں کیا کرے دل امیدوار آہ

اس سنگدل کی ہم نے غرض جب سے چاہ کی — دیکھا نہ اپنے دل کو کبھی ایک دم خوشی

پھر اب بھی اس کی جور تعدی نہیں نئی ۔۔۔ ہر عید میں ہمیں تو سدا یاس ہی رہی
کافر کبھی نہ ہم سے ہوا ہمکنار آہ

اقرار ہم سے تھا کئی دن آگے عید سے ۔۔۔ یعنے کہ عید گاہ کو جاویں گے تم کو لے
آخر کو ہم کو چھوڑ گئے ساتھ اور کے ۔۔۔ ہم ہاتھ ملتے رہ گئے اور راہ دیکھتے
کیا کیا غرض سہا ستم انتظار آہ

کیونکر لگیں نہ دل میں مرے حسرتوں کے تیر ۔۔۔ دن عید کے ہی مجھ سے ہوا وہ کنارہ گیر
اس درد کو وہ سمجھے جو ہو عشق کا اسیر ۔۔۔ جس عید میں کہ یار سے ملنا نہ ہو نظیرؔ
اُس کے اپر تو حیف ہے اور صد ہزار آہ

(۵۰۵)

خمسہ

دشنام دے تو آنہ پھر اگر دعا رکے ۔۔۔ کی قدر کم تو پاس نہ بھٹکا وقار کے
سو یا کیا سلایا جو بستر پہ خار کے ۔۔۔ کس کس طرح کے ناز اُٹھائے ہیں یار کے
ہے حق بجانب اس دل حکم اختیار کے

رکھتے ہیں اپنے دل میں جو ہم ترکِ نازِ عشق ۔۔۔ اک عمر سے اُٹھاتے ہیں خوش ہو کے نازِ عشق
رہتا ہے بسکہ خانۂ خاطر میں رازِ عشق ۔۔۔ رکھتے دل سے ہم بہ نسبت سوز و گدازِ عشق
مشتاق ایک بلبل زار و نزار کے

کتنے دنوں سے شکل جو اس کی نہ دیکھی تھی ۔۔۔ رہتی تھی اس سبب سے بہت دل کو بے کلی
اک روز اُس کے ملنے کو گلشن کی راہ لی ۔۔۔ پوچھی جو باغباں سے خبر اُس کے حال کی
اُس نے کہے یہ حادثے اُس دل فگار کے

تم جس کی پوچھتے ہو خبر سو وہ عندلیب — دوری سے گل کی پہونچی ہے سو یہ قریب
کس منھ سے اُس کا حال بیاں کیجیے حبیب — کیا جانے گریہ ہے کہ ہوئے کب وہ بے نصیب
جب رہ گئے تھے آنے میں دو دن بہار کے

جیسے گئے تھے ملنے کو ہم اُس کے شادماں — تنگیں زیادہ اُس سے ہوئے سُن کے یہ بیاں
جب کہہ چکا تمام وہ احوال باغباں — ناچار سر جھکا کے ہوئے واں سے ہم رواں
ہمراہ نالۂ و مژۂ اشکبار کے

تیغ الم سے اُس کے ہوا تھا جو دلفگار — جاتا رہا تھا جی سے سب آرام اور قرار
افسوس کرتے جاتے تھے خاطر میں بار بار — ناگاہ اک خرابے میں اپنا ہوا گذار
دو زخمی اُس جگہ تھے کسی روزگار کے

پر ہول سخت بیم فزا کہنہ و خراب — بے سایگی و شدت گرمی آفتاب
گرد اُس کے خار بن وہ کہ جس کا نہ تھا حساب — ہوش و حواس دیکھتے ہی کھا کے پیچ و تاب
یکبار اُڑ گئے دل غفلت شعار کے

(۵۰۶)

خمسہ

چمن میں آج نسیم بہار آپہونچی — نوید نکہت گل بے شمار آپہونچی
صدائے قمری و صورت ہزار آپہونچی — جنوں کی فوج کی دل پر یکار آپہونچی
ہزار شکر کہ فصل بہار آپہونچی

گئی نسیم کے ہاتھوں نکل کے باد سموم — گھٹائیں ابر بہاری کی چل رہی ہیں جھوم
تمام صحن چمن میں عجب مچی ہے دھوم — اُدھر گلوں کے اوپر بلبلیں کریں ہیں ہجوم

ادھر سے مست صفت گلعذار آپہونچی

چمن کی سیر کو آئے ہیں مل کے مہ وشاں — ہوا ہے بادہ کشی کا بھی خوب ساماں
نکالتے ہیں نشے مے کے دل کا سب ارماں — ہوئی ہے گرم چمن بیچ مغبچوں کی شاں
شراب و شیشہ و ساغر کی بار آپہونچی

کھلے ہیں چاروں طرف زور تختۂ گلزار — چلے ہے سرد صبا اور نسیم عنبر بار
خبر سنی ہے کہ آتا ہے وہ گل بے خوار — گئی مصیبت روز فراق سب یکبار
کہ اب قریب شب وصل یار آپہونچی

کوئی ہے وصف کرے گل کی تاجداری کا — کسی کو ذکر ہے بلبل کی بے قراری کا
نہیں یہ وقت مری جان انتظاری کا — نہیں یہ وقت مری جاں آہ و زاری کا
خوشی ہوا اب کہ حد انتظار آپہونچی

(۵۰۷)

خمسۂ دیگر بطریق واسوخت

یار اب تجھ میں جو یہ حسن ہے زیبائی ہے — کیا ہوا تو نے اگر آن و ادا پائی ہے
میں تو ملنے کی میاں تیری قسم کھائی ہے — یہ بڑا عیب ہے تجھ میں کہ تو ہر جائی ہے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

تو نے کیا کیا نہ کیا غم سے میرا حال تباہ — دل لیا ہوش لیا صبر لیا سب اے واہ
لے چکا دل تو نہ کی میری طرف تو نے نگاہ — اب یہ رکھ یاد ستمگر کبھی تجھ سے واللہ
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

کون سنتا ہے تری بات تو کہتا ہو کسے — اب جو تو چاہے مرے دل کے تئیں پیچ میں لے

اب تری شکل سے یاں تک میاں نفرت ہے مجھے　　غیر کے پاؤں پڑوں جا کے ولیکن تجھ سے

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اب تری ضد سے میاں دل کسی بد شکل کو دوں　　وہ جو بٹھلا دے تو بیٹھوں اور اٹھا دے تو اٹھوں
اس کی کفشوں کے تئیں جھاڑ کے آنکھوں پہ رکھوں　　تو جو منت سے بلا دے تو یہی تجھ سے کہوں

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اور سن یار کہ جس بزم میں پاؤں تجھ کو　　شمع کی طرح سے محفل میں جلاؤں تجھ کو
اس نئے شوخ کو دکھلا کے جلاؤں تجھ کو　　دیکھ کر اس کے تئیں اور ستاؤں تجھ کو

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اور تو جس طرف کو جا بیٹھے وہیں آ بیٹھوں　　تجھ سے منہ پھیر لوں اور اس سے ہنسوں اور بولوں
تو سہی رشک سے دل کو ترے پامال کروں　　جب اٹھوں واں سے تو ظالم یہی کہتا میں اٹھوں

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

میری نظروں سے تو اے یار یہاں تک ہو گرا　　کہ تجھے دیکھتے ہی دل ہے میرا رک جاتا
خواب میں تو جو مرے پاس کبھی ہے آتا　　تو مری روح وہاں تجھ کو یہی دے ہے سنا

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

مجھ کو باور نہیں گر لاکھ تو قسمیں کھاوے　　اور خفا ہو کے بگڑنے کا تو خط دکھلا دے
اور جو لوگوں کے تئیں میرے پئے بھجوا دے　　حد تو یاں تک ہے اگر آپ تو لینے آوے

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اب تجھے یار کبھی منہ نہ دکھا دے گا نظیر　　ہر جگہ ہر کہیں ہر طور سنا دے گا نظیر
کوئی دن تیرے تئیں خوب جلا دے گا نظیر　　جو ملے گا تو یہی بات سنا دے گا نظیر

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

خمسہ دیگر

یوں تو اکثر ادھر آجاتے ہیں انسان کئی
چاک ہو جاتے ہیں ان سے گریبان کئی
پر کہوں کیا کہ بنا حسن کے سامان کئی
دیرسے آج جو نکلے بت ذیشان کئی
لے گئے صبر کئی دل کئی ایمان کئی

اپنے ہم چشم تو یاں خون گئے ہیں رو رو
میں بھی لایا ہوں پر اس کام کو اب اس حد کو
ایک شمہ تو یہ رونے کا مرے ہی سن لو
اتنا رویا ہوں کہ اب لخت جگر کے یارو
ڈھیر ہیں چشم سے لے تا سر دامان کئی

آہ جو جو گئے تھے حسرت دیدار میں مر
سب تڑپتے تھے و دیتاب زمیں کے اندر
آخرش ہو کے پریشاں ہمہ تن چشم و نظر
اب تو ٹک منھ کو دکھا یار کہ نرگس بنکر
نکلے ہیں خاک چمن سے ترے حیران کئی

آوے گر باد صبا اُس کی گلی سے تو ملوں
سو تمنا ہے میں نقش قدم آغوش میں لوں
چشم حیرت زدہ سے کفش کے نعلوں سے ملوں
اُس کے دامن سے لگوں پاؤں پڑوں ساتھ چلوں
خاک ہوں تو بھی مرے جی میں ہیں ارمان کئی

ہاں کہنا مرا اے شوخ ہٹیلے چنچل
گو کہ اب قمری و بلبل میں پڑی ہے ہلچل
منھ دکھانے میں غریبوں کے بس اتنا نہ مچل
آخر آیا ہے تو گلشن میں بھی ٹک اب تو چل
یاں بھی رہتے ہیں ترے چاک گریبان کئی

پان کھانا ہے ترا قتل کے عالم کا نشان
اور خوباں کی طرح اپنے تو ہنسنے کو نہ جان
دیکھ کہتا ہوں ستمگر مری اس عرض کو مان
پان کھا کھا کے نہ ہنس اسقدر اے دشمن جان

ابھی بھر جائیں گے خوں میں لب و دندان کئی

جب سے اُس شوخ کی ابرو نے کیا تیغ کو مات
بگنا ہوں کے سر اد پہ ہے نہایت آفات
اب کہوں کیا میں بھلا اس ستم و ظلم کی بات
نظر آتے ہیں مجھے اُس کی گلی میں دن رات

ٹکڑے ٹکڑے کئی بسمل کئی بیجان کئی

یہ وہ جاگہ ہے کہ اس جا میں تو بن بھن کے نہ آ
اور جو آوے تو رقیبوں کے تئیں ساتھ نہ لا
آہ جاگیں گے تو پھر حشر کریں گے بر پا
آن کر گور غریباں میں قیامت نہ مچا

ابھی سوئے ہیں ترے بے سر و سامان کئی

جب سے اُس خسرو خوباں نے کیا مجھ کو اسیر
جی بھی ہے شاد مرا دل بھی ہے سو عیش پذیر
کیونکر اس خاک نشینی کو نہ سمجھوں میں سریر
بادشاہ کو نہ لکھا رقعہ کبھی جس نے نظیر

اُس شہ حسن کے آئے مجھے فرمان کئی

(۵۰۹)

موتی

رہیں ہیں اب تو پاس اُس شوخ کے شام و سحر موتی
جبیں پر موتی اور بیسر[1] میں موتی مانگ پر موتی
ادھر جگنو ادھر کچھ بالیوں میں جلوہ گر موتی
بھرے ہیں اُس پری میں اب تو یار و سر بسر موتی

گلے میں کان میں نتھ میں جدھر دیکھو ادھر موتی

کوئی اُس چاند سے ماتھے کے ٹیکے میں اُچھلتا ہے
کوئی بُندوں سے مل کر کان کی نرموں میں ہلتا ہے
لپٹ کر دُھگدگی میں کوئی سینہ پر مچلتا ہے
کوئی جھمکوں میں جھولے میں کوئی بالی میں ہلتا ہے

یہ کچھ لذت ہے جب اپنا چھداتے ہیں جگر موتی

کبھی وہ ناز میں ہنسکر جو کچھ باتیں بناتی ہے
تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہاتی ہے

[1] بیسر چھوٹی نتھنی جو بعض عورتیں بلاق کی جگہ پہنتی ہیں ۱۲ اشرف علی

اداؤ ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے — وہ سمرن موتیوں کی انگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اُس کے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی

غلط ہے اُس لبِ نگیں کو برگِ گل سے کیا نسبت — کہ جن کی ہے عقیق اور پنے اور یاقوت کو حسرت
اُداہٹ کچھ مسی کی، اور کچھ اُس پان کی رنگت — وہ ہنستی ہے تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
ادھر لعل اور اُدھر نیلم، اُدھر مرجاں اُدھر موتی

کبھی جو بال بال اپنے میں وہ موتی پروتی ہے — نزاکت سے عرق کی بوند بھی مکھڑے کو دھوتی ہے
بدن بھی موتی، سرتا پاؤں سے پہنے بھی موتی ہے — سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے
کہ کچھ وہ خشک موتی کچھ پسینے کے وہ تر موتی

گلے میں اُسکے جس دم موتیوں کے ہار ہوتے ہیں — چمن کے گل سب اُسکے وصف میں حیرتی پڑتے ہیں
نہ تنہا رشک سے قطراتِ شبنم دل میں روتے ہیں — فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشکِ قمر موتی

وہ زیور موتیوں کا واہ، اور کچھ تن وہ موتی سا — پھر اُس پر موتیا کے ہار، بازوبند، اور گجرا
سراپا زیب و زینت میں وہ عالم دیکھ کر اُس کا — جو کہتا ہوں اجی ظالم ٹک اپنا نام تو بتلا
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر موتی[1]

کڑے پازیب توڑے جس گھڑی آپس میں لڑتے ہیں — تو ہر جھنکار میں کس کس طرح باہم جھگڑتے ہیں
کسی لے سے بگڑتے ہیں کسی کے جی پہ اڑتے ہیں — کڑے سونے کے کیا موتی بھی اُسکے پاؤں پڑتے ہیں
اگر باور نہیں دیکھو ہیں اُس کی کفش پر موتی

خفا ہو ان دنوں کچھ روٹھ بیٹھی ہے جو ہم سے وہ — تو اُس کے غم میں جو ہم پر گزرتا ہے سو مت پوچھو
چلے آتے ہیں آنسو دل پڑا ہے ہجر میں غش ہو — وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیونکر نہ برساوے ہماری چشمِ تر موتی

شفق میں اتفاقاً جیسے سورج ڈوب کر نکلے — و یا ابرِ گلابی میں کہیں بجلی چمک جاوے

[1] موتی کسی کا نام کسی وقت خاص کی طرف اشارہ ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موتی نظیر کی معشوقہ تھی ۱۲ اشرف علی

بیاں ہو کس طرح سے آہ اُس عالم کو کیا کہیے
تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اُسکے
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی

ہمیں کیونکر پر یزادوں سے بوسوں کے نہوں لینے
جڑاؤ موتیوں کے اس غزل پر وار دیے گہنے
سخن کی کچھ جو اس کے دل میں ہو اُلفت لگی رہنے
نظیرؔ اس ریختہ کو سُن وہ ہنس کر یوں لگی کہنے
اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی

(۵۱۰)

پری کا سراپا

خونریز کرشمہ، ناز و ستم، غمزوں کی جھکاوٹ ویسی ہی
مژگاں کی سناں، نظروں کی انی، ابرو کی کھچاوٹ ویسی ہی
قتّال نگہ اور ڈشٹ[۱] غضب آنکھوں کی لگاوٹ ویسی ہی
پلکوں کی جھپک، پتلی کی پھرت، سرمے کی لگاوٹ ویسی ہی
نہ گھلاوٹ
عیار نظر، مکار ادا، تیوری کی چڑھاوٹ ویسی ہی
بیدرد ستمگر بے پروا بے کل چنچل چٹکیلی سی
دل سخت قیامت پتھر سا اور باتیں نرم رسیلی سی
آنوں کی بان ہٹیلی سی کاجل کی آنکھ کٹیلی سی
وہ انکھیاں مست نشیلی سی کچھ کالی سی کچھ نیلی سی
چتون کی دغا، نظروں کی کپٹ سینوں کی لڑاوٹ ویسی ہی

[۱] ڈشٹ۔ ظالم۔ بد۔ بُرا ۔ اشرف علی

تھی خوب دوپٹہ کی سر پنجاف تمامیؔ کی اُلٹی
لبدار لٹیں، تصویر جبیں، جکڑی مینڈھی، سبجی کنگھی

دل لوٹ سنجاوے اب کیونکر، اور دیکھ نہ نکلے کیونکر جی
وہ رات اندھیری بالوں سے، وہ مانگ چمکتی بجلی سی

زلفوں کی گھلت، پٹی کی چمٹ، چوٹی کی گندھاوٹ ویسی ہی

اُس کا قرینی اور نتھ کے انداز قیامت شان بھرے
اور گھرے چاہِ زنخداں میں سو آفت کے طوفان بھرے

وہ ترے صاف ستاراے اور موتی سے دامان بھرے
وہ کان جواہر کان بھرے کن پھولوں، بالے جان بھرے

بندے کی لٹک، جھمکے کی جھمک، بلے کی ہلاوٹ ویسی ہی

چہرے پر حسن کی گرمی سے ہر آن چمکتے موتی سے
خوش رنگ پسینے کی بوندیں، سو بار جھمکتے موتی سے

ہنسنے کی ادائیں پھول جھڑے، باتوں میں ٹپکتے موتی سے
وہ پتلے پتلے ہونٹھ غضب، اور دانت چمکتے موتی سے

پاؤں کی رنگاوٹ قہر ستم، دھڑیوںؔ کی جماوٹ ویسی ہی

اُس سینے کا وہ چاک ستم اُس کرتی کا تزئیںؔ غضب
اُس قدؔ کی زینت قہر بلا اُس کا فرچھب کا زیب غضب

اُن ڈبیوں کا آزار برا، اُن گیندوں کا آسیب غضب
وہ چھوٹی چھوٹی سخت کچیں، وہ کچے کچے سیب غضب

انگیا کی بھڑک، گوٹوں کی جھمک بندوں کی کساوٹ ویسی ہی

تھی پہنے دونوں ہاتھوں میں کافر جو کڑے گنگا جمنی ؎

له دھڑی مسّی کی تہ جو عورتیں ہونٹوں پر جماتی ہیں ۱۲ عه تزئین آنی زمانہ ناز کرتے ہیں ۱۲ اشرف علی

کچھ شوخ کڑوں کی جھنکاریں، کچھ جھمکے جوڑی باہوں کی

یہ دیکھ کے عالم عاشق کا سینے میں نہ تڑپے کیونکر جی
وہ پتلی پتلی انگشتیں، پوریں وہ نازک نازک سی

مہندی کی رنگت، فندق کی نبت چھلّوں کی چھلاوٹ ویسی ہی

تقریر بیاں سے باہر ہے، وہ کافر حسن اہا ہا ہا
کچھ آب نئی، کچھ حسن نیا کچھ جوش جوانی اٹھنے کا

نکلیں جھمکیں ان باہوں کی یارو میں آہ کہوں کیا کیا
وہ بانکے بازو ہوش رُبا، عاشق سے کھیلے بانک پٹا

پہونچی کی پہنچ پہونچے پہ غضب، بانکوں کی بندھاوٹ ویسی ہی

وہ کافر ہیچ جی دیکھ جسے سو بار قیامت کا لرزے
پازیب کڑے[1] پائل گھنگرو، کڑیاں چھڑیاں گجرے توڑے

ہر جنبش میں سو جھنکاریں، ہر ایک قدم پہ سو جھمکے
وہ چنچل چال جوانی کی، اونچی ایڑی، نیچے پنجے

کفشوں کی کھٹک، دامن کی جھٹک، ٹھوکر کی لگاوٹ ویسی ہی

اک شور قیامت ساتھ چلے، نکلے کافر جس دم بن ٹھن
بلدار کمر، رفتار غضب، دل کی قاتل جی کی دشمن

مذکور کروں کیا اب یارو اس شوخ کے کیا کیا چنچل پن
کچھ ہاتھ ہلیں، کچھ پاؤں ہلیں، پھڑکے بازو تھرکے سب تن

گالی وہ بلا، تالی وہ ستم، انگلی کی نچاوٹ ویسی ہی

یہ ہوش قیامت کافر کا، جو بات کہوں وہ سب سمجھے
روٹھے مچلے سو سوانگ کرے، باتوں میں لڑے نظروں میں ملے

[1] کڑے، پائل، کڑیاں وغیرہ یہ سب پاؤں کے زیوروں کے نام ہیں ١٢ تھرکنا ادا کے ساتھ جسم میں جنبش ہونا ١٢
اشرف علی

یہ شوخی پھرتی بیتابی ایک آن کبھی بچلی نہ رہے
چنچل اچپل مٹکے چٹکے سر کھولے ڈھانکے ہنس ہنس کے

قہقہہ کی ہنساوٹ اور غضب ٹھٹھوں کی اڑاوٹ ویسی ہی

کہنی مارے چٹکی لے کے چھیڑے جھڑکے دیوے گالی
ہر آن چہ خوش، ہر دم اچھا، ہر بات خوشی کی چہل بھری

نظروں میں صاف اڑا لے دل، اس ڈھب کی کافر عیاری
اور ہٹ جاوے سو کوش پرے گر بات کہوں کچھ مطلب کی

رمزوں کے ضلعے غمزوں کی جگت ٹھٹھوں کی اڑاوٹ ویسی ہی

ر خلع

قاتل ہر آن نئے عالم کا فر ہر آن نئی جھمکیں
بانکی نظریں ترچھی پلکیں، بھولی صورت، میٹھی باتیں

دل بس کرنے کے لاکھوں ڈھب جی لینے کی سو سو گھاتیں
ہر وقت پھبن، ہر آن سجن، دم دم میں بدلے لاکھ سجیں

باہوں کی جھبک، گھونگٹ کی ادا جوبن کی دکھاوٹ ویسی ہی

جو اس پر حسن کا عالم ہے، وہ عالم حور کہاں پاوے
گر پردہ منہ سے دور کرے، خورشید کو چکر آجاوے

جب ایسا حسن بھبھوکا ہو دل تاب بھلا کیونکر لاوے
وہ کھڑا چاند کا ٹکڑا سا جو دیکھ پری کو غش آوے

گالوں کی دمک چوٹی کی جھمک رنگوں کی کھلاوٹ ویسی ہی

تصویر کا عالم نکھ سکھ سے چھب تختی صاف پری کی سی
کچھ چین جبیں پر اینٹھ رہی اور ہونٹھوں میں کچھ گالی سی

بیدردی سختی بہتیری اور مہر و محبت تھوڑی سی

نک سک و
نکھ سکھ ناک نقشہ
بقول مؤلف
نور اللغات دہلی
میں بحبر اول و جہم
ثالث اور لکھنؤ
میں بحبر اول و
سوم بولا جاتا ہے ۱۲
اشرف علی عفی عنہ

جھوٹی عیاری ناک چڑھی، بھولی بھالی بکی ویسی

باتوں کی لگاوٹ تہہ تبسم، نظروں کی ملاوٹ ویسی ہی

کچھ ناز و ادا کچھ مغروری، کچھ شرم و حیا کچھ بانکپنا
کچھ آمد حسن کے موسم کی کچھ کافر حسن رہا گدرا

کچھ شور جوانی اُٹھنی کا چڑھتا ہے اُمنڈ کر جوں دریا
وہ سینہ اُبھرا جوش بھرا، وہ عالم جس کا جھوم رہا

شانوں کی اکڑ، جوبن کی تکڑ، سج دھج کی سجاوٹ ویسی ہی

یہ کافر گدر کیا عالم، گھبرائے پری بھی دیکھ جسے
وہ گورا صاف گلا ایسا، بہ جاوے موتی دیکھ جسے

دل لوٹے تڑپے ہاتھ ملے اور غش کھاوے جی دیکھ جسے
وہ گردن اونچی حسن بھری، کٹ جاوے صراحی دیکھ جسے

دائیں کی مرت، بائیں کی بھرت موڈھوں کی کچھاوٹ ویسی ہی

جب ایسے حسن کا دریا ہو کس طور نہ لہروں میں بہیے
گر مہر و محبت ہو بہتر، اور جور و جفا ہو تو سہیے

دل لوٹ گیا ہے غش کھا کر، بس اور تو آگے کیا کہیے
مل جائے نظیر ایسی جو پری چھاتی سے لپٹ کر سو رہیے

بو سونگھی جھپک بغلوں کی لپک سینوں کی ملاوٹ ویسی ہی

(۵۱۱)

خواب کا طلسم

یارو، ذرا سنو یہ عجب سیر ہے بڑی
صحنِ چمن میں ابر کی آکر لگی جھڑی
پی کر شراب عیش کی ہر دم گھڑی گھڑی
کل بے خبر ہو رات کو سویا میں جس گھڑی
اُس خواب میں مجھے اک عمارت نظر پڑی

آئی نظر جو مجھکو وہ نادر محل سرا
دل میں پری کے باغ کا مجھکو یقیں ہوا
جب اُس مکاں کے پاس میں ڈرتا ہوا گیا
دیکھوں تو اُس کا ہے درِ دولت سرا کھلا
آیا یہ دل میں دیکھیے چل کر کوئی گھڑی

پہونچا یونہیں میں اُس چمن زرفشاں میں
جھمکے مکاں جو اُس کے مرے آن آن میں
عالم سنہرے پردوں میں اور سائباں میں
کیا دیکھتا ہوں جاکے میں ہر اک مکاں میں
سونے کی کھان ہے کہ بہی پھرتی ہے پڑی

گلشن کہیں، چمن، کہیں شیشہ صراحی جام
فرش طلا بچھا کہیں یکسر جڑت کا کام
تھی نقرئی زمیں تو سنہرے تمام بام
طاق و درواق اُس کے جھمکتے تھے یوں مدام
گویا کہ اینٹ جواہر کی ہے جڑی

دیکھی جو میں نے ہائے وہ کافر سی مہ لقا
اوپر نظر گئی جو مری سر سے تا بپا
صورت وہ قہر چاند کا ٹکڑا سا بے بہا
اور حسن کا بیان تو جاتا نہیں کہا
نقشہ وہ جس کے پاؤں پہ لوٹے پری پڑی

خونریز ابرو، جان کی قاتل ہر اک نگاہ
مژگاں وہ برچھیوں کو لیے تل رہی سپاہ

مہندی سے انگلیوں نے کیے خونِ بے گناہ
آنکھوں میں کھچ رہا تھا وہ کاجل غضب سیاہ
پڑ جائے جس سے دل میں فرشتوں کے ہڑبڑی

زلفیں وہ مشکناب سی، چہرہ وہ چاند سا
گہنے کا وصف یا کہ بدن کی کہوں صفا
جگنوں رہا گلے میں ستارہ سا جگ مگا
جاتا تھا سرخ جوڑے میں تن یوں جھمک دکھا
گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی

رکھے تھی اُس گھڑی تو یہ عالم وہ مہ جبیں
حسرت سے آن کر مری آنکھوں نے دان ہیں
شاید کہ اس طرح کی نہ ہوگی پری کہیں
دیکھی جو اس بہار کی کافر وہ نازنیں
دل لوٹ پوٹ ہو گیا جاں غش میں جا پڑی

کیا کیا کہوں میں شوخ کے عالم بناؤ کا
اُس دم بندھی تھی اُس کے غضب آن کر ہوا
تصویر بن رہی تھی نگا سرے تا بپا
اکا فر کھڑی ہوئی تھی عجب ڈھب سے بن بنا
اک ہاتھ میں لے آئینہ، اک ہاتھ مین چھڑی

دیکھی جو واں پہ میں نے طلسمات کی ہوا
اُس کی چمک جھمک کی بہاریں کہوں مین کیا
عالم جواہرات کا ہر جا چمک رہا
چمکا جو وہ مکان مری آنکھوں میں تو رسا
حیرت سے عقل آن کے چکر میں جا پڑی

ایسا مکان تو میں نے نہ دیکھا تھا نہ سُنا
چاہا کہ دیکھوں کوٹھے کے اوپر نظر اُٹھا
دیوانہ ہو میں چاروں طرف دیکھنے لگا
اتنے میں اک طرف سے جو پردہ سا اُٹھ گیا
بجلی سے کچھ چمک گئی آنکھوں میں اُس گھڑی

آکر کھڑی ہوئی تھی جو واں ناگہاں وہ شوخ
کچھ چلبلی نگاہ تھی، کچھ انکھڑیاں وہ شوخ
لیتی تھی ہر نگاہ میں عاشق کی جاں وہ شوخ
کرتی تھی سیر چاروں طرف کی جو واں وہ شوخ
اتنے میں پھرتی اُس کی نظر مجھ پہ آ پڑی

اُس کی نگہ کے آنے کا میں کیا کروں بیاں
بجلی تھی یا کہ تیر تھی، گولی تھی یا سناں

لے ہر پڑی
بلبل ۱۲
اشرف علی

میری طرف کو دوڑ کے آئی تھی، ناگہاں — میری نظر بھی دوڑ کے اُس کی نظر سے واں
ایسی لڑی کہ خوب لڑی، خوب ہی لڑی

بارے نظر کے لڑتے ہی کچھ کم ہوا حجاب — اُلفت کی آ کے دونوں طرف سے کھنچی طناب
اتنے میں دیکھ دیکھ کے وہ رشکِ ماہتاب — اک بار کھلکھلا کے ہنسی اور اُٹھ شتاب
کافر وہ میرے پاس ہی آ کر ہوئی کھڑی

کہنے لگی کہ تو نے بلایا ہے کیوں مجھے — دے خواب کو دُعا کہ نہ پاتا تو دوں مجھے
چاہت میں اپنی ڈوبا ہوا دیکھا جوں مجھے — ہنس کر لپیٹ گلے سے لگی کہنے یوں مجھے
آ اس محل میں چل کے کریں عیش دو گھڑی

اُس گلبدن سے جب کہ ملی آ کے مجھ کو داد — مارے خوشی کے کچھ نہ رہی تن بدن کی یاد
کیونکر بھلا نہ عیش و طرب دل کو ہو زیاد — میری تو اُس پری سے یہی عین تھی مُراد
سنتے ہی دل کی کھل گئی ہر ایک پھلجھڑی — نہ گل پھڑی

پالا پڑا جو مجھ کو اُس آبِ حیات سے — جان آ گئی بدن میں مرے اُس کی بات سے
آخر کو لے چڑھی مجھے کوٹھے پہ گھات سے — دو چار جام مجھ کو پلا اپنے ہاتھ سے
سو نازسے پلنگ پہ مرے پاس آ پڑی

آنے سے اُس کے دل کا مرے کھل گیا چمن — عیش و طرب کے ابر کی پڑنے لگی جھڑن[1]
نازک کمر وہ صاف شکم، اور وہ نرم تن — گل سا ملا جو مجھ کو نیا گدگدا بدن
رگ رگ میں میرے چھٹ گئی عشرت کی پھلجھڑی

لے کر بغل میں اُس کو لگایا جو ہیں گلے — سو عشرتوں کے دل پہ مرے کھل گئے درے[2]
حاضر ہوئے جب آن کے سب عیش اور مزے — سینے سے سینہ مل گیا اور لب سے لب ملے
لہ لپٹے — اُٹھنے لگی بہار مزوں کی دھڑی دھڑی

اِدھر تو جوشِ عشق، اُدھر حسن اور جنوں — ناز و ادا کی آ کے لگی ہونے دھپ[3] دھوں

[1] جھڑن۔ موسلا دھار بارش
[2] درے۔ دروازے ۱۲
[3] دھپ دھوں۔ پیار ڈگی از پیٹ ۱۲ اشرف علی لکھنوی

ان عشرتوں میں آہ نصیبوں کو کیا کہوں — چاہا میں اس پری سے جو کچھ اور کچھ کہوں
اتنے میں ہائے یار مری آنکھ کھل پڑی

یہ حادثہ جو مجھ پہ پڑا آکے یک بیک — آنکھوں سے میرے اس گھڑی آنسو پڑے ٹپک
نیند اُڑ گئی قرار گیا جل گئی پلک — جاگا کیا نظیرؔ میں پھر آہ صبح تک
مل مل کے ہاتھ رات کی کاٹی گھڑی گھڑی

---

(۵۱۲)

دیگر

چلا جب گھر سے اک دلبر دلوں کو حسن سے چھلنے — عرق کو رُخ کے پلکوں کی جھپک پنکھا لگی جھلنے
لکھے تصویر کے سو نقش اور تعویذ ہیکل نے — لگایا دام زلفوں کی شکن نے پیچ نے بل نے
بنایا پان نے رنگ اور سنبھالا سحر کاجل نے

وہ کھڑے کی جھلک آئینہ جس کو دیکھ ہو حیراں — وہ کاکل کی کھلاوٹ جس پہ فدا ہو سنبل و ریحاں
مسی اور پان سے بھی منفعل ہوں لالۂ[له] نافرماں — مرا دل دیکھتے ہی اس صنم کو ہو گیا شاداں
نگاہیں دمبدم سو عیش و عشرت سے لگیں ملنے

کئی بار اس کی جانب میں نے جب بھر کر نظر دیکھا — وہ عالم حسن کا اس کے بہت مجھ کو پسند آیا
وہ پیاری پیاری آنکھیں اور وہ بھولا بھولا رخ اس کا — کبھی خوش ہو کے ہو ہو کی، کبھی بولا ا ہا ہا ہا
عجب لوٹے مزے اس وقت نظارے کی انگل نے

ہوئی دل کو مرے اُس آن حاصل کیا ہی خوشوقتی — اُسے بھولا سمجھ کر میں نے دیکھی سہاوا اُس کی

له لالہ نافرمان ایک قسم کا لالہ صرف نافرمان بھی کہتے ہیں ۱۲ اشرف علی

کبھی رُخ پر کبھی زلفوں کی جانب ٹکٹکی باندھی — نہ بولا منھ سے ہر گز دیکھ کر وہ خوش دلی میری
مگر کچھ کچھ تبسم کے تخترلب سے لگا ملنے

وہ جس دم مسکرایا پھر تو میں خوش ہو کے کھل کھیلا — ہوا دل کو یقیں میرے کہ یہ محبوب ہے بھولا
نہ یاں کچھ خوف تیوری کا نہ یاں خطرہ ہے جھڑکی کا — مجھے کر جل سے غافل بھولی صورت کا بنا نقشا
کیا اک بار منھ غصے سے سرخ عیار اچپل نے

مرے ہوش اڑ گئے یار و جب اُسکی شکل یہ دیکھی — وہیں گھبرا گیا اور سٹ پٹایا عقل سب بھولی
کہا دل میں کروں اب کیا سمجھ تو ہو گئی اُلٹی — اب اس ظالم کے ہاتھوں سے بچاؤں کیونکر اپنا جی
اُٹھا کر جھپ قدم واں سے لگا گھر کی طرف چلنے

جب اس عیار نے دیکھا کہ یہ اب یاں سے چل نکلا — کہا ہنس کر ارے پُر فن کہاں تو جانے پاوے گا
یہ سُن کر اور بھی گھبرا گیا میں خوف سے اُس جا — چلا ڈرتا جو آگے کو، تو وہ پھر ہنس کے یوں بولا
اُڑا کر مفت نظارے بچا تم اب لگے ٹلنے

کہا جب اُس نے یہ پھر تو حواس اپنے مجھے بھولے — ٹھٹھک کر رہ گیا اُس جا نہ ہر گز چل سکا آگے
دکھائی عاجزی منت بھی کی اور ہاتھ بھی جوڑے — ادب سے یوں کہا، اب تو ہوئی تقصیر یہ مجھ سے
لگے قطرے پسینے کے مرے منھ سے وہیں ڈھلنے

نہ آیا رحم کچھ اُس کو بہت میں نے سماجت کی — نگہ نے سامنے آتے ہی سینے میں سناں جڑ دی
کمند زلف پُر خم نے بھی گردن دل کی پھر جکڑی — لگے غمزے لگانے تیر ادھر دکھلا کے سو پھرتی
اُدھر سے تیغ ابرو کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے

ادھر آن و ادا اینٹھی، کرشموں نے اُدھر گھیرا — اُدھر پلکوں کی نوکوں نے چبھو یا دل میں نشتر سا
ادھر انداز نے دبیج کی کیا دیوانہ و شیدا — اُدھر آنکھوں کے جادو نے بنایا باؤلا کیا کیا
ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی چھل بل نے

کرے کیا واں کوئی جس جا یہ صورت آن کر ٹھہرے — بچاوے دل کو پھر کیونکر کرے کیا، اور کسے رو کے

نہ کھل کھیلنا
جو جی میں آئے
کچھ گزرنا یا گر گزرنا
مورکھ اچپل -
چلبلا - شوخ -
اشرف علی

کہوں کیا اُس گھڑی کچھ بن نہ آیا دوستو مجھ سے
دکھا کر مجھ کو اپنے واں زبردستی کے یہ نقشے
وہیں دل لے لیا جھٹ پٹ نظیر اُس شوخ چنچل نے

(۵۱۳)

خواب عشرت

کل دیکھا خواب عجب ہم نے اک چنچل شوخ پری جھٹ سے
اک بار گلے سے آلپٹی اور لیٹ پلنگ پر جھٹ پٹ سے
سینے سے سینہ لگتے ہی دل جوش میں آیا جھٹ پٹ سے
کچھ اور ارادہ تھا دل میں، کمبخت کسی کی آہٹ سے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

تھا اور مکاں اک خلوت کا، اور عیش کی چیزیں تھیں دو سے
ہو مست نشوں میں آلپٹی دل کھول خوشی سے پی کر مے
ہٹ پھیری ہوئی جب مستی میں، اتیار ہوئی جب دو بھی تے
کیا عیش ملا تھا قسمت سے اک بار وہیں اس میں اسے ہے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اُس شوخ پری کے جوبن کا اک باغ کھلا تھا، کیا کہیئے
اور سُرخ بدن میں جوڑا تھا اور عطر لگا تھا، کیا کہیئے
دیکھ اُس کا سینہ حسن بھرا کیا جوش اُٹھا تھا کیا کہیئے

سب دل کی دل کے بیچ رہی، کیا عیش مزا تھا کیا کہیے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اک سرخ پلنگ تھا نازک سا، اور اُس پر سوتی پیاری
جب نیچے اوپر ہو لپٹے، کیا عیش ہوئے بھاری بھاری
جس وقت وہ نوبت آ پہونچی چھُٹ جاوے...... کی پچکاری
اتنے میں چھٹتے چھٹتے ہی یہ آن پڑی سر پر خواری
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جو عیش مزے کی خواہش تھی موجود ہوئی تھی آکر سب
باہوں سے باہیں، منھ سے منھ، چھاتی سے چھاتی لب سے لب
جس بات کی ساری لذت ہے، اُس بات کی آکر ٹھہری جب
اور عیش طرب کے ہوتے ہی کیا قہر ہوا یہ، ہائے غضب
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جس وقت پلنگ پر پہلو میں وہ چنچل اچپل جان پڑی
اُس جان صنم کے آتے ہی اس سست بدن میں جان پڑی
گھٹنوں سے گھٹنے جا لپٹے، اور ران کے اوپر ران پڑی
... بھی ہونے نہیں پایا، جو ہائے یہ آفت آن پڑی
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

یہ تار بندھا تھا عشرت کا، جو عیش پڑا لہراتا ہے
اور وقت ... کے چھٹنے کا آیا تو نہیں، پر آتا ہے
اتنے میں سر پر کشتیبان زنگا آن بجاتا ہے
کیا قہر ہوا ہے کیا کہیے، اس بات پہ رونا آتا ہے

جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

کیا عیش و طرب کی ٹھہری ہے، اور نیچے اوپر آنے سے
سب چور اُچکے سے بچ کر جا ہو نچا مال ٹھکانے سے

جی ڈوب رہا تھا لذت میں اس عشرت عیش اُڑانے سے
اک بلی اس میں چیخ پڑی، اُس خندی کے چلّانے سے

جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اس وقت نشے کی لذت میں آلپٹ ہو لی تھی اس گوں سے
کچھ تیر نگہ کے چلتے تھے، کچھ تیغ اُگلتی تھی بھوں سے

لگتے تھے ڈنکے عشرت کے، اور عیش کے بجتے تھے دھونسے
اک کتّا اس میں بھونک اٹھا، اس وقت اُسی کی بھوں بھوں سے

جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

کیا دھوم مچی تھی عشرت کی، اور عیش اُبلتے تھے بہ بہ
وہ ہم سے دو دو پیتی تھی، ہم اُن سے لپٹتے تھے رہ رہ

کیا سخت مصیبت آن پڑی، اس عیش کے عالم میں وہ وہ
کمبخت گدھا اک رینک اُٹھا یکبارگی ڈھیچو ڈھیچو، کہہ

جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جب ہوگی صبح تو، اے یارو، میں کیا کیا ہاتھ اُتاروں گا
اس کتّے بلی کے پتھر، اور لٹھ گدھے کے ماروں گا

نرسنگے والے کو بھی لے اب خوب سا میں للکاروں گا
یہ بات نظیرؔ، اس عشرت کی میں کیونکر ہائے بسارؔ دوں گا[1]

جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

[1] بسار دوں گا: بیان کروں گا۔ اشرف علی

۵۱۴

دیگر

ہے دید فقط منظور جنھیں، وہ ہوکر جب بیکل نکلے
کیا کام انھیں جو ہنس بولے، یا شوخی میں چنچل نکلے
آ پہونچے اُسکے کوچے میں جو لیکر دل چنچل نکلے
ہے مقصد جنکے دیکھنے سے وہ گھر سے جب آنچل نکلے
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

نہ پوچھا اُن سے کون ہو تم، نہ اپنے جی کی بات کہی
جب چھوڑی خواہش بوسے کی پھر کاہے کو دشنام سہی
نہ کرنا کچھ انکار پڑا، نہ کہنا ٹھہرا یوں ہی سہی
جب نکھرے ہوگئے چنچل سے سب چھوڑ ہوس یہ بات رہی
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

بےچین ہوا دل سینے میں گر دیکھنے میں کچھ دیر ہوئی
بازار گلی اور کوچے میں ہر ساعت ہیر اپھیر ہوئی
گھبرا کے نکلے بے بس ہو اور شوق کی گھیر اگھیر ہوئی
تھی چاہ نظر بھر دیکھنے کی جس جاگہ ریٹ بھیڑ ہوئی
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

نہ خواہش پاس بٹھانے کی، نہ منت زلف کھلانے کی
ہے جی میں چاہ بھری ایسی جو شمع سے ہو پروانے کی
نہ غرض کسی کے ملنے کی، نہ محبت پان چبانے کی
جس جاگہ ریٹ بھیڑ ہوئی ہے طرز یہی ٹل جانے کی
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

اک آن نہیں کل پڑتی ہے ہر آن کی جھپک لانے میں
نہ ایما نہ تصریح رہی کچھ دل کا حال جتانے میں
نہ دخل جھڑکی کھانے میں، نہ شامل ناز اٹھانے میں
بس ایک غرض ہم رکھتے ہیں، یہ اُس ٹک آنے جانے میں
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

ہے حسن بھی اُسکا ناز بھرا[1] اور آن و ادا بھی باقی ہے
سر پاؤں سے لے اُس چنچل میں سو زینت اور زیبائی ہے

[1] سٹھ بھرا۔ ٹھٹھ بھرا۔ ٹھ بھرا۔ سب کے آخر میں ۱۲ تقلید ہے۔ مگر یہاں جو مکرر یہ غیر واقع ہوا ہے لہٰذا (ر) یہی سے پڑھنا پڑے گا ۱۲ اشرف علی

جب گھر سے وہ دلبر نکلے، دل دیکھنے کا شیدائی ہے
ہم کو تو نظیرؔ اس اُلفت میں اب طرز یہی بن آئی ہے
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

۵۱۵

دیگر

دکھلا کے جھمک جس کو ٹک چاہ لگا دیجے
سو ناز اگر کیجے اُلفت بھی جتا دیجے
پھر اُس کو بہت اے جان بالا نہ بتا دیجے
منظر کے ذرا در کو آگے سے ہٹا دیجے
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

دیکھی ہے تمہارے جو چہرے کی جھمک اے جاں
ہے ہم کو بہت مشکل، اور تم کو بہت آساں
دل سینے میں تڑپے ہے جو دیکھے سے پھر اک آن
ہے عرض یہی اب تو اے بادشہ خوباں
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

چھپتے ہو عیاں ہو کر ہو تم اگر اس ڈھب کے
دیدار کی خواہش میں ہم یاں ہیں کھڑے کب کے
عاشق بھی تو شیدا ہیں چاہت ہی کے مطلب کے
جس ڈھب سے دکھایا تھا ویسی ہی طرح اب کے
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

آنکھیں بھی ترستی ہیں اور دل بھی بہت حیراں
گر حسن دکھا ہم کو بے تاب کیا ہے یاں
کل پڑتی نہیں اک دم بن دیکھے ہوئے یک جاں
تو مہر سے ٹک ہنس کر اے رشک مہ تاباں
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

آئی ہے نظر ہم کو جب سے وہ طرحداری
ٹک لیتے تمہیں ہم تو جو ہوتی نہ ناچاری
ٹھہری ہے اُسی دن سے خاطر میں طلبگاری
گر ہم کو جلانا ہے تو کر کے نمو داری

پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

چھپنے کی اگر تم نے یاں آن سنواری ہے — تو بس نہیں کچھ اپنا مرضی یہ تمھاری ہے
بن دیکھے ہوئے ہم کو ہر سانس کٹاری ہے — کچھ اور نہیں خواہش یہ عرض ہماری ہے

پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

دل ہجر محبت میں ہر آن جو بہتا ہے — اک آن تمھیں دیکھیں ارمان یہ رہتا ہے
بے چین ہو کے بہت بے بس دکھ دوری کے سہتا ہے — بیکل ہو نظیر اب تو اے جان یہی کہتا ہے

پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

(۵۱۶)

دیگر

جس دن سے ادا مجھ کو اُس بت کی لگی پیاری — اور کھپ گئی آنکھوں میں چنچل کی طرح داری
دل پھنس گیا زلفوں میں اُس شوخ کی اک باری — دیوانگی آ پہونچی، جاتی رہی ہشیاری

کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

ملتا ہوں جو ٹک جا کر تو مجھ سے وہ لڑتا ہے — کچھ بات جو کہتا ہوں جھنجھلا کے جھگڑتا ہے
گردن کو پکڑ میری سر کو بھی رگڑتا ہے — جو جو وہ دکھاتا ہے سب دیکھنا پڑتا ہے

کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

اک چاہ کے دریا میں دن رات میں بہتا ہوں — غوطہ بھی جو کھاتا ہوں تو کچھ نہیں کہتا ہوں
ہر دم کے ستم اُس کے میں کھینچتا رہتا ہوں — جو ظلم وہ کرتا ہے، ناچار میں سہتا ہوں

کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

صورت جو کبھی اس کی ٹک دیکھنے جاتا ہوں
تیوری وہ چڑھاتا ہے، میں خوف میں آتا ہوں
جھڑکے ہے خفا ہو کر جب حال دکھاتا ہوں
وہ گالیاں دیتا ہے، میں سر کو جھکاتا ہوں
کیا کیجے ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

دل دے کے مجھے یار دکھ درد ہوا لاہا
پلکوں نے ستمگر کی اب دل کو مرے راہا
روتا ہوں تو کہتا ہے، کیوں تو نے مجھے چاہا
جتنا وہ ستاتا ہے، کہتا ہوں اہا ہاہا
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

کہتا ہے تجھے میں تو ہر آن کڑھاؤں گا
کچلوں گا ترے دل کو، اور جی کو جلاؤں گا
کوچے سے نکالوں گا، ہر وقت ستاؤں گا
میں اس سے یہ کہتا ہوں جی سب یہ اٹھاؤں گا
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

تقصیر نہ ہووے گی کچھ خدمت سامی میں
ہوگا وہی آوے گا جو رائے گرمی میں
آنے کی نہیں خاطر ہرگز مری خامی میں
حاضر ہے نظیرؔ اے جان اس وقت غلامی میں
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

تمام شد مخمسات

مسدّسات عاشقانہ نظیر

(۵۱۷)

جدائی

جہاں میں نام تو سنتے تھے ہم جدائی کا — دلے نہ دیکھا تھا درد و الم جدائی کا
دیا فلک نے ہمیں بھی ستم جدائی کا — بڑا ہے مرگ سے ایک ایک دم جدائی کا
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

گھڑی گھڑی میں تڑپ کر اُٹھے ہے دل سے آہ — جگر کے ٹکڑے نکلتے ہیں اشک کے ہمراہ
جو کوئی شکل مری دیکھتا ہے اب واللہ — یہی کہے ہے وہ سینے سے سرد بھر کر آہ
غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

مجھے نہ کیونکہ مرے دل میں داد اور بیداد — کہ تھے جو عیش و طرب سب وہ ہو گئے برباد
نہ جی کو چین، نہ آنکھوں کو سکھ، نہ دل ہے شاد — بھلا میں کس سے اب اِس ظلم کی کروں فریاد

غضب ہے، قہر ہے، یارو ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

کبھی تو یار کے آنے کی راہ تکتا ہوں   گلی میں اُس کی کبھی جا کے سر ٹپکتا ہوں
کبھی دوانہ ہو جنگل میں جا بھٹکتا ہوں   نکلتی جان نہیں اور پڑا سسکتا ہوں

غضب ہے، قہر ہے، یارو ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

نہ تن سے جان نکلتی ہے اب جو صبر آوے   نہ دل میں زور ہے جو تاب صبر کی لاوے
نہ موت آوے، نہ یار آ کے منھ کو دکھلاوے   یہ حال ہو تو کوئی، آہ پھر کدھر جاوے

غضب ہے، قہر ہے، یارو ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

پھروں ہوں دشت و بیاباں میں رات دن غمناک   جلاتا آہ کے شعلے سے سب خس و خاشاک
خراب حال، جگر خستہ، اور گریباں چاک   پہ جس پہ آن پڑے غم وہ کیا جیے پھر خاک

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

مری جو چشم سے دن رات آنسو بہتے ہیں   تو جان و دل مرے کیا کیا عذاب سہتے ہیں
جو آشنا ہیں مرے مجھکو دیکھ رہتے ہیں   سب اپنے حیف سے مل مل کے ہاتھ کہتے ہیں

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو میکدے کی طرف کو کبھی کروں ہوں گذار   تو دیکھ مجھ کو پریشاں، خراب، خستہ و خوار
پیالہ چشم کا آنسو سے بھر ہر اک میخوار   جگر سے کھینچے ہے آہ! اور یہی کہے ہر بار

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا

خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

کبھی چمن کو جو گھبرا کے ہوں نکل جاتا ۔۔۔ تو واں بھی' ہائے' ذرا دل نہیں ہے ٹھہراتا
جدھر کو جاوں اُدھر غم جگر کو ہے کھاتا ۔۔۔ عجب خرابی ہے' کچھ ہائے بن نہیں آتا

غضب ہے' قہر ہے' یارو' ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو کوئی ہجر میں روتا تھا عاشقِ محروم ۔۔۔ میں ہنس کے کہتا تھا دل میں عبث یہ ہے مغموم
پڑی جو مجھ پہ بھی آکر فراق کی یہ دھوم ۔۔۔ وہ اُس کا درد مجھے' ہائے اب ہوا معلوم

غضب ہے' قہر ہے' یارو' ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو کوئی پوچھے ہے کیا تجھ پہ دُکھ پڑا ایسا؟ ۔۔۔ کہ جس سبب سے تو پھرتا ہے اسقدر شیدا
میں اُس کو جس گھڑی دیتا ہوں اپنا حال سُنا ۔۔۔ تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہی وہ ہے کہتا

غضب ہے' قہر ہے' یارو' ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

نہ بھوک لگتی ہے' نہ نیند منھ دکھاتی ہے ۔۔۔ جو دن پیے ہے لہو' رات مجھکو کھاتی ہے
نہ دل لگی' نہ کوئی چیز مجھ کو بھاتی ہے ۔۔۔ کلیجا ٹوٹے ہے' اور چھاتی اُمڈی جاتی ہے

غضب ہے' قہر ہے' یارو' ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

نہ سُدھ ہے سیر کی مجھ کو' نہ انجمن کی خبر ۔۔۔ نہ یاد باغ کی ہے' اور نہ شہر و بن کی خبر
نہ دھیان جسم کا' اور کچھ نہ پیرہن کی خبر ۔۔۔ نہ ہوش دل کا ہے' نہ مجھکو تن بدن کی خبر

غضب ہے' قہر ہے' یارو' ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو مجھ پہ آں پڑا دن سیاہ، مت پوچھو
سوائے مرگ نہیں اب نباہ، مت پوچھو
ہوا ہوں ہجر میں ایسا تباہ، مت پوچھو
جو ظلم مجھ پہ گذرتا ہے آہ! مت پوچھو

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلادے غم جدائی کا

جدائی ہائے محبت کی کیا بری ہے شے
نظیر ہجر کے اب غم کو روئیے تا کے
کہ دل نہ بزم میں بہلے، نہ خوش لگے ہے مَے
بہت برا ہے یہ عاشق کے حق میں دکھ ہے ہے!

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلادے غم جدائی کا

۵۱۸

مجبوری محبت

اس شوخ کے ستم کا گلہ، آہ، کیا کروں؟
بہتے ہیں اشک شام و سحر گاہ، کیا کروں؟
تن سوکھ کر ہوا ہے مرا کاہ، کیا کروں؟
ملتا نہیں ہے تو بھی وہ گمراہ، کیا کروں؟

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

جس دل سے اس سے آن کے پھوٹا مرا نصیب[1]
ہوں جاں کنی میں، تو بھی نہیں جاگتا نصیب
دل بھر کے ایک دن نہ ہوا دیکھنا نصیب
کن سختیوں میں آن پڑا اب میں یا نصیب

فرصت تو سانس کی بھی نہیں آہ کیا کروں؟
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں؟

[1] اس سے نصیب پھوٹا یعنی اس عرضے پالا پڑا ۱۲

ایدھر تو مجھ کو قتل کرے ہے وہ نیک نام — اُدھر کو آ رہے ہیں اجل کے مجھے پیام
اب یار کو مناؤں، کہ رکھوں اجل کو تھام — اس کشمکش میں اب کہو کیا کیا کروں میں کام؟

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں؟
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ کیا کروں؟

گر یار کی خوشی نہ کروں تو وہ ہو خفا — اور جو اجل کو روکوں تو مانے ہے وہ بُرا
عرصہ تھا زندگی کا سو گھڑیوں پہ آ لگا — اس دو گھڑی میں آہ میں کیا کیا کروں بھلا؟

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ کیا کروں

گر اپنی زندگانی کا کرتا ہوں اب حساب — پل مارنے کی دیر ہے، پانی کا جوں حباب
کیونکر بہے نہ غم سے مرے آنسوؤں کا آب — اتنی سی زندگی میں بھی کیا کیا سہوں عذاب

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ کیا کروں

جو جی چھپا کے اب نہ سہوں یار کی جفا — تو عاشقوں کے بیچ کہاتا ہوں بے وفا
اور جی کو دیکھتا ہوں تو اک دم کی ہے ہوا — ان مشکلوں کے بیچ کروں آہ، اب میں کیا

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ کیا کروں

گر ہاتھ دھو کے بیٹھ رہوں اب میں صبر کر — یہ لوگ طعنہ دیتے ہیں، ہنس ہنس کے گھر بہ گھر
اور یار سے ملوں تو وہ کرتا نہیں نظر — اس بیکسی میں آہ کہاں ٹیکوں اپنا سر

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ کیا کروں

نہ آہ کا مکاں ہے نہ رونے کی اب ہے جائے — نہ دل کو میرے صبر، نہ دلدار منھ لگائے

گر ایک غم پڑے تو مرا جی اُسے اُٹھائے
اس آسماں پھٹے کو کہوں کس سے اب میں لائے

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں

گر یار کی گلی میں رہوں جا کے بے قرار
تو سختیوں سے مجھ کو اُٹھاتا ہے بار بار
ہر آن توڑتا ہے مری آس بار بار
اس درد غم کو آہ میں کس سے کہوں پکار

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

روؤں تو مجھ کو اور رُلاتا ہے وہ حبیب
بولوں تو یوں کہے ہے کہ چل مت نکال جیب
گر غم دکھاتا ہوں تو آ پہونچی عنقریب
اور یار سے سلوک یہ ٹھہرے ہیں، یا نصیب!

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

چاہوں کہ مجھ کو عشق میں اپنے کرے اسیر
تو دور بھاگتا ہے مجھے جان کر حقیر
نہ مجھ کو قتل کرتا ہے ظالم، نہ دستگیر
کیا بیطرح کے غم میں پھنسا ہوں میں اے نظیر

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں

(۵۱۹)

فراق

جب سے تم کو لے گیا ہے یہ فلک ظالم کہیں
جی ترستا ہے کہیں، اور چشم ہے پُرنم کہیں
ہم پہ جو گذرا ہے وہ گذرا کسی پر کم کہیں
نہ تسلی ہے، نہ دل کو چین ہے اک دم کہیں

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں
ٹیپ

تم وہاں بیٹھے ہو ہم یاں ہجر کے ہاتھوں خراب
بیقراری، یادگاری، انتظاری، اضطراب
نہ تو دن کو بھوک ہے، نہ رات کو آتا ہی خواب
کیا کہیں، تم بن پڑا ہے ہم پہ اب کیسا عذاب

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

ہر گھڑی آنسو بہانا دیدۂ خونبار سے
آہ و نالہ کھینچنا ہر دم دلِ بیمار سے
رات دن سر کو پٹکنا ہر در و دیوار سے
ہے بُرا احوال اب تو ہجر کے آزار سے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

یاد آتی ہے تمہاری اُلفتوں کی جب کہ چاہ
پاؤں میں طاقت، نہ تن میں زور، نہ معلوم راہ
دل کے ٹکڑے ہوتے ہیں آنسو بہے ہیں خواہ مخواہ
کیا غضب ہے، کیا کریں کچھ بن نہیں آتی ہے آہ

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

نہ کسی سے مہر و اُلفت، نہ کسی سے پیار ہے
دل اُدھر سینے میں تڑپے، جی اُدھر بیمار ہے
نہ کوئی اپنا رفیق، اور نہ کوئی غمخوار ہے
کیا کہیں اب تو بہت مٹی ہماری خوار ہے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

گھر میں جی بہلے، نہ باہر انجمن میں دل لگے
نہ پہاڑوں میں، نہ صحراؤں، نہ بن میں دل لگے
نہ خوش آوے سیر، نہ سرود و سمن میں دل لگے
اب تو تم بن نہ گلستاں، نہ چمن میں دل لگے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں

خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

پر نہیں اڑ کر تمہارے پاس جو آ جائیے — جی ہی جی میں کب تلک خونِ جگر کو کھائیے
چشم تر اور داغ سینے کے کسے دکھلائیے — دل سمجھتا ہی نہیں، کیونکر اسے سمجھائیے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

دم بدم بھرتے ہیں ٹھنڈی سانس بیدل کی طرح — نالہ و فریاد ہیں ہر آن گھائل کی طرح
سر پٹکنا اور تڑپنا رات دن دل کی طرح — خاک خوں میں لوٹتے ہیں اب تو بسمل کی طرح

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

اب جو اپنے حال پر ہم خوب کرتے ہیں نگاہ — ہر گھڑی مثلِ نظیرؔ اس غم سے ہے حالت تباہ
ہے جو ظلم و ستم ہم پر کہیں کیا تم سے، آہ! — بن موئے اب تو نظر آتا نہیں ہرگز نباہ

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

(۵۲۰)

التماس اخلاص

اپنے غمخواروں سے کوئی آن ہنس لے بول لے — دردمندوں کا نکال ارمان ہنس لے بول لے
پھر کہاں یہ دلبری یہ آن ہنس لے بول لے — دم غنیمت ہے ارے نادان ہنس لے بول لے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

آج تجھ کو حق نے دی ہے حسن و خوبی کی بہار — چاہنے والے سے کرے کچھ سلوک و مہر و پیار
کوندنا بجلی کا اور جوبن کا مت گن اعتبار — کاٹھ کی ہانڈی نہیں چڑھتی ہے پیارے بار بار

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اب تو منھ گل سے پیارے پھر دھتورا آکھ ہے — آج یہ گلشن کھلا ہے کل کو سوکھا ساکھ ہے
جو بھڑکتا شعلہ بھبھو کا آخرش کو راکھ ہے — چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا پاکھ ہے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اس قدر مت کر مری جان اپنے جوبن پر گمان — یہ نہیں رہتا سدا کافر کسی کے پاس ہاں
جب گریں دانت اور پڑیں چہرے کے اوپر جھریاں — پھر یہ ہنسنا بولنا اور پھر یہ اچھلیاں کہاں

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

ایسا کوئی حسن والا آہ تو ہم کو بتا — جس کی خوبی کا ہمیشہ ایک سا عالم رہا
کیوں خفا ہوتا ہے ہم سے یاد رکھ او دلربا — ہاتھ آتا ہے نہیں کافر یہ جوبن جب گیا

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

کیا ہمارا حال دل خوبی تجھے کہتی نہیں — یا ہماری چاہ تیرے ناز کو سہتی نہیں
آہ کھیتی حسن کا فر کی ہری رہتی نہیں — ناؤ کاغذ کی ہے پیارے یہ سدا بہتی نہیں

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

کیسے کیسے خوبرویاں ہو گئے ہیں میری جان — اپنے غمخوار دل سے کیا کیا کر گئے ہیں خوبیاں

ف کاٹھ کی ہانڈی بار بار نہیں چڑھتی ضرب المثل ہے ۱۲
دھتورا آکھ دو خار کے درخت کا نام ہے
سوکھا ساکھ یعنی خشک ۱۲
پاکھ یہ پندرہ دن کا ہے۔ چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا پاکھ ۱۲
اچھلیاں یعنی خوشیاں ۱۲
اشرف علی عفی عنہ

تو جو یہ روٹھا روٹھا ہم سے رہتا ہے نا مہرباں
دیکھ پچھتاوے گا غافل حُسن پر مت کر گماں

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حُسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

حسن کا عالم مگر ہر گھڑی ملتا نہیں
مجھ سے تیرا روٹھنا ہر دم کا اب بھلتا نہیں
گُل بھی کھِل کر ایک باری جان پھر کھِلتا نہیں
دودھ اور رول جب پھٹا پیارے، یہ پھر ملتا نہیں

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

آج تو عاشق کا سر ہے جان تیرا پاؤں ہے
اب یہ معشوقی کا سکہ آج تیرے ناؤں[۲] ہے
مُنتیں ہوتی ہیں اور تیری نہیں کچھ بھاؤں[۱] ہے
بھول مت اس پر میاں، یہ ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

دل غریبوں کے جو پیارے تجھ سے اب کھو پائینگے
بات کو ہنس نے کو، دے دے جھڑکیاں ترسائینگے
لیک اک دن تجھ کو بھی خوباں یوں ہی کلپائینگے
پانڈے جی پچھتائینگے، وہی چنے کی کھائینگے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اپنے اپنے وقت میں کیا کیا پری رو بن رہے
نہ کسی کا دھن رہے، اور نہ سدا جوبن رہے
چاند سے مکھڑے رہے اور گُل سے انگ تن رہے
نہ سدا پھُولے[۳] ترئی، اور نہ سدا ساون رہے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اب تو چہرے پر ہے تیرے حسن و خوبی کی جھلک
لیک جب جاتی رہے گی یہ جھمک اور یہ چمک
خواہ تو ہنس بول ہم سے خواہ غصہ ہو جھڑک
پھر جو بولے گا تو ہر ایک یوں کہے گا چل غ بک

---

[۱] یعنی تیرے بھاؤ دیں نہیں ۱۲
[۲] متقدمین ناؤں کے بجائے ناؤں بھی لکھتے تھے ۱۲
[۳] یعنی ہمیشہ ایک سے دن نہیں رہتے ۱۲ اشرف علی لکھنوی

ہاں رے کہنا مرا اے جان ہنس سے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس سے بول لے

اب نظیرؔ آگے ترے رہتا ہے حاضر صبح و شام
پیارے ہنس بول پیارے پی لے الفت کا جام
پھر کہاں یہ دلبری، یہ عیش کی باتیں، کلام
کچھ نہ رہوے گا، رہے گا آخرش اللہ کا نام

ہاں رے کہنا مرا اے جان ہنس سے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس سے بول لے

(۵۸۱)

اشتیاق دیدار

کیا اب ہے جو گل رخ نظریں چھپائے ہم سے
کچھ ہو، یہ دو نگاہیں ہنس کر ملائے ہم سے
ہم وہ میاں ہیں، اللہ پالا نہ ڈالے ہم سے
رہتے ہیں ہاتھ باندھے اب حسن والے ہم سے

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو، آنکھیں لڑائے ہم سے

اس حسن کا پڑا ہے کانوں میں جب سے جھنکا[۱]
ہو کر فقیر ہم نے جامہ رنگا ہے تن کا
دیدار کی طلب کو پیالا بنا نین کا
سیلی پہن گلے تاگا، منکا پھرا کے من کا

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو، آنکھیں لڑائے ہم سے

اپنی تو عشق میں ہی گذری جوانی پیری
یا کاکلوں کے پھندے یا زلف کی اسیری
اے دل جلوں کے دلبر، ہے وقت دستگیری
تیرے ہی دیکھنے کو اب ٹھان کر فقیری

اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپائے ہم سے

[۱] جھنکا = شاید معنے جھنکار دیا گیا ہے ۱۱۵۰ھ تین آنکھیں ۱۲ — شرت علی لکھنوی

ٹک ہنس کے اور پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

آگے بھی بھیس ہم نے بدلے ہیں کتنی باری
زنار باندھی، قشقہ کھینچا ہے ہو بجاری
جوگی بھی بن چکے ہیں، مندیل بھی سنواری
آزاد بن کے اس دم ہیں دید کے بھکاری
اک دم کو آگئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے اور پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

بانکے بھی ہو کے ہم نے اس دید کو اڑایا
شمشیر اور سپر کو اک عمر کھڑکھڑایا
بانک و بنّا و بلم گدکا و لٹھ پھرایا
جھمگا تمھارا اس دم ہم کو جو یاد آیا
اک دم کو آگئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

پھر کتنے روز ہم نے بجانے کا پالا
اُس حال میں بھی کتنے خوباں کو دیکھ ڈالا
پنجرا، گلہری، طوطا، شکرا اٹھا کر والا
اب دیکھنے کو تیرے یہ سوانگ کر کے لالا
اک دم کو آگئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

شیشے میں مدتوں تک ہم نے پلنگ اتارا
کتنے پری رخوں کو جا پیرنے میں مارا
تصویریں بیچنا بھی کتنے دنوں بچارا
اب دیکھنے کو تیرے ہو کر فقیر، یارا
اک دم کو آگئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

کشتی میں کتنی مدت ہم نے بدن کو توڑا
سو گل بدن کے تن کو من مانتا مروڑا
جو ڈھب تھا اُس ہنر کا کوئی نہ ہم نے چھوڑا
اب خوبرو کا پیارے دنیا میں دیکھ توڑا
اک دم کو آگئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

له مندیل چپکا زرین عمامہ ۱۲
له بجارا ۔ یہاں اختیار کیا کے معنی میں ہے ۔ دو مصرع میں یارا میں الف زائد ہے جو پرانی زبان تھا اُردو میں فصیح نہیں سمجھا جاتا ۱۲
اشرف علی

جوڑے کبوتروں کے کتنے دنوں اڑائے — کنکوّے عہ، چنگ، گڈی، تکلیں، پتنگ بنائے
گھٹ والے بن ہزاروں چھلے تلک لگائے — ہیں دیدکے جو دل میں لاکھوں مزے سمائے

اک دم کو آگئے ہیں، منھ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپری رو، آنکھیں لڑائے ہم سے

پھر لال بھی لڑائے، اور گلدمیں بھی پالیں — جنگل میں کل لگائی، اور پدڑیاں سنبھالیں
ڈبیوں میں ڈال ٹکھی بل کریاں بنالیں — کیا کیا نہ ہم نے پیارے پھر عہ کیاں نچالیں

اک دم کو آگئے ہیں، منھ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپر پرو، آنکھیں لڑائے ہم سے

اس شہر میں ہزاروں گو خوبرو بتاں ہیں — لیکن بتاؤ کس کی یہ پیاری انکھڑیاں ہیں
کس میں یہ اچپلاہٹ، کس میں یہ شوخیاں ہیں — اندازکرے دل میں تجھ میں جو خوبیاں ہیں

اک دم کو آگئے ہیں، منھ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپر پرو، آنکھیں لڑائے ہم سے

خیرادی ہو کے ہم نے لٹو چکئی عہ بنائے — اس میں بھی کتنے لڑکے خیراد پر چڑھائے
پھر ہو کے سرمہ والے، سرمہ بہت لگائے — رنچھوں تلک لڑائے، بندر تلک نچائے

اک دم کو آگئے ہیں، منھ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپر پرو، آنکھیں لڑائے ہم سے

اب تو نظیر تیرا ہے مہمان، پیارے — آ کر گلے لپٹ جا، اے مہربان پیارے
بوسے کئی دلادے ہونٹوں سے جان پیارے — تیرے ہی دیکھنے کا رکھو دل میں دھیان پیارے

اک دم کو آگئے ہیں، منھ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے، اوپر پرو، آنکھیں لڑائے ہم سے

عہ یہ سب کنکوے کی قسموں کے نام ہیں۔ عہ پھد کی ایک چھوٹے پرند کا نام۔ عہ چکئی ایک گول تراشی ہوئی لکڑی جو بیچ سے خالی ہوتی ہے اور جس میں تاگا باندھ کر بچے اوپر پھینکتے ہیں اور ہاتھ کے اشارہ سے وہ پھر تاگے کو درمیان میں لپیٹتی چلی آتی ہے۔ اختر علی تلہری

(۵۲۲)

وصل و فراق

گاہے بخندہ لب شکر آمیز می کنی — گاہے بہ عشوہ غمزۂ خونریز می کنی
ہر ناز دل فریب و دل آویز می کنی — القصہ ہر ادا ستم انگیز می کنی

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازارِ خویش و آتش ما تیز می کنی

پہلے لگائی دل کو مرے تو نے اپنی چاہ — جب لگ چلے ہم، "آہ"، تو لی تو نے اپنی راہ
سمجھے ترا فریب ہم، اے شوخ کج کلاہ — اچھی یہ رسم تو نے نکالی ہے، واہ واہ

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

اوّل دکھا کے دور سے وہ حسن مہر سوز — پھر چھپ گیا تو دل میں لگا تیر سینہ دوز
ہم دیکھتے ہی رہ گئے آشفتہ تیرہ روز — سوچا جو ہم نے خوب تو اے شمع دل فروز

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

روویں نہ تیرے ہاتھ سے ہم کیونکہ زار زار — دلدار بن کے تو نے کیا ہم کو دل فگار
اب ہم تو بے قرار ہیں اور تو خوشی ہے یار — کیونکر نہ ہو خوشی کہ ترا ہے یہی شعار

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

غرفے سے پہلے جھانک کے چہرہ دکھا دیا — جب ہم نے کی نگہ، تو لیا پردے میں چھپا
اپنا بڑھایا حسن، کیا ہم کو مبتلا — صد آفریں ہے، اے مرے عیارہ لقا

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

زلفوں کا اپنی ہم کو دکھا تو نے پیچ و تاب
ڈالا ہمارے دل میں تعشق کا اضطراب

جب پھنس گئے ہم، آہ، تو جھٹکا دیا شتاب
اب فطرتوں کا تیری، غرض، ہے یہی جواب

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

مکر و فریب تو جو کرے ہے نیا نیا
وہ سب نظیر جانے ہے اے شوخ دلربا

تیری جو شوخیوں سے وہ آگاہ بس کہ تھا
سعدیؔ جبھی یہ بیت گلستاں میں لکھ گیا

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

(۵۲۳)

رضا جوئی

گر تجھ میں، لے پری رو، یا مہر یا جفا ہے
یا راستی کا ملنا یا سربسر دغا ہے

کر تو وہی جو تیرے اب دل کو خوش لگا ہے
ہم جانتے نہیں ہیں کچھ نیک و بد کیا ہے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور ووں بھی واہ وا ہے

کچھ دل میں ہے، تو دل کی آبادیاں بھی کر لے
جور و ستم کی اپنے اُستادیاں بھی کر لے

بیداد ہے تو ظالم بیدادیاں[1] بھی کر لے
جلاد ہے تو کافر جلادیاں بھی کر لے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور ووں بھی واہ وا ہے

[1] بیداد کی بجائے بیدادی کو شعرا دوریں اردو میں صحیح ہو گیا متروک الاستعمال ہے ۱۲ اشرف علی

اب در پہ اپنے ہم کو رہنے دے یا اٹھا دے
عاشق ہیں زر قلندرؔ، چاہے جہاں بٹھا دے
ہم سب طرح سے خوش ہیں، رکھ یا ہوا بتا دے
یا عرش پر چڑھا دے، یا خاک میں ملا دے

راضی ہیں ہم اسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور ووں بھی واہ وا ہے

گر گھر سے بلا دے تو خوب جانتے ہیں
ہم اس طرح بھی تجھ کو مرغوب جانتے ہیں
اور جو رے ڈبا دے تو ڈوب جانتے ہیں
اور اس طرح بھی تجھ کو محبوب جانتے ہیں

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور ووں بھی واہ وا ہے

اک دن وہ تھا کہ ہم پر تھے عیش کے دھڑاکے
اب غیر پر کرم ہے، اور ہم پہ ہیں جھڑاکے
یاں مطلبوں کے ہم پر، اور غیر پر کڑاکے
ہم سب طرح خوشی ہیں ؎ مُنتا ہے اور لڑاکے؟

راضی ہیں ہم اسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور ووں بھی واہ وا ہے

یا دل سے اب خوشی ہو کر پیار ہم کو پیارے
جیتا رکھے تو ہم کو، یا تن سے سر اُتارے
یا تیغ کھینچ ظالم، ٹکڑے اُڑا ہمارے
اب تو نظیر عاشق کہتے ہیں یہ پکارے

راضی ہیں ہم اسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور ووں بھی واہ وا ہے

(۵۲۴)

دید بازی

پھبتا ہے اس کو یارو، دم عاشقی کا بھرنا
جس گھاٹ حسن اترے اس گھاٹ ہی اترنا
ہو یاد جس کو سو سو گل پھول کا کترنا
جس ڈھب کا حسن دیکھا اس ڈھب ہی گزرنا

ع زر قلندر - بڑے قلندر ۱۲
؎ گل کترنا عجیب کام کرنا - اب بھی محاورہ ہے - ممکن ہے کترنا قدیم میں گل پھول کترنا محاورہ ہو ۱۲ اشرف علی

سو کر دفن بنانا، سو رنگ روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حُسن بھاری شہ زور یا جبّا[1] ڑا
ڈنڈ بیل، بھان، مگدر، لیزم سے تم کو بھاڑا
تو پہلوان بن کر کھودا دہیں اکھاڑا
اس پیچ سے ہی گل رو میٹھے کو دھر پچھاڑا

سو کر دفن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جو حسن تھا چمکتا قاتل کا مثل کتا
بانک اور پٹا ہلایا، محنت سے ہو کے لتا
تو لکڑی باز بن کر پھینکا پھری بھی گتکا
راوت ہی بن کے مارا اُس پر بھی اپنا ہتا

سو کر دفن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے، خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حُسن بانکا، تو بن کے ٹیڑھے بانکے
کرخانہ جنگی اُس سے کھائے بدن پہ ٹانکے
تیغ و سپر تمنچے باندھے ہیں سب جہاں کے
ٹانکے تو کھائے لیکن پھنکے بھی خوب بھانکے

سو کر دفن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

تصویر سی کسی کی صورت جو دی دکھائی
گلیوں میں سیر دیکھی، میلوں میں جا لگائی
تو بن کے پھر مصور تصویر ہی بنائی
اس شکل سے ہی اکثر کی حسن کی کمائی

سو کر دفن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

لقّے[2] کی طرح دل کو جب حسن نے مروڑا
دکھلا کھی کا پٹھا، یا شستر وکا جوڑا
تو پال کر کبوتر اُس سے ہی دل کو جوڑا
کیسا ہی یہ گھوڑا[3] تھا پر موٹھ سے نچھوڑا

سو کر دفن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا

[1] جبا جبا۔ شاید جبر کرنے والے کے معنے میں لیا ہے، جبار سے بگڑا ہوا
[2] لقا، کھی وغیرہ کبوتروں کی قسموں کے نام ہیں ۱۲ - اشرف علی محو
[3] بگڑا سے دو ڈھائی برس کے کبوتر کو کہتے ہیں۔ یہ بھی اڑایا ہوا ہوتا ہے گرہ صرف دو ایک اڑائی ہوا تنہا نہ

عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن، یارو، جوں لعل یا انگارا
تو لعل چٹی کا ہی پھر پالنا بچارا
کل پا کے جال رو کا اور لعل کو اُتارا
اُس لعل کے ہی ڈھب میں اس پر بھی جال مارا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

بازاری حسن دیکھا تو کر کے دل فگاری
پنجرے بنا لئے خاصے، رنگیں، ہلکے، بھاری
ڈالے ہنڈولے اس میں نگین زرنگاری
اُن پنجروں میں کرنی اپنی دُکانداری

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

اچھا لگا جو دل کو سیمیں بدن پیارا
تو کیمیا گری کا پھر ٹھکٹھکا سنوارا
دکھلا کے چاندی سونا، جیسے چمکتا تارا
پارا ابھی تھا تو اُس کو اس ڈھب میں مارا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جمنا پہ جبکہ دیکھے اس حسن کے تناپے
تو بن کے باٹھن اُس جا چھاپے تلک بھی چھاپے
چندن دکھا کے ہر دم درپن دکھا کے بھاپے
اُس گھاٹ پر بھی آخر اپنے ہی چھاپے چھاپے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جادو جو حسن دیکھا تو سیکھے جادو ٹونے
پیروں کے تئیں جگا کے بیٹھا یا کونے کونے
پڑھ کھوپری کے کاجل چانول سندور بونے
جادو میں دیکھ ڈالے کافر کئی سلونے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن قابل تو ریختہ بنائے — کچھ کہ مکریاں بنائیں اور کچھ کبت بنائے
سکھیوں کی بجف ڈالی اور کھنڈ بھی جمائے — جب بھو لنے نہ پائے پھر تو مزے اڑائے

سو کر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جو حسن شیر دیکھا تو ریچھ کو نکالا — اور بن کے ریچھ والے سونٹا کڑا اُچھالا
کشتی سے کھڑکھڑایا اور آپ کو اچھالا — اس ریچھ سے بھی کتنے گل رو کو دیکھ ڈالا

سو کر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

کھڑی کا حسن دیکھا تو پھر نچا کے بندر — بکرا بھی لا اٹھایا اس کام کا سمندر
جب ڈگڈگی بجائی کوچہ گلی کے اندر — لڑکے ہزاروں بولے آؤ میاں قلندر

سو کر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

پایا جو رنگ بھولا تو بن کے رنگ بھریے — چھلے انگوٹھی ڈھالے سانچے کے کر کے بھریے
بولا کوئی جو اس میں کچھ تو خدا سے ڈریے — تو اس سے ہنس کے کہنا کچھ بات یاں نہ کریے

سو کر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن کوئی بلدار لہر کھایا — تو بن گئے سنپیرے اور سانپ کو چلایا
تو بین بجا کے ہردم سانپوں کا پھن ہلایا — اس سانپ کے ہی فن سے اپنا بھی من منایا

سو کر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن سرکش سیانے ہی ہو پکارے — ڈھونی فلیتے لکھے اور بھوت جن اتارے

۱؎ کہ مکری۔ ایک قسم کی پہیلی ۲؎ کبت۔ ایک قسم کی ہندی کی نظم ۳؎ سکھی سکھیاں ایک قسم کی پہیلی ۴؎ کھنڈ۔ ایک قسم کی گنوارو نظم ۵؎ رنگ بھریا۔ رانگے کے کھلونے اور زیور بنانے والا
اشرف علی

بھونکی چڑیل خندی، دبودں پہ ہاتھ مارے ، اک چھوٹے منترا میں کیسے کیے نظارے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جو حسن بالا دیکھا تو مکڑیاں بنائیں ، ڈبیوں میں ڈال مکھی اور مکڑیاں لڑائیں
کچھ چینٹیاں منگائیں کچھ تتلیاں نچائیں ، ان تیلیوں کی خاطر کیا تیلیاں لڑائیں

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

ہر اک پلنگ اُتارا شیشے میں جڑ کے ماشا ، لکڑی کے پھول کترے اور سنگترہ تراشا
مولی کا ہنس بگلا، گاجر کا مور باشا ، دیکھا ہر اک بہانے اس حسن کا تماشا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

میلوں میں آم جامن سیب و انار بیچے ، سیروں میں دال موٹھیں پاپڑ اچار بیچے
گھاٹوں میں جا چبینے نقد و اُدھار بیچے ، چکلوں میں بن کے مالی پھولوں کے ہار بیچے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

گر آپڑی کسی دن کچھ سیتلا بُرائی ، تو بیچ کر بجایا کی دل کی سر برائی
پھر بن گئے پجاری کر حسن کی اُگائی ، اس سیتلا کی مت میں اپنی ہی مت گنوائی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

ہولی کی پھر بہاریں ہو جھنجھ دائیں بائیں ، تو بن کے جوگی چیلے باندھیں عجب ہوائیں
آزاد بینوا ہو پھر کیں ندا صدائیں ، اُس حال قال ہی سے دیں حسن کو دعائیں

لہ خندی ایک قسم کی گالی ۔
ٹھٹھول باز عورت
اشرف علی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

خوبی کا لہر کھاتا دیکھا جو حسن لہری
کی بات وہ ہی جو کچھ اُس کے پسند ٹھہری
پالے شیر طوطے بگلے بئے گلہری
اُس لہری کی بھی دیکھی کیا کیا بہار گہری

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن سیانا تو بن گئے دوانے
لڑکوں کے سنگ کھانے اور شور غل مچانے
لاگے ہر اک کو اپنے دیوانہ بن جتانے
دیکھے ہزار جھگڑے آخر اسی بہانے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھی جو نرم و نازک اس حسن کی کلائی
بیچے بہت کھلونے اور جو جوبن پہ آئی
منہیار بن کے چوڑی ہاتھوں میں کھن کھنائی
آخر بھکاری بن کر کی حسن کی گدائی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

لازم ہے اُس کو، یارو، عاشق وہی کہاوے
بہروپیا بھی اپنا بہروپ بھول جاوے
جو اس طرح کی گھاتیں کر حسن کو بڑھاوے
آگے نظیرؔ کیا کیا عاشق کی دھن بتاوے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(۵۲۵)

رہ نوردیٔ فراق

جب ہم نے دن سے، اے زیبِ محفل
باندھا سفر کے ناقے پہ محمل
فرقت میں تیری آشفتہ بیدل
غربت کے ہمراہ، حسرت تھی شامل

رفتیم و بُردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بمنزل

منزل پہ اُترے تو اشک ریزاں
صحرا میں گذرے تو خاک بیزاں
جوں صید زخمی ہر سو گریزاں
القصہ آخر اُفتاں و خیزاں

رفتیم و بُردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بمنزل

نکلے جو واں سے ہم پا پیادہ
صد بار ہجراں بر جاں نہادہ
صد جا نشستہ، صد جا فتادہ
تجھ سے کہیں کیا، اے گل، زیادہ

رفتیم و بردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا منزل بمنزل

منزل بھی طے کی، اور صد بیاباں
طعنے بھی کھینچے مثلِ عقاباں
بیتاب و بے صبر ہر سو شتاباں
فی الجملہ ناچار، اے ماہِ تاباں

رفتیم و بردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بہ منزل

چلنے کی طاقت ہم میں کہاں تھی
قالب تو یاں تھا اور روح واں تھی
نے دم میں دم تھا، نے جاں میں جاں تھی
لیکن یہی بیت وردِ زباں تھی

رفتیم و بردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بہ منزل

منزل پہ روئے ہم آ کے ہر شب
صد اشک در چشم، صد آہ بر لب
اور دن کو روئے صحرا میں جب تک
آگے نظیر اب کیا بولے مطلب

رفتیم و بردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بہ منزل

(۵۲۶)

رازداری محبوب

سن رے اے شوخ، گلبدن، نادان
اس طرح بھر کے منھ، چبا کر پان
تجھے کہہ کہہ کے ہم ہوئے حیران
غیر سے تو ہنسا نہ کر ہر آن

اس میں ہوگا ہمارے جی کا زیان
اب بھی ظالم، ہماری بات کو مان

گل بدن تالیاں بجا دیں گے
کتنے آنکھوں میں مسکرا دیں گے
غنچہ لب منھ بنا چڑا دیں گے
کتنے آئینہ لا دکھا دیں گے

کیا ہی چھیڑیں گے ہر گھڑی، ہر آن
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

تو جو خوباں میں خوار ہووے گا
بات سب مفت اپنی کھووے گا
اپنی سب دلبری ڈبووے گا
ہاتھ پھر سر پہ رکھ کے رووے گا

کچھ نہ پھر بن سکے گا، اے نادان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

کل تو واں ایک گورا سا لڑکا — اپنے یاروں میں کچھ وہ کہتا تھا
ہم تو جانیں وہ صاف تھا جھوٹھا — یا خدا جانے، تھا وہی سچا

تو تو اس طور کا نہیں انسان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے پوچھا کہ کیا لیا بوسا ؟ — وہ تو کچھ اور اور ہی چڑ گا
میں کہا ہاتھ سینے پر پھیرا ؟ — اُس نے سودا ہی پار لا ڈالا

جانے اب اُس کا دین اور ایمان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے اُس سے کہا تو جھوٹا ہے — کیا وہ ایسا خراب و رسوا ہے ؟
بولا صاحب، تمھیں تو سودا ہے — واں تو جھگڑا ہی سارا پر[1] چھا ہے

کیا تمھارے ہیں بند اب تک کان
اب بھی ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے پھر بات کھود کر پوچھی ؟ — کیا کسی نے لگا لیا چھاتی ؟
بولا وہ تم تو سنتے ہو کم جی ! — اجی ترکی ہی واں تمام ہوئی !

جب تو کچھ ہم بھی ہو گئے حیران
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اور بھی اس کے چرچے ہوتے تھے — کتنے موتی کھڑے پر وتے تھے
کئی سن سن کے ہوش کھوتے تھے — ہم اسی دن کو یار روتے تھے

آخر اُٹھے یہ تو ٹلے[3]، طوفان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

کہ بھلا وہ جو کچھ کہے تھا جب — کچھ بھی سچ، یا کہ جھوٹ ہے یہ سب

[1] جھگڑا پر چھا ہونا یعنی کسی جھگڑے کا فیصل ہونا۔ [2] پر چھا ہونا صرف بھیڑ چھٹنا ۱۲ [3] تو ٹلیا ایہام طوفان بجھتان ۔ اشرف علی

آہ، اب ہم کو اس سے کیا مطلب
نیچ بھی ہوگا، تو تو کہے گا کب

شرم کا ہے کو کھلنے دے گی زبان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

تو جو راتوں کو اُن میں جاتا ہے
قہقہے مار، کھِل کھِلاتا ہے
جی میں پھولا نہیں سماتا ہے
ہم کو اب پھر یہ ہول آتا ہے

کہیں ویسے ہی پھر نہ ہوں بہتان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

آج جانا کہیں جو ہے ٹھانا
آفت اس حسن پر تو مت لانا
دیکھیو، اُن کے ساتھ مت جانا
اُن کے زنہار دم میں مت آنا

اُن سے ڈرتا ہے ہر گھڑی شیطان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

تو بھلا گو کہ ہوشیار رہا
تجھ کو غافل نشے میں جب پایا
پر دیا جب نشہ دغا سے پلا
پھر اچھوتا کسی نے کب چھوڑا

رحم کر اپنے حال پر، اے جان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

یاد ہے تجھ کو بات پرسوں کی
بات کچھ اور ہی اور ٹھہری تھی
جب نشے میں تجھے خبر نہ رہی
وہیں ہم آ گئے جو خیر ہوئی

ورنہ واں ہو چکا تھا سب سامان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

گر اُٹھکوں میں تو ہو گیا بدنام
کتنے ہنس ہنس کے دیویں گے دشنام
کئی خوباں کریں گے خط ارقام
کئی جھک جھک کریں گے آ کے سلام

پھر بندھیں گے اکھاڑے اور میدان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

خوب رد بھی پھر اُگے چھیڑیں گے
سب یہ باتیں گڑی اُکھیڑیں گے
کاغذوں کی طرح پھٹیڑیں گے
خوب سا شہد میں لتھیڑیں گے

دم میں کر دیں گے کرکری سب شان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

بچھ یہ اب پھینکتے ہیں جو پھندے
داں کئی ہو چکے ہیں شرمندے
اے ستم گر، بڑے ہیں وہ خندے
دیکھ الفت میں ان کی مت تن دے

بن کے انسان، پھر نہ ہو حیوان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اب تو تھوڑا سا گل یہ بھبولا ہے
اب تو جس کے بھروسے بھولا ہے
کل کو پھر باؤ اور بھولا ہے
وہ ترے عیب سب قبولا ہے

لوگ باندھیں گے تو طیے، طوفان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

پھول ڈالی پہ جب تلک ہے کھلا
جب کہ اس کو کسی نے توڑ لیا
اُس کا وال ہے کچھ اور ہی رتبا
پھر وہیں سُونگھ سانگھ پھینک دیا

اس سخن کے تو مغز کو پہچان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

آج یہ گال ہیں جو گل سے لال
آہ! ٹکلیں گے اُن پہ جب دم بال
لوگ گرتے ہیں ملبلوں کی مثال
پھر نہ یہ دھوم، اور نہ یہ دھمال

ان کے ملنے پہ بھول مت، اے جان

اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اب تو رکھتے ہیں بوالہوس کھٹکا ۔۔۔ کوئی چھیرا رنگا، کوئی پٹکا
لیک جب حسن کھا گیا چھٹکا ۔۔۔ آٹا نبڑا آ و بوچا پھر سٹکا[۱]
ہیں یہ دو دن کے چاؤ اور ارمان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

آگے وہ بات یاد ہے، پیارے ۔۔۔ گرچہ سچ کچھ نہ تھی، خدا نہ کرے
پر وہ طوفان تو طلے اُن کے ۔۔۔ ہم تو اب تنگ ہیں اُن سے شرمندے
بلکہ تجھ کو بھی خوب ہوں گے دھیان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

کیوں ستمگر یہ کیسی بات ہوئی؟ ۔۔۔ اُس نے جو کچھ کہی سو تو نے سُنی
نوبت اب یاں تلک تو آ پہونچی ۔۔۔ اب نقارے ہی بجنے ہیں باقی
دیکھ، عاشق نظیر کو پہچان ؎
اب بھی، ظالم ہماری بات کو مان

[۱] آٹا نبڑا بوچا سٹکا کہاوت ہے یعنی مطلب نکلا اور مطلبی لوگ غائب ہوئے ۱۲ اشرف علی

ختم شد مسدسات

ترکیب بند و ترجیع بند وغیرہ

(۵۲۸)

ترکیب بند

ادھر کو جس گھڑی اے ہمنشیں وہ یار آیا
ہمارے دل سے گئی بے کلی قرار آیا

اُسے جو مہر سے ہے ذرّہ پروری منظور
تو پھر ادھر کو جھمکتا وہ مہر وار آیا

مزاج اُس کا جو عاشق نواز ہے ہر دم
تو راہِ لطف پہ پھر وہ کرم شعار آیا

کسی نے دوڑ کے ہم سے کہا مبارک ہو
تمھارے پاس ہے وہ نازنیں نگار آیا

کسی نے گل کی طرح ہنس کے یوں کہا آکر
بھلا ہوا کہ تمھارا ابھی گل عذار آیا

خوشی یہ بولی تمھارے میں گرد خاطر ہوں
ادھر سے عیش پکارا کہ میں بھی حاضر ہوں

گیا ملال ہوئے شاد ہم زمانے سے
ہوا ملاپ چھٹے ہجر کے ستانے سے

نشاط جی کو ہوئی ہر طرف کے ملنے سے
سرور دل کو ہوا ہنسنے اور ہنسانے سے

ہوئی نمود وہ ساعت بھی انبساط بھری
کہ جس میں شاد ہوئے ہم بھی دل لگانے سے

ہر اک طرف سے ہوئی سو طرح کی خوش وقتی
نویدیں آئیاں عشرت کے کارخانے سے

سماتے پھولے نہیں پیرہن میں، اب ہرگز
ہم ایسے شاد ہیں اُس گلبدن کے آنے سے

جہاں میں جس کو ملاقاتِ یار کہتے ہیں
عجب بہار ہے اس کو بہار کہتے ہیں

ہمارے دل میں جو فرقت کی بیقراری تھی
تو اُس کے ہاتھ سے صورت عجب ہماری تھی

کبھی خیالِ رُخ و زلف کا سحر تا شام
کبھی تصورِ مژگاں سے دل فگاری تھی

نہ دل لگے تھا کسی شغل سے کوئی ساعت
نہ جاں کو جُز الم ہجر غمگساری تھی

یہ اضطراب تھا ہر دم، یہ اپنی بیتابی
ہمارے حال پہ سیماب کی بھی زاری تھی

خدا کے فضل سے پھر اس میں خیر و خوبی سے
وہ دن بھی آیا کہ جس کی اُمیدواری تھی

جو دیکھی بھر کے نظر گلعذار کی صورت
تو ہر طرف نظر آئی بہار کی صورت

عیاں جو سامنے آکر وہ گلعذار ہوا
تو عالمِ عیش کا پھر ایک سے ہزار ہوا

نگہ کو حُسن نے اُس گل کے تازگی بخشی
خوشی قریب ہوئی، دور انتظار ہوا

جدا جو ہجر میں ہم سے قرار رہتا تھا
ہمارے دل سے وہ پھر آن کر دوچار ہوا

تسلی دل کو ہوئی اُس صنم کے ملنے سے
رخ اُس کا دیکھتے ہی رفعِ اضطرار ہوا

طلب تھی دل کے تئیں جسکی ایک مدت سے
ہزار شکر وہی عیش آشکار ہوا

نشاط و عیش کو خاطر سے ہمقرینی ہے
نیاز ناز ہے اور لطف ہمنشینی ہے

ہم اپنے دل کی خوشی کا بیاں کریں کیا کیا
کہ ایک لحظہ یہ ٹھہرا ہے عیش کا نقشا

کبھی ہیں دیکھتے رخسارِ یار کو ہنس ہنس
کبھی خوشی سے ہیں چھو لیتے اُسکی زلفِ دوتا

کبھی ہیں یار کی چشم و نگاہ سے پیتے
خوشی سے عیش کے بھر بھر کے ساغرِ صہبا

کبھی ہیں اُس کے تکلم سے دل کو خوش کرتے
کبھی ہیں اُس کے تبسم پہ جی سے ہوتے فدا

جو دیکھتا ہے ہمیں اس طرح کی عشرت میں
تو یہ سخن وہ رہِ منصفی سے ہے کہتا:۔

"نظیر، تم نے جو حاصل یہ شادمانی کی
یہی بہار ہے بُستانِ زندگانی کی

(۵۲۹)

ترجیع بند

اے گل اندام دل آرام پریزاد صنم
نہ تکلم نہ تبسم نہ تلطف نہ کرم
تو تو معشوق ہے البتہ نہیں تجھ کو غم

کتنے دن سے جو تری وضع کو ہیں دیکھتے ہم
کیا خطا ہم سے ہوئی جس سے ہوا تو برہم
لیکن اس بات سے ہے ہم کو بہت دردو الم

چاہے شمشیر لگا لے تو پر ابرو نہ مروڑ
ٹکڑے ٹکڑے ہمیں کر ڈال تو پر دل کو نہ توڑ

خوبرویوں کے تئیں چاہیے خوش کرداری
غمزدوں اپنے کی ہر آن نئی غم خواری
پیار میں سہتے ہیں عشاق بھی ہلکی بھاری

یعنی خوش خوئی و خوش خلقی و خاطرداری
پھر محبوبوں سے لگتی ہے نہایت پیاری
خوبی رکھتی نہیں آزردگی و بیزاری

چھوڑ نرمی کو قدم سختی کی منزل میں نہ رکھ
سو گرہ زلف میں رکھ پر تو گرہ دل میں نہ رکھ

دیکھ کر تو جو ہمیں لیتا ہے ہر دم منھ موڑ
بے گنہ ہم سے تو اب رشتۂ الفت کو نہ توڑ
عرض کرتے ہیں تیرے سامنے ہم ہاتھ کو جوڑ

ہم سمجھ جاتے ہیں پیارے تیری خاطر کی مروڑ
تیری خفگی سے ہمیں ہوتے ہیں اندوہ کروڑ
یہ چلن خوب نہیں ہے اے اے جان تو چھوڑ

ہو کے محبوب دل آزار نہ ہو
گل کیا ہے تجھے اللہ نے تو خار نہ ہو

ہم تو اے جان دل و جاں سے ہیں اب تجھ پہ نثار
تیرے بن دیکھے نہیں رکھتے ہیں اک آن قرار
چاہنے والوں سے لازم نہیں خاطر میں غبار
تا بمقدور نہ کیجے دل عاشق بیزار
گرچہ عالم میں بڑے حسن کے ہیں گے گلزار
لیکن اس باغ کی ہے چاہنے والوں سے بہار
گل کی رونق جو ہے بلبل ہی کے منڈلانے سے
شمع کی گرمی بازار ہے پروانے سے

تو جو تیوری کو چڑھاتا ہے ہمیں دیکھ میاں
اور عیاں کرتا ہے چہرے پہ یہ خفگی کے نشاں
دیکھ ناخوش تجھے ہم ہوتے ہیں دل میں حیراں
بھید اس بات کا ہوتا نہیں کچھ ہم پہ عیاں
منھ بنا بیٹھنا ہر چند کہ ہے حسن کی شاں
پر وہ موقع سے اگر ہو تو بجا ہے اے جاں
بے سبب ہو کے خفا رنگ نہ بدلا کیجے
چشمۂ صاف محبت کو نہ گدلا کیجے

اے مرے مہر جبیں چھوڑ یہ خفگی کی چال
پر دل دیکھ ترے غصہ کو ہوتا ہے ہلال
ہم سے وہ کون سی تقصیر ہوئی ہے فی الحال
جس کے باعث ترا اب آیا ہے خفگی پہ خیال
روٹھنے سے ترے ہے ہم کو بہت رنج و ملال
ہم ترے ذرۂ بےقدر ہیں۔ اے مہر مثال
ڈال مت ہم کو عبث غم کی پریشانی میں
بے خطا چین نہ لا اپنی تو پیشانی میں

ہم سے آزردہ جو ہونا تھا تجھے بے تقصیر
کیوں کیا تھا ہمیں پھر دام میں زلفوں کے اسیر
جس سے یک چند ملے رہتے ہیں اے ماہ منیر
عمر بھر کرتے نہیں اس کے تئیں پھر دلگیر
اب تو دل کھول کے ملنے میں نہ کر کچھ تاخیر
ہے یہی خوب ترے حق میں جو کہتا ہے نظیر
دل کو عشاق کے غنچے کی طرح تنگ نہ کر
صلح کر چاہنے والوں سے میاں جنگ نہ کر

ترجیع بند

(۵۴)

ہم پر اے بے مہر مت اتنی روا بیداد رکھ
لطف سے ویرانۂ دل کو مدام آباد رکھ

ہم نے کیا کیا دے کے دل تیرے رکھا ہے دل کو شاد
منھ دکھا کر تو بھی اب دل کو ہمارے شاد رکھ

جیسے دل دے کر کیا ہم نے کھلے بندوں تجھے
تو بھی قیدِ غم سے ویسا ہی ہمیں آزاد رکھ

قصرِ دل کا انہدام اچھا نہیں ہوتا میاں
گر بھلا چاہے تو بیدردی کی مت بنیاد رکھ

راستی پیشوں سے کرنی کج روی بہتر نہیں
اور جو کرتا ہے تو پھر یہ بات دل میں یاد رکھ

بے دماغی سے نہ چمکے گی طرح داری تیری
سرد مہری سے نہ ہو گی گرم بازاری تیری

اے گلِ خنداں لگا مت تو ہمارے دل میں خار
صاف دل میں ہم نہ رکھ تو اپنی خاطر میں غبار

ہو کے آزردہ ہمیں مایوس مت کر لطف سے
ہم فقط ہیں اک نگاہِ مہر کے امیدوار

جس سبب سے تلخ ہے تو ہم سے اے شیریں سخن
مت نہاں رکھ اس کو دل میں شوق سے کر آشکار

جھوٹ ہووے گا تو آپی دیں گے ہم اسکا جواب
اور جو سچ ہوگا تو ہم آپی سے ہوں گے شرمسار

ہے تو بجز حسن و خوبی تجھ کو یہ لازم نہیں
سوچ بے تابی سے کرنا ہم کو ہردم ہر کنار

گر تکدر کا سبب غماز بے انصاف ہے
اُس سخن چیں کی خطا ہے یاں تو سینہ صاف ہے

یاد ہے آگے جو غمازوں نے تھا بہتاں کیا
جب بچشمِ غور دیکھا سچ وہ نکلا تو بتا

ہیں سخن کہنے میں گو اہلِ ہوس سیماب طبع
لیکن ان کی بات کا ہٹ سوچنا بھی کیا

جس نے پی تیرے گلابی چشم کے پیالے میں مے
اس پپیہے نے بھلا پھر اور ساغر کب پیا

لاکھ صورت سے لگاوے کوئی بے معنی سخن
ہم نے دل اے شمع رو تجھ بن کسی کو کب دیا

ہم سے چھٹنے کا نہیں جگر ترے کوچے کا جاں
جب تلک پھرتی ہے سر پر آسماں کی آسیا

وہ تو از روئے گماں غماز کا بہتان ہے
تو اسے جانے یقیں یہ تو بڑا طوفان ہے

قامت موزوں ہے تیرے باغ خوبی کا نہال
کبک ہوتی ہے تری رفتار کے آگے خجل
کیوں نکالے ہے ہمیں محفل سے اپنی سوچ تو
ہم تو سر پاؤں پہ رکھتے ہیں ترے ہو کر خوشی
نقص کیا دیکھا ہمارے چاہ میں اے تند خو

کیا قیامت ہے کہ تو ہم کو نہیں کرتا نہال
ہم سے تو بیر جھموں کی کس لیے چلتا ہے چال
کون سا گل باغ سے دیتا ہے بلبل کو نکال
تو ہمیں کس واسطے کرتا ہے غم سے پائمال
جس کے باعث سے تری ہم پہ یہ خفگی ہے کمال

ہم کھڑے ہیں منتظر اور تو نہیں کرتا نگاہ
اور تو اب کیا کہیں بس واہ وا جی واہ واہ

تو جو رشتے کی طرح کھاتا ہے ہم سے پیچ و تاب
ہم کو چشم لطف ہے تجھ سے سو تو اس کی عوض
ذرہ گو ناچیز ہے پر مہر اپنے مہر سے
بس اسی صورت سے تو بھی مہربانی کر میاں
لشکر آزردگی سے تیرے اے سرکش صنم

سوزن غم دل میں لگتی ہے ہمارے بے حساب
بے مروت، بے گنہ، بے جرم کرتا ہے عتاب
دیکھ کتنی دور سے کرتا ہے اس کو نوریاب
ہم ترے ذرے ہیں اور تو ہے ہمارا آفتاب
کشور خاطر ہمارا مدتوں سے ہے خراب

جیسے یہ ابرو ترا ہو ناحق میں اپنے سیف ہے
ایک نگہ کی تو کرے ہم سے بخیلی حیف ہے

کیوں بدلتا ہے ہمیں تو دیکھ کر ہر آن رنگ
دلکشائی جس کی کیجے مہر سے پھر جور سے
حسن کو مت دیر پا اپنے سمجھ غافل نہ ہو
اب جو کرتا ہے وہ کر لے دور خوبی میں میاں

ہم ہیں تجھ سے صلح میں تو کس لیے کرتا ہے جنگ
غنچہ ساں اے گل نہ کیجے اس کی پھر خاطر کو تنگ
یہ وہ طائر ہے جسے اڑتے نہیں لگتی درنگ
پھر نہیں پھرتا کماں سے جس گھڑی نکلا خدنگ

شیشۂ دل کو ہمارے بے سبب ہو کر خفا ۔۔۔ تو مت اے بے وفا سنگیں دلی کا مارے کے سنگ

اس قدر بے رحم اور بے درد مت یک لخت ہو
نرم وضعوں سے میاں اپنے نہ اتنا سخت ہو

جو مزا ہے مہر میں نامہربانی میں نہیں ۔۔۔ لطف سے خوبی دوبالا ہوتی ہے اے نازنیں
ہو گیا جو کچھ کہ ہونا تھا بس اب جلدی سے تو ۔۔۔ دور کر غصے کو اور ہو مہربانی کے قریں
ہے یقیں تجھ کو بھی یہ دل سے کہ تیری چاہ میں ۔۔۔ ہم نے اک مدت سے کیا کیا کچھ جفائیں ہیں سہیں
حسن کا رہنا ہمیشہ عقل میں آتا ہے کب ۔۔۔ گرچہ دولت ہے بڑی لیکن نہیں رہتی کہیں
یہ جو ہم شکوہ ہیں کرتے تجھ سے ہو کر دردمند ۔۔۔ سب یہ الفت کا سبب ہے ٹھیک جان اس کے تئیں

تیری خفگی سے نظیر اب شاکی ہے دن رات کا
آملا جب تو گلے سے پھر گلا کس بات کا

(۵۲۱)

ترکیب بند

تیرے لب لعل سے گل اندام ۔۔۔ ہے مروت لعل حسرت انجام
گل برگ ہے غرق شبنم رشک ۔۔۔ دیکھے سے ترا یہ لطف اندام
عارض سے خجل ہے عارض صبح ۔۔۔ کاکل سے خجل ہے کاکل شام
یہ حسن یہ کام دل تو پا کر ۔۔۔ رکھتا ہے عبث ہمیں تو ناکام
خوبی نے کیا ہے تجھ کو زیبا ۔۔۔ زیبندہ نہیں ہے تجھ سے یہ کام
اتنی بھی نہ کیجیے جفائیں ۔۔۔ جو خوبی میں آوے جس سے الزام
دکھ پا کے تری تعدیوں سے ۔۔۔ ہم سخت بجاں ہیں اے دل آرام

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو

دے طول نہ رشتۂ جفا کو

رہتے ہیں تری جفا سے گرد و
آنکھوں میں ہمارے سرخ آنسو

کاہے کو یہ مشکل ہو ہماری
گر لطف کی اک نگہ کرے تو

غم دیدہ ہے سو ہو ہمارا
فرق اس میں نہ جان اک سر مو

دل تجھ سے چھڑا نہیں بھی سکتے
کچھ تو نے کیا ہے ایسا جادو

گر دیکھے تو ہنس کے اس طرف کو
سب رنج و الم ابھی ہوں یکسو

ہم چاہتے ہیں اشارہ لطف
تو کھینچے ہے ہم پہ تیغ ابرو

تنگ آئے ہیں اب تو ہم نہایت
اے برق نگاہ آتشیں خو

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

تجھ میں تو نہ تھی جفا کی عادت
نفرت سے تجھے تھی سخت نفرت

کیا ہم سے خطا ہوئی کہ جس سے
کم ہو گئی تیرے دل کی الفت

باندھی ہے کمر ستم پہ تو نے
سب چھوڑ کے مہر اور محبت

رکھ ہم سے وہی نگاہ پہلی
ایسا بھی نہ ہو تو بے مروت

دل ہم سے لیا تھا منتوں سے
اب جاتی رہی کہاں وہ منت

آرام و قرار و طاقت و صبر
سب ہوتے ہیں آج ہم سے رخصت

ہر آن کی رنجشوں سے تیری
پہونچی ہے ہمیں بہت اذیت

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

سمجھے تھے تجھے ہم اپنا دلدار
سو تو نے کیا ہمیں دل افگار

خیر اس کا گلہ تو ہے بہت سا
اب کیجے کہاں تک اس کو اظہار

جیسا کہ تو ہے جفا سے مجبور — ہیں ویسے ہی ہم وفا سے لاچار
دل تجھ سے ابھی چھڑا لیں ہم تو — پر اہلِ وفا کا یہ نہیں کار
اقرار کیا ہو ساتھ جس کے — پھر اس سے کبھی نہ کیجیے انکار
جتنا کہ تو ہم پہ مہربان تھا — اتنا ہی ہوا ہے اب تو بیزار
شدت سے ہم آ گئے ہیں عاجز — اے دلبر و دل شکن۔ دل آزار

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

دل تیرے لگا کے خال و خد سے — ہم تجھ پہ فدا ہیں دیکھ کد سے
آتے ہیں تری گلی میں بیباک — ہر روز ہم عشق کی سند سے
الفت میں ترے لگا کے دل کو — فارغ ہیں جہاں کے نیک و بد سے
چاہت سے تری، ہمیں کسی کے — مطلب نہ قبول سے نہ رد سے
دیوانہ کو تیرے اے پری رو — کیا کام ہے دانش و خرد سے
ہم تیری ادا کے مبتلا ہیں — کاوش تو نہ کر جفا کی کد سے
آزردگیوں سے تیری ہم پر — گزرا ہے الم زیادہ حد سے

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

ہے حسن میں تجھ کو تاجداری — اور کشورِ دل میں حکم جاری
ہوتا ہے برنگِ بلبل زار — گل دیکھ کے تیری گلعذاری
ٹک دیکھ۔ جفا سے تیری بے مہر — کیا شکل ہوئی ہے اب ہماری
دل تڑپے ہے مثلِ مرغِ بسمل — اور چشم کرے ہے اشکباری
تھا جرم وہ کون سا کہ ہم کو — دی جس کے عوض یہ دل فگاری

گر ہووے گناہ ہم پہ ثابت
کچھ ہم میں نہیں ہے تاب و طاقت
تو ہم سے تو لے گناہ گاری
اتنی بھی نہ کر ستم شعاری

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

وہ گل ہے تو آج حسن ایجاد
قامت کا ترے بیان خوبی
ہیں تیری ہوا کے ہم ہوادار
ہم دیکھ تجھے ہیں شاد ہوتے
یوں زلف میں تیری ہم پھنسے ہیں
ہو دل سے فدا جو اپنے اوپر
تیرا ہے نظیر جان و دل سے
ہے گلشن حسن تجھ سے آباد
کرتے ہیں چمن میں سرو و شمشاد
تو ہم کو نہ کر الم سے برباد
تو ہم کو کرے ہے غم سے ناشاد
ہو دام میں جیسے صید صیاد
اتنی نہیں کرتے اُس پہ بیداد
سن عرض یہ اُس کی اے پریزاد

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

(۵۳۲)

بہار

گرہ بند

شب کو چمن میں، واہ وا کیا ہی بہار تھی مچی!
بیلا، چنبیلی، راے بیل، موتیا، جوہی، سیوتی
حوض پڑے چھلکتے تھے، نہر لہریں لیتی تھی

ناتمام

پھول کھلے تھے پھول پھول، غنچہ کھلے کلی کلی
باد صبا بھی چلتی تھی عطر و گلاب میں بسی
شوخ بغل میں غنچہ لب اُمے کے نشوں کی تازگی

عیش و طرب کی لہر میں رات جب آدھی ڈھل گئی — اس میں کہیں سے، ہے غضب! نکلی جو کڑ چاندنی

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

رات تو کیا ہی عیش کی ٹھہری بنی تھی آ کے انجمن — تارے کھلے تھے مر رتن، پھول کھلے چمن چمن
نرگس و نار و یاسمن، سوسن و طرّے، نسترن — کبک و تدرو خندہ زن، بلبل و قمری نعرہ زن
یار بغل میں گلبدن، سرخ گلے میں پیرہن — سینہ بسینہ، تن بہ تن، عیش و طرب کے سب برن
اس میں رقیب دل شکن، آیا گجر کا کر کے فن — تھالی کہیں سے لا شتاب نے ہے بجا ٹھنن ٹھنن

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

باغ میں شب کو واہ واہ کیا ہی مزوں کے گھور[۱] تھے — طوطے و بگلے مور تھے، فاختوں کے بھی شور تھے
شوخ پر اپنے زور تھے، اس کے بدن بھی بورے[۲] تھے — توڑے کڑے دبوڑ تھے، چھلے بھی پور پور تھے
یار ہمارا چاند تھا، چاند کے ہم چکور تھے — دونوں چکئی و ڈور تھے، دونوں پتنگ ڈور تھے
مے کے نشوں کے شور تھے، کیفیں بھی شور بور تھے — بولا رقیب دن دیے، دوڑیو یارو، چور تھے

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

کیا ہی مزے تھے رات کو، یار دمیں تم سے کیا کہوں — صحن چمن ارم نموں، ڈالیاں جھومیں سرنگوں
شوخ بغل میں ذوفنوں، عیش و طرب فزوں فزوں — مے کے بہے تھے آ کے خوں، جیسے نشوں میں لالہ گوں
یار کے ناز اور فسوں، اپنے بھی عشق اور جنوں — جام پکارے منھ لگوں، عیش پکارے دم نہ لوں
اس میں رقیب بد شگوں، کچھ نہ بنا تو وہ زبوں — پچھلے پہر سے بن کے مرغ بولا ہے آ کے کڑکڑوں کوں

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

[۱] گھور۔ فراوانی، افراط ۱۲ [۲] بورے: چاندی یا سونے کے پھول۔ ایک قسم کا زیور، پاؤں کے چھوٹے چھوٹے گھنگھرو ۱۲ شہبانہ

ہوتے ہیں کیا ہی ہم نے واہ، رات مزے بہار کے
انکھڑیوں سرمہ دار کے، لعل مسی نگار کے

کاکل مشکبار کے، طرّہ تاب دار کے
مے کے نشوں کے تار کے پھولوں کے شاخسار کے

بانہیں گلے میں یار کے بوس و کنار پیار کے
ہاتھوں میں گجرے تار کے، نیچے گلوں میں ہار کے

بھاگا رقیب ہار کے، ہاتھوں پہ ہاتھ مار کے
کچھ نہ بنا تو دی اذاں کو ٹھے پہ جا کے یار کے

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

رات ہوے بھئے واہ واہ کیا ہی نشے رسا رسا
پیتے تھے مے بسا بسا، پھولوں میں ہم بسا بسا

شوخ بغل میں چاند سا، دیتا تھا بوسے ہنس ہنسا
زلفوں میں اس کی دل پھنسا، آنکھ اداؤں جی بسا

جامہ بدن میں چست سا، پھول ہوا تھا بس بسا
نیندوں میں یار رسمسائے تھا جمائی کسمسا

اس میں رقیب کرکسا[۱] کر کے سحر کا وسوسا
لا کے نقارہ یا دہل دھوں دھوں بجایا کس کسا

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

کیا ہی، نظیرؔ، رات کو عیش کے تھے مقابلے!
مے کے نشے اگر چلے، دل کے فراخ حوصلے

جی پہ خوشی کے در کھلے، رنج و تعب کے فاصلے
شوخ کے ناز چلبلے، بوسوں کے تھے معاملے

ناز و ادا کے چوچلے، عیش و طرب کے غلغلے
یار لپٹ رہا گلے، دل میں خوشی کے ولولے

اس میں رقیب نام نے بولا ہی کر کے اشغلے[۲]
باندھو کمر مسافرو، کوچ کریں ہیں قافلے

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

[۱] کرکسا۔ زبان دراز وسخت کلام، جھگڑالو نتھوں پہ مار گلی سا بھی ہے [۱] شہباز
[۲] اشغلے کرنے مکر کرنے۔ فریب کرنے [۲] شہباز

(مسدس)

چاندنی

گرہ بند

سحر چمن میں تھی، واہ واہ، زور بھی تھی چاندنی!
آئی تھی وہ رنگبدن پہن کے بادلہ زری
ہوتے وہ کیوں نہ، جام و سبو عیش و طرب بہم خوشی
چاند بلوریں لیٹا تھا اور کھلی تھی چھتری
چمکے تھی تار تار میں مسکی جھلک ذرہ ذرہ
اس میں کہیں سے یک بیک مرغ سحر نے بانگ دی

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

کیا ہی مزوں سے عیش کی رات تھیں کامیابیاں
آگے بڑھی تھیں صحبت سے کی کئی گلابیاں
سینوں میں اضطرابیاں، آنکھوں میں بے حجابیاں
چھوٹیں تھیں ماہتاب کی نہروں میں ماہتابیاں
ہم کو نشوں کی مستیاں، یار کو نیم خوابیاں
اس میں فلک نے رشک سے ڈالیں یہ کچھ خرابیاں

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

چاندنی، واہ چاندنی! کرتی تھی کیا جھلک جھلک
جام کے لب پہ ہر گھڑی نکلے تھی مے چھلک چھلک
عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بیک
چہک رہی تھیں بلبلیں، باغ رہا تھا سب مہک
یار بغل میں غنچہ لب، بوسوں کی سو لپک جھپک
ایسے مزے میں، عیش میں، آہ! کہیں سے یک بیک

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

ایک طرف تو نور میں ماہ رہا تھا جگمگا
ایک طرف وہ رشک مہ میری بغل میں تھا پڑا

دونوں دلوں میں لذتیں، دو نوجیوں میں عیش تھا
ہونٹھوں سے ہونٹھ لگ رہے، سینے سے سینہ مل رہا
مے کی گلابی ہاتھ میں، آنکھوں میں چھا رہا نشا
اتنے میں آہ! ایک بیک کیا ہی غضب یہ ہو گیا

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

واہ! ہوئی تھیں رات کیا چاندنی کی اجالیاں
شوخ بغل میں ناز سے کھولے تھا زلفیں کالیاں
ہم بھی نشے میں مست تھے، ساقی کی پی کے پیالیاں
جھوم رہی تھیں باغ میں سنبل و گل کی ڈالیاں
خوش ہو گلے لپٹ لپٹ، دیتا تھا میٹھی گالیاں
جل کے فلک نے اس میں ہائے! آفتیں لا یہ ڈالیاں

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

کیا ہی چمن میں شب کو واہ! ابر سے تھی نور کی جھڑی
غنچہ دہن تھا بے خبر، پی تھی جو مے کڑی کڑی
چشم سے چشم لب سے لب، چھاتی سے چھاتی جب لڑی
تار نشوں کے تھے بندھے، لوٹے تھی چاندنی پڑی
دیتا تھا بوسے پیار کے، سینے سے مل گھڑی گھڑی
کیا ہی گھڑی تھی عیش کی! اس میں یہ آ بلا پڑی

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

باغ تھا یا کہ خلد وہ، یا کہ بہشت یا ارم؟
چاندنی تھی وہ چاندنی، چاندی کا رنگ جس سے کم
دونوں نشوں میں مست ہو سوئے پلنگ پہ جبکہ ہم
یار تھا یا کہ حور تھا، یا کہ پری وہ یا صنم؟
پیتے تھے مے گھڑی گھڑی، لیتے تھے بوسے دمبدم
عین مزا تھا وصل تھا اس میں نظیرؔ ہے ستم!

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

(۵۲۴)

شب عیش

گرہ بند

رات لگی تھی واہ واہ، کیا ہی بہار کی جھڑی
شمع و چراغ و گلبدن، بارہ دری تھی باغ کی
مینھ کے مزے، ہوا کے غل، مے کے نشے گھڑی گھڑی
موسم خوش بہار تھا، ابر و ہوا کی دھوم تھی
یار بغل میں غنچہ لب، رات اندھیری جھک رہی
اس میں کہیں سے ہے ستم! ایسی اک آ پون چلی

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

شب کو ہوئیں، اہا ہا! زور مزوں کی مستیاں
سبز دلوں کی بستیاں، جنس خوشی کی سستیاں
دھوم جیوں میں بستیاں، چہلیں پڑیں گستیاں
بجلی کی شکلیں ہنستیاں، بوندیں پڑیں برستیاں[۱]
دونوں میں عیش مستیاں، دونوں میں مے پرستیاں
اس میں فلک نے یک بیک لوٹیں دلوں کی بستیاں

ابر کھلا ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

برسے تھیں کیا ہی جھوم جھوم رات گھٹائیں کالیاں
بجلیوں کی اُجالیاں، بارہ دری کی جالیاں
چلتی تھیں مے کی پیالیاں، منھ پہ نشوں کی لالیاں
کوئلیں بولیں کالیاں، بہ چلے نالے نالیاں
عیش کی جھومیں ڈالیاں، باہیں گلوں میں ڈالیاں
اس میں فلک نے دور کر سب وہ ہوائیں کھا لیاں[۲]

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

ابر و ہوا کے، واہ واہ! شب کو عجب ہی زور تھے
بھیگ رہا تھا سب چمن، مینھ کے جھڑ اکے زور تھے

[۱] برستیاں - مستیاں - کستیاں وغیرہ نظیر کے زمانہ میں شاید بولا جاتا ہو لیکن اب غیر فصیح و لغو ہے ۱۲
[۲] کھا لنا - برباد کرنا ۱۲ شعبانہ

غوک، پپیہے، مور تھے، جھینگروں کے بھی شور تھے
باغ سے تا باغباں جتنے تھے شور بور تھے
بادہ کشی کے دور تھے، عیش و طرب کے جھور تھے
آپڑے اس میں ناگہاں یہ جو خوشی کے چور تھے

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

چار طرف سے ابر کی، واہ! اُٹھی تھی کیا گھٹا!
برسے تھا مینھ بھی جھوم جھوم چھاجوں اُمنڈ اُمنڈ پڑا
ہم بھی ہوا کی لہر میں پیتے تھے مے بڑھا بڑھا
بجلی کی جگمگاہٹیں، رعد رہا تھا گڑگڑا
جھونکے ہوا کے چل رہے، یار بغل میں لوٹتا
دیکھ ہمیں اس عیش میں سینہ فلک کا پھٹ گیا

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

زور مزوں سے رات کو برسے تھا مینھ جھمک جھمک
جام رہے چھلک چھلک، شیشے رہے بھبک بھبک
ہم بھی نشوں میں خوب چھک، لوٹتے تھے بہک بہک
بوندیں پڑیں ٹپک ٹپک، پانی پڑے چھپک چھپک
یار بغل میں بانمک، عیش و طرب تھے بے دھڑک
کیا ہی سماں تھا عیش تھا! اتنے میں آہ! یک بیک

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

کیا ہی مزا تھا، واہ واہ! ابر و ہوا کا، یار و گل!
عیش و نشاط بر محل، بارہ دری کا تھا محل
پیتے تھے مے مچل مچل، لیتے تھے بوسے پل بہ پل
برسے تھا مینھ سنبھل سنبھل، آگے رہی تھی شمع جل
شوخ سے بھر رہی بغل، دل میں قرار جی میں کل
اس میں نظیرؔ یک بیک آکے یہ پڑ گئے خلل

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

(٥٣٥)

سوز فراق

تضمین[1] معشّر

مجھے اے دوست تیرا ہجر اب بیاستا ہے
یہ بیتابی، یہ بیخوابی، یہ بے چینی دکھاتا ہے
اگر کچھ منھ سے بولوں تو مزہ الفت کا جاتا ہے
مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد

کہ دشمن بھی مرے احوال پر آنسو بہاتا ہے
نہ دل لگتا ہے گھر میں، اور نہ صحرا مجکو بھاتا ہے
وگر چپکا ہوں رہتا تو کلیجہ منھ کو آتا ہے
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

ہوک کروں تو جگ ہنسے اور چپکے لاگے گھاؤ
ایسو کٹھن سینہ[2] کا کس بدھ کروں اُپاؤ[3]

نہ تھا معلوم جو الفت میں غم کھانا بھی ہوتا ہے
سسکنا، آہ کرنا، اشک بھر لانا بھی ہوتا ہے
کیے پر اپنے پھر آپ ہی کو دُکھ پانا بھی ہوتا ہے
اگر دانستمے روز ازل داغ جدائی را

جگر کی بیکلی اور دل کا گھبرانا بھی ہوتا ہے
تڑپنا، لوٹنا، بیتاب ہو جانا بھی ہوتا ہے
کف افسوس کو مل کے پچھتانا بھی ہوتا ہے
نمیکردم بدل روشن چراغ آشنائی را

جو میں ایسا جانتی پریت کیے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈھورا پھیرتی! پریت نہ کیجو کوئے

سحر سے شام تک صحرا میں پھرنا دن کو من مارے
لبوں پر آہ، دل میں داغ جوں آتش کے انگارے
جب اُس کی ہی یہ مرضی ہے تو چپ بیٹھے من بیچارے
زحال من کہ چوں غم بے رخست، داری خبر یا نہ؟

لگا کر شام سے تا صبح گننا رات کے تارے
جسے دل چاہتا ہے اُس کو کچھ پروا نہیں پیارے
مگر اُس کے تصور میں یہی کہتے ہیں تو اے پیارے
دل من سوخت، آیا درد لت باشد اثر یا نہ؟

[1] کوئی اس نظم کو دہوخت کہتا ہے کوئی ترکیب بند مجھے دونوں میں عذر ہے چونکہ یہ فراق نظم گائی بھی جاتی ہے اور نہایت گہرا اثر سوز و گداز کا رکھتی ہے لہٰذا اس کو سوز فراق سے ملقب کیا گیا
[2] سینہ، دوستی محبت، عشق ۱۲
[3] اُپاؤ دوا علاج۔ تدبیر، چارہ ایک نسبت اپائے بھی ہے ۱۲ اختیار

آہ دیئی کیسی بھئی ان چاہت کے سنگ
دیپک کے بھاویں نہیں جل جل مرے پتنگ

کبھی ہو کر گریباں چاک صحرا کو نکلتا ہوں   کبھی گھبرا کے پھر گھر کی طرف ناچار چلتا ہوں
لگی ہے آگ دل میں شمع ساں جل کر پگھلتا ہوں   دھواں اٹھتا ہے آہوں کا، برنگِ موم گلتا ہوں
بدن میں دیکھ کر شعلہ بھڑکتے، ہاتھ ملتا ہوں   بھبھو کے تن سے اٹھتے ہیں، ستی کی طرح جلتا ہوں
زتابِ آتشِ دوری کہ میسوزد دل و جاں را   نمودہ نبضِ من پُر آبلہ دستِ طبیباں را

برہ آگ تن میں لگی جرن لگے سب گات
ناری چھوات بید کے پڑے بھبھوٗلے بات

نہ بھبھولا

غضب ہے ایک تو سمجھے نہ دل، ورجی بھی گھبراوے   تس اوپر ہر گھڑی اُس دلربا کی شکل یاد آوے
نہ ہو دل کیونکہ ٹکڑے، اور نہ جاں کس طور اُکتاوے   در و دیوار سے کیونکر نہ کوئی سر کو ٹکراوے؟
لگے جو آگ دل میں، پھر وہ بجھنے کس طرح پاوے؟   مگر جس نے لگائی ہو، وہی آکر بجھا جاوے
چو در دل آتشِ دوری فتد او را کہ بنشاند   مگر آں کس کہ آتش زدہ ہوں آبے برافشاند

ہردے اندر دو لگی، دھواں نہ پرگھٹ ہوئے
جا تن لاگے سو لکھے، یا جن لائی ہوئے

کہاں تک کھائیے غم؟ اب تو غم کھایا نہیں جاتا   دلِ بیتاب کو باتوں سے بہلایا نہیں جاتا
قدم رکھتا ہوں جس جا واں سے سرکایا نہیں جاتا   یہ پتھر ہاتھ سے تل بھر بھی اُکسایا نہیں جاتا
پڑا ہوں دشت میں رستہ کہیں پایا نہیں جاتا   جو چاہوں بھاگ جاؤں بھاگ بھی جایا نہیں جاتا
مکانِ یار دور از من، نہ پر دارم نہ پا، اے دل   عجب در مشکل افتادم، چساں طے سازم ایں منزل

نا میرے پنکھ نہ پاؤں بل، میں انپکھ، پیا دور
اُڑ نہ سکوں گر گر پڑوں، رہوں بسور بسور

اُدھر دل مجھ سے کہتا ہے کہ "تو چل یار کے ڈیرے"   ادھر تن مجھ کو کہتا ہے کہ "تو مت مجھ کو دکھ دے رے"

لے ہردا دل۔ تن آگ۔ پرگھٹ ظاہر۔ نکلنا دریافت کرنا۔ غصبانہ

نہ رہتا ہے وہ

جو کہنا دل کا کرتا ہوں تو وہ رہتا ہے گھر میرے
نہ دل مانے، نہ تن مانے، ہر اک اپنی طرف پھیرے
دلم دلدار می جوید، تنم آرام می خواہد

وگر تن کی سنوں تو اور دکھ پڑتے ہیں بہتیرے
کروں کیا میں نظیرؔ ایسی جو مشکل آن کر گھیرے؟
عجائب کشمکش دارم کہ جانم مفت می کاہد

دل چاہے دلدار کو، اور تن چاہے آرام
دبدا میں دونو ہو گئے نہ مایا ملی نہ رام

نہ چھ نہ وہ رہ دونوں

(۵۳۶)

طلسم وصال
تضمین معشر

نظر آیا مجھے اک شوخ ایسا نازنیں چنچل
ادا بھی چلبلی اور آن میں بھی کچھ عجب چھلبل
کبھی نظریں لڑا دے اور کبھی کھڑے پہ آنچل
نگارے، گلعذارے، نو بہارے، نازپرائے

کہ جس کی دیکھ کر سج دھج مرا دل ہو گیا بے کل
فسوں گر انکھڑیاں ظالم کی اور جس پہ لگا کاجل
پڑا در کان میں جھلکے، گلے میں سج رہی ہیکل
دلارامے، پری شکلے، بتے، شوخے، دل آرامے

وہ سمن تن او جڑی، مکھ میں چند لجائے
بھویں دھنکیں تان کیں، پلکیں بان چلائے

مجھے اس شوخ چنچل نے جب اپنا حسن دکھلایا
گرا میں ہو کے بیخود یوں، پری کا جیسے ہو سایا
بہت سا اس گھڑی میں نے تو اپنے دل کو سمجھایا
کشیدم نالہ از شوق، پیراہن قبا کردم

دکھا کر اک نظر چلتا ہوا اور مجھ کو تڑپایا
پھر اس میں ہوش جب آیا تو دل سینے میں گھبرایا
نہ مانا دل نے ہرگز، ڈھونڈھنا ہی اس کا ٹھہرایا
برائے جستن او صبر و تسکیں رہا کردم

بھینٹ بھئی جائیں کہی نینن انسواں لائے

ہے کوئی ایسا سنت جو پیتم مندر بتائے

کہوں کیا اُس گھڑی یارو عجب احوال تھا میرا
طلب کی کثرتیں اور جستجو کا شوق بہتیرا
کبھی تھی اس طرف جھانکی کبھی تھا اُس طرف پھیرا
ازو می گفتم "احوالم بپرس اے یار غمخوارم

ہر اک سے پوچھتا تھا ہر گھڑی اُس شوخ کا ڈیرا
ادھر آہوں کی سوزش اور اُدھر اشکوں نے آگھیرا
جو کوئی پوچھتا تھا "کیوں میاں کیا حال ہے تیرا؟"
خرابم دلفگارم، بے قرارم، نوگرفتارم

الگن پھندے اُر پری اور من پنچھی بھورائے
در گن جادو ڈار کے سُدھ بُدھ دینی کھوئے

ابھی یاں اک پری رو کر گیا ہے مجھ کو دیوانہ
پلایا اُس کی آنکھوں نے مجھے اس مے کا پیمانہ
ملوں اک دم تو میں اپنا سناؤں اُس کو افسانہ
اگر دانی، چناں کن لطف تا بینم مکانش را

مرا دل ہو گیا اُس شمع رو کو دیکھ پروانہ
نگہ نے کر دیا اُس کی مجھے اک پل میں مستانہ
مکاں اُس کا تجھے معلوم ہے اے یار، کچھ یا نہ
نہم سر بر درش، در شوق بوسم آستانش را

نہ گرے کا ہار ہے، ہوں تو رہے بلہار
مارے ہے موہے برہ دُکھ سے چل واکے دوار

یہ سن کر تھا وہ کہتا "میں تجھے اُس کا پتا دیتا
ابھی لے جا کے تجھکو اُس کی ڈیوڑھی پر بٹھا دیتا
ادب سے جا کے اُس کے حلقۂ در کو ہلا دیتا
ولیکن آں بتِ سرکش نو عاشق عار میدارد

نہیں میں ساتھ جا کر تجھکو اُس کا گھر بتا دیتا
جو واں کے بیٹھنے کے طور ہیں وہ سب جتا دیتا
نکلتا جب تو خوبی سے تجھے اس سے ملا دیتا
رسیدن تا درش آساں نباشد کار میدارد"

پلک کٹاری مارکے، ہردے رکت بہائے
کہ کی آہ سامرت جو واکے دوارے جائے"

یہ باتیں کہہ کے تھا میرے بہت وہ دل کو بہلاتا
مگر مجھ کو بغیر از دیکھنے کے کچھ نہ تھا بھاتا

جو اُلفت میں جتاتے ہیں وہی تھا مجھ کو بتلاتا
کبھی تھا آہ کرتا اور کبھی تھا اشک بھر لاتا

الگن زلف
گیسو ۱۲ سے درگ
آنکھ نگاہ ۱۲
سے سامرت دیا قہ
قابلیت طاقت ۱۲

کبھی دیوانہ بن کر سوئے صحرا اٹھا نکل جاتا
بہ بنیم آخرش او را زمن تاکے نہاں باشد
دلِ شیدا کو اپنے تھا کبھی اس طرح سمجھاتا
اسیرانِ محبت را کجا پروائے جاں باشد

نیہ نگر کی ریت ہے تن من دیہو کھوے
پیت ڈگر جب پگ رکھا ہونی ہو سو ہوے

وہ تھا یہ بات سنتا جب مرا منھ دیکھ رہتا تھا
مرا دل آتشِ فرقت میں اُس دلبر کی دہتا تھا
گریباں تک پڑا اشک اُس گھڑی آنکھوں سے بہتا تھا
کشم آہ و فائم گریۂ در شام و سحر گردم
جو چلتا تھا تو وہ اپنی طرف کو ہاتھ گہتا تھا
نہ تھا کچھ بن جو آتا اُس سے درد و رنج سہتا تھا
وہ کہتا تھا "ارے پھر جا" تو میں یوں اُس سے کہتا تھا
نہ بنیم تا رخش، از جستجو ہرگز نہ برگردم

پیتم نے من موہ کے کینوں مان گمان
بن دیکھے دار وپ کے میری کرڑ ہٹ پران"

چلا واں سے میں اُس غمخوار کی باتوں سے گھبرا کر
پریشاں حال پھرتا تھا، کبھی ادھر کبھی ادھر
یکایک دیکھتا کیا ہوں کہ آپہونچا وہیں دل بر
مرا مجروح کردی در نگہ ہم رُخ بپوشیدی
یہی تھی آرزو دل میں کوئی بتلائے اُس کا گھر
بتایا جب مکاں اُس کا تو بیٹھا ایک رستے پر
اُٹھا میں اور کہا یوں رکھ کے سر کو اُسکے قدموں پر
چہ تقصیرم کہ دل بُردی و حالِ من نہ پُرسیدی

نظم

من مورا بس کر لیو، کا ہے کینی اوٹ
ایسی موتیں، من ہرن، اکہا بن آئی کھوٹ"

کہی یہ بات جب اُس شوخ سے میں نے بچشم نم
لگا مجھ کو تبھڑکنے اُس گھڑی تیوری چڑھا یکدم
تجھے زخمی جگر آئے تھے اب تیغ نگہ سے ہم
نظیر ایں حرف چوں گفت آں نگارِ دلستانِ من
تو پہلے ناز میں وہ ناز میں مجھ سے ہوا برہم
پھر اُس میں رحم جو آیا تو ہنس کر یوں کہا اُس دم
لگا دیں گے ترے ہر زخم پر اب لطف کا مرہم
غم از دل رفت و آمد شادمانیہا بجانِ من

من میرو یا بات رس پنٹ بھیو پرسند

سن

نکسو دُکھ، من بیچ تے آن بھری آنند

(۵۳۷)

بحرِ طویل

پہلا مصرع

ایک دن باغ میں جاکر، چشمِ حیرت زدہ واکر، جامۂ صبر قبا کر، طائرِ ہوش اُڑا کر، شوق کو راہ نما کر، مرغِ نظارہ اُڑا کر، دیکھی رنگت جو چمن کی، خوبی نسرین و سمن کی، شکل غنچوں کے دہن کی، تازگی لالہ کے تن کی، تازگی گُل کے بدن کی، کشت سبزے کی ہری تھی، نہر بھی لہر بھری تھی، ہر خیابان میں تری تھی، ڈالی ہر گُل کی ہری تھی، خوش نسیم سحری تھی، سروِ شمشاد و صنوبر، سنبل و سوسن و عرعر، گُل بوٹے رہے بھر، نقشِ دمعنبر، در و دیوار معطر، کہیں قمری تھی مطوق، کہیں انگور معلق، نالے بلبل کے بہ رَق، کہیں غوغائی کی بق بق، اس قدر شاد ہوا دل، مثلِ غنچے کے گیا کھل، غم ہوا کشتۂ بسمل، شادی خاطر سے گئی مل، خرمی ہو گئی حاصل، روح بالیدہ ہو آئی، شانِ قدرت دی دکھائی، جان سی جان میں آئی، باغ کیا تھا کہ یا اللہ نے اُس باغ میں جنّت کو اُتارا۔

دوسرا مصرع

ناگہاں صحنِ چمن میں، مجمعِ سرو و سمن میں، جیسے ہو روح بدن میں، جیسے ہو شمع لگن میں، جیسے خورشید کرن میں، ماہ پروین و پرن میں، دیکھا اک دلبرِ رعنا، وطرح دار جفا کار، دل آزار نمودار، نگہ ہمسرِ شمشیر، مژہ ترکشِ پر تیر، سرِ زلف گرہ گیر، دلِ خلق کی زنجیر، جبیں نور کی تصویر، وہ رخ شمس کی تنویر، زباں شہد بیاں شیر، نظر روح کی اکسیر، دہن غنچۂ خاموش،

سمن برگ بروش، سخن بجز گہر جوش، بدن سرو قبا پوش، پھڑی گل کی ہم آغوش، وفا رحم فراموش، ہر اک آن ستم کوش، عجب حسن دل آرا، نہ کبھی مہر نے دیکھا، نہ کبھی ماہ نے دیکھا، نہ کسی فہم میں آیا، نہ تصور میں سمایا، وہ نظر مجھ کو جو آیا، مجھے حسن اپنا دکھایا، دل نے اک جوش اٹھایا، جی نے سب ہوش اڑایا، سر کو پاؤں پہ جھکایا، اشک آنکھوں سے بہایا، اس نے جب یوں مجھے پایا، یہ سخن ہنس کے سنایا، کہ "تو ہے عاشق شیدا، لیکن عاشق نہیں پیدا، ہو یہ تجویز یہ ہویدا، کہ اگر ہم کو تو چاہے، با محبت کو نباہے، نہ کبھی غم سے کراہے، نہ کسی غیر کو چاہے، نہ کبھی گل کی طرف دیکھ، نہ سنبل کی طرف دیکھ، نہ بلبل کی طرف دیکھ، نہ بستاں پہ نظر کر، نہ گلستاں میں گزر کر، چھوڑ دے سب کی مودت، ہم سے رکھ دل کی محبت، اس میں ہم بھی تجھے چاہیں، تجھ سے الفت کو نباہیں، ہیں یہی چاہ کی راہیں، گر یہ مقدور تجھے ہو، اور یہ منظور تجھے ہو، تو نظیر آج سے تو چاہنے والا ہے ہمارا"

(۵۳۸)

پہلا مصرع

راحت افزائے محباں، مصدر لطف نمایاں، مظہر خوبی شایاں، مجمع مہر نمایاں، رونق محفل الفت، زینت بزم مودت، باعث راحت و بہجت، سبب فرحت و عشرت، شادباشی و سلامت، شوق دیدار نہ چنداں کہ بہ کلک آید بیاں، لاجرم اہتزاز نسب، کہ پذیرندہ مطلب، نامۂ عیش فزایت، بہ تفقد و عنایت، لطف اصدار نمودہ، فرحت تازہ فزودہ، حسن الفاظ نگارد کہ مضامین و معانی بعبارت نظر آرد کہ باندازِ عیانی ایں تلطف کہ نمودی، بایں ہمہ زودی، منتے بر دلم آمد، خامہ گر تیز خرامد، نتواند کہ نگارد، وصف آں مہر تقارا۔

دوسرا مصرع

آں کہ از فرطِ عطوفت، بصد افزونی شفقت، طلب بے روالفت، شدہ با کثرتِ سرعت
زہے فرخندہ بشارت، تحفے زیبندہ اشارت طرب و فرحت آں را، کہ بدل ساختہ مارا،
اگر اظہار نماید، بزبان عجز فزاید، وگر از خامہ نگارد، نبوشتن نگراید، عوم ایں مخلص بریں ہمیں
لے دل بر نجگیں، کہ بتاخیر نسازد، و توقف نظر از دے بے تحصیل تمنا، برسد زود در آنجا،
از عنایات الٰہی ہست امید کہ حالیدی، بینداز فرحت و خوبی، رخ خورشید ضیا را +

(۵۳۹)

پہلا مصرع

صبح دم با دل خرم، تو سن عزم جہاندم، سر کوے برساندم، دیدم القصہ ہماں دم دلبرے
طرفہ ترے، حسن ورے، فتنہ گرے، لب شکرے، پرفن عیارے، دل آرام دل آزار، جفا
کیش طرحدار، پری شکل فسوں کار، بہ تن جامہ زرافشاں، ہمچو خورشید درخشاں، تازہ تر چوں
گل خنداں، سرمہ در چشم نمایاں، زینتِ لب مسی و پان، بہ تبسم شکر افشاں، بہ نگہ سحر دل و جاں
ہمہ مکر و ہمہ دستاں، زلف بر چہرہ کشادہ، بہر جاں دام نہادہ، شکل صیاد ستادہ، بردہ دل باز
نداد، بنمائش ہمہ سادہ، و لے پرکار زیادہ، صنمے، مہر وشے، غنچہ لبے، گل بدنے، سرو قدے،
ناز کنے، عشوہ ورے، شوخ دل آرا +

دوسرا مصرع

دلم از عقل برآمد، حیرتے در نظر آمد، عشق خود جلوہ گر آمد، آمد و خوب تر آمد، شدہ حالے عجبے،
گہ طربے، گہ تپشے، گہ خلشے، گہ نظرے، گہ حذرے، ہیچ نہ در یاد، بدل شوق در ازدیاد بجاں

شورش بیداد، چه گویم که چه افتاد، شدم محو تماشا و دیدم چوں آں بت زیبا که شد ایں والہ و شیدا،
زود آورد لبہا خندۂ قند و نمک زا، کرد صد ناز ہویدا، گفت "اے ہوش نہ برجا، تو چرا آمدی
ایں جا، سر خود گیر بزودی، باش آں طور که بودی" گفتمش "دل تو ربودی، عاشق خویش
نمودی، بر من شیفتہ، والہ دیوانہ، دل دادہ، دل بستہ، افتادہ، خود لطف ضرور است
نگارا، +



قصائد، قطعات و رباعیات نظیر

قطعات

(۵۴۰)

کہا یہ دل نے مجھے ایک دن کہ باغ کو دیکھ
ذرا تو چل کے گلستاں کو شب چراغ کو دیکھ

جو نہی گیا میں چمن میں تو دل ہوا خرم
گلوں کے حسن کو اور سبزہ اور دماغ کو دیکھ

کہ اس میں آیا نظر مجھ کو اک گل لالہ
میں شاد اس کے ہوا عیش با فراغ کو دیکھ

یکایک اس نے کہا تو نگہ نہ کر مجھ پر
نہ میرے بادۂ شبنم سے پر ایاغ کو دیکھ

نہ میری دیکھ تو سبزی نہ رنگ سرخ نظیرؔ
ہے دردمند اگر تو تو میرے داغ کو دیکھ

(۵۴۱)

ایک دن رو کر لگا کہنے دل شیدا مجھے
تو نے عیش زندگانی کچھ نہ دکھلایا مجھے

میں کہا بازار دنیا میں ہے سب کچھ دیکھ لے
جو تجھے درکار ہے اس کی تو کر ایما مجھے

گر یہ دولت چاہیے تجھ کو تو ہے یہ بے وفا
بے وفا سے پھر توقع کیا تجھے اور کیا مجھے

وصف اس بازار دنیا کا کہوں میں تجھ سے کیا
ایک نکتہ اس گھڑی ہے خوب یاد آیا مجھے

ایک مزارستان میں اے دل اک مزار کہنہ تھی
واں ہدایت نے شگاف ایک اس میں کھلایا مجھے

مختصر تھی اک چمن بندی اور اس میں ایک شخص
مسند زریں پہ بیٹھا واں نظر آیا مجھے

ناگہاں با صد تاسف ہائے دنیا کہہ اٹھا
اس کے کہنے سے تعجب ہو گیا اس جا مجھے

میں کہا ان خوبیوں میں چاہیے افسوس کیا
سن کے بولا اس کا اب افسوس ہے آتا مجھے

میں نے واں کی تھی عبادت اور ریاضت چند روز
لطف حق نے اس کے بدلے یاں یہ بخشا مجھے

اور جو میں بھر عمر رہتا واں عبادت میں تو پھر
کیا کہوں اس کی عوض ملتا یہاں کیا کیا مجھے

سن کے اس نکتے کو مجھ سے یوں کہا دل نے نظیر
سچ کہا تو نے نہایت یہ پسند آیا مجھے

(۵۴۲)

ایک دن دل خود بخود اک بار قہ قہ کر ہنسا
میں نے اس کا دیکھ کر وہ خندۂ دنداں نما

یوں کہا تجھ کو ملا کیا گنج دولت کا کوئی
یا پڑا پایا کوئی تو نے جواہر بے بہا

یا کہیں سے منصب و جاگیر کی پہونچی نوید
یا تجھے خط اماں کلک اجل نے لکھ دیا

تو ہے غرق معصیت تجھ کو تو ہو کر منفعل
چاہیے عذر گنہ کرنا بصد درد و بکا

ایک دن تیری طرح سے میں بھی با عیش و نشاط
مثل گل خنداں و خرم اک گلستاں میں گیا

دیکھ کر ہنستا مجھے اک گل یہ بولا او میاں
اس قدر اس باغ میں ہنستا نہیں تجھ کو روا

میں نے اس کو یوں کہا آخر اسی گلزار میں
تو بھلا کس واسطے ہنستا ہے ایسا کھلکھلا

سن کے اس نے قطرۂ شبنم کے آنسو چشم سے
کر کے جاری اور بصد افسوس یوں مجھ سے کہا

میرے اور ہنسنے میں تیرے ہے نہایت اختلاف
تو ہنسا غفلت سے اور میں عمر پر اپنی ہنسا

کل جو تھے یاں گل کھلے آج ان کی اک اک پنکھڑی
سامنے میرے اڑا کر لے گئی باد صبا

اب کوئی دم میں یہی ہو گی مری صورت نظیر
پس ترا ہنسنا بجا ہے یا مرا ہنسنا بجا

(۵۴۳)

کہا دل نے مجھے اک دن کہ یاں دولت غنیمت ہے
نشاط و کامرانی فرحت و عشرت غنیمت ہے

یہ سن کر میں نے اس سے یوں کہا کہتا ہے کیا اے دل
یہ دنیا کی ہوس ہے تو اسے کہہ مت غنیمت ہے

حباب آسا تری ہے زندگی اس بحر دنیا میں
اگر تو غور سے دیکھے تو یہ مہلت غنیمت ہے

پس اس مہلت میں تجھ سے جو عبادت اور ریاضت ہو
تو وہ نعمت تجھے اے دل بہر صورت غنیمت ہے

نظیر اب تجھ سے کہتا ہے یہ اے دل اتنی فرصت میں
جو کچھ حسن عمل کر لے تو یہ فرصت غنیمت ہے

(۵۴۴)

کہا یہ دل نے مجھے دیکھ کر شب مہتاب
کہ میں ہوں اس شب مہتاب میں بہت بیتاب

جو آج کچھ بھی مرے پاس سیم و زر ہوتا
تو کیا ہی عیش کے کرتا میں اس گھڑی اسباب

بلا کے مطرب و رقاص چند بادہ پوش
بچھا کے فرش مکلف سفید آئینہ تاب

جو چیزیں بزم طرب کی ہیں سب مہیا کر
خوشی سے بیٹھتا محفل میں جوں گل شاداب

ادھر سرور دکھاتے بہار رقص و سرود
ادھر سے عیش بڑھاتے صدائے چنگ رباب

برستے عیش و نشاط اس طرح سے گر کے ہجوم
کہ جیسے برسے ہے جھڑ باندھ جوش سحاب

سحر تلک غرض اس بزم عشرت آگیں سے
ہزار فرحت و عشرت میں کرتا استیعاب

یہ سن کے میں نے کہا دل کو ایسی محفل تو
پچاس ساٹھ روپے میں بھی ہو سکے ہے شتاب

کچھ ایسی بات نہیں یہ تو ہے ابھی موجود
پر ایک بات میں پوچھوں جو اس کا دے تو جواب

ہوئے ہیں وہ جو جم و کیقباد و کیکاؤس
کب ان کی دولت و حشمت کا ہو سکے ہے حساب

انھوں نے کھو کے کروڑوں روپے یہ دیکھی سیر
پھر آخرش نہ وہ حشمت رہی نہ وہ اسباب

صراحی رہ گئی حسرت سے خون دل پی کر
پیالہ رہ گیا حیرت سے کر کے چشم پر آب

تو بس اسی میں تو عبرت پذیر ہو اے دل
کہ عیش و عشرت دنیا خیال ہے یا خواب

تو جس کو زیست سمجھتا ہے وہ ہے شعلۂ خس
تو جس کو عیش ہے گنتا سو وہ ہے نقش برآب

تو آب جس کو سمجھتا ہے عطش غفلت سے
وہ موج آب نہیں ہے فقط ہے موج سراب

نہیں وہ چاندنی ہو جس کے بعد تاریکی
نہیں وہ عیش کہ ہو جس کے بعد رنج و عذاب

وہ مے کہ پہلے ہو جس میں سرور پیچھے شرور
سوائے آب سر اصلا نہ کہیئے اس کو شراب

تو جس کے واسطے کرتا ہے اس قدر افسوس
مرے قیاس میں ہے وہ خلاف رائے صواب

مگر خطا نہیں تیری میں خوب سمجھا ہوں
فریب دیو ہے تجھ کو یہ نفس خانہ خراب

تجھے تو نفس کے برعکس چاہیئے کرنا
کہ جس میں زور نہ پاوے یہ مفتری کذاب

ضیاء نور عبادت سے اپنا خانۂ دل
کر ایسا جیسا کہ ہے آفتاب عالمتاب

فروغ طاعت و تقویٰ کر اس قدر پیدا
کہ جس سے تیری شب گور ہو تجلی یاب

بھروسا عمر کا مت کر نہیں وفا اس میں
جو کچھ نکوئی ہے کرنی تو وقت را دریاب

نظیرؔ کی تو یہی بات یاد رکھ اے دل
کہ یہ جہاں تو ہے دریا اور اس میں تو ہے حباب

رباعیات نظیر

(۵۴۵)

مکھڑے کو جو اس کے ہم نے جا کر دیکھا
مکھو تو نہیں پہ چھپ چھپا کر دیکھا
وہ حسن نظر پڑا کہ جس کا ہم نے
جب رات ہوئی تو مہ کو جا کر دیکھا

(۵۴۶)

دیگر

محبوب نے پیرہن میں جب عطر ملا
اور پان چبا کے اپنے گھر سے وہ چلا
ہم نے یہ کہا نہ جاؤ باہر اے جاں
ہے شام قریب ہنس دیا کہہ کے بھلا

(۵۴۷)

دیگر

اس شوخ کو ہم نے جس گھڑی جا دیکھا
مکھڑے میں عجب حسن کا نقشا دیکھا
ایک آن دکھائی ہمیں ہنس کر ایسی
جس آن میں کیا کہیں کہ کیا کیا دیکھا

(۵۴۸)

دیگر

دل دیکھ اسے جس گھڑی بے تاب ہوا
اور چاہ ذقن سے غل گرداب ہوا
کی عرض کہ بے قرار دل ہے، تو کہا
اب دل نہ کہو اسے جو سیماب ہوا

(۵۴۹)

دیگر

ہم دل سے جو چاہتے ہیں اے جان تمھیں — بے کل ہوں اگر نہ دیکھیں ایک آن تمھیں
تم پاس بٹھاؤ تو ذرا بیٹھیں ہم پاس — مشکل ہے ہمیں تو اور ہے آسان تمھیں

(۵۵۰)

دیگر

اس زلف نے ہم سے لے کے دل بستہ کیا — ابرو نے کجی کے ڈھب کو پیوستہ کیا
آنکھوں نے نگہ نے اور مژہ نے کیا کیا — کیفی کیا، دیوانہ کیا، خستہ کیا

(۵۵۱)

دیگر

پان اس کے لبوں پہ اس قدر ہے زیبا — جو رنگ پہ جس کے سُرخی لعل فدا
ہر فندق انگشت سے اس دست کو گر — گلدستۂ باغ حسن کہیے تو بجا

(۵۵۲)

دیگر

کیا حال اب اس سے اپنے دل کا کہیے — منظور نہیں یہ بھی کہ بے جا کہیے
مشکل ہے مہینوں میں نہ جاوے جو کہا — پھر ملیے جو ایک دم تو کیا کیا کہیے

(۵۵۳)

دیگر

پس اس کے گئے سیر جو ہم کر سینہ — دل کرنے کو اس کی چاہ کا گنجینہ
جب ہم نے کہا دیکھنے آئے ہیں تمھیں — سن کر یہ لگا وہ دیکھنے آئینہ

(۵۵۴)

دیگر

آئینہ جو ہاتھ اس کے سے تا دیر لیا
اس دیر سے خجلت نے ہمیں گھیر لیا
جب ہم نے کہا کیا یہی عاشق ہے میاں
یہ سنتے ہی آئینے سے منھ پھیر لیا

(۵۵۵)

دیگر

رکھتے ہیں جو ہم چاہ تمھاری دل میں
آرام کی ہے اُمید واری دل میں
تم حکم قرار کو نہ دوگے جب تک
البتہ رہے گی بے قراری دل میں

(۵۵۶)

دیگر

رکھتی ہے جو خوش چاہ تمھاری ہم کو
اور کرتی ہے شاد باری باری ہم کو
کچھ دیر جو کی تھی ہم نے دل دیتے وقت
اب تک ہے اسی کی شرمساری ہم کو

(۵۵۷)

دیگر

کوچے میں تمھارے ہم جو ٹک آتے ہیں
اور دل کو ذرا بیٹھ کے بہلاتے ہیں
ہو تم جو دل آرام تو ہم دیکھ تمھیں
اک دم رخ آرام کو تک جاتے ہیں

(۵۵۸)

دیگر

ہم دیکھ کے تم سے رخ آرام میاں
خوش رہتے ہیں دل میں سحر و شام میاں
دلوانے تمھارے جب ادا کے ٹھہرے
پھر حسن پری سے ہمیں کیا کام میاں

(۵۶۹)
دیگر

یاد آتی ہیں جب کہیں وہ بھلی چاہیں
افسوس کرے ہے دل میں کیا کیا راہیں
تھے شور جو قہقہ کے سو اُن کے بدلے
اب شور مچا رہی ہیں جی میں آہیں

(۵۷۰)
دیگر

ہوں کیوں نہ بتوں کی ہم کو دل سے چاہیں
ہیں ناز و ادا میں ان کی کیا کیا راہیں
دل لینے کو سینے سے لپٹ کر کیا کیا
ڈالے ہیں گلے میں پتلی پتلی باہیں

(۵۷۱)
دیگر

ہم اس کی جفا سے جی میں ہو کر دلگیر
رک بیٹھے تو ہیں دے کریں کیا تقریر
دل ہاتھ سے جاتا ہے بغیر اس سے ملے
اب جو نہ پڑیں پاؤں تو پھر کیا تدبیر

(۵۷۲)
دیگر

ساقی سے جو ہم نے مے کا اک جام لیا
پیتے ہی نشے کا یہ سرانجام لیا
معلوم نہیں جھک گئے یا بیٹھے رہے
یا گر پڑے یا کسی نے پھر تھام لیا

(۵۷۳)
دیگر

اے دل جو یہ آنکھ آج لڑائی اس نے
اور دل میں لڑا کے پھر چھپائی اس نے
اپنی بے باکی اور حیا کی خوبی
تھی ہم کو دکھانی سو دکھائی اس نے

(۵۶۴)

دیگر

ہے چاہ نے اس کی جب سے کی جا دل میں	کیا کیا کہیے جو ہے مہیا دل میں
جاتی ہے جدھر نگاہ اللہ اللہ	آتا ہے نظر عجب تماشا دل میں

(۵۶۵)

دیگر

گر یار سے ہر روز ملاقات نہیں	اور ہو بھی گئی تو پھر مدارات نہیں
دل دے چکے اب قدر ہو یا بیقدری	جو کچھ ہو سو ہو بس کی تو کچھ بات نہیں

(۵۶۶)

دیگر

ناصح نہ سنا سخن مجھے جس تس کے	جو تو نے کہا یہ آوے جی میں کس کے
کیونکر نہ ملوں بھلا جی میں اس سے آہ	دل رہ نہ سکے بغیر دیکھے جس کے

قصائدِ نظیر

(۵۶۷)

یہ جواہر خانۂ دنیا جو ہے باآب و تاب
اہلِ صورت کا ہے دریا، اہلِ معنی کا سراب

وہ سطلاً قصرِ رنگیں وہ منقش بام و در
جن کی رنگینی سے تھا قصرِ ارم کو پیچ و تاب

وہ عظیم الشاں مکاں دیتی تھیں جن کی رفعتیں
جن کے طاق آسماں کو طاقِ ابروئے جواب

صحن میں بستاں سرا ایسی پُر از غلمان و حور
جن کی انہاروں میں جائے آب گُل خالص گلاب

اُن میں تھے وہ صاحبِ ثروت جنھیں کہتی تھی خلق
کیقباد، قیصر و کیخسرو، و افراسیاب

مہروش بہرام صولت، بدر قدر و چرخ رخش
مشتری ہمت، ثریا بارگہ، کیواں جناب

وہ تجمل، وہ تموّل، وہ تفوّق، وہ غرور
وہ تحشم، وہ تنعم، وہ تعیش، وہ شباب

ہر طرف فوجِ بتاں، ہر سو ہجومِ گُل رخاں
جن کے عارض رشکِ ماہ و رشکِ روئے آفتاب

چشمک و آں و اشارات و ادا و سرکشی
طنز و تعریض و کنایت غمزہ و ناز و عتاب

صبح سے لے شام تک اور شام سے تا بہ صبح
متصل رقص و سرود، و پے بہ پے جام و شراب

ساقی و مطرب، ندیم و مستی، و مے خوارگی
ساغر و مینا گُل و عطر، و مے و نقل و کباب

کثرتِ اہلِ نشاط و جوشِ نوشا نوش سے
از زمیں تا آسماں شورِ نے و چنگ و رباب

وہ بہاریں، وہ فضائیں، وہ ہوائیں، وہ سرور
وہ طرب، وہ عیش، کچھ جس کا نہیں حد و حساب

یا تو وہ ہنگامۂ تنشیط تھا، یا دفعتاً
کر دیا ایسا کچھ اس دورِ فلک نے انقلاب

وہ تو سب جاتے رہے دم میں حباب آسا، مگر
رہ گئے عبرت زدہ وہ قصرِ ویران و خراب

تھا جہاں وہ مجمعِ عالی وہاں اب ہے تو کیا؟
نقشِ شستم گور یا کنہ کوئی پرِ عقاب

ہیں اگر دو خشت باہم، تو لب افسوس ہیں | اور جو کوئی طاق ہے، تو صورت چشم پر آب

خواب کہیے اس تماشے کو نظیر اب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں، واللہ اعلم بالصواب

(۵۶۸)

کیا کاسۂ سر بیچیے اس بزم میں اے ہم نشیں | دور فلک سے کیا خبر پہونچے گا لب تک یا نہیں
یہ کاسۂ فیروزہ گوں، ہے شیشہ باز پر فنوں | جتنے حیل ہیں اور فسوں سب اس کے ہیں زیر نگیں
ہو اعتماد اس کا کسے، ہے شیشہ بازی یاد اسے | رکھتا ہے شاد اک دم جسے کرتا ہے پھر اندوہگیں
کل دامنِ صحرا میں ہم گزرے جو وقتِ صبح دم | اک کاسۂ سر پُر الم آیا نظر اپنے وہیں
بولا بفریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے، او میاں | تھے ہم بھی سر بر آسماں، گو اب تو ہیں زیر زمیں
گل برگ سے نازک بدن سر پاؤں سے رشک چمن | زرّین و سیمیں پیرہن، دل کش مکانوں کے مکیں
دن رات ناز و نعمتیں، مہ طلعتوں سے صحبتیں | عیش و نشاط و عشرتیں ساقی قراں، مطرب قریں
باغ و چمن پیش نظر، بزم طرب شام و سحر | ہر سو بکثرت جلوۂ حسن بتانِ نازنیں
اک آسماں کے دور سے، اک گردش فی الفور سے | اب سوچیے گا غور سے در لحظہ آں، در لمحہ ایں
سنتے ہی جی تھرا گیا، رخسار پر اشک آگیا | دل عبرتوں سے چھا گیا، خاطر ہوئی بس سہمگیں

اس بیچ سر اپنا ناگہاں، ہر مو ہوا مثل زباں
بولا "نظیر اگر ہو یاں، من نیز روزے ہمچنیں"

(۵۶۹)

کیا کہیں دنیا میں ہم انسان یا حیوان تھے | خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے
گر رکھا تھا اپنا قبضہ غیر کی املاک پر | چھن گئی جس وقت تب سمجھے کہ ہم نادان تھے
غیر کی چیزیں چرا کر ہم بڑی سمجھے تھے عقل | غور سے دیکھا تو ہم بھی سخت بے ایمان تھے
ناگہاں اک استخواں پر جا پڑا اپنا قدم | کیا کہیں غفلت میں اس دم ہم کو کیا کیا دھیان تھے

پاؤں پڑتے ہی مرے اُس استخواں نے آہ کی
اور کہا غافل کبھی ہم بھی تو صاحب جان تھے

دست و پا، زانو، سر و گردن، شکم، پشت و کمر
دیکھنے کو آنکھیں اور سننے کی خاطر کان تھے

ساعد و بینی جبیں نقش و نگار و خط و خال
لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے

رات کے سونے کو کیا کیا نرم و نازک تھے پلنگ
بیٹھنے کو دن کے کیا کیا طاق اور ایوان تھے

لگ رہے تھے قہقہے اور ہو رہے تھے چہچہے
ساغر و ساقی صراحی عطر پھول اور پان تھے

لگ رہا تھا دل کہیں چنچل پری زادوں کے ساتھ
کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہیں پیمان تھے

گلبدن اور گل عذاروں سے کنار و بوس سے
کچھ نکالی تھی ہوس اور کچھ ابھی ارمان تھے

ایک ہی چکر دیا ایسا اجل نے آن کر
نے تو وہ ہم ہی بنے نے عیش کے سامان تھے

ایسی بیدردی سے ہم پر پاؤں مت رکھ اے نظیر
او میاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

ختم شد دیوان نظیر

مثنویات نظیر

(۱)

مثنوی سیر دریا

تمہید

یک زماں از ہجرِ عشرت زلے دہر — آگئی دریائے خاطر میں یہ لہر
یعنی ٹک دریا کی جانب جائیے — دو گھڑی واں دل کو خوش کر آئیے
آپڑا جب یہ ارادہ دھیان میں — جا پڑا دل شوق کے عمّان میں
جی طلب کا سربسر گھر ہو گیا — لُجّۂ خواہش سمندر ہو گیا
ہر طرف سے دل کے ہو کر دو بدو — جوش میں آیا محیطِ آرزو
آگئی کثرت میں فوجِ اشتیاق — سر سے گزری دل کے موجِ اشتیاق
کھینچ کر لنگر ہوس نے ناگہاں — زورقِ خاطر نے باندھا بادباں
تند تر ہو کر تمنّا کی ہوا — لے چلی کشتی طبیعت کی بہا

صفت کشتی

کیوں نہ وہ کشتی رواں سرآن ہو — شوق جس کشتی کا کشتی بان ہو

کیوں نہ وہ کشتی تپش لیتی چلے	جس کو خواہش اور طلب کھیتی چلے
کیوں نہ وہ کشتی رواں ہو مثل باد	جس کی ہووے آرزو بادِ مُراد
کیوں نہ وہ کشتی روانی میں ہو طاق	جس کے چپو ہوں بدستِ اشتیاق
کیوں نہ وہ کشتی رواں ہو تیر ساں	جس کے قبضے میں ہوس کی ہو کماں
کیوں نہ وہ کشتی ہو پراں آب پر	دے تمنا جس کو ہر دم بال و پر
الغرض غالب ہوئی جب دل کی چاہ	سیل کے مانند لی دریا کی راہ

صفتِ دریا

جب نظر آیا کنارا بحر کا	اُس کے پہلو سے لگا اک دشت تھا
جی نے یہ چاہا کہ پہلے یک قلم	وصف اُس صحرا کا کیجے رقم
پر جو اوّل بحر کا تھا ماجرا	پہلے اُس میں ہی سخن تیرا مرا
بھاگئیں اُس کی جو طرحیں خاصیاں	کئیں اُسی کے آب میں غواصیاں
کیا کہوں، دریا تھا وہ یا عینِ نور	جس کی اک اک موج تھی بحرِ سرور
یوں وہ آب صاف سے پُر نور تھا	جس سے گدلا چشمۂ کافور تھا
تھا وہ کچھ حسنِ صفا پایا ہوا	جیسے آئینہ جلا پایا ہوا
تابشِ الماس کو آتے تھے بیم	قطرہ قطرہ اُس کا تھا دُرِّ یتیم
دن میں کرتا تھا وہ آبِ سیم مات	رات میں تھا چشمۂ آبِ حیات
تھی وہ کچھ تہ کی تجلی گستری	جیسے آئینے میں ہو عکسِ پری

صفتِ شیرینیٔ آب

تھی عذوبت اُس کی یہ شکر فشاں	شہد جس کے وصف میں عذب البیاں

قند ہی چپکا نہ تھا کچھ ہو کے مات
شربت اس پانی کے آگے رو رہا تھا
اُس کی شیرینی کی گر سنتی صفیر

منھ سے مصری کے بھی نکلے تھی نبات
دودھ بھی پانی سے پتلا ہو رہا تھا
بھولتی شیریں کو اپنی جوئے شیر

صفت خنکی و شیرینی آب

سردی اور شیرینی اُس میں یوں بھلی
اولے اُس کو دیکھ کر غش کھاتے تھے

جیسے ہو وہ برفِ شیریں کی ڈلی
پونٹ شکر کے بھی چپکے جاتے تھے

صفت موج

موج رکھتی ہے نزاکت سے وہ نہر
دیکھ کر اس کی وہ چینِ دل نشیں
حد تو یہ اُس موج چین آباد سے
نیمہ شبنم کی چن کر آستیں
تاب کیا جو پاس آنا جانتی
جب نسیم صبح واں آجاتی تھی
کیا کروں اُس کے تواتر کا بیاں
جیسے طبع عیش زا سے زود زود

جوں کنارے کی بناوٹ میں ہو لہر
چپ ہی رہ جاتی وہاں چینِ جبیں
بھولی تھی جعد مسلسل یاد سے
گر کوئی اُس موج کے لاتا قریں
دور ہی سے دیکھ کر چیں مانتی
دل میں کیا کیا اپنے لہریں کھاتی تھی
اس طرح ہوتی تھی پے در پے عیاں
کرتی ہیں ہر دم نئی لہریں نمود

صفت حباب

ہر حباب اُس کا نزاکت جوش تھا
یا کہ تھی دریا نے پہنی کر کے چاہ

موج کی تھالی کا وہ سرپوش تھا
سر پہ شبنم کی فقط سادی کلاہ

یا ہوا نے قصد کرکے خواب کا
تھا وہ بے چوب بنایا آب کا

درج سیمیں ہوش اُس پر کھوتا تھا
گنبد گردوں تصدق ہوتا تھا

کس نے دیکھا اُس سوا بہتا ہوا
آب پر اُلٹا کٹورا سیم کا

کس نے غیر از اُسکے دیکھیں بھالیاں
آب پر چینی کی اُلٹی پیالیاں

تھی ہوا اُس میں وہ کچھ خوبی بھری
جس طرح ہوتی ہے شیشے میں پری

تھا تنک اتنا کہ وار اور پار سے
خوف رکھتا تھا نگہ کے بار سے

کیا کہوں اُس کی صفائی اور چمک
کاسۂ بلور جاتا تھا دمک

سوتیوں پر غم کے اولے پڑتے تھے
دل میں شیشے کے پھپولے پڑتے تھے

اب کہوں خوبی میں اُس کی تا کجا
بند ہو رہی تھی دَور میں، اُس کی ہوا

صفت گرداب

گردش گرداب تھی اس طور کی
میں نے جب خوبی پہ اُس کی غور کی

سر کو فکرت کے وہیں دورا آگیا
ہوش کا بھی مغز چکر کھا گیا

دیکھتا گر اُس کی گردش کا کمال
چاک ہوتا سینۂ چرخ کلال

کف پڑا پھرتا تھا وہ ایسا شگرف
چاک کے ہمراہ جوں پھرتا ہے ظرف

چرخ جب کہتا کہ اُس پر ہوں نثار
تھی زبانِ موج کہتی "دُور پار"

اُس کی گردش میں وہ چکر خاص تھا
جس سے حیراں دامن رقاص تھا

بحر دیکھ اُس کی پھرت کی پھیریاں
ناچتا تھا لے کے چکر پھیریاں

جب نظر جاتی تھی اُس میں گھرتی تھی
کیا کہوں، پانی میں پھر کی پھرتی تھی

اب پڑوں کب تک میں اُسکے آب میں
کشتی دل جا پڑی گرداب میں

اور بھی مضموں کوئی لاتا میں گھیر
گر نہ آجاتی طبیعت کو گھمیر

خوبیوں کو اُن کی تکتا تھا مہر / شب کو عکسِ ماہ، دن کو عکسِ مہر

صفت ماہی

ماہیاں تھیں اس میں وہ ندرت بھری / جن کے اک اک پر کو تکتی تھی پری

تھیں وہ اُن سے حسن کی ہمراہیاں / شست میں جن کی حنا کی ماہیاں

آوے کب لطف اُن کا آگاہی تلک / جن کا غل تھا ماہ سے ماہی تلک

یوں دل دریا سے ہوتی تھیں عیاں / جیسے نقطہ نون کے ہو درمیان

ماہی چرخ اُن کو پاکر اچھیاں / دور سے لیتی تھی اُن کی مچھیاں

تھا تڑپنے کی کجی میں وہ جمال / دن کو گر ہوتا تو غش کرتا ہلال

ایسی کچھ اُن کی وہ کجیاں تھیں نفیس / دیکھتا تھا جن کو نونِ خوشنویس

اُن کی کجیوں پر نظر جب لاتی تھی / برق کیا کیا دہری ہو ہو جاتی تھی

آب بھی اُن کی کجی کے روبرو / دل بروں کے ابروؤں کی آب رو

وہ کجی جب سر سے پا تک آتی تھی / نون کی گردن کی ہے بن جاتی تھی

دیدۂ شوق اُن کو بھی یوں تک رہے / جیسے ماہی کی دو چشمی ہووے ہے

صفت صدف و ریگ

ہر صدف نور سے شفاف تھی / ریگ بھی آب گہر سے صاف تھی

صفت ساحل

ساحل اُس نہر کے وہ صفا سے ہم کنار / جس کی خوبی کا نہ تھا کچھ وار پار

صفت ذرۂ ریگ

ریت کے ذرے جو واں ہموار تھے / وہ بھی یکسر گوہر شہوار تھے

کیا کہوں ذروں کی اس کے آب و تاب	تک رہا ہے جن کی صورت آفتاب
ایک طرف ہیں قاز و بگلوں کے پرے	ایک طرف سارس کلنگ اور قرقرے

خاتمہ

اس طرح کا بحر جب دیکھا رواں	دل نے بھر لیں راحتوں کی کشتیاں
طبع میں عشرت بینا ہی آ گئی	غم کی کشتی پر تباہی آ گئی

یاں سے اب لیتا ہوں میں صحرا کی راہ	ہیں عجب کچھ واں بہاریں واہ واہ
وادیٔ خاطر چمن سے ملتا ہے	غنچۂ دل دیکھتے ہی کھلتا ہے
گلشن اس کے حسن کا دل بستہ ہے	باغ اس صحرا کا اک گلدستہ ہے
گل سے ہر گل اب رگڑتا دوش ہے	بلبلوں کا بھی نہایت جوش ہے
اس طرح کی جا بجا ہے سبزگاہ	جس سے ہوتی ہے ہری کشت نگاہ
ہے نزاکت اس کی سبزی میں یہ واں	اطلس سبز اس قدر نازک کہاں
مخمل اس سبزی کے اوپر سوتی ہے	پرنیاں ہر دم تصدق ہوتی ہے
لہلہاہٹ اس کی ہے یہ خوشنما	جس طرح چلتا ہے پانی لہر کھا
برگ برگ اس کا زمرد کا نگیں	قطرۂ شبنم بھی جوں در ثمیں
موج مے ہے اس کی ہر موج ہوا	اک نشہ سا دل کو آتا ہے چڑھا
خواب مغز سر میں ڈالے ہے کمند	خود بخود آنکھیں ہوئی جاتی ہیں بند
اونگھ پہ اونگھ اس مزے کی آتی ہے	آنکھ گہ کھلتی ہے گہ مند جاتی ہے
نکہت جیب ہوا ہے یاں تلک	ہے معطر جسم جس سے جاں تلک
ہر شجر اس کا دم طاؤس ہے	بوٹا بوٹا طبع کا مانوس ہے

دیکھ شکل اس دشت نزہت بہر کی
اُٹھ گئی دل سے محبت شہر کی

تازگی دیکھ اس نضارت بار کی
اُٹھ گئی اُلفت در و دیوار کی

دل نے یوں چاہا کہ اب رہیئے یہیں
خلق میں کہلائیے صحرا نشیں

اب جو یہ صحرا ملا ہے بے تلاش
کیجیے یاں مثل مجنوں بود باش

چھوڑیئے دانش کی خوش اسلوبیاں
دیکھیے دیوانہ پن کی خوبیاں

بے محابا شادمانی کیجیے
بے تکلف زندگانی کیجیے

دیکھیے وارستگی کی شادیاں
کیجیے دل کھول کر آزادیاں

عمر بھر اُٹھیے نہ یاں سے اے نظیرؔ
دیکھیے ہر دم یہ دشت دل پذیر

مثنوی دوم

عجب دلکشا عالم حسن ہے
عجب جانفزا عالم حسن ہے

صفت حسن کی کس زباں سے کہوں
کہوں کیا اگر اس زباں سے کہوں

دکھائے ہے کس کس طرح کی بہار
فدا ہوں میں اس حسن صنعت کے یار

زباں ہیں اگر حسن گفتار ہو
تو شمہ بھی اس کا نہ اظہار ہو

ادا حسن کی وہ ہے اور آن بھی
کہ جس پر فدا ہے دل اور جان بھی

تبسم شکر، خوش اشارات ہے
تکلم بھی ایسا کہ کیا بات ہے

سراپا حیا، زینت افزائیاں
حیا، شوخیاں، جلوہ آرائیاں

جہاں صاحب حسن تشریف لائیں
تو واں لوگ پھولے نہ تن میں سمائیں

اگر روٹھ بیٹھیں تو منت کریں
خوشامد کریں دل سے خدمت کریں

جدھر یہ دکھا دیں جفا کاریاں
ادھر سب کریں ناز برداریاں

جنھیں ناز ہیں ہنس کے دشنام دیں
وہ اس کا مزا دل ہی دل بیچ لیں

جو اک ان کی جھڑکی سے ممتاز ہوں
تو گویا وہ دل میں سرافراز ہوں

یہ ہو کر خفا جن سے لڑنے لگیں
وہ ان کو منا پاؤں پڑنے لگیں

یہ کوچے سے اپنے اٹھا دیں جنھیں
وہ قسمیں دلا کر بٹھا دیں انھیں

یہ تیوری کو جن پر چڑھائے رہیں
وہ چاہیں انھیں اور رجھائیں ہمیں

سہی قد سمن بر گل اندام ہیں
صنم ہیں پری ہیں دل آرام ہیں

عناں دل کی دے کر نظیر ان کے ہاتھ
غنیمت ہے الفت جو ہو ان کے ساتھ

کوئی نازنیں تھا بہت خوش جمال
پری شکل اور صاحب ملک و مال

وہ رنگیں ادا تو گل باغ حسن
کہ جس پہ فدا سو گل باغ حسن

کہاں حسن کی اس کے تقریر ہو
پری دیکھ کر جس کو تصویر ہو

عجب اس کی سج دھج عجب آن بان
عجب اس کی شوکت عجب اس کی شان

رہی سر پہ رفعت کی وہ کج کلاہ
کہ جس کو کہیں چاہ سے کج کلاہ

قبا تن میں حشمت کی وہ دل فریب
کہ رہ رہ کے دیکھیں جسے جامہ زیب

چمک حسن پر مہر اور ماہ کی
ترقی بہت دولت و جاہ کی

جدھر کو نکلتا وہ ہو کر سوار
ادھر لوگ اس گل پہ ہوتے نثار

اگر کوئی پی کے مے جھومتا
کوئی اسپ کے نقش پا چومتا

کوئی دام کاکل میں ہوتا اسیر
کوئی دل میں کھاتا نگاہوں کے تیر

اٹھاتا کوئی تیغ ابرو کے وار
کوئی نوک مژگاں سے ہوتا فگار

غرض ملک خوبی میں تھا وہ جواں
شہ دلبراں خسرو دلبراں

مکاں اس کے کیا کیا چمکتے ہوئے
بلند اور وسیع اور جھکتے ہوئے

کئی زر فشاں اور کئی سنگ کے
بچھے فرش ان میں کئی رنگ کے

جو خورشید کی پڑتی اُن پر جھلک
تو جاتی جھلک اُن کی کوسوں تلک

خواصیں کنیزیں بھی سب دلربا
بہت خوبرو اور بہت خوش ادا

وہ ناز اُن کنیزوں کے کرتے تھے کام
کہ سن کر کئی دل تھے اُن کے غلام

لباسوں میں سب سیم تن سی بھریں
جواہر کے گہنے پہ منت دھریں

بنئے چوچلے، ناز، اٹھکیلیاں
انوکھی اداؤں میں البیلیاں

وہ باغ اس کے سب سرو و سنبل بھرے
گل و بلبل ان میں تھے بالکل بھرے

جو کچھ وصف کی باغبانی کرے
تو نوک قلم گلفشانی کرے

کہے وصف گر اک خیاباں کا
تو کاغذ ہو تختہ گلستاں کا

محل اس سے ہوتا شبستان حسن
چمن اس سے ہوتا گلستان حسن

ندیم اس کے خاطر کے مرغوب تھے
جو یہ خوب تھا وہ بھی سب خوب تھے

گیا ایک دن کھیلنے وہ شکار
عجب واں تماشا ہوا آشکار

یہ پہونچے جو نخچیر گہ میں شتاب
سب اسباب ہر صید کا بے حساب

نہ چھوٹے تھے چیتے ابھی اور نہ باز
نہ جرے نہ شکرے سوے کبک تاز

یکایک نئی اک شمیم آگئی
برنگ نسیم آکے لہرا گئی

وہ نکہت کی جب واں ہوئی واردات
تو اس میں ہوئی یہ تعجب کی بات

کہ آئی نہ وہ یار و اغیار کو
مگر ان کو اور ان کے رہوار کو

جونہی مغز میں ان کے وہ بو گئی
تو حالت کچھ ان کی عجب ہو گئی

نہ اپنی خبر اور نہ توسن کی سدھ
نہ کچھ ہوش جاں کا نہ کچھ تن کی سدھ

وہ توسن بھی ویسا ہی کچھ ہوگیا
چلا بو کی جانب برنگ ہوا

نہ ہانکا انھوں نے نہ مہمیز کی
دے اس نے رفتار واں تیز کی

انھوں نے تو اس کی نہ دی باگ اٹھا
وہ یکبارگی خود بخود بھاگ اٹھا

لگا تازیانہ جو تقدیر کا
تو دیکھے اس کو ہوش اڑ گیا تیر کا

سواروں نے گھوڑے اٹھائے بہت
کڑے تازیانے لگائے بہت

گیا برق ساں سرخ و زرد کو
پر اس کی نہ پہونچا کوئی گرد کو

وہ آگے یہ پیچھے تگ و تاز میں
وہ انجام میں اور یہ آغاز میں

انھیں متصل ایڑ پر ایڑ تھی
اسے اور ہی ایڑ کی چھیڑ تھی

گرہ ایک ہوا کی نمایاں ہوئی | جو نزدیک پہونچی تو پیچاں ہوئی
سمیت اسپ اس کو اُڑا لے گئی | یہ دیکھو ہوا کو ہوا لے گئی
جو دیکھا رفیقوں نے یہ اس کا حال | تو ہو جی میں دلگیر اور پر ملال
پھر آئے سوئے شہر آنسو بہا | یہ احوال اس کے پدر سے کہا
پدر یہ خبر سن کے غمگین ہوا | دل اس کا بہت حیرت آگیں ہوا
فلک بازی اس ڈھب کی جس جا کرے | تو واں شخص مجبور پھر کیا کرے
یہ حال اس کا جس نے سُنا رو دیا | تعجب میں آ ہوش کو کھو دیا
جو ہونا تھا واں درد و غم سو ہوا | اب آگے سنو ماجرا جو ہوا
گئی اس کو لے کر ہوا جس گھڑی | تو کیا کیا چلی واں سے ہو کر کڑی
پھر آخر اسے لا کے ایک آن میں | اتارا عجب اک بیابان میں
ہوا جس گھڑی واں کی ان کو لگی | ہوئی دل کی اور ہوش کی تازگی
یہ اُترے جو اس دشت میں آن کر | تو دیکھا ادھر اور اُدھر دھیان کر
پڑا دشت آیا نظر ایک ہرا | بہت فرحت افزا بہت دل کشا
جو آئیں نظر واں کی ہریالیاں | تو کیا کیا ہوئیں دل کو خوش حالیاں
ہوا نرم ایسی تفریح بار | چمن میں چلے جوں نسیم بہار
کروں کیا ہوا کی میں خوبی رقم | لکھوں تو ہری ہو سراپا قلم
اگر رنج کی دل میں بنیاد ہو | تو سب اس ہوا سے وہ برباد ہو
کرے جس طبیعت سے ہمراہیاں | تو کیا کیا جتا دے ہوا خواہیاں
خوش آئی وہاں کی انھیں جو ہوا | ہوئی آگے چلنے کی دل کو ہوا

رسیدن جوان بر کنار چشمہ

بڑھے جب یہ آگے کو ہو شاد ماں | تو دیکھا کہ اس دشت کے درمیاں

بہت خوشنما ایک تالاب ہے — صفا پرور اس کا بہت آب ہے
تموج ہے کیا کیا ادا کر رہا — کناروں تلک آب ہے بھر رہا
بنا ہے بہت طرفہ معمول میں — بڑے عرض میں اور بہت طول میں
جو فکر اس کے بحر صفت میں ترے — تو جوں موج مضمون بہتا پھرے
قلم بھی لکھے کچھ جو آ لہر میں — تو پیرے وہ انگشت کی نہر میں
رقم ہو تو کاغذ کے اوپر شتاب — پھریں دوڑتے حرف مثل حباب
یہ کچھ موج کی سلسلہ بندیاں — کہ سنبل کی شاخیں ہوں شرمندیاں
شنا ا ہیوں کا اس اداب میں — کہ جوں عکس بیہ کا پھرے آب میں
اُگے سبزۂ سبز بخت اس کے گرد — کھڑے لہلہاتے درخت اس کے گرد
طیور اُن کی ہر شاخ پر ناز میں — پھریں خوبیاں ان کی آواز میں
کناروں پہ سروں کی پر آبیاں — پھریں بیچ میں تیرتی مرغابیاں
بزے قاز سرخاب بگلے بہت — وے یاں کے بگلوں سے اگلے بہت
کہیں پانی پیوے کلنگوں کی صف — بطیں بھی پھریں پیرتی ہر طرف
کہیں اس کے ساحل پہ مشکیں غزال — پییں ڈال کر منھ وہ آب زلال
اسے بھی یہ دیکھ عیش گستر ہوئے — پیا پانی اور شادماں تر ہوئے
سمجھ میں تو ان کی بیابان تھا — ولیکن وہ دشت پرستان تھا

ماندن جوان بوقت شب در آں بیابان

جو دیکھا وہ صحرا نیا یک بیک — تو خوش ہو یہ دیکھا کیے دیر تک
تماشا کبھی اس فضا کا کیا — کبھی وصف آب و ہوا کا کیا
ہوئے دشت میں واں کے مشغول یہ — چمن اپنے گھر کے گئے بھول یہ

دل ان کا جو تھا عشرتیں گن رہا
تو اس میں کوئی دو گھڑی دن رہا

یہ سوچے کہ یاں سے اٹھا چاہیے
کہیں شب کو چل کر رہا چاہیے

کچھ اک میوے اس جا کیے نوش جاں
ہوئے پانی پی کر وہاں سے رواں

ہنسی اور خوشی جب یہ آگے بڑھے
تو واں کوہ تھا اک یہ اس پر چڑھے

چڑھے کوہ پر واں جو یہ پر شکوہ
تو دیکھا مکاں ایک بالائے کوہ

نئی طرز میں اس کی دیکھی بنا
نہایت مصفا بہت دل کشا

انھوں نے نظر کر سب آرام پر
رکھا پاؤں اپنا سر بام پر

چڑھے بام پر جب یہ ہر دل پسند
تو بیٹھے اسی کو یہ کر دل پسند

ہوا اپنی راحت جتانے لگی
بلندی بہاریں دکھانے لگی

چھپا سورج اور وقت دونوں ملے
جو اس وقت کھلتے تھے گل سب کھلے

بسیرے کے طائر لگے بولنے
ہر ایک طرز بسرام کو کھولنے

جو آواز اُن کی بہت واں ہوئی
تو کیا کیا عیاں راحت جاں ہوئی

وہ صحرا کی سبزی وہ ہنگام شام
ہوئے مل کے ایسے وہ حسن انتظام

کہ جوں سانولا دلربا شنگ ہو
چھٹی منھ پہ زلف اسکے شب رنگ ہو

ہوا وصل ان کا وہ اس آن میں
کہ سنبل ہو آغوش ریحان میں

جو دونوں میں واں آشنائی ہوئی
تو پھر زور میں مشک سائی ہوئی

لگیں لپٹیں آنے ادھر اور اُدھر
مکاں سب گیا مشک و عنبر سے بھر

معنبر وہ صحرا وہ بن ہو گیا
غرض رشک دشت ختن ہو گیا

معطر ہوا جب اُنھوں کا مشام
تو ہنس کر کہا واہ رے یاں کی شام

یہ پھرتے تھے یوں بام پر شادماں
پھرے جوں فلک پر مہ آسماں

کوئی دو گھڑی بعد پھر واں شتاب
نمایاں افق سے ہوا آفتاب

وہ تھا کو وہ اس جا جو آئینہ رنگ
تو کیا کیا چمکنے لگے اس کے سنگ

درختوں کے پتے سہانے لگے
ہر ایک شاخ پر جگمگانے لگے

ضیائیں ادھر چاندنی رات میں
نمائش ادھر جوں طلسمات میں

وہ طائر جو ہیں بولتے رات میں
وہ مشغول سب اپنے نغمات میں

چمکنا جو تھا بھا گیا چاند کا
چکوریں بھی ناچے تھیں چاہت جتا

وہ سب دشت واں مہ کے دستور سے
جھلکنے لگا ہر طرف نور سے

غرض واں بہار اس قدر ہو گئی
کہ ان کو خوشی میں سحر ہو گئی

سحر کا بھی نور اس خوشی کا ہوا
کہ جس کو قمر دیکھ پھیکا ہوا

صباحت وہ اس کی ہوئی سو بسو
کہ حیرت میں ہوں جس سے آئینہ رو

چلی اس قدر راحت افزا نسیم
کہ دل سے ہوئے دور سب خوف و بیم

سحر سے بھی یہ خوش بہت ہو گئے
جو خورشید نکلا تو پھر سو گئے

کئی دن اسی طور سے واں رہے
بہت خرم و شاد و خنداں رہے

چلے واں سے آگے بمقدور تک
گئے سیر کرتے بہت دور تک

اسی طور کی خوبیاں دیکھیاں
طبیعت کی مرغوبیاں دیکھیاں

کہیں دن کہیں رات کو جا رہے
جہاں دل نے چاہا اسی جا رہے

یہ جتنا کہ آگے چلے جاتے تھے
عجائب بھی ان کو نظر آتے تھے

دکھاتے تھے جلوے نگر کے حضور
نئے کچھ وحوش اور نئے کچھ طیور

کئی دن میں چل کر یہ پہونچے کہاں
نیا باغ تھا ایک پری کا جہاں

جو آئے یہ اس باغ میں پر سرور
تو پایا عجب رنگ و بو کا وفور

گل و نسترن سے بھری کیاریاں
نسیم اور صبا کی ہوا داریاں

زمین چمن سے وہ سبزہ اُگا
کہ سلک زمرد ہو جس پر فدا

اگر وہ سرو شمشاد کی دل پسند
صدا قمریوں کی بھی کیا گیا بلند

رہیں بلبلیں ہر طرف چہچہا
رواں نہر اور جوش فوارہا

ہنسیں کبکیں اور زیب لائی پھریں
تدروں بھی چالیں دکھاتی پھریں

گل و لالہ و سوسن و ارغواں
رہے اپنی اپنی دکھا خوبیاں

ادھر کو رخ نازون لعل گوں
ادھر چشم نرگس بھی رکھتی فسوں

ادھر عبہر اپنی کیے کج کلاہ
ادھر زلف سنبل بھی دام نگاہ

ادھر حوض نادر اُدھر آبشار
جدھر دیکھیے ہر طرح کی بہار

جو دیکھا انھوں نے وہ باغ ایک بار
طبیعت ہوئی اُن کی باغ و بہار

مکاں ایک تھا باغ کے درمیاں
بہت زر نگار اور جواہر فشاں

مقطع نہ اونچ اور نہ کچھ نیچ میں
عجب اونچ اور نیچ کے بیچ میں

جگہ ٹھہرنے کی اسے ٹھان کر
گئے بیٹھ جلدی یہ واں آن کر

کبھی عارض گل پہ ان کی نگاہ
کبھی زلف سنبل پہ ان کی نگاہ

بہت ہو کے خوش وقت واں بار بار
یہ تھے دیکھتے اس چمن کی بہار

وہ تھا باغ جس کا وہ اک آن میں
ہوئی وارد اپنے گلستان میں

عجب مہر پیکر عجب خوش لباس
خواصیں بھی اس کے بہت آس پاس

نگہ اس کی جادو ادا فتنہ زا
جو چاہے تو لے دل پری سے اُڑا

جب اس نے یہ دیکھا نیا گلبدن
تو ہوش بلبل وہ گل پیرہن

لگی کہنے دل میں تعجب میں آ
کہ یہ اس چمن میں نیا گل کھلا

یہ گل اس گلستاں میں بیٹھا ہے جو
کبھی یاں تو آئی نہ تھی اس کو بو

عجب ہی یہ گل گلشن ناز ہے
عجب دلربا شوخ طناز ہے

ذرا اس سے چل کر ملا چاہیے
کچھ احوال اس کا سنا چاہیے

یہ کہہ اپنے دل میں وہ سرو رواں
جہاں تھے یہ بیٹھے چلی آئی واں

ہوئی ان کے آگے وہ یوں عنقریب
کہ جوں گل کے نزدیک ہو عندلیب

منگا جلد دو کرسیاں زر نگار
بٹھایا انھیں اور وہ بیٹھی نگار

بہت خیریت پوچھ کر یوں کہا
نہایت کرم تم نے ہم پر کیا

لگی دیکھنے چاہ سے بھر نظر
انھوں نے نہ دیکھا اُٹھا کر نظر

جب ان کی نگہ واں نہ اس سے لڑی
وہ سمجھی کہ اس کی نگہ ہے بڑی

غرور اس کو ہے اور ہی شان کا
یہ انسان ہے اور ہی آن کا

مجھے یہ جو خاطر میں لایا نہ یاں
اسی میں کھلی جاتی ہے میری جاں

بڑی دیر تک پوچھتی وہ رہی
ولے کچھ انھوں نے نہ اپنی کہی

بہت پوچھنا حال کا جب کیا
یہ جب بھی نہ بولے مگر ہنس دیا

ہنسا جب وہ شمشاد باغ جمال
پری ہو گئی بس اسی میں نہال

ضیافت بڑے لطف سے اُس نے کی
ہر ایک چیز پاکیزہ آگے رکھی

کھلایا نہایت خوشی سے انھیں
کیا شاد ربط دلی سے انھیں

جو پھر رسم ہے عطر اور پان کی
وہ لائی بجا اپنے مہماں کی

ہوا ناچ اور راگ بھی خوب سا
مزے پر مزا ان کے دل کو ملا

جو واں ناچ اور راگ دیکھا سنا
نہ دیکھا کبھی تھا نہ ویسا سُنا

وہ گہنے نئے اور وہ نادر لباس
کہ حسرت میں ہو دیکھ جس کو قیاس

بہت نیند جب ان کو آنے لگی
پلک پر پلک کو جھکانے لگی

پری نے مکاں ان کو بتلا دیا
بہت فرش پاکیزہ بچھوا دیا

انھوں نے کیا جا کے آرام واں
نگہباں رہیں کتنی آرام جاں

پری باغ سے اپنے گھر کو گئی / وہ جاگی تھی جاتے ہی بس سو رہی

ہوئی جب سحر پھر وہ آئی پری / لگی کرنے دلداری و دلبری
جو کل ان سے تھا لطف واحساں کیا / تو آج اس کی نسبت دوچنداں کیا
کوئی دو مہینے تلک روز و شب / رہے باغ میں یہ بہ عیش و طرب
پری تھی دل وجاں سے اُن پر نثار / لگے کہنے اس سے یہ ہو بیقرار
اگر تم کہو تو میں صحرا میں جا / شکار افگنی کا بھی لوں کچھ مزا
کہا اس نے بہتر ہے اے مہرباں / کرو تم شکار افگنی جا کے واں
شتاب ایک فرس اس نے منگوا دیا / بڑے ساز سے اس کو سجوا دیا
کہا پھر بہت دور مت جائیو / اسی کوہ و صحرا میں ہو آئیو
پھروگے اُدھر تم تو کرتے شکار / رہوں گی ادھر میں بہت بیقرار
نہ آؤگے پھر جب تلک تم ادھر / رہے گا لگا دھیان میرا اُدھر
بہت چاہت اپنی جتاتی تھی وہ / پہ خاطر میں ان کے نہ آتی تھی وہ
وہ الفت میں ان کے گرفتار تھی / انھیں اس سے نفرت تھی اور عار تھی
انھیں حسن پر تھا جو اپنے غرور / اسے کچھ نہ گنتے تھے اپنے حضور
ہوئے جب یہ اس بادپا پر سوار / چلے شاد ہوتے سوئے کوہسار
جو کیں واں انھوں نے عناں تازیاں / تو وہ اسپ کرنے لگا بازیاں
ابھی تھا زمیں پر ابھی کوہ پر / ابھی پل میں آیا اُدھر سے ادھر
ڈپٹ میں ہوا باد، جب ایڑ کی / اُچک کر اڑا جب گھڑی چھیڑ کی
جو چاہا یہ پکڑیں پرند ہوا / تو ان کا دیا ہاتھ ان سے ملا
جو چاہیں ہرن یہ پکڑیں جیتا ہوا / تو ان کا وہیں واں بھی جیتا ہوا

طلا صید جو جو بیابان میں
کیا قید اس نے وہ ایک آن میں

طبیعت جدھر ان کی مائل ہوئی
وہی آرزو ان کی حاصل ہوئی

تو پھر جس گھڑی دن بہت سا چڑھا
درختوں کے سایہ میں بیٹھے یہ جا

یہ سایہ میں بیٹھے تھے جا کر جو ہیں
تو دیکھا کہ اس جا پہ ایک نازنیں

سوار اپنے اشہب پہ آتا ہے وہ
بہت لوگ ساتھ اپنے لاتا ہے وہ

عیاں حشمتوں کا کچھ آثار ہے
ذرا حسن میں بھی طرح دار ہے

انھیں اس نے دیکھا تو خوش ہو کے واں
اتر اپنے توسن سے وہ نوجواں

سلام ان کو کر کے گلے سے ملا
بہت خرمی سے وہ جوں گل کھلا

وہ دیکھ اُن کو جب مثل گل کھل گیا
تو اُن کا بھی واں اس سے دل مل گیا

ہوئی اس کو ان سے محبت بہت
انھیں بھی ہوئی اس سے الفت بہت

کہا گھر میں رکھیئے ہمارے قدم
ہماری تو آنکھیں تمہارے قدم

انھیں واں سے وہ رہبر لے گیا
غنیمت سمجھ اپنے گھر لے گیا

وہ توسن یہ آئے تھے جس پر سوار
دیا بھیج جس کا تھا وہ راہوار

پری ان کی خاطر بھٹکتی رہی
بہت دل ہی دل میں بلکتی رہی

یہ آئے جو گھر میں پری زاد کے
تو دیکھے مکاں طرفہ بنیاد کے

چمن گلفشاں دل کشا خوب تر
ہر ایک چیز نادر خوش اسلوب تر

جو ہم عمر ان کا تھا وہ نوجواں
بہت خوش ہوا ان کے آنے سے واں

سوا اُس کے واں اور ہم سن و سال
انھیں بھی ہوئی اُن سے الفت کمال

لگے رہنے ان ہمنشینوں میں شاد
پری کا نہ آیا وہ پھر باغ یاد

یہ دلخواہ صحبت جو اُن کو ملی
تو کیا کیا ہوئی ان کو واں خوشدلی

سحر سے لگا شام تک فرحتیں

رہے واں بہت خوش یہ دو چار ماہ
کہا یاں جو بہتر کوئی ہو مکاں
کہا اس نے یاں اک مکاں ہے بنا
تمھیں کل ہم اس جا میں لے جائیں گے
سحر کے یہ ہوتے ہی نکلے شتاب
وہ گھوڑے ہوا کا جو بھرتے تھے دم
گئے واں یہ جیں دم نزاکت نشاں
ہرا گرد صحرا تھا کوسوں تلک
بنا یوں وہ اس سبز صحرا میں تھا
بلند اس قدر وہ ضیا دستگاہ
جھلک اور جھمک اس کی واں اس قدر
وہ صحرا جو پہلے انھیں تھا ملا
مکاں جتنے دیکھے تھے خوش قطع واں
یہ مائل جو اُس دلنشیں کے ہوئے
کہا اس پری زادے ہنس کے واں
اب اس کی ہے اس دم تمنا ہمیں
سنا جب یہ اس نے تو اُن سے کہا
یہ جس کا مکاں خوب پر نور ہے
نگہ برق زلف سیہ جال ہے

لگا شام سے صبح تک عشرتیں

پھر اک دن پری زاد پر کر نگاہ
تو ہم کو دکھاؤ تم اے قدرداں
برابر نہیں اُس کے یاں دوسرا
بہت خوبیوں سے دکھا لائیں گے
ہوا وہ پری زاد بھی ہم رکاب
انھوں نے رکھا دم میں اس کا قدم
تو دیکھا عجب اک بلوریں مکاں
بچھا فرش مینا تھا کوسوں تلک
کہ الماس لے جوں زمرد میں جا
کہ بھولوں کو اکثر بتاتا وہ راہ
کہ آئینہ شرمندہ ہو اد یکھ کر
یہ صحرا جو دیکھا وہ ٹھہرا بُرا
وہ بھولے اُنھیں جب یہ دیکھا مکاں
تو مشتاق اس کے مکیں کے ہوئے
کہ ہم کو خوش آیا بہت یہ مکاں
کہ جس کی یہ جا ہے ٹک اس سے ملیں
اسے دیکھ لینا نہیں کچھ بھلا
بہت حسن پر اپنے مغرور ہے
ستمگر ہے سرکش ہے قتال ہے

گھمنڈ اپنی سج پر ہے اس کو بہت
غرور اپنی دھج پر ہے اس کو بہت

پڑے حسن میں یاں جو ہیں خوبرو
تو ان کو وہ کہتی ہے یہ کیا ہے تو

یہ نام اس کا ہے وہ جو محبوب ہے
نہایت طرحدار اور خوب ہے

یہ سن کر انھوں نے کہا واہ واہ
بھلا ہم بھی اب دیکھ لیں اک نگاہ

اسے ہم جو ٹک دیکھ جاویں گے یاں
کریں گے صفت جا کے ہم اپنے ہاں

پری زاد یار، ان کو لایا ادھر
جہاں جلوہ گر تھی وہ رشک قمر

ہوے داں جو یہ اس پری سے دوچار
پڑے دام ان پر ہزاروں ہزار

وہ محبوب بھی دیکھ انھیں عشق ہوئی
عیاں چاہ کی دل میں آتش ہوئی

کہا آئیے یاں کرم کیجیے
کنیزی میں اپنی ہمیں لیجیے

یہ بولے کہ ہم پر جو اعطاف ہے
فقط آپ کا حسن الطاف ہے

وگرنہ یہ رتبہ ہمارا کہاں
جو یاں آویں یہ ہم میں یارا کہاں

ادھر عجز اس نے کیا بار بار
ادھر سے انھوں نے کیا انکسار

دلوں میں بہم تازہ الفت ہوئی
پھر الفت سے بڑھ کر محبت ہوئی

پھر آگے محبت کے تو عشق ہے
ہوا عشق پھر عشق کو عشق ہے

ہوے دو توں آپس میں جب مبتلا
تو لائی وہ رسم ضیافت بجا

وہ کھانے جو تھے زرفشاں خوان کے
سو آگے رکھے اپنے مہمان کے

نہایت تکلف کی تیاریاں
ملیں ان کو کیا کیا مزیداریاں

دکھایا انھیں ناچ پھر اس قدر
کہ جادو نے مجرا کیا آن کر

پکڑ ہاتھ چاہت جتاتی پھری
مکانات ان کو دکھاتی پھری

چمن بھی پھر اپنے دکھائے انھیں
تر و تازہ میوے کھلائے انھیں

بڑا لطف ان پر نمایاں کیا
ہزار عیش سے ان کو شاداں کیا

پری کی جو مادر تھی والا صفات — تو واں اُس نے کی تھی مقرر یہ بات
کہ جب تک رہے دن پہ اس جا رہے — جو شب ہو تو مجھ پاس پھر آ رہے
پھر اس میں جو دن واں ذرا سا رہا — دیا اس نے معمول اپنا جتا
گئے تھے جو دونوں دل آپس میں مل — تو ہوتا نہ تھا واں سے اُٹھنے کو دل
یہی تھی تمنا یہی تھی طلب — کہ بیٹھے رہیں متصل روز و شب
پھر اتنے میں چھپنے لگا آفتاب — پری بے بس چلی واں سے اُٹھ کر شتاب
پھر آئے جو گھر تھا پریزاد کا — ولیکن دل ان کا اسی جا رہا
رہی جی میں اس کی ملاقات بھر — نہ آئی انھیں نیند واں رات بھر
ہوئی ان کے جی پر جو یاں واردات — وہی حالت اس کی رہی ساری رات
سحر پھر چلے اس کا لیتے یہ ناؤں — وہ محبوب بھی آئی تاروں کی چھاؤں
ملے جب تو پھر شادمانی ہوئی — عیاں سو خوشی کی نشانی ہوئی
بہم مل کے بیٹھے جو دونوں وہ گل — گئی رات کی غنچگی دل سے کھل
خوشی کے لگے ہونے باہم سخن — طرب کے کھلے جی میں کیا کیا چمن
لگی ہونے مہر و وفا آشکار — یہ اس پر فدا اور وہ ان پر نثار
بہت شام تک خوش طبیعت رہی — ہر ایک طور خاطر کو فرحت رہی
اسی طور مدت تلک دم بدم — رہے شاد و مسرور دونوں بہم

یہ ملتے جو ہر روز تھے بے خطر — تو اک دن ہوا اس خلل کا اثر
کہ ناگہ ادھر اس کی ماں آ گئی — پری دیکھ کر اس کو تھرا گئی
نہایت وہ غصہ ہوئی اور خفا — انھیں تو نہ ہرگز کچھ اس نے کہا
طمانچہ مگر اس کے عارض پہ مار — اسے لے گئی واں سے ناچار وار

جو اس کے طمانچہ وہ آکر لگا   تو واں منھ پہ اور ان کے دل پر لگا
وہ مہوش جو کھڑا ہوا لال کچھ   تو ان کے ہوا دل کا احوال کچھ
وہ نقش انگلیوں کا جو اس جا ہوا   تو نقشا عجب ان کے دل کا ہوا
قرار دل اور ہوش جاں کھو دیا   جو کچھ بس نہ دیکھا تو بس رو دیا
پھر آکر یہ گھر میں پریزاد کے   ہوئے ہم نفس آہ و فریاد کے
ہوا ہجر کا ان کے دل پر وہ جوش   کہ خواب و خورش کا رہا کچھ نہ ہوش
نہ باہر یہ نکلیں نہ باتیں کریں   دم سرد ہر دم یہ بیٹھے بھریں
یہ بیکل اُدھر وہ پری بیقرار   یہ آہیں کریں وہ اُدھر اشکبار
رہا ایک مدت اسی طور حال   انھیں درد و غم اس کو رنج و ملال
پری زاد دیکھ ان کو جنجال میں   پڑا سخت تشویش کے جال میں
کوئی سوچ کر بات دل میں وہیں   گیا واں جہاں تھی وہ اندوہگیں
حضور اس کی ماں کے بصد عجز جا   جھکا سر کو اور پاؤں پر گر پڑا
کہا وہ جو گھر میرے انسان ہے   کہوں کیا وہ میرا دل و جان ہے
جو اس کے تئیں میں نہ لاتا ادھر   تو برسوں تلک وہ نہ آتا ادھر
اگر پر لگاتا وہ اسباب میں   تو ہرگز پہونچتا نہ یاں خواب میں
وہ انسان ہے اور پریشان ہے   وہ اس جا مسافر ہے مہمان ہے
بہت شرمگیں اور ہے صاحب حیا   نہیں اس نے کی یک سر مو خطا
میں لایا اسے جب یہ الفت ہوئی   یہ میرے سبب سے محبت ہوئی
نہیں زہر ہرگز وہ تریاک ہے   اُسے آج تک الفت پاک ہے
اب اس کا پریشاں بہت حال ہے   ادھر یہ بھی فرقت سے پامال ہے
رہے یوں ہی دونوں جو اندوہگیں   تو کچھ شکل جینے کی ان کے نہیں

نسب تو اب عقل کہے یہی | کہ نسبت سے دونوں کی ہو زندگی
مجھے عرض کرنا سزاوار ہے | مزاج آپ کا آگے مختار ہے
نہایت وہ صاحب خرد تھی پری | اسی بات میں دیکھ کر بہتری
کہ خیر بہتر ہے اب جائیے | برات اس کی جا کر بنا لائیے
یہ فرمان ہوا جب پریزاد کو | چلا اپنے گھر کی طرف شاد ہو

جب آیا وہ گھر اپنے فرخندہ فال | بہت خوش ہو کھولا در گنج و مال
وہ کیں اس نے شادی کی تیاریاں | کہ جن کی ہوئیں واں نموداریاں
کیے طرفہ عشرت کے سامان سب | نمایاں ہوئے دور عیش و طرب
ہزاروں پریزاد زریں قبا | ہوئے بزم شادی میں رونق فزا
کئی دن تلک ناچ اور راگ کا | ہر ایک اہل محفل نے پایا مزا
بہت خوان دس نعمتوں کے دھرے | کھلائے ہر اک کو ورے اور پرے
گل اور پان بھی طرفہ آداب سے | بھرے ظرف شربت سے اور آب سے
وہ سلک زمرد در بے بہا | وہ ہر چیز شادی کی عشرت فزا
وہ سہرا سنہرا جواہر نگار | وہ جوڑا شہانا وہ گوہر کے ہار
بخوبی یہ سب کچھ پہنایا انھیں | بہت خوب دولھا بنایا انھیں
بنا زیب و زینت سے اک راہوار | کیا ان کو اس پر بہ زینت سوار
ہوئی جب عیاں تھی جو ساعت بھلی | برات ان کی بن ٹھن کے یاں سے چلی
گئے اس کے در پر تو کر کر نگاہ | لگے کہنے سب شاد ہو واہ واہ

غرض جا کے اتری جب ان کی برات | رہیں چہلیں اور عشرتیں ساری رات

جو رسمیں تھیں وہ سب خوشی سے ہوئیں
سبھی باتیں بہ خوش دلی سے ہوئیں

پری سے ہوا بیاہ ان کا جو واں
بہت عیش و عشرت ملی ان کو ہاں

پھر اک تخت پر بیٹھ کر شان سے
پری کو یہ لائے پرستان سے

ہوئیں ان کے ماں باپ کو فرحتیں
انھیں بھی رہیں عمر بھر عشرتیں

جو دیکھا عجب عظمت حسن ہے
جہاں میں بڑی دولت حسن ہے

جو کچھ حسن میں خوبی آیات ہے
وہ خوش ہے نظیر اس کی کیا بات ہے

مثنوی سوم

عجب عشق کا رتبہ و جاہ ہے
عجب عشق کی رسم اور راہ ہے

عجب عشق کی شوکت و شان ہے
عجب عشق کا طور و عنوان ہے

عجب عشق کا رمز اور راز ہے
عجب عشق کا سوز اور ساز ہے

مجھے بھی جو ہے کچھ مزا عشق کا
سخن دل میں رکھتا ہے جا عشق کا

سنا تھا جو میں نے کبھی ایک جا
تو لکھتا ہوں یاں سے میں اب ماجرا

کوئی شخص تھا صاحب عز و جاہ
کسی وقت میں تھا وہ حشمت پناہ

بہت حسن و خوبی میں آراستہ
بہت زیب و زینت میں پیراستہ

بہت اس کی تقطیع و وضع میں خوبیاں
طرح داریاں اور خوش اسلوبیاں

یہ تھا خلق اور جسم میں نرم تن
کہ جس پر فدا تھے گل و نسترن

نہایت مزاج الفت انگیز تھا
تکلم بہت شکر آمیز تھا

سخن میں طبیعت تھی مشکل پسند
مضامین رنگیں بہت دل پسند

محبت بہت ہر گل اندام سے
دل آرام رکھتا دل آرام سے

سخن حسن کا اس کے مرغوب تھا
ادا کا سمجھنا بہت خوب تھا

محل اور مکاں تھے وہ کچھ خوشنما
کہ تھی واں نگہ کو تحیر کی جا

عجب رونق ان میں نمودار تھی
پری اس جگہ نقش دیوار تھی

مہیا سب اسباب ندرت کے ساتھ
ہر اک چیز تھی سو نزاکت کے ساتھ

کئی یوں تو اس کے گلستان تھے　　بہاروں کے ان سب میں سامان تھے
دلے ایک باغ اس کے منظور تھا　　دل اس کا بہت اس سے مسرور تھا
گل اس کے بہت رنگ و بو سے بھرے　　دو رستہ کھڑے سرو باندھے پرے
طرب عندلیبوں کی آواز میں　　نسیم عیش میں اور صبا ناز میں
ادھر نسترن کے رہے بھر چمن　　ادھر یاسمین کے چمن در چمن
ادھر سرو کے سنبل آغوش میں　　اُدھر ڈالیوں کے گل آغوش میں
ادھر چاندنی جگمگاتی ہوئی　　ادھر نرگس آنکھیں لڑاتی ہوئی
ادھر بلبلیں عشق میں بھر رہی　　ادھر قمریاں شور و غل کر رہیں
ادھر شان شمشاد زینت فزا　　ادھر آب انہار موج انتما
وہ غنچوں کے لب مسکراتے ہوئے　　وہ گل شاخ پر کھلکھلاتے ہوئے
رہی زور سبزوں میں بھر تازگی　　ادھر کوتری اور ادھر تازگی
وہ اس باغ میں گلعذاروں کے ساتھ　　بہت سیر کرتا بہاروں کے ساتھ

ہوئی ایک دن واں عجب واردات　　کہ اس باغ میں وہ رہا ایک رات
ہوئیں بزم عشرت کی تیاریاں　　نشاط و طرب کی نمود اریاں
مے و ساقی و مطرب خوش نوا　　سبھوں نے دیا حسن محفل بڑھا
صراحی گلابی چھلکنے لگی　　مے ناب ہر دم چھلکنے لگی
وہ رقاصہ ہا شوخ اور اچپلی　　ادا ان کی چنچل نگہ چلبلی
لباس ان کے جھمکیں دکھاتے ہوئے　　وہ زیور بھی سب جگمگاتے ہوئے
وہ سب ناچنے اور گانے لگیں　　مزے زندگی کے دکھانے لگیں
گئی رات آدھی جو اس میں گزر　　ہوئی نیند آنکھوں میں آ جلوہ گر

جو غالب وہ خواب آن کر ہو گیا
تو اس عیش و عشرت میں وہ سو گیا

وہ سویا جو عشرت کے اسباب میں
تو یکبارگی آن کر خواب میں

دل اس کا کوئی نازنیں لے گئی
وہ گل تھا اسے بیکلی دے گئی

دکھا کر جھمک وہ تو چلتی ہوئی
رہی اس کی جاں ہاتھ ملتی ہوئی

دکھا حسن اس نے اُدھر راہ لی
ادھر اس نے کی آہ اور چاہ لی

دکھا آن وہ تو نہاں ہو گئی
اسے زندگی بار جاں ہو گئی

دکھا زلف وہ تو گئی جال میں
دل اس کا پڑا عشق کے جال میں

دکھا آن وہ تو گئی آن میں
بھرا عشق اس کے دل و جان میں

دکھا تیغ ابرو کی وہ نازنیں
گئی کر کے زخمی جب اس کے تئیں

کھلی یک بیک آنکھ اس خواب سے
ہوا تر بتر چشم کے آب سے

اگرچہ وہ جاگا پہ روتا رہا
دل اس کا فدا اس پہ ہوتا رہا

اگرچہ وہ جاگا تو فی الفور تھا
ولے اس کے دل کا وہی طور تھا

اگرچہ وہ جاگا تو ہنگام سے
پہ اس کا نہ چھوٹا دل اس دام سے

اگرچہ وہ جاگا تو حسرت بھرا
نہ بھولا اگر اس صنم کو ذرا

خلل آ گیا اس کے احوال میں
پڑا کچھ عجب ڈھب کے جنجال میں

کبھی یاد اس حسن اور شان کی
کبھی یاد اس ناز اور آن کی

کبھی یاد اس سرخ رخسار کی
کبھی یاد اس چشم خونخوار کی

کبھی یاد اس طرز مرغوب کی
کبھی یاد اس قامت خوب کی

کبھی یاد اس زلف کج باز کی
کبھی یاد اس دھج کے انداز کی

تپش دمبدم دل کے ہمراہ تھی
خلش ہر گھڑی ہر نفس آہ تھی

نہ لگتی تھی کچھ بات جی کو بھلی
وہی بے قراری وہی بے کلی

تحیر میں آکر پڑا ایک بار
رکھے دل میں اس بھید کو یا کہے
یہ کچھ عشق کا جلد آنا ہوا
دیا جھپ کچھ ایسا جھگڑا دیکھا
نمایاں ہوئی جب سحر آن کر
لے آیا کوئی گڑ گڑی کو بنا
نظر آیا مسند پہ بیٹھے ہوئے
کہا شب جو گذری سے دجام میں
بہت دن چڑھا جب تو حیراں ہوئے
جو تھے اقربا آگئے آن میں
اگرچہ کسی جاگتے رات ہے
نہ دیکھا نہ دل کو سنبھالا ذرا
کئی طور سے سب نے تدبیر کی
مہینوں تک اس کا یہی حال تھا
کسی سے نہ کہتا وہ کچھ بات تھا
مصاحب جو اس کے تھے اور ہم نشیں
ہر اک نے اس احوال پر کر نظر
بہت دن ہوئے آپ کو اس طرح
نہ ہنستے ہو ہرگز نہ کچھ بولتے
کہو کچھ تو اب اس کی تدبیر ہو
کہو کچھ تو اب اپنے مقدور تک

نہ دل کو تسلی نہ جی کو قرار
عجب حال تھا کیا کرے کیا کہے
کہ غافل سے دم میں دوانا ہوا
کہ دیا خوشی سے اٹھا غم بھرا
تو خادم وہ جب وقت پہچان کر
کوئی آشنا بے کو لایا اٹھا
دوپٹے سے منہ کو لپیٹے ہوئے
ہیں اس واسطے اب تک آرام میں
جنھوں نے سنا وہ پریشاں ہوئے
کہا سچ کہو تم ہو کس دھیان میں
پر اتنا بھی سونا یہ کیا بات ہے
کسی سے نہ بولا نہ چالا ذرا
و لیکن کسی نے نہ تاخیر کی
پریشاں دل و خستہ احوال تھا
اسی کے تصور میں دن رات تھا
پراگندہ خاطر دل اندوہگیں
کہا اس کی خدمت میں یوں آن کر
نہ بنے گی بھلا بات یہ کس طرح
نہ بھید اپنے دل کا ہو کچھ کھولتے
تفحص میں ہرگز نہ تاخیر ہو
کریں جستجو اس کی ہم اور دور تک

یہ سن کر کہا ان سے احوالِ دل
کہ میرا ہوا ہے یہ کچھ حالِ دل

رہے ڈھونڈتے وہ بھی مدت تلک
نہ دیکھی رخِ مدعا کی جھلک

کہا پھر یہ تدبیر ہے اب سنو
کہ قصہ کہانی ہر ایک شب سنو

جو اس میں برآوے تمھاری مراد
یہی خاص اب ہے ہماری مراد

تمھارا جو اس طور کا حال ہے
کہیں کیا ہمارا جو احوال ہے

تمھارا جو نقشہ ہے اس طور کا
کہیں کیا ہمیں غم ہے کس طور کا

کہا جب انھوں نے یہ ہو دردمند
اسے بھی یہ تدبیر آئی پسند

جسے تھا جو کچھ یاد آنے لگا
زباں پر وہ احوال لانے لگا

بہت داستاں اور کہانی ہوئی
بہینے تک افسانہ خوانی ہوئی

ہوا کوئی وارد جو ایک رات واں
تو اس نے کہی جلد یہ بات واں

کہ میں نے جو دیکھا اب ایک حال ہے
کہوں کیا غرض طرفہ احوال ہے

گیا تھا میں ایک دن کسی کام کو
ہوا واں سے پھرنا میرا شام کو

مجھے شام کا وقت جس جا ہوا
تو اس دشت میں یہ تماشا ہوا

کئی خوشنما واں پرند آ گئے
وہ آئے پھر ان سے دو چند آ گئے

بہت پیارے پیارے خوش آہنگ کے
پر و بال اُن کے کئی رنگ کے

بہت دلربا نازک اندام تھے
تنگ کے لیے اُن کے پر دام تھے

ابھی ان پرندوں کے تھے طور کچھ
بدل کر ابھی ہو گئے اور کچھ

عجب گفتگو اور عجب چال ڈھال
بہت خوبرو اور بہت خوش جمال

جو پریوں کی تصویر میں ہے سند
وہی ان کی صورت وہی ان کے قد

بہت خوش لباس ان کے بر دوش پر
کچھ ایسے کہ رہے دیکھو انھیں ہوش پر

کسی نے دیا فرش اس جا بچھا
کسی نے بہت حسن ترکیب سے
کسی نے مے اور جام لا کر رکھے
ہوئیں جا بجا روشن اس بزم میں
وہ سب کر چکے۔ تھا جو کچھ عزم میں
پریزاد وہ بھی ہوئے آن کے
جواں تھا جو ان میں بہت نازنیں
جو آئے تھے بیٹھے وہ۔ گرد آن کر
یہ تھا ہمنشینوں میں حسن اس کا واہ
ہوا ناچ اور جام چلنے لگے
نوا زنگ کی اور صدا تال کی
ادا جادو اور سحر انداز تھے
وہ چمکے تھے حسن اور لباس ان کے گوری
یہ عالم جو واں رخ دکھانے لگا
یہ دیکھا تماشا جو اس رات تھا
سوا اس کے اور ایک سنیے بیاں
یہ کچھ عیش تھا اور یہ سامان تھا
ملال اپنے چہرے پہ لائے ہوئے
کسی پر نظر وہ اٹھاتا نہ تھا
خفا تھا نہایت ہی اس کا مزاج
رہی دو گھڑی رات جب وقت واں

جھمک وہ کہ ہو تاش جس پر فدا
رکھے مسند اور تکیے ترتیب سے
طرب کے سرانجام لا کر رکھے
عجب ڈھب کی شمعیں عجب مشعلیں
پرند اور آئے پھر اس بزم میں
بڑے حسن کے اور بڑی شان کے
ہوا زیب مسند وہ مسند نشیں
ادب سے مقام اپنے پہچان کر
نمایاں ہو جیسے ستاروں میں ماہ
لگے خوش دلی کے اچھلنے لگے
خوشی دل کی اور تازگی حال کی
عجب راگ تھے اور عجب ساز تھے
چھٹے جیسے مہتاب یا پھلجھڑی
تو وہ دشت سب جگمگانے لگا
کہوں کیا عجب کچھ طلسمات تھا
کہ اُن میں جو مسند نشیں تھا جواں
پر اس کو نہ ہرگز اُدھر دھیان تھا
دل آزردہ۔ چُپ سر جھکائے ہوئے
وہ عیش اس کو ہرگز خوش آتا نہ تھا
خبر کیا کہ اس کا کدھر تھا مزاج
تو ایک پیک محفل میں آیا دواں

پھرا گرد مسند نشیں کے وہ آ
جھکا سر کو مجرا کیا اور کہا

کہ احوال داں کا بدستور ہے
ابھی راہِ مطلب بہت دور ہے

یہ سن کر جواں آہ کر کر اُٹھا
دمِ سرد محفل سے بھر کر اُٹھا

گیا داں سے اپنے اکی دھیان میں
گئے سب وہ ساتھ اسکے اک آن میں

گئے وہ۔ میں بے خبر بس رہ گیا
تعجب تحیر میں بس رہ گیا

وہ جھمکیں نگہ ساتھ گھرتی رہیں
وہ شکلیں تصور میں پھرتی رہیں

: زا میری ان پر طبیعت رہی
کئی دن تلک مجھ کو حیرت رہی

گیا میں کئی باریوں تو اُدھر
دلے پھر وہ نقشہ نہ آیا نظر

یہ جب اس کی خدمت میں وہ کہہ چکا
تو ساتھ اُس کے یہ بھی اُدھر کو گیا

امید اپنے دل کو یہ دینے لگا
خبر دشت میں اُن کی لینے لگا

کہ شاید پھر آدیں تو ان سے ملوں
یہ احوال اپنا میں ان سے کہوں

کیا اک مدت تلک انتظار
ہوا بارے ان کا پھر اس جا گذار

وہی آ کے نقشہ نمایاں ہوا
یہ دیکھ اُن کا عالم کو حیراں ہوا

بچھا فرش اور زیب اس جا ہوئے
سب اسباب عشرت مہیا ہوئے

جو مسند نشیں تھا اس عنوان سے
وہ مسند پہ بیٹھا اسی شان سے

وہی ناچ اور راگ پھر واں ہوا
سنا تھا جو کچھ سب نمایاں ہوا

یہ دیکھا جب اس نے تو اٹھ کر وہیں
گیا واں جہاں تھا وہ مسند نشیں

جو حاضر ہوا بزم میں آن کر
تو اس نے بھی ہمسر اسے جان کر

پکڑ آستیں پاس لایا اسے
بغلگیر ہو کر بٹھایا اُسے

بہت خوبی و لطف و اکرام سے
ہوا واقف اس کے وہیں نام سے

کہا تم نے کی مہربانی بہت
ہمیں اب ہوئی شادمانی بہت

دل اس کا ہوا اس کے آنے سے شاد
پر اس کے ہوا دل لگانے سے شاد

کہا یاں پہ آنا سبب کا ہے کچھ
فقط لطف ہے یا تمنا ہے کچھ

سنی یہ جو بات ان سے اس ماہ کی
تو بھر اشک آنکھوں میں ایک آہ کی

کہا کیا تمنا میں اپنی کہوں
عجب طور کے رنج اور غم میں ہوں

یہ سن کر کہا کچھ تو کہیے بھلا
جب ان سے یہ احوال اپنا کہا

کریں باغ میں اپنے ایک شب رہا
بہت عیش و عشرت میں پھر سو گیا

کوئی دلربا آن کر خواب میں
خلل کر گئی طاقت و تاب میں

مجھے بے کل اور مبتلا کر گئی
کہوں کیا میں تم سے کہ کیا کر گئی

دکھایا جو مکھڑا مجھے بے نقاب
تو مجھ میں تحمل رہا پھر نہ تاب

دکھایا مجھے حسن اس آن سے
کہ شیدا ہوا میں دل و جان سے

دکھائی کچھ ایسی مجھے آن بان
کہ سینہ گئی توڑ اور دل کو چھان

جو کچھ حسن میں اس کے تھی برتری
کہوں کیا مگر حور تھی یا پری

کھلی آنکھ میری تو پھر وہ کہاں
میں بے بس تڑپتا رہا نیم جاں

تلاش اس کی میں نے بہت دور کی
جھلک بھی نہ دیکھی پھر اس نور کی

محبت میں اس کی گرفتار ہوں
جگر خستہ ہوں اور دل افگار ہوں

ہر ایک طور سے جب میں بے بس ہوا
تو خدمت میں لایا ہوں اب التجا

یہ احوال جب گوش ان سے کیا
تو سنتے ہی کی آہ اور رو دیا

کہا تم جو بے کل ہو اور زرد ہو
ہمارے غرض تم بھی ہمدرد ہو

تمہارے جو کچھ دل کا احوال ہے
ہمارے بھی دل کا وہی حال ہے

پری ایک ہے دلربا نازنیں
بہت خوش ادا مہ لقا نازنیں

بہت پر غرور اور بہت ہٹ بھری ۔ کوئی اس کے ہمسر نہیں یاں پری
عجب حسن میں اس کے عنوان ہیں ۔ جو پریاں ہیں وہ اس پہ قرباں ہیں
لگا دل کو اس کی ہر اک آن سے ۔ ہم اس پر فدا ہیں دل و جان سے
یہی آرزو دل میں رکھتے ہیں آہ ۔ کہ دیکھیں کسی دن اسے بھر نگاہ
ولے ہم کو وہ منھ دکھاتی نہیں ۔ ہمیں کوئی عشرت خوش آتی نہیں
نہیں دل جو لگتا تو پھر ہار ہم ۔ ادھر کو بھی آتے ہیں لاچار ہم
کئی قاصد اپنے اُدھر جاتے ہیں ۔ خبر اس کی ہر روز لے آتے ہیں
اسے جس گھڑی ہم پہ مہر آوے گی ۔ تو ہم پاس وہ رشکِ مہر آوے گی
رہو تم ہمارے کنے مہرباں ۔ جو کچھ ہم سے ہوگا وہ ہوگا عیاں
جب اس کے تئیں ان نے یوں کہہ دیا ۔ وہیں آ کے قاصد نے مجرا کیا
کہا واں نہیں بات کچھ اور ہے ۔ وہی رنگ ہے اور وہی طور ہے
تو پھر دو گھڑی رات جس دم رہی ۔ گئے وہ۔ اسے بھی ملی ہمرہی
یہ ہمرہ کے ساتھ ایک آن میں ۔ ہوا جلد وارد پرستان میں
دکھائے انھیں واں کے رنگیں مکاں ۔ مرصّع طلائی جواہر فشاں
دکھائے انھیں واں کے باغ و چمن ۔ گل و بلبل و نرگس و نسترن
بہاریں عجب اور فضائیں عجب ۔ صدائیں عجب اور ہوائیں عجب
انھیں دیکھنے وہ کب آئے تھے ۔ محبت نے ان کو وہ دکھلائے تھے
کہاں یہ کہاں حد پرستان کی ۔ بلندی یہ ہے عشق کی شان کی
مہینے تک ان کی ضیافت رہی ۔ پھرے رے ادھر سے ادھر تک یہی
شب و روز فرحت فزا انجمن ۔ طرب۔ رقص۔ گلگشت باغ و چمن
وہ قاصد جو اس کے تھے جاتے ادھر ۔ پھر آتے تھے ہر دم اُدھر سے ادھر

کسی نے پھر ایک دن بصد خوشدلی
نوید آن کر اس کے ملنے کی دی

کہا وہاں سے دور اعتراضی ہوئی
وہ محبوب اب دل سے راضی ہوئی

خوشی یہ جو زیب زبانی ہوئی
نہایت اسے شادمانی ہوئی

وہ جب خوش ہوا واں تو نے بلا
کسی اپنے ہمراز سے یوں کہا

یہ مہماں ہیں ان پر کرم کیجیے
جو کچھ یہ کہیں اُس کو سن لیجیے

کہا اس نے کیجئے انھوں نے کہا
کہ ہوں اب میں جس نازنیں پر فدا

یہ شکل اور یہ قد اور یہ انداز ہے
یہ کچھ حسن ہے اور یہ کچھ ناز ہے

کہا اس نے سن کر کہ یاں ایک پری
اسی حسن اور ناز میں ہے بھری

کئی دن میں جا اس کو راضی کیا
مئے جامِ عشرت انھیں بھر دیا

بڑی دھوم سے شادی اُنکی ہوئی
بڑے غم سے آزادی اُن کی ہوئی

پریزاد تے ہوکے واں شاد جب
بنا طرفہ شادی کے اسباب سب

کر آراستہ خوب ایک انجمن
کہ جس کو ہر لحظہ باغ و چمن

بڑی دھوم سے بیاہ اپنا کیا
بیاں اس کا جاتا نہیں کچھ لکھا

دل اپنا جب اُس نے پر عشرت کیا
تو اس جا سے ان کو بھی رخصت کیا

پری کو یہ ساتھ اپنے لائے ادھر
خوشی خرمی سے رہے عمر بھر

کروں کیا نظیر اب میں تقریرِ عشق
عجب حسن رکھتی ہے تاثیرِ عشق

کلیات نظیر

(۱)

نظیر محراب عبادت میں

الٰہی تو فیاض ہے اور کریم
مقدس، معلّے منزہ[۱] عظیم[۲]

الٰہی تو غفار ہے اور رحیم
نہ تیرا شریک اور نہ تیرا سہیم

تری ذات والا ہے یکتا قدیم

ترے حسن قدرت نے یا کردگار
پہونچتی نہیں عقل اُنھیں ذرہ وار

کیے ہیں جہاں میں وہ نقش و نگار
تحیّر میں ہیں دیکھ کر بار بار

ہیں جتنے جہاں میں ذہین و فہیم

زمیں پر سمٰوات گرداں کیے
نباتات بے حد نمایاں کیے

نجوم اُن میں کیا کیا درخشاں کیے
عیاں بحر سے دُرِّ[۳] و مرجاں کیے

بحر سے جواہر بھی اور زر و سیم

[۱] منزہ۔ پاک
[۲] عظیم عظمت والا
[illegible]
[۳] دُر۔ موتی، مرجان
مونگا ۱۲ [illegible]

شگفتہ کیے گل، بہ فصلِ بہار
عنادل بھی اور قمری و کبک و سار
بہ وبرگ و نخل و شجر، شاخسار
طراوت سے، خوشبو سے ہنگام کار
رواں کی صبا ہر طرف، اور نسیم

بیاں کب ہو خلقت کی انواع کا
جو کچھ حصر ہووے تو جاوے کہا
خصوصًا بنی آدم خوش لقا
شرف اُن سبھوں میں انھیں کو دیا
بہ اسلام و ایمان و دینِ قدیم

عطا کی انھیں دولتِ معرفت
عبادت، اطاعت، نکو منزلت
حیا، حُسن، اُلفت، ادب، مصلحت
تمیزِ سخن، خلقِ خوش، مکرمت
فراواں دیے اور ناز و نعیم

ترا شکرِ احسان ہو کس سے ادا
ہمیں جس سے تو نے پیدا کیا
کیے اور الطاف بے انتہا
نظیر اس سوا کیا کہے سر جھکا
یہ سب تیرے اکرام ہیں یا کریم

(۲)

اے برتر از خیال و قیاس و گمان ما

یارب ہے تیری ذات کو دونوں جہاں میں برتری
ہے یاد تیرے فضل کو رسمِ خلائق پروری
دائم ہے خاص و عام پر لطف و عطا، حفظ آوری
کیا انس و جاں، کیا طائراں، کیا وحش، کیا جن و پری
پاتے ہے سب کو ہر زماں تیرا کرم اور یاوری

تو خالقِ ارض و سما، تو حاکمِ قدرت نما
ہے حکم تیرا جابجا، سے عرش تا تحت الثریٰ
برتر، مقدس، ذوالعلا، بندے ترے شاہ و گدا
دنیا و دیں کی یا خدا ہر حق تجھی کو ہے روا
فرمانروائی، حاکمی، شاہی، خدائی، سروری

ے سار: سیاہ بگلے کا ایک خوش آواز پرندہ
۲ے انتہا
۳ے مراد انسان، آدمی

قدرت سے تیری ہر زماں لیکر زمیں تا آسماں
کیا کیا بہاریں ہیں عیاں کیا کیا دکھائیں خوبیاں
مرغوب رنگ آمیزیاں محبوب حسن آرائیاں
حقا تری صنعت پہ ہاں ختم لاریب و گماں
رنگینی و طراحی و نقاشی و صورت گری

تو نے بنائے سب فلک پیدا کیے حور و ملک
انساں صبیح و پر نمک حیواں عجائب یک بیک
ہر جا تجلی اور جھلک بے انتہا نور اور چمک
کہتی ہے دانش نکو تک ہے یہ بھی قدرت کی جھلک
چمکے ہیں جس سے اسقدر خورشید و ماہ و مشتری

تو قادر و سبحان ہے اقدس معلیٰ شان ہے
خالق ہے اور رحمان ہے رزاق اور منان ہے
تیرا کرم ہر آن ہے احسان بے پایان ہے
ہم کو یہی شایان ہے جب تک بدن میں جان ہے
ہر آن میں لاویں بجا شکرانہ و فرمانبری

جو جو ہیں تیری قدرتیں کیا کیا بیاں ان کا کریں
کیا کیا بنائیں نعمتیں کیا کیا بنائیں رحمتیں
آتی نہیں کچھ فہم میں یا حیرتیہ کر ان کو تک رہیں
کب شکر ان کا کر سکیں لیکن یہی ہر دم کہیں
یا رب ترا فضل و کرم لطف و عنایت گستری

ہے تو ہی رب العالمیں اور تو ہی خیر الراحمیں
یکتائی ہے تیرے تئیں ہمسر ترا کوئی نہیں
ہے آسماں سے تا زمیں ہیں سب عباد و تابعیں
ہے یہ نظیر عصیاں قریں جانے ہے باصدق و یقیں
ہو گی ترے ہی فضل سے ہر جا مری کھوٹی کھری

(۳)

ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ

اس ارض و سما کے عرصے میں یہ جتنا کچھ کھنچا ہے
یہ ٹھاٹھ تجھی نے باندھا ہے یہ رنگ تجھی نے رچا ہے
حیواں کچھیرو درنداری کیا بوڑھا بالک بچا ہے
کیا دانا بینا ہوش بھرا کیا بھولا نادان کچا ہے
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

لہ طراح نقاش
سہ صبیح۔ خوبصورت
سفید رنگ ۱۲
سہ منان بہت
احسان کرنے والا
بہت نعمتیں دینے
والا۔ خدائے تعالیٰ
کا ایک نام ۱۲
سہ تھم کھنچا
پری بھر جانے کی
شان۔ رہنا
جانا ست کرنا
ستی میں لانا۔
پیدا کیا۔ مخلوق
کرنا نقش کرنا
منقوش کرنا پر قش
کرنا۔ ٹھاٹھ
بندھنا۔
ھہ کھیرو۔
پرندہ اڑنے والے
جانور درنداری
خرد عورت ۱۲
دشرف علی

لہ تنگری ترکی میں خدا کو کہتے ہیں ۱۲ سہ الکھ جو دیکھنے میں نہ آئے۔ نرنکار۔ پوشیدہ۔ الوپ۔ غائب ۱۲ سہ نرنجن بری از ہوائے نفسانی و شہوت ۱۲ نردھاری غشن کا روپ دھارن کرنے والا جس کا کوئی روپ نہ ہو ۱۲ ھہ ڈبرا یا ڈابر۔ جھیل۔ جوہڑ۔ نشیب جہاں پانی اکٹھا ہو جاتا ہے چھپر چھوٹا سا تالاب۔ غدیر ۱۲ وشہ جوہڑ۔ بارانی تالاب چھپر۔ جھیل۔ ڈابر۔ تال۔ آبگیر۔ غدیر ۱۲ ھہ لا گھڑیال کی قسم کا ایک جانور ۱۲ ھہ امر بیل۔ اکاس بیل۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ بغیر جڑ اور بن پانی ہمیشہ ہری رہتی ہے وہ اس کا مادہ امر قرار دیتے ہیں اور جو لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس کی جڑ آسمان پر ہوتی ہے وہ امبر بیل کہتے ہیں ھہ ہندی میں جیسے جھٹو جنتر الافلاک کو کہتے ہیں مگر نظیر نے تصرف کر کے جھٹو کو جنتر کر دیا ہے جس طرح امر بیل کو بیل امر یا مدن بان کو بان مدن کر لیا ہے یا ممکن ہے کہ بول چال میں بھی جنتر ہی ہو ۱۲ ۵۹ لا کچی کھیلی کی ایک قسم ہے ۱۲ ھہ پیلو۔ ایک درخت جس کی

کوئی خالق باری رب مولا رحمان رحیم اللہ تنگری لہ کوئی رام رام کہہ کر سمرے کوئی بولے شیو شیو ہری ہری	کوئی الکھ سہ دپ کرتا ہے کوئی نرکال نرنجن سہ دھاری کوئی داتا دینت دیوانگل کوئی رام پس دیوت جن پری

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

دریا و سمندر جھیل نہر ندی نالے ڈبرے ھہ جوہڑ وشہ جونکیں بھینسیں گو ہ ھہ جھینگے مرغابی بطخ بیل امبر	سیپی گھونگے کوڑی موتی گھڑیال اور ناکے سوس مگر کیا لاچی پردی اور رہنو رکیا کچھو مچھ اودکیا جی جنتر ھہ

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

پھلواری باڑی باغ چمن ہے سب کو یاد تری ہی بھلی کوئی مالا پھیرے کوئی سمرن ہر سب کے دل میں یاد دھلی	تو مالی والی رکھوالی کیا برچھی بھلی کیا پیڑ بلی کیا چوٹی جڑ کیا پھل کونپل کیا ٹہنی پتا، کلی کلی

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

ہشیار و دانا مست سڑا عیار نظر، ناقص، کامل رمال نجومی گھڑیالی ملا برہمن پنڈت عاقل	سردار غریب ادنیٰ اعلیٰ زیرک سیانا نادان غافل کیا بید مہندس ابجد داں کیا عالم فاضل کیا جاہل

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

سیار ثوابت لوح و قلم جنات عدن فردوس فلک آثار طبائع قوس جدی میزان اسد سرطان ہر یک	خورشید سے لے مہتاب تلک مہتاب سے لے خورشید تلک کیا رضواں غلماں جنت کے کیا عرش میں کیا حور و ملک

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

ہیں دشت بیاباں اور وادی عرصہ میداں صحرا جنگل پیلو یا کھر نرما سنبھل کچنار سنبھالو بڑ پیپل	ویرانہ پربت جھاڑ شجر بوٹی جھاڑی پیڑ و رجل کیا ابر ہوا کیا برق گھٹا کیا دل بادل کیا جل و تھل

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

اراہیل تخیر اور مولسری مدمالت بیلا اور سمن جائی جوہی خوشبو نرگس سنگار جنبیلی سیم بدن	دوپہری گیندا گل لالہ نافرماں کرنا بان مدن کیا پھول گلابی گل طرہ کیا ڈیلا بانسہ سکھ درشن

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

سوا کیں بناتے ہیں ۱۲ شہ پاکھر ایک بڑے سایہ دار درخت کا نام ہے جس کے پھل کا اچار رطیاں کے واسطے بہت مفید ہے ۱۲ ۱۳ قرنیلا یا ڈیلیا ایک پہاڑی درخت کا نام جس کا زرد یا سرخ اور بڑا پھول ہوتا ہے ۱۲ ۱۴ ایک قسم کا درخت جس کے پھولوں میں اکثر مٹھاس نکلتی ہے اور اس کی لکڑی سے کوئیلوں کی بارود خوب بنتی ہے۔ پہلا بانسہ ۱۲ اشبھانہ ھہ سوسمار۔ جو سوراخوں وغیرہ میں رہتا ہے ۱۲ آسی

انگور، سنگترہ، نارنگی، بر بیر[1] سدا پھل[2] سیتا پھل[3] | نارنج جھنبیلی اور کوے کھٹے میٹھے کمرکھ، کنگل[4]
آب املی جامن لکری بادام چھہارے اور جا پھل | کیا گولر کھٹے مولسری کیا شفتالو کیا کٹھل بڑ پھل

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

گرگھ بگلو کلنگ ادہ بار کوئی سارس بگلا کویل تیتر | سرخاب ترمتی زاغ و زغن سیمرغ اور سارس مور سفر
بھری گھر طوطا مینا ہدہد شکرے باشے، تیتر | کیا بلبل قمری لعل بیا کیا لمھی بھنگا، اور مچھر

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

گج گینڈا ارنا خیر پلنگ آہو ہرنی روبہ گیدڑ | سیہی نیولا سانڈا بچھو فعی چھچوندی حسی اژدر
گج کوہی پاڑا اژگر چرغ گرگٹ چلپاسہ سیہہ گرگ | کیا جن انس کیا بن مانس کیا ہاتھی گھوڑا بیل شتر

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

ابدال قطب اور غوث ولی ہے دھیان میں تیرے سب کا | کیا گیانی دھیانی نارد من کیا جوگی جنگم گرو چیلا
تو پالنے والا ہے سب کا اور سب کا تجھ سے دھیان لگا | کیا شاہ نظیر اور کیا راجا کیا مفلس کیا کنگال گدا

کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

(۴۴)

تو کار جہاں را نکو ساختی

خدا کی ذات ہے وہ ذوالجلال والاکرام، | کہ جس سے ہوتے ہیں پروردہ سب خواص و عوام
اسی نے ارض و سموات کو دیا ہے نظام | اسی کی ذات کو ہے دائما ثبات و قیام

قدیر و حی و کریم و مہیمن و منعام

فلک پہ تاروں کی کیا کیا مرصع کاری کی | پھر ان میں زیب فزا کہکشاں نگاری کی
ضیا و نور کی کیا کیا تجلی باری کی | بروج بارہ میں لا کر رکھی وہ بارگی

کہ جسکو پہونچے نہ فکرت نہ دانش و اوہام

[1] بر بیر کا مخفف ہے اور یہ عوام کی بول چال ہے سب
[2] گو بعض کتاب میں سدا پھل لکھا ہے مگر میرے خیال میں سری پھل کا نسخہ بہتر ہے۔ سدا پھل وہ درخت جو ہمیشہ پھلوں سے لدا ہوا رہے ہمیشہ پھل دینے والا درخت، ہر سال پھلنے والا درخت سری پھل، ناریل، تاڑ پھل، قسم کا بعض سری پھل بیل کو بھی کہتے ہیں ۱۲
[3] سیتا پھل شریفہ شہباز
[4] کنگل ایک قسم کا بڑا درخت ۱۲ اشرف علی

بنائی کرسی[1] و عرش اور لامکاں در آں
طہور[2] و حور و قصور و ملائک و رضواں
پھر اور سدرہ و رفرف سے درج نار جناں
ادھر فرشتۂ کروبی اور ادھر غلماں
قلم کو لوح پہ بخشی ہے طاقت ارقام

ثوابت[3] اُس نے بنائے ہیں اس قدر سیار
کہ روز حشر تلک ہو سکے نہ جن کا شمار
مگر یہ نام ہیں اُن کے جو سات ہیں سیار
یہ دو ہیں شمس و قمر، اور ساتھ اُن کے یار
عطارد و زحل و زہرہ، مشتری، بہرام

ہوا ہے حکم ازل سے جو اُن کو پھرنے کا
کریں گے دَور یہ ہمراہ آسماں کے سدا
قوی کسی کا کہاں حکم ہو سکے ایسا
جو چاہیں ایک پلک ٹھہریں یہ سو طاقت کیا
پھرا کریں گے یہ آغاز سے لے تا انجام

جو کچھ ہے اُس نے بنایا یہ کل نہان و عیاں
ہیں ایسے ایسے مکاں اور اُسکے بے پایاں
اُسی کی صنعت و قدرت کے ہیں یہ سب شایاں
بشر جو چاہے سو سمجھے انھیں ہے کیا امکاں
ہے یاں فرشتوں کی عاجز عقول اور افہام

زمیں کو دیکھو تو کل آب پر دیا ہے قرار
کیا ہو اور نباتات کے تئیں اظہار
پھر اُس میں اور بنائے ہیں کوہ و بر[4] و بجار
نکالے اُن سے گل و میوہ شاخ گل اور بار
سب اُس کے لطف و کرم کے ہیں عام انعام

اُسی کے حکم سے ہم اس جہاں میں آتے ہیں
اُسی کے لطف سے پھولے نہیں سماتے ہیں
زبان و عقل و خرد، چشم و گوش پاتے ہیں
اُسی کے باغ سے دل شاد ہو کے کھاتے ہیں
چھوہارے، کشمش و انجیر و پستہ و بادام

ہے وہ ہی خالق و رازق وہی رؤف و غفور
اُسی کے حکم سے خلقت کا یاں ہوا ہے ظہور
اُسی کے مہر سے پلتے ہیں انس و وحش و طیور
چمک رہا ہے اُسی کی یہ قدرتوں کا نور
بہر زمان و بہر ساعت و بہر ہنگام

---

[1] کرسی آٹھواں آسمان۔ چھوٹا تخت تخت رب العالمین جس کی تعریف مجال انسانی سے باہر ہے۔ سدرہ آسمان ہفتم پر بیری کا ایک درخت جس کو سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں۔ رفرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کا گھوڑا۔ نام مقام اسرافیل۔
[2] طہور شراب جنت۔ قصور قصر کی جمع۔ رضوان داروغہ بہشت کروبی۔ فرشتہ مقرب۔ غلمان جنت کے امرد لڑکے۔ لوح سے مراد لوح محفوظ ۱۲
[3] ثوابت وہ ستارے جو گردش نہیں کرتے۔ سیارے گردش کرنے والے ستارے ۱۲
[4] بر۔ جنگل۔ بحار بحر کی جمع ۱۲ منہ

اسی نے حکم کیا ہے ہمیں عبادت کا
جو غور کی تو ہمارا بھی ہے اسی میں بھلا

اُسی نے طاعت و تقویٰ کا حکم ہم کو دیا
کہ اُس کا شکر کریں شب سے تا بروز داد

اطاعت اُس کی بجا لاویں صبح سے تا شام

جو اس میں لطف و عنایت ہے کب کسی میں ہو
عبادت اُس کی ہے جو ہووے دل کی خو

ہر اک طرف ہے اُسی کے گلِ کرم کی بو
نظیرؔ نکتہ سمجھ مہر و فضلِ خالق کو

اُسی کے فضل سے دونوں جہاں میں ہے آرام

(۵)

چڑیوں کی تسبیح

(وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہٖ ولکن لا تفقھون تسبیحھم)

وقتِ سحر کی رو میں کیا کیا ہوں ہوں ہوں کرتی ہیں ۴
ہوں ہوں ہوں ہوں، کر کر ذکر کن اور فیکوں کرتی ہیں

مرغے بولے ککڑوں ککڑوں مرغیاں کوں کوں کرتی ہیں
طوطیاں بھی سب یاد میں اُس کی بھتوں بھتوں کرتی ہیں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
ہوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا ہے سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

بنکھ[1] بڑھا گدھ بنکھ اسی کے غم کی تپ میں تپتے ہیں
عنقا اور سیمرغ اُسی کی فرقت بیچ تڑپتے ہیں

سارس گدھ حوصل[2] بزے بگلے پنکھ کلپتے ہیں
پنکھ پکھیرو جتنے ہیں سب نام اُسی کا جپتے ہیں

[1] بنکھ بڑھا۔ گدھ بنکھ پرندوں کے نام ہیں۔ [2] حوصل ایک سفید آبی پرندہ کا نام جس کا پوٹا بڑا اور آگے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ بجڑ ایک دریائی پرندہ۔ [3] شہباز

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا ہے سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

قمری بولے حق سرہٗ بلبل بولے بسم اللہ
کبک ٹیٹری چاروں قل اور تیتر بھی سبحان اللہ

دادر[1] سور پپیہے، کوئل کوک رہے اللہ اللہ
فاختہ کوکو تہو ہو ہو ہو، طوطے بولیں حق اللہ

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا ہے سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں [2]

شکرا چیچ اور گھڑ باشے، اور ترمتی، باز کوئی[3]
کونج[4] کبوتر، سبزک، بھانبو، کلکل، سارو، مارچوبی[5]

لعل پڑھے صم بکم جب پہنے پوشاک سوئی
بدڑی، پدّی، پودنے شکر خورے بولیں توئی توئی

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا ہے سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

چیل کطی[6] السجل کہے ہے چلوں چلوں، مت جان، میاں
کوے قاں قاں کرتے ہیں الآن کما کان[7] میاں

مرمر بولے مرغابی کل من علیہا فان، میاں
جتنے پنکھ پکھیرو ہیں سب پڑھتے ہیں قرآن میاں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

ہنس، ہما، سرخاب، اندرویں بولیں یا رحمان، میاں

---

[1] دادر رہندی میں مینڈک کو کہتے ہیں، گیتوں میں مور کے ساتھ اس کا ذکر اکثر آیا ہے۔ اس لیے دونوں میں ایک قسم کا تعلق اور دلچسپ رشتہ پیدا ہو گیا ہے جسکو حسن خیال و خستگی وصفائی زبان ہرگز نہیں ۱۲
[2] تنزادل نسخوں میں بند ۴۔۵۔۶ نہیں ہیں ۱۲
[3] کوہی جو لفظ عام میں کوئی بن گیا ہے مکھے کو یخ فرہنگ آصفیہ سے مستنبط ہوتا ہے مگر
[4] سارس قاز کی جنس سے ہے۔ بعض اہل دہلی سے تحقیق ہوا کہ قاز کی یہ بگڑی ہوئی شکل ہے۔
[5] مارچوبی چونکہ مار یا چوبی مار ہے جس کو فارسی میں سوسنک خوار کہتے ہیں ۱۲
[6] آیۃ کا ٹکڑا ہے یوم نطوی السماء کطی السجل قیامت کے بیان میں ۱۲ شہباز
[7] نون کو بالاشباع پڑھنے سے وزن ٹھیک ہوتا ہے ۱۲ شہباز۔

سارو، ہریل اور لٹورے، دھیڑ یا حنان، میاں

ققنس، تیتر، چکوہ، چکوی بولیں یا منان، میاں
ہُدہُد بولیں احد احد کچھ تو بھی تو کر دھیان، میاں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بچوں بچوں کرتی ہیں

بوم، چنڈ اور سبزک، ابابیل اور چکوریں شام چڑی
گھنجن، جھیاں، لوے، کلنگ اور غوغائی کی دھوم پڑی

تتلی، ٹنڈی، ڈانس[1]، بھنبھیری، کترنی، بھنوری اور بڑی
مکھی، مچھر، پسو، بھنگے بول رہے سب گھڑی گھڑی

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بچوں بچوں کرتی ہیں

تن تن، اور لم ڈھیک، ممولا حق حق تار پروتے ہیں
اگھن، بئے، چنڈول، ابلقے یاد میں اُس کی روتے ہیں

طائر تو سب تخم محبت اُس کا دل میں بوتے ہیں
پنچھی اُس کی یاد کریں، ہم پاؤں پسارے سوتے ہیں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بچوں بچوں کرتی ہیں

کس کس کا لوں نام غرض ہیں جتنے طائر خورد و کبیر
کوئی کہے 'یا حیّ توانا'، کوئی کہے 'یا رب قدیر'

پنکھی تو سب یاد کریں، اور ہم غفلت میں رہیں اسیر
ہم سا غافل دنیا میں اب کوئی نہ ہوگا آہ! نظیر

[1] ڈانس: ایک قسم کا بڑا مچھر ۱۲ شہباز

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب سبحوں سبحوں کرتی ہیں

(۶)

نظیرؔ بارگاہ رسالت میں

تم شہ دنیا و دیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
حاکم دین متیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
سرگروہ مرسلیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
قبلۂ اہل یقیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
رحمۃ للعالمیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

آسماں تم نے شب معراج کو روشن کیا
رنگ و بو گلشن کی جنت کے بڑھائی پر ملا
عرش و کرسی کو قدم اپنے سے دے نور و ضیا
جس جگہ وہم ملائک کو نہیں ملتی ہے جا
واں کے تم مسند نشیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

ہے تمھاری پشت پر مہر نبوت کا نشاں
معجزے جو ہیں تمھارے اُن کا کب ہووے بیاں
اور تمھارا وصف ہے طٰہٰ و یٰسیں[۱] میں عیاں
کشورِ اعجاز جو ہے اُس کے تم باعزّ و شاں
صاحب تاج و نگیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

تم کو ختم الانبیا حق بھی حبیب اپنا کہے
کس نبی کو یہ مدارج ہیں تمھارے سے ملے
اور سدا روح الامیں آوے ادب سے وحی لے
ہے نبوت کا جو اقدس بحر تم اُس بحر کے
گوہر یکتا تمھیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

ہیں جو یہ دونوں جہاں کی آفرینش کے چمن
باعث خلق اُن کے ہو تم یا حبیب ذوالمنن
جس میں کیا کیا کچھ عیاں ہیں صنع خالق کے چمن
اور اک مطلع پڑھوں میں یمن سے جس کے سخن
سو سعادت کے قریں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

مطلع ثانی

[۱] طٰہٰ و یٰسین۔ قرآن پاک کی دو سورتیں۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کے نام ۱۲ آسی

تم ظہورِ اولیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ!
وجہ قرآن مبیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ!
ہم دمِ جاں آفریں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ!
نزہت بستان دیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ!
زینتِ خلدِ بریں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ!

احمد مختار ہو تم یا شہِ ہر دوسرا
خلق میں خواہش سے تم جس امر کی رکھو بنا
ہے تمھارے حکم کے تابع قدرؐ بھی اور قضا
دیر اک پل درمیاں آوے تو یہ امکان کیا
جس گھڑی چاہو وہیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ!

آپ کے نقش قدم سے جو شرف ہو زمیں
راز تو خلقت کے تم کو ہی کھلے ہیں شاہ دیں
دیکھتا ہے اُس کی رفعت رات دن عرش بریں
اور جو کچھ کہ ہیں اسرار رب العالمیں
سب کے تم برحق امیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ!

آپ کا فضل و کرم کونین میں مشہور ہے
حشر میں گرچہ سزا ملنے کا بھی دستور ہے
اور تمھیں ہر طور سے لطف و کرم منظور ہے
کیا ہوا لیکن دل اس امید سے مسرور ہے
تم شفیع المذنبیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ!

مخبر صادق ہو تم اور حضرتِ خیر الورا
ہے تمھاری ذاتِ والا منبع لطف و عطا
سرور ہر دوسرا اور شافع روز جزا
کیا نظیر اک، اور بھی سب کی مدد کا آسرا
یاں بھی تم واں بھی تمھیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ!

(۷)

اقرار باللسان و تصدیق بالقلب

رکھ اپنے دل میں اے آدم کے بن کلمہ محمدؐ کا
پڑھے ہیں سب پری اور دیو جن کلمہ محمدؐ کا
اور اپنی اُنگلیوں اوپر بھی گن کلمہ محمدؐ کا
مسلماں ہو تو مت بھول اک بھیؐ کلمہ محمدؐ کا
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں یہ کلمہ طیب تو شفیع المذنبیں کا ہے
محمد مصطفےٰ یعنی کہ ختم المرسلیں کا ہے
خدا کے دوست برحق رحمۃ للعالمیں کا ہے
بھروسا آسرا تکیہ بھی یہ دنیا و دیں کا ہے

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمہ سے کھلتا ہے سدا جنت کا ہر اک در
اسی کلمہ کو پڑھتے ہیں چمن کے پھول سب کھلکر
یہی کلمہ لکھا ہے عرش اور کرسی کے ماتھے پر
یہ سب کلموں سے ہے بہتر یہ سب کلموں سے ہے برتر

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کے نور سے خورشید کہلاتا ہے نورانی
اسی کلمے کے باعث دین و دنیا میں ثنا خوانی
اسی کلمے کے باعث چاند کی روشن ہے پیشانی
اسی کلمے کو پڑھتے ہیں فلک ارض اور ہوا پانی

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے سے ہیں اے دل زمین و آسماں روشن
اسی کلمے سے ہیں جنت کے باغ اور باغباں روشن
مہ و خورشید و تارے عرش و کرسی لامکاں روشن
غرض جنت تو کیا اُس سے تو ہیں دونوں جہاں روشن

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہ وہ کلمہ ہے جس کا ہے رہا ارمان نبیوں کو
اسے حور و ملک غلماں پڑھیں ہیں ہر سحر مسجود ہو
اسی کلمے کے پڑھنے سے گئے ہیں لوگ عادت ہو
وہ بیشک جنتی ہیں ایک باری جو پڑھیں اسکو

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے کی برکت سے تو اب یاں بھی سلامت ہے
پڑھے گا جو اسے اُسکا دل و جاں بھی سلامت ہے
اگر یاں سے تو جاویگا تو پھر واں بھی سلامت ہے
اُسی کی عاقبت بھی خیر و ایماں بھی سلامت ہے

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

چلے گا جس گھڑی تو چھوڑ کر یہ عالم فانی
نکیر و منکر آکر جب کریں گے تجھ پہ طغیانی
پڑے گا قبر کے جا کر اندھیرے میں بہ زندانی
یہی کلمہ کرے گا واں تری مشکل کی آسانی

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے نے عزرائیل کی ہیبت کو ٹالا ہے
پڑے گا قہر کا تجھ پہ میاں وہ دن جو کالا ہے
اسی کلمے نے تنگی کو لحد کی کھول ڈالا ہے
یہی کلمہ ترا واں بھی اندھیرے کا اُجالا ہے

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

صفِ محشر میں جب دہشت کا تجھ پر وار اُترے گا
گناہوں کا ترا جتنا ہے بوجھ اور بھار اُترے گا
یہی کلمہ ترا اُس جا رفیق دیار اُترے گا
اسی کلمے کی دولت سے میاں تو پار اُترے گا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں جب پل صراط اوپر تو اپنا پیر ڈالے گا
لگے گا جب وہاں گرنے تو یہ کلمہ بچالے گا
تو وہ تلوار کی ہو دھار تیرا پاؤں کھائے گا
یہی بازو کو پکڑے گا یہی تجھ کو سنبھالے گا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

سوا نیزے کے اوپر جبکہ ہوگا آفتاب آیا
پڑے گا جب ترے تن پر بھی شعلہ اُس کا گرمایا
ہر اک گرمی کی تابش سے پھرے گا سخت گھبرایا
یہی کلمہ چھپر بنکر کرے گا تجھ پہ واں سایا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

تلیں گے جب وہاں سب کے عمل میزاں کے پلے پر
تجھے تولیں گے جس دم اُس ترازو کے محلے پر
جو ہلکے ہیں پڑیں گے آتشیں گرز اُنکے کلے پر
یہی کلمہ میاں واں بھی ترے ہووے گا پلے پر

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

جو پورے ہیں میاں اُن کی تو ہوگی گرم بازاری
ترا پلہ بھی جب کرنے لگے گا واں سبک ساری
کمی ہے جنس جس کی اُسکی ہوگی واں بڑی خواری
یہی کلمہ بناوے گا ترے پلے کو واں بھاری

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

پڑے گا تشنگی کا شور اُس میداں میں جب آکر
تری بھی جب لگے گی سوکھنے تالو زباں یکسر
پھریں گے پانی پانی کرتے مارے پیاس کے اکثر
یہی کلمہ تجھے پانی پلا دے گا، میاں بھر بھر

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ تجھے دیدارِ حق کا بھی دکھاوے گا — محمدؐ کی شفاعت سے بھی تجھکو بخشواوے گا
بہشتی کر کے حلّے نور کے تجھ کو پنہاوے گا — بڑی عزت بڑی حرمت سے جنت میں لیجاویگا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ تجھے واں جام کوثر کا پلاوے گا — یہی کلمہ تجھے گلزار جنت کا دکھاوے گا
یہی کلمہ ترا منھ چاند سا روشن بناوے گا — یہی کلمہ ترے ہر وقت پر واں کام آوے گا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ نجات اور مغفرت کا ہے ترے چارا — اسی کلمے سے ہوگی روح تیری عرش کا تارا
اسی کلمے سے ہے ہم سب گنہگاروں کا چھٹکارا — اسی کلمے سے ہوگا دین اور دنیا کا نستارا[1]

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں اب یہ جو کلمہ ہے تو حق کی خاص رحمت ہے — یہ صدقے سے رسول اللہ کے ہم پر عنایت ہے
اسی سے یاں نظیرؔ عزت[2] اسی سے واں شفاعت ہے — یہی سب مومنوں کے واسطے افضل عبادت ہے

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

(۸)

منقبت

علیؑ کی یاد میں رہنا عبادت اسکو کہتے ہیں — علی کا وصف کچھ کہنا سعادت اس کو کہتے ہیں
علیؑ کی مدح کا پڑھنا کرامت اسکو کہتے ہیں — علی کے نام کا لینا حلاوت اس کو کہتے ہیں

علیؑ کی حب میں مرجانا شہادت اسکو کہتے ہیں

اسی کو سر جھکا سجدہ کیا خورشیدِ انور نے — اسی کو لافتیٰ[3] ہر دم کہا اللہ اکبر نے
اسی کو لحمک لحمی کہا جانِ پیمبر نے — اسی کو دمِ کمک دمی کہا اُس شاہِ برتر نے

خدا و مصطفےٰ سے ہم قرابت اس کو کہتے ہیں

[1] نستارا یعنی چھٹکارا۔ عقائد ہنود کے مطابق عذاب تناسخ سے نجات۔ مسلمانوں کے عقائد کے مطابق محض عذاب سے نجات ۱۲ —
[2] سقوط عین ۱۲
[3] لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار اشارہ ہے حدیث مشہور کی طرف ۱۲ آسی

کہا مولا سے میرے گر کسی نے اک سوال آکر
اگر کچھ زر کی خواہش کی تو بخشے اس قدر گوہر
جو مانگا اک شتر اسکو دلائے سیکڑوں اُشتر
کہ اُس کا گھر بھرا اور اُس کے ہمسایوں کا گھر بھر
کریم و اہل ہمت ہیں سخاوت اسکو کہتے ہیں

امیر المومنین گر دشت میں پڑھنے نماز آوے
صفیں حور و ملک غلمانؑ و جن و انس کی لاوے
زمیں قامتؑ کے کہنے کے لیے جبرئیل آجاوے
مرا مولا ہر اک سجدے میں وصل حق ہی دکھلاوے
نبوت کے جو مالک ہیں امامت اسکو کہتے ہیں

اُسی نے ایک حملے سے گرایا باب خیبرؑ کا
چہ بیر العلمؑ میں کود کر دیووں کو جا مارا
کروڑوں کافروں سے جا لڑا وہ اک تن تنہا
ہزاروں پہلوانوں سے کبھی اپنا نہ منہ موڑا
بہادر بے دل و یکتا شجاعت اسکو کہتے ہیں

کہا اس شاہ نے "روز قیامت میں جو آؤں گا
کھڑا ہو عرش کے آگے سبھوں کو بخشواؤں گا
وہاں عرصاتؑ میں اپنے محبوں کو جو پاؤں گا
پلا کر جام کوثر سب کو جنت پہونچواؤں گا
علی کے دوستو بس لو شفاعت اسکو کہتے ہیں

نظیر آوے وہ دن جو شاہ کو سب وہاں دیکھیں
اور اب دنیا میں آنکھوں سے نجف کا آستاں دیکھیں
تو پھر حسنین کے صدقے سے اُنکو ہم بھی واں دیکھیں
سروں پر اپنے وہ دامان عالی سائباںؑ دیکھیں
قسم ایماں کی ہم عین راحت اسکو کہتے ہیں

(۹)

حضرت علیؑ کا معجزہ

سنئے ہوا ے علی کے محبان دوستدار
ہے تازہ واردات یہ از نقل روزگار
اک معجزہ میں کہتا ہوں اُس شہ کا آشکار
تھا کوئی شخص دولت و حشمت میں نامدار
اک روز وہ گیا تھا کہیں کھیلنے شکار

سلہ نماز جماعت کی علاوہ کرنے تکبیر کی جسمیں قد قامت الصلوۃ بھی دو مرتبہ کہتے ہیں۔ قامت بھی اسی کلمہ کی طرف اشارہ ہے ۱۲
سلہ غلمان جنت کے لڑکے ۱۲
سلہ خیبر عرب میں ایک قلعہ کا نام جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر حضرت علی نے فتح کیا ۱۲
سلہ بیر العلم یا بیر العلم ایک کنویں کا نام جسمیں ایک روایت کے موافق حضرت علی نے کفار سے جنگ کی۔ چہ بیر العلم کی ترکیب درست نہیں۔ یہ ایسی ہی ہے جیسے شب لیلۃ القدر ۱۲
سلہ عرصات میدان قیامت ۱۲
سلہ سائبان سایہ کرنے والا مجازاً چھتر ۱۲ آسی

جس دشت میں شکار کو گذرا تھا وہ غنی
تھا ایک چشمہ پانی کا اور سبز تھی بنی
واں ایک شیر رہتا تھا اور اُس کی شیرنی[1]
دو بچے اُس بنی میں تھی وہ شیرنی جنی
دس بیس روز کے تھے ابھی طفل شیر خوار

بچوں کو اپنی چھاتی پہ رکھے وہ بے زباں
دونوں کو بیٹھی دودھ پلاتی تھی شادماں
بندوق کی جو آئی صدا اس میں ناگہاں
نر مادہ دونوں بھاگ گئے ہو کے نیم جاں
بچے اکیلے رہ گئے جنگل میں بے قرار

القصہ جب شکار سے فارغ ہوا وہ شاہ
ناگاہ دونوں بچوں پر اُس کی پڑی نگاہ
رکھوا کے اُن کو اونٹ پہ جلدی سے خوامخواہ
لی اُس شکار گاہ سے پھر اپنے گھر کی راہ
محلوں میں اپنے آن کے اس نے لیا قرار

جب آئے شیر[2] و شیرنی با حالت تباہ
اور دونوں بچے گھر میں نہ آئے انھیں نگاہ
وہ شیر کھا کے غش گرا اک بار کر کے آہ
اور شیرنی نے لی نجفِ اشرف کی ونہیں راہ
سر پیٹتی چلی وہ بیاباں سے سوگوار

القصہ کتنے روز میں وہ شیرنی غریب
بھوکی، پیاسی، پھیرتی ہونٹوں پہ خشک جیب
شوہر سے چھوٹی اور ہوئی بچوں سے بے نصیب
آ پہنچی یک بیک نجف[3] اشرف کے عنقریب
بچوں سے اپنے سر پہ اُڑاتی ہوئی غبار

بازار میں نجف کے جب آئی وہ نیم جاں
ہر اک دکان سے واں کی اُٹھا شور اور فغاں
کوئی پکارا دوڑیو کوئی پکارا ہائے
ہیبت[4] سے اُس کی چھپنے لگے پیر اور جواں
چاروں طرف سے دھوم مچی آ کے ایک بار

وہ تو کسی طرف کو نہ گھر کی بتاتی تھی
نے منھ کو موڑتی تھی، نہ پنجہ اُٹھاتی تھی
آنکھوں سے اس ہجوم میں آنسو بہاتی تھی
شاہِ نجف[5] کے روضے پہ فریادی جاتی تھی
لوگ اُس کے اپنے خوف سے کہتے تھے بار بار"

[1] واؤ عاطفہ کا استعمال اس صورت میں کہ ایک لفظ ہندی اور ایک فارسی اب بعض فصحا جائز نہیں رکھتے۔ اور بعض جائز سمجھتے ہیں ۱۲
[2] جیسے۔ زبان
[3] نجف کی ف کے نیچے اضافت توصیفی کی ضرورت ہے۔ قریب کے بجائے عنقریب کو صرف ضرورت شعری جائز کر دے تو کر دے ورنہ عنقریب اور قریب کے محل استعمال میں بڑا فرق ہے۔ نجف وہ شہر جہاں شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار ہے
[4] ہیبت خوف
[5] شاہ نجف سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۱۲ اسی

جبدم وہ پہونچی حیدر صفدر کے در تلک
دربان اُس کے خوف سے کمسر گئے سرک
داخل ہوئی وہ روضۂ انور میں یک بیک
رونے لگی وہ سامنے سر کو ٹپک ٹپک
آنسو کی دونوں آنکھوں سے بہنے لگی قطار

آنکھوں سے اسکی آنسو کی ندی جو بہتی تھی
بچوں کا داغ اپنے کلیجے پہ سہتی تھی ؎
کچھ منھ سے شور کرتی تھی کچھ دیکھ رہتی تھی
گویا وہ شہ سے اپنی زبان میں یہ کہتی تھی
بچے مرے دلائیے یا شیر کردگار ؎

روتی تھی یوں وہ شیرنی آنسو بہا بہا
مظلوم جیسے روئے ہے عادل کے پاس آ
اور کچھ زباں سے اپنی سناتی تھی بغبغا[لہ]
نکلے تھی آغا آغا کی منھ اُسکے سے صدا
کہ آغا آغا و روسے روتی تھی زار زار

فریادی بن کے ساقیٔ کوثر کے سامنے
محتاج بن کے صاحب قنبر[سہ] کے سامنے
یوں دیکھتی تھی روضۂ انور کے سامنے
مظلوم جیسے آن کے داور کے سامنے
کرتا ہے اُس کے حکم کا رہ رہ کے انتظار

لوگوں کے دل سے جب تو ہوا خوف سگ کا کم
سب اُس کے پاس آن کے دیکھیں تھے اس کا غم
پھر آن اپنے سر کو ٹپک کر کے چشم نم
بچوں کو اس طرح وہ اُٹھاتی تھی دمبدم
فریادی داد مانگے ہے جوں ہاتھ کو پسار

فریاد وہ تو مانگے تھی آغا سے جھوم جھوم
یعنی فلک نے مجکو دکھایا یہ روز شوم
اس بات سے تمام نجف میں پڑی یہ دھوم
گرد اُس کے مرد و زن کا ہوا آن کے ہجوم
حیرت میں تھے تمام، چہ ناداں، چہ ہوشیار

کوئی[لہ] پانی اس کے واسطے کوئی کھانا لاتا تھا
لیکن اُسے تو رونے سوا کچھ نہ بھاتا تھا
بچوں کا داغ ہوش سب اُسکے اُڑاتا تھا
جو اُس کو دیکھتا تھا اُسے رونا آتا تھا
ایسی طرح سے سر کو پٹکتی تھی بار بار ؎

لہ بغبغا: شور بھا۔ بوتمی کی طرح کاشور و فریاد کرنا۔ دل سے تضرع کرنا ۱۲ سہ قنبر۔ حضرت علیؑ کے غلام کا نام ۱۲ لہ کوئی بروزن فع ایستعمل نہیں بلکہ غلط فقط ہے ۱۲ آسی

جب تین دن وہ شیرنی بھوکی پڑی رہی ۔۔۔ ناچار اُن شریفوں نے دیکھ اُس کی بیکلی
جس طرح واں قدیم سے کہنے کی راہ تھی ۔۔۔ اُس طرح سے جناب مقدس میں عرض کی

باسینۂ الم کش و با چشم اشکبار

آئی ندا یہ شیرنی دیتی دُہائی ہے ۔۔۔ اک شخص کے یہ ظلم و ستم کی ستائی ہے
بچوں نے اُس کے قید کی آفت جو پائی ہے ۔۔۔ سو اب ہمارے روضے پہ فریادی آئی ہے

کل اُس کا بھید ہوئے گا[1] تم سب پر آشکار

یاں تو شریف کو یہ عنایت ہوا جواب ۔۔۔ واں جا پلنگ اُلٹ دیا اُس کا بعین خواب
فرمایا وہ جو شیر کے بچے[2] ہیں دل کباب ۔۔۔ بھجوا دے اُن کو شہر نجف میں تو کل شتاب

ورنہ تو اس گنہ سے بہت ہو گا شرمسار

ماں اُن کی اُن کے واسطے آنسو بہاتی ہے ۔۔۔ اور تین دن ہوئے ہیں نہ پیتی نہ کھاتی ہے
فریادی ہو کے روتی ہے اور غل مچاتی ہے ۔۔۔ غش ہو ہمارے روضے میں جی کو کھپاتی ہے

جلدی سے اُن کو بھیج دے کر اونٹ پر سوار

وہ تھرتھرا کے کانپ اُٹھا اور ہو کے عذرخواہ ۔۔۔ جانا یہ اُس نے یہ ہیں شہنشاہِ دیں پناہ
بولا نجف تو پندرہ دن کی ہے یاں سے راہ ۔۔۔ بھجوا دوں کس طرح سے انھیں کل میں پُرگناہ؟

اتنا تو اس غلام میں کب ہے گا اختیار

تب حکم یہ ہوا اُسے ”جس وقت ہو سحر ۔۔۔ جلدی سے دونوں بچوں کو رکھوا کے اونٹ پر
بھجوا دے اپنے شہر کی آبادی سے اُدھر ۔۔۔ جب پہنچیں گے یہ شہر کے دروازے کے اوپر

واں پیدا ہو گا غیب سے اک ناقہ و سوار

ہوتے ہی صبح اُس نے منگا کر وہ دو بچے[3] ۔۔۔ رکھوا کے ایک اونٹ پہ جلدی رواں کیے
جب لوگ آئے شہر کے دروازے کے تلے ۔۔۔ کیا دیکھیں ایک شخص کو واں آدھی رات سے

ہے منتظر وہ اونٹ کی پکڑے ہوئے مہار

[1] اب ہوئے گا کے بجائے ہو گا فصیح ہے ۱۲
[2] بچے میں جیم فارسی مشدد ہے۔ اردو میں یوں ہی چاہیے۔ فارسی میں صرف تخفیف جیم فارسی کے ساتھ بھی بولتے ہیں ۱۲
[3] کسی کے نزدیک عوام کی زبان ہے۔ تحریر میں لانا خلاف فصاحت ہے ۱۲ آسی

جاتے ہی دونوں بچے انھوں نے لے دیے　　　　با احتیاط سونپ کے پھر شہر کو پھرے
وہ اُن بچوں کو لے کے چلا اس شتاب سے　　　　آپہونچا اُس مکان میں اک پہر دن چڑھے
یکبار اُس کا شہر نجف میں ہوا گذار

بچوں کے آنے آنے کی جب غل[1] ہوئی کڑوڑ　　　　وہ شیرنی بھی تکنے لگی اپنے منھ کو موڑ
جب لا کے اُس کے سامنے بچے دیے وہ چھوڑ　　　　یوں خوش ہو چاٹنے لگی الفت کی کر جھنجھوڑ
انسان جیسے کرتا ہے بچوں کو اپنے پیار

بچے بھی دوڑ ماں کے گلے سے لپٹ گئے[2]　　　　یوں جیسے کوئی دور کا بچھڑا ہوا ملے
چھاتی پہ لوٹ لوٹ کے جا دو دھ سے لگے　　　　اُس شیرنی کے جیسے کلیجے میں داغ تھے
ویسی ہی اُس کے منھ پہ خوشی کی ہوئی بہار

جب اُس نے بچے پائے تو ہو کر وہ شادماں　　　　بچوں سمیت اُٹھ کے وہ حیوان بے زباں
روضے کے سات بار تصدق ہوئی وہاں　　　　پھر آستانہ چوم ہوئی واں سے وہ رواں
جا پہونچی اپنے دشت میں خوش ہو کے ایک بار

شیر خدا کے عدل کی یہ دیکھ رسم و راہ　　　　خلقت تمام واں کی پکاری یہ واہ واہ!
انصاف ایسا چاہیے اے شاہ دیں پناہ　　　　حامی و منصف اور نہیں کوئی تم سا شاہ
ہے ختم تم پہ عدل و حمایت کا کاروبار

حیواں تمھارے لطف سے جس وقت ہوویں شاد　　　　انساں پھر اُس مکان سے رہیں کیونکہ نامراد
جیسے تمھارے در سے ملی شیرنی کی داد　　　　احساں لیے ایسے بہت اے کرم نہاد
ہیں گے[3] تمھارے صفحۂ عالم میں یادگار

اے شاہ یہ نظیر تمھارا غلام ہے　　　　رکھتا سوا تمھارے کسی سے نہ کام ہے
عاصی ہے پر گناہ ہے اور ناتمام ہے　　　　دن رات اُس کا آپ سے اب یہ کلام ہے
رکھ لیجو میری آبرو یا شیر کردگار[4]

[1] غل یعنی شور۔ اب زیادہ فصحا کی زبان پر بتذکیر ہے۔
[2] ...
[3] ہیں کے بجائے ہیں گے اب فصیح نہیں سمجھا جاتا۔
[4] اس قسم کی تعقید شعر کو سست کردیتی ہے۔ آسی

(۱۰)

خیبر کی لڑائی

ہو کیوں نہ بڑا غم سے خوارج کا دہاڑا؟
جڑ پیڑ سے کفر اُن کا نہ کیوں جائے اُکھاڑا؟
گھر طیش مخالف کا رہے کیوں نہ اُجاڑا؟
لے نام علی "جب کہوں للکار جیاڑا
دریائے فلک کا بھی ڈہل جائے کراڑا

پہلے تو پیمبر سے لڑا تھا وہ کڑک کے
رستم کے تئیں ٹوک لے، دے زال کو دھکے
چھٹ جائیں وہاں سام و نریمان کے چھکے
ہیں شاہ کی جرأت کے جہاں دھوم دھڑکے
نیزوں کے تئیں آن کے میدان میں گاڑا

دکھتی تھی مرے شاہ کی جب آنکھ سراسر
پیش آیا جبھی معرکۂ قلعۂ خیبر
اس واسطے گھر چھوڑ گئے اُن کو پیمبر
اور آپ نبی لے کے چلے دین کا لشکر
جھنڈوں کے تئیں آن کے میدان میں گاڑا

دن رات ہوئی اُن کے خیبر کی لڑائی
اور سر فتح کئی روز تلک ہاتھ نہ آئی
لے نادِ علی حق نے پیمبر کو پٹھائی
جبریل نے یہ بات وہیں آن سنائی
یہ گڑھ تو کسی طرح نہ جاوے گا اُکھاڑا

اور یوں ہی بہت روز تلک تم سے لڑیگا
لشکر پہ لڑائی کا بڑا بوجھ پڑے گا
پامال نہ ہو، خاک میں ہرگز نہ گڑے گا
جب تک نہ علی آن کے اس گڑھ پہ چڑھے گا
یہ گڑھ تو اُسی شاہ سے جاوے گا اُکھاڑا"

یہ سنتے ہی حضرت نے مرے شہ کو بُلایا
آئے تو وہیں چھاتی سے بس اپنی لگایا
آنکھوں میں لب پاک لگا کر یہ سنایا
"اس فتح کا ہے حکم ترے نام پہ آیا
بے شک یہ مکاں تم سے ہی جاوے گا اُکھاڑا"

۱؎ بڑا دہاڑا ہونا - بڑا واویلا ہونا - خوارج خارجی کی جمع ۱۲ ۲؎ جیاڑا کوئی لفظ متداول کتب لغت میں نہیں - غالباً یہ جیبھاڑا کا آزادانہ تجسیہ ہے جیبھاڑا جیبھ سے بنا ہے اور اس کے معنی ہیں وہ شخص جو نہایت زبردست زبان رکھتا ہو - فصیح گویا - بڑا بولنے والا - بڑا غل مچانے والا - غل سے معرکہ مچانے والا - پہلے مصرع میں اجاڑا بمعنی اجاڑ ۱۲ ۳؎ کراڑا - دریا کا بلند کنارا - دریا کا ٹیلا ۱۲ ۴؎ زال رستم کا باپ - سام رستم کا دادا - نریمان - سام کا باپ رستم کا پردادا - چھکے چھوٹنا - ہوش اڑنا - حواس باختہ ہونا - دھوم دھڑکے رونق - چہل پہل یہاں مراد چرچے شہرت ۵؎ ذکر اذکار ۶؎ نادِ علی ایک دعا کا نام ۱۲ ۷؎ گڑھ قلعہ ۱۲ ۸؎ آسی ۹؎ چڑھے بجز ان ماتھی کرامت ہے چنانچہ ذوق کا مطلع ہے ع جھکے ہے ترے ماتھے پہ جھومر کا بڑا چاند جھکا ہو جیسے چھٹے چاند کا دھوکا تھا جڑا چاند ۱۲ پردہ نشین شہباز - ۱۰؎ پہلے مصرع میں ترے، اور ٹیپ کے مصرع میں تم - یہ شتر گربہ ہے جو ممکن ہے کہ نظیر کے زمانے میں صحیح مان لیا جاتا ہو مگر اب جائز نہیں - عبدالباری آسی ---

پہ سنتے ہی حیدرؑ نے زرہ، خود پہن کر
آئے وہ وہاں پر تھا جہاں قلعۂ خیبر
دلدل پہ چڑھے کہہ کے جو "اللہ اکبر!"
کاوے کو لگا کر دیا رہوار کو چکر
نیزے کو ہلایا کبھی ترچھا کبھی آڑا

کہتے ہیں کہ خیبر ہے بڑے کوہ کے اوپر
دلدل کو پھرا شاہ نے دروازے پہ آکر
گرد اس کے دھرا ہے وہاں اک سخت سا پتھر
ہمت کر اٹھا ہاتھ کو مارا جو زمیں پر
پتھر میں وہیں گڑ گیا نیزہ جو ہیں گاڑا

جب آگے ہوئے واں اسد اللہ نمایاں
دروازے پہ خیبر کے جو بیٹھا تھا نگہباں
تب چلنے لگے تیر و تبر، خنجر و پیکاں
حیدرؑ کے خط و خال پہ جب اُس کا گیا دھیان
منھ دیکھ کے کافر نے وہیں شاہ کو تاڑا

چلّا کے جبھی اُس نے یہ آواز سنائی
جو کچھ کہ نشانی تھی بزرگوں نے بتائی
او کیا بیٹھا ہے کم بخت ہے شامت تری آئی
سب اس اسد اللہ میں دیتی ہے دکھائی
اب گڑھ ترا جاتا ہے اسی دم میں اکھاڑا

دستی ہے نجومیوں کی سفیدی میں سیاہی
یہ تیر یہ پیکان ہیں حیدر کی گواہی
جاتے ہی مکاں لیوے گا یہ شیرِ الٰہی
آئی ہے ترے کفر کی کشتی پہ تباہی
آیا ہے وہیں شیرِ الٰہی کا نواڑا"

یہ سنتے ہی مرحب کو غضب طیش چڑھ آیا
لے لشکرِ کفار کو باہر نکل آیا
آواز سے حارث کو وہیں اس نے بلایا
حیدرؑ سے چڑھا لڑنے کو وہ دیو کا جایا
تیار کیا لڑنے کو کشتی کا اکھاڑا

صف باندھے اُدھر لشکرِ کفار کھڑا تھا
اور دونوں طرف تیز طبلِ جنگ کا باجا
اور ایک طرف کو تھا علَم فوجِ علیؑ کا
آواز نقیبوں نے وہیں زور کی دی آ
اور جنگ کا میداں میں جما آکے اکھاڑا

سلہ نعرہ۔ یہ نعرہ [illegible]
ہے [illegible] کا وار [illegible]
گھوڑے کو اس
طرح پھیر دیا کہ ایک
دائرہ سا بن جائے
سلہ دستی ہے یعنی
دکھائی دیتی ہے
نجومیوں [illegible]
[illegible]
[illegible]
سلہ [illegible]
اب [illegible]
اس کی جگہ [illegible]
ہیں۔ نقیب وہ
لوگ جو بادشاہوں
یا امرا [illegible]
کے آگے آگے آواز
لگاتے جاتے ہیں یا
کسی کی [illegible]
کے موقع پر آواز
لگا کر بلاتے
ہیں [illegible]
اسی

پہلے تو ہوئی جنگ عموڈوں کی نمودار
پھر برق کی صورت سے چمکنے لگی تلوار
پھر اُن کی کمندوں کا کھلا حلقۂ خونخوار
شیروں سے ہوا آن کے میدان نمودار
جوں رعد کے ہوتا ہے گرجنے میں جھنگاڑا

ہر سمت سے آتے ہی گھٹا چھا گئی گھنگھور
شمشیر کی بجلی بھی چمکنے لگی چو[1] اور
تیروں کا برسنے لگا مینھ آن کے پُر زور
ایدھر سے ہوا لشکر اسلام کا غل شور
اودھر سے ہر اک کافر بدکیش دہاڑا[2]

مرحب نے اکھاڑے میں قدم آ کے دیے گاڑ
خم ٹھونک بدل تیوری کو بازو کے تئیں جھاڑ
حارث بھی اُسی آن بنا آن کے اک تاڑ
اس زور سے نعرہ کیا واں آن کے چنگھاڑ
کہ قاف کے پردے میں گویا دیو چنگھاڑا[3]

یوں کہنے لگا لشکر اسلام کو للکار
تو ہاتھ مرا دیکھ لے اور زور کے آثار
آدے جو ہو کوئی تم میں پہلوان نمودار
کیا تاب ہے مجھ سے جو لڑے آن کے اک بار
میں نے تو سدا دیو کے سینے کو ہے پھاڑا"

یہ سنتے ہی حیدر نے دی رکھ ہاتھ سے صمصام[5]
قنبر نے لیا دوڑ کے دلدل[6] کے تئیں تھام
اور سیدھے چلے آئے اکھاڑے میں اُٹھا گام
مرحب سے لڑے لے کے جب اللہ کا وہ نام
آپس میں لگا ہونے کو زوروں کا جھڑاڑا

مرحب تو وہیں گر پڑا یہ دیکھ کے ساماں
اُس کافر بدکیش کے تب چھٹ گئے اوساں
سب پہ ہوئے مولیٰ کے مرے زور نمایاں
مولیٰ نے اُسے مار کے ٹھوکر سے اُسی آں
حارث کو کچل کوٹ کے، مرحب کو پچھاڑا

تھا اُن میں ہی اک اور پہلوان زور آور
دلدل نے اُسے دیکھ کے جلدی سے اُچھل کر
مرحب کو اٹھانے لگا آ کر وہ زور آور
اک لات جڑی قہر کی دانتوں سے پکڑ کر
یوں چاب لیا جیسے چباتے ہیں سنگھاڑا

[1] چاروں طرف ۱۲
[2] دہاڑ مارنا شیر کا گرجنا، شیر کا بولنا
[3] زور کرنا، چنگھاڑنا غرانا۔ گونجنا ۱۲
[4] شہباز [5] صمصام تلوار ۱۲ [6] دلدل۔ گھوڑے کا نام ۱۲ حضرت علی

حارث کو گرا شام کو مرحب کے تئیں مار
میداں میں کیئے فتح کے آثار نمودار
حملہ کیا خیبر کے اُپر اُن کے اک بار
گھوڑے کے اُپر حیدری نعرے کے تئیں مار
پاتال کی جڑ سے درِ خیبر کو اُکھاڑا

تھیں شاہ کی جرأت کی جہاں تک کہ ترنگیں
سب کانپ گئیں قلعۂ خیبر کی النگیں[1]
کتنے تو وہاں بھاگ گئے مار شلنگیں[4]
اور کتنے گئے بھول وہاں اُن کے جو جنگیں
ہر گبر کو پھر تپ سے چڑھا اُن کے جاڑا

تب اُن پہ چلی اُن کے اسلام کی تلوار
بھاگا کوئی زخمی، کوئی بسمل، کوئی خوں بار
ڈھونڈھے نہ ملا پھر کسی بدکیش کا آثار
سب دور ہوئے گلشنِ دنیا سے خس و خار
اور کفر کے جنگل پہ بجا دیں کا کلھاڑا

کی فتح غرض شاہ نے خیبر کی لڑائی
بدکیشوں کی پل مارتے میں کر دی صفائی
کفار میں اسلام کی نوبت کو بجائی
خیبر میں پھری اُن کے حیدر کی دُہائی
سب اُڑ گیا پھر اُن کے کفار کا دھاڑا[5]

میں مدح نظیرؔ اب جو بناتا ہوں ہمیشہ
دولت ہی کا انعام میں پاتا ہوں ہمیشہ
کھاتا ہوں کھلاتا ہوں لٹاتا ہوں ہمیشہ
خیرات اُسی در سے میں پاتا ہوں ہمیشہ
جاری ہے سدا میرے شہنشاہ کا باڑا[6]

(۱۱)

مناقبِ شیرِ خُدا

نورِ ظہورِ خالقِ اکبر کو کیا لکھوں
روحِ روانِ جسمِ پیمبر کو کیا لکھوں
دریائے معرفت کے شناور کو کیا لکھوں
دونوں جہاں کے گوہرِ انور کو کیا لکھوں
حیرت میں ہوں کہ حیدر و صفدر کو کیا لکھوں

[1] زمین ۱۲
[2] باشندہ –
[3] فوج ۱۲
[4] لمبے لمبے قدم رکھنا ۱۲
[5] بھیڑ، ہجوم، بڑی جماعت ۱۲ جتھا
[6] باڑا. احاطہ، چاردیواری، بھیک دان، خیرات، تقسیم جو شادی میں ہندو لوگ فقیروں اور کمینوں وغیرہ کو دیتے ہیں ۱۲ اشتہار
[7] شناور، تیزی سے پیرنے والا اشرف

گر نور اُس کا دیکھو کہوں شمس اور قمر
تارے تو جوں ستارے[۱] ہیں اُس کفش پا اُپر
وہ اُس کا ذرّہ نور کا وہ اُس کا فیض پر
اور قطب[۲] بھی تو اُس سے ہی قائم ہے بے خطر

حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں

گر فی المثل میں اُس کو کہوں روضۂ جناں
اور جو بھلا میں خوبی رضواں سے دوں نشاں
جھکتی ہیں بار عجز سے جنّت کی ڈالیاں
سو وہ بھی اُس کے باغ کا ادنیٰ ہے باغباں

حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں؟

اور جو کہوں کہ چشمۂ آبِ حیات ہے
اُس کے عرق[۳] سے جسم کے یہ قطرہ جات ہے
یا خضر ہے، تو یہ کوئی کہنے کی بات ہے؟
اور اُس کی اُس کے فضل سے یار و نجات ہے

حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں؟

اُس شاہ کے اگر لب و دندان کی صفا
سو وہ تو صدقے ہو کے رہا خاک میں گڑا
کہوے کوئی کہ لعل و گہر ہیں یہ بے بہا
اور یہ بھی ہو نثار سدا آب میں رہا

حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں؟

شاہا تری جو مدح[۴] بناتا ہے اب نظیر
لیکن قلم کو ہاتھ لگاتا ہے جب نظیر
تیرے سوا کسی کا کہاتا ہے کب نظیر
صلوات پڑھ کے یہی سناتا ہے تب نظیر

حیرت میں ہوں کہ حیدر صفدر کو کیا لکھوں

(۱۲)

زور بازوئے علیؓ

اک معجزہ کہتا ہوں میں اُس شاہ کا سن کر
اک کافر بدذات چلا لڑنے کی دھن[۵] کر
موتی سے سخن ہیں لو اسے دھاگے سے چن کر
آ سامنے حیدرؓ کے غضب آگ سا بھن کر

جوں اونٹ ذبح کرتے ہیں چلا کے دہاڑا[۶]

۱ ستارے سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی ٹکلیاں جو سلمے ستارے میں ہوتی ہیں اور جو توس پیچیں ٹانکتے ہیں ۲ قطب ایک مشہور ٹھہرا ہوا تارا جس کے گرد دو تارے گردش کرتے ہیں اور ان کو فرقدان یا فرقدین کہتے ہیں قطب خود گردش نہیں کرتا ۱۲ ۳ عرق پسینہ ۱۲ ۴ مدح بنانا کی بجائے اب مدح لکھنا یا مدح کرنا۔ کہنا چاہیے ۱۲ ۵ ضد ۱۲ ۶ دہاڑنا شیروں کی طرح شور کرنا۔ زور سے چیخنا ۱۲ اشرف علی

کہنے لگا میں تم سے علی کشتی لڑوں گا
خم ٹھونک کے میدان میں علی تم سے اڑوں گا
کشتی کے جو ہیں پیچ علی تم سے کروں گا
ہاں یا علی میں آپ سے کچھ گر نہ پڑوں گا
ہر چند علی آپ نے دیووں کو پچھاڑا

جب شاہ اُٹھے جوش میں آطیش و غضب کے
کر یاد خدا ہاتھ کمر بند میں اُس کے
یک بار رگی اُس کا فربہ ذات سے لیٹے
اک ہاتھ سے پھینکا جو اُسے تین چرخ فے
یوں گر پڑا جوں گرتا ہے دریا کا کراڑا

چاہا جو اُٹھے خوف سے وہ کانپ دھڑک کر
روح اس کی نکلنے لگی نتھنوں سے پھڑک کر
اس شاہ نے ماری وہیں اک لات کڑک کر
نتھنوں سے لہو ڈال کے ماتھے پہ چھڑک کر
منکر کا اجل لے چلی دریا کو نواڑا

دانتوں سے پکڑ تنکا وہ بولا علی آیا
پھر اس کو مسلماں کیا کلمہ کو پڑھایا
تقصیر ہوئی مجھ سے میں اپنا کیا پایا
کفار میں جا دین کے ڈنکے کو بجایا
دیں داری کو جاری کیا اور کفر کو گاڑا

(۱۳)

مدح پنجتن

کروں کیا وصف میں اُن کا المناک
پھرا جو عرش اور کرسی پہ چالاک
کہ جن کی شان میں آیا ہے لولاک
کہاں وہ اور کہاں میرا یہ ادراک
چہ نسبت خاک را با عالم پاک

محمد رحمۃ للعالمیں ہے
رسول پاک ختم المرسلیں ہے
حبیب حق شفیع المذنبیں ہے
کوئی ایسا خدائی میں نہیں ہے
دگا تحت الثریٰ سے تا بہ افلاک

کشتی ... کے
لولاک لما خلقت
الافلاک یعنی اے
محمد اگر میں تجھ کو پیدا
نہ کرتا تو زمین و
آسمان کو پیدا نہ کرتا
... اور پاک یعنی
... ۱۲
تحت الثریٰ سے
مراد زمین کے نیچے
یا نیچے کی زمین ہو
اشرف علی

۱ عدن بہشت کے باغ جن میں اہل بہشت ہمیشہ رہیں گے ۲ صحیح لفظ بفتح اول و سکون دوم ہے ۱۲ ۳ لبن بفتح اول و دوم دودھ ۱۲

محمد اور علیؓ یاقوتِ احمر
زمرد لعل ہیں شبیر و شبرّ
دُرِ بحرِ خدا خاتونِ اطہر
جواہر خانۂ قدرت کے اندر
یہی پانچوں گہر ہیں پنجتن پاک

انھیں کے واسطے خلدِ عدن[۱] ہے
جنھیں[۴] ان کی محبت کا چلن ہے
انھیں کے واسطے نہرِ لبن[۳] ہے
بہشتی حُلّہ اور اُن کا بدن ہے
سدا سیر بہشت اور سایۂ تاک

جسے اُن کی محبت بل[۶] بے بل ہے
جو کوئی ان کی اُلفت میں دغل[۷] ہے
اُسی کو دین اور دنیا کا پھل ہے
تو اُس مرتد کی یاں یہ مثل ہے
کہ جیسے بوئے طوبیٰ[۸] بیج کر ڈھاک

علی جو شہسوارِ لافتا ہے
فلک ہیبت سے اُس کی کانپتا ہے
امیر المومنیں شیر خدا ہے
علی جو صفدر[۲] روزِ وغا ہے
کہ جس کی شرق سے ہے غرب تک دھاک

علی ہے قاتلِ کفارِ گمراہ
نبی کا قوت بازو یداللہ
علی کا حکم ہے ماہی سے تا ماہ
اُٹھا دے چرخ کی گردش تو واللہ
ابھی تھم جائے دم میں چرخ کا چاک

علی نے مہد میں چیرا ہے اژدر
اُلٹ ڈالا ہے اک حملے سے خیبر
علی نے کاٹ ڈالے عمرو و عنتر
خواص اشیا کا پھیرے گر وہ سرور
تو ہو تریاک[۹] زہر اور زہر تریاک

علی کو مصطفٰے نے جی کہا ہے
علی کو لحمک لحمی کہا ہے
علی کو جسمک جسمی کہا ہے
علی کو روحک روحی کہا ہے
یہ سمجھے وہ خدا دے جس کو ادراک

۴ یعنی جنھیں ان کی محبت سے مصرع نجات ہو ۵ ترکیبا الجھا ہوا ہے بہشتی حلہ۔ بہشتی لباس ۱۲ ۶ بل بے بل ایک متروک ترکیب ہے مصرع ثانی سے مراد یہ کہ یہی دین و دنیا میں برخوردار ہے ۱۲ ۷ دغل۔ کھوٹ ۱۲ ۸ طوبیٰ جنت کا ایک درخت جس کی ایک شاخ جنت کے ہر گھر میں پہونچی ہوئی ہوگی اور اسی طرح طرح کے میوے اہل بہشت کو حاصل ہوں گے ۹ تریاک یعنی زہر کو دور کرنے والی دوا ۱۲

علی کو خاص نسبت ہے نبی سے ۔ نبی کو راہ دل میں ہے علی سے
وہ دونوں ایک تن اور ایک جی سے ۔ کسی کو تاب کیا غیر از علی سے
جو پہنے مصطفیٰ کے تن کی پوشاک

علی کو جو کوئی پہچانتا ہے ۔ برابر مصطفیٰ کے مانتا ہے
جو ان میں کچھ تفاوت جانتا ہے ۔ وہ اپنے خاک سر پر چھانتا ہے
لگائی اُس نے دوزخ کی گر تاک

علی کی دوستی میں جو مرے گا ۔ اُسی کو باغ جنت کا ملے گا
علی کے بغض میں جو جان دے گا ۔ وہ ملعوں دوزخ اندر یوں جلے گا
کہ جیسے آگ پر جلتا ہے خاشاک

جسے وصف علیؑ کچھ سالتا ہے ۔ اُسی کو دوزخ آخر ڈھالتا ہے
جو اُن کا بغض دل میں پالتا ہے ۔ گویا بھر بھر کے ڈلیاں ڈالتا ہے
وہ اپنے دین اور ایمان میں خاک

جو رکھے دشمنی حیدر سے یک مو ۔ وہ بیشک ہے سیہ دل اور سیہ رو
جو لے بیکی سے نام مرتضیٰ کو ۔ نہ جاوے اُس شقی کے منہ سے بدبو
کرے گر شاخ سے طوبیٰ کی مسواک

پڑھوں جس دم مناقب میں علیؓ کا ۔ پھٹے سینہ مخالف خارجی کا
حواس اڑ جاوے ہر اک ناصبی کا ۔ دھڑک جاوے کلیجہ مدعی کا
عدو کا دم میں ہو جاوے جگر چاک

رہوں یاں جب تلک رکھ میری عزت ۔ مروں تو کچھ نہ ہو مجھکو اذیت
پھر آوے جس گھڑی روز قیامت ۔ نظیر اپنے کی واں بھی رکھیو عزت
خداوندا بحق پنجتن پاک

(۱۴)

مدح پنجتن پاک

ہے دل میں میرے یاد جو بارہ امام کی
یہ بیت مجھ کو ورد ہے ہر صبح و شام کی
اور آرزو ہے ساقی کوثر کے جام کی
تسبیح ہزار داد ہے اور ان کے نام کی
سمرن[۱] مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

اول تو دل ہو صاف، دوم جسم تابناک
سویم کہاؤں دونوں جہاں میں گنہ سے پاک
چوتھے عدو کا غیب سے ہو جاوے سینہ چاک
اور پانچویں میں ڈالوں مخالف کے سر پہ خاک
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

تن ہے سو پاک صاف معطر ہو مثل پھول
ہو روح شاد، دل نہ ہو میرا کبھو ملول
دونوں جہاں میں خوش رہوں از خدمت رسول
روزہ، نماز، ورد، وظائف ہوں سب قبول
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

بھاگے چڑیل، کانپ اٹھے بھوت اور پلید
ٹل جاویں دیو، چھپنے لگیں منکر شدید
جن و پری ہوں دل سے مرے آن کر مرید
جیتا رہوں تو شاہ، جو مر جاؤں تو شہید
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

نعرہ کروں جو حیدری، ہل جاویں سب پہاڑ
تھرّاویں چشمہ سار، ہیں ڈر سے بوٹے جھاڑ
گر خارجی ہو آوے مرے آگے مثل تاڑ
پگڑی کو اس کی پھینک کے داڑھی کو لوں اکھاڑ
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

اے دوستو عجب ہے بنا پنجتن کا نام
جس کے طفیل اتنے بر آتے ہیں سب کے کام
جو ہیں سو ہیں یہی ختم الخیر والسلام
اور میں جو ہوں نظیرؔ تو کہتا ہوں صبح و شام
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

[۱] سمرن تسبیح پنجتن جیسے کہ اس مصرع میں آیا ہے اس کو فصحائے حال قابل اتباع نہیں سمجھتے - یعنی جزو فاعلن فصیح اور بروزن فعلن غیر فصیح ۱۲ آسی

(۱۵)

ثمرۂ عقیدت

جو محب ہیں خاندانِ مصطفےٰؐ کے دوستدار / اور علی مرتضیٰؑ پر جان و دل سے ہیں نثار
سب سنیں دل شاد ہو یہ ماجرا تفصیل وار / ہیں جو عباسؑ علی کرار، غازی، نامدار
اُن کا میں اک معجزہ لکھتا ہوں با عزّ و وقار

آڑکاٹ اک شہر ہے واں ایک ساہوکار تھا / جتنے واں زردار تھے اُن سب میں وہ سردار تھا
مال و زر کا گھر میں اُس کے جا بجا انبار تھا / اُس کے اک بیٹا سعادت مند، برخوردار تھا
گل بدن، گل پیرہن، گلرنگ، گل رو نامدار

دوسرا اُس کے کوئی بیٹی نہ بیٹا تھا مگر / ایک بیٹا تھا وہی سروِ رواں رشکِ قمر
تھا پنھاتا اُس کو پوشاک اور جواہر سر بسر / بسکہ اکلوتا جو تھا، اس واسطے اُس کے اُپر
باپ بھی جی سے فدا اور ماں بھی دل سے تھی نثار

اُن دنوں میں تھا برس تیرہ کا اسکا سن و سال / جب نظر آتا اُسے ماہ محرم کا ہلال
تعزیہ خانوں میں جاتا چھپ کے وہ رعنا غزال / مرثیوں میں سن کے شاہِ کربلا کے غم کا حال
پیٹتا سینے کو اور ماتم سے روتا زار زار

تعزیے کے سامنے ہو کے مؤدب سر جھکا / سو رحل رد روضریح پاک پر جھلتا کھڑا
جب علم اُٹھتے تو پھر لڑکوں کے ساتھ آنسو بہا / یاحسین ابن علی کہکر علم لیتا اُٹھا
لوگ دیکھ اُس کی محبت ہوتے تھے حیران کار

شام سے آکر وہ قندیلیں جلاتا دمبدم / قمقمے اور جھاڑ پر شمعیں چڑھاتا دمبدم
عود سوزوں میں اگر لا کر گراتا دمبدم / اہل مجلس کے تئیں شربت پلاتا دمبدم
سب وہ کرتا تھا غرض جتنا تھا واں کا کاروبار

لیکن اس کے باپ کو ہرگز خبر اب تک نہ تھی
جب سُنا اُس نے تو بیٹے پر بہت تاکید کی
جھڑکا اور مارے طمانچے، خوب سی تنبیہ کی
اور کہا "اے بے حیا، بدبخت، موذی، مدّعی
ذات سے کیا تو نکالے گا مجھے اے نابکار؟"

اُس کے دل میں تو شہید کربلا کا جوش تھا
تعزیہ پر دھیان تھا، اور مرثیے پر گوش تھا
باپ کو کرتا نصیحت، اور وہ خاموش تھا
نے طمانچوں کا اُسے، نے جھڑکیوں کا ہوش تھا
اٹھ گیا تھا اُس کے دل سے صاف سب ننگ و عار

باپ نے تو دن میں اُس پر کیا رنج و عتاب
رات کو پھر تعزیہ خانوں میں جا پہونچا شتاب
پھر پکڑ لایا اُسے جا کر بصد حال خراب
الغرض سو سو طرح اُس پر کیے رنج و عذاب
اُس نے پر جانا نہ چھوڑا اُس مکاں کا زینہار

اپنا بیگانہ اُسے جا کر بہت سمجھاتا تھا
پر کسی کا کب کہا خاطر میں اُس کی آتا تھا
رونا اور ماتم ہی کرنا اُس کے دل کو بھاتا تھا
تعزیہ خانے کی جانب یوں وہ دوڑا جاتا تھا
جس طرح عاشق کسی معشوق کا ہو بے قرار

جب تو سب نے تنگ ہو کر مصلحت ٹھانی بہم
جس سے کرتا ہے یہ ماتم اور اُٹھاتا ہے علم
کیوں نہ اب اِس دم وہی ہاتھ اُسکا کر ڈالو قلم؟
کہہ کے یہ آخر کو سب نے ہے قیامت! آہ ستم!
کاٹ ڈالا ہاتھ جلد اُس بے گنہ کا ایک بار

الغرض کر ہاتھ اُس مظلوم کا تن سے جدا
کوٹھری میں کر کے بند اور قفل اوپر جڑ دیا[1]
نے اُسے کھانا کھلایا، نے اُسے پانی دیا
شام تک بھوکا پیاسا کوٹھری میں تھا پڑا
دیکھ اپنے ہاتھ کو روتا تھا ڈاڑھیں مار مار

وہ اندھیری کوٹھری، وہ بھوک، وہ پانی کی پیاس
ہاتھ سے لوہو کی بوندیں بھی ٹپکتیں آس پاس
کس مصیبت میں پڑا وہ گلبدن زریں لباس
ہاتھ زخمی، خون جاری، دل پریشاں، جی اداس
کس سے مانگے داد، اور کس کو پکارے بار بار

[1] قفل جڑ دیا یعنی تالا بند کر دیا۔ آسی

وہ تو اپنی بیکسی کے درد میں روتا تھا واں — اس میں کیا ہے دیکھتا اس کوٹھری کے درمیان
ہو گیا اک بارگی نورِ تجلی کا نشاں — اُس تجلی میں نظر آیا اُسے اک نوجواں
کاندھے کے اوپر علم پہلو میں تیغ آبدار

دستانہ[1] ہاتھ میں اور پشت کے اوپر سپر — تن میں اک پہنے زرہ اور خود زریں فرق پر
دائیں کو تیر و کماں بائیں کو شمشیر و تبر — جس طرح ابرِ سیہ میں برق ہووے جلوہ گر
اس طرح اُس کوٹھری میں آ گیا وہ شہسوار

اُس نے جب اُس نوجواں کے نور کی دیکھی جھلک — تھا مجسم وہ تو حق کا نور سر سے پاؤں تک
دیکھتے ہی اُس کا ہیبت سے گیا سینہ دھڑک — بند گئیں آنکھیں وہیں اور کھا گئیں پلکیں جھپک
ہو گیا بے ہوش وہ مجبور زخمی دل فگار

تاب کس کی ہے جو اُس چہرے کے آگے تاب لائے — ماہ کیا گر شمس بھی دیکھے تو اپنا سر جھکائے
ایسے طالع ایسی قسمت یہ نصیبا کون پائے — ایسا شہزادہ مقدس جس کے گھر تشریف لائے
آدمی کیا ہے فرشتوں کا نہیں عز و وقار

وہ تو وہ نورِ تجلی دیکھ بے خود تھا پڑا — (ع) — اس عنایت اس کرم کا کچھ بھی پارا نہ تھا
آپ گھوڑے سے اُتر کے نورِ چشمِ لافتا — اُس بریدہ دست کو اُس کے دیا تن سے ملا
اور کہا اُٹھ جلد اے آلِ نبی کے دوستدار

وہ جو آنکھیں کھول کر دیکھے عجب انوار[2] ہے — روشنی سے جس کی روشن سب در و دیوار ہے
ہاتھ کو دیکھا تو خاصا ہاتھ بھی تیار ہے — نہ تو اُس میں درد ہے نہ خون کا آثار ہے
رہ گیا یک بارگی حیرت میں وہ مظلوم زار

پھر جو اس لڑکے کو اس میں ہوش سا کچھ آ گیا — ہو تصدق اور وہیں پاؤں کے اوپر گر پڑا
اور کہا رو رو کے یہ ہاتھ تن سے تھا جدا — یہ تمہیں سے ہو سکا جو پھر دیا تن سے ملا
سچ بتاؤ کون ہو تم اے امیر نامدار ؟

[1] دستانہ یعنی دولطانہ سلاح جنگ ہوتا ہے ایک لوہے کا کپڑا جس سے لوہے کے ... اس غرض سے ہاتھوں سے کہنیوں تک پہنتے تاکہ وہ جگہ زخم سے محفوظ رہے
[2] نور کی جگہ انوار ہو گیا ہے ۱۲ آسی

باپ نے تو میرے مجھ پر یہ ستم برپا کیا
مجھ بیکس پر جو تم نے کی یہ کچھ لطف و عطا
ہاتھ کاٹا قید کی، اور سو تعدی و جفا
اب خدا کے واسطے جلدی سے اے بحرِ سخا

اپنا کچھ نام و نشاں مجھ سے کہو تفصیل وار"

جب کہا حضرت نے ہم بھی آدمی ہیں اے عزیز
خاکسار و عاجز و اندوہگیں ہیں اے عزیز
بندۂ درگاہِ رب العالمیں ہیں، اے عزیز
جن کا تو کرتا ہے ماتم وہ ہمیں ہیں، اے عزیز

آفریں صد آفریں اے پاک مومن دیندار

یہ ہمارا ہے نشاں اے پاک طینت متقی
کربلا کے دشت میں دولت شہادت کی ملی
نام کو پوچھے تو ہے گا نام عباس علی
جو ہمیں چاہے ہمارا بھی اُسے چاہے ہے جی

جو ہمارا غم کرے ہم بھی ہیں اُس کے غمگسار"

سنتے ہی اس بات کے اکبار وہ لڑکا غریب
یوں لگا کہنے بڑی قسمت بڑے میرے نصیب
ہو گیا شاد اور وہیں سر رکھ کے قدموں کے قریب
میں کہاں عاجز کہاں اللہ کے خاصے حبیب!

میں تصدق ہوں تمہارا یا شہ والا تبار

یہ کرم یہ لطف یہ بندہ نوازی کس سے ہو؟
تم نے جو کچھ مجھ سے کی یہ چارہ سازی کس سے ہو
مجھ سے نالائق کی ایسی سرفرازی کس سے ہو؟
یہ حمایت یہ مدد یا شاہ غازی کس سے ہو؟

اس عنایت اس کرم کا ہے تمہیں پہ کاروبار

میں جو اپنے ہاتھ سے کرتا تھا ماتم بر ملا
حق اگر پوچھو تو کس کا ہاتھ ہے کٹ کر ملا؟
اور اُٹھاتا تھا علم کو میں تمہارے جا بجا
یہ تمہیں سے ہو سکا جو پھر دیا تن سے لگا

ورنہ کس میں تھی بھلا یہ قدرت و یہ اقتدار

وہ ابھی راغب تھا اپنے درد کے اظہار کا
کیا دیا تن سے ملا ہاتھ اپنے ماتم دار کا
ایک پل میں پھر نہ دیکھا نقش اس اسوار کا
معجزہ دیکھو یہ ابن حیدر کرار کا

کس میں یہ قدرت ہے جز فرزند شیر کردگار

اب جو اس کے ہاتھ پہ کٹنے کی آئی تھی گرہ — کچھ حکیموں سے نہ ہوتا گر وہ پھرتا دہ بدہ
اب انھوں نے کردیا اک آن میں آتے ہی بہ — یہ نہیں دست اور کا دست یداللہی ہے یہ
جز یداللہ ہو بھلا کس دست سے یہ دستکار؟¹

کیا حسین ابن علی نے جشن² لیا میدان میں! — اور ہیں عباس علی کی بخششیں ہر آن میں
جن کے بیٹوں کے رہیں دل خلق کے احسان میں — کیوں نہ پھر خالق کہے اُن کے پدر کی شان میں
لا فتیٰ³ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

صبح کو اس کوٹھری کا خود بخود در کھل گیا — باپ ماں دیکھیں تو اُس کا ہاتھ تن سے ہے ملا
پوچھا یہ کیا تھا جو کچھ دیکھا تھا اس نے سب کہا — سنتے ہی دونوں نے پھر تو صدق سے کلمہ پڑھا
ہاتھ میں تسبیح لی زنار کو ڈالا اُتار

پھر ہوئی اس معجزے کی شہر کی خلقت میں دھوم — ہوگیا اس طفل پر سب شہر کا آکر ہجوم
دیکھتا تھا جو کوئی لیتا تھا اُس کے ہاتھ چوم — اور لگا آنکھوں سے یوں کہتا تھا ہردم جھوم جھوم
یا حسین کی دوستی کے گل نے دکھلائی بہار

الغرض ماں باپ اُس پر جان و دل سے ہو فدا — لے کے لڑکے کو چلے دل شاد سوئے کربلا
راہ میں کرتے تھے لوگ اسکی زیارت جابجا — جب وہ منزل پہ اُترتے تھے تو واں کے لوگ آ
دمبدم کرتے تھے اپنا سیم و زر اس پہ نثار

کو بکو شہر نجف میں بھی پہ شور و غل پڑے — اک محب پاک دل آیا ہے ہندستان سے
واں کے بھی لوگ آئے سب اسکی زیارت کے لیے — اور لاکھوں شخص آئے دور اور نزدیک کے
اس قدر یہ معجزہ سب میں ہوا واں آشکار

کربلا کے پاس پہونچا جس گھڑی وہ ماہتاب — اُن شریفوں کو ہوا حکم شہ عالی جناب
اک ہمارا دوست آتا ہے چلا جوں سورج آب — کرکے استقبال تم جاکر اُسے لاؤ شتاب
اُس کی لازم ہے تمھیں دلداری کرنی بیشمار

¹ دستکار یعنی دستکاری ² جشن شہرت۔ نیک نامی تعریف ³ کوئی جوان نہیں مگر علی۔ کوئی تلوار نہیں مگر ذوالفقار آسی

کربلا کے لوگ نکلے اس کے استقبال کو / لے گئے اسپ و شتر آرائش و اجلال کو
کر زیارت چوم اس کے دستِ خوش افعال کو / سو تجمل سے غرض اس صاحبِ اقبال کو
شہر میں لائے بصد اکرام و عزّ و افتخار

کام کیا کیا پھر ہوئے اس سے خدا کی راہ کے / پھر خدا نے بھی انھیں یہ دستِ قدرت کے دیے
اس نے کٹوایا تو ہاتھ اب ان کے ماتم کے لیے / کیوں نہ پھر تن سے ملائے وہ تو منصف ہیں بڑے
سیکھ جاوے ان سے نصفت[1] آ کے ہر نصفت شعار

جب ہوئے روضے میں داخل وہ محبانِ علیؓ / کر زیارت اور تصدق ہو کے دل سے ہر گھڑی
واں انھوں نے کچھ مکاں بنوانے کی تجویز کی / لڑکا بنواتا پھرے تھا ہاتھ میں لے کر چھڑی
کی عمارت آخرش رنگیں منقش، زرنگار

دین بھی اس کو ملا دنیا بھی یارو، دیکھیو / اور محب پاک کہلایا ملک اس کو دیکھیو
کیا محبت کے چمن کی ہے یہ خوشبو، دیکھیو / کیا ہی طالع کیا ہی قسمت ہے محبو دیکھیو
ان کی الفت کا نہال آخر یہ لایا برگ و بار

یا علی عباس غازی صاحبِ تاج و سریر / سب کے تم مشکل کشا ہو کیا غریب و کیا امیر
جان و دل سے اب تمھارے نام کا ہو کر فقیر / یہ غلام روسیہ اب جس کو کہتے ہیں نظیر
آپ کے فضل و کرم کا یہ بھی ہے امیدوار

(۱۶)

عشق اللہ

یعنی آزادوں کا سلام

پہلے اس ختمِ رسالت سے کہو عشق اللہ / صاحبِ خلق و کرامت سے کہو عشق اللہ

[1] نصفت - انصاف ۱۲ آسی

گلشن دیں کی طراوت سے کہو عشق اللہ
نورِ حق شافعِ امت سے کہو عشق اللہ

ہر دم اُس شاہ ولایت سے کہو عشق اللہ

اور وہ ہے جس سے ہرا باغِ امامت کا چمن
سبز پوش چمن جنّت فردوس حسنؑ
زہر نے جس کا زمرد سا کیا سبز بدن
یادکر مومنو اُس کا وہ ہرا پیراہن

سبزۂ باغ امامت سے کہو عشق اللہ

اور وہ گل جس سے ہے گلزار شہادت کا کھِلا
لے گئے دشتِ بلا میں جو اُسے اہلِ جفا
تین دن رات کا پیاسا وہ بہادر یکتا
لشکرِ شام کو للکار کے تنہا وہ لڑا

گوہرِ دُرجِ شجاعت سے کہو عشق اللہ

اور جس مرد کا ہے نام شہ زینِ عبّاؑ
کربلا میں وہ اگر آہ کا شعلہ کرتا
جل کے لشکر وہ سبھی خاک سیہ ہو جاتا
پر سوا حق کی رضا اُس نے نہ کچھ دم مارا

اُس جواں مرد کی ہمت سے کہو عشق اللہ

باقرؑ و جعفرؑ و کاظمؑ و رضاؑ شاہ شہاں
اور تقیؑ نور نبی اور وہ نقیؑ قبلۂ جاں
عسکریؑ، مہدیؑ ہادی وہ امامِ دوراں
ہیں زمانے میں یہی بارہ امام اے یاراں

سب ہر اک صاحب عزّت سے کہو عشق اللہ

جتنے اللہ نے بھیجے ہیں ولی پیغمبرؑ
عارف و کامل و درویش و مشائخ رہبر
اور جنھوں نے کہ ذرا حق کے اُپر کرکے نظر
راہِ مولا میں خوشی ہو کے دیا اپنا سر

اُن شہیدوں کی شہادت سے کہو عشق اللہ

ہیں جہاں تک کہ جہاں میں جو ولی اور فقرا
ہر دم ان سب کے دلوں میں ہے بھرا عشق خدا
اور جس مرد نے خوش ہو کے براہ مولا
مال و جاں دولت و گھر بار تلک بخش دیا

اُس سخی دل کی سخاوت سے کہو عشق اللہ

ہیں جو وہ صابر و شاکر بہ رضائے اللہ
راہِ مولا میں چلے لے کے توکل ہمراہ

جا کے جنگل میں پہاڑوں میں لگا حق پہ نگاہ
دل میں خوش بیٹھے ہوئے کرتے ہیں اللہ اللہ

اُن جوانوں کی قناعت سے کہو عشق اللہ

وہ جو کہلاتے ہیں دنیا میں خدا کے بندے
بندگی کرتے ہی کرتے وہ بھی خاص ہوئے
خاک بھی ہو گئے پر کرتے ہیں ہر دم سجدے
کہیں ہیں بات نہ ہوتے ہیں عبادت کے مزے

دوستو اُن کی عبادت سے کہو عشق اللہ

اور وہ جن پہ ہیں احوال دو عالم کے کھلے
چلتے دریا میں ہیں اور روئے ہوا پر اُڑتے
چاہیں پتھر کے تئیں لعل کریں نظروں سے
چاہیں اکسیر کریں خاک کو ہر دم سے لے

اُن کی سب کشف و کرامت سے کہو عشق اللہ

اور وہ جو عشق کا گلزار کھلاتا ہے نظیر
پنجتن پاک کا عالم میں کہاتا ہے نظیر
ریختہ، فرد، رباعی بھی بناتا ہے نظیر
کہ سخن عشق کا پھر سب کو سناتا ہے نظیر

اُس کے سب حرف و حکایت سے کہو عشق اللہ

(۱۷)

نظیر روضۂ حضرت سلیم چشتی رحؒ پر

نظیر کا حضرت شیخ سلیم چشتی رحؒ کی مدح میں اس طرح سرگرم کلام ہونا کہ ایک ایک شعر ایک ایک لفظ ایک ایک حرف میں عقیدت اور ستائش و مدحت کا ایک ذخار دریا موجزن ہے نظیر کی فراخ مشربی روشن دماغی کی زبردست دلیل ہے۔ پھر یہی نہیں کہ وہ صرف مدح کرتا اور گزر جاتا ہے بلکہ وہ اُن سے اسی طرح التجا بھی کرتا ہے جیسے کسی اپنے مذہب کے پیشوا سے ؎

رکھیو نظیر کو تم دو جگ میں آبرو سے
اے موجد ہر احساں حضرت سلیم چشتی

شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت بہار الدین رحؒ کے فرزند ارجمند اور حضرت فرید الدین گنج شکر کی

اولاد میں سے تھے۔ آپ ہندوستان میں شیخ الاسلام اور عرب میں شیخ الہند کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کے والد ماجد آپ کی ولادت سے قبل لدھیانے میں رہتے تھے۔ اس کے بعد دہلی تشریف لا کر محلہ سرائے علاء الدین زندہ پیر میں مقیم ہوئے۔ چنانچہ حضرت شیخ کی ولادت بقول صاحب معارج الولایت سنہ ۸۸۴ھ میں اور بقول صاحب اخبار الاخیار سنہ ۸۹۷ھ میں واقع ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کسی وجہ سے دہلی چھوڑ کر فتحپور سیکری میں متوطن ہوئے تو وہیں اُن کا انتقال ہوا۔ اور پھر آپ اپنے بھائی موسیٰ کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے۔ اور چونکہ اُن کے کوئی اولاد نہیں تھی لہذا آپ کو اپنے فرزندوں سے زیادہ سمجھا۔ جب آپ سن شعور کو پہنچے تو عازم سفر ہوئے مگر آپ کے بھائی کو یہ مفارقت بہت شاق ہوئی اور انھوں نے عذر کیا کہ تم کو کیونکر جدا کروں میرے اولاد اور بھائی جو کچھ ہو تمھیں ہو۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تم کو لڑکا عنایت کرے گا چنانچہ اس کے بعد لڑکا پیدا ہوا۔ اور آپ سرہند تشریف لے گئے جہاں شیخ مجد الدینؒ سے جو اُس وقت کے مشہور اور زبردست عالم تھے۔ آپ نے تکمیل علوم ظاہری کی سنہ ۹۳۱ھ میں آپ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں متعدد حج کیے۔ روضہ نبوی کے عرصہ تک مجاور رہے۔ اس کے بعد آپ عرب و عجم کی سیاحت میں مشغول رہے اسی اثنا میں شیخ ابراہیم چشتی سے بیعت کر کے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور پھر آپ سے بہت سے لوگوں نے بیعت کر کے مراتب عالیہ حاصل کیے۔ جب اس سفر طویل کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے تو سیکری میں مقیم ہوئے اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہنے لگے۔ یہیں آپ نے عقد کیا یہیں اہل و عیال کے ساتھ متاہلانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ اور بہت سی عمارتیں باغ اور کنویں وغیرہ تعمیر کیے سنہ ۹۶۲ھ میں بعض پریشانیوں کی وجہ سے آپ پھر حج کے لیے تشریف لے گئے اور جب آپ دوبارہ حرمین شریفین سے واپس ہو کر فتحپور سیکری میں مقیم ہوئے تو آپ نے اپنے عقیدتمندوں اور حاضر باشوں سے کہا کہ میں نے دو ارادے کیے ہیں ایک اُن میں سے کرنا ضرور ہے یا کہ ترک طعام کروں یا ترک کلام معتقدین نے عرض کیا کہ اگر سکوت اختیار کیا تو

سب لوگ فیوض ارشادات سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لیے آپ نے ترک طعام کیا اور آخر عمر تک کبھی سات آٹھ دن اور کبھی بارہ دن کے بعد آپ بقدر سد رمق ایسا کھانا کھا لیا کرتے تھے کہ جس میں گوشت نہ ہوتا تھا۔ آخر ۲۹ رمضان یوم پنجشنبہ ۹۷۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اس سے پہلے اپنے صاحبزادے بدرالدینؒ کو یہ کہہ کر اپنا قائم مقام اور سجادہ نشین کیا تھا کہ حضرت گنجشکرؒ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ فتحپور سیکری میں مدفون ہوئے جہاں آپ کا مزار زیارتگاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے خوارق عادات کی حکایات بہت سی ہیں جو کتب سیر و تذکرہ میں دیکھنا چاہییں۔

عبدالباری آسی

ہیں دو جہاں کے سلطاں حضرت سلیم چشتیؒ — عالم کے دین و ایماں حضرت سلیم چشتیؒ
سرِ دفترِ مسلماں حضرت سلیم چشتیؒ — مقبولِ خاص یزداں حضرت سلیم چشتیؒ
سردار ملک عرفاں حضرت سلیم چشتیؒ

برج اسد کی رونق عرش بریں کے تارے — گلزارِ دین کے گلچیں اللہ کے سنوارے
یہ بات جان و دل سے کہتے ہیں سب پکارے — تم وہ ولی ہو برحق، جو فیض سے تمہارے
عالم ہے باغ و بستاں حضرت سلیم چشتیؒ

شاہوں کے بادشاہ ہو باتاج با لوا ہو — اور قبلۂ صفا ہو اور کعبۂ ضیا ہو
خلقت کے رہنما ہو دنیا کے مقتدا[1] ہو — تم صاحب سخا ہو محبوب کبریا ہو
ہے تم سے زیب امکاں حضرت سلیم چشتیؒ

شاہ و گدا ہیں تابع سب تیری مملکت کے — لائق تمہیں ہو شاہا اس قدر و منزلت کے
پروردہ ہیں تمہارے سب خوان مکرمت کے [2] — شاہا شرف تو بخشی خالق کی سلطنت کے
ادھم ہو میر ساماں حضرت سلیم چشتیؒ

ہے نام پاک تیرا مشہور شہر و بن میں — کرتی ہیں یاد تم کو یہ جانیں ہیں جو تن میں

---

[1] مقتدا وہ جس کی پیروی کی جائے ۱۲

[2] ہندی اور فارسی الفاظ میں واؤ عاطفہ کو اب اکثر فصحا خلاف فصاحت جانتے ہیں ۱۲ آسی

ہے خلق کی تمھارے خوشبو گل و سمن میں
خدمت میں ہیں تمھاری فردوس کے چمن میں
جنّت کے حور و غلماں حضرت سلیم چشتیؒ

کعبہ سمجھ کے اپنا مشتاق تیرے در کو
کرتے ہیں آ زیارت دل سے جھکا کے سر کو
اوصاف تیرے ہردم لیتے ہیں سیم و زر کو
پڑھتے ہیں مدح تیری گلشن میں ہر سحر کو
ہو بلبل خوش الحاں حضرت سلیم چشتیؒ

ہے سلطنت جہاں کی سب تیرے زیرِ فرماں
چاکر ہیں تیرے در کے فغفور[1] اور خاقاں
خوانِ کرم پہ تیرے ہے خلق ساری مہماں
ہیں حکم میں تمھارے جنّ و پری و انساں
ہو وقت کے سلیماں حضرت سلیم چشتیؒ

تم سب سے ہو معظم اور سب سے ہو مکرم
خلقت ہوئی تمھارے سب نور سے مجسم
اور خوبیاں جہاں کی تم پر ہوئیں مسلّم
ابرِ کرم سے تیرے دائم ہے سبز و خرم
عالم کا سب گلستاں حضرت سلیم چشتی

پشت و پناہ ہو تم ہر اک گدا و شہ کے
محتاج ہیں تمھاری اک لطف کی نگہ کے
منزل پہ آ کے پہنچے سالک تمھاری رہ کے
خاکِ قدم تمھاری درچشم[2] مہر و مہ کے
ہو روشنی کے ساماں حضرت سلیم چشتیؒ

چشم و چراغ ہو تم اب جملہ مومنیں کے
روشن ہیں تم سے پردے سب آسمان و زمیں کے
بیشک ضیائے دل ہو ہر صاحب یقیں کے
ذرّہ نہیں تفاوت تم آسماں ہو دیں کے
ہو آفتاب رخشاں حضرت سلیم چشتیؒ

عالم ہے سب معطر تیرے کرم کی بو سے
حسرت ہے دوستوں کو حضرت تمھارے رو سے
یہ چاہتا ہوں اب میں سو دل کی آرزو سے
رکھیو نظیر کو تم دو جگ میں آبرو سے
اے موجد براحساں حضرت سلیم چشتیؒ

[1] چین کے ایک مشہور بادشاہ کا نام جس کو اس [illegible] نے ایک بت کے زیر چڑھایا تھا [illegible] چین کے ہر بادشاہ کا یہی خطاب یا لقب رہا۔ خاقان - بڑا بادشاہ - پہلے چین اور ترکستان کے بادشاہوں کا یہی خطاب ہوتا تھا۔

[2] درچشم مہر و مہ کے [illegible] ہے۔ اس لیے کہ در چشم مہر و مہ خود ہی معنی [illegible] ہے۔ اس قسم کی ترکیبیں شاعری کے لیے [illegible] ہیں۔ قدما کے یہاں اس کو ناجائز نہیں جانتے تھے ۱۲ آسی

(۱۸)

نذر حضرت گرو گنج بخش رح

نظیر کا مذہب تو ضرور امامیہ تھا۔ اُس نے کہیں صحابۂ کرام کی مدح نہیں کی۔ اور بعض جگہ انھیں کے ساتھ حضرت علیؑ کی مدح بھی بھول گیا۔ مگر اس حقیقت سے انکار دشوار اور سخت دشوار ہے کہ وسیع المشربی اور روشن خیالی کے ساتھ ہی اُس کو بزرگان دین اور اولیائے کرام کی خدمت میں ایک خاص عقیدت تھی۔ جس کے متعلق مقدمے میں تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ حضرت سلیم چشتیؒ کی مدح تو جیسی کی ہے وہ آپ نے پڑھی اُن کے عرس کی دھوم دھام میں نظیر کے کیف روحانی کو ملاحظہ کیا۔ مگر کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ نظیر وطن پرست تھا۔ اپنے وطن کا ذرّہ ذرّہ اُس کی آنکھوں کا سرمہ تھا۔ پھر اتنی بڑی ہستی کی وہ مدح کیوں نہ کرتا۔ جس کے مزار کی شمع کے چکر لگانے کے لیے دنیا پروانہ وار چلی آتی ہے۔ جن کے متبرک روضہ پر آج تک انوار کی شب و روز بارش ہو رہی ہے۔ مگر گرو گنج بخش کی مدح میں کوئی کیا کہے گا۔ اس کو دیکھ کر یہ تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کسی پنجابی کی فرمائش سے یہ نظم لکھی اور اس کی وجہ یہ معلوم ہے کہ ان بزرگ کا مزار لاہور میں ہے دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ خصوصیت سے اس نظم میں پنجابی لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔ سُرت چرن دے تال۔ اسی طرح ہندی کے بھی کئی لفظ لائے گئے ہیں جن کی بظاہر کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی تھی۔

یا پھر یہ ہے کہ دنیاوی ضرورتوں اور آلام نے ان کو مجبور کر رکھا تھا اور کسی سے انھوں نے ان بزرگ کی تعریف سنی ہے۔ اور مدعا عرضداشت پیش کر دی۔ مگر اس سب کے باوجود بھی انداز مؤدبانہ اور طرز عقیدتمندانہ نظیر کے حسن عقیدت کی گواہی دے رہا ہے۔ اور اس کے بعد کہنا ہی پڑے گا کہ وہ نام نہاد کوئی مذہب بھی رکھتے ہوں۔ مگر ان کا خلوص دنیا کی ہر مذہب و ملت کے بزرگوں اور واجب الاحترام ہستیوں کے لیے خوش آمدید کہنے کے واسطے تیار ہے۔ گرو گنج بخش کون تھے اسے

ذیل کی عبارت سے معلوم کیجیے۔

داتا گنج بخش

آپ کا نام شیخ علی مخدوم جلالی آپ کے باپ کا نام عثمان بن علی الجلالی تھا۔ آپ شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی جنیدی کے مرید اور حنفی مذہب کے بزرگ تھے۔ علوم ظاہر و باطن پر آپ کو یکساں عبور تھا۔ زہد و تقویٰ اور خوارق عادات میں نہایت مشہور و معروف تھے آپ کا سلسلہ فقر شیخ شبلی تک پہونچتا ہے۔ آپ نے اپنے مرشد حضرت شیخ ابوالفضلؒ کے علاوہ دوسرے بزرگان دین مثل شیخ ابوالقاسم گورگانی۔ ابوسعید ابوالخیر۔ ابوالقاسم قشیری وغیرہم سے بھی فیض باطنی حاصل کیا۔ سفینۃ الاولیا۔ اور نفحات الانس کے مصنفوں کی تحقیق کے مطابق آپ کا اصل وطن غزنین تھا۔ ہجویر اس شہر کا ایک مشہور محلہ تھا۔ چنانچہ آپ کے والدین کا مزار غزنین ہی میں ہے یوں تو آپ کی بہت سی تصانیف ہیں مگر کشف المحجوب بہت مشہور ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ فارسی میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو موضوع تصوف پر لکھی گئی۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں جو فوائد الفواد کے نام سے معروف ہے لکھا ہے کہ آپ کے لاہور تشریف لانے سے پہلے خواجہ حسین زنجانی لاہور کے قطب تھے اور یہ بھی شیخ کے پیر بھائی یعنی حضرت شیخ ابوالفضل کے مرید تھے جب شیخ کے لیے ارشاد ہوا کہ وہ لاہور جائیں اور وہیں مقیم ہوں انھیں خیال ہوا کہ وہاں خواجہ حسین موجود ہیں میری کیا ضرورت ہے یہی سوچ کر یہ سو گئے مرشد نے فرمایا کہ تم وہاں جاؤ چون و چرا کی کیا ضرورت ہے اور پوچھنے کی کیا حاجت ہے چنانچہ یہ حسب ارشاد مرشد سفر کر کے لاہور پہونچے تو رات ہو چکی تھی شہر کے باہر آپ نے رات گزاری اور صبح جب شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حسین زنجانی کا جنازہ آ رہا ہے آپ نے جنازہ میں شرکت کی اور پھر بیرون شہر بجانب مغرب قیام فرمایا۔ اور وہیں خانقاہ و مسجد تعمیر فرمائی اور آخر عمر تک وہیں رہے چنانچہ آپ کا مزار بھی وہیں ہے۔ آپ کی وفات ۴۶۵ھ ہجری میں ہوئی اور ۱۲۷۸ھ میں حاجی نور محمد فقیر نے ایک مقبرہ آپ کے مزار پر تعمیر کرایا۔ مشہور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے آپ کے مزار پر انوار

سے رخصت ہوتے وقت یہ شعر پڑھا ۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

اسی روز سے آپ داتا گنج بخش مشہور ہوئے۔

آسی

ہو رہ دلا مدام گرد گنج بخش کا ۔۔۔ خوبی میں ہے قیام گرد گنج بخش کا
کرپا[1] میں احترام گرد گنج بخش کا ۔۔۔ لے دل ہمیشہ نام گرد گنج بخش کا
رکھ دھیان صبح و شام گرد گنج بخش کا

ہر دم انھیں کی یاد کا رکھ دل میں تو خیال[2] ۔۔۔ اور رکھ بسر ہمیشہ تو اپنی انھیں کے چرن[3] دے نال[4]
کھوتے ہیں سب کے دل کے وہی رنج اور ملال ۔۔۔ سیوک کو اپنے کرتے ہیں اک آن میں نہال
بخشش میں ہے یہ کام گرد گنج بخش کا

آتے ہیں وہ مدد کے تئیں جلد ہر کہیں ۔۔۔ اُن کا ہوا جو دل سے اُسے کچھ خطر نہیں
یہ بات ٹھیک ہے لے کر جی میں تو یقیں ۔۔۔ گرتا ہوا جو نام لے اُن کا تو اُس کے تئیں
لیتا ہے نام تھام گرد گنج بخش کا

خوبی کچھ اُن کے لطف کی جاتی نہیں کہی ۔۔۔ کرپا وہ اپنی رکھتے ہیں ہر آن ہر گھڑی
گھٹتے ہیں دکھ میں بلکہ بہت ہوتے ہیں خوشی ۔۔۔ کہتے ہیں جس کو لطف کی مسند ہوئی وہی
ہے دل سدا مقام گرد گنج بخش کا

رکھ اُن کی لحظہ لحظہ تو کرپا اُپر نظر ۔۔۔ وہ اپنے گنج لطف سے دیتے ہیں سیم و زر
جو چاہیئے مراد، اُنھیں سے تو عرض کر ۔۔۔ جو دل سے پوچھتے ہیں تو اُن سب کے حال پر
الطاف ہے مدام گرد گنج بخش کا

اُن کی شرن[5] میں آیا تو پھر دکھ نہ ہو کبھو ۔۔۔ رکھ لیں گے اپنی مہر سے وہ تیری آبرو

[1] کرپا: مہربانی، مرحمت ۱۲
[2] خیال: دھیان ۱۲
[3] قدم کے قریب
[4] پنجابی فقرہ ہے ۱۲
[5] پناہ، حمایت
شہباز

رکھ اپنے جی سے اُن کی ہی کرپا کی آرزو　　اَرداس کو کے سر کو جھکا اُن کے در پہ تو

لطف و کرم ہے عام گرو گنج بخش کا

کر عرض اُن سے اپنا تو احوال اے نظیرؔ　　اپنے کرم سے لیں گے تجھے پال اے نظیرؔ
رکھ اُن کی یاد جی میں تو ہر حال اے نظیرؔ　　رہتا ہے جگ میں خوشدل و خوشحال اے نظیرؔ

ہے دل سے جو غلام گرو گنج بخش کا

(۱۹)

گرو نانک شاہ

ہیں کہتے نانک شاہ جنھیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو　　وہ کامل رہبر جگ میں ہیں یوں روشن جیسے ماہ گرو
مقصود، مراد، امید سبھی، بر لاتے ہیں دل خواہ گرو　　نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرو

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا اَرداس کرو اور ہر دم بولو "واہ گرو!"

ہر آن دلوں وچ یاں اپنے جو دھیان گرو کا لاتے ہیں　　اور سیوک ہو کر اُن کے ہی ہر صورت بیچ کہاتے ہیں
گر اپنی لطف و عنایت سے سکھ چین انھیں دکھلاتے ہیں　　خوش رکھتے ہیں ہر حال انھیں سب تن کا کاج بناتے ہیں

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو آپ گرو نے بخشش سے اس خوبی کا ارشاد کیا　　ہر بات وہ ہے اس خوبی کی تاثیر نے جس پر صاد کیا
یاں جس جس نے ان باتوں کو ہے دھیان لگا کر یاد کیا　　ہر آن گرو نے دل اُن کا خوش وقت کیا اور شاد کیا

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

دن رات جنھوں نے یاں دل وچ ہے یاد گرو سے کام لیا　　سب من کے مقصد بھر پائے خوش وقتی کا ہنگام لیا

۱ نگاہ، بستہ، مرشد ۲ نرباہ، نباہ کا بنسوا ۳ ہمیشہ ۴ سیس نوا، سر جھکا کر ۵ ارداس، سکھوں کے یہاں عرض داشت ۶ وچ، پنجابی میں بیچ کو کہتے ہیں ۷ سیوک، خادم پرستندہ ۸ شہباز

دکھ درد میں اپنے دھیان لگا جو وقت گرو کا نام لیا
پل بیچ گرو نے آن اُنھیں خوشحال کیا اور تھام لیا

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

یاں جو جو دل کی خواہش کی کچھ بات گرو سے کہتے ہیں
الطاف سے اُن کے خوش ہو کر سب خوبی سے یہ کہتے ہیں
وہ اپنی لطف و شفقت سے نت ہاتھ اُنھوں کے گہتے ہیں
دکھ دور اُنھوں کے ہوتے ہیں سو سکھ سے جگ میں رہتے ہیں

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو ہر دم اُن سے دھیان لگا امید کرم کی دھرتے ہیں
اسباب خوشی اور خوبی کے گھر بیچ اُنھوں کے بھرتے ہیں
وہ اُن پر لطف و عنایت سے ہر آن توجہ کرتے ہیں
آنند عنایت کرتے ہیں سب من کی چنتا ہرتے ہیں

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو لطف و عنایت اُن میں ہیں کب وصف کسی سے اُنکا ہو
الطاف جنھوں پر ہیں اُنکے سو خوبی حاصل ہے اُن کو
وہ لطف و کرم جو کرتے ہیں ہر چار طرف ہیں ظاہر وہ
ہر آن نظیر اب یاں تم بھی بابا نانک شاہ کہو

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

سلہ نت: ہمیشہ برابر۔ سلہ گہتے ہیں مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔ ہاتھ گہتے ہیں [illegible] فرماتے ہیں۔ سلہ خوشی۔ سلہ دل کے ترددات کو دور کرتے ہیں۔ انجماتا
؟ یہ علامت استفہام کی ہے اور اکثر مشکوک مقامات میں لفظاً یا عبارات مشکوک پر خط عرضی کھینچ کر ؟ اپنی طرف بنا دی گئی ہے اس غرض سے کہ اگر ناظرین کا رفع شک ہو جائے یا کوئی صحیح نسخہ ان کو معلوم ہو تو اس سے مطبع کو بھی مطلع فرمائیں تاکہ طبع ثانی میں شکریہ کے ساتھ ترمیم و تصحیح حسب کر دی جائے
مہتمم

تقریبات اہل اسلام

شب برات

(۲۰)

کیونکر کرے نہ اپنی نموداری شب برات — چلپک[۵] چپاتی حلوے سے ہے بھاری شب برات
زندوں کی ہے زباں کی مزیداری شب برات — مُردوں کی روح کی ہے مددگاری شب برات
لگتی ہے سب کے دل کو غرض پیاری شب برات

شکر کا جن کے حلوا ہوا وہ تو پورے ہیں — گڑ کا ہوا ہے جن کے وہ اُن سے ادھورے ہیں
شکر نہ گڑ کا جن کے وہ برکٹ لنڈورے ہیں — اوروں کے میٹھے حلوے چپاتی کو گھورے ہیں
اُن کی نہ آدھی یاد نہ کچھ ساری شب برات

دنیا کی دولتوں میں جو زردار ہیں بڑے — قندوں کے حلوے روغنی نانیں لیے کھڑے
پہونچاتے خوان پھرتے ہیں نوکر کئی پڑے — زندے بھی راہ تکتے ہیں مردے بھی ہیں کھڑے
ان خوبیوں کی رکھتی ہے تیاری شب برات

مفلس کا چپاتی حلوے کی تو سب میں چال ہے — ادنیٰ غریب کے تئیں یہ بھی محال ہے
کالے سے گڑ کی لپٹی[۶] کڑھی کی مثال ہے — پانی نتے ہانڈی گیہوں کی روٹی بھی لال ہے
کرتی ہے ایسی دکھیا بیچاری شب برات

نہ کے

---

۵ چلپک بروزن ترک نانے کہ خمیر آں را تنک ساختہ در میان روغن بریاں کردہ باشند ۱۲ برہان قاطع ۔

۶ لپٹی کوئی سرشی تا سیال چیز یعنی قسم کا حلوا جس کا قوام گوند یا سرشی کا سا ملا اور نفرت انگیز ہو ۱۲ شہباز

اور مفلسوں کی ہے یہ تمنا کی فاتحہ
بھٹیاری کے تنور پہ نانا کی فاتحہ
دریا پہ جا کے دیتے ہیں بابا کی فاتحہ
حلوائی کی دکان پہ دادا کی فاتحہ
یاں تک تو اُن پہ لاتی ہے ناچاری شب برات

وارث ہیں جن کے جیتے وہ مردے بھی آن کر
جن کا کوئی نہیں ہے وہ پھرتے ہیں دربدر
حلوے چپاتی خوب ہی چکھتے ہیں پیٹ بھر
اور دل کے لگتے پھرتے ہیں کونوں سے گھر گھر
اُن کی ہے کھاری نون سے بھی کھاری شب برات

ملا جو دینے فاتحہ گھر گھر میں جاتے ہیں
مفلس کوئی بلاوے تو منھ کو چھپاتے ہیں
حلوا کہیں کہیں وہ چپاتی اُڑاتے ہیں
شکر کا حلوا سنتے ہی بس دوڑے جاتے ہیں
کہتے ہوئے یہ دل میں اہا ہا ری شب برات

چھوڑتے ہے لٹو تو نبڑی ہر دم بنا کے جو
کپڑے بدن بچا کے جو چاہو سو چھوڑ دو
حاکم کا پیادہ کہتا ہے یوں اُس سے تلخ ہو
چھپر جلاؤ گے تو دلاوے گی صبح کو
تم سے چبوترے[لہ] میں گنہگاری شب برات

پھرتے ہیں عشق باز جو لڑکے کی گھات میں
مہتابی آ کے چھوڑتے ہیں لڑکے جو رات میں
ٹونٹا ہی لے کے دیتے ہیں لڑکے کے ہاتھ میں
کیا زرکیاں سی چھوڑتے ہیں ہنس ہنس کے بات میں
کرتی ہے کام اُن کے بھی یوں جاری شب برات

جو رنڈی باز ہیں وہ بہت دل میں شاد ہیں
لے بی تم اپنی کلھیا ہمیں چھوڑنے کو دو
کیا کیا انار چھوڑتے ہیں فشنی[ٹہ] ہو رو بر و
اور چاہو تم ہمارا یہ بہت پھول چھوڑ لو
ہو جائے جس کے چھٹتے ہی پھلواری شب برات

اور جو بہار حسن کے ہیں پاکباز یار
کہتے ہیں اُن کو دیکھ کے آنکھوں میں کر کے پیار
گلکاری چھوڑتے ہیں جہاں محبوب گلعذار
کیا چاہیے میاں تمھیں بہت پھول اور انار
تم پر تو آپ ہوتی ہے اب واری شب برات

لہ چبوترے سے یہاں مراد کوتوالی یا تھانہ ۔ انگریزی عملداری کے شروع میں اونچے چبوترے پر تھانہ وغیرہ قائم ہوتا تھا ۱۲

لہ اس نظم میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں جو آتشبازیوں کے نام ہیں ۔ لٹو ۔ تو نبڑی ۔ ٹونٹا ۔ زرکیاں ۔ کلھیا ۔ بہت پھول ۔ گلکاری ۔ چھچھوندر ۔ ہوائی ۔ پٹاخہ ۔ قلم تڑی ۔ بینگن ۔ گھن چکر ۔ یہ آتشبازیاں پہلے عام طور سے شبرات کے روز رات کو چھوڑی جاتی تھیں ۱۲

ٹہ فشنی ۔ آشنائی ۔ رنڈی باز ۱۲

عبدالباری آسی

گھن چکر اپنے دم میں کہیں چرخ کھاتے ہیں
ٹوٹے ہوائی سینگ کہیں تھنھاتے ہیں
زنبیٹ زبٹ پٹاخے کہیں غل مچاتے ہیں
لڑکوں کے باندھ غول کہیں لڑنے جاتے ہیں
کرتی ہے پھر تو ایسی دھواندھاری شب برات

آکر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کرڑی
اوپر سے اور ہوائی کی آکر پڑی چھڑی
ہوگئی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی
پاؤں سے پٹی شور مچا کر قلم تڑی
کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

چہرہ کسی کا جل گیا آنکھیں بھلس گئیں
چھاتی کسی کی جل گئی باہیں بھلس گئیں
ٹانگیں بچیں کسی کی تو رانیں بھلس گئیں
مونچھیں کسی کی پھک گئیں پلکیں بھلس گئیں
رکھتی کسی کی داڑھی پہ چنگاری شب برات

کوئی دوستوں کو دل میں سمجھتا ہے اپنے غیر
کوئی دشمنوں سے دل کا نکالے ہے اپنا بیر
کہتا ہے واں نظیر بھی آتش کی دیکھ سیر
یارب تو سب کی کیجیو برسا برس کی خیر
بے طرح کر رہی ہے نمو داری شب برات

(۲۱)

عید الفطر

ہے عابدوں کو طاعت و تجرید[1] کی خوشی
اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی
رند عاشقوں کو ہے کئی اُمید کی خوشی
کچھ دلبروں کے وصل کی کچھ دید کی خوشی
ایسی نہ شب برات نہ بقرعید[2] کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزے کی خشکیوں سے جو ہیں زرد زرد گال
خوش ہوگئے وہ دیکھتے ہی عید کا ہلال
پوشاکیں تن میں زرد سنہری سفید لال
دل کیا کہ ہنس رہا ہے پڑا تن کا بال بال

[1] تجرید۔ تنہائی علیحدگی دنیا سے قطع تعلق ۱۲

[2] ... بقرعید۔ اصل میں بقر عید تھا۔ اردو میں بقرعید تھا۔ اور اس کو مستند سمجھنا چاہیے۔ بعض بکرید بولتے ہیں وہ صحیح نہیں ۱۲ آسی

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

پچھلے پہر سے اٹھ کے نہانے کی دھوم ہے
شیر[1] و شکر سویاں پکانے کی دھوم ہے
پیر و جواں کو نعمتیں کھانے کی دھوم ہے
لڑکوں کو عیدگاہ کے جانے کی دھوم ہے

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

بیٹھے ہیں پھول پھول کے میخانوں میں کلال[2]
اور بھنگ خانوں میں بھی ہیں سرسبز یا کمال
چنتی ہیں بھنگیں اڑتے ہیں چرسوں کے دم[3] نڈھال
بچھو جدھر کو سیر مزا عیش قیل و قال

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

کوئی تو مست پھرتا ہے جام شراب سے
کوئی پکارتا ہے کہ چھوٹے عذاب سے
کلا کسی کا پھولا ہے لڈو کی چاپ[4] سے
چٹکاریں[5] جی میں بھرتے ہیں نان و کباب سے

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

محبوب دلبروں سے ہے جن کی لگی لگن
ان سے گلے سے آن لگا ہے جو گلبدن
سو سو طرح کے چاؤ سے مل مل کے تن سے تن
کہتے ہیں تم کو عید مبارک ہو جان من

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

کیا ہی معانقے[6] کی مچی ہے الٹ پلٹ
ملتے ہیں دوڑ دوڑ کے باہم جھپٹ جھپٹ
پھرتے ہیں دلبروں کی بھی گلیوں میں غٹ کے غٹ[7]
عاشق مزے اڑاتے ہیں ہر دم لپٹ لپٹ

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی

[1] شیر دودھ کو کہتے ہیں۔ مگر عید کے روز سویوں میں چاول شامل کر کے جو پکاتے ہیں اس کھانے کا نام بھی شیر ہے
[2] کلال شراب فروش، کلوار ۱۲
[3] حب الاصلی ۱۲
[4] لڈو کی چاپ یعنی لڈو کے چبانے سے متقدمین کی زبان ہو سکتی ہے مگر اب اس طرح نہیں بولتے
چٹکار، چٹخارہ کا
[5] چاٹ۔ خواہش، للاڑ، پیار ۱۲
[6] معانقہ گلے ملنا
[7] غٹ کے غٹ۔ گروہ کے گروہ ۱۲
آسی

جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

کاجل حنا غضب مسی و پان کی دھڑی
کرتی کبھی دکھا، کبھی انگیا کسی کرڑی
پشوازیں سرخ سوستی لاہی کی پھلجھڑی[1]
کہہ "عید عید" لوٹے ہیں دل کو گھڑی گھڑی

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

جو جو کہ اُن کے حسن کی رکھتے ہیں دل سے چاہ
جاتے ہیں اُن کے ساتھ لگے تا بہ عید گاہ
توپوں کے شور اور دوگانوں کی رسم و راہ
میانے، کھلونے، سیر، مزے، عیش، واہ وا

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزوں کی سختیوں میں نہ ہوتے اگر اسیر
تو ایسی عید کی نہ خوشی ہوتی دل پذیر
سب شاد ہیں گدا سے لگا شاہ تا وزیر
دیکھا جو ہم نے خوب تو سچ ہے میاں نظیرؔ

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

(۴۲)

عید

یوں لب سے اپنے نکلے ہے اب بار بار "آہ"
کرتا ہے جس طرح کہ دل بے قرار آہ!
عالم نے کیا ہی عیش کی لوٹی بہار آہ!
ہم سے تو آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ!

ہم عید کے بھی دن رہے امیدوار آہ

ہو جی میں اپنے عید کی فرحت سے شاد کام
خوباں سے اپنے اپنے لیے سب نے دل کے کام
دل کھول کھول سب ملے آپس میں خاص و عام
آغوش خلق گلبدنوں سے بھرے تمام

[1] ایک باریک ریشمی کپڑے کا نام ۔ پھلجھڑی جس سے پھول جھڑتے ہیں ۔ آسی

دل نشیں

خالی رہا یہ ایک ہمارا کنار، آہ!

کیا پوچھتے ہو شوخ سے ملنے کی اب خبر
ملنا تو اک طرف ہے عزیزو کہ بھر نظر
کتنا ہی جستجو میں پھرے ہم اِدھر اُدھر
لیکن ملا نہ ہم سے وہ عیّار فتنہ گر
پوشاک کی بھی ہم نے نہ دیکھی بہار آہ!

رکھتے تھے ہم امید یہ دل میں کہ عید کو
کیا کیا گلے لگا دیں گے دلبر کو شاد ہو
سو تو وہ آج بھی نہ ملا شوخ حیلہ جو
تھی آس عید کی سو گئی وہ بھی دوستو
اب دیکھیں کیا کرے دلِ امیدوار آہ!

اُس سنگدل کی ہم نے غرض جب سے چاہ کی
دیکھا نہ اپنے دل کو کبھی ایک دم خوشی
کچھ اب ہی اُس کی جور و تعدّی نہیں نئی
ہر عید میں ہمیں تو سدا یاس ہی رہی
کافر کبھی نہ ہم سے ہوا ہمکنار آہ!

اقرار ہم سے تھا کئی دن آگے عید سے
یعنی کہ عیدگاہ کو جاویں گے تم کو لے
آخر کو ہم کو چھوڑ گئے ساتھ اور کے
ہم ہاتھ ملتے رہ گئے اور راہ دیکھتے
کیا کیا غرض سہا ستمِ انتظار آہ!

کیونکر لگیں نہ دل میں مرے حسرتوں کے تیر
دن عید کے بھی مجھ سے ہوا وہ کنارہ گیر
اس درد کو وہ سمجھے جو ہو عشق کا اسیر
جس عید میں کہ یار سے ملنا نہ ہو نظیر
اُس کے اُپر تو حیف ہے اور صد ہزار آہ

(۲۳)

عیدگاہ اکبرآباد

ہے دھوم آج مدرسہ و خانقاہ میں
تانتے بندھے ہیں مسجد جامع کی راہ میں
گلشن سے کھل رہے ہیں ہر اک کج کلاہ میں
سو سو چمن جھلکتے ہیں اک اک نگاہ میں

۱؎ کنار یعنی آغوش و بغل بفتح اول و دوم ہے اس کی تذکیر و تانیث میں اختلاف ہے مذکر کی مثال یہ ہے سہ ہلال ماہ محرم سمجھ کے روتا ہوں ٭ کبھی جو یار سے خالی کنار ہوتا ہے ۲ امداد علی بحر لکھنوی۔ مثال مؤنث سہ خفقان الفتوں سے ہمدم کی ٭ طوق گردن کنار آپ دم کی ٭ مومن دہلوی۔ مؤلف نور اللغات نے لکھا ہے کہ اب زیادہ بہ تانیث مستعمل ہے ۱۲ ۲؎ سو کو بعض فصحا متروک قرار دیتے ہیں مگر اس کا مترادف لفظ اردو میں اور کوئی نہیں ہے لہٰذا یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا ۱۲ ۳؎ خوشی بجائے خوش۔ کی مثالیں متقدمین کے کلام میں ملتی ہیں جیسے آتش لکھنوی کا یہ مصرع سہ خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے ٭ بلکہ کبھی کی بجائے کبھی بعض متقدمین نے لکھا ہے۔ اب ان الفاظ میں احتیاط ضروری ہے ۱۲ ۴؎ اُپر، بغیر واؤ بجائے اوپر اب بالاتفاق متروک ہے ۱۲ عبد الباری آسی۔

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں!

جھمکا ہے ہر طرف کو جو بادلہ زری
پوشاک میں جھمکتے ہیں سب تن زری زری
گلرو چمکتے پھرتے ہیں جوں ماہ و مشتری
ہے سب کے عید عید کی دل میں خوشی بھری

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

آتے ہیں گھر سے اپنے جو بن بن کے کج کلاہ
صحن چمن ہے جنتی ہے سب صحن عید گاہ
چھاتی سے لپٹے جاتے ہیں ہنس ہنس کے خواہ مخواہ
دل باغ سب کے ہوتے ہیں فرحت سے واہ واہ

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں!

کچھ بھیڑ سی ہے بھیڑ کہ بے حد و بے شمار
خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہیں جدھر دیکھے ہر طرف ہزار
ہاتھی و گھوڑے بیل و رتھ و اونٹ کی قطار
غل شور ہائے ہوئے کھلونوں کی ہے پکار

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

پہنے پھرے ہیں شوخ کرتے اور ہنسلیاں
پھولوں کی پگڑیوں میں ہیں شاخیں اُڑس لیاں
کمریں سبھوں نے ملنے کی خاطر ہیں کس لیاں
ملتے ہیں یوں کہ چھاتی کی کڑکے ہیں پسلیاں

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

آتے ہیں ملتے ملتے جو عاجز پری رخاں
دیتے ہیں ملنے والوں کو گھبرا کے گالیاں
تس پر بھی لپٹے جاتے ہیں جوں گڑ پہ مکھیاں
دامن کے ٹکڑے اُڑتے ہیں پھٹتی ہیں چولیاں

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

ہیں ملتے ملتے تن جو پسینوں میں تر بتر
ملنے کے ڈر سے پھرتے ہیں چھپتے ادھر اُدھر
چھپتے پھریں ہیں لوگ بھی جاتے ہیں وہ جدھر
ٹھٹا ہنسی و سیر تماشے جدھر تدھر

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

ہیں کرتے وصل شہر کے سب خرد اور کبیر
ادنیٰ غریب امیر سے لے شاہ تا وزیر
ہر دم گلے لپٹ کے مرے یار دل پذیر
ہنس ہنس کے مجھ سے کہتا ہے یوں کیوں میاں نظیر

۱ بادلہ اور زری: دو کپڑوں کا نام ۱۲ ۲ صحن یا اتفاق ... ہے ۱۲ ۳ اُڑس لیاں اب اردو میں جمع اس طرح نہیں لاتے ۱۲ ۴ یہ جمع بھی قدیم زمانے کی ہے اب یوں بولتے ہیں۔ پری رخ ۵ جو ملتے ملتے عاجز آتے ہیں ۱۲ ...

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

تقریبات اہل ہنود

(۲۴)

بسنت

جبؔ پھول کا سرسوں کے ہوا آکے کھلنتا
اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنتا
ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے نچھنتا
اور ہنس کے کہا یار سے اے لکرؔ بھونتا
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

اک پھول کا گیندوں کے منگایا ہے بجرا
دس من کا لیا ہار گندھا ہاتھ کا گجرا
جب آنکھ سے سورج کی ڈھلا رات کا مجرا
جا یار سے مل کر یہ کہا اے مرے رجرا
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار
اور یار کے گجرے بھی تھے اک دھونؔ کی مقدار
آنکھوں میں نشے سے کے اُبلتے تھے دھواں دھار
جو سامنے آتا تھا یہی کہتے تھے للکار
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

لہ یہ نظم آزاد مرحوم کی بیاض میں لکھی گئی ہے۔ اسی واسطے ہر جگہ کھڑی بولی ہے۔ کھلنتا لڑنتا۔ نچھنتا بسنتا۔ راجہ کی جگہ رجرا ۱۲ سلہ لکر بھونتا کے معنی کسی لغت میں نہیں ملے اور نہ مل سکتے تھے۔ یہ خاص آزاد میاں نظیر کا ہے لڑکے کو آزادانہ شوخی سے لکرہ کر دیا گیا ہے اور بھونتا بھانے سے بنا لیا گیا ہے یعنی وہ لڑکا جو سب کو بھائے۔ طفلی عالم قریب ۱۲ پروفیسر شہباز سلہ ایک قسم کی کشتی کا نام ہے ۱۲ سلہ یعنی رات ہوئی ۱۲ ھے راجہ کی تصغیر ۱۲ سلہ دھون بیج کا ایک وزن۔ اصل میں دس من تھا کثرت استعمال سے دھون ہو گیا ۱۲ شہباز

جھوک

پگڑی میں ہماری تھے جو گیندوں کے کئی پیڑ
ساقی نے بھی مٹکے سے دیا منھ کے تئیں بھیڑ
ہر جھونک میں لگتی تھی بسنتوں کے تئیں ایڑ
ہر بات میں ہوتی تھی اسی بات کی آ چھیڑ

سب کی تو بسنتیں ہیں یہ یاروں کا بسنتا

پھر راگ بسنتی کا ہوا آن کے کھٹکا
دل کھیت میں سرسوں کے ہر اک پھول سے اٹکا
دھونسے کے برابر وہ لگا باجنے مٹکا
ہر بات میں ہوتا تھا اسی بات کا لٹکا

سب کی تو بسنتیں ہیں یہ یاروں کا بسنتا

جب کھیت پہ سرسوں کے دیا جا کے قدم گاڑ
محبوب رنگیلوں کی بھی اک ساتھ لگی جھاڑ
سب کھیت اُٹھا سر کے اُپر رکھ لیا جھنجھاڑ
ہر جھاڑ سے سرسوں کے بھی کہتی تھی ابھی جھاڑ

سب کی تو بسنتیں ہیں یہ یاروں کا بسنتا

خوش بیٹھے ہیں سب شاہ و وزیر آج اہاہا!
بلبل کی نکلتی ہے صفیر آج اہاہا!
دل شاد ہیں ادنیٰ و فقیر آج اہاہا!
کہتا یہی پھرتا ہے نظیرؔ آج اہاہا!

سب کی تو بسنتیں ہیں یہ یاروں کا بسنتا

(۲۵)

دیگر

مل کر صنم سے اپنے ہنگام دل کشائی
سنتے ہی اُس پری نے گل گل شگفتہ ہو کر
جب رنگ کے آئی اُس کی پوشاک پر نزاکت
اک پنکھڑی اُٹھا کر نازک سی انگلیوں میں
ہنس کر کہا یہ ہم نے اے جاں بسنت آئی
پوشاک زرفشانی اپنی وہ ہیں رنگائی
سرسوں کی شاخ پر گل پھر جلد اک منگائی
رنگت پھر اُس کی اپنی پوشاک سے ملائی

جس دم کیا مقابل کسوت سے اپنے اس کو
پھر تو بصد مسرت اور سو نزاکتوں سے
دیکھا تو اُس کی رنگت اُس پر ہوئی سوائی
نازک بدن پر اپنے پوشاک وہ کھپائی

۱؎ جھجھاڑ گھنی اور لمبی داڑھی کو کہتے ہیں جھجاڑ لمبی گھنی داڑھی یا داڑھی کی طرح گنجان گھاس ۱۲۔
۲؎ جھاڑ بھیڑ
۳؎ صفیر۔ آواز ۱۲
یہ وغیرہ شہنکر

چنپے کا عطر مل کر موتی سے پھر خوشی ہو
سیمیں کنائیوں میں ڈالے کڑے طلائی
بن ٹھن کے اس طرح سے پھر راہ لی چمن کی
دیکھی بہار گلشن پھر طرب فزائی
جس جس روش کے اوپر جا کر ہوا نمایاں
کس کس روش سے اپنی آن و ادا دکھائی
کیا کیا بیاں ہو جیسے چمکی چمن چمن میں
وہ زرد پوشی اُس کی، وہ طرزِ دلربائی
صد برگ نے صفت کی نرگس نے بے تامل
لکھنے کو وصف اُس کا اپنی قلم اُٹھائی
پھر صحن میں چمن کے آیا بحسن و خوبی
اور طرفہ تر بسنتی اک انجمن بنائی
اُس انجمن میں بیٹھا جب ناز و تمکنت سے
گلدستہ اُس کے آگے ہنس ہنس بسنت لائی
کی مطربوں نے خوش خوش آغازِ نغمہ سازی
ساقی نے جامِ زرّیں بھر بھر کے مے پلائی

دیکھ اُس کو اور محفل اُس کی، نظیرؔ ہر دم
کیا کیا بسنت آ کر اُس وقت جگمگائی

(۲۶)

ہولی

ہوا جو آ کے نشاں آشکار ہولی کا
بجا رباب سے مل کر ستار ہولی کا
سرود، رقص ہوا بے شمار ہولی کا
ہنسی خوشی میں بڑھا کاروبار ہولی کا
زباں پہ نام ہوا بار بار ہولی کا

خوشی کی دھوم سے ہر گھر میں رنگ بنوائے
گلال عبیر کے بھر بھر کے تھال رکھوائے
نشوں کے جوش ہوئے راگ رنگ ٹھہرائے
جھمکتے روپ کے بن بن کے سوانگ کھلائے
ہوا ہجوم عجب ہر کنار ہولی کا

گلی میں کوچے میں غل شور ہو رہے اکثر
چھڑکنے رنگ لگے یار ہر گھڑی بھر بھر
بدن میں بھیگے ہیں کپڑے گلال چہروں پر
مچی یہ دھوم تو اپنے گھروں سے خوش ہو کر

لہ عین تقطیع میں نہیں آ سکتا۔ بیچ طرح بند ۴ شعر اول کے مصرع دوم کا اور بند ۸ کے شعر اول مصرع ثانی کا عین ۱۲ آسی

تماشا دیکھنے نکلے نگار ہولی کا

بہار چھڑکواں کپڑوں کی جب نظر آئی
نگر ڈالے پکارا اک شیدائی[1]
ہر عشق باز نے دل کی مراد بھر پائی
میاں یہ تم نے جو پوشاک اپنی دکھلائی
خوش آیا اب ہمیں نقش و نگار ہولی کا

تمہارے دیکھ کے منھ پر گلال کی لالی
نگر نے دی ہے گلرنگ کی بھری پیالی
ہمارے دل کو ہوئی ہر طرح کی خوشحالی
جو ہنس کے دو ہمیں پیارے تم اس گھڑی گالی
تو ہم بھی جانیں کہ ایسا ہے پیار ہولی کا

جو کی ہے تم نے یہ ہولی کی طرفہ تیاری
تمہاری آن[2] بہت ہم کو لگتی ہے پیاری
تو ہنس کے دیکھو ادھر کو بھی جان یک باری
لگا دو ہاتھ سے اپنے جو ایک پچکاری
تو ہم بھی دیکھیں بدن پہ سنگار ہولی کا

تمہارے ملنے کا رکھ کر ہم اپنے دل میں دھیان
یہ خوش دلی کا جو ٹھہرا ہے آن کر سامان
کھڑے ہیں آس لگا کر کہ دیکھ لیں اک آن
گلے میں ڈال کے بانہیں خوشی سے تم اے جان
پنھاؤ ہم کو بھی اک دم یہ ہار ہولی کا

ادھر سے رنگ لیے آؤ تم ادھر سے ہم
خوشی سے بولیں ہنسیں ہولی کھیل کر باہم
گلال عبیر ملیں منھ پہ ہو کے خوش ہر دم
بہت دنوں سے ہمیں تو تمہارے سر کی قسم
اسی امید میں تھا انتظار ہولی کا

بتوں کی گالیاں ہنس ہنس کے کوئی سہتا ہے
لگا کے تاک کوئی منھ کو دیکھ رہتا ہے
گلال پڑتا ہے کپڑوں سے رنگ بہتا ہے
نظیر یار سے اپنے کھڑا یہ کہتا ہے
مزا دکھا ہمیں کچھ تو بھی یار ہولی کا

---

[1] شیدا کی بجائے شیدائی کو بعض فصحا غیر فصیح سمجھتے ہیں کیونکہ شیدا خود ہی شیدائی کے معنی دیتا ہے۔ مگر یہ خیال درست نہیں فصحائے ایران نے اس طرح استعمال کیا ہے جیسے کہ حافظ کا یہ شعر ہے
حافظ شب ہجراں شد صبح شب وصل آمد
شادیت مبارکباد اے عاشق شیدائی
یہاں صرف شیدائی ہی نہیں عاشق بھی شیدائی کے معنوں میں موجود ہے۔ دوسرے مصرع میں کھلائی ہے غلطاً اس کی بجائے دکھائی زیادہ فصیح جانتے ہیں ۱۲ آسی

[2] آن ناز انداز و ادا وغیرہ ۱۲ آسی

(۲۷)

ہولی

قاتل جو میرا اوڑھے اک سرخ شال آیا
کھا کھا کے پان ظالم کر ہونٹھ لال آیا
گویا نکل شفق سے بدر کمال آیا
جب منھ سے وہ پریرو مل کر گلال آیا
اک دم تو دیکھ اُس کو ہولی کو حال آیا

عیش و طرب کا ساماں ہے آج سب گھر اُسکے
اب تو نہیں ہے کوئی دنیا میں ہمسر اُس کے
از ماہ تا بماہی بندے ہیں بے زر اُس کے
کل وقت شام سورج ملنے کو منھ پر اُس کے
رکھ کر شفق کے سر پر طشت گلال آیا

خالص کہیں سے تازی اک زعفران منگا کر
مشک و گلاب میں بھی مل کر اُسے بسا کر
شیشے میں بھر کے نکلا چپکے لگا چھپا کر
مدت سے آرزو تھی اک دم لگا چکا کر
اک دن صنم پہ جا کر میں رنگ ڈال آیا

ارباب بزم بھر تو وہ شاہ اپنے لے کر
سب ہمنشین حب دلخواہ اپنے لے کر
چالاک چست کافر گمراہ اپنے لے کر
دس بیس گلرخوں کو ہمراہ اپنے لے کر
یونہیں بھگونے مجھ کو وہ خوش جمال آیا

عشرت کا اُس گھڑی تھا اسباب سب مہیا
بہتا تھا حسن کا بھی اُس جا پہ ایک دریا
ہاتھوں میں دلبروں کے ساغر کسی کے شیشا
کمروں میں جھولیوں میں سیروں گلال باندھا
اور رنگ کی بھی بھر کر مشک و پکھال آیا

عیارگی سے پہلے اپنے تئیں چھپا کر
چاہا کہ میں بھی نکلوں اُن میں سے چھٹ چھٹا کر
دوڑے کئی یہ کہکر جاتا ہے دم چرا کر
اتنے میں گھیر مجھ کو اور شور و غل مچا کر
اُس دم کمر تک رنگ و گلال آیا

یہ چہلؔ تو کچھ اپنی قسمت سے مچ رہی تھی
یہ آبرو کی پردہ حرمت سے بچ رہی تھی
کیسا سماں تھا کیسی شادی سی رچ رہی تھی
اُس وقت میرے سر پر اک دھوم مچ رہی تھی
اُس دھوم میں بھی مجھکو جو کچھ خیال آیا

لازم نہ تھی یہ حرکتؔ اے خوش صفیر تجھ کو
اظہر ہے سب کہے ہیں مل کر شریر تجھ کو
کرتے ہیں اب ملامت خرد و کبیر تجھ کو
لاحول پڑھ کے شیطان بولا نظیرؔ تجھ کو
اب ہولی کھیلنے کا پورا کمال آیا"

(۲۸)

ہولی

پھر آنکے عشرت کا مچا ڈھنگ زمیں پر
اور عیش نے عرصہ ہے کیا تنگ زمیں پر
ہر دل کو خوشی کا ہوا آہنگؔ زمیں پر
ہوتا ہے کہیں راگ کہیں رنگ زمیں پر
بجتے ہیں کہیں تال کہیں زنگؔ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

گھنگرو کی پڑی آن کے پھر کان میں جھنکار
سارنگی ہوئی بین طنبوروں کی مددگار
طبلوں کے کھٹکے طبل پہ سازوں کے بجے تار
راگوں کے کہیں غل کہیں ناچوں کے بندھے تار
ڈھولک کہیں جھنکار ہے نے مردنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

اس رت میں چمن پر بھی عجب رنگ چڑھا ہے
اور جنگل و بن پر بھی عجب رنگ چڑھا ہے
ہر شوخ کے تن پر بھی عجب رنگ چڑھا ہے
عاشق کے بدن پر بھی عجب رنگ چڑھا ہے
سب عیش کے رنگوں میں ہے ہم رنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

۱؎ ہنسی مذاق۔ دھوم دھام ۱۲
۲؎ حرکت یعنی ہولی [illegible] کے معنی میں سمجھا جاتا ہے ۱۲
۳؎ ارادہ ۱۲
۴؎ زنگ — گھنگرو، گھنگرو
آئی

مارا ہے لپٹ ہولی کے رنگوں نے عجب جوش
ہیں ناچ کہیں راگ کہیں رنگ کہیں نوش
جو رنگ میں اک خلق بنی پھرتی ہے گل پوش
پیتے ہیں نشے عیش میں سب لوٹیں ہیں مدہوش

معجون کہیں پیتے ہیں کہیں بنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

میخانے میں دیکھو تو عجب سیر ہے یارو
مستی سے سوا عیش نہیں ہوش کسی کو
واں مست پڑے لوٹے ہیں اور کرتے ہیں ہوہو
شیشوں میں پیالوں میں صراحی میں خوشی ہو

اُچھلی ہے پڑی بادۂ گلرنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

گاگا کی پکاریں کہیں رنگوں کی چھڑک ہے
طبلوں کی صدائیں کہیں تالوں کی جھنک ہے
مینا کی بھبک اور کہیں ساغر کی چھلک ہے
تالی کی بہاریں کہیں ٹھلیا کی کھڑک ہے

بجتا ہے کہیں دف کہیں مرچنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

مستی میں اُٹھا آنکھ جدھر دیکھو اہا ہا!
چلتے ہیں کہیں جام کہیں سوانگ کا چرچا
ناچے ہے طوائف کہیں مٹکے ہے بھبوتیا[1]
اور رنگ کو گلیوں میں جو دیکھو تو ہر اک جا

بہتی ہیں امنڈ کر جمن و گنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

معمور ہے خوباں سے گلی کوچہ و بازار
چھایا ہے گلالوں کا ہر اک جا پہ دھواں دھار
اُڑتا ہے عبیر اور کہیں پچکاری کی ہے مار
پڑتی ہے جدھر دیکھو اُدھر رنگ کی بوچھار

ہے رنگ چھڑکنے سے ہر اک دنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

بھاگے ہے کہیں رنگ کسی پر جو کوئی ڈال
وہ پوٹلی مارے ہے اُسے دوڑ کے فی الحال

[1] ناچنے والا بھاؤ بتا بتا کر ناچنے والا ۱۲

یہ ٹانگ گھسیٹے ہے تو وہ کھینچے پکڑ بال
وہ ہاتھ مروڑے تو یہ توڑے ہے کھڑا گال

اس ڈھب کے ہر اک جا یہ مچے ڈھنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

بیٹھے ہیں سب آپس میں نہیں ایک بھی گڑوا[1]
پچکاری اٹھا کر کوئی جھمکا دے ہے گھڑوا[2]
بھرتے ہیں کہیں مشک کہیں رنگ کا گڑوا[3]
کیا شاد وہ ہوتا ہے جسے کہتے ہیں بھڑوا

سننے میں یہاں تک نہیں اب ننگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

ہولی کی نظیر اب جو بہاریں ہیں اہا ہا
محبوب رنگیلیوں کی قطاریں ہیں اہا ہا
کپڑوں پہ بھی رنگ کی دھاریں ہیں اہا ہا
سب "ہولی ہے ہولی" ہی پکاریں ہیں اہا ہا

کیا عیش ہے کیا رنگ ہے کیا ڈھنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

(۲۹)

ہولی

جب آئی ہولی رنگ بھری سو ناز و ادا سے مٹک مٹک
اور گھونگھٹ کے پٹ کھول دیئے وہ روپ دکھایا چمک چمک
کچھ مکھڑا کرتا دمک دمک کچھ ابرن[4] کرتا جھلک جھلک
جب پاؤں رکھا خوش وقتی سے تب پائل باجی جھنک جھنک

کچھ اچھلیں سنکیں ناز بھریں کچھ کودیں آہیں تھرک تھرک

یہ روپ دکھا کر ہولی کے جب نین رسیلے ٹک مٹکے
منگوائے تھال گلالوں کے بھر ڈالے رنگوں سے مٹکے
پھر سانگ بہت تیار ہوئے اور ٹھاٹھ خوشی کے جھڑ جھٹکے
غل شور ہوئے خوشحالی کے اور ناچنے گانے کے کھٹکے

مردنگیں باجیں تال بجے کچھ کھنک کھنک کچھ دھنک دھنک

پوشاک چھڑکواں سے ہر جا تیاری رنگیں پوشوں کی
اور بھیگی جا کر رنگوں سے ہر کنج گلی اور کوچوں کی

[Margin notes:] لہ گڑوا: ایک ہندوانہ زیور ۱۲ سکہ پانی رکھنے کا ایک برتن ۱۲ ستہ ابرن یا ابھرن زیور ۱۲ ہکہ لنگا ہیں ۱۲ ہشہ جبیں کی بجائے باجیں۔ جگہ کی جا ہوگا یا ہر بار کی جگہ ہر بار ہی اب فصحا کے یہاں متروک ہیں ۱۲ منہ

ہر جا گزر دلرباؤں سے ہوئی زینت سب آغوشوں کی
سو عیش و طرب کی دھومیں ہیں اور محفل ہے منوشوں کی
مے نکلی جام گلابی سے کچھ لہک لہک کچھ چھلک چھلک

ہر چار طرف خوش وقتی سے دف باجے رنگ اور رنگ مچے
کچھ دھومیں فرحت عشرت کی کچھ عیش خوشی کے رنگ مچے
دل شاد ہوئے خوشحالی سے اور عشرت کے سو ڈھنگ مچے
پر جھمکی رنگت ہولی کی جو دیکھنے والے دنگ ہوئے
محبوب پری رو بھی نکلے کچھ جھمک جھجک کچھ ٹھمک ٹھمک

جب خوباں آئے رنگ بھرے پھر کیا کیا ہو دھما دھمکی تھی
کچھ حسن کی جھمکیں نازبھری کچھ شوخی ناز اداؤں کی
سب چاہنے والے گرد کھڑے نظارہ کرتے ہنس ہنس کر
محبوب بنے کی خوبی میں پھر عاشق اور ہر گھڑی گھڑی
ہر رنگ چھڑکتے سرخی کے کچھ لپک لپک کچھ جھپک جھپک

ہے دھوم خوشی کی ہر جانب اور کثرت ہے خوش وقتی کی
ہیں چرچے ہوتے فرحت کے اور عشرت کی بھی دھوم مچی
خوباں کے رنگیں چہروں پر سب آن نگاہیں ہیں لڑتی
محبوب بھگوئیں عاشق کو اور عاشق ہنس کر اُن کو بھی
خوش ہو کر اُن کو بھگو دیں ہیں کچھ اٹک اٹک کچھ ہمک ہمک

وہ شوخ رنگیلا جب آیا یاں ہولی کی کر تیاری
پوشاک سنہری زیب بدن اور ہاتھ چمکتی پچکاری
کی رنگ چھڑکنے سے کیا کیا اُس شوخ نے ہر دم عیاری
ہم نے بھی نظیرؔ اُس چنچل کو پھر خوب بھگویا ہر باری
پھر کیا کیا رنگ بہے اُس دم کچھ ڈھلک ڈھلک کچھ چپک چپک

(۳۰)

ہولی

میاں تو ہم سے نہ رکھ کچھ غبار ہولی میں
کہ روٹھے ملتے ہیں آپس میں یار ہولی میں
مچی ہے رنگ کی کیسی بہار ہولی میں
ہوا ہے زور چمن آشکار ہولی میں
عجب یہ ہند کی دیکھی بہار ہولی میں

اب اس مہینے میں پہنچی ہے یاں تلک چال
فلک کا جامہ پہن سرخی شفق سے لال

بنا کے چاند کے سورج کے آسماں پہ تھال
فرشتے کھیلیں ہیں ہولی بنا عبیر و گلال
تو آدمی کا بھلا کیا شمار ہولی میں

سنا کے ہولی جو زہرہ بجاتی ہے طنبور
تو اُس کے راگ سے بارہ برج ہیں معمور
چھوؤں ستاروں کے اوپر پڑا ہے رنگ کا نور
بھنوں کے سر پہ یہ ہر دم پکارتی ہے حور
اگر رنگ سے کوئی مت کیجو عار ہولی میں

جو گھر کے ابر کبھی اس مزے میں آتا ہے
تو بادلوں میں وہ کیا کیا ہی رنگ لاتا ہے
خوشی سے رعد بھی ڈھولک کی گت لگاتا ہے
ہوا کو ہولیاں گا گا کے کیا نچاتا ہے
تمام رنگ سے پُر ہے بہار ہولی میں

چمن میں دیکھو تو دن رات ہولی رہتی ہے
شراب ناب کی گلشن میں نہر بہتی ہے
نسیم پیار سے غنچے کا ہاتھ گہتی ہے
تو باغبان سے بلبل کھڑی یہ کہتی ہے
نہ چھیڑ مجھ کو تو اے بدشعار ہولی میں

گلوں نے پہنے ہیں کیا کیا ہی جوڑے رنگ برنگ
کہ جیسے لڑکے یہ معشوق پہنتے ہیں تنگ
ہوا سے پتوں کے بجتے ہیں تال اور مردنگ
تمام باغ میں کھیلیں ہیں ہو کے گل کے سنگ
عجب طرح کی مچی ہے بہار ہولی میں

امیر جتنے ہیں سب اپنے گھر میں ہیں خوشحال
تنہ میں پہنے ہوئے تنگ تنگ گل کی مثال
بنا کے گہری طرح حوض مل کے سب فی الحال
مچاتے ہولیاں آپس میں لے عبیر و گلال
بنے ہیں رنگ سے رنگیں نگار ہولی میں

یہ سیر ہولی کی ہم نے تو برج میں دیکھی
کہیں نہ ہووے گی اس لطف کی میاں ہولی
کوئی تو ڈوبا ہے دامن سے لے کے تا چولی
کوئی تو مرلی بجاتا ہے کہہ "کنھیا جی"
ہے دھوم دھام یہ بے اختیار ہولی میں

کھڑی ہے سانوری اور گوپیاں نکل چپلیاں
کسنبی اوڑھنی اور مست کرتی اٹھکھیلیاں

جدھر کو دیکھیں اُدھر مچ رہی ہیں رنگ رلیاں
تمام برج کی پریوں سے بھر رہی ہیں گلیاں
مزا ہے، سیر ہے د۔ ہر کنار ہولی میں

جو کچھ کہانی ہے ابلا بہت پیا ماری
چلی ہے اپنے پیا پاس لے کے پچکاری
گلال دیکھ کے پھر چھاتی کھول دی ساری
پیا کی چھاتی سے لگتی وہ چاؤ کی ماری
نہ تاب دل کو رہی نے قرار ہولی میں

جو کل سیانی ہے اُن میں تو کوئی ہے نا کند
وہ شور بور رہتی سب نگ سے نبٹ یک چند
کوئی دلاتی ہے ساتھن کو یار کی سوگند
کر اب تو جامۂ دا انگیا کے ٹوٹے ہیں بند سب
پھر آ کے کھیلیں گے ہو کر دو چار ہولی میں

نظیر ہولی کا موسم جو جگ میں آتا ہے
وہ ایسا کون ہے ہولی نہیں مناتا ہے
کوئی تو رنگ چھڑکتا ہے کوئی گاتا ہے
جو خالی رہتا ہے وہ دیکھنے کو جاتا ہے
جو عیش چاہو سو ملتا ہے یار ہولی میں

(۳۱)

ہولی

سفید و زرد کی لڑائی

جدا نہ ہم سے ہوئے خوش جمال ہولی میں
کہ یار پھرتے ہیں یاروں کے نال ہولی میں
ہر ایک عیش سے ہے گنجال ہولی میں
بہار اور رنگ آب کے ہے سال ہولی میں
مزا ہے سیر ہے ہر سو کمال ہولی میں

سبھوں کے عیش کو بھاگن کا یہ مہینا ہے
سفید و زرد میں لیکن کمال کینا ہے
طلا کا زرد کنے سر بسر خزینا ہے
سفید پاس فقط سیم کا دفینا ہے

سلہ ابلا: نازک اندام عورت ۱۲ سلہ سیانی سن تمیز کو پہنچی ہوئی.. نبٹ: بالکل برابر سلہ نگ: زیور سلہ نال: ساتھ ہمراہ ۱۲ سلہ ہے: سے کے بجائے ہیگانی نظم فصیح نہیں سمجھا جاتا ۱۲ آسی

ہر ایک دل میں ہے رنجم و ملال ہولی میں

کہا سفید سے آخر کو زرد نے یہ پیام
کہ اے سفید تو اب چھوڑ دے جہاں کا مقام
میں آیا اب تو مرا بند و بست ہوگا تمام
تو مجھ سے آن کے مل چھوڑ اپنی ضد کا کلام
وگر نہ کھینچے گا تو انفعال ہولی میں

ملے گا مجھ سے تو میں تجھ کو پھر بڑھاؤں گا
بنا کے آپ سا پاس اپنے بٹھاؤں گا
کہا سفید نے "میں مطلقاً نہ آؤں گا
تجھی کو بعد کئی دن کے میں بھگاؤں گا
تو اپنا دیکھیو کیا ہوگا حال ہولی میں"

یہ سن کے طیش میں آ زرد کا سپہ سالار
چڑھ آیا فوج کو لے کر سفید پر یک بار
ادھر سفید بھی لڑنے کو ہو کے آیا سوار
صف مقابلہ دونوں کی جب ہوئیں تیار
ہوا کرخت جواب و سوال ہولی میں

ملا ادھر سے سفید اور ادھر سے زرد بہار
گھٹا میں رنگ برنگ فوجوں کی جھلکیں سرشار
پکھالیں مشکیں چھٹیں رنگ کی بڑی بوچھار
اور چار طرف سے پچکاریوں کی مار امار
اُڑا زمیں سے زماں تک گلال ہولی میں

یہاں تو دونوں میں آپس میں ہو رہی یہ جنگ
اُدھر سے آیا جو اک شوخ باغ گلرنگ
ہزاروں ناز میں معشوق اور اُس کے سنگ
نشے میں مست کھلی زلف جوڑے رنگ برنگ
کہا کہ پوچھو تو کیا ہے یہ حال ہولی میں

کہا کسی نے کہ اے بادشاہ مہر دیال
سفید و زرد یہ آپس میں لڑ رہے ہیں یہاں
یہ سن کے آپ وہ دونوں کے آ گیا درمیاں
ادھر سے تھاما انہیں اور اُدھر سے سکو کر ہاں
تم اس قدر نہ کرو اختلال ہولی میں

کہا تمھاری خصومت کا ماجرا ہے کیا
کہا سفید نے ناحق یہ زرد ہے لڑتا
یہ سن کے اُس نے دیا اپنا اک رنگا جوڑا
پھر اپنے ہاتھ سے جوڑے کو چھڑکواں رنگوا

لے اب نظم میں دوڑ کا اظہار غیر فصیح سمجھا جاتا ہے ۱۲
۲ے اور کی "ر" تقطیع میں نہیں آتی مگر قدما اس طرح لکھ جاتے تھے ۱۲
۳ے اختلال خلل پڑنا ۱۲ آسی

کہا کہ دونوں رہو شاملِ حال ہولی میں

پھر اپنے تن میں جو پہنا وہ خلعتِ رنگیں
ہزاروں لڑکوں نے پہنے وہ جوڑے بھڑوں میں
سبھوں کو حکم کیا "تم بھی پہنو اب یوں ہیں"
پکاری خلق کہ انصاف چاہیئے یوں نہیں"
ہوا پھر اور ہی حسن و جمال ہولی میں

میاں میں کیا کہوں پھر اس مزے کی ٹھہری بہار
ہزاروں باغ رواں ہیں کروڑوں ہیں گلزار
جدھر کو آنکھ اُٹھا کر نظر کرو اک بار
چمن چمن پڑے پھرتے ہیں سرو گل رخسار
عجب بہار کے ہیں نونہال ہولی میں

جو نہر حسن کی ہے موج مار چلتی ہے
اگاڑی[2] مست صفِ گلعذار چلتی ہے
علم لئے ہوئے آگے بہار چلتی ہے
پچھاڑی عاشقوں کی سب قطار چلتی ہے
سبھوں کے دل میں خوشی کا خیال ہولی میں

گلال عبیر سے کتنے بھرے ہیں جو پائے
کوئی کہے ہے کسی سے کہ ہم بھی لو آئے"
تمام ہاتھوں میں گڑوے[3] بھی رنگ کے لائے
تو اُس سے کہتا وہ ہنس کر کہ "آمرے جائے"
ہنسی خوشی کا ہے قال و مقال ہولی میں

اسی بہار سے گوکل پورے[4] میں جا پہنچے
سب عالم گنج میں شاہ گنج و ناج گنج پھرے
اور منڈی نائی کی اور سید خاں کی منڈی سے
ہیں شہر میں نہیں اور گرد شہر کے رہتے
ہوا ہجوم کا بحر کمال ہولی میں

سبھوں کو لے کے کناری بزار میں آئے
کہ میل منڈی و بتی گلی کے بھی آئے
پھر موتی کٹرے بلیچی کے لوگ سب دھائے
جہاں تہاں سے یہ گھر گھر کے لوگ سب دھائے
کہ بینواؤں کے دیکھیں جمال ہولی میں

ہوئی جو سب میں شریف و رذیل میں ہولی
کسی کا بھر گیا جامہ[6] کسی کی پگڑی بھری
تو پہلے رنگ کی پچکاریوں کی مار ہوئی
کسی کے منہ پہ لگائی گلال کی مٹھی

[1] مطابق جملہ۔
[2] آگے کی جگہ اگاڑی اور پیچھے کی جگہ پچھاڑی اب نہیں لکھتے بلکہ اگاڑی پچھاڑی اُن رسیوں کے لئے مستعمل ہے جو گھوڑے کے اگلے اور پچھلے پاؤں میں باندھ کر میخ وغیرہ سے باندھ دیتے ہیں۔
[3] گڑوا پانی رکھنے کا برتن۔
[4] گوکل پورہ۔
[5] نائی کی منڈی، عالم گنج، شاہ گنج، کناری بازار، موتی کٹرہ، بیلن گنج، بتی گلی، بلیچی۔ سب اکبر آباد کے محلوں کے نام ہیں ۱۲ آسی۔
[6] جامہ بمعنی کپڑا، قبا، پیراہن، نوشاہ کا ایک خاص لباس ۱۲ آسی

تو رفتہ رفتہ ہوئی پھر یہ چال ہولی میں

گھٹائیں مشک و کپھالوں کی جھوم کر آئیں ∗ سنہری بجلیاں پچکاریوں کی چمکائیں
حبابے رنگ کی بوچھاریں آکے برسائیں ∗ ہوائے آن کے ساون کی جھڑیاں بندھوائیں
لگی برسنے کو مشک و کپھال ہولی میں

ادھر گلال کا بادل بھی چھپ گیا گھنگھور ∗ صدائے رعد ہوئی ہر کسی کا غل اور شور
یہ لڑکے نازنیں بولیں ہیں کوکلا جوں مور ∗ تمام رنگ کی بوچھار سے ہیں شورابور
عجب ہے رنگ لگی برشگال ہولی میں

لگا کے چوک سے اور چار سو تلک دیکھا ∗ کہ جاگہ ایک بھی تل دھرنے کی نہیں ہے ذرا
تمام بھیڑ سے ہر طرف بند ہے رستا ∗ تس اوپر رنگ کا بادل ہے اس قدر برسا
کہ ہر گلی میں بہا ڈھولی کھال ہولی میں

نظیر ہولی تو ہے ہر نگر میں اچھی خوب ∗ ولیک ختم ہوا آگرے پہ یہ اسلوب
کہاں ہیں ایسے صنم اور کہاں ہیں یہ محبوب ∗ جنھوں کے دیکھے سے عاشق کا ہووے تازہ قلوب (صحیح)
نسخہ بدل — ترحمی نرالی ہے یاں چال ڈھال ہولی میں

(۳۲)

ہولی

ملنے کا ترے رکھتے ہیں ہم دھیان ادھر دیکھ ∗ بھاتی ہے بہت ہم کو تری آن ادھر دیکھ
ہم چاہنے والے ہیں ترے جان ادھر دیکھ ∗ ہولی ہے صنم ہنس کے تو اک آن ادھر دیکھ
اے رنگ بھرے نو گل خنداں ادھر دیکھ

ہم دیکھنے تیرا یہ جمال اس گھڑی اے جاں ∗ آئے ہیں یہی کر کے خیال اس گھڑی اے جاں
تو دل میں نہ رکھ ہم سے ملال اس گھڑی اے جاں ∗ مکھڑے پہ ترے دیکھ گلال اس گھڑی اے جاں

[illegible] کو عام طور پر [illegible] کو کہتے ہیں ۱۲ [illegible] شدہ برشگال - برسات ۱۲ آسی [illegible] ڈھولی کھال [illegible] آگرے میں [illegible] کی [illegible] کا نام ہے ممکن ہے کہ [illegible] ہولی کھال [illegible] جہاں ہولی [illegible] ہوتے ہیں [illegible] ۱۲ [illegible] قلوب - بجائے قلب تازہ ہو ممکن ہے کہ اس وقت لکھا جاتا ہو - مگر اب درست نہیں ۱۲ آسی

ہولی بھی یہی کہتی ہے اے جان ادھر دیکھ

اب زرد پہ چیرا جو ترے سر پہ جما ہے
نیمہ بھی ترا رنگ سے کیسر کے بھرا ہے
اور اُس پہ یہ طرّہ جو زری کا بھی دھرا ہے
پوشاک پہ تیری گل صد برگ فدا ہے
نرگس تری آنکھوں پہ ہے قربان ادھر دیکھ

ہولی کی طرب ہے جو ہر اک جا میں نمودار
ہے دل میں ہمیں تو تری نظروں سے سروکار
سنتے ہیں کہیں راگ کہیں مے سے ہیں سرشار
پچکاری ہمارے تو لگا یا نہ لگا یار
ہم کو تو فقط ہے یہی ارمان ادھر دیکھ

ہے دھوم سے ہولی کی کہیں شور کہیں غل
دف بجتے ہیں سب ہنستے ہیں اور دھوم ہے بالکل
ہوتا نہیں کچھ رنگ چھڑکنے میں تامل
ہولی کی خوشی میں تو نہ کر ہم سے تغافل
اے جان ہمارا بھی کہا مان ادھر دیکھ

ہے دید کی ہر آن طلب دل کو ہمارے
ہیں یاں جو کھڑے آن کے اس شوق کے مارے
جیتے ہیں فقط تیری نگاہوں کے سہارے
ہم ایک نگہ کے ترے مشتاق ہیں پیارے
ٹک پیار کی نظروں سے مری جان ادھر دیکھ

ہر چار طرف ہولی کی دھومیں ہیں اہا ہا
ہر آن جھمکتا ہے عجب عیش کا چرچا
دیکھو جدھر آتا ہے نظر روز تماشا
ہولی کو نظیر اب تو کھڑا دیکھے ہے یاں کیا!
محبوب یہ آیا ارے نادان ادھر دیکھ

(۳۳)

ہولی کی بہاریں

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
پریوں کے رنگ دمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
اور دف کے شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
خم شیشے جام چھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

لے چیرا: ایک قسم کی پگڑی۔ طرّہ: زری کے کناروں کا گچھا۔ یعنی تاروں کا۔ لے نیمہ: ایک قسم کا اونچا جامہ۔ کیسر: زعفران۔ گل صد برگ: ایک قسم کا گلاب کا بہت عمدہ پھول ۱۲ آسی

محبوب نشے میں چھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا بیٹھے ہوں گلرو رنگ بھرے
کچھ بھیگی تانیں ہولی کی کچھ ناز و ادا کے ڈھنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے کچھ عیش کے دم منھ چنگ بھرے
کچھ گھنگرو تال چھنکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا
وہ سب سامان مہیا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھ ہو رنگ کے ڈوبوں کا
اس عیش مزے کے عالم میں اک غول کھڑا محبوبوں کا
کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

گلزار کھلے ہوں پریوں کے اور مجلس کی تیاری ہو
کپڑوں پر رنگ کے چھینٹوں سے خوش رنگ عجب گلکاری ہو
منھ لال گلابی آنکھیں ہوں اور ہاتھوں میں پچکاری ہو
اس رنگ بھری پچکاری کو انگیا پر تک کر ماری ہو
سینوں سے رنگ ڈھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اس رنگ رنگیلی مجلس میں وہ رنڈی ناچنے والی ہو
منھ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو اور آنکھ بھی مے کی پیالی ہو
بدمست بڑی متوالی ہو ہر آن بجاتی تالی ہو
مے نوشی ہو بے ہوشی ہو بھڑوے کی منھ میں گالی ہو
بھڑوے بھی بھڑوا بکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اور ایک طرف دل لینے کو محبوب بھوتیوں کے لڑکے
ہر آن گھڑی گت بھرتے ہوں کچھ گھٹ گھٹ کے کچھ بڑھ بڑھ کے
کچھ ناز جتاویں لڑ لڑ کے کچھ ہولی گاویں اڑ اڑ کے
کچھ لچکیں شوخ کمر پتلی کچھ ہاتھ چلے کچھ تن پھڑکے
کچھ کافر نین مٹکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہو دھوم عبیروں کی تس پر چھائے ہوں ابر گلالوں کے
اور بھڑوا بھڑوا کہہ کہہ کر آ گھیریں غول زنانوں ... کے
کچھ ریلے رنگ چھڑکنے کے کچھ لٹکے بھیگے بالوں کے
کچھ ہاتھ پکڑ کے کچھ ... ل کچھ بوسے لے گالوں کے
جی جان مزے میں چھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

دیکھ اُن کی انگیا رنگ بھری اک دل میں جوش اٹھے بارے
ہو تیر کٹارا ... میں چھٹتے ہوں .... کے فوارے
کوئی دیکھ پکارے پیارے رے! کوئی دیکھ پکارے وا یارے!
غش چنچل غول زنانوں کے اس تیر کی ہیبت کے مارے

سلہ منھ چنگ ایک باجے کا نام جو منھ سے بجایا جاتا ہے ۱۲
سلہ ٹھٹھ مجمع ۔ بھیڑ ۱۲
سلہ بھاؤ بتا کر ناچنے والے
سلہ غول ۔ گروہ
جہاں نقطے لگے ہیں وہاں سے غیر مہذب الفاظ نکال دیے ہیں ۱۲ آسی

دہشت سے دور بھٹکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

شہزور کماں ہو... کی اور تیر کھرا فولادی سر
ہر آن اچھل کر لگتا ہو اُس تودے پر اُس تودے پر
کوئی بھاگے ہاتھ کو پیچھے رکھ کوئی بھاگے ہاتھ کو آگے دھر
غٹ چنچل شوخ نشانوں کے اُس تیر کرٹے سے ڈر ڈر کر
سب آگا پیچھا ڈھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

غٹ چنچل شوخ... میں اُس تیر کی آکر ریل چل ہو
کوئی انگیا ڈھاکے پھرتی سے کوئی لیتی منھ پر آنچل ہو
کوئی ہاتھ رکھے ہو... پر اور پیٹ کسی کا کھل کھل ہو
سینے سے سینہ لگ لگ کر سو عیش مزے کی ریل پل ہو
... کے جوش بھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اُس جوش اُبلتی... میں پھر آکر دھینگا مشتی ہو
وہ ریلا کرکے آن پڑے اور یاں... کی سستی ہو
کچھ ہاتھ پکڑ کچھ... ل کچھ منھ میں شتا ہشتی ہو
بن جائے اکھاڑا عشرت کا اور عیش و طرب کی کشتی ہو
سب تن کے ہاڑ کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

کوئی نیچے دب کر کہتی ہو چلّا کر ہائے کچل ڈالا
... پر مار کے ہاتھوں کو... بھی صاف مسل ڈالا
کوئی پیٹ پکڑ کر بھاگی ہو یوں کہتی ہے ہے مل ڈالا
کوئی دھوم مچا کر کہتی ہو کم بخت نے سینہ دل ڈالا
جب یہ غل شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

یہ دھوم مچی ہو ہولی کی اور عیش مزے کا جھکڑ ہو
اُس کھینچا کھینچ گھسیٹی پر بھڑوے رنڈی کا پھکڑ ہو
معجون شرابیں ناچ مزا اور ٹکیا سلفا کھکڑ ہو
لڑ بھڑ کے نظیر بھی نکلا ہو کیچڑ میں لتھڑ پتھڑ ہو
جب ایسے عیش جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

(۳۴)

ہولی

آ جھمکے عیش و طرب کیا کیا جب حسن دکھایا ہولی نے
ہر آن خوشی کی دھوم ہوئی یوں لطف جتایا ہولی نے
ہر خاطر کو خرسند کیا ہر دل کو لبھایا ہولی نے
دف رنگیں نقش سنہری کا جو وقت بجایا ہولی نے

۱؎ دھینگا مشتی - زبردستی جھپیڑ کا کام - کشتی ۱۲ ۲؎ ہاڑ - ہڈیاں ۱۲ ۳؎ سلفہ - سلفہ گانجے چرس وغیرہ کی قسم کی چیز پینا - گڑگڑہ - ایک قسم کا حقہ ۱۲ ۴؎ لتھڑ پتھڑ - سنا ہوا شرابور ۱۲ آسی

بازار گلی اور کوچوں میں غل شور مچایا ہولی نے

یا سوانگ کہوں یا رنگ کہوں یا حسن بتاؤں ہولی کا
سب ابرن تن پر جھمک رہا اور کیسر کا ماتھے ٹیکا
ہنس دینا ہر دم ناز بھرا دکھلانا سج دھج شوخی کا
ہر گالی مصری قند بھری ہر ایک قدم اٹھکھیلی کا
دل شاد کیا اور موہ لیا یہ جوبن پایا ہولی نے

کچھ طبلے کھٹکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی
کچھ جھڑپیں بین ربابوں کی کچھ سارنگی اور چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈمڈمی اور منہ چنگ بجی
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجی
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

ہر جاگہ تھال گلالوں سے خوش رنگت کی گلکاری ہے
اور ڈھیر عبیروں کے لاگے سو عشرت کی تیاری ہے
ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
منہ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے
یہ روپ جھمکتا دکھلایا یہ رنگ دکھایا ہولی نے

پوشاکیں چھڑکیں رنگوں کی اور ہر دم رنگ افشانی ہے
ہر وقت خوشی کی جھمکیں ہیں پچکاریوں کی رخشانی ہے
کہیں ہوتی ہے دھینگا مشتی کہیں ٹھہری کھینچا تانی ہے
کہیں لٹیاں جھمکیں رنگ بھری کہیں جوتا کیچڑ پانی ہے
ہر چار طرف خوش حالی کا یہ جوش بڑھایا ہولی نے

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
رخسار گلالوں سے گلگوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ راگ اور رنگ جھمکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں
کچھ کودے ہیں کچھ اچھلے ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں
یہ طور یہ نقشا عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے

محبوب پری رو یاروں کی ہر جانب نوک جھوکی ہے
کچھ آن رنگیلی چلتی ہے کچھ بان ادھر سے روکی ہے
کچھ سینیں ترچھی سحر بھری کچھ گھات لگاوٹ ٹھوکی ہے
کچھ شور اہاہا کا کچھ دھوم اہو ہو ہو کی ہے
یہ عیش یہ خط یہ کام یہ ڈھب ہر آن جتایا ہولی نے

معجونوں سے رنگ لال ہوئے کہیں چلتی مے کی پیالی ہے
کہیں ساز طرب کے بجتے ہیں دل شاداں منہ پر لالی ہے
سو کثرت عیش مسرت کی خوش وقتی اور خوشحالی ہے
کچھ بولی ٹھولی پیار بھری کچھ گالی ہے کچھ تالی ہے

سلہ ڈھمڈھمی تنبوری دفلی ۱۲ سلہ خوش رنگت۔ قند پر وکب ہو سکتی ہے ۱۲ سلہ رخشندگی کی جگہ رخشانی۔ یا تابندگی کی جگہ تابانی مجھے لغت میں تلاش سے نہیں ملے ۱۲ سلہ سینین کی جمع۔ اشارے ۱۲ منہ

ان چہچہوں کا ان چہلوں کا یہ تار لگایا ہولی نے

ہیں کیا کیا سر میں تنگ بجے اور سوانگ بھی کیا کیا ہیں[1]
کر باتیں ہر دم چہل بھری خوش ہنستے اور ہنساتے ہیں
کچھ جوگی چیلے بیٹھے ہیں کچھ کامنیوں کی گاتیں[2] ہیں
کچھ اور طرح کے سوانگ نہیں کچھ ناچتے ہیں کچھ گاتے ہیں

ہر آن نظیر اس فرحت کا سامان دکھایا ہولی نے

(۴۴)

ہولی کی رنگ فشانی سے ہر رنگ یہ کچھ پیراہن کا
جو رنگ نگار رنگ بہاروں میں ہو صحن چمن اور گلشن کا
جس خوبی اور رنگینی سے گلزار کھلے ہیں عالم میں
ہر آن بھبھڑ کو ان جوڑوں سے ہے حسن کچھ ایسا ہی تن کا
لے جام لبالب بھر دنیا پھر ساقی کو کچھ دھیان نہیں
یہ ساغر پہنچے دست تلک یا ہاتھ لپکے دشمن کا
ہر محفل بیچ رقاصوں کا کیا سحر دلوں پر کرتا ہے
وہ حسن جتانا گانے کا اور جوش دکھانا جوبن کا
ہے روپ عبیروں کا ہوش اور رنگ گلالوں کا گلگوں
ہیں بھرتے جس میں رنگ نیا ہے رنگ عجب اس برتن کا
اس گلرو نے یوں ہم سے کہا کیا مستی اور مدہوشی ہے
نا دھیان ہمیں کچھ چولی کا نا ہوش تمھیں کچھ دامن کا

جب ہم نے نظیر اس گلرو سے یہ بات کہی ہنس کر کہ صنم
کیا پوچھے ہے اے رنگ بھری ہے مست مہینا پھاگن کا

(۴۵)

دوالی کا سامان

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا
ہر اک طرف کو اجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا
کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا

عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تیوہار
کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے ادھار
کھلونے کھیلوں بتاسوں کا گرم ہے بازار
ہر اک دکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار

[1] کامنی دلربا حسین عورت ۔ اس لفظ کا استعمال بعض طرزوں میں جوگن کے ساتھ بھی کیا گیا ہے ۔ جیسے بٹ دھاری جوگن کا خیال ۔ لہذا اس میں جوگن کا مفہوم بھی شامل ہے یعنی حسین جوگن یا جوگن کے بھیس میں حسین ۱۲
[2] گات کی جمع گاتیں نون کے ساتھ ہے مگر یہاں برعایت قافیہ نون کو حذف کر دیا ہے ۱۲ پروفیسر شہباز

سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

مٹھائیوں کی دکانیں لگا کے حلوائی
پکارتے ہیں کہ لالہ دوالی ہے آئی
بتاسے لے کوئی برفی کسی نے تلوائی
کھلونے والوں کی اُن سے زیادہ بن آئی

گویا انھوں کے واں راج آگیا دوالی کا

صرف حرام کی کوڑی کا جن کا ہے بیوپار
انھوں نے کھایا ہے اس دن کے واسطے ہی دھار
کہے ہیں ہنس کے قرضخواہ سے ہر اک اکبار
دوالی آئی ہے سب دے دلائیں گے اے یار

خدا کے فضل سے ہے آسرا دوالی کا

مکان لیپ کے ٹھلیا جو کوری رکھوائی
جلا چراغ کو کوڑی وہ جلد جھنکائی
اصل جواری تھے اُن میں تو جان سی آئی
خوشی سے کود اُچھل کر پکارے او بھائی

شگون پہلے کرو تم ذرا دوالی کا

شگن کی بازی لگی پہلے یار گنڈے کی
پھر اس سے بڑھ کے لگی تین چار گنڈے کی
پھری جو اپنی طرح بار بار گنڈے کی
تو آگے لگنے لگی پھر ہزار گنڈے کی

کمال نرخ لگا پھر تو آ دوالی کا

کسی نے گھر کی حویلی گرو رکھا ہاری
جو کچھ تھی جنس میسر بنا بنا ہاری
کسی نے چیز کسی کی چرا چھپا ہاری
کسی نے گٹھری پڑوسن کی اپنی لا ہاری

یہ ہار جیت کا چرچا پڑا دوالی کا

کسی کو داؤ پہ لانگی مٹوٹھ نے مارا
کسی کے گھر پہ دھرا سوختہ نے انگارا
کسی کو نرد نے چوپڑ کے کر دیا زارا
لنگوٹی باندھ کے بیٹھا ازار تک ہارا

یہ شور آکے مچا جا بجا دوالی کا

کسی کی جورو کہے ہے پکار دے بھڑوے
بہو کی توگری بیٹے کے ہاتھ کے گھڑوے
جو گھر میں آوے تو سب مل کے میں سو گھڑوے
نکل تو یاں سے ترا کام یاں نہیں بھڑوے

لہ لفظ برف
بر بیول و سکون دوم
صحیح ہے۔ مگر شاید
کاتب سے حرام کو
اتر کیا گیا ہے ۱۲
ٹہ ایش بفتح اول و
سکون دوم صحیح ہے
مگر شاید کاتب سے سہواً
کو عرش نظر انداز کر کے
لکھا گیا ہے ۱۲ تہ
گنڈہ چار کوڑی کا
ہوتا ہے۔ بیپار
ہے ۱۲ ٹہ گنی ہو
بھی ایک قسم کا جوا
ہوتا ہے۔ سوختہ
مصرع ثانی میں
شاید کسی قسم کے
جوے کے معنی
میں ملایا گیا ہے
مگر اس معنی میں
آمتہ بین کی نظر سے
نہیں گزرا ۱۲
ھہ ذرا شاید
مزید علیہ ذرا را
ہو ۱۲ تہ
تو گری بفتح کا
ایک زیور۔
کھڑوے بھی
ایک قسم کا زیور
ہوتا ہے ۱۲
ے گھڑوے
یہ لفظ بھی نگاہ
سے نہیں گزرا ۱۲
آسی

خدا نے تجھکو تو ٹھہرا کیا دوالی کا

وہ اُس کے جھونٹے پکڑ کر کے بے ماروں گا
ترا جو گہنا ہے سب تار تار اُتاروں گا
حویلی اپنی تو اک داؤ پر میں ہاروں گا
یہ سب تو ہارا ہوں خندی تجھے بھی ہاروں گا

چڑھا ہے تجھکو بھی اب تو نشا دوالی کا

تجھے خبر نہیں خندی یہ لت وہ پیاری ہے
تو اُس نے جورو کی نتھ اور ازار اُتاری ہے
کسی زمانے میں آگے ہوا جو جواری ہے
ازار کیا ہے کہ جورو تلک بھی ہاری ہے

سنا یہ تو نے نہیں ماجرا دوالی کا

جہاں میں یہ جو دوالی کی سیر ہوتی ہے
تو زر سے ہوتی ہے اور زر بغیر ہوتی ہے
جو ہارے اُن پہ خرابی کی فیر ہوتی ہے
اور اُن میں آن کے جن جن کی خیر ہوتی ہے

تو آڑے آتا ہے اُن کے دیا دوالی کا

یہ باتیں سچ ہیں نہ جھوٹ ان کو جانیو یارو
نصیحتیں ہیں انھیں دل میں ٹھانیو یارو
جہاں کو جاؤ یہ قصہ بکھانیو یارو
جو جواری ہو نہ بُرا اُس کا مانیو یارو

نظیرؔ آپ بھی ہے جواریا دوالی کا

(۳۷)

دیوالی

دوستو کیا کیا دیوالی میں نشاط و عیش ہے
سب مہیا ہے جو اس ہنگام کے شایاں ہے شے
اس طرح ہیں کوچہ و بازار پُر نقش و نگار
ہو عیاں حسنِ نگارستاں کی جن سے خوب رے
گرمجوشی اپنی با جامِ چراغاں لطف سے
کیا ہی روشن کر رہی ہے ہر طرف روغن کی مے
مائل سیرِ چراغاں خلق ہر جا و مدام
حاصلِ نظارہ حسنِ شمع رویاں پے بہ پے
عاشقاں کہتے ہیں معشوقوں سے با عجز و نیاز
ہے اگر منظور کچھ لینا تو حاضر ہیں روپے

گر مکر روعن کرتے ہیں تو کہتے ہیں وہ شوخ
کہتے ہیں اہل قمار آپسمیں گرم اختلاط
جیت کا پڑتا ہے جس کا داؤں وہ کہتا ہے یوں
ہم سے چلتے ہو یہاں تکرار و حجت تا سے کے
ہم تو ڈب میں سو روپے رکھتے ہیں تم رکھتے ہو کے
سوے دست راست ہے میرے کوئی فرخندہ پے

ہے دسہرے میں بھی یوں گو فرحت و زینت نظیرؔ
پر دیوالی بھی عجب پاکیزہ تر تیوہار ہے

(۳۸)

راکھی

چلی آتی ہے اب تو ہر کہیں بازار کی راکھی
بنی ہے گو کہ نادر خوب ہر سردار کی راکھی
سنہری سبز ریشم زرد اور گلنار کی راکھی
سلونوں میں عجب رنگیں ہے اُس دلدار کی راکھی
نہ پہونچے ایک گل کو یار جس گلزار کی راکھی

عیاں ہے اب تو راکھی بھی چمن بھی گل بھی شبنم بھی
تماشا ہے اہا ہا ہا! غنیمت ہے یہ عالم بھی
جھمک جاتا ہے موتی اور جھلک جاتا ہے ریشم بھی
اُٹھانا ہاتھ پیارے واہ وا ٹک دیکھ لیں ہم بھی
تمہاری موتیوں کی اور زری کے تار کی راکھی

مچی ہے ہر طرف کیا کیا سلونوں کی بہار اب تو
ہوس جو دل میں گزرے ہے کہوں کیا آہ میں تم کو
ہر اک گلرو پھرے ہے ہر راکھی باندھے ہاتھ میں خوش ہو
یہی آتا ہے جی میں بن کے باہمن آج تو یارو
میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھوں پیار کی راکھی

ہوئی ہے زیب و زینت اور خوباں کو تو راکھی سے
و یا تو بلبلیں نبول و دیکھ گل چھنے لگیں تنکے
ولیکن تم سے اب جان اور کچھ راکھی کے گل پھولے
تمہارے ہاتھ نے مہندی نے انگشتوں نے ناخن نے
گلستاں کی چمن کی باغ کی گلزار کی راکھی

ادا سے ہاتھ اُٹھتے ہیں گل راکھی جو ہلتے ہیں
کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا آہ! چھلتے ہیں

ند وہ رنگین ڈورا
جو بکشا بندھن
یا سلونو کے
دن ہندو اپنی
کلائی پر باندھتے
و برہمن وغیرہ
ان کی کلائی پر
باندھتے ہیں
تھی

کہاں نازک یہ پہونچے اور کہاں یہ رنگ ملتے ہیں
چمن میں شاخ پر کب اس طرح کے پھول کھلتے ہیں
جو کچھ خوبی میں ہے اُس شوخ گل رخسار کی راکھی

پھریں ہیں راکھیاں باندھے جو ہر دم حسن کے مارے
تو اُن کی راکھیوں کو دیکھ اے جاں چاؤ کے تارے
پہن زنار اور قشقہ لگا ماتھے اُپر بارے
نظیر آیا ہے باہمن بن کے راکھی باندھنے پیارے
بندھالو اُس سے تم ہنس کر اب اس تیوہار کی راکھی

(۳۹)

شہر اکبر آباد

شہر مکاں میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں
کیونکر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں
دیکھی ہیں آگرے میں بہت ہم نے خوبیاں
ہر وقت اس میں شاد رہے ہیں جہاں تہاں
رکھیو الٰہی اس کو تو آباد جاوداں

ہر صبح اس کی رکھتی ہے وہ نور گستری
شرمندہ جس کو دیکھ کے ہو عارض پری
ہر شام بھی وہ مشک ملاحت سے ہے بھری
لیلیٰ کی جعد کر نہ سکے جس کی ہمسری
دن روے مہر طلعت و شب زلف مہوشاں

باغات پر بہار، عمارات پُر نگار
بازار وہ کہ جس پہ چمن دل سے ہو نثار
محبوب دل فریب گل اندام و گلعذار
گلیاں کہیں ہیں آپ کو گلزار پُر بہار
کوچے کہیں ہیں اپنے تئیں صحن گلستاں

آب و ہوا کے لطف کوئی کیا کیا اب کہے
دیکھو جدھر اُدھر گل عشرت ہیں کھل رہے
اِدھر کو قہقہے ہیں تو اُدھر کو چہچہے
اشجار باغ شہر وہ سر سبز لہلہے
سبزی کو جن کی دیکھ کے حیراں ہو آسماں

ہر فصل میں وہ ہوتے ہیں پاکیزہ میوہ جات
دیکھے تو پھر نبات سے کچھ آوے بن نہ بات

شہد اُن پہ آٹھ پہر لگائے رہے ہیں گھات
قند و شکر بھی دل سے فدا ہوں دن اور رات
رہتے ہیں اُن کے وصف میں ہر دم شکر فشاں

بحرِ چمن کو دیکھو تو جیسے چمن کی نہر
لاکھوں بہاریں رکھتی ہے اک اک جس کی لہر
کوئی نہا دے اور کوئی سخود عوے شاد بہر
اُس پہ ہجوم رکھتے ہیں یوں ساکنانِ شہر
شمشاد سرو ہوتے ہیں جوں نہر پر عیاں

گریاں کے پیرنے کا کروں وصف میں رقم
تو بحرِ صفحہ بیچ لگے پیرنے قلم
پیرے ہیں اس روش کی بہاروں سے ہو بہم
سو سو چمن بھرے ہوئے شبنم کے دم بدم
آجاتے ہیں نظر وہیں دریا کے درمیاں

اہلِ شنا جو کرتے ہیں سو سو طرح شنا
لہریں نشاط و عیش کی اُٹھتی ہیں دل میں آ
ملتا نہیں کنارہ کچھ عشرت کے بحر کا
ساحل پہ جوشِ خلق سے ملتی نہیں ہے جا
ہوتا ہے وہ ہجوم بھی اک بحرِ بیکراں

یارو عجب طرح کا یہ دلچسپ ہے مقام
ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے ازدحام[ﻪ]
ہر طور دل رہے ہیں خوش اور طبع شاد کام
میری نظیرؔ دل سے یہی ہے دعا مدام
بستا رہے یہ شہر بصد امن اور امان

(۴۰)

کنھیا جی کی راس[ﻪ]

کیا آج رات فرحت و عشرت اساس ہے
ہر گلبدن کا رنگین و زرّیں لباس ہے
محبوب دلبروں کا ہجوم آس پاس ہے
بزمِ طرب ہے عیش ہے پھولوں کی باس ہے
ہر آن گوپیوں[ﻪ] کا یہی کھ بلاس[ﻪ] ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

ﻪ ازدحام کی جگہ اکثر لوگ اژدحام بولتے ہیں وہ صحیح نہیں ۱۲
ﻪ راس۔ ناچ۔ کھیل تماشا میلا وغیرہ
ﻪ گوپیاں۔ کنھیا جی کی سہیلیاں۔ گائے چرانے والیاں۔ دودھ بیچنے والیاں
ﻪ بلاس۔ خوش عیش چین اطمینان۔
کھ بلاس۔ کلام عشرت فرجام ۱۲

بکھرے پڑے ہیں فرش پہ منقیش اور زری
سکھیاں پھرے ہیں ایسی کہ جوں حور اور پری
بجتے ہیں تال گھنگرو دھر دنگ و خنجری
سن سن کے اس ہجوم میں موہن کی بانسری

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

آئے ہیں دھوم سے جو تماشے کو گلبدن
کرتے ہیں زرت کنج بہاری بصد برن
گویا کہ کھل رہے ہیں گلوں کے چمن چمن
اور گھنگروؤں کی سن کے صدائیں چھنن چھنن

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

پہونچے ہے آسماں تئیں مردنگ کی گمک
کرتی ہے مست دل کو مکٹ کی ہر اک جھلک
آواز گھنگروؤں کی قیامت جھنک جھنک
ایسا سماں بندھا ہے کہ ہر دم للک للک

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

حلقہ بنا کے کشن جو ناچیں ہیں ہاتھ جوڑ
اگر کسی کو پکڑے ہیں ڈریں ہیں کسی کو چھوڑ
پھرتے ہیں اس مزے سے کہ لیتے ہیں دل مروڑ
یہ دیکھ دیکھ کسی کا آپس میں جوڑ جوڑ

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

ناچیں ہیں اس بہار سے بن ٹھن کے نندلال
ہنستے ہیں چھیڑتے ہیں ہر اک کو دکھا جمال
سر پر مکٹ براجے ہے پوشاک تن میں لال
سکھیوں کے ساتھ دیکھ کے یہ کانھ جی کا حال

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

ہے روپ کشن جی کا جو دیکھو عجب انوپ
اور اُن کے ساتھ چمکے ہے سب گوپیوں کا روپ

لہ موہن فریفتہ کرنے والا کرشن کے جیبیوں ناموں میں سے ایک نام یہ بھی ہے ۔ اور نام جو اس نظم میں مستعمل ہوئے ہیں یہ ہیں :۔ کنج بہاری ۔ نندلال ۔ مرلیا والے ۔ کانھ جی ۔ کنھیا ۱۲ ۔ شہ زرت ۔ ناچ ۱۲ ۔ شہ برن ۔ رنگ ۱۲ ۔ شہ مکٹ ۔ تاج ۔ للک للک کر کچھ کہنا ۔ عاجزانہ التجا کرنا ۱۲ ۔ شہ انوپ بیشل بے نظیر ۔ نادر لاجواب ۱۲ انجہانی مرحوم

متابیاں چھٹیں ہیں گو نہ کھل رہی ہے دھوپ	اس روشنی میں دیکھو کے وہ روپ اور سروپ

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیّا کی راس ہے

ہنستی ہوئی جو پھرتی ہیں ساتھ اُن کے گوپیاں کرتی ہیں کشن جی سے ہر اک آن آن ہاں	ہیں اُن میں رادھا[1] ایسی کہ تاروں میں چندرماں[2] آپس میں اُن کے رمز و اشارات کے بیان

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

اس تہر میں نظیر جو بیکس غریب ہے شب ہو گیا تھا راس میں کچھ کر کے راہ طے	رہتا ہے مست حال میں اپنے بغیر مے جا کر جو دیکھتا ہے تو واں سچ ہے کرتے جے

ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

(۲۱)

آگرے کی تیراکی

جب پیرنے کی رت میں دلدار پیرتے ہیں بھولے سیانے نادان ہشیار پیرتے ہیں	عاشق بھی ساتھ اُن کے غمخوار پیرتے ہیں پیر و جواں ولڑکے عیار پیرتے ہیں

ادنیٰ غریب مفلس زردار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

---

[1] حسن شمائل ۱۲ [2] رادھا کنھیا جی کی معشوقہ جن کو رادھکا بھی کہتے ہیں ۱۲ [3] چندرماں ہندوؤں کی زبان میں چاند ۱۲

[3] اس نظم میں دوم سوم چہارم تین بندوں میں ساری دقتیں بند ہیں۔ دوسرے اور تیسرے بند میں تو آگرے کے محلے اور مقامات مشہورہ ہیں اور چوتھے میں دریا کی مختلف کیفیتوں اور پانی کی مختلف بیاتوں کے نام۔ مقامات کی تحقیق ہو سکتی ہے۔ میری تحقیق میں وہ مقامات یہ ہیں: تھوڑا سجا سبا کا ۱۲۲ کچھڑی۔ برج حولی۔ دارا کا چوترا۔ مہتاب باغ۔ سیدپل قلعہ۔ روضہ۔ حکیم کا باغ۔ شیو داس کا چمن۔ ذا کی مختلف بیاتوں کی تحقیق ذرا مشکل ہے۔ جن بیاتوں کا چوتھے بند میں ذکر ہے اُن کی تحقیق بعض مستند فرہنگ نگار اور آگرے کے ایک کہنہ مشق تیراک سے کی گئی مگر پھر بھی بطور کامل نہ ہو سکی۔ ہر چند منشی خیر اللہ کرفاضل نے آگرے کے پرانے پرانے پیراکوں سے بھی مدد لی۔ پہلا ہی لفظ گھڑی سمجھ میں نہ آیا۔ بعض نسخوں میں اس کو گھڑی یا گھڑا لکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ گھڑی ہے یعنی وہ بیات پانی جس میں سطح آب پر جم سے سمجھ کے نشان نظر آتے ہیں۔ اسی طرح بعض پیراکوں کے چند لفظوں میں وقت ہے کسی پچھاڑ کو کوئی صاحب ایک لفظ قیاس کر کے کسی پچھا مراد لیتے ہیں۔ کوئی کہتے ہیں کی لگ سے دور بچھو۔ وہ الگ ہے کرا کو جس حضرت کرا پڑھتے ہیں بعض گرا۔ یہ جن بیاتوں کو آگرے کے لوگوں کی تحقیق ہو گئی ہے ان کے معنی میں ان کے بھی اختلاف ہے۔ میری تحقیق ناقص ہے۔ سے ساتھ تحقیق اضافہ ہوں سے۔ گھڑی۔ چادر۔ بند۔ ناند۔ بچکوا۔ پینٹا دیا پینٹھا۔ بھنور۔ اچھال۔ چکر۔ سمیٹ۔ مالا۔ نیڈا۔ اگھیر۔ تختہ۔ کسی۔ پچھاڑ۔ کرا دیا گرا۔ معنی کی تحقیق ناظرین خود فرمالیں۔ ۱۲ پروفیسر شہباز مرحوم

بھرنے سے کے یارو سجا تختہ تاپیالا — چھتری سے برج خونی دارا کا چونترا کیا
مہتاب باغ سید تیلی قلعہ و روضا — غل شور کی بہاریں انبوہ سیر چرچا

ہر اک مکاں میں ہو کر ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

باغ حکیم اور جو شیو داس کا چمن ہے — اُن میں جگہ جگہ پر مجلس ہے انجمن ہے
میوہ مٹھائی کھاتے اور ناچ دل لگن ہے — کچھ پیرنے کی دھو میں کچھ عیش کا چلن ہے

ہر اک مکاں میں جا کر ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

برسات میں جو آکر چڑھتا ہے خوب دریا — ہر جا کگڑی وچادر بند اور نانند چکوا
مینڈا بھنور اُچھالن چکر سمیٹ مالا — مینڈا اٹھمیر تختہ کستی پچھاڑ کرّا

واں بھی ہنر سے اپنے ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

تربینی میں اہا ہا ہوتی ہیں کیا بہاریں — خلقت کے ٹھٹھ ہزاروں پیراک کی قطاریں
پیریں نہا دیں اُچھلیں کودیں لڑیں پکاریں — کتے وہ چھینٹ غوطے کھا کھا کے ہاتھ ماریں

کیا کیا تماشے کر کر اظہار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جمنا کے پاٹ گویا صحن چمن ہے بارے — پیراک اُس میں پیریں جیسے کہ چاند تارے
منھ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے پیارے پیارے — پریوں سے بھر رہے ہیں منجدھار اور کنارے

کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کتنے کھڑے ہیں پیریں اپنا دکھا کے سینہ — سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینا

ل سمان کا منار

لہ کگڑی ککانا ایک قسم کی پیراکی جس میں کھڑے ہو کر پیرتے ہیں۔ اگرچہ پروفیسر شہباز کو یہ تحقیق نہ ہو سکا مگر مجھ کو تحقیق ہے اسی طرح سے اور تمام لفظ چادر بند نانند چکوا منڈا بھنور اچھالن۔ چکر سمیٹ مالا۔ مینڈا اٹھمیر تختہ کستی پچھاڑ کرا سب پیراکی کی قسمیں نہیں بلکہ پیراکی کی قسموں کے نام ہیں ۱۲ آسی

آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینا
سردوں کا یہ چلاہے گویا کہ اک قرینا

دامن کمر پہ باندھے دستار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جاتے ہیں اُن میں کتنے پانی پہ صاف سوتے
کتنے پتنگ اُڑاتے کتنے سوئی پروتے
کتنوں کے ہاتھ پنجرے کتنوں کے سر پہ طوطے
حقّوں کا دم لگاتے ہنس ہنس کے شاد ہوتے

سو سو طرح کا کر کر بستار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کچھ ناچ کی بہاریں پانی سے کچھ تماڑے
لبریز گگرخوں سے دونوں طرف کڑاڑے
دریا میں بیچ رہے ہیں اندر کے سو اکھاڑے
بجرے و ناؤ چھوٹو ڈونگے بنے نواڑے

ان جھگھٹوں سے ہو کر سرشار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ناؤں میں وہ جو گگرو ناچوں میں جھمک رہے ہیں
تانیں ہوا میں اُڑتیں طبلے کھڑک رہے ہیں
جوڑے بدن پہ رنگیں گہنے بھبک رہے ہیں
عیش و طرب کی دھومیں پانی چھپک رہے ہیں

سو ٹھاٹھ کے بنا کر اطوار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

پھر آن بولتے ہیں "سید کبیر کی سب جے!"
سو تڑ بکٹ کنھیّا جمنا کے تیر کی جے!
پھر اُس کے بعد "اپنے اُستاد پیر کی جے!"
پھر غول کے سب اپنے خرد و کبیر کی جے!

ہر دم یہ کر خوشی کی گفتار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کیا کیا نظیر یاں کے ہیں پیرنے کے بانی
استاد اور خلیفہ شاگرد یار جانی
سب جن کے پیرنے کی ملکوں میں آن مانی
سب خوش رہیں ہے جب تک جمنا کے بیچ پانی

لہ کڑاڑا —
دریا کا بلند کنارا
بجرا، کشتی —
ڈونڈا، کشتی ۱۲
…تے سور بھوں کا
سہارا، تہ تیر
کنارہ ۱۲ —

کیا کیا ہنسی خوشی سے ہر بار پھرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پھرتے ہیں

(۴۲)

بلدیو جی کا میلا

ترجیع بند

کیا وہ دلبر کوئی نویلا ہے
ناتھ ہے اور کہیں وہ چیلا ہے
موتیا ہے چنبیلی بیلا ہے
بھیڑ انبوہ ہے اکیلا ہے
شہری قصباتی اور گنویلا ہے
زر اشرفی ہے پیسا دھیلا ہے
ایک کیا کیا وہ کھیل کھیلا ہے
بھیڑ ہے خلقتوں کا ریلا ہے

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہے کہیں یار اور کہیں اغیار
کہیں عاشق ہے اور کہیں دلدار
کہیں بستی ہے اور کہیں گلزار
کہیں جنگل ہے اور کہیں بازار
وہی بھگتی ہے اور وہی اوتار
اس کی لیلا کس سے ہو اظہار
آپ آتا ہے دیکھنے کو بہار
آپ کہتا ہے یوں پکار پکار

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہے کہیں رام اور کہیں لچھمن
کہیں کچھ مچھ ہے اور کہیں راون
کہیں باراہ کہیں مدن موہن
کہیں بلدیو اور کہیں کشن

۱؎ بلدیو کرشن کے بڑے بھائی بلرام کا لقب ہے ۱۲
۲؎ نویلا۔ نیا۔ نادر۔ طرفہ کار۔ عجوبہ ۱۲
۳؎ ناٹک ۱۲
۴؎ غلام ۱۲
۵؎ گاؤں کا رہنے والا۔ دہقانی ۱۲
۶؎ زاہد پرہیزگار ۱۲
۷؎ مجسم خدا ۱۲
۸؎ بشن کے دس اوتار ہیں اس تفصیل سے (۱) مچھ اوتار (۲) کچھ اوتار (۳) باراہ اوتار (۴) نرسنگھ اوتار (۵) بون اوتار (۶) پرسرام اوتار (۷) رام اوتار (۸) بلرام اوتار (۹) بدھ اوتار (۱۰) نکلنک اوتار ہونا ہے

سب سروپوں میں ہیں اُسی کے جتن
کہیں نکلا ہے سیر کو بن ٹھن[1]
کہیں نرسنگھ ہے وہ نارائن
کہیں کنّھیا پھرے ہے یوں بن بن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

آج میلے کا یاں جو ہے سامان
کوئی درشن[2] کوئی دعائیں مان
ہر طرف کھل رہے ہیں گل ریحان
بھیڑ انبوہ غل دکان دکان
آئے ہیں دور دور سے انسان
سب کی ہوتی ہیں مشکلیں آسان
بار[3] تبھی مٹھائی اور پکوان
اور یہی شور ہر گھڑی ہر آن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہر طرف حسن کی پکاریں ہیں
اک طرف نوبتیں جھنکاریں ہیں
کہیں عاشق نظارے ماریں ہیں
سیر ہے دید ہے بہاریں ہیں
دل ربا سو برن[4] سنواریں ہیں
جھانجھ مردنگ راس دھاریں[5] ہیں
سونگا ہوں کی جیت ہاریں ہیں
کر کے جے جے یہی پکاریں ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

اتنے لوگوں کے ٹھٹھ لگے ہیں آ
لے کے مندر سے دو دو کوس لگا
ہیں ہزاروں بساطی اور سودا
بھیڑ انبوہ اور دھرم دھکا
جو کہ تل دھرنے کی نہیں ہے جا
باغ و بن بھر رہے ہیں سب ہر جا
لاکھوں بکتے ہیں گہنے اور مالا
جس طرف دیکھیے اہا ہا ہا!

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے

[1] بن سنور کر ۱۲
[2] زیارت
[3] برن قسم عرج
[4] دھار رہی ہیں یعنی دھار رہے ہیں ۱۲ آسی

زور بلدیو جی کا میلا ہے

بسکہ اُمڈے ہیں خلقتوں کے دل
چوک بازار فوج اور دنگل
کوئی انبوہ میں رہا ہے کچل
کتنے کرتے ہیں جست کود اُچھل

جابجا بھر رہے ہیں جھرجنگل
جنگلوں میں ہیں مچ رہے منگل
کوئی دھکوں میں کر رہا مل دل
کتنے کہتے ہیں مور چھل چھل چھل

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہیں ہزاروں ہی جنس کے مٹّے
پیڑے لڈو جلیبی اور گٹّے
کوئی تو کر رہا ہے چھل بٹّے
پر ہیں مندر کے کوٹھے اور اٹّے

موتی مونگا اور آرسی چھٹّے
کوئی نارنگی سنگترے کھٹّے
کوئی چڑھتا ہے کھیر کے چٹّے
بوڑھے لڑکے جوان اور کٹّے

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

لوگ چاروں طرف کے آتے ہیں
دل سے سب درشنوں کو جاتے ہیں
جھانجھ مردنگ دف بجاتے ہیں
دل میں پھولے نہیں سماتے ہیں

آکے عیش و طرب مناتے ہیں
اپنے دل کی مراد پاتے ہیں
راس منڈل بھجن سناتے ہیں
سب یہ ہنس ہنس کے کہتے جاتے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہر طرف گلبدن رنگیلے ہیں
بات کے ترچھے اور کٹیلے ہیں

نک پلک غنچہ لب سجیلے ہیں
دل کے لینے کو سب ہٹیلے ہیں

ے جو مراد وجو
یہاں اس کا استعمال
اسی قبیل سے ہے
جیسے گھر گرست۔
لاؤ لشکر وغیرہ
ے ہیٹ یا پٹیا بازار
ے بنانا یوتار کھڈ
کی ڈبیا وغیرہ۔ ے
کتارا یوٹری کی قسم
کی ایک مٹھائی ہے
ے لیموں کی ایک
قسم جو بہت ترش
ہوتی ہے ۱۲ ے
پھل بجے۔ قوی
قریب ۱۲ ے چاٹ
چاٹ سے ماخوذ
ہے۔ وہ غذا جو
معمولی غذا کے
علاوہ تبدیلِ ذائقہ
کے لیے پکایا کرتے
ہیں مثلاً فیرنی۔
شیر برنج ۱۲ ے
اہلِ گیتوں میں تحقیق
سنا گیا ہے۔ اوپر
کی منزل۔ اٹاری
بھی اسی سے ہے
ے کتا مضبوط
ہاتھ پاؤں کا آدمی
اس کا استعمال اب
عموماً ہجو کے ساتھ
ہوتا ہے۔ پہاڑی
مسٹنڈا ۱۲

ے وہ بھجن جو راس میں جشن کے ساتھ گائے جاتے ہیں خوشی کے بھجن ۱۲ ے کٹیلا۔ چالاک۔ بہادر ۱۲ ابر دھیر شہباز۔

خشک تر زم سوکھے گیلے ہیں
جوڑے بھی سرخ سبز پیلے ہیں
ٹیڑھے بلدار اور کٹیلے ہیں
پیار الفت بہانے چیلے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

خلق آتی ہے سب جڑی جکڑی[1]
کوئی دوڑے ہے ہاتھ لے لکڑی
جیب کتری[3] کہیں گئی پکڑی
چور کی تاک سے کہیں پکڑی
چیز رکھتے ہیں باندھ کر جکڑی
دوڑیو چور سے چلا گٹھڑی[2]
کہیں لوٹی دکان اور ہٹڑی[4]
سو تماشے ہنسی خوشی پھکڑی[5]

ف بچوروں ضمانت برد

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

نازنیں ہیں وہ سانوری گوری
کر کے چتون نگاہ کی ڈوری
دھوم ناز و ادا جھک جھوری[6]
گھونگھٹوں میں ہیں کر رہی چوری
جن کی نازک ہر اک پری پوری
دل کو بھچتے ہیں سب برازوری
برج میں جیسے مچ رہی ہوری
چوری کیسی کہ صاف سرزوری

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

گنڈ پر ہی نہان ہوتے ہیں
پانی لے ہاتھ منھ کو دھوتے ہیں
کتنے جا کر بنوں میں سوتے ہیں
ان بہاروں میں ہوش کھوتے ہیں
جس میں گنگا برن[7] کے سوتے ہیں
کتنے کنٹھی کھڑے پرودتے ہیں
بندروں میں چنوں کو بوتے ہیں
سو مزے سو تماشے ہوتے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے

[1] جڑی جکڑی سخت، مضبوط۔
[2] گٹھڑی ۔ بندھی ہوئی جکڑی ہوئی ۱۲
[3] جیب کتری جیب کترنے کا کام یا عورت جیب کترنے والی ۱۲
[4] ہٹڑی ہٹ یا ہاٹ کی تصغیر
[5] پھکڑی پھکڑ کی تصغیر
[6] جھک جھوری شوخی ۱۲
[7] گنگا برن گنگا کی طرح کے سوتے ۱۲ آتی

لے جلد۔ قریب ۱۲ ۲ے غصہ، تنگ رنجی، بیزار، خفگی ۱۲ ۳ے ساکے سے وہ داستانیں مراد ہیں جو کچھ ہندو ایک جگہ بیٹھ کر اپنے نامور بہادروں کے متعلق دل بہلانے کے لیے گا گا کر بیان کرتے ہیں مثلاً آلہا اودل کی لڑائی کنور بجی کے معرکے ساکے ہندوؤں میں شاہنامہ اور داستان حشر اور داستان امیر حمزہ وغیرہ کے قائم مقام ہیں ۱۲ ۴ے اصطلاح شعر میں جس کو بند کہتے ہیں اسی کو ہندی میں کھنڈ کہتے ہیں۔ ہر کھنڈ کے بعد ڈہیرا بطور ٹیپ کے آتا ہے ۱۲۔ ۵ے پا کے چھپا کے۔ لپک جھپک کے تفریحی صیغے ہیں۔ اس تفخیم میں کسی قدر ظریفانہ شوخی بھی شریک ہے ۶ے جھانکیاں و روزنے غرفے موکھے ۱۲

زور بلدیو جی کا میلا ہے

کوئی آ کر نہانے اور مسّی سے
ہوتے ہیں آ ملاپ جس قِس سے
کوئی کھویا گیا ہے مجلس سے
کہنی بازو میں لگ رہے گھستے

مل رہا ہے ملا ہے دل جس سے
لڑ رہا ہے کوئی کہیں ریس سے
کون چلائے پوچھیے کس سے
اور دھکا پیل اور گھماں گھسے

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ناچ اور راگ کے کھڑاکے ہیں
نقلیں قصے کہانی ساکے[3] ہیں
کہیں آغوش کے لپاکے[5] ہیں
تھرتھری دانت پر کڑاکے ہیں

گھنگرو اور تال کے جھناکے ہیں
کھنڈ[4] دہرے کبت کتھا کے ہیں
کہیں بوسوں کے سو جھپاکے ہیں
تس پہ جاڑے کے سو جھڑاکے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

صحن مندر کا سب سے ہے اعلا
ہو رہا جھانکیوں[6] کا اُجیالا
ہے کوئی درشنوں کا متوالا
کوئی ڈنڈوت میں کر رہا لالا

اُس کا گنبد ہے عالم بالا
پردے جیسے ہیں چاند پہ ہالا
کوئی جپتا ہے دھیان میں مالا
کوئی جے جے کرے ہے دُھن والا

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہے جو مندر میں آپ وہ لالن[7]
نئی پوشاک اور نئے بھوجن

ہر گھڑی ہیں بدل رہے ہیں برن
نئی جھانکی ہے اور نئے درشن

۷ے معشوق حقیقی ۱۲ شہباز مرحوم

آرتی[1] کی کہیں مچی ٹھن ٹھن
کہیں گھنٹوں کی ہو رہی چھن چھن
ڈال مردنگ جھانجھ کی جھن جھن
خاص پرشاد[2] مصری اور ماکھن[3]

رنگ ہے روپ ہے جھیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

کوئی چنچل چلے ہے ٹھگی چال
کچھ وہ پتلی کمر وہ لٹبے بال
آنکھوں میں حسن کے نشے رنگ لال
مصری ماکھن کے ہاتھوں اوپر تھال
کچھ وہ پوشاک کچھ وہ حسن و جمال
مالنوں کا زیادہ اُن سے کمال
ڈال دیں ہار کا گلے میں جال
بدھی ہو کر لیں صاف اول کو نکال

رنگ ہے روپ ہے جھیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

جبکہ آتے ہیں راجہ اور رانی
اور لاکھوں میں رانی اور نانی
بھیڑ انبوہ کی فراوانی
اور بجوموں کی لاکھ طغیانی
پالکی ہاتھی گھوڑے رتھ بانی
جوگی بیراگی گیانی اور دھیانی
کچھ نہیں بھول تول کیا مانی
پانی کا دودھ، دودھ کا پانی

رنگ ہے روپ ہے جھیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

کتنے کچے ہیں کتنے پکے ہیں
اُن کے منھ اور اُچھال چھکے ہیں[4]
چور نٹ کھٹ ہیں اور اچکے ہیں
دودھ کھویا ملائی چیکتے ہیں
بھیڑ انبوہ اور بھڑکے ہیں
دھوم دھوفسوں کی اور دھڑکے ہیں
پالکی ہاتھی گھوڑے ڈھکے ہیں
سو تماشے ہیں سو جھکے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھیلا ہے

[1] آرتی ایک خاص رسم ہے کہ تھال میں چراغ رکھ کر بت کے سر کے گرد پھراتے ہیں۔ اس کے ساتھ گھنٹا بھی بجایا جاتا ہے ۱۲
[2] تبرک ۱۲
[3] ماکھن مکھن کا ہندوانہ لہجہ ۱۲
[4] اوگھی ہندی میں خاموشی کو کہتے ہیں ۱۲ —
[5] ایک بڑا ڈھول شہناز

زور بلدیو جی کا میلا ہے

لاکھوں بیٹھے بساطی اور منہار	اپنا سب گرم کر رہے بازار
چوڑی بنگڑی کی اک طرف جھنکار	ٹوگڑھی پوہنچی انگوٹھی چھلّے ہار
ٹوٹے پڑتے گنواری اور گنوار	جس گنواری کو چلیے دھکا مار
گر کے دے گالی یوں کہے ہے پکار	کیسو اٹھلا چلے ہے داڑھی جار

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

مٹی اور کاٹھ کے کھلونے ڈھیر	کوئی لیوے ہے کوئی دیوے ہے پھیر
کوئی کمہاری کے کر رہا ہتھ پھیر	کوئی کاچھن کے چن رہا ہے بیر
کوئی کنجڑن سے لڑ رہا منھ پھیر	کوئی بنیے کو مارتا ہے سیر
گالی دے مار کوٹ سانجھ سویر	لاٹھی پاٹھی ہے شور غل اندھیر

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

سیکڑوں رنگ کی پھلجھڑیاں	پھول گیندوں کے ہار کی لڑیاں
کہیں چھوٹیں انار پھلجھڑیاں	کہیں کھلتی ہیں دل کی گلجھڑیاں
کہیں الفت سے انکھڑیاں لڑیاں	کہیں باہیں گلے میں ہیں پڑیاں
عیش عشرت کی لٹ رہیں دھڑیاں	دال موٹھیں منگوچھی اور بڑیاں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

لگ رہی بھیڑ اس قدر ٹھٹھ ہو	راہ آگے کو اور نہ پیچھے کو
جو جہاں تھا وہیں پھنسا پھر وہ	جس کو کھینچے ہیں گر پڑے ہے سو

۱ چوڑیاں بیچنے والا ۱۲
۲ لاکھ یا شیشے کی چوڑی
۳ عورت
۴ باغبان ۱۲
۵ گرہیں
گلجھیاں ۱۲

بیٹھے گتے ہیں کھا کے دھکّوں کو
اور گنوار دل پکار کر "ہو ہو"!
"جے مہاراج! رام رام بھجو"
اب تو ٹھٹھ ہزار وہے لگانے کو

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے!

اجی ہے بہار جے بلدیو!
دھوم لیل و نہار جے بلدیو!
ہر زباں پر ہزار جے بلدیو!
کہہ نظیر اب پکار "جے بلدیو"!
عیش کے کاروبار جے بلدیو!
ہر کہیں آشکار جے بلدیو!
دم بدم یادگار جے بلدیو!
سب کہو ایک بار جے بلدیو!

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

(۴۳)

حضرت سلیم چشتیؒ کا عُرس

ہے یہ مجمع نکو سرشتی کا
بحر ہے عارفوں کی کشتی کا
ذکر کیا یاں گنہ کی زشتی کا!
فخر ہے حرفِ سرنوشتی کا

رنگ ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتیؒ کا

باغِ جنّت ہے آج یہ درگاہ
دیکھو رضواں بہاریاں کی واہ!
پھول پھولے ہیں فیض کے دلخواہ
دل میں کہتا ہے دمبدم واللہ

رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس حضرت سلیمؒ چشتی کا

یہ تجلی نسیم و زر سے ہے
حور و غلماں کی روح تر سے ہے
ابر رحمت کا نور برسے ہے
اور اشارہ یہی نظر سے ہے

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

صحن درگہ ہے باغ اور بستاں
جس میں سب پھول پھول ہو شاداں
اور دھیں زوار سب گل ریحاں
یہی کہتے ہیں ہر گھڑی ہر آں

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

بسکہ خلقت بھری ہے لالوں لال
حسن راگ اور مشائخوں کے حال
گھر مکاں ہے گلوں سے مالامال
بھیڑ غل شور اور یہ قال مقال

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

کھل رہا ہے چمن جو فیض بھرا
قدسیاں دیکھ وہ بہشت سرا
جھرنا گویا ہے حوض کوثر کا
سب پکاریں ہیں یوں اہا یا ہا!!

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے درگہ میں فیض اٹھاتے ہیں
کتنے نذر و نیاز لاتے ہیں
کتنے جھرنے میں جا نہاتے ہیں
کتنے خوش ہو یہی گنگناتے ہیں

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

عرس درگاہ کے جو دیکھے واہ
اور ہی گل کھلے ہیں خاطر خواہ

بلبلوں کی طرح چہک کر آہ
سب یہی کہہ رہے ہیں کرکے نگاہ

رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس ہے حضرت سلیم چشتی کا

ہے بہم دور دور کا عالم
سبز و سرخ و سفید و زرد بہم
سب خوشی ہو کے جوں گل شبنم
دیکھ سیریں یہ کہتے ہیں ہردم

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیمؒ چشتی کا

بھیڑ انبوہ خلق کی تکثیر
بادشاہ و گدا و میر و وزیر
طفل و پیر و جواں غریب و فقیر
پر سبھوں کی زباں پہ یہ تقریر

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے والہ یہ تن بھی پھرتے ہیں
غنچہ لب گلبدن بھی پھرتے ہیں
شوخ گل پیرہن بھی پھرتے ہیں
دل ربا دل شکن بھی پھرتے ہیں

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے نظروں سے زخمی ہوتے ہیں
کتنے دل اپنا مفت کھوتے ہیں
کتنے الفت کے تخم بوتے ہیں
کتنے موتی کھڑے پروتے ہیں

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتیؒ کا

جانشیں ہیں جو صاحب مسند
عارف الحق میاں علی احمدؒ
اُن کی خوبی نظیر ہے بے حد
سب پکارے ہیں خلق بے حد و عد

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

(۴۴)

تاج گنج کا روضہ

یارو جو تاج گنج یہاں آشکار ہے — مشہور اس کا نام یہ شہر و دیار ہے
خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے — روضہ جو اس مکان میں دریا کنار ہے
نقشے میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

روئے زمیں پہ یوں تو مکاں خوب ہیں یہاں — پر اس مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں
سنگ سفید سے جو بنا ہے قمر نشاں — ایسا چمک رہا ہے تجلی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

گنبد ہے اس کا زور بلندی سے بہرہ مند — گرد اس کے گمزیاں[۱] بھی چمکتی ہوئی ہیں چند
اور وہ کلس جو ہے سر گنبد سے سر بلند — ایسا ہلال اس میں سنہرا ہے دل پسند
ہر ماہ جس کے خم پہ مہ نو نثار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو آس پاس — وہ بھی برنگ سیم چمکتے ہیں خوش اساس
برسوں تلک اس میں رہیے تو ہووے نہ جی اداس — آتی ہے ہر طرف سے گل یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اس میں جو کرتا گذار ہے

ہیں بیچ میں مکاں کے وہ دو مرقدیں جو یاں — گرد ان کے جالی اور محجر[۲] ہے درفشاں
سنگیں گل جو اس میں بنائے ہیں تو نشاں — پتی کلی سہاگ رگ و رنگ ہے عیاں
جو نقش اس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

دیواروں پر ہیں سنگ میں نازک عجب نگار — آئینے بھی لگے ہیں مجلی ہوتا بدار

۱۔ گمزی ۔ چھوٹی برجی۔
۲۔ محجر ۔ حجرہ ۔ پتھر کا بنا ہوا مکان یا چار دیواری۔ آسی

دروازے پر لکھا خطِ طغرا ہے طرفہ کار
ہر گوشے پر کھڑے ہیں جو مینار اُسکے چار
چاروں سے طرفہ اوج کی خوبی دوچار ہے

پہلو میں ایک برج بنی کہتے ہیں اُسے
آتے نظر ہیں اُس سے مکاں دور دور کے
مسجد ہے ایسی جسکی صفت کس سے ہو سکے
پھر اور بھی مکاں ہیں ادھر اور اُدھر کھڑے
دروازۂ کلاں بھی بلند استوار ہے

جو صحن باغ کا ہے وہ ایسا ہے دل کشا
آتی ہے جس میں گلشن فردوس کی ہوا
ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا
ہلتی ہیں ڈالیاں بھی ہر گل ہے جھومتا
کیا کیا روش روش پہ ہجوم بہار ہے

سروِ سہی کھڑے ہیں قرینے سے نسترن
"کو کو" کرے ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن
رابیل سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن
گلنار لالۂ و گل و نسرین و نسترن
فوارے چھٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے

وہ تاج دار شاہ جہاں صاحب سریر
بنوایا ہے اُنھوں نے لگا سیم و زر کثیر
جو دیکھتا ہے اُس کے یہ ہوتا ہے دل پذیر
تعریف اس مکاں کی میں کیا کیا کروں نظیر
اس کی صفت تو مشتہر روزگار ہے

(۴۵)

کنکوّے اور پتنگ کی تعریف

زیر جِلا

یاں جن دنوں میں ہوتا ہے آنا پتنگ کا
ٹھہرے ہے ہر مکاں میں بنانا پتنگ کا
ہوتا ہے کثرتوں سے منگانا پتنگ کا
کرتا ہے شاد دل کو اُڑانا پتنگ کا
کیا کیا کہوں میں شور مچانا پتنگ کا

لہ انگر[illegible] پتنگ کے جیسے کو زیر جلا کہتے ہیں [illegible]

اُڑنا دوباز[1] کا ہے وہ شوخی کی دستگاہ ۔۔۔ دیکھے تو باز[2] جُرّے کو ہو اسکی دل سے چاہ
تُکرے کی باز آوے نہ اُس جا کبھی نگاہ ۔۔۔ بَجری کہی[3] بھی دیکھ یہ کہتی ہیں "واہ واہ!"

ایسا ہے ناز و حسن دکھاتا پتنگ کا

ہر لحظہ اس بہار سے اُڑتا ہے للپرا[4] ۔۔۔ بلبل سمجھ کے گل جسے ہو جاوے مبتلا
گھائل کے اُڑنے کی بھی صفت اب کہوں میں کیا ۔۔۔ گھائل جو عشق کے ہیں یہ کہتے ہیں برملا

ہے دل میں خوب شوق بڑھاتا پتنگ کا

اُڑنا لنگوٹیے[5] کا ہے ایسا کچھ ارجمند ۔۔۔ گو تمے سے جس کو دیکھنے آوے لنگوٹ بند
اور چاند تارے[6] کی بھی جھک جانے سے دو چند ۔۔۔ اُڑنا بہاڑے کا بھی ہے اس قدر بلند

اُکھڑے تو پھیر فلک پہ ہو پانا پتنگ کا

بگلے[7] کے اُڑنے میں بھی وہ خوبی ہے آشکار ۔۔۔ مچھلی نگہ کی دیکھ کے ہو جس کو بے قرار
پٹّے[8] کے مول کا بھی وہ بنتا ہے خوش نگار ۔۔۔ دہیڑ بھی اپلتے کو چڑاتا ہے بار بار

چنچل پن اس قدر ہے جتانا پتنگ کا

اُڑنا گلھرے کا بھی میں کیا کروں بیاں ۔۔۔ دیکھیں درخت پر جسے چڑھ کر گلھریاں
اور ہے دودھارے کی بھی کچھ اور آن باں ۔۔۔ حیراں ہو جس سے تیغ نگاہ پری رُخاں

پھر کس طرح نہ دل ہو دِوانا پتنگ کا

اُڑتا ہے اس طریق سے وہ ہے جو تانگ دار ۔۔۔ ہوتا ہے جس پہ گوہر دل دیکھ کر نثار
خربوزیے کی کانپ کا جھکنا یہ لال دار ۔۔۔ اور پیندی[9] پان کی بھی کچھ اس طور کی بہار

گویا ہوا میں گل ہے کھلانا پتنگ کا

بنتا بھی اپنی دیتا ہے جس وقت خوبی کھول ۔۔۔ نکلے ہیں "واہ واہ!" کے ہر اک نے یاں سے بول
اور ہے دو کونیے کی بھی اک اک ادا ہو ل ۔۔۔ اُڑتا ہے گلسرے میں بھی شیرازیوں کا غول

جیدھر ہے نوک جھوک دکھانا پتنگ کا

---

1. دوباز۔ وہ کنکوا جس کے دونوں باز دو مختلف رنگ کے خلاف لگائے گئے ہوں ۱۲
2. کہیں بھی باز بجری کی قسم کی ایک شکاری چڑیا ہے۔ بعض جگہ اس کو کُگی بولتے ہیں
3. للپرا۔ وہ پتنگ جس کے لال پر لگائے ہوں ۱۲
4. لنگوٹیا بھی ایک قسم کا پتنگ ہے ۱۲
5. چاند تارا بھی ایک پتنگ جس پر کاغذ کا چاند لگاتے ہیں۔ بہاڑا۔ بجری کی قسم کا ایک پتنگ ۱۲
6. بگلہ سفید پتنگ ۱۲
7. پٹا بھیرا دو پٹا سبز رنگ کے دو باز دو لگا ہوا کنکوا۔ غرض دہیڑ وغیرہ۔ گلھرا۔ دودھاریا۔ تانگدار۔ خربوزیا۔ بنتا۔ دو کونیا۔ جب گلسرا۔ سب کنکووں کے نام ہیں ۱۲
8. پیندی پان۔ وہ کنکوا کا غذ جو کنکوے کے نیچے کی طرف لگتے ہیں۔ اس کو بعض جگہ چیڑا اور چیز بھی کہا جاتا ہے ۱۲
9. اصول بے بہا۔ گلسرا ایک قسم کا کنکوا۔ چوگھڑا۔ چھپکا۔ پے کلاہ ۱۲ آتی

چپ کے بھی وصف کرنے میں چپکا رہوں میں کیا
غائب ہے گگڑی اُڑنے پہ گگڑی کا مرتبا
شرمندہ ہو کبوتر چپ جس سے دائما
چوکنی چنچلیں ہوں اُڑے جب کہ چوگھڑا

اس زور سے ہوا پہ ہے جانا پتنگ کا

اُڑتے ہیں اس ہجوم سے کنکوے پچھلے
تھوتی بھی تکل ایسی کہ نخ سے فقط اُڑے
کوا پکڑنے سے گویا کوے ہیں اُڑ رہے
جھجاؤ ہیں منڈھاؤ میں کچھ اس قدر بڑے

لازم ہے گر کہیں انھیں نانا پتنگ کا

پتلی کمر کو موڑے ہیں جس وقت کج کلاہ
یہ شکل دیکھ کر کوئی کہتا ہے واہ واہ!
باہیں دراز کرتے ہیں لب جھپ کے خواہ مخواہ
اب اس طرف لڑے گی بھلا کا ہے کو نگاہ

دل میں تو کھپ رہا ہے لڑانا پتنگ کا

لاتا ہے پھیر بھار کے تکل جو اپنی داں
اب پیچ پڑنے کو ہیں دے اتنی ٹھمکیاں
کہتا ہے کوئی اُن سے خبردار ہو میاں
گھبرا کے کٹ گئے اُس کے نہ پھنسنے دو پیچیاں

اچھا نہیں ہے مفت کٹانا پتنگ کا

گر پیچ پڑ گئے تو یہ کہتے ہیں " دیکھیو
پہلے تو یوں قدم کے تئیں او میاں رکھو
رہ رہ اسی طرح سے نہ اب دیجیے ڈھیل کو
پھر ایک رگڑا دے کے ابھی اس کو کاٹ دو

ہے گا اسی میں فتح کا پانا پتنگ کا

کہتا ہے جو پتنگ تو پھر ٹوٹنے اُسے
کاغذ ذرا سا ملتا ہے یا ٹکڑے کانپ کے
دو دو ہزار دوڑتے ہیں چھوٹے اور بڑے
جب اس طرح کی سیر بھلا آن کر پڑے

پھر سوچیے تو کیا ہے ٹھکانا پتنگ کا

اس کرے میں یہ بھی تماشا ہے دلپذیر
کیونکر نہ دل پتنگ کی ہو دوڑ میں اسیر
ہوتے ہیں دیکھ شاد جیسے خرد اور کبیر
خوباں کے دیکھنے کے لیے کیا میاں نظیر

ہے یہ بھی ایک طرفہ بہانا پتنگ کا

ٹہ نقل - ایک خاص قسم کا کنکوا جس میں دو کانیں لگی ہوتی ہیں۔ نخ - ایک قسم کی ریشمی مضبوط ڈور - جھجاؤ - ایک بڑا انگوکا ٹہ پھیر بھار کر یعنی پتنگ کے پیچ کو موڑ کر تہ ٹھمکی دینا خاص انداز سے پتنگ کی ڈور سے جھٹکے دینا۔ گھنے - دو ڈور جو خاص طور سے کنکوے کے کھڈے میں باندھتے ہیں - ۲ - آسی

شہر آشوب

ہے اب تو کچھ سخن کا مرے اختیار بند
رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
دریا سخن کی فکر کا ہے موجدار بند[1]
ہو کس طرح نہ منھ میں زباں بار بار بند
جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند

بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی
کوٹھے کی چھت نہیں ہے یہ چھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی
ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جوں ایک بار بند

کڑیاں جو سال[2] کی تھیں بکیں وہ تو اگلے سال
لاچار قرض و دام سے چھپر لیے ہیں ڈال
پھوس اور ٹھٹھیرے اُسکے ہیں جوں سر کے بکھرے بال
اس بکھرے پھوس سے ہے یہ ان چھپروں کا حال
گویا کہ اُن کے بھول گئے ہیں چھپار بند[3]

دنیا میں اب قدیم سے ہے زر کا بند و بست
اور بے زری میں گھر کا نہ باہر کا بند و بست
آقا کا انتظام نہ نوکر کا بند و بست
مفلس جو مفلسی میں کرے گھر کا بند و بست
مکڑی کے تار کا ہے وہ نا استوار بند

کپڑا نہ گٹھڑی بیچ نہ تھیلی میں زر رہا
خطرہ نہ چور کا نہ اُچکے کا ڈر رہا
رہنے کو جن کو اُس کا یہ ٹوٹا کھنڈر رہا
کھنکھار جاگنے کا نہ مطلق اثر رہا
آنے سے بھی جو ہو گئے چور و چکار بند[4]

اب آگرے میں جتنے ہیں سب لوگ ہیں تباہ
آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ
مانگو عزیزو ایسے بُرے وقت سے پناہ
وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں آہ
کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

---

[1] وہ بند جو دریا پر باندھتے ہیں جیسے بند یا بند دھا بھی کہتے ہیں۔ ۱۲

[2] سال ایک لکڑی کا نام ہے جس کے شہتیر عمدہ ہوتے ہیں اس کو ساکو بھی کہتے ہیں ۱۲

[3] وہ بندش جو چھپر وغیرہ میں پھونس کو کس کے ساتھ باندھ کر خود بانس کا ڈھانچا باندھتے ہیں کرتے ہیں ۱۲

[4] چور کے ساتھ چکار بطور تابع مہمل مستعمل ہے۔ اور یہ ہندی کا ایک لفظ ہے لہٰذا اس میں واؤ عاطف اب صحیح نہیں۔ متقدمین ایسی ترکیبیں اکثر لکھ جاتے تھے ۱۲ آسی

صرّاف، بنیے، جوہری اور سیٹھ ساہوکار
دیتے تھے سب کو نقد، سو کھاتے ہیں اب اُدھار
بازار میں اُڑے ہے پڑی خاک بے شمار
بیٹھے ہیں یوں دُکانوں میں اپنے دُکاندار
جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند

سوداگروں کو سود نہ بیوپاری کو فلاح
بزاز کو ہے نفع نہ پنساری کو فلاح
دلّال کو ہے یافت نہ بازاری کو فلاح
دُکھیا کو فائدہ نہ پسنہاری کو فلاح
یاں تک ہوا ہے آن کے لوگوں کا کار بند

مارے ہیں ہاتھ ہاتھ پہ سب یاں کے دستکار
اور جتنے پیشہ دار ہیں روتے ہیں زار زار
کوٹے ہے تن لہار تو پیٹے ہے سر سنار
کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے یار
چھتیس پیشے والوں کا ہے کاروبار بند

زر کے بھی جتنے کام تھے وہ سب بک گئے
اور ریشمی قوام بھی یک سر چپک گئے
زردار اُٹھ گئے تو بٹیے سرک گئے
چلنے سے کام تارکشوں کے بھی تھک گئے
کیا بال ستلی کھینچیں جو ہو جائے تار بند

بیٹھے بساطی راہ میں تنکے سے چنتے ہیں
جلتے ہیں نان بائی تو بھڑ بھونجے بھنتے ہیں
دھنیے بھی ہاتھ ملتے ہیں اور سر کو دھنتے ہیں
روتے ہیں وہ جو مشروع و دارائی بنتے ہیں
اور وہ تو مر گئے جو بُنیں تھے ازار بند

(کاغذی)

گر کاغذی کے حال کے کاغذ کو دیکھیے
مطلق اُسے خبر نہیں کاغذ کے بھاؤ سے
ردّی قلم دکان میں نہ ٹکڑے ہیں ٹاٹ کے
یاں تک کہ اپنی چٹھی کے لکھنے کے واسطے
کاغذ کا مانگتا ہے ہر اک سے اُدھار بند

(بیوپاری۔ ملاح)

لوٹیں ہیں گرد و پیش جو قزاق راہ مار
بیوپاری آتے جاتے نہیں ڈر سے زینہار
کوتوال رو دیں خاک اُڑاتے ہیں چوکیدار
ملّاحوں کا بھی کام نہیں چلتا میرے یار
ناویں ہیں گھاٹ گھاٹ کی سب وار پار بند

۱ہ بٹیا۔ کلابتوں وغیرہ بٹنے والا ۲ہ تہ دار ایک ریشمی کپڑا جس کا رنگ سرخ ہوتا ہے ۳ہ مشروع بھی ایک کپڑا ہوتا ہے کہ عورتیں اس کے پائجامے بناتی ہیں ۱۲ ۴ہ کوتوال میں واو کا ظاہر ہونا فصیح ہے بروزن ہوشیار ۵ہ نبد۔ یہاں بند کاغذ سے مراد ہے ۱۲ آسی ۶ہ بساطی۔ ۷ہ نان بائی۔ بھڑ بھونجے و دھنیے۔ جلاہے ازار بند بننے والا

ہر دم کمانگروں کے اُپر پیچ و تاب ہیں
مرتے ہیں مینا ساز مصوّر کباب ہیں
صحاف اپنے حال میں غم کی کتاب ہیں
نقاش اُن سبھوں سے زیادہ خراب ہیں
رنگ و قلم کے ہو گئے نقش و نگار بند

بیچیں تھے وہ جو گوندھ کے پھولوں کی بدھی بال
جب آدھی رات تک نہ بکی جنس آبدار
مرجھا رہی ہے دل کی کلی جی ہے داغدار
لاچار پھر وہ ٹوکری اپنی زمیں پہ مار
جاتے ہیں گرد کان کو آخر وہ ہار بند

حجّام پر بھی یاں تئیں ہے مفلسی کا زور
کانپے ہے سر بھگوتے ہوئے اُسکی پور پور
پیسا کہاں جو سان پہ ہو استروں کا شور
کیا بات ایک بال کٹے یا تراشے کور
یاں تک ہے استرے و نہرنی کی دھار بند

ڈیرو بجا کے وہ جو اتارے ہیں زہر مار
منتر تو جب چلے کہ جو ہو پیٹ کا ادھار
آپ ہی وہ کھیلتے ہیں بلا سر زمیں پہ مار
جب مفلسی کا سانپ ہو اُن کے گلے کا ہار
کیا خاک پھر وہ باندھیں کہیں جا کے مار بند

بے روزگاریوں نے دیے ایسے ہوش کھو
دیکھے نہ کوئی ناچ نہ + + + کی سونگھے بو
روٹی نہ پیٹ میں ہو تو + + + کہاں سے ہو
یاں تک تو مفلسی ہے کہ + + + کا رات کو
دو دو مہینوں تک نہیں کھلتا ازار بند

گر + + نوچی ہے کسی کی رشکِ ماہ
کوئی سوار ڈپی پہ رکھے اُس کو خواہ مخواہ
کہتی ہے اُس کی نایکا بھر بھر کے سرد آہ
یا رب تو جلد کھول دے روزی کی اس کی راہ
مت کام اس کا رکھ میرے پروردگار بند

وہ + + بھی مانگے ہے دل میں یہی دعا
کچھ اچھا کھاؤں پہنوں جو ہو زیست کا مزا
یا رب تو میرے موتی کو جلدی سے اب چھڑا
کنکریوں آنسو لاتی ہے آنکھوں میں ڈبڈبا
ہوں جس طرح صدف میں دُرِ آبدار بند

کمان گر، کمان بنانے والے۔ صحاف۔ جلد کتاب بنانے والے ۱۲ ناخون کے گرہ یا اوپر کے گوشے پر جو کھال ہوتی ہے اس کو کور کہتے ہیں۔ ۱۲ ڈمرو۔ (ڈیرو) ڈگڈگی کو کہتے ہیں یعنی شیشۂ ساعت کی شکل کا ایک باجا جو بندر والوں اور سپیروں کے پاس رہتا ہے۔ ادھار۔ ناشتے کے طور پر تھوڑا سا کھانا کھانا ۱۲ الفاظ جو کسی قدر دائرۂ تہذیب سے باہر تھے ان کی جگہ تین ستارے بنا دیے گئے ہیں۔ بند حذف نہیں کیے گئے اس لیے کہ باعتبار خوبی بندش قابلِ شہرت ہیں ۱۲ شہباز

وہ + + + کیسے کیا ہیں جو اس غم سے ہیں تباہ
کہتی ہیں یوں وہ کر کے فلک کی طرف نگاہ
ایسی ہی اب جو بند رہے گی ہماری راہ
تو گھاس پھوس بڑھ کے کوئی دن کہیچ آہ
ہو جائے گی لکیر وہ سب راخ دار بند

+ + + بھی دیکھ کمائی کی بندیاں
کونے میں اپنی روزی کو روتی ہیں خندیاں
کہتی ہیں دے کے آہ جگر کو ملبندیاں
مرتی ہیں یا الٰہی تری گندی بندیاں
ہوے ہمارے + + + یار بند

+ + + جو + + + کنے شب کے وقت آئے
غالب ہے یہ کہ دیکھ وہ + + + کو بھاگ جائے
+ + + پہ ہاتھ پھیرے نہ بوسے کو منھ جھکائے
دم مارنے کی بات نہیں، کیا کہوں ہیں ہائے
+ + + کا بھی کار ہوا نا بکار بند ،،

لذت ہے جن کو حسن کے نقش و نگار سے
محبوب ہیں جو غنچہ دہن گل عذار سے
آویں اگر وہ لاکھ طرح کی بہار سے
کوئی نہ دیکھے اُن کو نظر بھر کے پیار سے
ایسے دنوں کے ہو گئے آپس میں کار بند

پھرتے ہیں نوکری کو جو بن کر رسالدار
گھوڑے کی بے لگام نہ اونٹوں کی بے مہار
کپڑا نہ لتا یال تٹو پہ عقل نہ بوجھ بھار
یوں سر مکاں میں آ کے اُترتے ہیں سوگوار
جنگل میں جیسے دیتے ہیں لا کر اُتار بند

کوئی پکارتا ہے پڑا بھیج اے خدا
اب تو ہمارا کام تھکا بھیج اے خدا،،
کوئی کہے ہے ہاتھ اُٹھا بھیج اے خدا
لے جان اب ہماری تو یا بھیج اے خدا
کیوں روزی یوں ہے کی مجھے پروردگار بند؟

محنت سے ہاتھ پاؤں کی کوڑی نہ ہاتھ آئے
بیکار کب تلک کوئی قرض و اُدھار کھائے؟
دیکھوں جسے وہ کرتا ہے رو رو کے ہائے ہائے
آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمیں تو ہائے
دشمن کا بھی خدا نہ کرے کاروبار بند

سلہ پہلے زمانہ میں [illegible] اکثر سپاہی [illegible] بھی گھوڑے سوار کا سامان سفر جو ہیں [illegible] تٹو کو [illegible] کہتے ہیں [illegible] کار تھکا یعنی کام چلنے سے رہ گیا اب کام نہیں چلتا [illegible] مرحوم

آمدنہ خادموں کے تئیں مقبروں کے بیچ
یا من بھی سر پٹکتے ہیں سب مندروں کے بیچ
عاجز ہیں علم والے بھی سب مدرسوں کے بیچ
حیران ہیں پیرزادے بھی اپنے گھروں کے بیچ
نذر و نیاز ہو گئی سب ایک بار بند

اس شہر کے فقیر بھکاری جو ہیں تباہ
جس گھر میں جا سوال وہ کرتے ہیں خواہ مخواہ
بھوکے ہیں کچھ بھجائیو بابا خدا کی راہ
واں سے صدا یہ آتی ہے پھر مانگو جب تو آہ
کرتے ہیں ہونٹھ اپنے وہ ہو شرمسار بند

کیا چھوٹے کام والے وکیا پیشہ ور نجیب
روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آ شام عنقریب
اُٹھتے ہیں سب دکان سے کہہ کر کہ یا نصیب!
قسمت ہماری ہو گئی بے اختیار بند

قسمت سے چار پیسے جنھیں ہاتھ آتے ہیں
البتہ روکھی سوکھی وہ روٹی پکاتے ہیں
جو خالی آتے ہیں وہ قرض[۱] لیتے جاتے ہیں
یوں بھی نہ پایا کچھ تو فقط غم ہی کھاتے ہیں
سوتے ہیں کر کواڑ کو اک آہ مار بند

دیکھے ہیں بند اپنے جو وہ کاروبار کو
سودا سا ہو گیا ہے ہر اک دل فگار کو
یاں تک تو بیچو اسی ہے ہر بیقرار کو
جو + + + میں بھول کے دھوتی ازار کو
کھوئے ہے انگرکھے کے کھڑا بار بار بند

کیونکر بھلا نہ مانگیے اس وقت سے پناہ؟
محتاج ہو جو پھرنے لگے در بدر سپاہ
یاں تک امیرزادے سپاہی ہوئے تباہ
جن کے جلو میں چلتے تھے ہاتھی و گھوڑے آہ
وہ دوڑتے ہیں اور کے پکڑے شکار[۲] بند

ہے جن سپاہیوں کے بندوق اور سناں
کندے کا[۳] ان کے نام نہ چلّے کا ہے نشاں
چاندی کے بند تار تو پیتل کے ہیں کہاں؟
لاچار اپنی روزی کا باعث سمجھ کے ہاں
رسّی کے ان میں باندھے ہیں پیادے سوار بند

[۱] قرض سیکون دوم صحیح ہے ۱۲
[۲] وہ گھوڑا جو زین میں گھوڑے کی دم کے پاس شکار رکھنے کے لیے بندھا ہوتا ہے ۱۲
[۳] کنٹے بندوق کے پاس ۱۲ ام سی

جو گھوڑا اپنا بیچ کے زین کو گرو رکھیں
ٹکا جو بکتا آوے تو کیا خاک دے کے لیں
یا تیغ اور سپر کو لیے چوک میں پھریں
جب پیش قبض بک کے پڑے روٹی پیٹ میں
پھر اُس کا کون مول لے وہ پیچھے دار بند

جتنے سپاہی یاں تھے نہ جانے کدھر گئے
ہتھیار بیچ بیچ کے گدا گھر بگھر گئے
دشمن کے تئیں نکل گئے یا پیشتر گئے
جب گھوڑے بھالے والے بھی یوں در بدر گئے
پھر کون پوچھے اُن کو جواب ہیں کٹار بند

ایسا سپاہ[1] مرد کا دشمن زمانا ہے
تنخواہ نہ طلب ہے نہ پینا نہ کھانا ہے
روٹی سوار کو ہے نہ گھوڑے کو دانہ ہے
پیادے زوال بند[2] کا پھر کیا ٹھکانا ہے
در در خراب پھرنے لگے جب نقار بند[3]

جتنے ہیں آج آگرے میں کارخانہ جات
کس کس کے دکھ کو روئیے اور کس کی کہیے بات
سب پر پڑی ہیں آن کے روزی کی مشکلات
روزی کے اب درخت کا ملتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آکے ہوئی ایک بار بند

ہے کون سا وہ دل جسے فرسودگی نہیں؟
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں
وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی[4] نہیں
اب آگرے کے نام کو آسودگی نہیں
کوڑی کے آگے ایسے ہوئے رہگذار بند

ہیں باغ جتنے یاں کے سو ایسے پڑے ہیں خوار
سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختانِ میوہ دار
کانٹے کا اُن میں نام نہیں پھول درکنار
کیاری میں خاک دھول روش پر پڑے غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہے بہار بند

دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اُجاڑ سا
آواز قمریوں کی نہ بلبل کی ہے صدا
غنچہ نہ پھل نہ پھول نہ سبزا ہرا بھرا
نہ حوض میں ہے آب نہ پانی ہے نہر کا
چادر[5] پڑی ہے خشک تو ہے آبشار بند

[1] سپاہ مرد: سپاہی
[2] زوال بند: وہ سپاہی جس کی کمر پر جھنڈا یا پھریرے کی جھنڈی بندھی ہو
[3] نقار بند: صاحبِ نقارہ و سکہ
[4] نابودگی: نایابی، نہ ہونا، نہ ہوتا
[5] چادر: پانی کی چھوٹی دھار، آبشار، جھرنا، آسی

بے وارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ
ہوتا ہے باغباں سے ہر اک باغ کا بناہ
پھوٹی حویلیاں ہیں تو ٹوٹی شہر پناہ[1]
وہ باغ کس طرح نہ لٹے اور نہ اُجڑے آہ
جس کا نہ باغباں ہو نہ مالک نہ خار بند[2]

کیوں یارو اس مکاں میں یہ کیسی چلی ہوا؟
جو ہے سو اس ہوا میں دوانہ سا ہو رہا
جو مفلسی سے ہوش کسی کا نہیں بجا
سودا ہوا مزاج زمانے کو یا خدا
تو ہے حکیم کھول دے اب اس کے چار بند[3]

ہے میری حق سے اب یہ دعا شام اور سحر
سب کھاویں بیویں یاد رکھیں اپنے اپنے گھر
ہو آگرے کی خلق پہ پھر مہر کی نظر
اس ٹوٹے شہر پہ بھی الٰہی تو فضل کر
کھل جاویں ایکبار تو سب کاروبار بند

عاشق کہو اسیر کہو آگرے کا ہے
مفلس کہو فقیر کہو آگرے کا ہے
مُلّا کہو دبیر کہو آگرے کا ہے
شاعر کہو، نظیر کہو آگرے کا ہے
اس واسطے یہ اس نے لکھے پانچ چار بند[4]



---

[1] شہر پناہ بکسر نون و م صحیح ہے عوام شہر پنہ بولتے ہیں ۱۲ —
[2] خار بند — کانٹوں کی باڑھ جو کھیت یا باغ کے چار طرف حفاظت کے لیے لگا دیتے ہیں ۱۲
[3] چار بند — کنایۃً عناصر اربعہ کو کہا جاتا ہے ۱۲
[4] مراد بند اشعار ۱۲

آگرے کے کھیل تماشے

(۴۷)

کبوتر بازی

ہیں[1] عالم بازی میں جو ممتاز کبوتر
بھاتے ہیں بہت ہم کو یہ طنّاز کبوتر
اور شوق کے طائر سے ہیں انباز[2] کبوتر
مدت سے جو سمجھیں ہمیں ہمراز کبوتر
پھر ہم سے بھلا کیونکہ رہیں باز کبوتر ؟

حیوان ہیں گرچہ عجب انداز کے پر ہیں
آواز سے واقف ہیں اشاروں سے خبر ہیں
صورت میں پریوار، تو سیرت میں بشر ہیں
پرواز میں ہمشہپر عنقاے نظر ہیں
کیا گوے ہوں اور کیا ہوں گرہ باز کبوتر

کیا بلبل و قمری و چہے پدڑی و بٹیرے
کیا طوطی و مینا و بئی تیتر و ممولے
چنڈول، اگن، لال، بئے، ابلقے، طوطے
طائر ہیں غرض بازی اشغال کے جتنے
کی غور تو ہیں سب سے سرافراز کبوتر

ہیں بصرئی، اور کابلی، شیرازی نسادر
طاؤسی و کل پوٹیے، نیلے، گلی تھیتر
چوپا، چندن و سبز، کمی بشتر و اکر
تاروں کے وہ انداز نہیں بام فلک پر
جو کرتے ہیں چھتری کے اوپر ناز کبوتر

لے اس نظم میں کبوتر کے اقسام کی بڑی دقت تھی۔ اور کل اقسام کی تحقیق ہوگئی گر بند چہارم کا اگلا اور بند ششم کا کچھرا، اور بند ہفتم کا مصرع ا ٹھیک نہ معلوم ہوا۔ بطور خود تحقیق کریں۔ اقسام تحقیق شدہ کے معنی بخوف تطویل نہیں لکھے گئے۔ فقط تصحیح متن کر دی گئی ہے اور اہل مقصد کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔ شہباز مرحوم۔

ے انباز۔ ملاحظہ ہو۔ گوے۔ گرہ باز۔ بصرئی۔ کابلی۔ شیرازی۔ نسادر۔ چوپا۔ چندن۔ سبز۔ کمی۔ بشتر۔ اکر۔ طاؤسیے۔ کل پوٹیے۔ نیلے۔ گلی۔ تھیتر۔ سقے۔ پچے۔ جوگیے۔ گھبرے۔ ریشے۔ چپ۔ نفتے۔ کمرے۔ زیچ۔ گل آنکھ۔ لال آنکھ۔ لودے۔ زردے۔ کبرے۔ تیرے۔ سی۔ توس پکھے۔ سیاہی۔ کھاگرے۔ تبوتیے۔ پان لال۔ آگرئی۔ سرمئی۔ عنبری۔ خال۔ بھورے۔ جگسی۔ تاج نشے۔ بیرئے۔ بھترے۔ کاسنی۔ لوٹن۔ یہ سب کبوتروں کی قسمیں۔ اور رنگ کے لحاظ سے ان کے نام ہیں ۱۲ ۔ آسی

لگتے ہیں ادھر اپنی کساوٹ کو دکھاتے
چھٹتے ہیں اُدھر ریشم بری اپنی جتاتے
ہیں جو گیے بھی رنگ گئی جوگ کے لاتے
پریوں کے پرے دیکھ کے ہیں چرخ میں آتے
جب حلقہ زناں کرتے ہیں پرواز کبوتر

گھیرے و چیت و چپ و نفتے و کھرے
زرچے، وگل آنکھ، اور لال آنکھ اودے و زرے
کچھ کا برے تیرے، امسی، و توشتی و پلکیے
پھرتے ہیں ٹھمک چال، سُناتے ہیں خوشی سے
کیا کیا وہ غٹر غوں کی خوش آواز کبوتر

سیمابیے اور گھاگھرے تنبو لیے، پان لال
کچھ اگرئی اور سرمئی اور عنبری اور رخال
بھورے اگسی تانبڑے، برے بھی خوش احوال
پھر مستے، اور کاسنی لوٹن بھی سبکبال
کھولے ہیں گرہ دل کی گرہ باز کبوتر

"کو!" کر کے جدھر کے تئیں چھپی کو بلا دیں
کچھ ہووے غرض پھر وہ اسی سمت کو جاویں
گٹی کو نہ پھڑکا دیں تو پھر تہ کو نہ آویں
چھوڑ ان کو نظیر اپنا دل اب کس سے لگاویں
اپنے تو لڑکپن سے ہیں دمساز کبوتر

(۴۸)

بلبلوں کی لڑائی

ترجیع

کل بلبلیں جو نو دس قابو میں اپنے آئیں
اُس میں سے دو پکڑ کر کشتی میں دھر بھڑائیں
پر شور سُن کے خلقت دوڑ آئی دائیں بائیں
کوئی بولا "واہ حضرت" کوئی بولا "واہ سائیں"
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

دس میں تو دونوں کٹ لڑتی تھیں کر کے گڈا — جب تیسری کو چھوڑا پھر تو ہوا تگڑا
خلقت بھی آکے ٹوٹی چھوڑ اپنا اپنا اڈا — کڑکی کسی کی پسلی، ٹوٹا کسی کا بڈا

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

تھی تین کی یہ کشتی چوتھی کو اس میں چھوڑا — اس نے تو دھم مچا کر تینوں کو دھر جھنجھوڑا
پھر تو یہ بھڑکا آکر ان کشتیوں کا کوڑا — چھوٹا کسی کا ہاتھی بھاگا کسی کا گھوڑا

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

اک کنکری جو ماری پڑھ ہم نے پھر فسوں کی — کشتی میں گھڑی بندھ گئی ان چاروں بلبلوں کی
سن سن کے چیخیں ان کی لڑنے میں غرغوں کی — سب بولے واہ حضرت اچھی یہ پڑھ کے پھونکی

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

سن سن وہ چخ چخ ان کی چڑیاں جو چوں چوں آئیں — کوے پکارے غاں غاں چیلیں بھی چلچلائیں
سارہ و شیر مینا چمگادڑیں بھی آئیں — مرغوں نے کڑکڑوں کوں کی کلکلیاں پھر مچائیں

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

چلائے مور سارس اور پھر بھیڑ اے کھٹ گو — گدا اور گیدڑ دہاڑے اور بھیڑ بھیڑ اے آئو
کتے بھی بھونکے بھوں بھوں گیدڑ پکارے ہو ہو — بطخ گدھے بھی ریکے کرانچی ڈھینچو ڈھینچو

سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

جب سے چلے وہاں سے ہم بلبلوں کا لشکر — سب لوگ ہنس کے بولے اے صدم دعائیں دیکر

کٹ گڈا ہونا: گتھنا، بھڑنا، تین تین کا ایک گڈا بن جانا۔
غرغوں: شور مچانا، بڑے زور سے چیخنا۔
ارے: ایک پرندہ
کھٹ گو: ایک پرند کا نام
ریکنا: گدھے کی آواز ... آ ... سنی

سب میں میاں نظیرؔ اب تم ہو بڑے قلندر
پھیل آگرے میں اب ختم ہے تمھیں پر،
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

(۴۹)

گلہری کا بچہ

لیے پھرتا ہے یوں تو ہر بشر بچّا گلہری کا
ہر اک اُستاد کے رہتا ہے گھر بچّا گلہری کا
ولیکن ہے ہمارا اس قدر بچّا گلہری کا
دکھاویں ہم کسی لڑکے کو گر بچّا گلہری کا
تو دم میں لوٹ جائے دیکھ کر بچّا گلہری کا

سفیدی میں وہ کالی دھاریاں ایسی رہی ہیں بن
کہ جیسے گال پر لڑکوں کے چھوٹے زلف کی ناگن
کناری دار بنتا جس میں گھنگرو کر رہے چھن چھن
گلے میں ہنسلی پاؤں میں کڑے اور ناک میں لٹکن
رہا ہے سر بسر گہنے میں بھر بچّا گلہری کا

کسی سردار کے دل میں یہ آیا ایک دن یارو
کہ دیکھے گھر بلا کر عشق بازوں کے ہنر کو وہ
کہا اُس نے کہ "ہاں اس ڈھب کے اُستادوں کو لے آؤ"
سو نوکر اُس کا سب میں ڈھونڈھ ڈھنڈھ کر لے گیا ہم کو
نہ تھا ہم پاس اُس دم کچھ مگر بچّا گلہری کا

وہ دیکھے تو بُری صورت بُرا احوال اور پھٹے کپڑے
بڑھے داڑھی کے بال اور زرد منھ آنکھوں میں آنسو سے
بندھی میلی سی پگڑی سر پہ اور ٹکڑے انگرکھے کے
وہ کپڑے گو پھٹے تھے ہم پر اپنے فن میں تھے پورے
لگا رکھتے تھے ایسے وقت پر بچّا گلہری کا

جونہیں اتنے میں ہم کو اس بُرے احوال سے دیکھا
کہا اُس نے کہ پھنستا ہوگا ان سے کس طرح لڑکا
نظر سے اُسکی میں نے جب تو واں اس بات کو تاڑا
کمر کو دیکھ ڈھونڈھی جیب پگڑی کو ٹٹول اُس جا
وہیں ہم نے نکالا ڈھونڈھ کر بچّا گلہری کا

کہیں بیٹھا تھا واں اُس کا برس بارہ کا اک لڑکا
جو ہیں اُس نے وہ بچا آہ یارو اک نظر دیکھا
وہ گورا گدگدا اچھا پری سا چاند کا ٹکڑا
وہیں لٹو ہو کر بولا "یہی لوں گا یہی لوں گا
بٹھادو جلد میرے ہاتھ پر بچا گلہری کا

یہ کہکر بیقراری سے وہ لڑکا شوق میں غش ہو
لگا سو منتوں سے مانگنے وہ یہ تو ہم کو دو
وہیں گھبرا کے آ پہونچا جہاں ہم تھے کھڑے یارو
وہ باپ اُس کا پکارا ہاں نکالو جلدی سے انکو
غضب جادو کا رکھتا ہے اثر بچا گلہری کا

(۵۰)

ریچھ کا بچہ

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچا
سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچا
لے آئے وہیں ہم بھی اُٹھا ریچھ کا بچا
جسوقت بڑھا ریچھ ہوا ریچھ نکا بچا
جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچا

تھا ہاتھ میں اک اپنے سوا من کا جو سونٹا
کاندھے پہ چڑھا جھولنا اور ہاتھ میں پیالا
لوہے کی کڑی جس پہ کھڑکتی تھی سراپا
بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا ریچھ کا بچا

تھا ریچھ کے بچے پہ وہ گہنا جو سراسر
کانوں میں ذرا اور گھنگرو پڑے پاؤں کے لٹکر
ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پُر زر
جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچا

جھمکے وہ جھمکتے تھے بڑے جس پہ کرن پھول
اوران کے سوا کتنے بٹھائے تھے جو گل پھول
منقش کی لڑیوں کی پڑی پیٹھ اُپر جھول
یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پاؤں کی سدھ بھول
گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچا

اک طرف کو تھیں سیکڑوں لڑکوں کی پکاریں
کچھ ہاتھیوں کی قیںؔ اور اونٹوں کی قطاریں
اک طرف کو تھیں پیر و جوانوں کی قطاریں
غل شور، مزے بھیڑ ٹھٹھ، انبوہ، بہاریں
جب ہم نے کیا لاکے کھڑا ریچھ کا بچہ

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر
ہم اُن سے یہ کہتے تھے "یہ پیشہ ہے قلندر
وہ کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر"
ہاں چھوڑ دیا بابا اُنھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچہ

مدت میں اب اس بچے کو ہم نے ہے سدھایا
یہ کہہ کے جو ڈھپلی کے تئیں گت پہ بجایا
لڑنے کے سوا ناچ بھی اس کو ہے سکھایا
اس ڈھب سے اُسے چوک کے جمگھٹ میں نچایا
جو سب کی نگاہوں میں کھبا ریچھ کا بچہ

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں واہ
ہر چار طرف سیتی کہیں پیر و جواں واہ
پھر کھروا ناچا تو ہر اک بولی زباں واہ!
سب ہنس کے یہ کہتے تھے میاں واہ میاں واہ
کیا تم نے دیا خوب نچا ریچھ کا بچہ

اس ریچھ کے بچے میں تھا اس ناچ کا ایجاد
ہر کوئی یہ کہتا تھا "خدا تم کو رکھے شاد"
کرتا تھا کوئی قدرت خالق کے تئیں یاد
اور کوئی یہ کہتا تھا "ارے واہ رے اُستاد
تو بھی جیے اور تیرا سدا ریچھ کا بچہ"

جب ہم نے اُٹھا ہاتھ کڑوں کو جو ہلایا
لپٹا تو یہ کشتی کا ہنر آن دکھایا
خم ٹھوک پہلواں کی طرح سامنے آیا
جو چھوٹے بڑے جتنے تھے اُن سب کو رجھایا
ہم بھی نہ تھکے اور نہ تھکا ریچھ کا بچہ

جب کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا
گہ ہم نے پچھاڑا اُسے گہ اس نے پچھاڑا
للکارتے ہی اُس نے ہمیں آن لتھاڑا
اک ڈیڑھ پہر ہوگیا کشتی کا اکھاڑا
گر ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچہ

لہ قیں - آواز - چیخ ۱۲ ؎ جنگلے کی بجائے پہلے جنگلا بھی برتتے تھے ؎ جنگلے کی راہ سے چلا دیں - ؎ گھر اور نسیم ۱۲ - ؎ ڈھپلی - ؎ ڈفلی کا عامیانہ لہجہ ۱۲ ؎ پہلوان میں "ہ" ساکن ہے ۱۲ آسی

یہ داؤ میں، پیچوں میں جو کشتی میں ہوئی دیر
سب نقد ہوئے آکے سوا لاکھ رُپے ڈھیر
یوں پڑتے روپے پیسے کہ آندھی میں گویا بیر
جو کہتا تھا ہر ایک سے اس طرح سے منہ پھیر
"یارو تو لڑا دیکھو ذرا ریچھ کا بچا"

کہتا تھا کھڑا[۱] کوئی جو کر آہ "اہا ہا!
یہ سحر کیا تم نے تو ناگاہ اہا ہا!
اس کے تمہیں استاد ہو واللہ، اہا ہا!
کیا کہیے غرض آخرش اے واہ اہا ہا!"
"ایسا تو نہ دیکھا، نہ سُنا ریچھ کا بچا"

جس دن سے نظیرؔ اپنے تو دلشادی ہیں
سب کہتے ہیں "وہ صاحب ایجادی ہیں
جاتے ہیں جدھر کو اُدھر ارشادی ہیں
کیا دیکھتے ہو تم کھڑے اُستادی ہیں
کل چوک میں تھا جن کا لڑا ریچھ کا بچا"

(۵۱)

اژدہے کا بچا

بیچے ہے اب تو کوئی بلبل بئے کا بچا
مینا، بیا، لٹورا، اور ابلقے کا بچا
اور بیچتا ہے کوئی طوطے ہرے کا بچا
تیتر بٹیر سارس شکرے لوے کا بچا
سب بیچتے ہیں آکر چیتے گھڑے[۲] کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو اژدہے کا بچا

کھاتے تھے ہم تو اس سے آگے پلاؤ قلیا
پھرتے ہیں سر پہ رکھ کر چالیس من کی ڈلیا
یارو کھی سوکھی روٹی یا باجرے کا دلیا
اب کوئی آگرے میں ایسا نہیں ہے بگھیا
سب بیچتے ہیں آکر چیتے گھڑے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو اژدہے کا بچا

جب بیچتے تھے یارو ہم اژدہا پڑا نا
سو سو طرح کا جب تو آتا تھا ہم کو کھانا

۱؎ کھڑا یا خراج گو کو کہتے ہیں۔
۲؎ بیا بلی کی تصغیر ہے یعنی زور آور۔ قوی بازو۔ زبردست۔ بہت مال دار۔ توانگر آدمی

اب گاہکی جو کم ہے تو ہے یہ دل میں ٹھانا — اک بچا روز لانا اور روز بیچ کھانا

سب بیچتے ہیں آکر چیتے، گھڑے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدہے کا بچا

گاہک نہ کوئی بولا ہے یہ بڑا زمانا — آج اس کو سر پہ رکھ کر سب شہر ہم نے چھانا
اب بھی بکا تو بہتر، نہیں پھر پڑے گا لانا — ہے اس سے ہی ہماری نت روٹی کا ٹھکانا

سب بیچتے ہیں آکر چیتے گھڑے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدہے کا بچا

ہے ڈر ہم اس کو رکھیں یا پھیر کر لے جاویں — تو کیا ہم آپ کھاویں اور کیا اسے کھلاویں
کچھ بن نہیں ہے آتا یہ دکھ کسے سناویں — جی چاہتا ہے اب تو یہ شہر چھوڑ جاویں

سب بیچتے ہیں آکر چیتے گھڑے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدہے کا بچا

سو من گیہوں کا ہر دن کھانے کو کہاں سے آوے — اور سو پکھال پانی کب تک کوئی پلاوے
جب رات ہو تو ہر دم یہ خوف جی میں آوے — شاید اسے چرا کر کوئی چور لے نہ جاوے

سب بیچتے ہیں آکر چیتے گھڑے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدہے کا بچا

روزی کے اب تو ایسے گھر گھر میں ہیں کسالے — ہاتھی و گھوڑے اپنے دیتے ہیں لوگ ڈھالے
جب تنگ ہووے روزی کون اژدہے کو پالے — اس کی بھی اور ہماری یارو خبر خدا لے

سب بیچتے ہیں آکر چیتے گھڑے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدہے کا بچا

لو دس ہزار تک تو چھونے اسے نہ دیں گے — اتنے روپے تو اس کے اک پر کے ہم نہ لیں گے
ستر ہزار تک بھی سودا نہیں کریں گے — اسی ہزار دے گا تو ہم بھی دے چکیں گے

۱؎ گہاں بمعنی عوام
۲؎ دقتیں ،،
۳؎ ڈھمان اٹھانا
اور اس بیچا بمعنی
بیچے باؤ دھنا۔ سر
ہو کر دنیا اٹھا دکھینا
سیر سے جو دیکھے
اور دل بیچ ڈالتے
ہیں یہ تو کوڑیوں
کے مولوں یہ مال
ڈھالتے ہیں۔
پروفیسر شہباز
مرحوم

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو، لواڑدے کا بچّا

سب اُٹھ گئے جہاں سے وہ تھے جو لوگ جیتیا
وہ رہ گئے ہیں جن کے گھر میں نہیں ہے ہنیا
اس بات کو تو عمدہ ہو بھوگ کا بلیا
جو اژدہے کو پالے ایسا ہے کون رسیا

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو، لواژدے کا بچّا

آگے تو گھر بہ گھر تھے اکثر تمام داتا
سیمرغ پالتے تھے کرنے کو نام داتا
اپنے تو کوئی ہرگز آیا نہ کام داتا
سچ ہے نظیر آخر اجگر کے رام داتا

سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچّا
ہم بیچتے ہیں یارو، لواژدے کا بچّا

(۵۲)

بیا

اب ہاتھ پر مرے جو نمودار ہے بیا
زردی میں اپنے رنگ کی زردار ہر بیا
خوباں کے دیکھنے کا طلب گار ہے بیا
عاشق دلوں کی گرمی بازار ہے بیا
جتنے بئے ہیں سب میں یہ سردار ہے بیا

جس دن سے میرے ہاتھ یہ عیار ہے لگا
کیا کیا پری رخوں کی بہاریں ہیں دی دکھا
کوڑی کبھی اُٹھا، کبھی منہدی اُتار لا
مٹی سے اُس کی یارو یہ ڈورا نہیں بندھا
لڑکوں کی اُلفتوں میں گرفتار ہے بیا

کرنے کو دید جب سے لیا ہے یہ ہم نے مول
پھرتے ہیں ساتھ جب کئی دلبروں کے غول
چھلا انگوٹھی لاتا ہے ہر دم گرہ سے کھول
پانی کنوئیں سے کھینچے ہے کر پوستوں کے ڈول

ے جیا جس نے خوش نصیب مبلیب نمبر و برکت مناسب شہرت و نام ۱۲
ے بھوگ کے معنی ہیں حظ کے اور بنا تمتع اٹھانا بھوگ کا بلیا۔ حظوظ و لذائذ دنیاوی سے پورا پورا تمتع اٹھانے والا ۱۲
ے رسیا مزوں میں دلدادہ چٹخارے لینے والا آدمی۔ شوقین آدمی ۱۲
ے حشرات الارض کا رزاق خدا ہے۔ یہ ایک مشہور مثل ہے ۱۲ شہباز

ایسا ہنر میں اپنے نمودار ہے بیا

گر یہ تماشے پر کبھی اپنے اُتر پڑے
لڑکے امیروں کے پھریں ادھر اُدھر پڑے
پر مجھ کو یہ یقیں ہے اگر ٹک نظر پڑے
ہاتھی سے بادشہ کا بھی لڑکا اُتر پڑے

ایسا ہمارے پاس یہ تیتار ہے بیا

آگے ہمارے پاس تھا بچّا گلہری کا
طوطا، تبیتی، اور تھا بگلا سدھا ہوا
اُن کو تو ہائے چور کوئی لے گیا چرُا!
اب اس کا ہے ہمارے تئیں، یارو، آسرا

اس بے کسی میں اب تو مددگار ہے بیا

گر یہ ہمارے پاس نہ ہوتا تو آشیاں[ف]
پوچھے تھا کون ہم سے غریبوں کی بات یاں
اس درد و غم میں حق کے سوا اب تو اس مکاں
اپنا نہ کوئی دوست، نہ مشفق، نہ مہرباں

گر ہے تو اب جہاں میں یہی یار ہے بیا

لڑکا جو کوئی شوخ ہٹیلا ہو اُچپلا
پھنستا نہ ہو کسی سے کسی جال میں جو آ
یارو یہ وہ بیا ہے، دیا جس گھڑی دکھا
بس دیکھتے ہی آن میں لٹّو ہو آ ملا

کافر یہ اس طرح کا جھمک دار ہے بیا

کرتا ہے آکے بندی و ٹیکی پہ جب یہ چوٹ
بالوں کی لٹ دکھاؤ تو لاوے وہیں کھسوٹ
بوڑھوں کا دل تماشے میں ہوتا ہے جیسے لوٹ
لڑکا تو ایک دم میں ہو بس دیکھ لوٹ پوٹ

یہ تو کہیں کا زور طرح دار ہے بیا

جب مانگتا ہے مجھ سے بہت ہو کے بیقرار
کہتا ہوں اُس سے جب تو میں اے شوخ گل عذار
یہ کیا بیا ہے اس کو نہ لو پیارے زینہار
گر ساتھ میرے آؤ تو دکھلاؤں تم کو یار

اس سے بھی اور ایک مزے دار ہے بیا[لہ]

اس دم کے بیچ جب وہ پری زاد لگ چلا
پھر وہ نہیں کوڑیوں کا دیا جھاڑ اُسے دکھا
بوسے بھی خوب لے لیے مطلب بھی کر لیا
اور یوں کہا کہ جان نہ تم ماننا بُرا

ف اومیاں

لہ کوڑیوں کا جھاڑ کسی ناگفتہ بہ شے سے کنایہ ہے ۱۲

میری خطا نہیں یہ گنہ گار ہے بیا،

یہ سن کے مجھ سے کہتا ہے جب ہو کے وہ خفا
تب ہاتھ جوڑ اُس کو یہ دیتا ہوں میں سُنا
لو اب بیا تو دو مجھے، ہونا تھا سو ہوا
تم کو تو ایسے لاکھ ملیں گے اے دل ربا
مجھ کو تو ملنا پھر کہیں دشوار ہے بیا،

ایسے بیے تو لاکھوں کروں تم پہ میں نثار
اور مجھ غریب کا تو اسی پر ہے روزگار
لے جا کے اس کو تم کہیں ڈالو گے مفت مار
ہر دم اسی کا اس سے ہی چلتا ہے کاروبار
سچ پوچھئے تو میرا یہ بیوپار ہے بیا،

ایسا بیا ہے اب تو سزاوار دل پذیر
کیا شوخ، کیا شریر، غریب اور کیا امیر
لڑکے جہاں تلک ہیں پری زاد بے نظیر
سب منتوں سے کہتے ہیں آ کر میاں نظیر
اک دو گھڑی تو ہم کو یہ درکار ہے بیا،

مدارج عمر

(۵۳)

طفلی

کیا دن تھے یار وہ بھی تھے جبکہ بھولے بھالے
چوٹی کوئی رکھالے بدھی کوئی پنھالے
نکلے تھی دائی لیکر، پھرتی کبھی دڈدالے[1]
ہنسلی گلے میں ڈالے، منت کوئی بڑھالے
سوٹے ہوں یا کہ دبلے، گورے ہوں یا کہ کالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

دل میں کسی کے ہرگز نے شرم نے حیا ہے
پہنے پھرے تو کیا ہے ننگے پھرے تو کیا ہے
آگا بھی کھل رہا ہے پیچھا بھی کھل رہا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور ووں بھی واہ وا ہے
کچھ کھالے اس طرح سے کچھ اُس طرح سے کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

مرجاوے کوئی تو بھی کچھ اُن کا غم نہ کرنا
اُن کی بلا سے گھر میں ہو قید یا کہ گھڑنا[2]
نے جانے کچھ بگڑنا نے جانے کچھ سنورنا
جس بات پر یہ مچلے پھر وہی کر گزرنا
ماں اوڑھنی کو، بابا پگڑی کو بیچ ڈالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

---

۱ دڈدا کھلائی وہ عورت جو بچوں کی خدمت پر متقرر ہو ۲ آتھی [illegible] گھیر؟ انگریزی کی رعایت سے ... اگر پڑھیں تو قافیہ ناقص رہتا ہے ممکن ہے کہ لِنا کی طرح قدیم تلفظ گھڑنا ہو۔ گھڑنا بالفتح کے معنی لغت میں نفرت ملامت اور شرم کے لکھے ہیں لیکن وہ نامانوس اور غیر متعارف تلفظ ہے۔ اور تعبیر نے غالباً اس کا استعمال اس صاف و شفاف نظم میں نہ کیا ہوگا۔ ۳ شہباز مرحوم

جو کوئی چیز دیوے نت ہاتھ اوڈتے ہیں
بابا کی مونچھ، ماں کی چوٹی کھسوٹتے ہیں
گڑ، بیر، مولی، گاجر لے منہ میں گھونٹتے ہیں
گردوں میں ناٹ رہے ہیں خاکوں میں لوٹتے ہیں
کچھ مل گیا سو پی لے کچھ بن گیا سو کھا لے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو اُن کو دو سو کھا لیں پھیکا ہو، یا سلونا
ہیں بادشہ سے بہتر جب مل گیا کھلونا
جس جا پہ نیند آئی پھر واں ہی اُن کو سونا
پروا نہ کچھ پلنگ کی، نے چاہیئے بچھونا
بھونپو کوئی بجا لے، پھرکی کوئی پھرا لے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

یہ بالے پن کا یارو عالم عجب بنا ہے
یہ عمر وہ ہے اس میں جو ہے سو بادشا ہے
اور سچ اگر یہ پوچھو تو بادشاہی کیا ہے
اب تو نظیر میری سب کو یہی دعا ہے
جیتے رہیں سبھوں کے آس و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

(۵۴)

ایضاً طفلی ۲

کیا وقت تھا وہ ہم تھے جب دودھ کے چھچھورے
پانوؤں میں کالے ٹیکے ہاتھوں میں نیلے ڈورے
ہر آن آنچلوں کے معمور رہتے کٹورے
یا چاندنی بو صورت یا سانورے و گورے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

گُل کی طرح سے ہر دم سینے پہ پھولتے تھے
ماں باپ اُن کی خدمت سر پہ قبولتے تھے
پی پی کے دودھ ماں کا خوش ہو کے پھولتے تھے
ہاتھوں میں کھیلتے تھے جھولوں میں جھولتے تھے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

له ہاتھ اوڈنا ہاتھ پھیلانا ۱۲ ؎ گھونٹنا ہے مراد منہ میں گھونٹے رہنا ۱۲ ؎ یعنے بال بچے ۱۲ ؎ آنچل پستان ہیں

کے دوستی کسی سے نے دل میں ان کے کینا.
نے گرمیوں سے واقف نے جانتے پسینا
جانیں نہ بے قرینا، نے سمجھیں کچھ قرینا
چھاتی سے ماں کی پیٹے خوش ان کو دودھ پینا

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے!

جو دیکھے اُن کی صورت سے پیار سے کھلاوے
چومے کبھی دہن کو چھاتی کبھی لگاوے
ہاتھوں اُپر اُچھالے اور چھیڑ کر ہنساوے
کوئی چسنی منھ میں دیوے کوئی جھنجھنا بجاوے

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

چھوٹا سا کوئی اُن کا کرتا نکالتا ہے
ماں دودھ ہے پلاتی اور باپ پالتا ہے
یا چھوٹی چھوٹی ٹوپی سر پر سنبھالتا ہے
نانا گلے لگاوے دادا اُچھالتا ہے

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

کیا عمر ہے عزیزو اور کیا یہ وقت ہے گا
پانوؤں چلے تو واں سے پھر اور پیار ٹھہرا
جب گھٹنیوں پہ آئے پھر اور کچھ تماشا
سب زندگی کا خط ہے اُن کو نظیر، اہا ہا!

کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے!

(۵۵)

لطف شباب

کیا عیش کی رکھتی ہے سب آہنگ جوانی!
ہر آن پلاتی ہے مے اور بنگ جوانی
کرتی ہے بہاروں کے تئیں دنگ جوانی
کرتی ہے کہیں صلح، کہیں جنگ جوانی

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

اللہ نے جوانی کا وہ عالم ہے بنایا
پھندے میں کہیں جی ہے کہیں دل ہو تڑپا
جو ہر کہیں عاشق کہیں رسوا، کہیں شیدا
مرتے ہیں، سسکتے ہیں، بلکتے ہیں اہا ہا!

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

نے مے کا نہ معجون کے منگوانے کا کچھ غم
گالی کا نہ آنکھوں کے دُرا آنے کا کچھ غم
نہ دل کے لگانے کا نہ گل کھانے کا کچھ غم
ہنسنے کا نہ چھاتی سے لپٹ جانے کا کچھ غم

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

لڑتی ہے کہیں آنکھ کہیں دست کہیں سینہ
وعدہ کہیں اقرار کہیں سین کہیں مین
جھوٹا ہے کہیں پیار، کسی سے ہے لگی مین
نے جی کو فراغت ہے نہ آنکھوں کے تئیں چین

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

الفت ہے کہیں مہر و محبت ہے کہیں چاہ
ساقی ہے صراحی ہے، پریزاد ہیں ہمراہ
کرتا ہے کوئی چاہ کوئی دیکھ رہا راہ
کیا عیش ہیں کیا عیش ہیں کیا عیش ہیں اللہ

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

چہرے پہ جوانی کا جو آکر ہے چڑھا نور
چھاتی سے لپٹتی ہے کوئی حسن کی مغرور
رہجاتی ہیں پریاں بھی غرض اس کے تئیں گھور
گودی میں پڑی لوٹے ہے چنچل سی کوئی حور

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

گر رات کسی پاس رہے عیش میں غلطاں
گھبرا کے اٹھے جب تو گرے پاؤں پہ ہر آں
اور واں سے کسی اور کے ملنے کا ہو ادھیاں
کہتی ہے ہمیں چھوڑ کے جاتے ہو کدھر جاں؟!

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی

نوٹ یہ مصرع جرات کی تقلید میں ہے اس کی ایک مشہور غزل ہے جس کا مقطع یہ ہے
جرات کی غزل جس نے سنی اس نے کہا واہ
کیا بات ہے کیا بات ہے کیا بات ہے واللہ
شہباز

عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

رستے میں نکلتے ہیں تو ہوتی ہیں یہ چاہیں ۔ وہ شوخ کہ ہوں بند جنھیں دیکھ کے راہیں
کھانسے ہے کوئی ہنس کے کوئی بھرتی ہے آہیں ۔ پڑتی ہیں ہر اک جا سے نگاہوں پہ نگاہیں
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

ٹھٹکتے ہیں اگر اینٹھ کے چلتے ہیں عجب چال ۔ جو پانو کہیں راہ، کہیں سیف کہیں ڈھال
کھینچے ہیں کہیں بال، کہیں توڑ لیا گال ۔ چڑھ بیٹھے کہیں ہاتھ، کہیں منھ کو دیا ڈال
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

جاتے ہیں طوائف میں تو واں ہوتی ہے یہ چاؤ ۔ کہتی ہے کوئی "ان کے لیے پان بنا لاؤ"
کوئی کہتی ہے یاں بیٹھو کوئی کہتی ہے یاں آؤ ۔ ناچے ہے کوئی شوخ بتاتی ہے کوئی بھاؤ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

ہنس ہنس کے کوئی حسن کی چھل بل ہے دکھاتی ۔ مستی کوئی سرمہ کوئی کاجل ہے دکھاتی
چتون کی لگاوٹ کوئی چنچل ہے دکھاتی ۔ کرتی کوئی انگیا کوئی آنچل ہے دکھاتی
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کہتی ہے کوئی رات مرے پاس نہ آئے ۔ کہتی ہے کوئی ہم کو بھی خاطر میں نہ لائے
کہتی ہے کوئی کس نے تمھیں پان کھلائے ۔ کہتی ہے کوئی گھر کو جو جائے ہمیں کھائے
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

سہ گال توڑنا — فرط شوق میں گال کاٹ لینا۔ اس شعر کو ڈاکٹر فیلن نے اپنی ڈکشنری میں یوں نقل کیا ہے ؎ پانو گھسیٹنے جو تو وہ کھینچے پکڑ کے بال تو ہاتھ مروڑ دے تو یہ توڑے ہے پکڑ کے گال ۱۲ شمیم

سہ بھاؤ بتانا گانے یا گیت کے مضمون کا حرکات و سکنات سے نقشہ کھینچنا ۱۲ آسی

اگر دل کو کسی شوخ پری کی ہوئی ٹک چاہ
اور ناز میں کرنے لگی اُس وقت وہ اکراہ
جوں باز کرے چڑیا کو کہیں داب لے ناگاہ
پچھواڑے لپٹ کر وہیں ... سے ادئی آہ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

آیا جو کوئی حسن کا بوٹا یا کوئی جھاڑ
جا شوخ سے جھٹ لپٹے یہ پنجوں کے تئیں جھاڑ
اکّیا کے تئیں چھیڑ کے کرتی کو لیا پھاڑ
اخلاص کہیں پیار کہیں مار کہیں دھاڑ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کیا تجھ سے نظیر اب میں جوانی کی کہوں بات
اس پن میں گذرتی ہے عجب عیش سے اوقات
محبوب پری زاد چلے آتے ہیں دن رات
سیریں ہیں بہاریں ہیں تواضع ہے مدارات
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

(۵۶)

عالمِ پیری

کیا قہر ہے یارو جسے آجائے بڑھاپا
اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں غم لائے بڑھاپا
ہر کام کو ہر بات کو ترسائے بڑھاپا
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھائے بڑھاپا

جو لوگ خوشامد سے بٹھاتے تھے گھڑی بھر
چھاتی سے لپٹتے تھے، محبت کی جتا لہر
اب آکے بڑھاپے نے کیا ہائے یہ کچھ قہر
اب جن کے کنے جاتے ہیں لگتے ہیں اُنھیں زہر

لہ یعنی عمر دراز۔ عمر کے چار درجے ہیں:۔ لڑکپن۔ جوانی۔ ادھیڑپن۔ بڑھاپا۔ ان میں سے ہر ایک درجے کو پن کہتے ہیں۔ جب اب پہلا پن تو گنوائی بہاری۔ یعنی جب ارذل عمر کو پہونچی اور کسی عسرت کی زندگی تو بار کر تمہاری کا پیشہ اختیار کیا اور پانی بھرنے لگی سے یہ نظم نظیر کی بہت ہی ممتاز نظموں میں ہے اور اس کی شہرت یورپ تک پہونچ گئی ہے یہی نظم زیر نام پیری اور بڑھاپا نام کے ساتھ بھی ملقب ہے۔ چنانچہ اخیر نام سے سیوڈی تاسی اپنی فہرست میں اس کا ذکر کرتے ہیں ۱۲ سے مطبع احمدی کے نسخے میں اس شعر کے بدلے تیسرے بند کا دوسرا شعر نقل ہوگیا تھا جس سے قافیوں میں سخت غلطی پیدا ہوگیا۔ مطبع نول کشور کے متداول نسخے میں قافیوں کی تصحیح میں تو کوشش کی گئی مگر مطلب اس میں بھی رکیک رہا۔ اب منشی تنگ (کرم شدہ کرمی) کے مل جانے سے مطالب اور قوافی دونوں کا سلسلہ ٹھیک ہے ۱۲ شہباز۔

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تو پریزاد یہ رکھتے تھے ہمیں گھیر
سو آکے بڑھاپے نے کیا ہائے یہ اندھیر
آتے تھے چلے آپ، جو لگتی تھی ذرا دیر
جو دوڑ کے ملتے تھے سو اب لیتے ہیں منھ پھیر

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جب تلک ایّام جوانی کے ہرے رُکھ
بیٹھے تھے پرند آن کے جب تک تھا ہرا رُکھ
محبوب وہ ملتے تھے، نہ ہو دیکھ جنھیں بھوکھ
اب کیا ہے جو بیت جھڑ ہو اور جڑ ہی گئی سوکھ؟

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تھے جہاں گلبدن اور یوسفِ ثانی
مرجائیں تو اب منھ میں نہ ڈالے کوئی پانی
دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلّوں کی نشانی
کس دکھ میں ہمیں چھوڑ گئی؟ ہائے جوانی؟

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

یاد آتے ہیں ہم کو جو جوانی کے وہ ہنگام
اور جام، دل آرام، مزے، عیش اور آرام
ان سب میں جو دیکھو تو نہیں ایک کا اب نام
کیا ہم پہ ستم کر گئی یہ گردشِ ایّام!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

مجلس میں جوانوں کی تو ساغر ہیں چھلکتے
چہلیں ہیں، بہاریں ہیں، پری رو ہیں جھمکتے
ہم اُن کے تئیں دور سے ہیں رشک سے تکتے
وہ عیش و طرب کرتے ہیں ہم سر ہیں پٹکتے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا!

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

اب پاؤں پڑیں اُن کے تو ہرگز نہ بلاویں
اتنا تو کہاں اب جو کوئی جام پلا دیں!
جا بیٹھیں تو اک دم میں خفا ہو کے اٹھا دیں
گر جان نکلتی ہو، تو پانی نہ چُوا دیں؟

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

جب عیش کے مہمان تھے، اب غم کے ہوئے ضیف
جب اینٹھ کے چلتے تھے، سپر باندھ اُٹھا سیف
اب خون جگر کھاتے ہیں جب پیتے تھے سو کیف
اب ٹیک کے لاٹھی کے تئیں چلتے ہیں صد حیف

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا!

تھے ہم بھی جوانی میں بہت عشق کے پورے
اب آکے بڑھاپے نے کیے ایسے ادھورے
وہ کون سے گل رو تھے جو ہم نے نہیں گھورے
پر جھڑ گئے، دم اُڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یار و اُلٹ ہائے گیا ہم سے زمانا
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے داڑھی کا بہانا
جو شوخ کہ تھے اپنی نگاہوں کے نشانا
ہنس کر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہو نانا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پوچھیں جسے کہتا ہے وہ کیا پوچھے ہے بُڈّھے
بیٹھیں تو یہ ہو دھوم کہاں بیٹھے ہے بُڈّھے
آویں تو یہ غل ہو کہ کہاں آوے ہے بُڈّھے!
دیکھیں جسے کہتا ہے وہ کیا دیکھے ہے بُڈّھے؟

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ـــه بند ۶، ۹، ۱۰ دونوں نسخوں میں نہیں ہیں۔ ـــه مہمان۔ ـــه شفقو۔ ـــه بند ۱۲، ۱۳ بھی دونوں نسخوں میں نہیں ہیں۔ شہبانہ

کیا یارو کہیں گو کہ بڑھاپا ہے ہمارا
جب بوڑھا ہمیں ہائے جہاں کہہ کے پکارا
پر بوڑھے کہانے کا نہیں تو بھی سہارا
کافر نے کلیجے میں گویا تیر سا مارا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

خوباں میں اگر جاویں تو ہوتی ہے یہ پھکڑی
سن پچیں کہیں ہنسی کے لیے جاتی ہیں پگڑی
کھینچے ہے کوئی ہاتھ کوئی پکڑے ہے لکڑی
داڑھی کو پکڑ کھینچ کوئی جھاڑے ہے مکڑی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کہتا ہے کوئی چھین لو اُس بوڑھے کی لاٹھی
اتنی کسی کافر کو سمجھ اب نہیں آتی
کہتا ہے کوئی شوخ کہ ہاں کھینچ لو داڑھی
کیا بوڑھے جو ہوتے ہیں تو کیا اُنکے نہیں جی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

اک وقت وہ تھا ہم بھی مزے کرتے تھے گن گن
اک وقت یہ ہے ہائے جو سب کرتے ہیں اب گھن
محبوب پریزاد نہ رہتے تھے ملے بن
یا ایک وہ ایام تھے یا ایک یہ ہیں دن

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

بوڑھوں میں اگر جاویں تو لگتا نہیں واں دل
محبوبوں میں جاویں تو وہ سب چھیڑیں ہیں مل مل
واں کیونکہ لگے دل تو ہے محبوبوں کا مائل
کیا سخت مصیبت کی پڑی آن کے مشکل

سب چیزوں کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پنگھٹ کو ہماری اگر اسواری گئی ہے
تو واں بھی لگی ساتھ یہی خواری گئی ہے

[illegible]

۵ گویا بروزن
فعلن فصیح ہے ۔ جو
ضعوائے حال داو
کے دیئے اور گرہنی
کو پسند نہیں کرتے
آسی نے پھکڑی کی
بجائے پھکڑی ...
تے بند ۱۵-۱۶-۱۰
بھی متداول نسخوں
میں نہیں ہیں ۔
شہباز

سنتے ہیں کہ کستی ہوئی پنہاری گئی ہے — تو دیکھو بڑھاپے میں یہ مت ماری گئی ہے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پگڑی ہو اگر لال گلابی تو یہ آفت
ٹھٹھے سے کوئی کہتا ہے کرشکل یہ رحمت
کہتا ہے ہر اک دیکھو کے کیا خوب ہے رنگت
لاحول ولا دیکھیے بوڑھے کی حماقت

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر بیاہ میں جاویں تو یہ ذلت ہے اٹھانا
رندوں میں اگر جاویں تو مشکل ہے پھر آنا
چھٹتے ہی بنے باپ نکاحی کا نشانا
افسوس کسی جا نہیں بوڑھے کا ٹھکانا[1]

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ہے جھانولی[2] تالی کا زنانوں میں جو چرچا
داڑھی کی جگت بولے کوئی آنکھ کو مٹکا
گر اُن میں کبھی جاویں تو ہے یہ ستم آنا
ٹھٹھے سے کوئی کہتا ہے "آ" آمرے دادا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

و۔ یا کے تماشے کو اگر جاویں تو یارو
او ہنس کے شرارت سے کوئی پوچھے ہے بدخو
کہتا ہے ہر اک پھر کے جاتے ہو کہاں کو؟
کیوں خیر ہے کیا خضر سے ملنے کو چلے ہو

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر آج کو ہوتے وہ جوانی کے زمانے
مشکل ابھی پڑ جاتی انھیں پیچھے چھڑانے
قدرت تھی جو یوں چھیڑتے پھر دے دو زمانے
اک دم میں ابھی لگتے او ہی ہائے مچانے

[1] نسخہ ۱۹۰۰ء سے بھی متداول نسخوں سے مفقود ہیں۔
[2] جھانولی۔ چشم وابرو کا اشارہ جگہ نرہیہ۔ تالی۔ دونوں ہاتھوں کو بجانا ہوا آسکی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

گر ناچ میں جاویں تو یہ حسرت ہے ستاتی
اوروں کی طرف جاوے تو آنکھیں ہیں لڑاتی
جو ناچے ہے کافر وہ نہیں دھیان میں لاتی
پر ہم کو تو کافر وہ انگوٹھا ہے دکھاتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

گر نائکا اُن میں کوئی بوڑھی ہے کہاتی
پھیکی سی پرانی سی لگاوٹ ہے جتاتی
البتہ بڑھاپے پہ ہے ٹک رحم وہ لاتی
پر قہر ہے وہ ہم کو ذرا خوش نہیں آتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

چھلے کے جواندر کی وہ کہلاتی ہیں کسبی
مُنھ دیکھتے ہی کہتی ہیں سب آ دُبڑے جی
اگر اُن میں کبھی جاویں تو ہوتی ہے خرابی
کیا آئے ہو میاں کرنے کو پیری دمُریدی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

گر جائیں طوائف میں تو لگتی ہیں سنانے
ہنس ہنس کوئی پوچھے ہی نمازوں کے دوگانے
کیا آئے ہو حضرت ہمیں قرآن پڑھانے؟
ٹھٹھے سے کوئی پھینکے ہے تسبیح کے دانے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

گو جھک کے کمر پاؤں سے سر آن لگا ہے
کہتے ہیں جسے "ہم کو یہ ارمان لگا ہے
پر دل میں تو خوباں کا وہی دھیان لگا ہے
کہتا ہے وہ کیا بوڑھے کو شیطان لگا ہے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا

لے بند ۸ بھی متداول نسخوں سے غائب ہے ۱۲

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

نقلیں کوئی ان پوپلے ہونٹوں کی بناوے
چل کر کوئی کبڑے کے طرح قد کو جھکا دے
داڑھی کے کنے انگلی کو لا لا کے نچاوے
یہ خواری تو اللہ کسی کو نہ دکھا دے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جیتے جوانی میں کیے دھوم دھڑکے[1]
ویسے ہی بڑھاپے میں چھٹے اُن کے چھکے[2]
سب اُڑ گئے کافور وہ نظارے وہ جھکے
اب عیش جوانوں کو ہیں اور بوڑھوں کو دھکے

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر حرص سے داڑھی کو خضاب اپنی لگا دیں
جھرّی جو پڑی منھ پہ اُسے کیونکہ مٹا دیں
گو مکر سے ہنسنے کے تئیں دانت بندھا دیں
گردن تو پڑی ہلتی ہے کیا خاک چھپا دیں

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

بوڑھے ہوئے پر حسن کی چاہت نہیں چھٹتی
آنکھوں سے یہ دیدار کی لذت نہیں چھٹتی
اور دل سے بھی محبوب کی الفت نہیں چھٹتی
سب چھٹ گیا پر دید[3] کی یہ لت نہیں چھٹتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

سنتے ہو جوانو! یہ سخن کہتے ہیں تم سے
کرتے ہو جو کرلو وہ مزے عیش و طرب کے
جاوے گی جوانی تو پھر افسوس کروگے
تم جیسے ہو ویسے تو کبھی ہم بھی جواں تھے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

سلہ بند ۳۰، ۳۱ سو سو بھی متداول نسخوں سے مفقود ہیں ۱۲
[1] دھوم دھڑکے کرنا = دھوم دھام کرنا
[2] چھکے چھوٹنا = ہوش و حواس پراگندہ ہونا ۱۲
[3] دیدار ۱۲ آسی

لہ محاورہ ہے ڈھاک کے تین پات۔ مگر نظیر نے یہاں بضرورت شعر تصرف کر لیا ہے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا ۱۲ پروفیسر شہباز سہ بند ۵ بھی متداول نسخوں میں نہیں ہے۔ ملولا۔ افسوس، رنج، پچھتاوا ۱۲ سہ قافیے اور تین مصرعوں میں بہت چستی سے آئے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ یہاں بھی کوئی ویسی ہی چست ترکیب ہو۔ میرے خیال میں ملولا کی جگہ مُبتلا ہے یعنی خدا کسی کو ایسا شہرلا کر نہ دکھلائے جس میں سب پر سرزنش ہوں ۱۲ شہباز سہ بند ۳ سے ۳ تک بھی متداول نسخوں میں مفقود ہیں ۱۲ ھہ شخ فارسی میں ایک تو شاخ کا مخفف ہے۔ دوسرے زمین سخت اور سرکوہ کو کہتے ہیں چنانچہ قاآنی کہتا ہے:۔ طفل ذوفنون ہیں کر برنا وہ زشخ شدہ دوموش وز عذار برنگ سفید شخ + چو پیرے کیودکی سپید ش شود زشخ شدہ دوموش ہچو برف دو ہر نفس چو شخ + کر زو دش سپید کرد بہر سیاہ کار دل

اب جتنے ہو معشوق یہ سب یاد رکھو بات محبوب غنیمت ہے جوانی کی یہ اوقات		جو ہو سو کرو چاہنے والوں کی مدارات جب بوڑھے ہوئے پھر تو ہوئے ڈھاک لہ کے دو پات

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

اب جس سے رہیں صاف تو ہوتا ہے وہ گدلا اس چرخ ستمگار نے سینے میں حسد لا		اللہ نہ دکھلاوے کسی کو یہ ملولا سہ کیا ہم سے جوانی کا لیا آہ یہ بدلا!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

تھے جیسے جوانی میں پیے جام سبو کے جب آ کے گلے لگتے تھے محبوب بھبو کے		ویسے ہی بُڑھاپے میں پیے گھونٹ لہو کے اب کہیے تو بُڑھیا بھی کوئی منہ پہ نہ تھوکے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

یہ ہونٹھ جو اب پوپلے یارو ہیں ہمارے ہوتے تھے جوانی میں تو پریوں کے گذارے		ان ہونٹوں نے بوسوں کے بڑے رنگ ہیں مارے اور اب تو چڑیل آن کے اک لات نہ مارے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

تھے جیسے جوانی کے چڑھے زور پہ شخ شخ ھہ ٹکلا ہوا تن سوکھ، روئی بال، رگیں شخ		ویسے ہی بُڑھاپے کی پڑی آن کے اب بخ حلوا ہوئے چرخا ہوئے پیسی ہوئے چرخ

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

محفل میں وہ مستی سے بگڑنا نہیں بھولے		ساقی سے پیالوں پہ جھگڑنا نہیں بھولے

فلک تا زوصہ سپرد کر کوب و شخ بر + کم آساے ور تاب و رہوے در ہبر + یہاں دونوں معنی منطبق ہیں سر شاخ پر یا سر کوہ پر ۱۲ پروفیسر شہباز ھہ شخ ریشمی مضبوط ڈور ۱۲ نیّتی۔

ہنس ہنس کے پریزادوں سے لڑنا نہیں بھولے
وہ گالیاں، وہ بوسوں پہ اڑنا نہیں بھولے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا دور تھا سر دُکھنے کا ہوتا تھا صد[1] افسوس
اب مر بھی گئے جاویں تو ہوتا ہے کبھو[2] افسوس
ہر غنچہ دہن دیکھ کے کرتا تھا صد[3] افسوس
افسوس! صد افسوس! صد افسوس!!! صد افسوس!!!!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

جب جان کے بوڑھا ہمیں چھیڑیں ہیں یہ دلخواہ
اس وقت تو ہم یارو دم سرد سے بھر آہ
اور چھیڑ کے مجلس سے اُٹھاتے ہیں باکراہ
رو رو کے یہی کہتے ہیں "اب کیوں مرے اللہ!"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر ہوتی جوانی تو ابھی دھوم یہ مچتی
جب کرتی وہ انگیا کی اُڑا اُڑ اُلٹے دھجّی
چھاتی سے لپٹ دم میں کڑاکڑ الٹتے پسلی
پر کیا کریں یارو کہ بڑھاپے نے بُری کی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

وہ جوش نہیں جس کے کوئی خوف سے دہلے
جب پھوس سا ہو ہاتھ تھکے پاؤں بھی پہلے
وہ زعم نہیں جس سے کوئی بات کو سہ لے
پھر جس کے جو کچھ شوق میں آوے سو ہی کہہ لے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر شوق تھے جوانی میں تو سب آپ سے آ جاہ
یہ قہر بڑھاپے نے کیا آہ! نظیرؔ، آہ!
اور حسن دکھاتے تھے وہ سب آن کے دلخواہ
اب کوئی نہیں پوچھتا، اللہ ہی اللہ!

[1] پہلے جب کے سن میں ہوتے تھے ۱۲ [2] بے جا تھا سے تک کی قدیم شکل ۱۲ [3] مطبع صفدری کے نسخے میں اس نظم کے سوہی بند تھے۔ جہانوں۔ تالی والا بند (بند ۲) اس میں زیادہ ہے ۱۲ شہباز

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

(۵۷)
بڑھاپے کی تعلّیاں
تضمین

جو نوجوان ہیں اُن کے دلمیں گمان کیا ہے؟
بوڑھا ادھیڑ، اُسکا ڈھمکا، فلان گیا ہے؟
جو ہم میں کس ہر اُن میں تاب توان کیا ہے؟
ہم سے جو ہو مقابل پٹھے میں جان کیا ہے؟

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہے؟

ہر وقت دل ہمارا اُنگمدری بھاتا ہے
ہر شوق گلبدن سے گھری ہی چھانتا ہے
تیراب تلک ہمارا تو دے ہی چھانتا ہے
اب بات کو ہماری اللہ ہی جانتا ہے

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہے؟

چاہیں تو گھور ڈالیں سو خوبرو کو دم میں
سینہ بھڑک رہا ہے خوباں کے درد و غم میں
اور سیلے چھان ماریں، وہ زور ہے قدم میں
پٹھوں میں وہ کہاں ہیں؟ جو گرمیاں ہیں ہم میں

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

دُبلے ہوئے ہیں ہم تو خوباں کے درد و غم سے
مونچھیں سفید کی ہیں اس ہجر کے ستم سے
اور جھرّیاں پڑی ہیں اُن کے غم و الم سے
بوڑھا ہمیں نہ جانو اللہ کے کرم سے

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

کوئی بھی بال تن پر میرے نہیں ہے کالا
اگر جوان مقابل ہووے کوئی ہمارا
خوباں کے درد و غم کا ان پر پڑا ہے پالا
خالق سے ہے یقیں یہ دکھلائے وہ بھی پچھا

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

جب .... سروں میں تیل اور پھلیل ڈالیں
اور کنگھی چوٹی کرکر ہم سے جھمیل ڈالیں

سلہ پٹھا یعنی نوجوان
۲؎ گھری چھٹنا
خوب ہنسی چہل ہونا
باہم محبت اور
بے تکلفی ہونا ۱۲
اسکی

ہم بھی جب ان سے یارو، ملنے کا میل ڈالیں
دو چار کو لتاڑیں، دس پانچ کھیل ڈالیں
اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

اے یار سو برس کی ہوئی اپنی عمر آکر
اور جھرّیاں پڑی ہیں سارے بدن کے اوپر
دکھلاتے جس گھڑی ہیں میدان میں زور جاکر
رُستم کو بھی سمجھتے اپنے نہیں برابر
اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

ہم اور جوان مل کر گردل کے تئیں لگادیں
اور اپنے اپنے گل سے ملنے کی دل میں لادیں
جاکر انھوں کے گھر پر جب زور آزمادیں
وہ گردوال کو دیں ہم کو تھا پھاندجادیں
اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہے؟

جاتے ہیں روز جتنی خوباں کی بستیاں ہیں
ہر آن دید بازی اور بُت پرستیاں ہیں
سو سو طرح کی چہلیں جی میں اکستیاں ہیں
کیا جوش بھر رہے ہیں، کیا عیش مستیاں ہیں
اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

جو ہم کو جانے بوڑھا، سو وہ ہے شیخ چلّی
ہم چھیڑ ڈالیں اب بھی خوباں کو کر کے کھلّی
ہاتھی کو داب بیٹھیں، جیسے چوہے کو بلی
رستم سے اک گھڑی میں مچوادیں تو بہ تلّی
اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

... کا خوب بھردیں جتنا مکان ہے اونڈا
... تو ایسے جیسے کھاڑ اے کوئی پونڈا
ہر ناز میں چھپے ہے، سہر فوخ ہے کنونڈا
نہ رہنے پاوے ... نہ رہنے پاوے ...
اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

دنیا میں طاقت اپنی مشہور اس قدر ہے
کوچوں میں اور مکاں میں دیکھو جدھر اُدھر ہے
جنگل میں ہاتھی، چیتا یا کوئی شیر نر ہے
ہر اک کے دل میں اپنا ہی خوف اور خطر ہے
اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہے؟

کرتے ہیں ہم جو یارو اب دھوم اور دھڑکے
دیکھے جوان تو اس کے چھٹ جائیں دم میں چھکّے

سٹہ ڈگستیاں تھا، اس طرح کے جیسے کے صیغے لکھتے تھے اب یہ صورت متروک الاستعمال ہے ۱۲ آسی۔ سٹہ جمانا بتخفیف [illegible] [illegible] کھتا اب فصیح جانا نہیں رکھتے [illegible] اس طرح استعمال کرتے تھے اب یہ روز مرہ صحیح اور فصیح نہیں ۱۲ آسی سٹہ اونڈا۔ گہرا عمیق آسی

پیتے ہیں مے کے پیالے چلتے ہیں اردگھیے
کیا کیا نظیرؔ ہم بھی کرتے ہیں اب جھمکے
اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہے

(۵۸)

بڑھاپے کا عشق

گرہ بند

قائم ہے جسم، گو کہ نہیں کُس غنیمت است
سو عیش ہم کو گر نہ ملے، دس غنیمت است
جیتے تو ہیں، اگرچہ نہیں بس غنیمت است
وقتِ خزاں جو گل نبود خس غنیمت است
پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

کرتے ہیں اس بڑھاپے میں خوباں کی ہم تو چاہ
اور وہ جو کچھ شعور سے رکھتے ہیں دستگاہ
احمق ہیں خوبرو، جو وہ ہنستے ہیں ہم پہ آہ!
سو وہ تو ہم کو دیکھ یہ کہتے ہیں "واہ واہ"
پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

جن دلبروں سے یارو ہم اب دل لگاتے ہیں
بوسے بھی ہم کو دیتے ہیں، گر بھی ملاتے ہیں
وہ سب ترس ہمارے بڑھاپے پہ کھاتے ہیں
اور راہ منصفی سے یہ کہتے بھی جاتے ہیں
پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

نے تن میں اب ہے زور نہ چلتے ہیں دست و پا
اس وقت میں بھی عشق کو رکھتے ہیں جا بجا
اور جھکتے جھکتے سر بے قدم ساتھ آلگا
کیوں یارو سچ ہی کہیو یہ انصاف کی ہے جا
پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است

وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

روئے جو ہم چمن میں سحر بیٹھ کر ذرا
اُس نے کہا کہ اسکا کسی سے ہے دل لگا
بُلبل سے پوچھا گل نے کہ "بوڑھا یہ کیوں!؟"
جب گل نے ہم کو دیکھ کے ہنس کر یہی کہا

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

طاقت بدن میں گھٹ گئی، تو اب نام کو نہیں
جاتے ہیں لاٹھی ٹیک کے دل شاد ہم وہیں
ہوتا ہے اب بھی سیر، تماشا اگر کہیں
جو ہم کو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے "آفریں"!

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

کل میکدے میں ہم جو گئے با قدِ دوتا
اُس دم ہمارے دیکھ بڑھاپے کا حوصلا
اور پی شراب، لوٹ گئے شور و غل مچا
ہنس ہنس کے جب یہ پیرِ مغاں نے یہی کہا

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

پیارے تمھارے اور تو عاشق ہیں جو جواں
وہ تو رہیں گے ہم ہیں کئی دن کے میہماں
اک ہم ہی بوڑھے سب سے ہیں اور پیر ناتواں
بس سب کو چھوڑ ہم سے ملو کس لیے کہ جاں

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

جو ہیں جواں لکھنؤ کے تو اُلفت میں کیا روبار
ملتے ہیں دل لگاتے ہیں پھرتے ہیں خوار و زار
ہم بوڑھے ہو کے عشق کو رکھتے ہیں برقرار
جو ہم سے ہو سکے، وہ غنیمت ہے میرے یار

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

دانتوں کا گرچہ منھ میں ہمارے نہیں نشاں ۔ بوسے پہ آن اڑتے ہیں تو بھی ہر ایک آن
ان شوخیوں کا وقت ہمارے بھلا کہاں ۔ پر دل میں اپنے ہم بھی یہ کہتے ہیں مرحباں

پیری کردم ز عشق زند بس غیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

جن کو خدا نے دی ہے جوانی کی دستگاہ ۔ وہ تو ہمیشہ دل کو لگا دینگے تم سے آہ!
اور ہم کہاں پھر آوینگے کرنے تمھاری چاہ ۔ بس تم اب اپنے دل میں اسی پر کرو نگاہ!

پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

گو تن تمام کانپے ہے اور ہیں سفید بال ۔ تو بھی بناتے ہیں محبت کی چال ڈھال
پیارے ہمارے ملنے سے لاؤ نہ کچھ ملال ۔ کس واسطے کرو تم اب اس بات پر خیال

پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

ہوتے ہیں الفتوں سے جوانی میں سب اسیر ۔ ہم عشق سے بڑھاپے میں نکلے ہیں بے نظیر
جو ہم کو دیکھتا ہے اب اس حال میں نظیر ۔ پڑھتا ہے شاد ہو کے یہی بیت دلپذیر

پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت است

(۵۹)

جوانی بڑھاپے کی لڑائی

مناظرۂ شیب و شاب

جہاں میں یارو خدائی کی کیا خدائی ہے ۔ کہ ہر کسی کو تکبر ہے، خود نمائی ہے

ادھر جوانی بڑھاپے پہ چڑھ کے آئی ہے — اُدھر بڑھاپے کی اُس پر ہوئی چڑھائی ہے

عجب جوانی، بڑھاپے کی اب لڑائی ہے

جوانی اپنی جوانی میں ہو رہی سرشار — بڑھاپا اپنے بڑھاپے میں دم رہا ہے مار

ہوئے ہیں دونوں جو لڑنے کو واسطے تیار — اُدھر جوانی نے کھینچی ہے طیش سے تلوار

بڑھاپے نے بھی اُدھر لاٹھی اک اُٹھائی ہے

ادھر ہے تیر سا قامت اُدھر وہ پیٹھ کماں — اُدھر وہ ٹیڑھا بدن اور ادھر اکڑ کے نشاں

جوانی کہتی ہے بڑھ کر کہ سن، بڑھاپے میاں — کہ تیری خیر اسی میں ہے، چل، سرک اس آں

وگرنہ تیری اجل میرے ہاتھ آئی ہے

میں آج وہ ہوں کہ رستم کو کھڑکھڑا ڈالوں — پہاڑ ہووے تو اک دم میں ہل ہلا ڈالوں

درخت جڑ سے اُکھاڑوں زمین ہلا ڈالوں — ابھی کہے تو تری دھجیاں اُڑا ڈالوں

کہ مجھ کو زور کی، قوت کی بادشاہی ہے

کہا بڑھاپے نے گر تجھ میں زور ہے بچا — تو ہاں جی، دیکھیں ہمارے تو سامنے آجا

اگرچہ زور ہمارے نہیں ہے تن میں رہا — سوٹوں سے ہی تری ہڈیوں کو ڈالوں چبا

نہ ہم سے لڑ کہ اسی میں تری بھلائی ہے

اگرچہ تو ہے نیا ہم پرانے ہیں لیکن — نیا ہے تو بھی دن آخر پرانا ہے تو دن

ہزار گو کہ ترا زور پر چڑھا ہے سن — پہ ہم نہ چھوڑیں ترے کان اب مروڑے بن

کہ تو نے آ کے بہت دھوم یاں مچائی ہے

کہا جوانی نے تیرا تو اب ہے کیا احوال — تو میرے کان مروڑے کہاں یہ تیری مجال

نہ تیرے پاس طمنچہ نہ تیر سیف نہ ڈھال — ابھی گھڑی میں بکھرتا پھرے گا ایک اک بال

یہ ڈاڑھی تو نے جو مدت میں اب بڑھائی ہے

کہا بڑھاپے نے سن کر کہ تو اگر ہے پہاڑ — تو ہم بھی سوکھ کے جھڑ بیری کے ہوئے ہیں جھاڑ

ابھی کہے تو ترے کپڑے لتے ڈالیں پھاڑ ۔۔۔ ذرا سی بات میں اک دم کے بیچ لیویں اکھاڑ

ہر ایک مونچھ یہ تیری جو تاؤ کھائی ہے

یہ سن کے بولی جوانی کہ چل، نہ کہہ تو بات ۔۔۔ ابھی جو آن کے ماروں تری کمر میں لات

کہیں ہو پاؤں، کہیں سر، کہیں پڑا ہو ہات ۔۔۔ جسے تو جینا سمجھتا ہے، اور خوشی کی بات

وہ تیرا جینا نہیں ہے وہ بجیائی ہے

یہ سن کے بولا بڑھاپا کہ تو نے جھوٹ کہا ۔۔۔ جو پوچھے سچ تو ہمیں کو مزہ ہے جینے کا

شراب ہو جو پرانی تو اڑ چلے ہے نشا ۔۔۔ پرانے جب ہوئے چانول تو ہم انھیں میں مزا

قدیم ہے یہ مثل ہم نے کیا بنائی ہے

تری تو خلق میں ہے چار دن کی سب کو چاہ ۔۔۔ جہاں تو ہو چکی پھر بس وہی ہے حال تباہ

ہمیں ہیں وہ کہ کریں ہیں تمام عمر نباہ ۔۔۔ تو آپ ہی دیکھ گریباں میں ڈال کر منھ آہ

کہ اب کسی میں وفا کس میں بیوفائی ہے

جوانی جب تو یہ بولی بڑھاپے سے سن کر ۔۔۔ تری وفا سے مری بیوفائی ہے بہتر

میں جب تلک ہوں، بہاریں مزے ہیں سرتاسر ۔۔۔ جو سلطنت ہو گھڑی بھر کی تو بھی ہے خوشتر

مزے تو لوٹ لیے گو کہ پھر گدائی ہے

یہ سن کے بولا بڑھاپا وہ سلطنت ہے کیا ۔۔۔ کہ جس کے ساتھ لگا ہو زوال کا دھڑکا

ہمیں ملی وہ بزرگی کی منزلت اس جا ۔۔۔ کہ جب تلک ہیں رہے گی ہمارے ساتھ سدا

خدا نے ایسی ہمیں دولت اب دلائی ہے!

کہا جوانی نے چل جھوٹی اب نہ کر تکرار ۔۔۔ مرے تو واسطے عیش و طرب ہیں باغ و بہار

شراب ناچ مزے گل بدن گلے میں ہار ۔۔۔ تری خرابی یہ دیکھی ہے ہم نے کتنی بار

کہ تو نے ہر کہیں ذلت ہی جا کے پائی ہے

مجھے خدا نے دیا ہے وہ مرتبہ اور شان ۔۔۔ جدھر کو جاؤں ادھر عیش رنگ پھول اور پان

اُچھل ہیں کودے ہیں لذت مزے خوشی کے دھیان
گلے لپٹتے ہیں محبوب گل بدن ہر آن
گھڑی گھڑی کی نئی سیر ہی اُڑائی ہے

کہا بڑھاپے نے چل جھوٹ اتنا مت بولے
ہمیں کہیں ہیں وہ حضرت تجھے کہیں ہیں پلے
فدا تو جن پہ ہے وہ میرے پاؤں ہیں پڑتے
ہزاروں بار پڑے تجھ پہ لات اور گھونسے
بھلا بتا تو کہیں ہم نے مار کھائی ہے؟

تجھے چلتے ہیں وہ خوبرو جو لاتوں میں
ہم عیش دن کو اُڑاتے ہیں اور تو راتوں میں
ہم اُن کو مار اُتاریں ہیں دم کی باتوں میں
کریں ہیں عشق کو ہم جس طرح کی گھاتوں میں
تجھے کہاں ابھی اس بات میں رسائی ہے

تو جن کے واسطے گلیوں میں اب پھرے ہے خوار
تجھے تلاش و طلب میں کٹے ہے لیل و نہار
ہم اُن کی لوٹے ہیں عیش و طرب کے بیچ بہار
ہم اپنی نٹھٹی میں بیٹھے ہی کھیلتے ہیں شکار
تو کیا وہ جانے جو کچھ ہم نے گھات پائی ہے

بڑھاپے نے کہا اُس دم جوانی سے بابا
بزرگی اور مشیخت بڑھاپے میں ہے سدا
مرا تو وصف کتابوں میں ہے لکھا ہر جا
تری جو بات کا مذکور ہے کہیں آیا
تو ہر طریق میں خواری ہی تجھ پہ آئی ہے

جونہیں جوانی نے خواری کا منھ سے نام لیا
مروڑیں مونچھیں ادھر اُس نے ڈاڑھی کو کھینچا
بڑھاپا دوڑ جوانی سے وہیں آ لپٹا
لڑے جو دونوں بڑا ہر طرف یہ شور مچا
کہ یارو دوڑیو، فریاد ہے! دہائی ہے!

کھڑے تھے لوگ ہزاروں یہ دونوں لڑتے تھے
جو بازو چھوڑتے تھے تو کمر پکڑتے تھے
گھڑی پچھاڑتے تھے اور گھڑی پچھڑتے تھے
ہر اک طرف سے نئے گھونسے لات جڑتے تھے
تو سب یہ کہتے تھے کیا ان کے جی میں آئی ہے

یہ مار کوٹ کا آپس میں جب ہوا چرچا
نظیر اس میں وہیں ایک ادھیڑپن آیا

لہ دو ایک بند اوپر کے غائب معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اوپر جو تقریر تھی وہ بڑھاپے کی تھی بند ۳۰ میں خواری کے لفظ کا جوانی کے منھ سے نکلنا ہے حالانکہ وہ ما قبل بند کے مطابق بڑھاپے کے منھ سے ہے پس ان دونوں بندوں میں کچھ تصرف کاتب کو معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم ۱۲ شہباز

پھر اس کو روکا ادھر اور کچھ اس کو سمجھایا ۔۔۔ تم اپنے خوش رہو یہ اپنے خوش رہے ہر جا
ملاپ خوب ہے لڑنے میں کیا بھلائی ہے

(۶۰)

موازنۂ زور و کمزوری

زور جب تک کہ ہمارے بدن و تن میں رہا ۔۔۔ پچ گئی دم میں، اگر کیسی ہی اثقل تھی غذا
کھونڈے گلزار و چمن، گلشن و باغ و صحرا ۔۔۔ دوڑے ہر سیر تماشے میں خوشی سے ہر جا
زور کی خوبیاں لاکھوں ہیں کہوں میں کیا کیا

عیش و عشرت کے مزے جتنے کہ سب زور میں ہیں ۔۔۔ خرمی خوشدلی و عیش و طرب زور میں ہیں
لذتیں فرحتیں کیا کہیئے عجب زور میں ہیں ۔۔۔ زندگانی کے مزے جتنے ہیں سب زور میں ہیں
سچ ہے یہ بات کہ ہے زور ہی میں زور مزا

جب سے کمزور ہوئے تب سے ہوا یہ احوال ۔۔۔ سستی ضعف و نقاہت کی چڑھائی ہر کمال
ہو گئے سب وہ اچھل کود کے نقشے پامال ۔۔۔ اب جو چاہیں کہ چلیں پھر بھی اسی طور کی چال
قصد کرتے ہیں بہت پر کہیں جاتا ہے چلا

پانی پیتے ہیں تو بلغم وہ ہوا جاتا ہے ۔۔۔ اور رہی چکھیں تو چھینکوں کا منہ کھاتا ہے
پیویں شربت تو ہوا زدگیاں وہ لاتا ہے ۔۔۔ اور جو کم کھائیں تو پھر ضعف سے غش آتا ہے
پیٹ بھر کھائیں تو پھر چاہیے چورن کا ٹکا

راہ چلنے میں یہ کچھ ضعف سے ہوتے ہیں نڈھال ۔۔۔ ہر قدم آتے ہیں پابوس کو سو رنج و ملال
اور ٹک تند ہوا چلنے لگی تو فی الحال ۔۔۔ چلنی پڑتی ہے پھر اس وقت تو اس طور کی چال
جیسے پینگی کوئی چلتا ہے بہت پی کے نشا

اونچی نیچی جو زمیں آگئی رستے میں کہیں
یک بیک دونوں سے گذرے تو یہ طاقت ہی نہیں
اُس کی یہ شکل ہے کیا کہیئے نقاہت کے تئیں
اُتریں نیچے کو تو گر پڑنے کے ہوتے ہیں قریں
اور جو اونچے پہ رکھیں پاؤں دم آتا ہے چڑھا

آوے گر جاڑے کا موسم تو خرابی یہ ہو
تو بھی ہرگز گئی گرمی کی نہیں آتی بو
پہنے نو سیر روئی کی جو بنا کر دوٹو[1]
ہو بدن سرد و خنک اس میں کہ ایسا جبر کو
دیکھئے گر برف کا تھیلا تو رہے سر کو جھکا

اور عیاں ہووے جو ٹک آگے ہوا گرمی کی
موم ہوتے ہیں جہاں تن کو ذرا دھوپ لگی
اُس میں کچھ اور بھی ہوتی ہے نقاہت سستی
اور پسینوں میں یہ صورت ہر بدن کی ہوتی
جیسے غوّاص سمندر میں لگا دے غوطا

ضعف کے دام میں ہیں اب تو کچھ اس طور اسیر
طبع افسردہ، دل آزردہ، بدن سخت حقیر
جس میں نہ طاقتِ تحریر نہ تابِ تقریر
جو جو کمزوریاں کرتی ہیں وہ کیا کہیئے نظیرؔ
ایسے بے بس ہیں کہ کچھ دم نہیں مارا جاتا

(۶۱)

موت کی فلاسفی

ہندوانہ لہجہ

جو مرنا کہتے ہیں وہ مرنا کیا بتلائے کوئی
سی ڈالی آنکھ دورنگی کی جب بیرنگی نے مار سوئی
واں جو ہر باہیں کھول ملے سب اپنی اپنی چھوڑ دوئی
نہ مردوں کا غل شور رہا نہ عورت کی کچھ آہ اوئی
تن کی ماٹی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس کو پوچھے کون ہوا؟ اور کس کو کہیئے کون موئی

[1] دوتا۔ دوتاہ۔ دوتاہ ایک قسم کی پوشاک ہے۔ دوتہ دوتا کا بگاڑ ہے۔ لہجہ ہے دیہاتی

نقارہ دھوں دھوں بجتا تھا اور کیا کیا تھی آواز بجی
جب پھوٹ گیا پھر دیکھو تو آواز اب اسکی کہاں گئی
نر مادہ دونوں ایک ہوئے جب آن بھرم کی کھال پھٹی
نر کا کچھ زرمول رہا نہ مادہ کی پہچان رہی

مائی کی مائی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون ہوا اور کس سے کہیئے کون ہوئی

ہر چار طرف اُجیالی تھی اس تیل سکورے باتی کی
وہ جوت نہ تھی اس دیئے کی تھی اور کسی کی اُجیالی
سب گھر کے بیچ اُجالا تھا کیا نوک بندی تھی نور بھری
جب دیوا بجھ کر سرد ہوا پھر چھائے گئی کل اندھیاری

مائی کی مائی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون ہوا اور کس سے کہیئے کون ہوئی

تھا جب تک خاصہ دودھ بنا تھی کیا کیا اسمیں چیز دھری
براق ملائی ماکھن ۔ مٹھا اور کھویا گاڑھا اور ترتی
جب پھٹکر ٹکڑے دودھ ہوا پھر کہاں گئی وہ چکنائی
نہ دودھ رہا نہ دہی رہا نہ روغن مسکہ چھاچھ مہی

مائی کی مائی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون ہوا اور کس سے کہیئے کون ہوئی

یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو لکڑی میں تھی آگ لگی
جب بجھ کر ٹھنڈی راکھ ہوئی پھر اسکی آنچ کہاں پہنچی
یاں ایک طرف کو دولھا تھا اور ایک طرف کو دولھن تھی
جب دونوں ملکر ایک ہوئے پھر بات ہی کیا پردے کی

مائی کی مائی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون ہوا اور کس سے کہیئے کون ہوئی

یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو مٹکی ڈالی پانی میں
اور رستے میں جب پھوٹ گئی ہاتھو لگی نیچا تانی میں
نہ راجہ کا سندیہ رہا نہ بھید رہا کچھ رانی میں
جا گھیرے مل گئے گھیرونیں دریائی مل گیا پانی میں

مائی کی مائی آگ اگن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھے کون ہوا اور کس سے کہیئے کون ہوئی

یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو کپڑا پانی بھیگا تھا
جب سوکھا دھوپ کے اندر وہ پھر پانی اسکا کہاں گیا

سلہ زرمول ترکلہ منصب۔ مول جڑ یعنی وہ شے جسکی کوئی جڑ بنیاد ہو بے بنیاد لاشے یعنی نر کا کچھ زرمول نہ رہا یعنی کچھ نام ونشان نہ رہا چونکہ یہ سنی پہ تخلص بیرد امید تے ہیں لہذا ممکن ہے کہ زرمول کی جگہ جرمول ہو۔ واللہ اعلم ۱۲ شہباز
سلہ سکورا دیکھے سکوری ۱۲ ایک چھوٹا مٹی کا برتن مٹی کی طشتری ۱۲
سلہ ترتی شکر ۱۲
سلہ مہی کھن کا دودھ۔ دودھ جس سے کھن نکال لیتے ہیں ۱۲
سلہ سندیہ شک وشبہہ۔ خوف ڈر۔ تردد ۱۲ شہباز

سب مردہ بول اٹھے وہاں کسی نے رنگ لا
نہ بھرم رہا نہ مادہ کا نہ دھوکا باتی چیونٹی کا ئے

ہائی کی ہائی آگ گن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون موا اور کس سے کہیے کون موئی

یاں جن کو جینا مرنا ہے ای یار انھیں کو ڈرنا ہے
اس بھول بھلیاں چکر میں ٹک ست پیدا کرنا ہے
جب دونوں دکھ سکھ دور ہوئے پھر جینا ہے نہ مرنا ہے
سب چھوڑ بھرم کی باتوں کو اس گھاٹ پہ دل دھرنا ہے

ہائی کی ہائی آگ گن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون موا اور کس سے کہیے کون موئی

جن ناحق ان سے کون لڑے جو مرنا سمجھیں جینے کو
جو مر گئے آگے مرنے سے وہ جانے بھید قرینے کو
جینے کا رہنا نام رکھیں اور رہنا کھانے پینے کو
ہو خاصی دلھن جا لیٹی اس لال بنے رنگ بھینے کو

ہائی کی ہائی آگ گن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون موا اور کس سے کہیے کون موئی

کیا صورت لوگ لگائی کی کیا نقشہ ناری زربت کا
جو سمجھیں انکو آساں ہے نہیں فرق ہے رائی پربت کا
کیا رنگ بنے کا روپ بنے کیا سانگ بنا یا گت گت کا
بس اے نظیر اب کیا کہیے ہے نہ وہ تماشا قدرت کا

ہائی کی ہائی آگ گن جل نیر پون کی پون ہوئی
اب کس سے پوچھیے کون موا اور کس سے کہیے کون موئی

(۶۲)

موت کا دھڑکا

گرہ بند

دنیا کے بیچ یارو، سب نیست کا مزا ہے
جب مر گئے تو آخر پھر عمر خاک پا ہے
جیتوں کے واسطے ہی یہ ٹھاٹھ سب ٹھٹا ہے
نے باپ ہے نہ بیٹا، نہ یار آشنا ہے

سنہ بھرم اس نظم میں خاص معنوں میں نقل ہوا ہے بھرم کے ایک معنی ہیں عزت اعتبار حیثیت عرفی اور دوسرے معنی ہیں غلطی شک۔ حرف حیرت و شبہ
سنہ اشارہ ہے مردوں قبل ان نزوں کی طرف
سنہ زربت۔ بادشاہ و شہباز

ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بڑی بلا ہے

جیتوں کے دل کو ہر دم کیا عیش پے بہ پے ہے
جب مر گئے تو ہرگز مے ہے نہ کوئی شے ہے
گلزار، ناچ، سیریں، ساقی، صراحی مے ہے
اس مرگ کے ستم کو کیا کیا کہوں میں، ہے ہے

ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بڑی بلا ہے

ہے دم کی بات جو تھے مالک یہ اپنے گھر کے
یوں مٹ گئے کہ گویا تھے نقش رہ گذر کے
جب مر گئے تو ہرگز گھر کے رہے نہ در کے
پوچھا نہ پھر کسی نے یہ تھے میاں کدھر کے

ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بڑی بلا ہے

مرنے کے بعد کوئی الفت نہ پھر جتاوے
جو دیکھے ان کی صورت دہشت سے بھاگ جاوے
نے بیٹا پاس آوے، نے بھائی منھ لگاوے
اس مرگ کی جفائیں کیا کیا کوئی سناوے

ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بڑی بلا ہے

پیتے تھے دودھ شربت اور چابتے تھے میوا
بچے یتیم ہو گئے، بی بی کہائی بیوا
مرتے ہی پھر کچھ ان کا سکہ رہا نہ تھیوا[1]
اس مرگ نے اکھاڑا کس کس بدن کا لیوا

ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بڑی بلا ہے

جب روح تن سے نکلی آنا نہیں یہاں پھر
ہاتھی پہ چڑھ کے یاں پھر گھوڑے پہ چڑھیے کہاں پھر
کاہے کو دیکھتے ہیں یہ باغ و بوستاں پھر؟
جب مر گئے تو لوگو یہ عشرتیں کہاں پھر؟

ڈرتی ہے روح، یارو اور جی بھی کانپتا ہے

[1] تھیوا۔ پتھر جو انگوٹھی میں جڑا جاتا ہے۔ نگین انگشتری یہاں وہ نگین مراد ہے جس پر مہر کندہ کیا کرتے ہیں ۱۲ شہبانہ

مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

گھر ہو بہشت جن کا اور بھور ہی ہو دولت پھر مرتے وقت اُن کو کیونکر نہ ہووے حسرت	اسباب عشرتوں کے محبوب خوب صورت کیا سخت بے بسی ہو کیا سخت ہے مصیبت

ڈرتی ہو روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

کھانے کو اُن کے نعمت سو سو طرح کی آتی کوڑی کی جھونپڑی بھی چھوڑی نہیں ہو جاتی	اور وہ بنا دیں ٹکڑا دیکھ ٹک اُن کی چھاتی لیکن نظیرؔ سب کچھ یہ موت ہو چھڑاتی

ڈرتی ہو روح یارو اور جی بھی کانپتا ہو
مرنے کا نام مت لو مرنا بُری بلا ہے

(۶۳)

کل نفس ذائقۃ الموت

لہ ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے ۱۲ آسی

دنیا میں اپنا جی کوئی بہلا کے مرگیا عاقل تھا وہ تو آپکو سمجھا کے مرگیا	دل تنگیوں سے اور کوئی اُکتا کے مرگیا بے عقل چھاتی پیٹ کے گھبرا کے مرگیا

دُکھ پا کے مرگیا کوئی سکھ پا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مرگیا

دن رات دُشمنی ہو بیہاں در پڑی ہو جنگ جسکا قدم بڑھا وہ ہوا وہیں بے درنگ	چلتی ہو یہاں اجل کی سناں گولی و تفنگ جو جی چھپا کے بھاگا تو اُسکا ہوا یہ ڈھنگ

وہ بھاگتے ہیں تیغ و تبر کھا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مرگیا

پیدا ہوئے ہیں خلق میں اب جتنے جزو و کُل ۔۔۔ یا چُپ گذاری عمر و یا دھوم کر جھیل
جب آن کر فنا نے کھلایا اجل کا گُل ۔۔۔ کام آئی کچھ کسی کو خموشی نہ شور و غل

چیخے کوئی سوا کوئی چلا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مرگیا

گر لاکھ عشرتوں سے رہی دل میں دھوم دھام ۔۔۔ یا سو مصیبتوں سے ہوا غم کا ازدحام
آخر کو جب اجل نے کیا آن کر سلام ۔۔۔ ... سڑی کے غم میں کوئی ہو گیا تمام

کوئی حور پریاں چھاتی سے لپٹا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

پڑھ کر نماز کوئی رہا پاک با وضو ۔۔۔ کوئی شراب پی کے پھر است کو بجو
ناپاکی، پاکی موت کے ٹھہری نہ روبرو ۔۔۔ کوئی عبادتوں سے موا ہو کے سرخرو

ناپاک روسیاہ بھی پچھتا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مرگیا

گر دل کے آئینے کے تئیں صاف ایک بار ۔۔۔ کشفِ قلوب دل پہ کیا اپنے آشکار
جب پیک نے اجل کے کیا آن کر گذار ۔۔۔ کام آئی روشنی نہ کرامات کی بہار

کامل فقیر خلق میں کہلا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مرگیا

بالفرض گر کسی کو ہوئی یاد کیمیا ۔۔۔ یا مفلسی میں ایک نے خون جگر پیا
کوئی زیادہ عمر سے اک دم نہیں جیا ۔۔۔ سوکھی کسی نے روٹی چبا غم میں جی دیا

قلیہ، پلاؤ، زردہ کوئی کھا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مرگیا

پہنا کسی نے خوب لباس عطر کا بھرا ۔۔۔ یا چیتھڑوں کی گدڑی کوئی اوڑھ کر پھرا

آخر کو جب اجل کی چلی آن کر ہوا — پورے کے جھونپڑے کو کوئی چھوڑ کر چلا
باغ و مکان محل کوئی بنوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

گیسو بڑھا کے کوئی مشائخ ہوا یہاں — یا بینوا ہو کوئی ہوا خود منڈا یہاں
جب مرشد اجل کا قدم آیا درمیاں — کوئی تو لمبی ڈاڑھی لیے ہو گیا رواں
مونچھیں بھویں تمت کوئی منڈوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

گر ایک بے وقار ہوا ور اک قدر دار — سر پہ لگا جب آن کے تیغ اجل کا وار
بے قدری کام آئی کسی کا نہ کچھ وقار — تھا بے حیا سو وہ تو موا کھو کے ننگ عار
اور جس کو شرم تھی سو وہ شرما کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کوئی موئی چاہتا تھا کوئی موٹھ اور مٹر — جس دم قضا نے ہاتھ میں لی تیغ اور سپر
کام آئی کچھ فقیری نہ کچھ تخت اور چھتر — یہ خاک پر موا وہ موا تخت کے اوپر
تھی جیسی جس کی قدر وہ بتلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

عاشق ہو گر کسی نے کسی گل کی چاہ کی — عاشق نے اپنے عشق بڑھانے میں جان دی
اور جب اجل کی دونوں سے آ کر لگن لگی — معشوق کام آئی کسی کی نہ عاشقی
دلبر بھی اپنے حسن کو چمکا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کتنوں میں بڑھ کے ایسی بڑھی الفت کی چاہ — جو جسم و جان ایک ہوئے انکے واہ واہ
عاشق موا تو مر گیا معشوق خواہ مخواہ — معشوق مر گیا تو وہ عاشق بھی کر کے آہ

اُس گلبدن کی قبر اُوپر جا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مرگیا

کیا کالی پیلی شکل کے کیا گورے گلعذار — عاشق کوئی ہے اور کوئی معشوق طرحدار
عاقل حکیم و عامل و فاضل رسالدار — پنڈت نجومی بید چہ ناداں چہ ہوش یار
دو دن کی شان ہر کوئی دکھلا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مرگیا

کیا اونچی ذات پات کے اشراف کیا نجیب — قسمت سے پھوٹی کوڑی کسی کے نہ ہوئی نصیب
جس دم قضا کے ہاتھ نے بند آنکھ کی حبیب — کیا ہوشیار و عاقل و دانا و کیا طبیب
کوئی خزانے خاک میں گڑوا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مرگیا

مرنے سے پہلے مرگئے جو عاشقان زار — وہ زندۂ ابد ہوئے تا حشر برقرار
کیا کاتبان اہل قلم خوش نویس کار — جتنی کتابیں دیکھتے ہو لاکھ یا ہزار
کوئی لکھ کے مرگیا کوئی لکھوا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مرگیا

پیر و مرید و شاہ و گدا امیر اور وزیر — سب آن کر اجل کے ہوئے دام میں اسیر
مفلس غریب صاحب تاج و علم سریر — کوئی ترس ترس کے موا غم میں اے نظیر
کوئی ہزاروں عیش کی ٹھہرا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مرگیا

عالم گزران

کی وصل میں دلبر نے عنایات تو پھر کیا! — یا ظلم سے دی ہجر کی آفات تو پھر کیا
غصہ رہا یا پیار سے کی بات تو پھر کیا — گر عیش سے عشرت میں کٹی رات تو پھر کیا
اور غم میں بسر ہو گئی اوقات تو پھر کیا

مجنوں کی طرح ہم نے اگر دل کو لگایا — بے چین کیا روح کو اور تن کو سکھایا
دل بر نے بھی لیلیٰ کی طرح دل کو لبھایا — جب آئی اجل پھر کوئی ڈھونڈھا بھی نہ پایا
قصوں میں رہے حرف و حکایات تو پھر کیا

جس شوخ پریزاد کی آ دل سے ہوئی چاہ — ہر طور ملے اُس سے رہے عیش کے ہمراہ
ہنسنا بھی ہوا باتیں بھی اچھی ہوئیں دلخواہ — حد بوس و کنار اور جو تھا اسکے سوا آہ
گر وہ بھی میسر ہوا ہیہات تو پھر کیا

تھے وہ جو دُرّ و لعل سے بہتر لب و دنداں — آخر کو جو دیکھا تو ملے خاک میں یکساں
جن آنکھوں کو ملتا ہو بھلا خاک کے دہقاں — دو دن اگر اُن آنکھوں نے دنیا میں مرے جاں
کی ناز و اداؤں کی اشارات تو پھر کیا؟

دُنیا میں اگر ہم کو ملا تخت سلیمان — تابع رہے سب جن و پری آدم و مُرغاں
جب تن سے ہوا ہو گئی وہ بود نہ سی جاں — پھر اُڑ گئی اک آن میں سب حشمت و سبحاں
لے شرق سے تا غرب لگا ہات تو پھر کیا

دولت میں اگر ہم ہوئے دارا و سکندر — اور سات ولایت پہ کیا حکم سراسر
جب آئی اجل پھر نہ رہا تخت نہ افسر — اسپ و شتر و فیل و خر و نوبت و لشکر
گر قبر تلک اپنے چلا سات تو پھر کیا؟

لے درمیان میں (سے) کو ظاہر کر کے کہنا زیادہ فصیح ہے ۱۲ آسی

کامل ہو اگر روشنی کی دل کی اندھیری
اور پاک تصرف سے کرشمات کی پھیری
جب آئی اجل پھر نہ چلی میری نہ تیری
آخر کو جو دیکھا تو ہوئے خاک کی ڈھیری
دو دن کی ہوئی کشف و کرامات تو پھر کیا

طائر کی طرح سے اڑے ہم گرچہ ہوا پر
یا ارض کو طے کر گئے غوطہ سا لگا کر
دریا پہ چلے ایسے کہ پا بھی نہ ہوئے تر
جب آئی اجل آہ تو اک دم میں گئے مر
گر یہ بھی ہوئی ہم میں کرامات تو پھر کیا

حجرے میں اگر بیٹھ کے ہم ہو گئے درویش
اور چلہ کشی کر کے ہمیشہ رہے دل ریش
عابد ہوئے زاہد ہوئے مرتاض[1] حق اندیش
جب آئی اجل ایک ریاضت نہ گئی پیش
مر مر کے جو کی کوشش و طاعات تو پھر کیا

مے پی کے اگر ہو گئے ہم مست خرابی
ہونٹوں سے جدائی نہ کبھی مے کی گلابی
کی لاکھ طرح عشق کی مستی و خرابی
جب آئی اجل پھر وہیں اٹھ بھاگے شتابی
رندوں میں ہوئے اہل خرابات تو پھر کیا

عامل ہوئے ہم لکھ کے اگر نقش ازل سے
لوگوں کو بچانے لگے بھوتوں کے خلل سے
جب آئی اجل پھر نہ چلا زور اجل سے
دو دن کو جو تعویذ فلیتا و عمل سے
تسخیر کیا عالم جنات تو پھر کیا؟

پڑھ علم ریاضی جو منجم ہوئے دھومی
پیشانی مہ و زہرہ و برجیس کی چومی
آخر کو اجل سر کے اوپر آن کے گھومی
اس عمر دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی
سب چھان لیے ارض و سموات تو پھر کیا

گر ہم نے اطبا ہو طبابت کی رقم لی
چیز اور سوا طب کے سرانجام کی کم لی
جب سر کے اوپر مرگ نے آ ڈال دی کملی
اک دم میں ہوا ہو گئی سب نظری و عملی
تھے یاد جو اسباب و علامات تو پھر کیا

[1] مرتاض ۔ ریاضت کرنے والا درویش ۱۲ آسی

سے جس گوہر کی طرف ایک مخفی اشارہ ہے۔ علی گوہر شاہ عالم کا نام تھا ... اپنے آپ کو قوت و حریت سے مشہور کرنا ...

اور ایک کو مر مر کے ملا بھیک کا ٹکڑا اس نے کوئی دن بیٹھ کے آرام سے کھایا		گر اپنا ہوا منصب و جاگیر کا نقشا کیا فرق ہوا دونوں میں جب مرنا ہی ٹھہرا
	وہ مانگتا در در پھرا خیرات تو پھر کیا	
سب زر کے طلبگار ہیں لے ماہی سے تا ماہ دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز، نظیر آہ!		دنیا میں لگا مفلس و درویش سے تا شاہ مرتا ہے کوئی مال پہ ڈھونڈے ہے کوئی جاہ
	بالفرض ہوئی اس سے ملاقات تو پھر کیا	

(۶۵)

کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ

اور بحر سلطنت کا گوہر ہوا تو پھر کیا! نوبت، نشاں، نقارہ در پر ہوا تو پھر کیا!		گر شاہ سر پہ رکھ کر افسر ہوا تو پھر کیا ماہی، علم، مراتب پر زر ہوا تو پھر کیا!
	سب ملک سب جہاں کا سرور ہوا تو پھر کیا	
پھیری دہائی اپنی لے ماہ تا بہ ماہی پھر سر رہا نہ لشکر نہ تاج پادشاہی		یا رگھو کے فوج و لشکر کی سلطنت پناہی جب آن کر فنا کی سر پر پڑی تباہی
	دارا و جم سکندر اکبر ہوا تو پھر کیا	
جمشید فر کے پوتے نوشیرواں کے ناتی جب چل بسے تو کوئی پھر سنگ تھا نہ ساتھی		یا ذات میں کہائے نامی اصیل ذاتی تھے آپ مثل دولہ اور فوج تھی براتی
	ملک و مکاں، خزانہ، لشکر ہوا تو پھر کیا	
چتوڑ گڑھ، تھنارہ، کالنجر آن بسایا سب اُڑ گئے ہوا پر کوئی نہ کام آیا		یا تاج مُنی ہو کر دنیا میں راج پایا جب توپ نے اجل کی آ مورچا لگایا

تھنارہ وہ جگہ ہے جہاں امر راجہ قلعہ جی سے بھاگ کر قبض ہوا تھا۔ اورنگ زیب نے ... میں بذات خاص اس کا محاصرہ کر کے جیت لیا ... فتح کر لیا۔ تاریخ ... کالنجر ... کا ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ جس کے محاصرے میں شیر شاہ کی جان گئی۔ شہباز

... راجپوت قوم کا نام ... چتوڑ گڑھ ... ایک مقام ہے یہاں راجپوت ... مشہور خاندان قائم ہوا جو غایت شرافت سے اپنے آپ کو آفتاب نسب خیال کرتا ہے ... کے لقب سے ... اس خاندان ... علاء الدین نے حملہ کیا ... فتح ... بیسیوں قصے بن گئے ہیں ... دوسری فتح ... نے حاصل کی

	گڑھ، کوٹ، توپ، گولہ، لشکر ہوا تو پھر کیا	

کتنے دنوں یہ غل تھا نواب ہیں یہ خاں ہیں
جاگیر و مال و منصب سب آج اُن کے ہاں ہیں
یہ ابن پنج ہزاری، یہ عالی خاندان ہیں
دیکھا تو اک گھڑی میں نہ نام نہ نشاں ہیں

دو دن کا شور و چرچا گھر گھر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی دیکھو، یہ ہیں امیر خاں جی
پنجا اُٹھا قضا کا جب آئے شیر خاں جی
اور یہ ہیں خان نانا اور یہ شیر خاں جی
پھر کس کے میر خاں جی کس کے وزیر خاں جی

عمدہ، غنی، تونگر، بازر ہوا تو پھر کیا؟

کہتا تھا کوئی گھوڑا ہے نامدار خاں کا
آیا قدم اجل کے جب تیس مار خاں کا
یہ پالکی، یہ ہاتھی ہے ذوالفقار خاں کا
خر بھی کہیں نہ دیکھا پھر شہسوار خاں کا

جھجیان، میگ، ڈبر، در بر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی یہ ڈیوڑھی ہے خان مہربان کی
جب راج نے قضا کی گرتی سبو لی ٹانگی
یہ باغ یہ حویلی ہے محلدار خاں کی
اک اینٹ بھی نہ پائی ہرگز کسی مکاں کی

رنگیں محل، سنہر، اگر در ہوا تو پھر کیا؟

کتنوں نے بادشاہی کیا کیا خطاب پایا
پھریں بڑی کھدائیں، سکہ بڑا بنایا
جب آن کر قضا نے نام و نشاں مٹایا
وہ نام اور سکہ ڈھونڈھا کہیں نہ پایا

دو دن کا مہر چھاپا در پہ ہوا تو پھر کیا

جاگیر میں کسی نے زر ریز تمک پایا
لے کر سند اجل کا جب فوجدار آیا
کر سند و بست اپنا نظم و نسق بٹھایا
اک دن میں حکم حاصل سب ہوگیا پرایا

ہانسی، حصار، ٹھٹھا، بھکر ہوا تو پھر کیا [illegible]

کہتا تھا کوئی یہ لشکر ہے طرہ باز خاں کا
آیا کٹک اجل کے جب یکہ تاز خاں کا
یہ خیمہ، شامیانہ ہے شہنواز خاں کا
سر بھی کہیں نہ پایا پھر سرفراز خاں کا

۱ے امیر خاں محمد شاہ رنگیلے کا مصاحب تھا۔ بادشاہ کا بہت ہی منہ چڑھا تھا اس کے سیکڑوں لطائف مشہور ہیں چنانچہ وہ پوت۔ کپوت۔ سپوت والا لطیفہ بھی اسی کا ہے ۱۲ ؎ ذوالفقار خاں اورنگ زیب کا نہایت ہی چست و چالاک اور قابل زبردست سپہ سالار تھا ۱۰۹۹ھ میں قلعہ جنجی اسی کے ہاتھ سے فتح ہوا ۱۲ ؎ جھجیان ایک قسم کی بھاری نمدا کی جس کا سرد پہاڑوں پر رواج ہے ۱۲ ؎ دلّی میں محلدار خاں کا باغ شہر کے باہر پھاٹک میں واقع ہے جیسا کہ خالص ایک نامی کے تعمیر سے ظاہر ہوتا ہے ۱۲ ؎ شہنواز خاں ناصر جنگ والی ریاست حیدرآباد کا وزیر یعنی مدار المہام تھا۔ غلام علی آزاد کا معاصر علمی قابلیت خاصی رکھتا تھا۔ شعر و سخن سے بھی اچھا ذوق تھا ۱۲ ؎ تنگ زبان زادہ داڑھی میں لشکر کو کہتے ہیں ۱۲ ؎ سرفراز خاں شجاع کا بیٹا اور مرشد قلی خاں کا پوتا تھا ۱۱۴۳ھ میں باپ کا جانشین ہوا، مرشد آباد کا صوبہ بھی اسی زمانہ میں ہوا تھا۔ نادر شاہ جب ہند سے لوٹ مار کر چلا گیا تو علی وردی خاں صوبہ دار بہار نے محمد شاہ کے وزیر کو کچھ دے کر صوبہ داری بنگالہ کی سند حاصل کی۔ حصول سند کے بعد فوج لے کر مرشد آباد پر چڑھ آیا۔ سرفراز خاں گولی سے مارا گیا۔ علی وردی خاں اس کی جگہ تخت پر بیٹھا اور خطبہ سکہ جاری کیا۔ اور حسب وعدہ دہلی کو ایک کروڑ نقد اور ستر لاکھ کے جواہرات بطور نذرانہ روانہ کیے حاشیہ ؎ کرنی لبو لی معماروں کے اوزار ۱۲ مولوی عبدالباری آسی مصحح۔

سردار، میر بخشی بڑھ کر ہوا، تو پھر کیا؟

ہاتھی پہ چڑھ کے نکلے یا خاصے گھوڑے اوپر
یا نالکی سنبھالی یا پالکی کی جھالر
پیالے صراحی حقہ دوڑے جلیب۱؎ اندر
جب آ اجل پکاری صاحب رہا نہ نوکر

آقا ہوا تو پھر کیا نوکر ہوا تو پھر کیا

یا لے کے اک قلم داں اور رکھ قلم کو سر پر
جوڑے حساب لاکھوں چھرے لکھے سراسر
جب عمر کی کچہری جا نکی قضا نے آکر
پھر آپ نہ قلمداں کا غذ رہا نہ دفتر

منشی، وکیل، دیواں مر مر ہوا تو پھر کیا

یا لی قضا کی خدمت ہو بیٹھے آپ قاضی
محضر قبالے لکھے قضیے چکائے شرعی
اعلام۲؎ نے قضا کا جب آ فنا پکاری
پھر محکمہ نہ جھگڑا، قاضی رہا نہ مفتی

کوڑا البیدہ۳؎ دڑہ در پہ ہوا تو پھر کیا

کتوال بن کے بیٹھا یا صدر ہو مقرر
فاسق ڈرے ہزاروں اور کانپے چور تھر تھر
آیا قضا کا مردھا۴؎ جب دم چھڑی اٹھا کر
کتوالی اور صدارت سب ہو گئی ہوا پر

دو دن کا خوف خطرہ اور ڈر ہوا تو پھر کیا

کہتے تھے کتنے ہم تو ہیں ذات میں کلاں جی
ہم شیخ ہم مغل ہیں ہم ہیں پٹھان ہاں جی
جب قدم قضا پکاری اب اٹھ چلو میاں جی
پھر شیخ جی نہ سید مرزا رہے نہ خاں جی

ذات و حسب نسب کا جوہر ہوا تو پھر کیا

یا لے کے زر جہاں میں کرنے لگے تجارت
یا سیٹھ بن کے بیٹھے خاصی بنا عمارت
کھولیں قضا نے بہیاں۵؎ جب کرکے اک اشارت
سب کوٹھی اور دکانیں کر ڈالیں دم میں غارت

مال اور مکاں جواہر اور زر ہوا تو پھر کیا

یا ہو سپاہی بانکا ترچھا بڑا اکھایا
بل دار باندھ چیرا طرے کو جگمگایا
کھیتوں میں جاکے کوزا لاکھوں کی آئیں بھگایا
جب منھ اجل کا دیکھا پھر کچھ بھی بن نہ آیا

۱؎ جلیب اندر جلو میں ۱۲ ۲؎ اعلام - فرمان حکم نامہ ۱۲ ۳؎ البیدہ یا نبیدہ [illegible] پیلے مجہول سونٹا - ایک سزا کرنے کا آلہ ۱۲ ۴؎ مردھا اہل [illegible] میں مردھہ قاضی [illegible] وہ عہدہ دار جو دس جوانوں پر افسر ہو - ایک عہدہ دار جو دیہاتوں میں سرکار کی طرف سے مقرر کیا جاتا تھا ۱۲ ۵؎ بہیاں بہی کی جمع ۱۲

یکتا شجاع بہادر صفدر ہوا تو پھر کیا

گھوڑا اٹھا کے ڈوبا فوجوں میں ہو دلاور
مارے تیغ بھالے کھائے کٹار جمدھر
مارا قضا نے بھالا جب دم فنا کا آکر
پھر مردمی شجاعت سب ہو گئی ہوا پر

خود و سلاح چلتہ بکتر ہوا تو پھر کیا

یا خانہ جنگی لڑکر کھایا بدن میں ٹانکا
مونچھوں پہ تاؤ دے کر موڈھت ڈاٹ بانکا
جب گھور کر قضا کے بانکے نے آکے جھانکا
ہتھیار بانا ترچھا گنڈا رہا نہ بانکا

تیغا سپر قرابین جمدھر ہوا تو پھر کیا

یا ہو حکیم حاذق کرنے لگے طبابت
مردوں کے تئیں جلایا عیسیٰ کی کی کرامت
کھوئے مرض ہزاروں دعویٰ ہر اک کی رحمت
جب آئی سر پہ اپنے پھر کچھ چلی نہ حکمت

لقمان یا فلاطوں اگر ہوا تو پھر کیا

یا ہو نجومی کامل تاروں کو چھان ڈالا
سورج گہن بچارے چندر گہن نکالا
برج و ستارے باندھے احکام کو سنبھالا
جب وقت اپنا آیا اس وقت کو نہ ٹالا

جوتش نجوم پنڈت پڑھ کر ہوا تو پھر کیا

یا پڑھ کے دو کتابیں اور علم کر کے حاصل
یا بھوت جن اتارے مشہور ہو کے عامل
جب دیو کا اجل کے سایہ ہوا مقابل
ملا رہا نہ سیانا عالم رہا نہ فاضل

تعویذ و فال جادو منتر ہوا تو پھر کیا

ماتھے پہ کھینچ ٹیکا یا ہاتھ لے کے مالا
پوتھی بغل میں دابی زنار کو سنبھالا
پوجا کتھا بجھائی کیا کیا سبد نکالا
کچھ بن سکا نہ آیا جب جان لینے والا

بید و پران پڑھ کر مصر ہوا تو پھر کیا

یا زہد بندگی میں سوکھا ہو کوئی عابد
بیٹھا مصلوں اوپر ہو مسجدوں میں ساجد
حاضر ہوا قضا کا جب آن کر مجاہد
پھر بوریا نہ بدھنا عابد رہا نہ زاہد

سنہ جمدھر بمعنی قسم کا خنجر ۱۲ سنہ بکتر ایک قسم کی زرہ جو لڑائی کے وقت پہنتے ہیں۔ لوہے کی کڑیوں کا بنا ہوا جامہ ۱۲ سنہ سبد (صحیح شبد) لفظ کو کہتے ہیں تانک پنچھیوں کی اصطلاح میں سب گیت کو بھی کہتے ہیں۔ گیتا مہابھارت کا قصہ ۱۲ شہبانہ

روزہ نماز چلّہ اکثر ہوا تو پھر کیا

دل پی کے مے کسی نے کی عیش کامیابی
جس دم قضا نے اپنی جھمکائی اک گلابی
لوٹا نشے میں ہر جا کر دل سے بے حجابی
پھر مے رہی نہ مینا نہ مست نہ شرابی

اک دم لبوں پہ مے کا ساغر ہوا تو پھر کیا

حسن و جمال پا کر یا خوب رو کہایا
آ کر پڑا سروں پر جس دم اجل کا سایا
یا عشق میں کسی نے جی جان کو گھٹایا
دونوں میں پھر کسی کو ڈھونڈھا کہیں نہ پایا

عاشق ہوا تو پھر کیا؟ دلبر ہوا تو پھر کیا؟

یا ہو کے پیرزادے کرنے لگے فقیری
جب پیر جی کی کفنی آ کر اجل نے چیری
کر کر مرید کتنے کی اُن کی دست گیری
سب اُڑ گئی ہوا پر دم میں مریدی پیری

مرشد فقیر ہادی رہبر ہوا تو پھر کیا

یا سر منڈا کے بیٹھے آزاد ہو نوبیلے
نیلے کیے ہزاروں مونڈے فقیر چیلے
یا خود منڈے کہا کر سو روپ رنگ کھیلے
جب آ فنا پکاری جا سو رہے اکیلے

تکیہ ہوا تو پھر کیا؟ بستر ہوا تو پھر کیا

جوگی، اتیت، جنگم، یا سیوڑا کہایا
ترسول سے قضا کا جب وقت سر پر آیا
یا کھول کر جٹا کو یا گھونٹ سر منڈایا
نہ بانکے کو بٹھانا، نہ آپ کو بچایا

نانک، کبیر، منتھی پھر بھگر ہوا تو پھر کیا؟

یا نیک بن کے بیٹھے اچھے لگے کہانے
آ کر بجے اجل کے جب سر پہ شادیانے
یا ہو کے بد ہر اک کے دل کو لگے ستانے
جتنے نیک و بد جہاں تک سب لگ گئے ٹھکانے

بہتر ہوا تو پھر کیا؟ بدتر ہوا تو پھر کیا

کیا ہندو اور مسلماں، کیا رند و گبر و کافر
جتنے نظیر یاں ہیں اک دم کے ہیں مسافر
نقاش کیا مصور، کیا خوش نویس، شاعر
رہنا نہیں کسی کو چلنا ہے سب کو آخر

۱؎ عیش زیادہ تر ذکر بولتے ہیں ۲؎ جھمکانا جھمکانا۔ جھمکانا۔ پانی کھنڈانا۔ پانی گرانا۔ پانی اونڈھانا ۳؎ نوبلا۔ تازہ۔ نیا۔ جدید ۴؎ اتیت ایک قسم کے ہندو فقیر۔ گسائیں ۵؎ جنگم۔ جین مذہب کا فقیر ۶؎ سیوڑا۔ ایک قسم کا فقیر جس کے سر پر جٹائیں ہوتی ہیں اور ہاتھ میں گھنٹا ۷؎ بانکا۔ چیلا ۸؎ آنکہ

دو چار دن کی خاطریاں گھر ہوا تو پھر کیا؟

(۶۶)

مراتب دنیا محض بےثبات ہیں

کل شئ ھالک

گر بادشاہ ہو کر عمل ملکوں ہوا تو کیا ہوا؟
عمل شور ملک و مال کا کوسوں ہوا تو کیا ہوا؟
دو دن کا نرسنگا بجا بھوں بھوں ہوا تو کیا ہوا
یا ہو فقیر آزاد کے رنگوں ہوا تو کیا ہوا؟
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور دوں ہوا تو کیا ہوا

دو دن تو یہ چرچا ہوا گھوڑا املا ہاتھی ملا
آگے کو نقارا نشاں پیچھے کو فوجوں کا پرا
بیٹھا اگر ہودے اوپر یا پالکی میں جا چڑھا
دیکھا تو پھر اک آن میں باقی نہ گھوڑا نہ گدھا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور دوں ہوا تو کیا ہوا

یا دولت و اقبال ہے پہنا زری اور بادلا
آخر نہ وہ دولت رہی نہ آپ نہ وہ گھر رہا
مسند سنہری زری بچھا کمخواب کے تکیے لگا
مسند کہیں جاتی رہی تکیہ کہیں پھرتا پھرا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور دوں ہوا تو کیا ہوا

یا عشرتوں کے ٹھاٹھ تھے اور عیش کے اسباب تھے
یا بیکسی کے درد سے بےحال تھے بےتاب تھے
ساقی صراحی گل بدن جام شراب ناب تھے
آخر جو دیکھا دوستو سب کچھ خیال و خواب تھے
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور دوں ہوا تو کیا ہوا؟

تھا ایک دن وہ دھوم کا نکلے تھا جب اسوار ہو
یا ایک دن دیکھا اسے تنہا پڑا پھرتا ہے وہ
ہر دم پکارے تھا نقیب آگے بڑھو پیچھے رہو
بس کیا خوشی کیا ناخوشی یکساں ہے سب اے دوستو
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور دوں ہوا تو کیا ہوا؟

لے بادشاہیں جگہ
ہائے ہوئے سے جگہ
صحیح ہے۔ نگاہی
کے خدایا جہاں
بادشاہی تر بستی
زیادہ خدمت آگے
خدائی تر است
آسی

جب حشمتوں کی شان میں کرتا تھا کیا کیا شیخیاں
اور اڑ گئی دولت پہ پھر اسباب کے تختے کہاں
ہر دم تکبر کے سخن ہر آن میں مغرور یاں
آکر فنا حاضر ہوئی سب مٹ گئے نام و نشاں
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور یوں ہوا تو کیا ہوا

یا نعمتیں کھاتا رہا دولت کے دسترخوان پر
یا باندھ جھولی بھیک کی ٹکڑوں کے اوپر دھر نظر
میوے مٹھائی با مزے حلوائے تر شیر و شکر
ہو کر گدا پھرنے لگا ٹکڑے کی خاطر در بدر
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور یوں ہوا تو کیا ہوا

یا دولتوں کا سامنے آکر تھا یک دریا بہا
یا ہو کے مفلس بینوا پھرتا ہے دانے مانگتا
لے کر زمیں تا آسماں دولت میں پھرتا تھا بڑا
جب آ گئی سر پر اجل اک دم میں سب کچھ مٹ گیا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور یوں ہوا تو کیا ہوا

گر ناز و نعمت میں رہا یعنی کہ وہ زردار تھا
جب وقت چلنے کا ہوا نہ یہ رہا نہ وہ رہا
یا مفلسی کے ہاتھ سے محتاج ہو در در پھرا
آیا تھا جس احوال سے ویسا ہی آخر چل بسا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور یوں ہوا تو کیا ہوا

گر اک مصیبت میں رہا اور دوسرا دل شاد ہے
یا لذتیں یا راحتیں یا ظلم یا بیداد ہے
واں عیش و عشرت کے مزے یاں نالہ و فریاد ہے
کچھ رہ نہیں جاتا میاں آخر کو سب برباد ہے
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور یوں ہوا تو کیا ہوا

جو عشرتیں آکر ملیں تو وہ بھی کر جانا میاں
یا سکھ میں یا دکھ میں غرض یاں سے گذر جانا میاں
جو درد و دکھ آکر پڑیں تو وہ بھی بھر جانا میاں
یاں چار دن کی زندگی آخر کو مر جانا میاں
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور یوں ہوا تو کیا ہوا

اب دیکھ کس کو شاد ہو اور کس پہ آنکھیں نم کرے
یا دل کو رو دے بیٹھ کر یا درد دکھ کو کم کرے
یہ دل بچارا ایک ہے کس کس کا اب ماتم کرے
یاں کا یہی طوفان ہے اب کس کی جوتی غم کرے
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور یوں ہوا تو کیا ہوا

گر تو نظیرؔ اب مرد ہے تو جال میں بھی شاد ہو — دستار میں بھی ہو خوشی رومال میں بھی شاد ہو
آزادگی بھی دیکھ لے جنجال میں بھی شاد ہو — اس حال میں بھی شاد ہو اُس حال میں بھی شاد ہو
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وُوں ہوا تو کیا ہوا

(۶۷)

رہے نام اللہ کا

دنیا میں کوئی خاص نہ کوئی عام رہے گا — نہ صاحبِ مقدور نہ ناکام رہے گا
زر دار، نہ بے زر، نہ بد انجام رہے گا — شادی نہ غم گردشِ ایام رہے گا
نہ عیش نہ دکھ درد، نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ چرخ دکھاتا ہے بڑا گنبدِ ازرق — یہ چاند یہ سورج یہ ستارے ہیں معلق
لوح و قلم و عرش بریں ثابت[2] و مطلق — سب ٹھاٹھ یہ اک آن میں ہو جائے گا برحق[3]
آغاز کسی شے کا نہ انجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

لے عالمِ ارواح سے تا عالمِ جنات — انسان و پری حور و ملک جن و خبیثات
کیا ابر و ہوا کوہ و بحر ارض و سمٰوات — اک پھونک میں اُڑ جائیں گے جوں نقشِ طلسمات
ہشیار نہ پختہ نہ کوئی خام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

گر علم و ہنر سے ہے کوئی خلق میں مشہور — یا کشف و کرامات میں ہے صاحبِ مقدور
یا ایک کا ہے نام و نشاں خلق میں مشہور — اک دم میں پلک مارتے ہو جائیں گے سب دور
مستور نہ مشہور نہ گم نام رہے گا

---

[1] یہ نظم نظیر کی بہت مشہور اور مقبول نظموں میں ہے نام اس کا نظیر نے کچھ نہیں رکھا اُس نے عنوان فارسی لکھا تھا جس کا خلاصہ تکملہ کی اردو میں یہ ہے "جہان کی فنا اور حق کی بقا" عبدالرحمٰن خاں شاگرد نے اس نظم کو بلقب "رہے نام اللہ کا" ملقب کیا غالباً تغلیباً۔

[2] ثابت وہ ستارے جو ایک جگہ قائم ہیں۔ مطلق سے مراد سیارے ہیں۔

[3] برحق ہوجانا فنا فی اللہ ہوجانا، مٹ جانا۔ نیست و نابود ہوجانا، مٹ جانا۔

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مختاری کے خطرہ سے جو کرتے ہیں سدا کام ۔۔۔ یا جبر سے مجبوری کے رکھتے ہیں کئی دام
جب آکے فنا ڈالے گی اک گردش ایام ۔۔۔ اک آن میں اُڑ جائے گا سب چیز کا الزام
مختار، نہ مجبور، نہ خودکام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب دل میں بڑے اپنے جو کہلاتے ہیں عیار ۔۔۔ سو مکر و دغا کرتے ہیں اک آن میں تیار
جب آکے فنا ڈالے گی سر کے اُپر اک ار ۔۔۔ اک وار کے لگتے ہی یہ ہو جاوینگے سب پار
نے مکر نہ حیلہ نہ کوئی دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

کرتے ہیں جو اب دل سے ریاضات عبادات ۔۔۔ یا عمر کو کھوتے ہیں بہ رندی و خرابات
جب آکے فنا چھوڑے گی شمشیر کا اک ہات ۔۔۔ پھر صاف ہیں دونوں کی گنہگاری و طاعات
نہ رند نہ عابد نہ مے آشام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جھگڑا نہ کرے ملت و مذہب کا کوئی یاں ۔۔۔ جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آن
زنار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآن ۔۔۔ عاشق تو قلندر ہیں نہ ہندو نہ مسلمان
نہ رند نہ عابد نہ مے آشام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جو شاہ کہاتے ہیں کوئی اُن سے یہ پوچھو ۔۔۔ دارا و سکندر وہ گئے آہ کدھر کو
مغرور نہ ہو شوکت و حشمت پہ وزیرو ۔۔۔ اس دولت و اقبال پہ مت بھولو امیرو
نہ ملک، نہ دولت، نہ سرانجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

بیوپار جو کرتے ہیں ہر اک چیز کا زردار
جس طور کا آپ چاہیئے کر لیجیے بیوپار
آگے بھی دکانیں تھیں کئی اور کئی بازار
پھر جنس نہ دلاّل نہ مالک نہ خریدار

نہ نقد، نہ کچھ قرض نہ کچھ وام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب جتنی گھڑی دیکھو ہو عالم میں عمارات
کیا پست مکاں کیا یہ ہوادار مکانات
یا جھونپڑے دو کوڑی کے یا لاکھ کے محلات
اک اینٹ بھی ڈھونڈھے کہیں آنے کی نہیں ہات

دالان، نہ حجرہ نہ در و بام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ باغ و چمن اب جو ہر اک جا ہیں بہے پھول
آجاوے گی جب بادِ خزاں اُنکے یہ بھول
یہ شاخ یہ غنچہ یہ ہرے پات یہ پھل پھول
ہر خار کی ہر پھول کی اُڑ جاویگی سب دھول

نہ زرد نہ سرخ اور نہ سیہ فام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مے خوار بھی کتنے ہوئے یاں مے کے طلاقی
لا جام کوئی بھر کے جو ہو اور بھی باقی
ساقی بھی کئی ہو گئے محبوبِ وثاقی[1]
فرصت ہے غنیمت کوئی دم کو ارے ساقی

نہ مے نہ صراحی نہ ترا جام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ عاشق و معشوق جو کرتے ہیں بہم چاہ
وہ شخص کہاں جاکے رہے اومرے اللہ
آگے بھی بہت عاشق و معشوق تھے واللہ
اس بات سے معلوم ہوا اب تو یہی آہ

نہ عشق نہ عاشق نہ دل آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

ٹک غور کرو اب ہیں کہاں مجنون و فرہاد
لیلیٰ کہاں شیریں کہاں وہ ناز وہ بیداد

[1] وثاق معاہدہ کرنا، باہم عہد باندھنا۔ وثاقی عہد بستہ محبوب وثاقی وہ معشوق جس نے وفاداری کا عہد باندھا ہو دوستی کا پکا۔ عہد کا مضبوط وفادار راسخ العہد و مستحکم
شہباز

جو پھول کھلے واہ وہ سب ہو گئے برباد ہم تم بھی غنیمت ہیں سُن او یار پری زاد

واں حسن نہ یاں عشق کا ہنگام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

محبوب بنا جس نے تمھیں حسن دیا ہے اُس لئے ہی ہیں عاشق جاں باز کیا ہے
ملتا ہے تو مل لو یہی جینے کا مزا ہے سب ناز و نیاز آہ یہ اک دم کی ہوا ہے

پھر ہجر نہ کچھ وصل کا پیغام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

ملنے سے ہمارے جو تمھیں آتا ہے الزام آنے دو پہ تم ہم سے ملے جاؤ سحر شام
پھر حسن کہاں اپنے رکھو کام سے تم کام جھک مارتے ہیں وہ جو تمھیں کرتے ہیں بدنام

طوفان نہ بہتان نہ الزام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ شعر و غزل اب جو بناتے ہیں زبانی آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
دیوان بنایا کوئی قصہ کہ کہانی کچھ باقی نظیر اب نہیں سب چیز ہے فانی

خمسہ نہ غزل فرد نہ ایہام[1] رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

(۶۸)

طلسم زندگی[2]

فرصت حیات و کثرت وقوع واردات

آہ کیا کہئے رہی یاں جب تلک اپنی حیات تھے بندھے کیا کیا تعلق اپنے جیتے جی کے سات

[1] ایہام کوئی کلام کی قسم نہیں ہے بلکہ ایک صنعت کا نام ہے جس کا قدمائے شعرائے اردو میں بہت رواج تھا چنانچہ آبرو کا شعر ہے: پانی پت آن چھوڑو جو کنور تم چلے تو راہ بیچ جاناں واسطے کیسی اسکی زبان شیریں ہے دل پیر اقفل ہے تمانے کا اس قسم کے کلام کو مجازاً ایہام کہنے لگے۔ مثلاً فلاں شاعر ایہام خوب کہتا ہے یعنی اپنے کلام میں صنعت ایہام نہایت لطافت و خوبی کے ساتھ برتتا ہے ۱۲

[2] نظیر کی لفظوں میں اس نظم کا نام چونکہ نظم عمر ہی کی کائنات بھی ہو سکتا ہے ۱۲ منشی...

جب موے پھر تو کسی نے آن کر پوچھی نہ بات … زندگی اپنی تھی کل چونسٹھ گھڑی کی کائنات

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم بادشا بھی ہو چکے … صاحبِ تاج و نگیں فرماں روا بھی ہو چکے
مالک ملک و مکاں کشور کشا بھی ہو چکے … عاجز و مفلس فقیر و بے نوا بھی ہو چکے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم ہو گئے حشمت پناہ … بخشی و میر و وزیر و منشی و دیوانِ شاہ
محتسب کتوال قاضی صدر مفتی اہل جاہ … اس قدر تو عمر جس میں یہ تماشے واہ واہ

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم عارف کامل ہوئے … صاحب کشف و کرامت اور روشن دل ہوئے
عالم و فاضل فقیہ و جاہل و عامل ہوئے … تھی یہی فرصت اسی میں خاک مٹی گل ہوئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم پوتے اور بیٹا ہوئے … پھر ہمیں بابا ہمیں نانا ہمیں دادا ہوئے
سالے سسرے بھائی ماموں اور چچا تایا[1] ہوئے … تھی یہی فرصت اسی میں دیکھیے کیا کیا ہوئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں کیا کیا بنائے ہم نے گھر … مسجد و تالاب و مندر حجرہ و دیوار و در
بیٹھ کر عشرت بھی کی اور بھیک مانگی در بدر … تھے مسافر پھر اسی میں کر گئے آخر سفر

[1] تایا بڑے چچا کو کہتے ہیں ۱۲

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم دل ربا بھی ہو گئے
پر گزر مست و خراب و بار سا بھی ہو گئے
عاشق و فاسق اسیر و مبتلا بھی ہو گئے
تھی یہی فرصت اسی میں تھا جو ہونا ہو گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم کوٹھی زر کی بھر گئے
خاک چھائی اور ضرر اور نفع کیا کیا کر گئے
لیں ہزار اجناس بھی اور بن کے سوداگر گئے
تھی یہی فرصت انھیں جھگڑوں میں آخر مر گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم کھیتیاں بھی بو گئے
پھر سپاہی ہو سپر شمشیر کو بھی رو گئے
شحنہ و عامل مقدم ہو کے قانون گو گئے
تھی یہی اس میں تھا جو ہونا سو ہو کر ہو گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں اپنا ہوا بیاہ اور برات
دیکھ لی ہولی دوالی عید بھی اور شب برات
لڑکے بالے بھی اسی میں ہو گئے پھر آٹھ سات
پھر اسی میں چل بسے آخر کو رکھ چھاتی پہ ہات

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پیشے ہیں جتنے جہاں میں کیا صغیر و کیا کبیر
طفل سے ٹھہرے جواں اور پھر جواں سے بنکے پیر
سب کیے ہم نے یہاں اس حال میں ہو کر اسیر
پھر اسی میں پیر ہو کر مر گئے آخر نظیرؔ

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات

رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک ات

(۶۹)

فنا

تنبیہ الغافلین

جہاں سے جب تلک یاں سیکڑوں شادی و غم ہونگے
کنار و بوس اور عیش و طرب بھی دم بدم ہونگے
ہزاروں عاشق جانباز اور لاکھوں صنم ہونگے
مگر جتنے یہ اپنی صف کے ہیں یہ سب عدم ہونگے

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

تمہارا اب ہے جتنا حسن کا عالم غنیمت ہے
ہمارا دیکھنا اور عاشقی کا دم غنیمت ہے
اگر ہے بیش تو بہتر وگرنہ کم غنیمت ہے
بھروسا کچھ نہیں دم کا عزیزو دم غنیمت ہے

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

چمن میں چل کے بیٹھو اور صراحی جام منگواؤ
گلے لپٹو ہمارے اور ہمیں ہنس ہنس کے بوسہ دو
پیو بھر بھر کے ساغر تم بھی اور ہم کو بھی پلواؤ
اجل کا فکر گھڑی ہر سر پہ ہے دلدار سنتے ہو

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ہماری چشم میں آئے تمہارے عارض گلگوں
گھڑی بھر بیٹھ کر ہم پاس کرو عیش بوقلموں
غرض تم وقت کے لیلیٰ ہو پیارے اور ہم مجنوں
کسی کے کہنے سننے پر نہ جاؤ دیکھو کہتا ہوں

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اچھل لو کود لو ہی جب تلک یہ زور تلیوں میں
ہمیں لو ساتھ اور سیریں کر دو پھولوں کی گلیوں میں
غنیمت ہے وہی دم اب جو گذرے رنگ لیوں میں
پھر گئی پھر تو آخر تن کی اُڑتی خاک گلیوں میں

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اگر سینہ ہمارا تم نے چھلنی کی طرح مارا
ہوئے پر کس نے پوچھا دل بڑا اور کس نے پھر چاہا
تو اب جلدی گلے مل کر لگا دو عیش کا چھاہا
ہمیں تو رونا آتا ہے یہی کہہ کر، ہا ہا ہا!

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ہو آگے عاشق و معشوق تھے سب مل گئے گل میں
نہ قاتل میں رہا جی اور نہ اُس قاتل کے بسمل میں
اجل کی تیغ سے دونوں کے ٹکڑے اڑ گئے تل میں
تو بس اے دلبرو تم بھی یہی اب جان لو دل میں

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اگر تم نے ہمارے دل کو دکھ دیدے کے تڑپایا
گیا جب وقت کافر ہاتھ سے پھر ہاتھ کب آیا
غلط فہمی تمھاری یا کہ جس نے تم کو سکھلایا
غرض ہم نے تو اب بھی اور تمھیں آگے بھی سمجھایا

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ہمارے اور تمھارے حق میں ہے اب تو یہی بہتر
کبھی لپٹیں گلے سے اور کبھی مے کے پئیں ساغر
کریں دیکھیں چاندنی اور سیر دریا کی کریں جاکر
یہی کہنے کو رہ جاوے گا آخر اے مرے دلبر

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے

میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اگر برسات ہو یا ابر ہو یا مینھ برستا ہو
پہن پوشاک رنگیں اور بہارے بر میں آ بیٹھو
ادا و ناز و غمزے چونچلے کرنے ہوں سو کر لو
فلک کب چین دیتا ہے مری جاں پھر تو آخر کو

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ادھر واں حسن کی مستی ادھر یاں عشق کی لے ہے
چمن ہے ابر ہے ساقی صراحی جام اور مے ہے
جو کرنا ہو سو کر لو اس گھڑی سب عیش کی شے ہے
غضب ہے قہر ہے جب جی نکل جاویگا پھر ای ہے

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ابھی یاں الفتیں بڑھتی ہیں اور واں نازکی گھاتیں
غنیمت ہیں طمانچے پیار کے اور چاہ کی لاتیں
جب آنکھیں مند گئیں سب ہو چکیں چتون اشاراتیں
کہاں پھر دن مزے کے اور کہاں یہ عیش کی راتیں

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ہمیں ہے بیقراری اور تمھیں ہر دم طرحداری
غنیمت ہے ہماری اور تمھاری گرم بازاری
نظیر اب کیا کہے آگے غرض آخر بلا جاری
کہاں پھر ہم کہاں پھر تم کہاں الفت کہاں یاری

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آویگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

(۷۰)

فنا

انسان خاک کا پتلا ہے۔ آخر خاک ہی میں اسکو ملجانا ہے

دنیا میں کوئی شاد کوئی درد ناک ہے
یا خوش ہے یا الم کے سبب سینہ چاک ہے
ہر ایک دم سے جان کا ہر دم تپاک ہے
ناپاک ہے پلید نجس یا کہ پاک ہے
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

ہے آدمی کی ذات کا اُس جا بڑا ظہور
لے عرش تا بہ فرش چمکتا ہے جس کا نور
گذرے ہے اُن کی قبر پہ جب وحش یا طیور
رو رو یہی کہے ہے ہر اک قبر کے حضور
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

دنیا سے جب کہ اولیا اور انبیا اُٹھے
اجسام پاک اُن کے اسی خاک میں رہے
روحیں ہیں خوب حال میں روحوں کے ہیں مزے
پر جسم سے تو اب یہی ثابت ہوا مجھے
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

وہ شخص تھے جو سات ولایت کے بادشاہ
حشمت میں جن کی عرش سے اونچی تھی بارگاہ
مرتے ہی اُن کے تن ہوئے گلیوں کی خاک راہ
اب اُن کے حال کی بھی یہی بات ہے گواہ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

کس کس طرح کے ہو گئے محبوب کج کلاہ
تن جن کے مثل پھول تھے اور منہ بھی شک ماہ
جاتی ہے ان کی قبر پہ جس دم مری نگاہ
روتا ہوں پھر تو میں یہی کہہ کے دل میں آہ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

وہ گورے گورے تن کہ جنھوں کی بھتی ململیں جائے
سو ویسے تن کو خاک بنا کر ہوا اُڑائے
ہوتے تھے میلے اُن کے کوئی ہاتھ گر لگائے
رونا مجھے تو آتا ہے اب کیا کہوں میں ہائے
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

عمدوں کے تن کو تانبے کے صندوق میں دھرا
قائم یہاں یہ اور نہ ثابت وہ واں رہا
مفلس کا تن پڑا رہا ماٹی اُپر پڑا
دونوں کو خاک کھا گئی یارو کہوں میں کیا
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

گر ایک کو ہزار روپے کا ملا کفن
کیڑے مکوڑے کھا گئے دونوں کے تن بدن
اور اک یونہیں پڑا رہا بیکس برہنہ تن
دیکھا جو ہم نے آہ تو سچ ہے یہی سخن
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

جتنے جہاں میں ناج ہیں کنگنی سے تا گیہوں
کپڑے جہاں تلک ہیں سپید و سیہ نموں
اور جتنے میوجات ہیں تر خشک گونا گوں
کمخواب تاش بادلہ کس کس کا نام لوں
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

جتنے جہاں میں دیکھو ہو بوٹے سے تا بہ جھاڑ
سب خاک ہوں گے جبکہ فنا ڈالے گی اکھاڑ
بڑ پیپل آنب نیب چھوارا کھجور تاڑ
کیا بوٹے ڈیرھ بات کے کیا جھاڑ کیا پہاڑ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

جتنا یہ خاک کا ہے طلسمات بن رہا
ترکاری ساگ پات زہر امرت اور دوا
پھر خاک اُس کو ہونا ہے یارو جدا جدا
زر سیم کوڑی لعل زمرد اور ان سوا
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

گڑھ کوٹ توپ رہکلہ تیغ و کمان و تیر
ہونا ہے سب کو آہ اسی خاک میں خمیر
باغ و چمن محل و مکانات دل پذیر
میری زباں پہ اب تو یہی بات ہے نظیر
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

(۷۱)

فنا

موت کے آگے علم و فضل سب ہیچ ہے

پڑھ علم کئی اس دنیا میں گر کامل ذی دراک ہوئے
معقول پڑھی منقول پڑھی ہر منطق میں چالاک ہوئے
اور لاد کتابیں اونٹوں پر ہر معنی کے دراک ہوئے
یاں جتنے علم کے دریا ہیں اُن دریا کے پیراک ہوئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

رمّال نجومی جفری ہو یا غیبوں کے احکام کہے
منہ دیکھ اجل کی شکلوں کا سب افعال خارج بھول گئے
کل تارے چھان لیے سارے اور پھینکے تختوں پر قرعے
نہ رمل جفر کچھ پیش گئے نہ تختے قرعے کام آئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

مشہور حکیم اور بید ہوئے یاں پڑھ کر علم طبابت کا
جب موت مرض نے آن لیا سب بجھے نبض اور قارورا
دالان کتابوں سے روکا اور نسخوں سے صندوق بھرا
گو نسخے لاکھ مجرب تھے پر کام نہ آیا ایک نسخا

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

لے ہاتھ قلم اور باندھ سپر گر ہوئے سپاہی متصدی
جب کلک قضا نے حرف لکھے اور سیف اجل کی چمکی
دن رات لڑے گڑھ کاغذ سے شمشیر کھنچی اور قلم چلی
یاں فرد طلب ڈوب گئے واں تیغ سپر بھی پٹک پڑی

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

یا کوٹھی کر کر سیٹھ ہوئے یا کھود زمیں کو کھیتی کی — لکھ ڈالیں بہیاں لاکھوں کی یا بو ڈالی دھرتی بری بھلی
جب منڈی آئی مالک کی اور آکر جم کی بھیج لگی — یاں کوٹھی کوٹھے بیٹھ گئی واں کھیتی باڑی کھیت رہی

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

یا مست شرابی رند ہوئے یا زاہد تا مقدور ہوئے — یا پیکر مے دل شاد ہوئے یا جلوؤں میں مسرور ہوئے
جب عمر کے پیالے دونوں کے آ ساعت میں معمور ہوئے — یاں جب تسبیح زور ہوئے واں پیالے شیشے چور ہوئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

اس دنیا کی دھن دولت میں گر شاہ سلیمان جاہ چلے — یا ٹھہرے میر و وزیر اعظم یا راجہ بن کر آہ چلے
منھ دیکھ اجل کے لشکر کا تب رے کر گھر کی راہ چلے — نے ہاتھی گھوڑے سنگ گئے نہ تخت چھتر ہمراہ چلے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

سب چھوڑ فقیر آزاد ہوئے یا دنیا داری لوٹ گئے — یا شال دوشالے اوڑھ پھرے یا چلے پیوند گوٹ گئے
سنگ اور قضا کے سونٹے سے سر دونوں کے جب پھوٹ گئے — یاں سیلی تاگے ٹوٹ گئے واں جامے تن کے چھوٹ گئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

یا حاکم یا محکوم ہوئے یا عاقل یا معقول ہوئے — یا خادم یا مخدوم ہوئے یا جاہل یا مجہول ہوئے
زردار ہوئے سردار ہوئے مردود ہوئے مقبول ہوئے — کچھ اور نہ دیکھا آخر کو سب نت اسی میں دھول ہوئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے

کر بیر بخیلی زہر ہوئے یا بخشش میں تریاک ہوئے — یا نخل ہوئے پرمیووں کے یا خالی یا ٹونٹھ ڈھاک ہوئے

۱ے جود و موت ملک الموت ۱۲
۲ے بھیج اگر ہری نگان۔ قسط ۱۲
شہباز

یا عمر گزاری عشرت میں یا سو غم میں غمناک ہوئے
پھل پھول کھلائے گلشن کے یا گلیوں کی خاشاک ہوئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آ کر کام پڑا اب قصے قضیے پاک ہوئے

حکاک مصور زرگر تھے یا ہاتھ تبر اور تیشے تھے
جو علم و ہنر ہم سیکھے تھے اور جتنے اپنے پیشے تھے
یا پھیری سے دکان لسی یا جنگل جنگل بیشے تھے
بس اور نظیر اب کیا کہیئے سب ناحق کے اندیشے تھے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آ کر کام پڑا اب قصے قضیے پاک ہوئے

(۷۲)

بعد از فنا

کیا کیا جہاں میں اب ہیں ہماری سواریاں
کس کس طرح کی ہم نے سنواری سواریاں
دل چسپ دل فریب پیاری سواریاں
پر ہم سے کچھ نہ کر گئیں یاری سواریاں

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ تخت جس پہ کل تھا جواہر جڑا ہوا
جس دم اجل نے تختے کے اوپر دیا سلا
کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے جابجا
اُس تخت کے بھی ہو گئے تختے جدا جدا

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

ہاتھی جو تھے پہاڑ کی مانند تن سیاہ
ہودوں کی بھی چمک پہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ
جن پر کسیں عماریاں رخشندہ رشک ماہ
کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے واہ واہ

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

خاصے وہ گھوڑے ترکی و تازی جو تھے بڑے — جن پر سنہرے زین جواہر کے تھے جڑے
تا مگن بھی ہنہناتے رہے چھوٹے اور بڑے — مالک چلا تو سب وہ وہیں رہ گئے کھڑے

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ پالکی بنی تھی سنہری جو زرنگار — جھالر[1] یہ جس کی ہوتے تھے موتی جڑے نثار
لا نالکی پہ موت نے جب کر لیا سوار — پھر وہ نہ پالکی نہ جھالر نہ وہ کہار

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

تھیں وہ رتھیں کہ بیٹھتے تھے جن میں چھیل چھبیل — بجتے تھے زنگ[2] اور رہتے کلس اُن کے جوں سُہیل
رتھ بان تے اجل کے جو ہیں کر لیا دبیل — پھر کس کی چھتری پہیئے کہاں اور کہاں کے بیل

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ گاڑیاں جو دوڑیں تھیں گھوڑوں سے بیشتر — ناگوری اُن کے ہاتھی کے پاٹھے تھے خوب تر
پہیا قضا کے ہاتھ سے جب اُلٹا آن کر — گاڑی اُدھر اُلٹ گئی مالک گرا اِدھر

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

گھوڑ بہل[3] فیل بہل شتر بہل راہ وار — ہرنوں کی بہل بکری کی بہل گھنٹے گھنگرو دار
مالک چڑھا جو موت کی ڈولی پہ ایک بار — پھر بہلیاں نہ بہل نہ جھنکار نہ پکار

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں

---

[1] جھالر یعنی کرن مسلسل انچل بھندنے از ریشمی خواہ مقیش تار جو مسند یا جھول وغیرہ کے گرداگرد لگاتے ہیں ۱۲
[2] زنگ گھنٹیاں گھنگرو گھنٹی۔ ناسخ — مری بیل کو یاں اگر لائے + باندھوں ناقہ میں زنگ سونے کا ۱۲ شہباز
[3] گھوڑ بہل، شتر بہل، فیل بہل یہ سب زمانہ قدیم کی سواریاں تھیں ۱۲ آسی

جھک مارتی ہے رہ گئیں ساری سواریاں

میانہ، محافہ اور وہ چنڈول[۱] انگھیاں
مالک ہوا اجل کے جو کھڑکھڑیہ پر رواں
وہ پینسیں، وہ بوچے[۲]، نہ چوپالے[۳] خوش نشاں
بوچا گیا نہ ساتھ میانہ گیا، میاں

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی ہے رہ گئیں ساری سواریاں

چھکڑے، لڑھے، رہکلے شتر بہل اور خچر
مالک چلا جو موت کے تانگے کو چھوڑ کر
ٹٹو، حمار، بھینسے، وہ لدنے کے گورخر
بھینسا گیا نہ ساتھ، نہ ٹٹو نہ گاؤ خر

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی ہے رہ گئیں ساری سواریاں

اسوار جب اجل کا ہوا آن کر اسیر
ہاتھی بھی خاک ڈالتے سر پر رہے حقیر
گھوڑے بھی ہنہناتے رہے سب جتے ان دبیر
یہ بات تو عیاں ہے کہوں کیا میاں نظیر

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی ہے رہ گئیں ساری سواریاں

(۷۳)

پیری[۵] کی سواری
اور
سفر آخرت کی تیاری

بٹ مار اجل کا آ پہونچا ٹک اسکو دیکھو ڈرو بابا
دل ہاتھ اٹھا اس جینے سے بس من مار مرو بابا
اب اشک بہاؤ آنکھوں سے اور آہیں سرد بھرو بابا
جب باپ کی خاطر روتے تھے اب اپنی خاطر رو بابا

۱؎ چنڈول، انگھیاں محافہ، ڈولا، ایک زنانہ سواری جسے کہار اٹھاتے ہیں ۱۲ ۲؎ بوچا ہوادار، تامجان ایک قسم کی بے پردہ سواری جسے کہار اٹھاتے ہیں ۱۲ ۳؎ چوپال (چوپہلا) ایک قسم کا ڈولا ۱۲ ۴؎ کھڑکھڑیا، بلی، بہلی ۱۲ ۵؎ لڑھا، چھکڑے کی قسم کی ایک گاڑی ۱۲ ۶؎ رہکلا ایک قسم کی گاڑی جس پر توپ چلتی ہے ۱۲ ۷؎ اس نظم کو کتاب میں تو "فقیروں کی صدا" کے ذیل میں لکھا ہے۔ لیکن نقرہ "کیرٹری نامہ" کہتے ہیں، اس وجہ سے کہ ٹیپ میں کیرٹری کا لفظ بار بار واقع ہوا ہے ۱۲ شہباز

ترجیع

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

اب جینے کو تم رخصت دو اور مرنے کو مہمان کرو
یا پوری لڈو بٹواؤ یا خاصہ حلوا مان کرو
خیرات کرو احسان کرو یا پن کرو یا دان کرو
کچھ لطف نہیں اب جینے کا اب چلنے کا کچھ دھیان کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

دل کو گو اپنا جینے سے اب و گلے کو یوں مت کاٹو
دھن چھوڑو حصہ بخرے کی اور بھاجی اپنی تم باٹو
اب چاٹ فنا کی ٹک چکھو اور خون کسی کا مت چاٹو
ناگنند بچھیڑے کو دے چکے اب اور دولتی مت چھانٹو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اسپ بہت کودا اچھلا اب کوڑا مار زیر کرو
گرتھ ٹوٹا لشکر بھاگ چکا اب میاں میں تم شمشیر کرو
جب مال اکٹھا کرتے تھے اب تن کا اپنے ڈھیر کرو
تم صاف لڑائی ہار چکے اب بھاگنے میں مت دیر کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

سر کانپا چاندی بال ہوئے منھ پھیلا پلکیں آن جھکیں
سکھ نیند گئی اور بھوک گھٹی دل سست ہوا آواز نہیں
قد ٹیڑھا کان ہوئے بہرے اور آنکھیں بھی چندھیائی گئیں
جو ہونی تھی سو ہو گذری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ پاؤں گھسٹ کر چلنے سے مت اس کو حیران کرو
اب آپ ہوئے تم پانی سے مت پانی کا نقصان کرو
اور پوپلے منھ سے روٹی کو مت مل مل کر ہلکان کرو
کچھ لابھ نہیں ہے جینے میں اب مرنے سے پہچان کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا

لہ بھاجی ترکاری یعنی حصہ بخرے کی بھاجی۔ لہ ناگنند بچھیڑا۔ وہ گھوڑے کا بچہ جو ابھی ایک برس کا ہو اور جس کے پیدائشی دانت نہ گرے ہوں۔ یہ نہایت سرکش ہوتا ہے۔ دولتی جھاڑنا مراد سرکشی اور بدمعاشی کرنا یعنی بہت سے برے کام کر چکے اب یہ باتیں نہ کیے جاؤ ۱۲ اسی

اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

گر اچھی کرنی نیک عمل تم دنیا سے لے جاؤ گے — تو گھر بھی اچھا پاؤ گے اور بیٹھ کے سکھ سے کھاؤ گے
اور ایسی دولت چھوڑ کے تم جو خالی ہاتھوں جاؤ گے — کچھ بات نہیں بن آنے کی گھبراؤ گے پچھتاؤ گے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چنتی ہے — جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو دن رات یہ لکڑی گھستی ہے
تم گٹھری باندھو کپڑے کی او دیکھو اجل سر دھنتی ہے — اب موت کفن کے کپڑے کا یاں تانا بانا بنتی ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی نکر کرو بابا

گھر بار روپے اور پیسے میں مت لگو تم خورسند کرو — یا گور بناؤ جنگل میں یا جمنا پر آنند کرو
موت آن لتاڑے گی آخر کچھ مکر کرو کچھ فند کرو — بس بہت تماشا دیکھ چکے اب آنکھیں اپنی بند کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

بیوپار تو یاں کا بہت کیا اب واں کا بھی کچھ سودا لو — جو کھیپ ادھر کو چڑھتی ہے اس کھیپ کو یاں سے لدوا لو
اس راہ میں جو کچھ کھاتے ہوں اس کھانے کو بھی منگوا لو — سب ساتھی پہنچے منزل پر اب تم بھی اپنا رستا لو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

دو چار گھڑی یا دو دن میں اب تن سے جان نکلنی ہے — یہ ہڈی پسلی جلتی ہے یا گلنی ہے یا جلنی ہے
ہر رات جو باقی تھوڑی سی کوئی دم میں یہ بھی ڈھلنی ہے — اٹھ باندھ کمر سویرے سے تم کو بھی منزل چلنی ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئے گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ دولت کام نہ آویگی مت اسکو تم زنجیر کرو
جو پار اُتارے دریا سے اُن باتوں کو گو سیر کرو
یہ خاک بدن کی پارا ہے مت اسے اکسیر کرو
اب ناؤ کنارے آپہونچی اب چڑھنے میں مت دیر کرو

تن سوکھا کُبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

کچھ دیر نہیں اب چلنے میں کیا آج چلو یا کل نکلو
اب شام نہیں اب صبح ہوئی جوں مُم گھل کر ڈھل نکلو
کچھ کپڑا لتّا لینا ہو سو جلدی باندھ سنبھل نکلو
کیوں ناحق دھوپ چڑھاتے ہو بس ٹھنڈے ٹھنڈے چل نکلو

تن سوکھا کُبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اونٹ کرائے کا یارو صندوق جنازہ باری ہے
کس نیند پڑے تم سوتے تھے یہ بوجھ تمھارا بھاری ہے
جب اس پر ہو اسوار چلے پھر گھوڑا ہے نہ عماری ہے
کچھ دیر نہیں اب آہ نظیر تیار کھڑی اسواری ہے

تن سوکھا کُبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

(۷۴)

بنجارا

دنیا کا سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا گونی پلّا سر بھارا
کیا گیہوں چانول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں کیا انگارا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

لہ یہ نظم بہت مشہور ہے اور اسی وجہ سے اس میں اختلاف نسخ بہت ہے۔ لفظ الفاظ میں بلکہ بندوں کی ترتیب اور شمار میں بھی۔ مطبع نظامی کے نسخے میں تیسرے بند کی جگہ چھٹا بند ہے اور تیسرا بند اس کا اس کا چوتھا بند ہے مطبع صفدری کے نسخے میں جو چوتھا بند ہے وہ مطبع احمدی کے نسخے میں پانچواں ہے اور مطبع نظامی کے نسخے میں چھٹا ہوا میں نے مطبع احمدی کے نسخے کی ترتیب اس میں قائم رکھی ہے مطبع صفدری کے نسخے میں بارہ ہی بند ہیں ایک بند زائد ہے ۱۲ لکھ بلا ٹاٹ کا ٹیر کھیلا جس میں غلّہ وغیرہ رکھتے ہیں ۱۲ سے بھی ایک قسم کا تھیلا ہے جس کو سر سے اٹکا کر پیچھے پڑا دیتے ہیں اور آنکھ کو جھک کر چلتے ہیں ۱۲ شہباز

گر تو ہے لکھی بنجارا اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر مصری قند گری کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ منقا سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

یہ بدھیا لادے بیل بھرے جو پورب پچھم جاویگا
یا سود بڑھا کر لاویگا یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا
قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گراویگا
دھن دولت ناتی پوتا کیا اک کنبہ کام آوے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر منزل میں اب ساتھ ترے یہ جتنا ڈیرا ڈانڈا ہے
زر دام درم کا بھانڈا ہے بندوق سپر اور کھانڈا ہے
جب نایک تن کا نکل گیا جو ملکوں ملکوں ہانڈا ہے
پھر ہانڈا ہے نہ بھانڈا ہے نہ حلوا ہے نہ مانڈا ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب چلتے چلتے رستہ میں یہ گون تری ڈھل جاویگی
اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے آوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جاویگی
دھی پوت جنوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

یہ کھیپ بھرے جو جاتا ہے یہ کھیپ میاں مت گن اپنی
اب کوئی گھڑی پل ساعت میں یہ کھیپ بدن کی ہے کفنی
کیا تھال کٹورے چاندی کے کیا پیتل کی ڈبیا ڈھکنی
کیا برتن سونے روپے کے کیا مٹی کی ہنڈیا چینی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ لعل زمرد سیم و زر
جب پونجی بات میں بکھرے گی پھر آن بنے گی جان اوپر
نقارے نوبت بان نشان دولت حشمت فوجیں لشکر
کیا مسند تکیہ ملک مکان کیا چوکی کرسی تخت چھپر
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیوں جی پر بوجھ اٹھاتا ہے ان گونوں بھاری بھاری کے
جب موت کا ڈیرا آن پڑا پھر دونے ہیں بیوپاری کے
کیا ساز جڑاؤ زر زیور کیا گوٹے تھان کناری کے
کیا گھوڑے زین سنہری کے کیا ہاتھی لال عماری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

۱؎ داکھ کشمش ۲؎ بڑھنا پھیرنا ۳؎ [illegible] ۴؎ [illegible] ۵؎ تباہ ہونی برباد ہونی نیست نابود ہونی [illegible]

مغرور نہ ہو تلواروں پر مت پھول بھروسے ڈھالوں کے
سب پٹا[1] توڑ کے بھاگیں گے منھ دیکھ اجل کے بھالوں کے
کیا ڈبے موتی ہیروں کے کیا ڈھیر خزانے مالوں کے
کیا بقچے تاش[2] مشجر[3] کے کیا تختے شال دوشالوں کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیا سخت مکاں بنواتا ہے کھم[4] تیرے تن کا ہے پولا
تو اونچے کوٹ اٹھاتا ہے واں گور گڑھے نے منھ کھولا
کیا ریتی[5] خندق رند[6] بڑے کیا برج کنگورا انمولا
گڑھ کوٹ رہکلہ[7] توپ قلعہ کیا شیشہ دارو اور گولا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن
ٹک غافل دل میں سوچ ذرا ہے ساتھ لگا تیرے دشمن
کیا لونڈی باندی دائی دوا کیا بندا چیلا نیک چلن
کیا مندر مسجد تال کنویں کیا گھاٹ سرا کیا باغ چمن
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا
کوئی ناج سمیٹے گا تیرا کوئی گون سیئے اور ٹانکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں تو خاک لحد کی پھانکے گا
اس جنگل میں پھر آہ نظیر اک بھنگا آن نہ جھانکے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

[1] پٹا توڑ کر بھاگنا - جلدی سے بھاگ نکلنا - پھولنا مغرور ہونا - [illegible] شہباز [2] تاش زری - ایک قسم کا زری کا ریشمی کپڑا [3] مشجر - بیلدار اور پھولدار کپڑا ۱۲ [4] کھم کھمبا - پولا جو چیز اندر سے خالی اور نرم ہو - پھسپھسا - کوٹ قلعہ ۱۲ آسی [5] ریتی - قلعہ کے گرد کی چھوٹی دیوار ۱۲ آسی [6] رند - دیوار قلعہ یا شہر پناہ کے وہ سوراخ جو غنیم پر اندر سے بندوقیں چلانے کے واسطے چھوڑ دیتے ہیں - [illegible] گھر [illegible] دیوار ہے جو [illegible] [7] رہکلا - مگر یہاں بہانے محفوظ [illegible] چھوٹی توپ - بندوق [illegible] تھی [illegible] توپ

گاڑی - کھڑیتہ ۱۲ ؎ بعض نسخوں میں یہی پہلا مصرعہ ہے اور پہلا مصرعہ دوسرا ۱۲ شہباز -



اندھیری

لاتی ہے جب اپنا یہ شروعات[1] اندھیری
دیتی ہے غریبوں کو مکافات اندھیری
کرتی ہے اُجالے کے تئیں مات اندھیری
دکھلاتی ہے خوباں کی مُلاقات اندھیری

ہر عیش کی کرتی ہے عنایات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

جس وقت ہوئی رات اندھیرے سے دھواں دھار
گر اس میں کہیں شور دیا غل ہوا اک بار
جو شوخ ملا شوق سے جا بھڑ گئے للکار
ادھر سے اُدھر ہو گئے دو چار قدم مار

بر لاتی ہے اس ڈھب کی مہمات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

جب یار چلا اوڑھ کے کالا سا دوشالا
جا مل گئے اور دل کا بھی ارمان نکالا
کمبل کو ادھر ہم نے بھی کاندھے پہ سنبھالا
منھ اُس کے رقیبوں کا کیا خوب سا کالا

کیا وصل کا رکھتی ہے کرامات[2] اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

[1] شروعات ایک مختلف فیہ لفظ ہے۔ بعض فصحا شروع کے معنی میں شروعات کو نادرست سمجھتے ہیں، اور بعض غلط، لغت سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ اس نظم میں عنایت کی جگہ عنایات، ہمہ کی جگہ ہمات، کرامت کی جگہ کرامات، طلسم کی جگہ طلسمات وغیرہ بھی لائے گئے ہیں۔
[2] کرامات کی ت زنانہ مونث بولا جاتا ہے۔ آسی

بوسہ لیا منہ موڑ الگ ہو رہے چپکے ۔۔۔ چھاتی سے لگا چھوڑ الگ ہو رہے چپکے
سینے کا وہ پھل توڑ الگ ہو رہے چپکے ۔۔۔ اغیار کا سر پھوڑ الگ ہو رہے چپکے
اس ڈھب کی تو رکھتی ہے عجب گھات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

کل یار نے اور ہم نے جو پی لے کے گلابی[1] ۔۔۔ اور عیش کرنے لگے ہو ہو کے شرابی
اتنے میں رقیب آگیا بو سونگھ شتابی ۔۔۔ گر چاندنی ہوتی تو بڑی ہوتی خرابی
ٹالے ہے سب آئی ہوئی آفات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

سوتے تھے جو ہم اس میں سنے غیر کے کھٹکے ۔۔۔ چھپ چھپ گئے اٹھ دونوں ہی نیچے پلنگ کے
ہم ہنستے رہے اس نے ڈھبک[2] دھوکے جو مارے ۔۔۔ کتنا ہی ٹٹولا جو اجالا ہو تو پاوے
چوری کی بھی رکھ لیتی ہے کیا بات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

معمول ہے جب چاند کا چھپتا ہے اجالا ۔۔۔ ہوتا ہے عجب کھیل پہ پردے دو بالا
محبوب پری شکل صراحی و پیالا ۔۔۔ نہ روکنے والا نہ کوئی ٹوکنے والا
اس لوٹ کی کرتی ہے مدارات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

جس کوچے میں چاہا وہیں کرنے لگے پھیری ۔۔۔ بیٹھے کہیں اٹھے کہیں جلدی کہیں دیری
اور اس میں کہیں مل گئی گر حسن کی ڈھیری ۔۔۔ پھر جب تو نہ کہہ میری نہ میں کچھ کہوں تیری
کام عیش کے لاتی ہے لگا سات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

تھا شوخ سے کل رات عجب سیر کا کھٹکا ۔۔۔ بوسوں کی مدارات کا سینوں کی لپیٹ کا

[1] گلابی ایک قسم کی بوتل یا صراحی جس میں شراب یا گلاب رکھتے ہیں ۱۲
[2] ڈھبک دھوکے ۔ ادھر ادھر سرسری ڈھونڈھنا ۱۲

آیا جو چغل خور تو سندہ وہیں سٹکا
وہ ٹکریں کھاتا ہوا پھرتا رہا بھٹکا

رد کرتی ہے سب سر کی بلیات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

تھی شب کو اندھیری تو عجب ڈھب کی نظر آہ
نکلے تھے ہمیں ڈھونڈھنے اُس دم کئی بدخواہ
سو عیش و طرب سے تھے ہم اُس یار کے ہمراہ
مل مل بھی گئے تو بھی نہ دیکھا ہمیں واللہ

کیا عیش کے رکھتی ہے طلسمات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

(۷۶)

برسات کا تماشا

اہل سخن کو ہے گا اک بات کا تماشا
دنیا کے صاحبوں کو دن رات کا تماشا
اور عارفوں کی خاطر ہے ذات کا تماشا
ہم عاشقوں کو ہے گا سب گھات کا تماشا

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

خورشید گرم ہو کر نکلا ہے اپنے گھر سے
آئی ہوا بھی لے کر بادل کو ہر نگر سے
لیتا ہے مول بادل کر کر تلاش زر سے
آدھے اساڑھ تو اب دشمن کے گھر سے برسے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

قاصد صبا کے دوڑے ہر طرف منھ اُٹھا کر
ہاں سبز جوڑے پہنو ہر دم نہا نہا کر
ہر کوہ و دشت کو بھی کہتے ہیں یوں سنا کر
کوئی دم کو میگھ راجا دیکھے گا سب کو آکر

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

جب یہ نوید پہونچی صحرا میں ایک باری
چشموں میں کوہ کے بھی ہوئی اب کی انتظاری
ہونے لگی وہاں پھر برسات کی تیاری
موسم کے جانور بھی آتے ہیں باری باری

له عاشق سے ... لوگ مراد ہیں جو ... سیاسی اور ... اور پر عاشق ہیں ... سے میگھ راجہ ... بادلوں کا راجہ ... فرشتہ جو بلیوں ... ہو سوکل ہے ... شہباز

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ساون کے بادلوں سے پھر آگھٹا جو چھائی ۔ بجلی نے اپنی صورت پھر آن کر دکھائی
ہو مست رعد گرجا کوئل کی کوک آئی ۔ بولی نے کیا مزے کی رم جھم جھڑی لگائی

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

جن صاحبوں کے دل کو کچھ عیش سے ہے بہرا ۔ وہ اس ہوا میں جاکر دیکھیں ہیں کوہ و صحرا
ہر طرف آب سبزہ اور گلبدن سنہرا ۔ جنگل میں آج منگل کس کس طرح کا لہرا

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کوئی اپنے دلربا سے کہتا ہے دیکھیں جنگلا[1] ۔ چہرے کو تو گلابی یا گل انار رنگ لا
اور ساغر و صراحی مے کی تو اپنے سنگ لا ۔ پی پی نشوں میں سیریں دیکھیں بنا کے بنگلا

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر گلبدن کے تن میں پوشاک ہے اکہری ۔ پگڑی گلابی، ہلکی یا گل انار گہری
صحن چمن میں ہے جو بارہ دری سنہری ۔ اُس میں سبھوں کی آکر ہے بزم عیش ٹھہری

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

معشوق عاشقوں میں کیا بزم بانمک ہے ۔ شیشہ گلابی ساقی اور جام اور گزک ہے
جھنکار تال کی ہے اور طبلے کی کھڑک ہے ۔ گوری ملار کے ساتھ آواز کی گمک ہے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

آکر کہیں مزے کی ننھی پھوار برسے ۔ چیزوں کا رنگ چھٹ کر حسن و نکھار برسے
اک طرف اولتی کی باہم قطار برسے ۔ چھاجوں امنڈ کے پانی موسل کی دھار برسے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر کوہ کی کمر تک سبزہ ہے لہلہاتا ۔ برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ پانی بہا ہے جاتا
وحش و طیور ہر اک مل مل کے ہے نہاتا ۔ غوغا کریں ہیں مینڈک جھینگر ہے غل مچاتا

۱؎ جنگل کا ساماں
ایک قسم کا پھول

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

گلشن میں آبھرے ہیں سب گلبدن نکیلے
ساتھ اُن کے لگ رہے ہیں عاشق جو ہیں رنگیلے
کہتا ہے کوئی کسی سے اے دلربا ہٹیلے
ایک ہی گلابی مُو کی ہاتھوں سے میرے پی لے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کالی گھٹا ہے ہر دم برسے ہیں مینہ کی دھاریں
اور جس میں اُڑ رہی ہیں بگلوں کی سو قطاریں
کوئل پپیہے کوکیں اور کوک کر پکاریں
اور مور مست ہو کر جوں کو کلا جھنکاریں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کالی گھٹائیں آ کر ہو مست تُل رہی ہیں
دستاریں سُرخ اس میں کیا خوب کھل رہی ہیں
رخساروں پر بہاریں ہر اک کے ڈھل رہی ہیں
شبنم کی بوندیں جیسے ہر گل پہ تُل رہی ہیں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ساون کی کالی راتیں اور برق کے اشارے
جگنو چمکتے پھرتے جوں آسمان پہ تارے
لپٹے گلے سے سوتے معشوق ماہ پارے
گرتی ہے چھت کسی کی کوئی کھڑا پکارے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہاتھوں میں ہیں ہر اک کے پھولوں کی لال چھڑیاں
بجلی چمکتی پھرتی اور لگ رہی ہیں جھڑیاں
گل بوندوں کے جڑاؤ پر بوندیں ہیں مینہ کی پڑیاں
برسیں گویا ہزاروں اب موتیوں کی لڑیاں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر ایک اُن میں بہتر محبوب گلبدن ہے
خوبی میں برگ گل سے بہتر ہر اک کا تن ہے
تس پر لب بر باراں اور گل ہے اور چمن ہے
عاشق کے دل سے پوچھو کیا عیش کا چلن ہے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

شہروں کے بیچ ہر جا عمدوں کے جو مکاں ہیں
باراں کے دیکھنے کی بام و اٹاریاں ہیں
بیٹھے ہوئے بغل میں معشوق دلستاں ہیں
ہر رنگ ہر طرح کی مے کی گلابیاں ہیں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

بنگلے سبھوں نے ہر جا اونچے چھوائے زر سے
پکوان تازے تازے خاصے پلاؤ زردے
میوے مٹھائی انبہ انگور اور سردے
برسے ہے ابر باراں کھلوا دیے ہیں پردے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

اب شہر میں جہاں تک اوباش پیشہ ور ہیں
معشوق ہیں بغل میں محبوب سیم بر ہیں
بیٹھے دکان اوپر بے خوف و بے خطر ہیں
اور سب غریب غربا دل شاد اپنے گھر ہیں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

آگے دکان کے نالا ہے موج مار چلتا
کوئی چھپکتا پانی اور کوئی ہے پھسلتا
عالم طرح طرح کا آگے سے ہے نکلتا
ٹھٹھا ہے اور مزا ہے آب عنب ہے ڈھلتا

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

معمور ہیں جہاں کی سب تال اور تلیاں
اور ڈالیاں چمن کی بوندوں سے جھک رہی ہیں
سب بھر رہا ہے پانی اور سیر امبریاں
بادل بھرے ہیں جیسے معشوق ہیں دوگنیاں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہے جو نظیر جن کی دھوم میں اگستیاں ہیں
معشوق ہیں بغل میں اور مے پرستیاں ہیں
سب سے زیادہ اس کو اب عیش مستیاں ہیں
شعروں سے موتیوں کی بوندیں برستیاں ہیں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۷۷)

برسات کی بہاریں

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ قطرات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں

حواشی:
لہ غربا بفتح ر درست ہے ۱۲
سہ آب عنب شراب انگوری
سہ امبریاں آموں کا باغ۔ عام طور امریاں بولتے ہیں ۱۲
ہہ تر و تازہ شاداب ۱۲ آسی

معشوق جن کے ہیں اور زیادہ دوگنیاں بادل بھرے ہیں

(نسخہ ۔۔۔ کی بجائے ۔۔۔ ہیں)

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں
جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مارے ہیں موج ڈابر[1] دریا ڈونڈ[2] رہے ہیں
جھڑ کر رہی ہیں جھڑیاں نالے امنڈ رہے ہیں
مور و پپیہے کویل کیا کیا رمنڈ رہے ہیں
برسے ہے مینھ جھڑا جھڑ بادل گھمنڈ[3] رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں
گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں
اللہ کے نقارے[4] نوبت کے بج رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل لگا ٹکوریں نوبت کی گت لگا دیں
کر شور مور بگلے جھڑیوں کا مینھ بلاویں
جھینگر جھنگار[5] اپنی سرنائیاں[6] بجا دیں
پی پی کریں پپیہے مینڈک ملاریں گا دیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزا ہرے بچھونے
جنگلوں میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے
قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
بچھوا دیے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ کچھ ابر کی سیاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر ماہ تا بماہی
اور چھا رہی گھٹائیں سرخ اور سفید کاہی
یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہیں یا رب سامان تیری قدرت
سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت
بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
تیتر پکارتے ہیں سبحان تیری قدرت

[1] ڈابر۔ چھوٹا سا تالاب یا جھیل جو زمین نشیب کی وجہ سے پانی جمع ہو جائے۔ [2] ڈونڈنا جوش مارنا۔ رینگنا، غل مچانا۔ [3] گھمنڈنا۔ گھمنڈ کرنا ۱۲ [4] نقارہ۔ بتشدید قاف صحیح اور فصیح ہے ۱۲ [5] جھنگار جھینگر کی آواز۔ [6] سرنائی۔ ایک باجا۔ یہ سورنا کا مخفف ہے۔ نفیری وغیرہ ۱۲ آسی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا | اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا
یہ رنگ سو مزے کا جو صبح و شام ہے گا | یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بولیں بئے بٹیریں قمری پکارے کوکو | پی پی کرے پپیہا بگلے پکاریں تو تو
کیا ہدہدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہو ہو | سب رٹ رہے ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیرو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو مست ہوں اُدھر کے کر شور ناچتے ہیں | پیارے کا نام لے کر کیا زور ناچتے ہیں
بادل ہوا سے گر گر گھنگھور ناچتے ہیں | مینڈک اُچھل رہے ہیں اور مور ناچتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پھولوں کی سیج اوپر سوتے ہیں کتنے بن ٹھن | سو ہیں گلابی جوڑے پھولوں کے ہار برن
کتنوں کے گھر ہی کھانا سونا لگے ہے آنگن | کونے میں پڑ رہی ہیں سر منہ لپیٹ سوگن

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو خوش ہیں وہ خوشی میں کاٹے ہیں رات ساری | جو غم میں ہیں انہوں پر گزرے ہے رات بھاری
سینوں سے لگ رہی ہیں جو ہیں پیا کی پیاری | چھاتی پھٹے ہے اُن کی جو ہیں برہ کی ماری

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو وصل میں ہیں اُن کے جوڑے مہک رہے ہیں | جھولوں میں جھولتے ہیں گہنے جھمک رہے ہیں
جو دکھ میں ہیں سو اُن کے سینے بھڑک رہے ہیں | آہیں نکل رہی ہیں آنسو ٹپک رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اب برہنوں کے اوپر ہے سخت بیقراری | ہر بوند مارتی ہے سینے اُپر کٹاری
بدلی کی دیکھ صورت کہتی ہیں باری باری | ہے ہے نہ لی پیا نے اب کے بھی سدھ ہماری

لہ زٹل مور کی آواز۔ بیہودہ۔ تکیہ کلام ہو۔ ادا سی
سے بسر بننا۔
زیب دینا بھلا معلوم ہونا۔ زیب تن ہونا
سے سوگن جو ایسی عورت۔ عورت جو کسی کا سوگ کرتی ہو۔
سے برہ۔ فراق برہ کی ماری۔ فراق زدہ۔ برہن
ھے برہن جو جدائی میں مبتلا
شہباز

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی اُن کو آواز ہے سُناتی
پی پی کی دھن کو سنکر بے کل ہیں کہتی جاتی
سنتے ہی غم کے مارے چھاتی ہے اُمڈی آتی
مت بول اے پپیہے پھٹتی ہے میری چھاتی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کی سیج سونی اور خالی چار پائی
پردیسی نے ہماری اب کے بھی سدھ بھلائی
رو رو انھوں نے ہر دم یہ بات ہے سنائی
اب کے بھی چھاؤنی جا پردیس میں ہے چھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے اپنی غم سے اب ہے یہ گت بنائی
نے گھر میں جھولا ڈالا نے اوڑھنی رنگائی
میلے کچیلے کپڑے آنکھیں بھی ڈبڈبائی
پھوٹا پڑا ہے چولھا ٹوٹی پڑی کڑھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گاتی ہے گیت کوئی جھولے پہ کرکے پھیرا
ہے خوش کسی کو آکر ہے درد و غم نے گھیرا
مارو جی آج کیجے یاں رین کا بسیرا
منھ زرد بال بکھرے اور آنکھوں میں اندھیرا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اور جنکو اب مہیا حسنوں کی ڈھیریاں ہیں
محبوب دلبروں کی زلفیں بکھیریاں ہیں
سرخ اور سنہرے کپڑے عشرت کی گھیریاں ہیں
جگنو چمک رہے ہیں راتیں اندھیریاں ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو بھنگ پی پی کپڑے بھگو رہے ہیں
کتنے برہ کے مارے سدھ اپنی کھو رہے ہیں
باہیں گلوں میں ڈالے جھولوں میں سو رہے ہیں
جھولے کی دیکھ صورت ہر آن رو رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بیٹھے ہیں کتنے خوش ہو اونچے چھوا کے بنگلے
کتنے پھرے ہیں باہر خوباں کو اپنے سنگ لے
پیتے ہیں مے کے پیالے اور دیکھتے ہیں جنگلے
سب شاد ہو رہے ہیں عمدہ غریب کنگلے

لے مارو جگ جو از ہو۔ گیتوں میں معشوق کو اس لفظ سے خطاب کیا جاتا ہے ۱۲
تہ وہ ملک جس میں جنگل بہت ہوں جنگل بیابان ۱۲
گے عہد زمانہ شاہی کا ایک عہدہ۔
سے کنگلا مفلس ۱۲

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا
یا سائباں ستھرا یا بانس کا اُسارا[1]
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا
مفلس بھی کر رہا ہے پولے[2] تلے گذارا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

چھت گرنے کا کسی جا غل شور ہو رہا ہے
دیوار کا بھی دھڑکا کچھ ہوش کھو رہا ہے
در در حویلی والا ہر آن رو رہا ہے
مفلس سو جھونپڑے میں دلشاد سو رہا ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مدّت سے ہو رہا ہے جن کا مکاں پرانا
اُٹھ کے ہر آن کو مینھ میں ہر آن چھت پہ جانا
کوئی پکارتا ہے ٹک موری کھول آنا
کوئی کہے ہے چل بھی کیوں ہو گیا دِوانا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتا ہے لو یہ مکان ٹپکا
گرتی ہے چھت کی مٹی اور سائبان ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری کوٹھا ندان[3] ٹپکا
باقی تھا اک اُسارا سو وہ بھی آن ٹپکا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اونچا مکان جس کا ہے پنج کھنا[4] سوایا
اوپر کا کھن[5] ٹپک کر جب پانی نیچے آیا
اُس نے تو اپنے گھر میں ہے شور غل مچایا
مفلس پکارتے ہیں جاتے ہمارا +++

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں پہ بیر بھوٹی ٹیلوں اُپر دھتورے
پسّو سے مچھروں سے روئے کوئی بسورے
بچھو کسی کو کاٹے کیڑا کسی کو گھورے
آنگن میں کنسلائی کونوں میں کھنکھجورے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پھنسی کسی کے تن میں سر پر کسی کے پھوڑے
چھاتی پہ گرمی دانے اور پیٹھ میں ڈرد ووڑے
کھا پوریاں کسی کو ہیں لگ رہے مروڑے
آتے ہیں دست جیسے دوڑیں عراقی گھوڑے

له اُسارا چھپر سائبان وغیرہ
ﷺ پوے تلے گزارا کرنا مفلسانہ تنگی سے زندگانی بسر کرنی جو جیسا نہ
سه ذان آخرکار بالآخر
سه ۔
پنج کھنا پنج منزلہ
ﷺ کھن ۔ منزل شہباز

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پتلی جہاں کسی نے دال اور کڑھی پکائی
کوئی پکارتا ہے کیوں خیر تو ہے بھائی
لکھی نے دو ہیں بولی آ اونٹ کی بلائی
ایسے جو کھاتے ہو کیا کالی مرچ کھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جس گلبدن کے تن میں پوشاک سوسنی ہے
اور جس پہ سرخ جوڑا یا اوڑھنی اودی ہے
سو وہ پری تو خاصی کالی گھٹا بنی ہے
اُس پر تو سب گھلاوٹ[۱] برسات کی چھنی ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بدنوں میں کھب رہے ہیں خوبوں کے لال جوڑے
لہریں بنا رہے ہیں لڑکوں کے لال جوڑے
جھمکیں دکھا رہے ہیں پریوں کے لال جوڑے
آنکھوں میں چبھ رہے ہیں پیاروں کے لال جوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی
کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی
گلنار یا گلابی یا زرد، سرخ، دھانی
جھولوں میں جھولتے ہیں اُوپر پڑے ہے پانی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی تو جھولنے میں جھولے کی ڈور چھوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پر برسے ہیں تھوڑے تھوڑے
یا ساتھیوں میں اپنے پانوؤں سے پانوؤں جوڑے
بوندوں میں بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں کو ہو رہی ہے اس عیش کی نشانی
اس وقت تم نہ جاؤ اے میرے یار جانی
سوتے ہیں ساتھ جس کے کہتی ہے وہ سیانی
دیکھو تو کس مزے سے برسے ہے آج پانی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے شراب پی کر ہو مست جھک رہے ہیں
ہوتا ہے ناچ گھر گھر، گھنگرو جھنک رہے ہیں
مے کی گلابی آگے پیالے چھلک رہے ہیں
پڑتا ہے مینہ جھڑا جھڑ طبلے کھڑک رہے ہیں

۱؎ یعنی برسات کی تمام بہاریں اس پہ سمٹ پڑی ہیں ۱۲ آسی غفرلہٗ

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہیں جن کے تن ملائم میدے کی جیسے لوئی — وہ اس ہوا میں خاصی اوڑھے پھرے ہیں لوئی
اور جن کی مفلسی نے شرم و حیا ہے کھوئی — ہے اُن کے سر پہ سرکی[1] یا بوریے کی کھوئی[2]

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے پھرے ہیں اوڑھے پانی میں سرخ ٹیٹو — جو دیکھ سرخ بدلی ہوتی ہے اُن پہ لٹو
کتنوں کی گاڑی رتھ ہیں کتنوں کے گھوڑے ٹٹو — جس پاس کچھ نہیں ہے وہ ہم سا ہے نکھٹو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑھے ہیں — ہے اُن کے سر پہ چھتری ہاتھی پہ چڑھ رہے ہیں
ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں — ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائنچے چڑھے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن گنے گھیا پکا پکا یا کھانا — اُن کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اُڑانا
ہے جن کو اپنے گھر میں یاں لون تیل لانا — ہے سر پہ اُن کے پنکھا یا چھاج ہے پرانا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے خوشی سے بیٹھے کھاتے ہیں خوش محل میں — کتنے چلے ہیں لینے بنیے سے قرض پل میں
کاندھے پہ دال آٹا ہلدی گرہ نے مل میں — ہاتھوں میں گھی کی پیالی اور لکڑیاں بغل میں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو ++ جو امیں حسنوں میں پتریاں ہیں — سینوں میں لال انگیاں اور لال کرتیاں ہیں
نظریں بھی بدلیاں ہیں دل میں بھی کھتریاں ہیں — اک اک نگہ میں کا فر بجلی کی پھرتیاں ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو نوجواں ہیں اُن کی تیاریاں بڑی ہیں — ہاتھوں میں لال چھڑیاں کنگھیوں پر کھڑی ہیں
اور وہ جو ++ سے جھگڑ رہی ہیں یا اڑی ہیں — منھ کو چھپا پلنگ پہ مچلی ہوئی پڑی ہیں

[1] سرکی۔ پال [2] کھوئی کپڑے یا بوریے کی دو طرح خاص شکل جو بارش سے بچنے کے لیے سر پر رکھا جاتا ہے بھیا اچھوتی مفلسوں کی ایجاد ہے شہباز [3] ٹیٹو۔ اونی موٹا کپڑا [4] پرنیاں یعنی پوری [5] سرتی — ہوشیار ی [6] آسی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی اپنے آشنا سے کر ناز کا جھپیٹا | کہتی ہے ہنس کے کافر چھلی لے یا انٹھا
تم سے تو دل ہمارا اب ہو گیا ہے کھٹا | تم آج بھی نہ لائے رنگوا مراد و پیٹا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتی ہے کوئی مجھ کو جوڑا سوہا بنا دو | یا ٹاٹ بافی جوتا یا کفش سرخ لا دو
کوئی کہے ہے میری کرتی ابھی رنگا دو | یا گرم سے اندر سے اک سیر بھر منگا دو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اُن کے مبتلا ہیں سب چیز لا رہے ہیں | کرتی بنا رہے ہیں انگیا رنگا رہے ہیں
جو جو ہیں اُن کی باتیں سب کچھ اٹھا رہے ہیں | باہیں گلے میں ڈالے عشرت منا رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے قول باندھا +++ کے دیکھ پیسے | کہتے ہیں شاد ہو کر یوں اپنی +++ سے
برسات بھر تو اپنی سنتے ہو جان پیارے | احمق ہو جو پلنگ سے اب +++ کو اتارے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پر حسن کے اُن سے ہنس ہنس کہتی ہے شوخ +++ | +++ کو اب تو اے کر بندی بھی ہے گھمنڈی
ہم پہنیں لال جوڑا تم پہنو خاصی بنڈی | خندی ہو جو تمہاری چھاتی کرے نہ ٹھنڈی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

زردار کی تو اُن سیج بچھ رہی پلنگڑی | +++ پری سی بیٹھی جھمکائے جوڑی بنگڑی
مفلس کی ٹوٹی پھوٹی یا ٹاٹ کی جھلنگڑی | +++ ملی تو کالی یا گنجی لولی لنگڑی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

+++ بھی اب تو سب بنا رہی ہیں رنگیا | پہنے ہیں +++ اُن کے تنبان یا کہ جنگیا
کہتی ہے +++ سے کیوں میرے یار بھنگیا | تو آج بھی نہ لایا میری رنگا کے انگیا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کرتی گلابی جن میں گوٹے لگے ہوئے ہیں
انگیا کے گرد جھوٹے گوٹے ٹکے ہوئے ہیں
کہتی ہیں اُن سے ہنس ہنس جو جو کٹے ہوئے ہیں
لا اب تو میرے تجھ پر بارہ ٹکے ہوئے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جن دوستوں کے دل میں لڑکا سما رہا ہے
اُن کو بھی اس ہوا میں یہ عیش یہ مزا ہے
ستھرا پلنگ بچھا ہے +++ بھی خوش ادا ہے
یہ پیار کر رہا ہے +++ مچل رہا ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو بیگی ہے گھر میں آرام کر رہی ہے
پردوں میں دوستوں سے پیغام کر رہی ہے
چتون لگاوٹوں سے سودام کر رہی ہے
چپکے ہی چپکے اپنا سب کام کر رہی ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی اپنے محبوب سیمبر سے
وہ اس مینھ میں نہ جاؤ پیارے ہمارے گھر سے
کوئی کہے ہے اپنے دلدار خوش نظر سے
ہاتھوں سے میرے جانی کھالے یہ دو اندرسے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی پیاری جو کچھ کہو سو لادیں
زردوزی ٹاٹ بافی جوتا کہو بنادیں
پیڑا جلیبی لڈو جو کھاؤ سو منگادیں
چیرا دوپٹہ جامہ جیسا کہو رنگادیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جن دلبروں کے تن پر ہیں گرمی دانے آئے
کہتے ہیں ان کو عاشق یوں پیارے بلائے
کیا مینھ برس رہا ہے پیارے ذرا نہالے
چھاتی نہیں تو پیارے ٹک پیٹھ ہی ملا لے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اس رت میں ہیں جہاں تک گلزار بھیگتے ہیں
شہر و دیار کوچے بازار بھیگتے ہیں
صحرا و جھاڑ بوٹے کہسار بھیگتے ہیں
عاشق تمہارے ہیں دلدار بھیگتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو دلبروں کی دہلی پہ بھیگتے ہیں
اور کتنے +++ کی ڈیوڑھی پہ بھیگتے ہیں
کتنے پری رخوں کی بولی پہ بھیگتے ہیں
کتنے طوائفوں کی موری پہ بھیگتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتی ہے جب وہ سنکر یہ بات بھیگ احمق
مجھکو بھی ضد چڑھی ہے دن رات بھیگ احمق
ماروں گی تیرے آکر اک لات بھیگ احمق
یونہیں تو ایکے ساری برسات بھیگ احمق

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

زردار کی تو سنکر آواز وہ پری رو
مفلس کوئی پکارے تو اس سے کہتی ہے وہ
کہتی ہے لونڈیوں سے جلدی کواڑ کھولو
ہرگز کوئی نہ بولو احمق کو بھیگنے دو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یہ سن کے گر وہ مفلس کچھ شور و غل مچاوے
کھڑکی میں ڈال سر کو جب نالگ سناوے
بیٹھک میں اینٹ پھینکے یا کنڈی کھڑکھڑاوے
کیا غل مچا رہا ہے سن بیٹھے مالزادے

بھڑوے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی یار سے کہے ہے اے دلستان آؤ
کیا مینھ برس رہا ہے ہر اک مکان آؤ
بدلی بڑی اٹھی ہے کہنے کو مان آؤ
راتیں اندھیریوں ہیں اے میری جان آؤ

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی رات کو پکارے پیارے میں بھیگتی ہوں
آئی ہوں تیری خاطر آرے میں بھیگتی ہوں
کیا تیری الفتوں کے مارے میں بھیگتی ہوں
کچھ تو ترس تو میرا کھا رے میں بھیگتی ہوں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتی ہے دل سخت بھیگتی ہوں
کپڑے بھی تر بتر ہیں اور سخت بھیگتی ہوں
کانپے ہے میری چھاتی یک لخت بھیگتی ہوں
جلدی بلائے مجھکو کمبخت بھیگتی ہوں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

آباد ہیں چھپر کھٹ ماچے[1] پلنگ کھٹولے
دلبر کہیں بغل میں امرد کہیں ہیولے
چولوں کی چرچراہٹ بوچھار کے جھکولے
+++ کہیں دھڑا کے چلتے کہیں +++

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

شیشہ کہیں گلابی بوتل جھمک رہی ہے
رابیل موتیا کی خوشبو مہک رہی ہے
چھاتی سے چھاتی لگ کر عشرت چھلک رہی ہے
پائے کھٹک رہے ہیں پٹی چٹک رہی ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتی ہے کیا کیا مجھے بھگویا
کوئی پکارتی ہے کیسا مجھے بھگویا
ناحق قرار کرکے جھوٹا مجھے بھگویا
یوں دور سے بلا کر اچھا مجھے بھگویا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جن دلبروں کی خاطر بھیگے ہیں جن کے جوڑے
وہ دیکھ اُن کی اُلفت ہوتے ہیں تھوڑے تھوڑے
لے اُن کے بھیگے کپڑے ہاتھوں میں دھر نچوڑے
چیرا کوئی سکھاوے جامہ کوئی نچوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی
مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی
جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کی دلدل میں پھنس رہے ہیں
کپڑے تمام گندی دلدل میں بس رہے ہیں
کتنے اُٹھے ہیں مر مر کتنے اُکس رہے ہیں
وہ دکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ ہنس رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی گر کر یہ اے خدا اے لیجو
کوئی ڈگمگا کے ہر دم کہتا ہے وائے لیجو
کوئی ہاتھ اُٹھا پکارے مجھکو بھی ہائے لیجو
کوئی شور کر پکارے گرنے نہ پائے لیجو

[illegible] +++ [illegible]

[1] ایک بڑا مچان نما اونچا پلنگ ۱۲ شہباز

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اکثر جو مرد و عورت پھسلے ہیں ناگہانی
یا اُس کا ہاتھ ان کے پاجامے کی میانی
تو اُن کی یہ ہوئی ہے گرنے کی واں نشانی
یا اُن کا منھ ہوا ہے اور اُسکی وہ نشانی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گر کر کسی کے کپڑے دلدل میں ہیں معطر
اک دو نہیں پھسلتے کچھ اس میں آن اکثر
پھسلا کوئی کسی کا کیچڑ میں منھ گیا بھر
ہوتے ہیں سیکڑوں کے سر نیچے پاؤں اوپر

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یہ رُت وہ ہے کہ جس میں خرد و کبیر خوش ہیں
معشوق شاد و خرم عاشق اسیر خوش ہیں
ادنےٰ غریب مفلس شاہ و وزیر خوش ہیں
جتنے ہیں اب جہاں میں سب اے نظیرؔ خوش ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

(۷۸)

برسات اور پھسلن

برسات کا جہاں میں لشکر پھسل پڑا
جھڑیوں کا منھ بھی آکے سراسر پھسل پڑا
بادل بھی ہر طرف سے ہوا پر پھسل پڑا
چھتا کسی کا شور مچا کر پھسل پڑا

کوٹھا جھکا اٹاری گری در پھسل پڑا

جن کے نئے نئے تھے مکاں اور محل سرا
دیواریں بیٹھتی ہیں چھتوں کا ہے غل مچا
اُن کی چھتیں ٹپکتی ہیں پھیلی ہو جا بجا
لاٹھی کو ٹیک کر جو ستوں پر کھڑا ہو کیا

چھجا گرا منڈیری کا پتھر پھسل پڑا

جھڑیوں نے اس طرح کا دیا آکے جھڑ لگا
کوئی پکارے ہے مرا دروازہ گر چلا
سنیئے جدھر اُدھر کو دھڑاکے کی ہے صدا
کوئی کہے ہے ہائے کہوں تم سے اب میں کیا

لہ اٹاری چھایا ہوا اوپر کا کمرہ۔ کوٹھا۔ بالاخانہ۔ چھت کے اوپر کا مکان ۔ لہ جھکا ۔ جھکنا سے اوام گھر کی وہ دیوار جو ایک رخ سے بچتہ اور دوسری جانب سے کچی ہو ۔ اور داعی جوکا ایک شعر ہے ۔ خرابی لائے گا اک دن فراق اس یار جانی کا ہمارے قصر تن میں چاہیے چھجا نشانی کا ۔ پھسل ۔ دیوار کا کوئی ٹکڑا جو گر پڑا ہو ۔ دیوار کی چند گری ہوئی اینٹیں ۔ لہ جھڑ ۔ لگاتار بارش ۔ جھڑی ۔ شہباز

تم ورکو جھینکتے ہو مرا گھر پھسل پڑا

باران جب آکے پختہ مکاں کے تئیں ہلائے
کچا مکاں پھر اس کی بھلا کیونکہ تاب لائے
ہر جھونپڑے میں شور ہے ہر گھر میں وائے وائے
کہتے ہیں یارو دوڑیو جلدی ہائے ہائے
پاکھے چھپیت سوگئے چھپر پھسل پڑا

اگر گرا جو ہے کسی .... کا اب مکاں
اور اسکے آشنا کی بھی چھت گرتی ہے جہاں
کہتا ہے ٹھٹھے باز ہر اک ان سے آکے واں
کیا بیٹھے چھت کو روتے ہو تم اے میاں یہاں
واں چھت لگن کا آپ کے سب گھر پھسل پڑا

یاں تک ہر اک مکاں کی پھسلنے کی ہے زمیں
نکلے جو گھر سے اسکو پھسلنے کا ہے یقیں
مفلس غریب پر ہی یہ موقوف کچھ نہیں
کیا فیل کا سوار ہے کیا پالکی نشیں
آیا جو اس زمین کے اوپر پھسل پڑا

دیکھو جدھر تدھر کو یہی غل پکار ہے
کوئی پھنسا ہے اور کوئی کیچڑ میں خوار ہے
پیادہ اٹھا جو مرکے تو چھکڑ اسوار ہے
گرنے کی دھوم دھام یہ کچھ بے شمار ہے
جو ہاتھی رپٹا اونٹ گرا خر پھسل پڑا

چکنی زمیں پہ یاں تئیں کیچڑ ہے بے شمار
کیسا ہی ہوشیار پہ پھسلے ہے ایک بار
نوکر کا بس کچھ اس میں نہ آقا کا اختیار
کوچے گلی میں ہم نے تو دیکھا ہے کتنے بار
آقا جو ڈگمگائے تو نوکر پھسل پڑا

کوچے میں کوئی اور کوئی بازار میں گرا
کوئی گلی میں گر کے ہے کیچڑ میں لوٹتا
رستے کے بیچ پاؤں کسی کا رپٹ گیا
اس سب جگہ کے گرنے سے آیا جو بچ بچا
وہ اپنے گھر کے صحن میں آکر پھسل پڑا

دلدل جو ہو رہی ہے ہر اک جا پہ رسمسی
مر مر اٹھا ہے مرد تو عورت رہی پھنسی
کیا سخت مشکلات ہے کیا سخت بیکسی
اس کی بڑی خرابی ہوئی اور بڑی ہنسی

سلہ چھپیت — مکان کے پیچھے کی دیوار۔ دالان کی پشت کی دیوار پچھواڑا عقب خانہ ۱۲ ۱۲
سلہ لفظ اصل میں چیت لگن ہو مگر ٹھٹھے باز چونکہ چھپت بانی بھی ہیں چھپت کی رعایت سے چھپت لگن فرماتے ہیں ۱۲ شہباز

جو اپنے جا ضرور کے اندر پھسل پڑا

++ جو ناچنے کو چلی کوئی خوش جمال ++ بھی ساتھ اُس کے چلا ساز کو سنبھال
آیا قدم میں جو پھسلنی زمیں کا ڈھال ++ ادھر کو اودھی رے کر کر گری نڈھال
++ ادھر کو آہ رے کر کر پھسل پڑا

ایسی ہوس میں ++ جو کوئی نکتہ چین ہے کہتا ہے اُس سے ++ جو صحبت قرین ہے
اکثر یہ ++ یا کہ پھسلنی زمیں ہے تم کو ++ کے جانے کا اندر یقین ہے
پر میں تو جانتا ہوں کہ باہر پھسل پڑا

عاقل جو ++ باز کہتا ہے اب پڑا ++ جہاں گری تو وہیں آپ بھی گرا
جو تاڑ باز بھتے سو پکارے یہ جا بجا یارو یہ جائے غور ہے ٹک دیکھو ذرا
بنیے کا بیٹا کچھ تو سمجھ کر پھسل پڑا

اور جس کسی کے دل کو ہو لڑکوں کے تن کی چاہ نکلا وہ ساتھ لڑکے کے کیچڑ میں ہو تباہ
الفت کی اپنی چاہ جتانے کو خواہ مخواہ لونڈا گرا جو آگے تو پیچھے سے یہ بھی آہ
بے اختیار اُس کے برابر پھسل پڑا

کرتی ہے گرچہ سب کو پھسلنی زمیں خوار عاشق کو پر دکھاتی ہے کچھ اور ہی بہار
آیا جو سامنے کوئی محبوب گل عذار گرنے کا مکر کر کے اُچھل کود ایک بار
اُس شوخ گلبدن سے لپٹ کر پھسل پڑا

کیچڑ سے ہر مکاں کی تو بچتا بہت پھرا پر جب دکھائی دی کھلے بالوں کی اک گھٹا
بجلی بھی چمکی حسن کی مینھ برسا ناز کا پھسلن جب ایسی آئی تو پھر کچھ نہ بس چلا
آخر کو واں نظیر بھی آکر پھسل پڑا

(٧٩)

برسات کی اُمس[1]

کیا ابر کی گرمی میں گھڑی پہر ہے اُمس
پانی سے پسینوں کی بڑی نہر ہے اُمس
گرمی کے بڑھانے کی عجب لہر ہے اُمس
ہر باغ میں ہر دشت میں ہر شہر ہے اُمس
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

کہتے تو اس اُمس کے تئیں کہتے ہیں گرماؤ
اُس وقت تو پڑتا ہے غضب جان میں گھبراؤ
یعنی کہ گھرا ابر ہوا اور آ کے رکے باؤ
دل سینے میں بیکل ہو یہی کہتا ہے کھا تاؤ
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند
پنکھے کوئی پکڑے کوئی کھولے ہے کھڑا بند
پھر بند سی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یکچند
دم رک کے گھلا جاتا ہے گرمی سے ہر اک بند
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

اِدھر تو پسینوں سے بڑی بھیگے ہیں کھاٹیں
کپڑا جو پہنیے تو پسینے اُسے آٹیں
گرمی سے اُدھر میل کی کچھ چیونٹیاں کاٹیں
ننگا جو بدن رکھیے تو پھر مکھیاں چاٹیں
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

رکنے سے ہوا کے جو برا ہوتا ہے احوال
دم دھونکنے لگتا ہے لہاروں کی گویا کھال
پنکھا کوئی آنچل کوئی دامن کوئی رومال
کچھ روح کو بیتابیاں کچھ جان کو جنجال

[1] اُمس: برسات کی گرمی، ہوا کا رکنا۔ اٹھنا یا آنکھنا۔ کنویں، تالاب کو بھر دینا۔ شبانہ

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

گھبرا کے دم آتا ہے کبھی جاتا ہے بھولا
آتا ہے کبھی ہوش کبھی جاتا ہے بھولا
آرام جو دل کا ہے کبھی جاتا ہے بھولا
کپڑے بھی بُرے لگتے ہیں جی جاتا ہے بھولا

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

ہوتی ہے اُمس جو کبھی اک رات کو آکر
ایدھر تو ہوا بند اُدھر پسّو و مچھر
گرم آتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرر
پانی کوئی پیوے تو دھن[1] سے بھی وہ بدتر

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

جس وقت ہوا بند ہوا اور آکے گھٹا چھائے
اوڑھو تو پسینا جو نہ اوڑھو تو غضب آئے
پھر کیجئے دل اُس گرمی میں کس طرح نہ گھبرائے
پسّو کبھی مچھر کبھی کھٹمل ہی لپٹ جائے

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

گر اس میں ہوا کھل گئی اور پانی بھی لائی
اور اس میں جو پھر ہو گئی اُومس کی چڑھائی
تو جی میں جی اور جان میں کچھ جان سی آئی
تو پھر وہی رونا وہی غل شور دہائی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

اُومس میں تو لازم ہے نہ پنکھا نہ ہوا ہو
اور مکھیوں کے واسطے گر تن سے ملا ہو
اک کوٹھری ہو جس میں دھواں آکے بھرا ہو
اُس وقت مزا دیکھیے اُومس کا کہ کیا ہو

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس

[1] دھن۔ گھٹتا ہوا پانی جس میں چاول سویاں یا اور کوئی چیز پکاتے ہیں ۔۔ انھیں

سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

اس رت میں تو واللہ عجب عیش ہیں دلخواہ — مینھ برسے ہے اور سرد ہوا آتی ہے ہر گاہ
جنگل بھی ہرے گل بھی کھلے سبز چراگاہ — اوس بھی مگر دل کو ستاتی ہے نظیرؔ آہ

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

(۸۰)

برسات کا لطف

ساقیا موسم برسات ہے کیا روح فزا — دیکھ کچھ تازگی صنعت بے چون و چرا
لب جو نکلے ہیں اس لطف سے طفلان نبات — اپنے ہاتھوں سے کھلاتی ہے جنھیں نشو و نما

کھل رہے ہیں در و دیوار پہ ابواب بہشت — آ رہی ہے چمن خلد کی ہر گھر میں ہوا
دیکھ سبزوں کی طراوٹ کو زمیں پڑھتی ہے — دم بدم انبتہ اللہ نباتاً حسنا
برگ اشجار وہ سرسبز ہیں اور نرم و لطیف — فی المثل حلۂ جنت انھیں کہیئے تو بجا
کوہ و صحرا میں وہ سبزی ہے کہوں کیا گویا — مخمل تازہ کسی نے ابھی یاں دی ہے بچھا
الغرض دشت تو ہیں کارگہ مخمل سبز — اور جو ہیں کوہ تو اُن پر بھی زمرد ہے فدا
جان سے کرتی ہے اب زینت خضرت نکو — جیسے غنچوں نے نسیم سحر اور گل سے صبا
ہے زمین چمن و باغ جو پانی سی سفید — ق — اس میں اب عکس ہر اک گل کا ہے یوں جلوہ نما
عقل کہتی ہے تامل سے جسے دیکھ کے یہ — طشت بلور ہے اقسام جواہر سے بھرا
شاخ پر گل سے یہ عالم ہے کہ جیسے محبوب — سرخ دستار لبِ سر رکھتا ہے اور سبز قبا
ہلتے اس لطف سے ہیں بھیگے ہوئے تازہ نہال — جیسے ہو ناز میں دلبر کے تھرکنے کی ادا
غلغل رعد خوش آتا ہے ہر اک گوش کو یوں — جیسے شادی میں پسند آتی ہے نوبت کی صدا

بری بھی چمکے ہے اور دمکے ہے ایسی ہر دم
اس سیہ ابر میں یوں اڑتے ہیں بگلے جیسے
بدلیاں بدلے ہیں وہ رنگ نئے ہر ساعت
اس طرح برسے ہے جھڑیوں کو لگا کر باراں
ہے اسی کے سبب عالم میں حیات ہر شے
اب میں ساون کی اندھیری کی کہوں کیا تعریف
جگنو اس طرح چمکتے ہیں کہ جوں وقت سنگار
کہیں رقاص کا رقص اور کہیں مطرب کا سرود
زہرہ واں ہو کے خوشی گاتی ہے وہ دیکھ ملہار
مور کا شور دقعاں غوک کی جھینگر کی جھنکار
اہل ظاہر تو ہیں سب مست مئے عیش و سرور

جس سے کیا کیا اُمنڈ اور جھوم کے آئے ہے گھٹا
لب مالیدہ مسی میں دُر در دنداں کی صفا
جن کے ہر رنگ پہ ہو مانی کے اثر رنگ فدا
غسلک جیسے ہو سلک گہر بیش بہا
شاہد اس بات کی ہے حتی من الما کی ندا
جعد شیریں کہوں یا زلف سیاہ لیلا
ماتھے پہ ہاتھی کے شنگرف ہے گویا چہرہ کا
کہیں ساقی مے و ساغر طرب و برگ و نوا
جس کو سن سن کے فلک ناچے ہے پردے ہوا
پی پی ہر آن پپیہے کے ہے کوئل کی صدا
اہل باطن بھی اچھلتے ہیں پڑے وجد میں آ

شہر اور دشت میں یاں جا رہیئے تو نظیر
ہر برس ہوتے ہیں گل حسن طراوٹ ہر جا

(۸۱)

جاڑے کی بہاریں

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
پالا بھی برف پگھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلا[1] غم ٹھونک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی
ہر شور پہ چہ ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی کی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو بجتی ہو سب کی بتیسی
کلے پہ کلہ لگ کر چلتی ہو منھ میں چکی سی

[1] چلا۔ سخت جاڑے کے چالیس مخصوص دن ۱۲ آسی

ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو ہر آن کڑاکڑ اور تھر تھر
پیٹھی ہو سردی رگ رگ میں اور برف پگھلتا ہو پتھر
جھڑ باندھ مہاوٹ پڑتی ہو اور تس پر لہریں لے لیکر

سناٹا باؤ کا چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا ہو جسمیں خس کا عطر لگا
چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا

فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

جب ایسی سردی ہو اے دل تب یہ دو مزے کی گھاتیں ہوں
کچھ نرم بچھونے مخمل کے کچھ عیش کی لمبی راتیں ہوں
محبوب گلے سے لپٹا ہو اور کہنی، چٹکی، لاتیں ہوں
کچھ بوسے ملتے جاتے ہوں کچھ میٹھی میٹھی باتیں ہوں

دل عیش و طرب میں پلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہو فرش بچھا غالیچوں کا اور پردے چھوٹے ہوں آ کر
اک گرم انگیٹھی جلتی ہو اور شمع ہو روشن تس پر
وہ دلبر شوخ پری چنچل ہے دھوم مچی جس کی گھر گھر
ریشم کی نرم نہالی پر سو ناز و ادا سے ہنس ہنس کر

پہلو کے بیچ مچلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ترکیب بنی ہو مجلس کی اور کافر ناچنے والے ہوں
منہ اُن کے چاند کے ٹکڑے ہوں تن اُن کے روئی کے گالے ہوں
پوشاکیں نازک رنگوں کی اور اوڑھے شال دوشالے ہوں
کچھ ناچ اور رنگ کی دھومیں ہوں کچھ عیش میں ہم متوالے ہوں

پیالے پر پیالہ چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں ہو خلوت کا اور عیش کی سب تیاری ہو
وہ جان کہ جس سے جی غش ہو سو ناز سے آ جھنکاری ہو
دل دیکھ نظیر اُس کی چھب کو ہر آن ادا پر واری ہو
سب عیش مہیا ہو آ کر جس جس ارمان کی باری ہو

جب سب ارمان نکلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

مہاوٹ - ماگھ کے مہینے کی بارش ہوتی

(٨٢)

تل کے لڈو

جاڑے میں پھر خدا نے کھلوائے تل کے لڈو
کوچے گلی میں ہر جا بکوائے تل کے لڈو
ہر ایک خوانچے میں دکھلائے تل کے لڈو
ہم کو بھی ہیں گے دل سے خوش آئے تل کے لڈو
جیتے رہے تو یارو پھر کھائے تل کے لڈو

عمدوں نے سو طرح کی یاقوتیاں بنائیں
سردی میں دولتوں کی سو گرم چیزیں کھائیں
لونگوں میں دارچینی شکر میں ملائیں
اوروں نے ڈال مصری گر پینڈیاں بنائیں
ہم نے بھی گر طمنگا کر بندھوائے تل کے لڈو

رکھ خوانچے کو سر پہ پیکاڑ یوں پکارا
جاڑا لگے تو اس کا کرتا ہوں میں اجارا
بادام بھونا چابو اور گڑ کرا چھوہارا
جس کا کلیجہ یارو سردی نے ہو وے مارا
نو دام کے وہ مجھ سے لے جائے تل کے لڈو

جاڑا تو اپنے دل میں تھا پہلوان جھجھاڑا
جس دم دل و جگر کو سردی نے آ لتاڑا
ہر ایک تل نے اُس کو رگ رگ سے ہے اُکھاڑا
خم ٹھوک وہ لڑیں ہم نے جاڑے کو دے پچھاڑا
تن پھیر ایسا بھیگا جب کھائے تل کے لڈو

کل یار سے جو اپنے ملنے کے تئیں گئے ہم
محبوب ہنس کے بولا حیرت میں ہو رہے ہم
کچھ پیڑے اُس کی خاطر کھانے کو لے گئے ہم
پیڑوں کو دیکھ دل میں ایسے خوشی ہوئے ہم
جب خوش ہوا وہ اُس نے جب پائے تل کے لڈو

جو ++ اس ہوا میں مفلس ہے تھوڑی تھوڑی
کہتی ہے ++ سے ++ بھی میں نے چھوڑی
بجتے ہیں دانت اُس کے اور کانپتی ہے ٹھوڑی
جاڑے کے مارے اب تو مرتی ہوں میں نگوڑی
جی جاؤں تو جو مجھ کو کھلوائے تل کے لڈو

لہ پیکار، اردو میں پھیری پھر کر سودا بیچنے والے کو کہتے ہیں ۲ؔ کسی شے کے بچھ
...ڑی لمبی گھنی داڑھی جھجھاڑا ...ڑی لمبی گھنی داڑھی والا ۳ؔ داڑھی سے ...کر چہرے پر ایک خاص قسم کی شوکت اور رعب ... تھا ہے ۴ؔ مسلم ... شوکت پر رعب ... زبردست ... ۵ؔ ... بجاڑ الڑنے اور ... کرنے والا ۶ؔ شیطانہ ...

یہ بات +++ سن کے اس کا لگا شانے
کچھ میرا تن بھی اب تو لگا ہے تھرتھرانے
جاؤں تو جاڑا مجھ کو پھریاں نہ دیگا آنے
سو سو کئے بہانے پر آہ کب وہ مانے
آخر کو اس نے اس سے منگوائے تل کے لڈو

جب ہاتھ آئی اس کی انگیا کی نرم بتی
لگتے ہی ہاتھ نکلی رگ رگ کی ساری سردی
جب گلبدن سے ہنس کر بولا کہوں میں کیا جی
کچھ ان کچوں سے ایسی سینے میں آگ بھڑکی
گویا کہیں سے میرے ہاتھ آئے تل کے لڈو

وہ + + کہ جن کا ٹوٹا سا جھونپڑا ہے
یوں کانپتی ہیں ان پر جاڑا گویا چڑھا ہے
ہر ایک جھونپڑے سے نکلے یہی صدا ہے
پیڑا جلیبی پرنی لایا تو آہ کیا ہے
+++ وہی بڑا ہے جو لائے تل کے لڈو

جاڑے میں جس کو ہر دم پیشاب ہے ستاتا
اٹھیں تو جاڑا لپٹے نہیں +++ نکلا جاتا
اس کی دوا بھی کوئی پوچھو حکیم سے جا
تبلائے کتنے نسخے پر ایک بن نہ آیا
آخر علاج اس کا ٹھہرائے تل کے لڈو

جاڑے میں اب جو یارو یہ تل گئے ہیں بھونے
محبوبوں کے بھی تل سے انکے مزے ہیں دونے
دل لے لیا ہمارا تل شکریوں کے رونے
یہ بھی نظیر لڈو ایسے بنائے تو نے
جو سن کے اس کی لذت گھبرائے تل کے لڈو

(۸۳)

نارنگی

اب تو ہر باغ میں آئی ہے بھلی نارنگی
ہے ہر اک پیڑ کی مصری کی ڈلی نارنگی
حسن والوں کے بھی سینے کی کھلی نارنگی
دیکھ کر اس کی وہ انگیا کی پلی نارنگی
ہم نے تو آج یہ جانا کہ چلی نارنگی

سیر کو باغ کی جاتی ہے وہ چنچل جو ذرا
سامنے اپنے وہ بازار سا کوچوں کا لگا
کھا کے نارنگیاں پھینکے ہے وہ ہم پر چھلکا
دم بدم چھیڑے ہے کہتی ہے یہ انگیا کو دکھا
تم نے پیسے کی کبھی ہم سے نہ لی نارنگی

جب نظر آئی مجھے شوخ کے سینے کی بہار
جا پڑا ہاتھ جو سینے کی طرف کھو کے قرار
کھٹا میٹھا سا لگا ہونے مرا دل اک بار
اس قدر تھیں وہ کچیں شوخ ستمگر کی تیار
جس قدر سیب ہو یا جیسے بھلی نارنگی

مل گیا ہم کو جو کل ایک مکان خلوت کا
کیا کہیں شب تو عجب عیش کا ہوتا وہ مزا
باغباں کی نہ تھی دھمک اور نہ کسی کا خطرا
ہر گھڑی اُس گلِ حسن کو چھاتی سے لگا
کیا ہی بوسے نے اور کیا ہی سے نہ نارنگی

جن دنوں شوخ کے عالم کا نیا موسم تھا
اب وہ وقت گیا تو ہے یہی حیف آتا
جب ہی مل لیتے تو دل کیا ہی سبھل پاتا
آہ اس ہاتھ سے اس حسن کی ڈالی کو جھکا
ہم نے افسوس کبھی توڑ نہ لی نارنگی

جب سے آئی ہے نظر شوخ کچوں کی تصویر
دل بھی سینے میں تڑپتا ہے نظر ہے گی اسیر
جب سے لگتے ہیں وہ لوگوں کے جگر میں سو تیر
سنگتروں کی نہ ہوس ہم کو نہ ہے کیوں کی نظیر
اب تو سب سے ہمیں میٹھی ہے بھلی نارنگی

(۹۴)

پنکھا

کیا موسم گرمی میں تمودار ہے پنکھا
گل . . کا ہر آن جو یہ طلبگار ہے پنکھا
خوبوں کے پسینوں کا خریدار ہے پنکھا
اب پاس مرے یار کے ہر بار ہے پنکھا
گرمی سے محبت کی بڑا یار ہے پنکھا

کولا - ایک قسم کی نارنگی ۱۲ منہ

کیونکر نہ اُٹھے دل سے مرے شعلۂ جانکاہ — جب شوخ کی پنکھے کے تئیں جی سے ہوئی چاہ
جل جاوے جگر کیوں نہ بھلا رشک سے اب آہ — آگے دل صد چاک ہمارا تھا ہوا خواہ
اور اب تو دل و جاں سے ہوادار ہے پنکھا

کیا کیا تجھے الفت کی جتاتا ہے وفائیں — دھوپ آوے تو کرتا ہے بڑا ہاتھ سے چھائیں
بیتاب ہو کر کرکے خوشامد کی ہوائیں — لیتا ہے ہر اک دم ترے مکھڑے کی بلائیں
ایسا تری الفت میں گرفتار ہے پنکھا

یہ انگلیاں نازک جو تمھاری ہیں نمایاں — ڈرتا ہوں کہیں پھانس سے ہو دیں نہ پریشاں
ان نرم سے ہاتھوں کا ترس چاہیے ہر آں — پنکھے کو کھجوری کے نہ لو ہاتھ میں ایجاں
تم کو تو مرے دل کا سزاوار ہے پنکھا

چھیڑا جو مرے دل کی محبت کے اثر نے — گرمی میں کہیں بیٹھ کے پنکھا تجھے کرنے
رنگ چشم کے ڈوروں کے تئیں خون جگر نے — سیخوں سے مژہ کی مری گوندھا ہے نظر نے
پنکھے تو بہت ہیں یہ پر نور کا ہے پنکھا

دل باغ ہوا جاتا ہے پھولوں کی بھبک سے — اور روح بسی جاتی ہے خوشبو کی مہک سے
کچھ خس سے کچھ اس پانی کی بوندوں کی ٹپک سے — نیند آتی ہے آنکھوں میں چلی جس کی جھپک سے
کیا یار کے جھلنے کا مزیدار ہے پنکھا

جاڑے میں جو رہتے تھے ہم اس گل کے کنے کو — گرمی نے جدا کر دیا گرمی کا برا ہو
حسرت سے بھلا پھر تپکنے کیونکر نہ جگر کو — کیا گردش ایام ہے دیکھو تو عزیزو
جب یار کے ہم یار تھے اب یار ہے پنکھا

نرمی سے صفائی سے نزاکت سے بھڑک سے — گوٹوں کی لگاوٹ سے اور ابرک کی چمک سے
منقش کے جھڑتے ہیں پڑے تار جھبک سے — دریائی و گوٹے و کناری کی جھمک سے
کیا ہاتھ میں کافر کے جھمکدار ہے پنکھا

۱ چھاں کی جگہ
۲ باریک ریشے بانس ڈکسی درخت کا جو کانٹے کی طرح بدن میں چبھ جاتا ہے پھانس کی تیزی نوک سے زیادہ دھار میں ہوتی ہے ۱۲ شہباز
۳ بھبک — خوشبو۔ تیز خوشبو مہک بسی ہوئی اور رچی ہوئی ہلکی ہلکی خوشبو آتی

اک دم تو مری جاں ترے پنکھے کی ہوا لوں
آنکھوں سے ملوں پیار کروں چھاتی لگا لوں
گرمی سی پنکھے کی ہے ٹک اُس کو نکالوں
گر حکم کرے تو تو مری جان اُٹھا لوں
اک چار گھڑی کو مجھے درکار ہے پنکھا

اس دھوپ میں اے جاں کہیں مت پاؤں نکالے
گرمی ہے ذرا تن کے پسینے کو سکھالے
جلتی ہے زمیں آگ سی پڑ جائیں گے چھالے
آنکھوں میں مری بیٹھ کے ٹک سرد ہوا لے
دیدار کا تیرے ہی طلبگار ہے پنکھا

رکھتی ہے ترے حسن سے ساماں چمن چشم[1]
سو رخ سے ہر جال سے ہر اہر سے بن چشم
صورت سے تری رکھتی ہیں نت اُس کی لگن چشم[2]
دیکھے ہے ترے منھ کو یہ ہو کر ہمہ تن چشم
یاں تک تو ترا طالبِ دیدار ہے پنکھا

ہے یہ وہ ہوادار جہاں اس کا گذر ہو
کرتا ہے خوشی روح کو دیتا ہے عرق کھو
پھر گرمی تو واں اپنے پسینے میں چلے رو
رکھتا ہے سدا اپنے وہ قبضے میں ہوا کو
سچ پوچھو تو کچھ صاحبِ اسرار ہے پنکھا

لے شام سے گرمی میں سدا تا بہ سحر گاہ
عاشق کے تئیں اُس کی بھلا کیونکہ نہ ہو چاہ
رہتا ہے ہر اک وقت پری زادوں کے ہمراہ
پھولوں کی گندھاوٹ سے اب اس گل کا نظیر آہ
رشکِ چمن و حسرتِ گلزار ہے پنکھا

(۸۵)

کورا برتن

گرہ بند

کورے برتن ہیں کیاری گلشن کی
جس سے کھلتی ہے ہر کلی تن کی

[1] توقع، امید
[2] پنکھے کی "شہباز"

بوند پانی کی اُن میں جب کھنکی | کیا وہ پیاری صدا ہے ٹن ٹن کی

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

پانی کی آپ اب بڑی ہے ذات | قطرہ قطرہ ہے جس کا آبِ حیات
کورے برتن میں جب کہ آیا ہات | پھر تو آبِ حیات بھی ہے مات

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو پانی کی گوری گولی[۱] ہے | وہی آنے کے مول گولی ہے
کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے | کیا کہوں[۳] گولی گولی گولی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

یہ جو کولی کی بولیاں باندھیں | ہم نے پانی کی گولیاں باندھیں
سوندھی سوندھی ٹھٹھولیاں باندھیں | دل نے بھولوں کی جھولیاں باندھیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورا پنہاری کا جو ہے مٹکا | اُس کا جوبن کچھ اور ہی مٹکا
لے گیا جان پاؤں کا کھٹکا | دل گھڑے کی طرح سے دے پٹکا

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوری ٹھلیا یہ دیکھ کر لوٹا | دل لگا ہونے کچھ کھرا کھوٹا[۴]
گرچہ لوٹا وہ قد کا ہے چھوٹا | جس نے دیکھا اُسی کا دل لوٹا

۱؎ گولی ایک خاص قسم کا مٹکا دور میں کم بلندی میں زیادہ۔ گولی ۲؎ چھوٹا گول دگول کی تصغیر ۱۲ ۳؎ کیا کہوں۔ اگرچہ میں نے لفظ کہہ تو دے لی ہے مگر اس کی حقیقت اور پوری صفت بیان کرنی مشکل ہے۔ ایک معنی تو یہ ہوئے دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ ایک گولی دگولی (ٹھنڈی ٹھنڈی) کی گولی ہے جس کے معنی یہ۔ کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔ صاف تو بات ہے کہ گولی ہے گری ہے ایک نہیں ہزار بار گولا ہے ۱۲ ۴؎ دل کھوٹا ہونے لگا یعنی دل میں خیالات فاسد پیدا ہونے لگے ۱۲ شہانہ

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں
یوں وہ رستے ہیں آب کے نم میں
کوزے مصری کے بھر گئے غم میں
جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو کورا سفید جھجر ہے
بیل بوٹے سے اس جھمک پر ہے
جس کی جاگیر ملک ججھر ہے
تاش کمخواب یا مشجر ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے
موتی کی آب پانی پانی ہے
دوستو یہ بھی بات پانی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جتنے نذر و نیاز کرتے ہیں
جب کہ لا پھول پان دھرتے ہیں
اور جو پیروں سے اپنے ڈرتے ہیں
وہ بھی کوری ہی ٹھلیاں بھرتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

خاک سے جب کہ اُن کو گڑھتے ہیں
کوروں پہ پھول ہار چڑھتے ہیں
بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں
حور و غلماں درود پڑھتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

کوروں پر جو نظیرؔ جوبن ہے
جس گھڑونچی پہ کورا باسن ہے
جو جڑٹے میں کہاں وہ کھن کھن ہے
وہ گھڑونچی نہیں گلے شن ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

(۸۶)

آگرے کی ککڑی

گرہ بند

پہونچے نہ اس کو ہرگز کابلؔ درے کی ککڑی
نے چین کے پرے کی اور نے ڈیرے کی ککڑی
نے پورب اور پچھم خوبی بھرے کی ککڑی
نے دکھن اور نہ ہرگز اس نیرے کی ککڑی
کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں
فرہاد کی نگاہیں شیریں کی ہنسلیاں ہیں
گنّے کی پوریاں ہیں ریشم کی تکلیاں ہیں
مجنوں کی سرد آہیں لیلیٰ کی انگلیاں ہیں
کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کوئی ہے زرد پیلی کوئی ہری بھری ہے
ٹیڑھی ہے سو تو چوٹی وہ ہیر کی ہری ہے
پکھراج منفعل ہے پنّے کو تھرتھری ہے
سیدھی ہے سو وہ یارو رانجھا کی بانسری ہے
کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی

له جو جرا استعمال
برتن ٹوٹا ہوا برتن
میر کا شعر ہے سه
وہ دن کہاں کہ
مست انداز خم
میں تھے و سب
اب تو جرا ہے
شکستہ سبو کی طرح
۱۲ سه کابلی درہ
یعنی درہ کابل ۱۲
سه تکلی۔ ریشم
کی ریل۔ لکڑی
جس پر ریشم
چڑھاتے ہیں ۱۲
سه ہیر۔ رانجھا
پنجاب کی لیلے
مجنوں ہیں ۱۲
شہباز

اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

میٹھی ہے جس کو برفی کہیئے گلابی کہیئے
تل شکریوں کی بھانجیں اب یا امرتی کہیئے
یا حلقے دیکھ اُس کو تازی جلیبی کہیئے
سچ پوچھئے تو اس کو دندان مصری کہیئے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

چھونے میں برگ گل ہے کھانے میں کرکری ہے
آنکھوں میں سکھ کلیجے ٹھنڈک ہری بھری ہے
گرمی کے مارنے کو ایک تیر کی سری ہے
ککڑی نہ کہیئے اسکو ککڑی نہیں پری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

بیل اُسکی ایسی نازک جوں زلف پیچ کھائی
دیکھو اُسکی ایسی نرمی باریکی اور گلائی
بیج ایسے چھوٹے چھوٹے خشخاش یا کہ رائی
آتی ہے یاد ہم کو محبوب کی کلائی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

لیتے ہیں مول اسکو گل کی طرح سے کھل کے
عاشق تو ہیں بجھاتے شعلوں کو اپنے دل کے
معشوق اور عاشق کھاتے ہیں دونوں مل کے
معشوق ہیں لگاتے ماتھے پہ اپنے چھلکے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

مشہور جیسے ہر جایاں کی جھٹالیاں ہیں
میٹھی ہیں سو تو گویا شکر کی ٹھالیاں ہیں
ویسی ہی ککڑی نے بھی دھومیں ڈالیاں ہیں
کڑوی ہیں سو بھی گویا خوباں کی گالیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

لہ جالی۔ ایک خاص قسم کا خربوزہ جس کا گودا سرخ ہوتا ہے۔ آگرے کے خربزے بہت عمدہ ہوتے ہیں خصوصاً وہ جس کا گودا سبز ہوتا ہے مصری کی کرکراہٹ اور مصری ہی کا مزہ ۱۲ شہباز

جو ایک بار یارو اس جا کی کھائے ککڑی
پھر جا کہیں کی اس کو ہرگز نہ بھائے ککڑی
دل تو نظیر غش ہے یعنے منگائے ککڑی
ککڑی ہے یا قیامت کیا کہیے ہائے ککڑی
کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

(۸۷)

تربوز

کیوں نہ ہو سبز زمرد کے برابر تربوز
کرتا ہے خشک کلیجے کے تئیں تر تربوز
دل کی گرمی کو نکالے ہے یہ اکثر تربوز
جس طرف دیکھیے بہتر سے ہے بہتر تربوز
اب تو بازار میں بکتے ہیں سراسر تربوز

کتنے ہیں کھاتے نزاکت سے تراش اوس[۱] میں دھر
تا کہ سینہ ہو خنک سردی سے ٹھنڈا ہو جگر
کتنے شربت ہی کے پیتے ہیں کٹورے بھر بھر
کتنے بچوں کو کھلاتے ہیں خوشی ہو ہو کر
کتنے کھاتے ہیں کفایت سے منگا کر تربوز

میٹھے اور سرد ہیں اتنے کہ ذرا نام لیے
ہونٹھ چپکے ہیں جدا دانت ہیں کر کر بجتے
شب کو دو چار منگا کر جو تراشے میں نے
کیا کہوں ہیں وہ مٹھائی میں کہ کیسے نکلے
کوئی انبولا کوئی مصری کوئی شکر تربوز

مجھ سے کل یار نے منگوایا جو دے کر پیسا
اس میں ٹانکی جو لگائی تو وہ کچا نکلا
دیکھ تیوری کو چڑھا ہو کے غضب طیش میں آ
کچھ نہ بن آیا تو پھر گھور کے یہ کہنے لگا
کیوں بے لایا ہے اٹھا کر یہ مرا سر تربوز

جب کہا میں نے میاں یہ تو نہیں ہے کچا
اور کچا ہے تو میں پیٹ میں بیٹھا تو نہ تھا
اس کے سنتے ہی غضب ہو کے وہ لال انگارا
لاٹھی پائی جو نہ پائی تو پھر آخر جھنجھلا

[۱] اوس یعنی شبنم میں رکھ کر اوشبانہ

کھینچ مارا مرے سینے پہ اٹھا کر تربوز

کیوں میاں ہم کو جو تم کرتے ہو گگر ڈی پھیرا
تم لگیا پڑ گیا ملنے کا رقیبوں سے مزا
کوستا ہر گھڑی ہر آن کا ہوتا ہے بُرا
جھوٹی قسمیں یہ مرے سر کی جو کھاتے ہو بھلا
کیا مرے سر کو کیا تم نے مقرر تربوز

پیار سے جب ہے وہ تربوز کبھی منگواتا
اور یہ کہتا ہے کہ بھینکا تو چکھاؤں گا مزا
چھلکا اُس کا مجھے ٹوپی کی طرح دے ہے بٹھا
کیا کہوں یارو میں اُس شوخ کے ڈر کا مارا
دو دو دن رکھے ہوئے پھرتا ہوں سر پر تربوز

ایک بیدرد ستمگر ہے وہ کافر خونخوار
قتل کرتا ہے عزیزوں کے تئیں لیل و نہار
کل مرا اُس کی گلی میں جو ہوا آ کے گذار
اس طرح سر کا شہیدوں کے پڑا تھا انبار
جیسے بازار میں تربوز کے اوپر تربوز

تھی جنھیں آگے ترے قند سے ہونٹوں پہ نگاہ
آرزو ہی میں وہ سب مر کے ہوئے خاک سیاہ
اُن شہیدوں کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے واللہ
بوسے لینے کی تمنا میں تہ خاک سیاہ
وہی حسرت زدہ اب نکلے ہیں بنکر تربوز

رات اُس شوخ سے میں نے پہیلی میں کہا
بھیگی بکری کسے کہتے ہیں بتاؤ تو بھلا
اس پہیلی کے تئیں سن کے پڑے سوچ میں آ
جب نہ سمجھا تو کہا ہار کے اب تو ہی بتا
سن کے جب میں نے کہا لے مرے دلبر تربوز

اب تو اُس شوخ کا تربوز ہی لوٹے ہے مزا
وہ تو ٹھنڈا ہے دلے میرا جگر ہے ٹھنڈا
رونا کس طور نظیرؔ اب نہ مجھے آوے بھلا
پھانکیں ہونٹوں کی بھری رہے ہر وہ جب منھ سے لگا
تب لپٹ جاتا ہے کیا پیار سے ہنسکر تربوز

لہ اس سے جہیز
ے بعض بند چھوٹ
ہوئے ہیں ۱۲
ۓ گگر ڈی پھیرا
سمجھنا ۔ بیقدر
جاننا ۱۲ اختر

(٨٨)

مکھیاں

یارو میں چپ رہوں بھلا تا کے
چلے آتے ہیں غول پے در پے
مکھیاں تو بہت ہوئیں در پے
شور ہے غل ہے بھنبھناہٹ ہے

کوئی تھوکے کوئی کرے ہے قے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

پہلے مذکور کیا ہے کھانے کا
کوئی پینے کا اور نہ کھانے کا
کھا کے پھر ذکر کیا پچانے کا
یہ بڑا حال ہے زمانے کا

سخت مشکل بڑی خرابی ہے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دو چنوں سے جو منھ چلاتا ہے
دال روٹی پہ قہر آتا ہے
اس میں سو مکھیاں وہ کھاتا ہے
اور جو میٹھی چیز کھاتا ہے

اس نے اللہ جانے کھائیں کے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

کپڑے اُجلے ہیں یا کہ میلے ہیں
سرے ما پا سڑے پچھلے ہیں
سب پہ گو مکھیوں کے پھیلے ہیں
آدمی کیا کہ گڑ کے بھیلے[1] ہیں

لد گئے تار تار سب رگ و پے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دلبروں کی یہ شامت آئی ہے
ٹھوڑی بھوں آنکھ سب سُجائی ہے
آنکھ مکھی نے کاٹ کھائی ہے
حسن کی بھی یہ بد نمائی ہے

[1] بھیلا۔ گڑ کی بڑی بھیلی جو وزن میں پانچ چھ سیر سے زیادہ ہو۔ گڑ کی چٹان بالفتح پڑاتا لفظ ہے اور غیر فصیح ۱۲ شہباز

رہ گئی رنگ روپ کی سب رتّے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

رنڈیاں کسبی اب جو گاتی ہیں
مکھیاں منھ میں بیٹھ جاتی ہیں
دم بہ دم تھوکنے کو جاتی ہیں
کھانس کھنکھار سر ہلاتی ہیں

تو بھی بند ھتی نہیں ہوا انکی لے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

طبلے والے تو کچھ اُڑاتے ہیں
تال والے بھی کھنکھناتے ہیں
ڈھول والے بھی کچھ ہلاتے ہیں
اُن کی کم بختی جو بجاتے ہیں

بھو نپو نرسنگا اور ترئی قرتے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے
ترونے

کپڑا جن کا پھٹا پرانا ہے
وہ تو کل مکھیوں نے سانا ہے
پائجامہ تمام چھانا ہے
باقی اندر کا بیٹھ جانا ہے

وہ بھی منزل وہ اب کریں گی طے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دودھ میں مکھیاں ہی دابی ہیں
کھانے میں مکھیاں ہی چابی ہیں
پانی میں تو یہ مرغ آبی ہیں
الغرض جو بڑے شرابی ہیں

وہ بھی سب اوگئے ہیں پیکے مے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

کوئی اوکے ہے روٹیاں کھا کر
کوئی ڈالے ہے پانی متلا کر
کوئی کھانسے ہے خالی اوبکا کر
حد تو یہ ہے کہ سخت گھبرا کر

+++ میں بھی کرے ہے +++ قے

لہ تے ادتی
بہار کیفیت ۲
ج اد کنا۔ تے
کرنام شہباز

اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

ہے نظیر اب تو شان میں مکھی
گھر کے ہر اک مکان میں مکھی
شہر کی ہر دکان میں مکھی
بھر گئی سب جہان میں مکھی
کوئی خالی نہیں غرض اب شے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

(۸۹)

آندھی

نہ ہو کیونکر جہاں یار وزیر اور زیر آندھی میں
کہ ہو کر باؤلے پھرتے تھے بن کے شیر آندھی میں
لگا لیتے جو کل دامن ہوا کا گھیر آندھی میں
بگولے اٹھ چلے تھے اور نہ تھی کچھ دیر آندھی میں
کہ ہم سے یار سے آ ہو گئی مٹ بھیڑ آندھی میں

کہا میں نے ابھی کچھ خیر ہے جاتے ہو تم کیدھر
ہوا پر بھی تمھیں کچھ ہے نظر اے نازنیں دلبر
چلو بھاگو شتابی ورنہ آندھی آ گئی سر پر
جتا کر خاک کا اوڑنا دکھا کر گرد کا چکر
وہیں ہم لے چلے اس گلبدن کو گھیر آندھی میں

یہ سنتے ہی بپھری ڈر کر وہ چنچل نازنیں گھر و
چلی اس حال سے اس دم کہ میرا جی گیا غش ہو
کر اس میں آ کے اک جھونکا اندھیرا کر گیا یارو
رقیبوں نے جو دیکھا یہ اڑا کر لے چلا اس کو
پکارے ہائے یہ کیسا ہوا اندھیر آندھی میں

یہ کہکر کھڑ کھڑا اٹھے وزیر اور مل کے سب دوڑے
پکارے لے چلو جانے نہ پاوے اسکو جلدی سے
کہاں کا وہ بھلا اور کس کا لینا ہم جو دھر بھاگے
وہ دوڑے تو بہت لیکن انھیں آندھی میں کیا سوجھے
زبس ہم اس پری کو لائے گھر میں گھیر آندھی میں

چلے اس میں ہوا کے پھر تو آ کر اور سناٹے
اندھیرا ہو گیا یکسر منوں خاکیں لگیں اڑنے

ا؎ شان شہد کی مکھیوں کے چھتے کو کہتے ہیں ۱۲
۲؎ یعنی کل کے روز جب ہوا کا دامن آندھی کے سبب اس قدر وسیع ہوا کہ ہم انہیں گھر گئے اور نکلنا دشوار ہوا یعنی آندھی عالمگیر ہو گئی اور ہم آندھی میں بالکل گھر گئے ۱۲ شہبانہ

انھیں جھجوکوں میں ہم نے اس پری چنچل کو جلدی سے
چڑھا کوٹھے پہ دروازے کو موندا اور کھول کر پردے
لگا چھاتی لیے بوسے کیا بہت سا پھیر آندھی میں

ادھر تو آ کے آندھی سے اندھیرا ہو گیا ہر سو
خبر کس کو کسی کی میں کہاں ہوں اور کہاں ہے تو
اہاہا! عجب عشرت کی اس دم بن گئی اک جو
وہ کوٹھے کا مکاں وہ کالی آندھی وہ صنم گلرو
عجب رنگوں کی ٹھہری آ کے ہیرا پھیر آندھی میں

اسی آندھی نے گلشن کر دیا یارو مرے گھر کو
بچھایا شاد ہو میں نے پلنگ پر جھاڑ بستر کو
صراحی کی خبر لی اور اچھالا جا کے ساغر کو
اٹھا کر طاق سے شیشہ لگا چھاتی سے دلبر کو
نشوں میں عیش کے کیا کیا کیا دل سیر آندھی میں

چمن سا کھل گیا یارو مرے کوٹھے کے زینے پر
ہوئی پنکھوں کی مار زمانہ گرمی کے پسینے پر
لگے پھر عیش و عشرت جب تو ہونے اس قرینے پر
کبھی بوسہ کبھی انگیا پہ ہاتھ اور گاہ سینے پر
لگے لٹنے مزے کے سنگترے اور بیر آندھی میں

یہ ٹھہرا جب تو پھر واں عیش کے بادل لگے گھرنے
جو ڈوبی حسرتیں تھیں دل میں سب اس دم لگیں ترنے
پلٹ کی ٹھہری اور کبھی ہاتھ سینے پر لگے پھرنے
مزے عیش و طرب لذت لگے یوں ٹوٹ کر گرنے
کہ جیسے ٹوٹ کر میووں کے ہوویں ڈھیر آندھی میں

اس آندھی میں اہاہا عجب ہم نے مزے مارے
فلک پر عیش و عشرت کے دکھائی دے گئے تارے
رقیبوں کی میں اب خواری خرابی کیا لکھوں بارے
ہلے کوٹھے کے بیٹھے اٹ گئے سب گرد کے مارے
بھری نتھنوں میں ان کے خاک دس دس سیر آندھی میں

کسی نے بھاگ کر جلدی سے جا گھر کا لیا آنگن
گرا کوئی گڑھے میں اور کوئی بھاگا کہیں دشمن
کسی کے چھن گئے کپڑے لچکوں کی گئی داں بن
کسی کی اڑ گئی پگڑی کسی کا پھٹ گیا دامن
گئی ڈھال اور کسی کی گر پڑی شمشیر آندھی میں

یہ دن آندھی کے یارو یوں تو سب کے ہوش کھوتے ہیں
جنھیں ہے عیش وہ آندھی میں موتی سے پروتے ہیں

مزا ہے جن کو ہنستے ہیں جنھیں غم ہے سو روتے ہیں
نظیرؔ آندھی میں کہتے ہیں کہ اکثر دیو ہوتے ہیں
میاں ہم کو تو بے جائی ہے یہاں گھیر آندھی میاں

(۹۰)

عاشقوں کی بھنگ[1]

دنیا کے امیروں میں یاں کس کا رہا ڈنکا
برباد ہوئے لشکر فوجوں کا تھکا ڈنکا
عاشق تو یہ سمجھے ہیں اب دل میں بنا ڈنکا
جو بھنگ پئیں اُن کا بجتا ہے سدا ڈنکا
کونڈی کے نقارے پر خُتکے[2] کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

الفت کے زمرد کے یہ کھیت کی بوٹی ہے
پتوں کی چمک اُس کے کمخواب کی بوٹی ہے
منھ جس کے لگی اُس سے پھر کاہے کو چھوٹی ہے
یہ تان ٹھکورے کی اس بات پہ ٹوٹی ہے
کونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

ہر آن کھڑا کے سے اس ڈھب کا لگا رگڑا
جو سُن کے کھڑک اس کی ہو بند سبھی دگڑا[3]
چکان[4] چڑھا گھر اور باندھ ہرا پگڑا[5]
کیا سیر کی ٹھہرے گی ٹک چھوڑ کے یہ جھگڑا[6]
کونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

اک پیالے کی پیتے ہی ہو جاوے گا متوالا
آنکھوں میں تری آکر کھل جائے گا گل لالا
کیا کیا نظر آوے گی ہریالی[7] و ہریالا[8]
آمان کہا میرا اے شوخ نئے لالا
کونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

[1] اس نظم میں آزادوں کی زبان میں عشق حقیقی کا بیان ہے ۱۲ [2] ٹکورا نوبت کی آواز ۱۲ [3] دگڑا ـ بڑی راہ ـ بڑی سڑک ـ شاہ راہ شارع عام ۱۲ [4] چکان گاڑھی گھٹی ہوئی بھنگ چھان چھان رکھے چکان ـ سو جھے بار (در روانہ) دکھان دکان دھینگڑوں کا مشہور فقرہ ۱۲ [5] بڑی پگڑی آزادوں کا لہجہ ہے ۱۲ [6] [illegible] [7] سبزی ڈوب ۱۲ [8] سبزہ ہرا ـ وہ مقام جہاں ہری گھانس لہلہا رہی ہو ـ ایک چڑیا کا نام ۱۲ شہباز

ہیں مست وہی پورے جو کونڈی کے اندر ہیں
بیٹھے ہیں صنم بت ہو اور جھوتے مسند رہیں
دل اُن کے بڑے دریا جی اُن کے سمندر ہیں
کہتے ہیں یہی ہنس ہنس عاشق جو قلندر ہیں

کونڈی کے نقارے پر کھٹکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

(خاطر جمع رکھ)

سب چھوڑ نشہ پیارے پیوے تو اگر سبزی
ہر باغ میں ہر جا میں آجاوے نظر سبزی
گر جاوے دہیں تیری خاطر میں اثر سبزی
تیری بھی نظیر اب تو سبزی میں ہو سر سبزی

کونڈی کے نقارے پر کھٹکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

(۹۱)

عاشقوں کی بنگ

کیوں عبث بیٹھا ہے ڈالے کان میں غفلت کا تیل
کھول زلف عیش کو اور ڈال نشے کا پھلیل
تحفہ میں کیا کیا مچی ہے سبزیوں کی ریل پیل
پھر چڑھا وے آسمان عیش پر عشرت کی بیل

کونڈی سوٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بنگ پی ور ڈنڈ پیل

(عجیب)

صدق سے لے نام پہلے لعل اور شہباز کا
اور نشے کی جھانجھ میں جو ہاتھ لگ جاوے سو کھا
بانگ پھر چڑھتے کو گھبڑا باز ہاتھ اوپر اٹھا
بھنگیاں در باغ رفتہ بیر گٹھلی سب روا

کونڈی سوٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی ور ڈنڈ پیل

جس نے اس دنیا میں آ کر ایک دن بھی پی نہ بھنگ
گر تجھے کچھ دیکھنے ہیں زندگی کے رنگ ڈھنگ
اُس نے سچ پوچھو تو کیا دیکھا جہاں کا آب و رنگ
تو لگا سبزی کو اور سب دوستوں کو لے کے سنگ

ٹہ رہی کُسم کو گھسٹے ہیں لکھ کر پانی کے ذریعے رنگ چڑھانے کی رہی کہتے ہیں مگر یہاں سبزی کی وہی مراد ہے ۱۲ ٹہ پھلیل خوشبودار تیل جسے کسی چیز کے پھولوں میں بسا کر خوشبودار کیا ہو ۱۲ آسی ٹہ سبزی یعنی بھنگ سے پیشتر لعل اور شہباز کا نام لے لیتے ہیں جو انکے عقیدے میں دو بزرگ گزرے ہیں مخصوص [illegible] مستفاد ہوتا ہے ۱۲ ٹہ جھانجھ یعنی تیزی رنگ ۱۲ ٹہ بھنگیاں - بنگ نوش مصرعہ [illegible] مستعمل ہے ۱۲ شہباز

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

کل مجھے دریا پر خواجہ خضر جو مل گئے
کم خوراک[2] اور ناتوانی کے گلے میں جب گئے
سبز پیراہن گلے میں ہاتھ میں اعصا[1] لیے
تب تو وہ منھ دیکھ میرا ہنس کے یوں کہنے لگے

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

پھر کہا میں اُن سے یوں ای میرے ہادی رہنما
جی بھی رہتا ہے اُداس اور دل بھی رہتا ہے خفا
میں نے کچھ دیکھا نہیں دنیا میں آنے کا مزا
سوچ سوچ آخر انھوں نے پھر یہی مجھ سے کہا

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

مرشد و مولا سے پوچھا میں نے اے پیر زمن
سن کے بولے وہ بتا دیں ہم تجھے اسکا جتن
میری کچھ لگتی نہیں اللہ سے دل کی لگن
جا شتاب اور جلد سبزی سے کے اک اچھا زمن

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

زر ہے تیرے پاس تو سبزی کا تو بیوپار کر
ٹاٹ کے بورے سلا کھتے کھدا کوئیں بھی بھر
کونڈیاں مٹکے گھڑے کوزے صراحی بھر کے دھر
بیٹھ گھر میں چین سے دن رات اور شام و سحر

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

اور تجھے کھیتی کی قدرت ہے تو سبزی کو بوا
گھونٹ سبزی چھان سبزی اور سبزی میں نہا
باغ میں گھر میں صحن[3] میں پیڑ سبزی کے لگا
دیکھ بھی سبزی کو اور سبزی ہی پی سبزی ہی کھا

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل

[1] اعصا عصا کا مزید علیہ جیسے شتر سے اشتر ۱۲
[2] خوراک میں ... کو دنیا اگر نازیبا ... مقدمہ میں ایسا ... جائے تجھے اب کہ زبان ترقی کر چکی ہے ایسا نہ چاہیئے آسی
[3] ... کو خضر کا قول ... سمجھ سکتے ہیں اور نظیر کو بھی ۱۲ شہباز
[4] صحن بفتح اول وسکون دوم درست ہے ۱۲ آسی

چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

پر سخن تو سب نشے بازوں میں اب ہے گا مچا
یعنی سبزی کا نشہ اب سب نشوں کا ہے چچا
جو کہ ہے سلطان بھنگڑ سے تو پوچھے گا بچا
وہ یہی تجھکو کہے گا خوب شور و غل مچا

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

یہ وہ سبزی ہے جسے پیتے ہیں یاں آکر فقیر
طفل اور بوڑھے کو یاقوتی[1] جواں کے حق میں کھیر
گر تو چاہے اب سخن سرسبز ہو اور دل پذیر
تو کوئی دو چار من سبزی منگا کر اے نظیر

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

(۹۲)

عاشقوں کی سبزی

جتنے ہیں اس جہاں میں سبزی کے عشق والے
دل شاد سرخ آنکھیں سرسبز منھ[2] اجالے
پیتے ہیں سبز کڑے کھاتے ہیں تر نوالے
کیا دیکھتا ہے میٹھا او یار حسن والے

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھگھوے[3] چھپڑ یا لے

غیروں کی تو نے اکثر معجون تو ہے کھائی
سرخی ذرا بھی تیری آنکھوں تلک نہ آئی
گر دھیمی ہے تجھکو کچھ عیش کی چڑھائی
اچھلیں دوال پاکھے اور بچا ندیں چارپائی

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھگھوے چھپڑ یا لے

گھگھوے ہے پوستی تیری خاطر رقیب چھوڑ دو[4]
اب پوستی کرے گا تجھکو وہ چور بھڑ دا

[1] یاقوتی ایک مرکب دوا جو مفرح اور مقوی قلب ہوتی ہے ۔ [2] آسی ۔ منھ اجالے نشے سے چہرے پر رنگ آجاتی ہے اسی کی طرف اشارہ ہے ۔ [3] شہباز ۔ [4] بہت افیم یا پوستی آنکھیں ۔ تجویز یا مجھے صاف کرکے ...

دیکھے گا جب تو ے گا تیرا اُتار کھڑ واؔ[1]		گر سیر دیکھنی ہے تو کرکے دل کو کڑ وا
پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے		
کھا کر افیم ظالم مست ہو جیو افیمی کیوں جھنجھنا بنا ہے اے گل عذار سیمی		تن سوکھ کر کھجاوے آواز ہو گی دھیمی عاشق ثواب اسی کے من مست ہیں قدیمی
کیوں بنتے جھنجھنا ہیں اے گل عذار سیمی ؟		پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے
تاڑی وسیندھی[5] بوزہ[6] ظالم اگر پیے گا پی کر شراب ناحق کیچڑ میں گر پڑے گا		پھولے گا پیٹ تیرا یا پیٹھ تے کرے گا اور یہ نشہ تو کو ٹھے پیچھے پہ لے اُڑے گا
پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے		
گا نجا پیے سے ہوگا تیرا شعور ہڑا[7] چاہے اگر اُڑانا عشرت کا باز جڑا		اور چرس کے پیے سے تجکو لگے گا گھڑا تو بین ہار بدھی اور سر پہ رکھ کے ٹڑا
پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے		
ہیں اس نشے میں ظالم سو رنگ کے دھڑا کے[8] گر دیکھنے ہیں تجکو کچھ عیش کے جھڑا کے		کونڈی کی ڈگڈگاہٹ سونٹے کے سو کھڑاکے تو جھاڑ اپنے پنجے اور سر کو جھٹ جھڑاکے
پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے		
سبزی کا وہ نشہ ہے اڑ غم کی دھول جاوے آنکھوں کے آگے آکر سرسوں سی پھول جاوے		تیار تن بدن ہو اور دل بھی پھول جاوے عشرت کی لہریں آویں دکھ درد بھول جاوے

زور و ریخ بالضم ایک کھلونے کا نام جس سے آواز جھنجھن جھنجھن کی آتی ہے ۱۲ [5] سیندھی کھجور کی تاڑی ۱۲ [6] بوزہ ایک قسم کی جو اور چاولوں وغیرہ کی شراب جسے انگریزی میں بیر کہتے ہیں ۱۲ [7] ہڑا فوج یا کسی جماعت کا منتشر ہو جانا ۔ تتر بتر ہو جانا کل قیدیوں کا جس سے آواز ہو جاتا شعور ہڑا ہو گا یعنی تتر بتر ہو جائیگا منتشر ہو جائیگا کافور ہو جائیگا باقی نہ رہیگا [8] دھڑا کے دھوئیں اصل میں دھڑا کا نام کی آواز کو کہتے ہیں جو دھڑ سے کان میں آئے جیسے بندوق کی آواز توپ کی آواز بم کے گولے کی آواز اور چونکہ دھوم کی تقریبات میں اس قسم کی آوازیں اکثر سنائی دیتی ہیں لہٰذا دھڑا کے کے معنی دھوم کے ہو گئے ۔ دھوم کے ساتھ جب بولتے ہیں تو دھوم دھڑا کا بسبقہ طالعت و تشدید کا فقرہ کہتے ہیں ۱۲ [9] جھڑا کا ۔ بوچھار ۔ سخت جھڑی ۔ زور کی جھڑی ۱۲ [10] جھڑ جھڑانا ۔ زور سے جنبش دینی ۔ زور سے جھاڑنا ۔ کان پھٹپھٹانا ۱۲ اشتہار ۔

[1] کھڑوا ایک زیور جو کلائی پر پہنا جاتا ہے ۱۲ [2] کڑوا ایک قسم کا پانی رکھنے کا گھڑا ۔ ایک قسم کا گلدان جو گوپے اور کنچنیاں زینت کی تقریب میں امیر جنہ دوں کے یہاں پیش کرتی ہیں اور کچھ بطور انعام و بخشش پاتی ہیں ۱۲ [3] جھنجھنا ۔ ناک سے بولنے کا عنہ کر بولنے والا ۔ وہ شخص جس کی آواز میں غنہ ہو ۔ وہ شخص جس کی آواز کو غنہ لازم ہو ۱۲ [4] جھنجھنا بالفتح جھنجھرا

پی عاشقوں میں آکر دو بھنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

پیسا ہو پاس یارو یا مفلسی سہیں گے
کونڈی کے اُس طرف کو یا اس طرف رہیں گے
پر سبزیوں کے یاں تو دریا ہی بہیں گے
اب تو نظیر پیارے ہر دم یہی کہیں گے

پی عاشقوں میں آکر دو بھنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

(۹۳)

مستی عشق

ہاں عاشق اور معشوق جہاں اُن شاہ وزیری ہے بابا
نہ رونا ہے نہ دھونا ہے نہ دردِ اسیری ہے بابا
دن رات بہاریں چہلیں ہیں اور عیش صغیری ہے بابا
جو عاشق ہوئے سو جانے ہیں یہ بھید فقیری ہے بابا

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

ہے چاہ فقط اک دلبر کی پھر اور کسی کی چاہ نہیں
اک راہ اسی سے رکھتے ہیں پھر اور کسی سے راہ نہیں
یاں جتنا رنج و تردد ہے ہم ایک سے بھی آگاہ نہیں
کچھ مرنے کا سندیہ نہیں کچھ جینے کی پرواہ نہیں

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

کچھ ظلم نہیں کچھ زور نہیں کچھ داد نہیں فریاد نہیں
کچھ قید نہیں کچھ بند نہیں کچھ جبر نہیں آزاد نہیں
شاگرد نہیں استاد نہیں ویران نہیں آباد نہیں
ہیں جتنی باتیں دنیا کی سب بھول گئے کچھ یاد نہیں

ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

۱۔ سندیہ: خوف
۲۔ تردد: کھٹکا
۳۔ شہانہ

جس سمت نظر بھر دیکھے ہیں اُس دلبر کی پھلواری ہے
کہیں سبزی کی ہریالی ہے کہیں پھولوں کی گلکاری ہے
دن رات مگن خوش بیٹھے ہیں اور آس اُسی کی بھاری ہے
بس آپ ہی وہ داتاری ہے اور آپ ہی وہ بھنڈاری ہے
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

نت عشرت ہے نت فرحت ہے نت راحت ہے نت شادی ہے
نت مہر و کرم ہے دلبر کا نت خوبی خوب مرادی ہے
جب اُمڈا دریا اُلفت کا ہر چار طرف آبادی ہے
ہر رات نئی اک شادی ہے ہر روز مبارکبادی ہے
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

ہے تن تو گل کے رنگ بنا اور منہ پر ہر دم لالی ہے
جز عیش طرب کچھ اور نہیں جس دن سے سُرت سنبھالی ہے
ہونٹوں میں راگ تماشے کا اور گت پر بجتی تالی ہے
ہر روز بسنت اور ہولی ہے اور ہر اک رات دوالی ہے
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

ہم چاکر جس کے حسن کے ہیں وہ دلبر سب سے اعلا ہے
اُس نے ہی ہم کو جی بخشا اُس نے ہی ہم کو پالا ہے
دل اپنا بھولا بھالا ہے اور عشق بڑا متوالا ہے
کیا کہیے اور نظیر آگے اب کون سمجھنے والا ہے
ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

سلہ داتار۔ داتاری داتا یعنوں ایک معنی رکھتے ہیں دینے والا یعنی رزاق۔ جواد۔ کریم ۱۲ سلہ بھنڈاری خزانچی میر سامان ۱۲ سلہ سُرت ہوش ۱۲ شہباز

اخلاقیات

مذمّتِ دُنیا

(۹۴)

اے دل نہ رہ تو عالمِ ہستی میں بے خبر
اوقاتِ زیست لہو و لعب میں نہ کر بسر
غفلت میں اپنی عمر نہ کھو شام اور سحر
دنیا ہے اک نگارِ فریبندہ جلوہ گر
الفت میں اس کی کچھ نہیں جز کلفت و ضرر

دل کے فریب دینے کو کرمہر و التفات
بدلے ہے رنگ و روپ ہزاروں ہی دن اور رات
ناز و ادا میں رکھتی ہے کیا کیا تنوعات
آج اس پہ بھی کمیں تو لگا ئی کل اس پہ گھات
حسرت فزا و ہوش ربا و شکیب بر

وہ ناز و حسن رکھتی ہے اے دل یہ پیر زال
پہلے نشاط و عیش و طرب پھر غم و بال
جو اک نگہ میں ڈالے ہے گردن میں لاکھ جال
ہوتا ہے آخر اُس کے گرفتار کا یہ حال
جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر

جاتی ہے مثلِ گل چمنِ ناز میں جو کھل
عیارگی و عشوہ گری کر کے متصل
بلبل منش سے اپنے وہیں بیٹھی ہو گی مل
سحر و فسوں وہ رکھتی ہے بہر فریبِ دل
حیراں ہو سحر سامری بھی جس کو دیکھ کر

له اس نظم کی بندش میں خاص بات ہے اور عبارت میں متانت. طرز ادا میں متانت شاعرانہ سنجیدگی اور نکتہ سنجانہ سخن فہمی شروع سے اخیر تک قائم ہو شاعرانہ

جس دل کو اس نگار کی آئی ادا پسند
اک دم وہ شاد ہو گے رہا پھر الم میں بند
رکھتی ہے اپنے دوش پہ ہر دم نئی کمند
لینے کو نقد عمر کے شیریں ہے مثل قند
جب لے چکے تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر

تو اس نگار عہد شکن سے لگا نہ دل
حاصل نہیں کچھ اس سے بجز رنج جاں گسل
زنہار اس کے بیٹھیو جا کر نہ متصل
جو اس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل
ملتے ہیں اپنے دست تاسف بہ یک دگر

آگے بھی میں نے تجھکو جتایا ہے کتنی بار
یعنی تو اُس کا کیجیو ہرگز نہ اعتبار
ہیں کید و مکر عذر اسے یاد بے شمار
تو بھی جو اس کے پاس لگاوے گا دل تو یار
اس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر

اک دن بھی تو کرے گا جو اس بے وفا کی چاہ
برسوں تلک کرے گی یہ پرفن تجھے تباہ
ہرگز کسی کے ساتھ یہ کرتی نہیں نباہ
میں تجھ کو اس کے ربط سے کرتا نہ منع آہ
لیکن کروں میں کیا تجھے درپیش ہے سفر

جو گل کہ رنگ و بوئے وفا کے نہ ہو قریں
دل اُس سے باندھنے میں اذیت ہے بالیقیں
اٹکے اگر تو یاں تو مناسب تجھے نہیں
تو اس مثل کو سوچ ذرا گر سفر گزیں
کرتا ہے قطع راہ کو باندھے ہوئے کمر

کرتا ہے فکر دل میں کہ منزل کو جا کے لے
تو جلد رہ روی کے غم و رنج سے چھٹے
ٹھہرے ذرا تو وہ ہی دم لے کے اُٹھ چلے
گر درمیان رہ کوئی مل جاوے باغ اُسے
تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اک نظر

اس گلستاں کو گردہ اقامت کا دیوے خط
دو دن میں پھر تو وہ رہ منزل کرے غلط
جاتا ہے کرکے ایک نگہ سرسری فقط
بس اس نگار خانے کو تو بھی اسی نمط
سیر مسافرانہ کر اور اس سے درگذر

سفر گزیں: مسافر ۱۲

جاتا ہو عزم کرکے مسافر کے تئیں جہاں
آگے کہیں تو پہونچے وہ پھر کس طرح سے ہاں
تو بھی جو اپنا فائدہ چاہے تو مہرباں
اس حرف کو نظیرؔ کے یوں دل میں دے مکاں
کرتا ہے جیسے نقش نگیں کے جگر میں گھر

(۹۵)

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافات عمل غافل مشو

مکافات عمل

ہے دنیا جس کا ناؤں میاں یہ نرو طرح کی بستی ہے
جو مہنگوں کو تو مہنگی ہے اور سستوں کو یہ سستی ہے
یاں ہر دم جھگڑے اٹھتے ہیں ہر آن عدالت بستی ہے
گر مست کرے تو مستی ہے اور پست کرے تو پستی ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کا مان رکھے تو اس کو بھی ارمان ملے
جو پان کھلاوے پان ملے جو روٹی دے تو نان ملے
نقصان کرے نقصان ملے احسان کرے احسان ملے
جو جیسا جس کے ساتھ کرے پھر ویسا اس کو آن ملے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کی جاں بخشے تو حق اس کی بھی جاں رکھے
جو اور کسی کی آن رکھے تو اس کی بھی حق آن رکھے
جو یاں کا رہنے والا ہے یہ دل میں اپنے جان رکھے
یہ ترت پھرت کا نقشہ ہے اس نقشے کو پہچان رکھے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو پار اتارے اوروں کو اس کی بھی ناؤ اترنی ہے
جو غرق کرے پھر اس کو بھی یاں ڈبکوں ڈبکوں کرنی ہے

اس نظم کا عنوان مشہور فارسی مثل ہے جس میں دنیا کی نیکی بدی ہے لیکن اس سے پوری طرح نظم کا مقصد ادا نہیں ہوتا۔ اگر اسی عنوان کے لفظوں کو تمام رکھا جائے تو مقصد نظم اس عبارت سے ادا کیا جا سکتا ہے "دنیا کی نیکی بدی دنیا ہی میں آگے آتی ہے" یعنی دنیا دار المکافات ہے۔ شہباز

شمشیر تبر بندوق سناں اور نشتر تیر نہرنی ہے
یاں جیسی جیسی کرنی ہے پھر ویسی ویسی بھرنی ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کا اونچا بول کرے تو اُس کا بول بھی بالا ہے
اور دے پٹکے تو اُس کو بھی کوئی اور پٹکنے والا ہے
بے ظلم و خطا جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہے
اُس ظالم کے بھی لوہو کا پھر بہتا ندی نالا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو مصری اور کے منہ میں دے پھر وہ بھی شکر کھاتا ہے
جو اور کے تئیں اب ٹکر دے پھر وہ بھی ٹکر کھاتا ہے
جو اور کو ڈالے چکر میں پھر وہ بھی چکر کھاتا ہے
جو اور کو ٹھوکر مار چلے پھر وہ بھی ٹھوکر کھاتا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کو ناحق میں یہ جھوٹی بات لگاتا ہے
اور کوئی غریب بچارا بے حق ناحق میں لٹ جاتا ہے
وہ آپ بھی لوٹا جاتا ہے اور لاٹھی پاٹھی کھاتا ہے
وہ جیسا جیسا کرتا ہے پھر ویسا ویسا پاتا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کی پگڑی لے بھاگے اُس کا بھی اور اُچکّا ہے
جو اور پہ چوکی بٹھلا دے اُس پر بھی دھونس دھڑکّا ہے
یاں پشتی میں تو پشتی ہے اور دھکے میں یاں دھکا ہے
کیا زور مزے کا جمگھٹ ہے کیا زور یہ بھیڑ بھڑکّا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

ہے کھٹکا اُس کے ساتھ لگا جو اور کسی کو دے کھٹکا
اور غیب سے جھٹکا کھاتا ہے جو اور کسی کو دے جھٹکا
چیرے کے بیچ میں چیرا ہے ٹپکے کے بیچ جو ہے ٹپکا
کیا کہیے اور نظیرؔ آگے ہے زور تماشا جھٹ پٹ کا

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اُس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

(۹۶)

دنیا دھوکے کی ٹٹی ہے

یہ پیٹھ عجب ہے دنیا کی اور کیا کیا جنس اکٹھی ہے
کچھ پکتا ہے کچھ بھنتا ہے پکوان مٹھائی ٹٹی[1] ہے
یاں مال کسی کا میٹھا ہے اور چیز کسی کی کھٹی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ چولھا بھاڑ نہ بھٹی ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی تاج خریدے ہنس ہنس کر کوئی تخت کھڑا بنوا تا ہے
کوئی بھائی باپ چچا نانا کوئی ناتی پوت کہاتا ہے
کوئی کپڑے رنگے پہنے ہے کوئی گدڑی اوڑھے جاتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ رشتا ہے نہ ناتا ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی سیٹھ مہاجن لاکھ پتی بزاز کوئی پنساری ہے
کیا جانے کون خریدیگا اور کس نے جنس اُتاری ہے
یاں بوجھ کسی کا ہلکا ہے اور کھیپ کسی کی بھاری ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو دلال نہ کوئی بیوپاری ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی پھول کی بیٹھے مسند پر کوئی رو دے اپنی ذلت کو
کوئی لڑتا ہے کوئی مرتا ہے کوئی جھگڑے حق ناحق کو
کوئی بولے اپنا مجھ سے لو اور میرا ہو سو مجھ کو دو
جب دیکھا خوب تو آخر کو کچھ دینا ایک نہ لینا دو

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

[1] ٹٹی ایک قسم کی مٹھائی۔ شہباز

رمّال نجومی عامل ہے اور فاضل ملّا سیانا ہے
تعویذ فلیتا فال فسوں اور جادو منتر لانا ہے
کوئی عاقل کامل دانا ہے کوئی مست بڑا دیوانہ ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب حیلہ مکر بہانا ہے

غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی لوٹے کوچے گلیوں میں تیار کسی کا ڈیرا ہے
نت قصّے جھگڑے کرتے ہیں یہ تیرا ہے یہ میرا ہے
کوئی باغ کنواں بنواتا ہے اور گھیر کسی کا گھیرا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ میرا ہے نہ تیرا ہے

غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کہیں دھوم مچی ہے قرضوں کی کہیں قرضوں کا دکھ کھینا ہے
ہر روز تقاضا دھرنا ہے دکھ دینا پیسا لینا ہے
کوئی ہیرا اپنا پرکھاوے اور بیچے کوئی چینا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو کچھ لینا ہے نہ دینا ہے

غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی بنیا ہے کوئی تیلی ہے کوئی بیچے پان تنبولی ہے
کہیں گون ڈھلی ہے ناجوں کی کہیں تھیلا تھیلی کھولی ہے
کوئی سر پر رکھ کر کھینچے ہے کوئی باندھے پھرتا جھولی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو اک دم کی بولا ٹھولی ہے

غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی ٹوپی پہنے جاتا ہے کوئی باندھے پھرا عمامہ ہے
کمخواب گزی اور گاڑھے کا نت قصّہ ہے ہنگامہ ہے
کوئی صاف برہنہ پھرتا ہے نہ پگڑی ہے نہ جامہ ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ پگڑی ہے نہ جامہ ہے

غل شور ہوا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی بال بڑھائے پھرتا ہے کوئی سر کو گھونٹ منڈاتا ہے
کوئی کپڑے رنگے پہنے ہے کوئی ننگے منگے آتا ہے

سلہ چھینا بیاہے مجہول ایک غلہ کا نام ہے

[illegible]

لہ فارس نے کیری کے معنی میدے کے سوداگر کے لکھے ہیں اور اس کو دکھنی زبان کا لفظ بتایا ہے۔ غالباً اسی لفظ کی ہندوستانی شکل

کوئی پوجا کتھا بھانے ہے کوئی چھایا ملک لگاتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب چھوڑ اکیلا جاتا ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی روتا ہے کوئی ہنستا ہے کوئی ناچے ہے کوئی گاتا ہے
کوئی مال اکٹھا کرتا ہے کوئی کنجی قفل لگاتا ہے
کوئی چھینے جھپٹے لے بھاگے کوئی دھونس دھڑکا لاتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب جھگڑا رگڑا جاتا ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی بیچے بھنگ شراب افیون کہیں دودھ دہی کی پھیری ہے
کوئی جھگڑے اپنی جاگہ پر یہ میری ہے یہ تیری ہے
کوئی پلا سر پہ لاتا ہے کوئی لادے بیل کھیری ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ تیری ہے نہ میری ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کہیں ملی ٹیو کی ٹھٹنی ہے کہیں گھاس کرپی بولی ہے
ترکاری سگین ساگ بڑا گڑ کا مڈا گاجر مولی ہے
کہیں چھلنی چھاج پٹارے ہیں کہیں چوٹ لگا چکی جوڑی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو سب چھوڑ یہ دیکھت بھولی ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کہیں بان ایڑی ٹاٹ کڑی کہیں نیر کھو چرخ نکلا ہے
کہیں ڈھانچ پلنگ کا بکتا ہے کہیں جھنکار تنی رستا ہے
کہیں دک روپیا خوردہ ہے کہیں کوڑی پیسا دھیلا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ پیڑھی کھاٹ نہ چرخا ہے

غل شور ببولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

کوئی شکر ابا زاٹرا تا ہے کوئی ہاتھ پہ رکھے تیلی ہے
ہر تار کسی کے ہاتھوں میں اور نا چتی پھرتی تیلی ہے
شاباش کوئی لے بیٹھا ہے اور دور کسی نے دت لی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نہ ریشم سوت نہ ستلی ہے

کھیری ہے۔ کیری کوئی چھوٹے درجہ کے پیشہ ور ہیں جیسے جلاہے دھنیے بقال ۱۲ لہ ٹیو کی ستون طعوتی سے جوالی جوالی کی تصغیر ہے ۱۲ سہ گھ ذم کتے ۱۲ شہ تنی بالکسر کو بولتے الغم باندھا ہے زبان انگریزی محاورہ میں اس کا تلفظ یوں ہی ہوگا ۱۲ سہ اس مصرع میں قافیہ کو بیطلعت باندھا ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ کسی نے تو کارنمایاں کرکے شاباش حاصل کی ہے۔ ہر طرف سے تعریف ہو رہی ہے۔ اور کوئی ایسے بدنصیب ہیں کہ دو ڈر کر گئے تھے کسی اور مطلب کے لیے گر وہاں دھتکارے گئے اور شاباش کی جگہ دوت رکیک بتائی گئی

ت ایک کلمہ ہے برملامت اور نفرت کی جگہ بولتے ہیں ۱۲ شہباز۔

غل شور بہولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

اب کس کا رنگ برا کہیے اور کس کا روپ بھلا کہیے
اک دم کی بیٹھ لگی ہے یہ انبوہ مزا چرچا کہیے
یہ سیر تماشا دیکھ نظیرؔ اب جا کہیے بیجا کہیے
کچھ بات نہیں بن آتی ہے چپ چاپ پہیلی کیا کہیے

غل شور بہولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

(۹۷)

دُنیا دارالمکافاۃ ہے

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی سات لے
نیکی کا بدلا نیک ہے بد سے بدی کی بات لے
میوہ کھلا میوہ ملے پھل پھول دے پھل پات لے
آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات لے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

کانٹا کسی کے مت لگا گو مثل گل پھولا ہے تو
وہ تیرے حق میں تیر ہے کس بات پر پھولا ہے تو
مت آگ میں ڈال اور کو پھر گھاس کا پولا ہے تو
سن رکھ یہ نکتہ بے خبر کس بات پر بھولا ہے تو

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

شوخی شرارت مکر و فن سب کا بسیکھا ہے یہاں
جو جو دکھایا اور کو وہ خود بھی دیکھا ہے یہاں
کھوٹی کھری جو کچھ کہے تس کا پرکھا ہے یہاں
جو جو پڑا تلتا ہے دل تل تل کا لیکھا ہے یہاں

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

ف اس نظم کا دوسرا عنوان ہے "کلجگ کا بیان" ۱۲ ش بسیکھ یا بسیکھا ہوا مثل۔ ان تینوں کا یہی لیکھ۔ یہ بھی دیکھا وہ بھی دیکھ ہوا تھا

جو اور کی بستی رکھے اُس کا بھی بستا ہے پُرا
جو اور کے مارے چھُری اُس کے بھی لگتا ہے چھُرا
جو اور کی توڑے دُھری اُسکا بھی ٹوٹے ہے دُھرا
جو اور کی چیتے بدی اُس کا بھی ہوتا ہے بُرا

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پاوے گا
گیہوں سے گیہوں جَو سے جَو چانول سے چانول پاوے گا
جو آج دیوے گا یہاں ویسا ہی وہ کل پاوے گا
کل دیوے گا کل پاوے گا کل پاوے گا کل پاوے گا

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

جو چاہے لے چل اس گھڑی سب جنس یاں تیار ہے
آرام میں آرام ہے آزار میں آزار ہے
دُنیا نہ جان اس کو میاں دریا کی یہ منجدھار ہے
اوروں کا بیڑا پار کر تیرا بھی بیڑا پار ہے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

تو اور کی تعریف کر تجھ کو ثنا خوانی ملے
کر مشکل آسان اور کی تجھ کو بھی آسانی ملے
تو اور کو مہمان کر تجھ کو بھی مہمانی ملے
روٹی کھلا روٹی ملے پانی پلا پانی ملے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

جو گل کھلاوے اور کا اُسکا ہی گل کھلتا بھی ہے
جو اور کا کیلے ہے مُنھ اُس کا ہی مُنھ کِلتا بھی ہے
جو اور کا چھیلے جگر اس کا جگر چھلتا بھی ہے
جو اور کو دیوے کپٹ[1] اُسکو کپٹ مِلتا بھی ہے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

کرجگ جو کچھ کرنا ہو اب یہ دم تو کوئی آن ہے
نقصان میں نقصان ہے احسان میں احسان ہے

[1] کپٹ، دھوکا دغا، کپٹ کے معنی منافقت کے بھی ہیں جو ایک اعلیٰ درجہ کا دھوکا ہے۔ کپٹ دے یعنی منافقت کا برتاؤ کرے۔ وفاداری کے جیسے بے وفائی ویسے ہو شباز

تہمت میں یاں تہمت لگے طوفان میں طوفان ہے
رحمان کو رحمان ہے شیطان کو شیطان ہے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اس ہات لے

یاں زہر دے تو زہر لے شکر میں شکر دیکھ لے
نیکوں کو نیکی کا مزہ موذی کو ٹکر دیکھ لے
موتی دیے موتی ملیں پتھر میں پتھر دیکھ لے
گر تجھ کو یہ باور نہیں تو تو بھی کر کر دیکھ لے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اس ہات لے

اپنے نفع کے واسطے مت اور کا نقصان کر
تیرا بھی نقصان ہووے گا اس بات اوپر دھیان کر
کھانا جو کھا تو دیکھ کر پانی پیے تو چھان کر
یاں پاؤں کو رکھ پھونک کر اور خوف سے گذران کر

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اس ہات لے

غفلت کی یہ جا گہ نہیں یاں صاحب ادراک رہ
دل شاد رکھ دلشاد رہ غمناک رکھ غمناک رہ
ہر حال میں تو بھی نظیرؔ اب ہر قدم کی خاک رہ
یہ وہ مکاں ہے او میاں یاں پاک رہ بے باک رہ

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اس ہات لے

(۹۸)

دنیا[1]

یہ جتنا خلق میں اب جابجا تماشا ہے
جو غور کی تو یہ سب ایک کا تماشا ہے
نہ جانو کم اسے یارو بڑا تماشا ہے
جدھر کو دیکھو ادھر اک نیا تماشا ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

[1] اس نظم کا عنوان تھا دنیا کے دو دن کے تماشے۔ مگر چونکہ نظیر ہی کا فقرہ لیکر مذاق جدید کے موافق عنوان کر دیا ہے۔ اس نظم کا مطلع بتاتا ہے کبیر داس کے اس قول سے اخذ کیا گیا ہے۔ کبیر داس کی اصلی بانی + ہے مکمل بھیجے بانی + کبیر داس کی الفوانیاں شوقی ہیں۔ اس نظم کے مناسب مضمون کبیر کا بھی ایک مطلع ہم سے ہوتا ہے یاں جہاں میں ہر روز عجب تماشا دیکھا جو خوب تو ہے دنیا عجب تماشا ہے

مرے یہ دیکھ تماشے نہیں ہیں ہوش بجا
کسے بتاؤں میں سیدھا کسے کہوں اُلٹا
جو ہے طلسم حقیقی وہ جاوے کب سمجھا
عجب بہار کی ایک سیر ہے اہا ہا ہا
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

نہیں ہے زور جنھوں میں وہ کشتی لڑتے ہیں
جو زور والے ہیں وہ آپ سے بچھڑتے ہیں
بھچپٹ کے اندھے بھی بیروں کے تئیں پکڑتے ہیں
نکالے چھاتیاں کبڑے اکڑتے پھرتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کے پر ہیں وہ پانوؤں سے چلتے پھرتے ہیں
جو بن پروں کے ہیں وہ نکھٹے جھلتے پھرتے ہیں
مثال روح کے لنجے بھی چلتے پھرتے ہیں
ہرن کی طرح سے لنگڑے اُچھلتے پھرتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

بنا کے نیار یا زر کی دُکان بیٹھا ہے
جو ہنڈی وال تھا وہ خاک چھان بیٹھا ہے
جو چور تھا سو وہ ہو پاسبان بیٹھا ہے
زمین پھرتی ہے اور آسمان بیٹھا ہے
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چکوریں گھستی ہیں اور گدھ گھگو بڑھتے ہیں
پتنگے بوند ہیں مچھر فلک پہ چڑھتے ہیں
کتابیں کھول چغد بیٹھے سایہ کرتے ہیں
نماز بلبلیں طوطے قرآن پڑھتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

عراقی بھوس ٹھٹھیرے کھرے چباتے ہیں
گدھے پلاؤ کو کھا کر لات مار جاتے ہیں
جو شیر ہیں انھیں گیدڑ رکھڑے چڑاتے ہیں
پڑھنت تو ناچے ہیں مینڈک ملار گاتے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

بطوں کی لمبی دُمیں مور سب لنڈورے ہیں
سفید کوّے ہیں چیلوں کے رنگ بھورے ہیں
جو سادھ سنت ہیں لوبے سو وہ ادھورے ہیں
کیٹ کی ندی پہ بگلے بھگت کے پورے ہیں
غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

سنہ چھلاوا دھوکا
دنیا۔ فریب دینے
مطلب مصرع کا
بے جگر لنجے
چھلاوا ہو رہے
ہیں۔ ابھی یہاں
ہیں ابھی وہاں
ابھی مخفی ہیں
ابھی عیاں ۱۲
سنہ پڑھنت مچھلی
کی ایک قسم ۱۲ شہید

زباں ہو جس کی اشارت سے وہ پکارے ہے ۔۔۔ جو گونگا ہے وہ کھڑا فارسی بگھارے ہے
کلاہ ہنس کی کوا کھڑا اُتارے ہے ۔۔۔ اُچھل کے مینڈکی ہاتھی کے لات مارے ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جو ہیں نجیب نسب کے وہ بندے چیلے ہیں ۔۔۔ کمینے اپنی بڑی ذات کے نویلے ہیں
جو باز شکرے ہیں باز پکھڑے وہ بیلے ہیں ۔۔۔ لگھڑ تو مر گئے اُلّو شکار کھیلے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چمن میں خشک بنوں بیچ آب جاری ہے ۔۔۔ خراب پھول ہیں کانٹوں کی گلعذاری ہے
سیاہ گوش کو پِدّی نے لات ماری ہے ۔۔۔ دبکتے پھرتے ہیں چیتے ہرن شکاری ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کی ڈاڑھی ہے اُن کی تو بات واہی ہے ۔۔۔ جو ڈاڑھی منڈے ہیں اُن کی سند گواہی ہے
سیاہی روشنی اور روشنی سیاہی ہے ۔۔۔ اُجاڑ شہر ہیں مُردوں کی بادشاہی ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں میں عقل نہیں وہ بڑے سیانے ہیں ۔۔۔ جو عقل رکھتے ہیں وہ باؤلے دِوانے ہیں
زنانے شوق سے مردوں کے پہنے بانے ہیں ۔۔۔ جو مرد ہیں وہ بڑے ہیجڑے زنانے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کے کان نہیں دور کی وہ سنتے ہیں ۔۔۔ جو کان والے ہیں بیٹھے وہ سر کو دُھنتے ہیں
برستے دھوئیں ہیں اور ابر تنکے چنتے ہیں ۔۔۔ کباب بھونتے ہیں اور کبابی بُھنتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چمگادڑ[1] دن کے تئیں رت جگا مناتی ہے ۔۔۔ چھچھوندر اور بھی گھی کے دیے جلاتی ہے
جو چُہیا ڈھول بجاتی ہے گھونس گاتی ہے ۔۔۔ گلہری بیٹھی ہوئی گلگلے پکاتی ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

[1] چمگادڑ دن میں نہیں آتا شاید چگدڑ باستعاطیم واقعہ لکھا ہو لیکن وہ مسموع نہیں۔ بہر حال صریح نقص سے خالی نہیں اسی واسطے اس بند کو بعض نسخوں سے خارج کر دیا ہے لیکن نقص وزن کے سوا اشعار میں بہت خامیاں ہیں اس طرح کا نقص نظیر کے بعض اور کلام میں بھی ہے مطالب کے بیان کے شوق میں وہ بعض اوقات الفاظ ضرورت وزن سے قطع نظر کر جاتا ہے [illegible] بعض حرفوں کا [illegible] زمانہ [illegible] سمجھا جاتا [illegible]

جو نوجواں ہے طوائف وہ بوڑھی بھبلا ہے
بجے ہیں چھاج پڑے چھلنیوں کا ڈھیلا ہے
جو بوڑھی بیسوا ہے بارہ برس کی ابلا ہے
نقارے پھٹ گئے مردنگ ہے نہ طبلا ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

پہن کے ریشمی پوشاک جب دکھاتی ہے
پری تو کوڑی کی مسی کو داغ کھاتی ہے
گدھوں سے ہنستی ہے کتوں سے مسکراتی ہے
چڑیل پان کے بیڑے کھڑی چباتی ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

خبیث دیو پلید آ ہر اک سے لڑتے ہیں
بلائیں لپٹی ہیں اور بھوت جن جھگڑتے ہیں
جو آدمی ہیں وہ ان سب کے پاؤں پڑتے ہیں
یہ قہر دیکھو کہ زندوں سے مردے لڑتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

گدھا لڑائی میں ہاتھی کے تئیں لتاڑے ہے
ہما کو بوم ہر اک تت مارے دھاڑے ہے
شتر کے گھر کے تئیں دو مرڑی اجاڑے ہے
غضب ہے بودنا سارس کا پر اکھاڑے ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

کھلے ہیں آک کے پھول اور گلاب جھڑتے ہیں
سخی کریم پڑے ایڑیاں رگڑتے ہیں
بنولے پکتے ہیں انگور آنب سڑتے ہیں
بخیل موتیوں کو موسلوں سے چھڑکتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

شکر کے غم میں شکر خوری خاک اڑاتی ہے
اڑے ہیں پھلیاں مرغی کھڑی نہاتی ہے
جلیبی پیڑوں اوپر مکھی بھن بھناتی ہے
جنگل کی ریت میں مرغابی غوطہ کھاتی ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

جو ٹھگ تھے اپنی وہ ٹھگ بدیا سے چھوٹے ہیں
اندھیری رات میں گھر چوروں کے بھوٹے ہیں
سافران کے گلے پھانسی ڈال گھوٹے ہیں
سبھوں کو دن کے تئیں ساہو کار لوٹے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

ا سے بھبیل بھیل کا
معنی ہے بھبیل
موٹی جسیم عورت
کو کہتے ہیں ۱۲ منہ
ابلا نازنین نازک
اندام ۱۲ منہ پھٹ
پھانٹ کردھان
سے جدا کیا ہوا کرنا
پھانٹ کردھان
سے چاول نکالنا
شہباز

ہُدہد روتے ہیں اور زاغ کھلکھلاتے ہیں
چڑے اٹاریاں اور بڑے بنگلے چھاتے ہیں
خوش بلبلیں اور بھنگے چھپاتے ہیں
بلوں کو چھوڑ کے چوہے محل اٹھاتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

چرند جتنے ہیں پر جھاڑ جھاڑ اڑتے ہیں
پڑی ہیں بستیاں ویراں اُجاڑ اُڑتے ہیں
پرند گرتے ہیں اور بوٹی جھاڑ اٹھتے ہیں
اُٹھل ہو بیٹھتے ہیں روڑے پہاڑ اُڑتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

سلیماں بھوکے ہیں چیونٹی کے پاس ڈھیری ہے
عجب اندھیرے اُجالے کی ہیر اپھیری ہے
کلنگ بڑے کی چڑیا نے راہ گھیری ہے
گھڑی میں چاندنی ہے اور گھڑی اندھیری ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

عزیز تھے سو ہوئے چشم میں سبھوں کی حقیر
عجب طرح کی ہوائیں ہیں اور عجب تاثیر
حقیر تھے سو ہوئے سب میں صاحب توقیر
اب ایسے خلق کے کیا کیا بیاں کروں میں نظیر

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

(۹۹)

دنیا میں سب دم کا تماشا ہے

جہاں میں جب تلک یارو ہمارے جسم میں دم ہے
کہیں کس کس سے کیا کیا ایک دم کے ساتھ عالم ہے
کبھی ہنسنا کبھی رونا کبھی شادی کبھی غم ہے
مگر جو صاحب دم ہے وہ اس نکتے سے محرم ہے

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

مشقت محنتوں سے جمع کرنا دام درہم کا
کبھی سامان عشرت کا کبھی اسباب ماتم کا
تعلق رنج راحت کا تفکر بیش اور کم کا
کہوں کیا کیا غرض یارو یہ جھگڑا ہے سب اس دم کا

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہو نہ جا دم ہے

اسی دم کے لیے ہیں سیم اور زر میں بکھیڑے ہیں
جلیبی امرتی برفی گلابی لڈو پیڑے ہیں
اسی کے واسطے عطر اور گلابوں کے ترڑے ہیں
غرض میں کیا کہوں یارو یہ سب دم کے بکھیڑے ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہو نہ جا دم ہے

اسی دم کے لیے کیا محل یہ سنگیں تراشے ہیں
بہار و باغ و صحرا صید اور شکرے و باشے ہیں
اسی کے واسطے زر سیم کے تولے و ماشے ہیں
فقط دم کے ہی آنے کے یہ سب ٹھٹھ رو تماشے ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہو نہ جا دم ہے

اسی دم کی ہیں پوشاکیں یہ رنگیں عطر میں ڈوبی
گدائی بادشاہی عاشقی رندی و محبوبی
اسی کے واسطے ہر سب طرحداری و مرغوبی
اسی دم کے ہی آنے تک ہے اے یارو یہ سب خوبی

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہو نہ جا دم ہے

اسی دم کے لیے افیون شراب و پوست بھنگیں ہیں
محبت دوستی اخلاص الفت صلح جنگیں ہیں
نشے مستی ترانے عیش و عشرت کی ترنگیں ہیں
اسی دم کے ہی آنے تک یہ سب یارو امنگیں ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہو نہ جا دم ہے

یہی دم پالکی گھوڑے پہ ہودج پہ چڑھتا ہے
کوئی اطلس پہ گھٹتا ہے کوئی عمدہ ہو بڑھتا ہے
یہی دم بیکسی میں ننگے پاؤں سے کھدڑتا ہے
جو کچھ ہے اونچ نیچ اے یارو سب دم ہی گڑھتا ہے

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے

نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

اسی دم کے لیے یہ سب بنے ہیں سکھ زمانے کے
جہاں تک شادی و غم ہیں جہاں کے کارخانے کے
مزے عیش و طرب کے اور تحمل دکھ اٹھانے کے
یہ سب دکھ سکھ ہیں اے یارو اسی اک دم کے آنے کے
جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

اسی دم کے لیے بن میں بگلوں کی قطاریں ہیں
چمن گلزار بوٹا پھول پھل اور آبشاریں ہیں
اسی کے واسطے ابر و ہوا اور مینھ کی دھاریں ہیں
نظیرؔ اب کیا کہے یارو یہ سب دم کی بہاریں ہیں
جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادم ہے

(۱۰۰)

مذمت اہل دنیا

کیا کیا فریب کہیے دنیا کی فطرتوں کا
جب دوست مل کے لوٹیں اسباب مشفقوں کا
مکر و دغا و دزدی ہے کام اکثروں کا
پھر کس زباں سے شکوہ اب کیجے دشمنوں کا
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

گردن کو ہے اچکا تو چور رات میں ہے
اس کی بغل میں گٹھی تیغ اس کے ہات میں ہے
برچھی
نٹ کھٹ کی کچھ نہ پوچھو ہر بات بات میں ہے
وہ اس کی فکر میں ہے یہ اس کی گھات میں ہے
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

دیکھے کوئی ہے جن کا ہے گٹھ کٹی و تیرا
جامے پہ کھا رہا ہے بچے کا دل حریرا

له اس بند میں قافیہ شاگاں کا عیب ہے لیکن متقدمین شعرائے اردو اس عیب کو جائز رکھتے تھے چنانچہ استاد مسلم الثبوت سراج الدین علی خاں آرزو کا ایک مشہور اور مقبول مطلع ہے سہ
کھلے سیپارہ گل کے کھول آگئے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے
شہباد

ٹھڈ مارتا کتا ہے ہر آن سر کا چیرا
جوتی کو تک رہا ہے ہردم اٹھائی گیرا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

عیار اور چھچھو رانت اپنے کار میں ہیں
اور صبح خیز یا بھی اپنی بہار میں ہے
قزاق جس مکاں پر فکر سوار میں ہیں
پیادہ غریب اُس جا پھر کس شمار میں ہے

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

اس راہ میں جو آیا اسوار گہہ کے گھوڑا
ٹھگ سے بچا تو آگے قزاق نے نہ چھوڑا
سو یا سرا میں جا کے تو چور نے جھنجھوڑا
تیغہ رہا نہ بھالا گھوڑا رہا نہ کوڑا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

نادان کو پلا کر اک بھنگ کا پیالا
کپڑے بغل میں مارے اور لے لیا دوشالا
دانا ملا تو اُس میں گھولا دھتورا کالا
ہوتے ہی غافل اُسکو پھانسی میں کھینچ ڈالا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

پیسے روپے اشرفی یا سیم زر کا پترا
پھر جیب گھڑیاں لا دے ہے کون ایسا چترا
میدان چوک گھاٹی یہ فن ہے وہ دھنترا
کترے ہی جیب چڑھ کر ہاتھی پہ جیب کترا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

چڑیا نے دیکھ غافل کپڑا اُدھر گھسیٹا
کوے نے وقت پا کر چڑیا کا گھر گھسیٹا
چیلوں نے مار پنجے کوے کا سر گھسیٹا
جو جس کے ہاتھ آیا وہ اُس نے دھر گھسیٹا

ع گڑھ کے زیور...
کے قابو میں کرکے
ت دھنترا
دھنترا، دھن
دولت والا
زبردست طاقتور
شہباز

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

صیاد چاہتا ہے ہو صید کا گذارا
قابو چڑھا تو اُس کا دانہ وہ کھا سدھارا
اور صید چاہے دانا کھا کر کرے کنارا
اور کچھ بھی چال چوکا تو وہیں جال مارا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

نکلا ہو شیر گھر سے گیدڑ کا گوشت کھانے
کیا کیا کریں ہیں باہم مکر و دغا بہانے
گیدڑ کی دھن لگا دے خود شیر کو ٹھکانے
یاں وہ بچا نظیرؔ اب جس کو رکھا خدا نے

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

(۱۰۱)

دُنیا

دنیا ہے اک نگارِ فریبندہ جلوہ گر
الفت میں اس کی کچھ نہیں جز کلفت و ضرر
آج اُس پہ کچھ کمیں تو لگائی کل اس پہ گھات
حسرت فزا و ہوش ربا و شکیب بر
ہوتا ہے آخر اُس کے گرفتار کا یہ حال
جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر
سحر و فسوں وہ رکھتی ہے بہر فریب دل
حیراں ہو سحر سامری بھی جس کو دیکھ کر
لینے کو نقد عمر کے شیریں ہے مثل قند
جب لے چکے تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر
جو اُس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل
ملتے ہیں اپنے دست تاسف بیک دگر
تو بھی جو اُس کے پاس لگا دے گا دل تو یار
اس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر
میں تجھ کو اُس کے ربط سے کرتا نہ منع آہ
لیکن کروں میں کیا تجھے درپیش ہے سفر

تو اس مثل کو سوچ ذرا گر سفر گزیں
گر درمیان رہ کوئی مل جاوے باغ اُسے
بس اس نگار خانے کو تو بھی اسی نمط

کرتا ہے قطع راہ کو باندھے ہوئے کمر
تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اک نظر
سیر مسافرانہ کر اور اس سے در گزر

اس حرف کو نظیرؔ کے یوں دل میں دے مکاں
کرتا ہے جیسے نقش نگیں کے جگر میں گھر

(۱۰۲)

مذمتِ بخل

صدائے درویش

زر کی جو محبت تجھے پڑ جاوے گی بابا
ہر کھانے کو ہر پینے کو ترساوے گی بابا

دکھ اس میں تری روح بہت پاوے گی بابا
دولت جو ترے یاں ہے نہ کام آوے گی بابا

پھر کیا تجھے اللہ سے ملواوے گی بابا

دولت جو ترے پاس ہے رکھ یاد تو یہ بات
دینے سے رہے اس کے ترا اونچا سدا ہات

کھا تو بھی اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
اور یاں بھی تری گذرے گی سو عیش سے اوقات

اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلاوے گی بابا

دولت کی یہی خوبی ہے سو نعمتیں کھا ڈال
باغ و چمن و حوض و عمارات بنا ڈال

کمخواب پہن بادلہ اوڑھ اور بنا ڈال
اک دم تو بھلا خلق میں دریا سا بہا ڈال

پھر ورنہ تجھے سیر یہ دکھلاوے گی بابا

داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی
اور تو نے بخیلی سے اگر جمع اُسے کی

چڑھتی ہے پہاڑوں کے اوپر تا دُسختی کی
تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی

خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبواوے گی بابا

دولت جو ترے گھر میں یا اب پھولے ہے جوں پھول
مردود بھی یہ کرتی ہے اور کرتی ہے مقبول
جو چاہے ترے ساتھ چلے یاں سے یہ مجہول
زنہار خبردار ہو اس بات پہ مت بھول
یہ خنذی[1] ترے ساتھ نہیں جاوے گی بابا

یہ + + + پرانی ہے نرا اس کے تو چھل میں
آج اس کی بغل میں ہے تو کل اس کی بغل میں
ٹھنڈک نہیں پڑنے کی کبھی اس کے تو جبل[2] میں
جب تن سے تری جان نکل جاوے گی پل میں
تو جاوے گا اور یہ نہیں رہ جاوے گی بابا

گر نیک کہاتا ہے کر اس جا سے کچھ احسان
ہن: کو کھلا پوری مسلمان کو کھلا نان
کھا تو بھی اسے شوق سے اور عیش پہ رکھ دھیان
تو اس کو نہ کھاوے گا تو یہ بات یقیں جان
اک روز یہ خنذی تجھے کھا جاوے گی بابا

اس سے یہی بہتر ہے تو ہی آپ اسے کھا جا
بیٹوں کو رفیقوں کو عزیزوں کو کھلا جا
سب روبرو اپنے اسے عشرت میں اڑا جا
پھر شوق سے ہنستا ہوا جنت کو چلا جا
ورنہ تجھے پھر دکھ میں یہ پھنسواوے گی بابا

گر آوے گا حاکم کوئی ظالم تو مری جاں
اور تیری سنے گا وہ بخیلی کی سی گذران
جب کھینچ بلاوے گا لگا کر کوئی طوفان
تو جی سے جسے دوست سمجھتا ہے یہ ہر آن
یہ دوست ہی دشمن تری ہو جاوے گی بابا

کہوے گا کوئی اس کے تئیں باندھ کے لٹکا
کہوے گا کوئی تو بڑا منحوس کے میں ہے چھوا
کہوے گا کوئی کپڑے بھی سب اسکے اتروا
سو ذلّت[3] و خواری سے تجھے دیکھ کے پھرتا
بندھواوے گی اور مار بھی کھلواوے گی بابا

اور جو کبھی حاکم نے نہ پوچھا ترا احوال
تو چور چرا لیوے گا یا ڈاکا کوئی ڈال
گاڑے گا زمیں بیچ تو پھر ہووے گا یہ حال
قسمت سے تری جب کبھی آجاوے گا بھونچال

[1] خنذی منہ ٹوٹ بدچلن عورت ۱۲
[2] جبل شہوت نفسانی ۱۲ آسی
[3] یعنی بجے تجبیر کامل ۱۲ شہباز

پھر پیچھے ہی پیچھے یہ سرک جاوے گی بابا

یہ تو نہ کسی پاس رہی ہے نہ رہے گی
کچھ شک نہیں اس میں جو بڑھی ہو سو گھٹے گی
جو اور سے کرتی رہی وہ تجھ سے کرے گی
جب تک تو جیے گا یہ تجھے چین نہ دے گی
اور مرتے ہوئے پھر یہ غضب لاوے گی بابا

جب موت کا ہووے گا تجھے آن کے دھڑکا
جب اس میں تو اٹکے گا نہ دم نکلے گا پھڑکا
اور نزع تری آن کے دم دیوے گی بھڑکا
کپڑوں میں روپے ڈال کے جب دیویں گے کھڑکا
تب تن سے تری جان نکل جاوے گی بابا

تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرے گا
پھر بعد ترے اس پہ جو کوئی ہاتھ دھرے گا
ہر یہ تو یقیں آخرش اک دن تو مرے گا
وہ ناچ مزہ دیکھے گا اور عیش کرے گا
اور روح تری قبر میں گھبراوے گی بابا

اس کے تو وہاں ڈھولک و مردنگ بجے گی
وہ کھاوے گا اور تیرے تئیں آگ لگے گی
اور روح تری قبر میں حسرت سے جلے گی
تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑے گی
ایسا ہی تجھے گور میں تڑپاوے گی بابا

جوں جوں وہ ترے مال سے عشرت میں پھنسے گا
جو چاہے کوئی بولے تو پھر بس نہ چلے گا
تو قبر میں رہ رہ کف افسوس ملے گا
بے بس تو پڑا قبر میں حسرت سے جلے گا
دن رات تری چھاتی کو کٹواوے گی بابا

جاوے گا تری گور کی جانب جو وہ ناگاہ
رونا مجھے آتا ہے ترے حال پہ واللہ
ساقی و صراحی و پری زاد کے ہمراہ
جب تجھے گا سو عیش میں تو جھ سکے تئیں آہ
کیا کیا تری چھاتی پہ یہ لہراوے گی بابا

تو بھوت ہو چھاتی پہ اگر آن چڑھے گا
شیشے میں اتروا کے تجھے دیویں گے گڑوا
تو واں کبھی ترے واسطے عامل کوئی بلوا
یا خوب سا سلگا کے کوئی ہار فلیتا

دھونی بھی تری ناک میں دلوا دے گی بابا

گر ہوش ہے تجھ میں تو بخیلی کا نہ کر کام تھوکے گا کوئی کہہ کے کوئی دیوے گا دشنام	اس کام کا آخر کو بُرا ہوتا ہے انجام زنہار نہ لے گا کوئی ہر صبح ترا نام

پیزاریں ترے نام پہ لگوا دے گی بابا

کہتا ہے نظیر اب جو یہ باتیں تجھے ہر آن ٹک غور سے کر گنج پہ قاروں کے ذرا دھیان	گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹ مت جان جیسا ہی اُسے اُس نے کیا خوب پریشان

ویسا ہی مزا تجھ کو بھی دکھلا دے گی بابا

(١٠٣)

تن کا جھونپڑا

یہ تن جو ہے ہر اک کے اُتارے کا جھونپڑا اس سے ہے بادشہ کے نظارے کا جھونپڑا	اس سے ہر اب بھی سب کے سہارے کا جھونپڑا اس میں ہی ہے فقیر بچارے کا جھونپڑا

اپنا نہ مول کا نہ اجاڑے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی بھولے بھالے اسی میں سیانے ہیں اس میں ہی دشمن اس میں ہی اپنے بگانے ہیں	اس میں ہی ہوشیار اسی میں دوانے ہیں شاہ جھونپڑا بھی اپنے اسی میں نمانے ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی لوگ عشق و محبت کے مارے ہیں اس میں ہی یار دوست اسی میں پیارے ہیں	اس میں ہی شوخ حسن کے چاند اور ستارے ہیں شاہ جھونپڑا بھی اپنے اسی میں بچارے ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا

لہ اکبرآباد میں کوئی بزرگ شاہ جھونپڑا تھے مجاذیب میں اُن کا شمار تھا ان کی زبان پر بند کا شعر ہر وقت جاری رہتا تھا۔ نظیر کو پسند آیا اُس کی تضمین کردی اُس تضمین میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انسان کا جسم گویا جھونپڑا ہے جس میں وہ آن کر ٹھہر گیا ہے ایک دن اُس کو اس جھونپڑے سے کوچ کرنا پڑیگا۔ تہ نماز سے غرض نمانا وہ جسے کوئی تازہ اور دیگر و رنہ ہو اُسی

بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی اہل دولت و منعم امیر ہیں
اس میں ہی رہتے سارے جہاں کے فقیر ہیں
اس میں ہی شاہ اور اسی میں وزیر ہیں
اس میں ہی ہیں صغیر اسی میں کبیر ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی چور ٹھگ ہیں اسی میں اٹول ہیں
اس میں ہی رونی شکل اسی میں ٹھٹھول ہیں
اس میں ہی باجے اور نقارے و ڈھول ہیں
شا جھونپڑا ابھی اس میں ہی کرتے کلول ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس میں ہی پارسا ہیں اسی میں لوند ہیں
بیدرد بھی اسی میں ہیں اور دردمند ہیں
اس میں ہی سب پرند اسی میں چرند ہیں
شا جھونپڑا ابھی اب اسی ڈربے میں بند ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

اس جھونپڑے میں رہتے ہیں سب شاہ اور وزیر
اس میں وکیل بخشی و متصدی اور امیر
اس میں ہی سب غریب ہیں اس میں ہی سب فقیر
شا جھونپڑا جو کہتے ہیں سچ ہے میاں نظیر

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
بابا یہ تن ہے دم کے گذارے کا جھونپڑا

(۱۰۴)

توکل و ترکِ تجرید

جتنے تو دیکھتا ہے یہ پھل پھول پات بیل
سب اپنے اپنے کام کے ہیں کر رہے جھمیل

ناتا ہو یاں سو ناتھ جو رشتہ ہو سو نکیل ‫ —‬ جو غم پڑے سو اُس کو تو اپنے ہی تن پہ جھیل

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

نہ سے

یہ صورتیں جو دیکھے ہے مست ان سے دل لگا ‫ —‬ بڑ میں یہ سوتیاں اُٹھیں ای یار مست جگا
شجرہ کلاہ پھینک اُڑا دے جھگا تنگا ‫ —‬ آگے کو چھوڑ ناتھ نہ پیچھے کو رکھ پگا

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

جب تو ہوا فقیر تو ناتا کسی سے کیا ‫ —‬ چھوڑا کٹم تو پھر رہا رشتا کسی سے کیا
مطلب بھلا فقیر کو بابا کسی سے کیا ‫ —‬ دلبر کو اپنے چھوڑ کے ملنا کسی سے کیا

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

تیری نہ یہ زمین ہے نے تیرا آسماں ‫ —‬ تیرا نہ گھر نہ بار نہ تیرا یہ جسم و جاں
اُس کے سوا کہ جس پہ ہوا تو فقیر یاں ‫ —‬ کوئی ترا رفیق نہ ساتھی نہ مہرباں

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دیتا ہو دل کو اپنے تو دے اُس کسی کو ہات ‫ —‬ جس یار سے کہ ہو ترے جیتے موے کا سات
اور یہ جو تجھ سے کرتے ہیں مل مل کے میٹھی بات ‫ —‬ مارا پڑے گا دیکھ نہ کھا ان کی آٹ گھات

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

یہ الفتیں کہ ساتھ ترے آٹھ پہر ہیں ‫ —‬ یہ الفتیں نہیں ہیں مری جان قہر ہیں
جتنے یہ شہر دیکھے ہیں جادو کے شہر ہیں ‫ —‬ جتنی مٹھائیاں ہیں مری جان زہر ہیں

لہ تو بڑی جو ایک جا ہو۔ بیل ایک قسم کو جا۔ عموماً اس کو بیلا کہتے ہیں اور یہ کسی قدر [illegible] سے مشابہ ہوتا ہے ۱۲
کہ بجرہ زنبور جسکو اب عموماً بھڑ کہتے ہیں ۱۲
سہ اسی کو عوام اپنے محاورے میں شجرہ گگڑ (یا شجرہ گگر) کہتے ہیں ۱۲
کہ جھگا۔ لباس اوپر پہننے کا کپڑا پیراہن کفنی تنگا بطور تابع مہمل کے مستعمل ہوتا ہے لیکن اصل میں یہ ٹنگا ہے اور اس سے مراد سیلی جو فقیر گلے میں پہنتے ہیں جھگا تنگا۔ لباس درویشی مع کفنی و سیلی ۱۲
ھہ پگا جس کو عموماً پگھا بھی کہتے ہیں وہ مضبوط رسّا جو کہ بیل کے گلے میں باندھا جاتا ہے۔ یہ مصرعہ ایک مشہور مثل سے ماخوذ ہے ۱۲
ٹہ کٹم خاندان اہل قرابت رشتہ دار ۱۲
شہ آٹ گھات کا تابع مہمل مقوم ۱۲ شہباز

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

خوباں کے یہ جو چاند سے منہ پر کھلے ہیں بال
یہ بال بال اب ہے تری جان کا وبال
مارا ہے تیرے واسطے صیاد نے یہ جال
پھنسیو خدا کے واسطے اس میں نہ دیکھ بھال

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

جس کا تو ہے فقیر اسی کو سمجھ تو یار
دیوے تو لے وہی جو نہ دیوے تو دم نہ مار
مانگے تو مانگ اس سے ہی کیا نقد کیا اُدھار
اُس کے سوا کسی سے نہ رکھ اپنا کاروبار

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا اسے نہ جان یہ دریا ہے قہر وار
جب تو بہا تو پھر نہ ملے گا تجھے کنار
لاکھوں میں اس سے کوئی اُتر کر ہوا نہ پار
ملاح یاں نہ ناؤ نہ بلّی[1] ہے میرے یار

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا نہ کہہ اسے یہ طلسمات ہے میاں
شکلیں جو دیکھتا ہے یہ جادو کی ہیں عیاں
یہ جانور یہ باغ یہ گلزار یہ مکاں
سب کچھ ترے بھٹکیں ہیں یہ دھوکے کی ٹٹیاں

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

کیا فائدہ اگر تو ہوا نام کا فقیر
ایسا ہی تھا تو فقر میں ناحق کیا اسیر
ہو کر فقیر تو بھی رہا جال میں اسیر
ہم تو اسی سخن کے ہیں قائل میاں نظیر

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل

[1] بلی چپو کو کہتے ہیں جس کی مدد سے ملاح ناؤ کھیتے ہیں ۱۲ شہباز

یاں تو بنڑی نہ بیل پڑا ہے سر پہ کھیل

(۱۵)

توکّل[ـه]

نہ کس میدہد نہ کس بدہد + خدا میدہد خدا میدہد

اے دل کہیں تو جا کے نہ اپنی زباں ہلائے
اور دردِ دل کا اپنے کسی کو تو مت سنائے
مانگ اُس سے جسکے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کے کھائے
مشہور یہ مثل ہے کہوں کیا میں تجھ سے ہائے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

قادر قدیر خالق و حاکم حکیم ہے
مالک ملیک حی توانا قدیم ہے
دونوں جہاں میں ذات اسی کی کریم ہے
یعنے اُسی کا نام غفورٌ رحیم ہے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

سُتّار ذوالجلال خداوند کردگار
رزّاق کارساز مددگار و دستدار
انسان جنّ و دیو و پری فیل و مور و مار
جاری اُسی کے ہاتھ سے ہیں سب کے کاروبار

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

کہنے کے تئیں اگرچہ وہ اب بے نیاز ہے
پر سب نیازمندوں کا اُس پر ہی ناز ہے
جتنے ہیں بندے سب کا وہ بندہ نواز ہے
جتنی ہے خلق سب کا وہی کارساز ہے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے

ـه اس نظم کا قدیم عنوان یہ ہے "خدائے زمین و آسماں کے انعام" دوسرا عنوان یہ بھی ہو سکتا ہے "وہ معطی حقیقی خدا ہے" لیکن پوری نظم سے جو تعلیم نکلتی ہے وہ توکل کی ہے۔ لہٰذا دونوں پر توکل کو ترجیح دی گئی ۱۲ شہباز

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اہل جہاں ہیں جتنے تو ان سب کا چھوڑ ساتھ
دو ہاتھ والے جتنے ہیں ان سب سے موڑ ہاتھ
نے پاؤں پڑ کسی کے تو اے دل نہ جوڑ ہاتھ
اُس سے ہی مانگ جس کے ہیں اب سو کروڑ ہاتھ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اُس کے سوا کسی کے گر تو جائے گا
شرمندہ ہو کے یوں ہی تو خالی پھر آئے گا
اس آبرو کو اپنی تو ناحق گنوائے گا
بن حکم اُس کے یار تو اک جو نہ پائے گا

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زر سیم لعل دُر کو تو بارے اسی سے مانگ
پیسا بھی مانگنا ہو تو جا رے اُسی سے مانگ
صندوق مال دھن کے پٹارے اُسی سے مانگ
کوڑی بھی مانگنی ہے تو پیارے اسی سے مانگ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

نعمت مٹھائی شیر و شکر نان اُسی سے مانگ
کمخاب تاش گاڑھا گزی ہاں اُسی سے مانگ
کوڑی کی ہلدی مرچ بھی ہر آن اُسی سے مانگ
جو تجھ کو چاہیے سو مری جان اُسی سے مانگ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

گر وہ دلایا چاہے تو دشمن سے لا دلائے
بن حکم اُس کے روٹی کا ٹکڑا نہ ہاتھ آئے
اور جو نہ دے تو دوست بھی پھر اپنا منہ چھپائے
گر چلو پانی مانگو تو ہرگز نہ کوئی پلائے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار جس کو سمجھا ہے تو سیٹھ ساہوکار
ہرگز کسی کے سامنے مت ہاتھ کو پسار
یہ سب اُسی سے مانگیں ہیں دن رات بار بار
پوری تری اُسی کے دیے سے پڑے گی یار

غیر از خدا کے کس میں یہ قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار مالدار کے مت پھر تو آس پاس
ماں باپ یار دوست جگر سب ہو نراس
محتاجگی سے آپ وہ بیٹھا ہو جی اداس
ہر دم اُسی کریم کی رکھ دل میں اپنے آس

غیر از خدا کے کس میں یہ قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

عمدہ ہیں جتنے خلق میں کیا شاہ کیا وزیر
کیا گنج و ملک و مال و مکاں تاج کیا سریر
اللہ ہی ہے غنی میاں اور ہیں یہ سب فقیر
جو مانگنا ہے اُس سے ہی مانگو میاں نظیر

غیر از خدا کے کس میں یہ قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

(١٠٦)

ترک و تجرید

بھرے ہیں کیا اُلٹ پلٹ کر کسی ہی کر یہ دم کسی کے
کسی پہ لطف و کرم کسی کے کسی پہ ظلم و ستم کسی کے
کوئی کرے ہے کسی کی منت کوئی ہے چومے قدم کسی کے
کسے پڑی ہے میاں غرض اب جو کوئی کھوئے بھرم کسی کے

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

نہ کوئی طالب ہوا ہمارا نہ ہم نے دل سے کسی کو چاہا
نہ ہم نے بویا نہ ہم نے کاٹا نہ ہم نے جوتا نہ ہم نے گاہا
نہ ہم نے دیکھی خوشی کی لہریں نہ درد و غم سے کبھی کراہا
اُٹھا جو دل سے بھرم کا پردہ تو اسکے اُٹھتے ہی پھر اہاہا

[illegible]

لہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف اللہ غنی وانتم الفقراء

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

یہ بات کل کی ہے جو ہمارا کوئی تھا اپنا کوئی بگانا
کسی کے بیٹے کا کسی پہ کوٹھا کسی پہ پیاسا کسی پہ چھانا
کہیں تھے تانا کہیں تھے پوتے کہیں تھے دادا کہیں تھے نانا
اٹھا جو دل سے بھرم کا تھانا تو پھر جبھی سے یہ ہم نے جانا

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

پر اب دیکھو ابھی ہیں تھے کسی کے آقا کسی کے نوکر
کہیں تھے ملا کہیں سپاہی کہیں تھے بیٹے کہیں کمانگر
کسی کے بندے کسی کے چیلے کسی کے خادم کسی کے چاکر
کھلی جو آکر بھرم کی گٹھری تو سب وہ قصے ہوئے برابر

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

ابھی ہماری بڑی کہاں تھی ابھی ہمارا بڑا حسب تھا
بڑی تھی ذات اور بڑی صفات اور بڑا حسب اور بڑا نسب تھا
کہیں خوشامد کہیں پر آمد کہیں تواضع کہیں ادب تھا
خودی کے مٹتے ہی پھر جو دیکھا تو کچھ حسب تھا نہ کچھ نسب تھا

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

ابھی ہمارے تھے یار کتنے ہمیں بھی ان سے تھی اک محبت
کسی سے مہر اور کسی سے کینہ کسی سے ناتا کہیں قرابت
کہیں مروت کہیں فتوت کہیں خصومت کہیں عداوت
اٹھی جو دل سے بھرم کی ٹٹی تو پھر یہ دیکھی خدا کی قدرت

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

نہ ہم نے کی یاں فقیری تب تک نہ ہم نے کی یاں جہاں پناہی
نہ ہم نے اپنا بناؤ دیکھا نہ ہم نے دیکھی کبھی تباہی
نہ فوجداری نہ ملک گیری نہ کچھ وزیری نہ بادشاہی
یہ سب بھرم کا بنا تھا نقشہ بھرم کی ٹٹی ہر یا الٰہی

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے

عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

پہاڑ صحرا و جھاڑ بوٹے گھر ٹے ہیں زمیں و سما ہوئے سب
ستارے لاکھوں چمک رہے تھے ہیں تجلی نور و ضیا ہوئے سب
بھرم کے اٹھتے ہی چھوڑ بھاگے جو بھوت جن تھے بچھو اژدہے سب
کسی کا نام و نشاں نہ باقی رہا الٰہی یہ کیا ہوئے سب

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

ابھی یہ ڈھب تھا کسی کو دیکھے کبھی کے پاؤں پہ جا کے پڑ لیے
کسی سے حق پر فساد کیجیے کسی سے ناحق پہ جا کے لڑ لیے
ابھی یہ دشمن بنی نظیرؔ دلمیں کہیں بگڑ لیے کہیں جھگڑ لیے
دوئی کے اٹھتے ہی پھر یہ دیکھا کہ اب جو لڑ لیے تو کس سے لڑ لیے

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

(۱۰۷)

تلقین توحید

خدا کی خدائی تمام خدائی سے ظاہر ہے

تنہا نہ اُسے اپنے دل تنگ میں پہچان
ہر باغ میں ہر دشت میں ہر سنگ میں پہچان
بے رنگ میں با رنگ میں نیرنگ میں پہچان
منزل میں مقامات میں فرسنگ میں پہچان

نت روم میں اور ہند میں اور زنگ میں پہچان
ہر راہ میں ہر ساتھ میں ہر سنگ میں پہچان
ہر عزم ارادے میں ہر آہنگ میں پہچان
ہر دھوم میں ہر صلح میں ہر جنگ میں پہچان

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

پھل پات کہیں شاخ کہیں پھول کہیں بیل
نرگس کہیں سوسن کہیں بیلا کہیں رابیلؔ

لہ یہ نظم نظیر کی اچھی نظموں میں ہے۔ اعلیٰ درجے کی شاعری اعلیٰ درجہ کے خیالات تصوف سے نہایت عمدگی کے ساتھ شیر و شکر ہو کر کلام میں کہیں پست و بلند کہیں نشیب کچھ اقبال کی نشیب سے ملتی جلتی ہے ۱۲ شہباز علی لہ رائے بیل کو ایفائے شعری رابیل کر لیا ہے اور وہ بیلے کی ایک قسم ہے ۱۲ شہباز

آزاد کوئی سب سے کسی کا ہے کہیں میل
کرتا ہے کوئی ظلم کو لیتا ہے کوئی جھیل
ادنیٰ کوئی اعلیٰ کوئی سوکھا کوئی ڈنڈ پیل
ملتا ہے کوئی راکھ چنبیلی کا کوئی تیل
باندھے کہیں تلوار اُٹھاتا ہے کہیں سیل
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں یہ سب کھیل

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

گاتا ہے کوئی شوق میں کرتا ہے کوئی حال
ہنستا ہے کوئی شاد کسی کا ہے بُرا حال
ناچے ہے کوئی شوخ بجاتا ہے کوئی تال
کرتا ہے کوئی ناز دکھاتا ہے کوئی بال
پھانکے ہے کوئی خاک اُڑاتا ہے کوئی مال
روتا ہے کوئی ہو کے غم و درد میں پامال
پہنے ہے کوئی چیتھڑے اوڑھے ہے کوئی شال
جب غور سے دیکھا تو اُسی کی ہیں یہ سب چال

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآن بغل مار
پہونچا ہے کوئی پار پٹکتا ہے کوئی وار
عاجز کوئی بیکس کوئی ظالم کوئی لٹھ مار
زخمی کوئی ماندا کوئی اچھا کوئی بدکار
کہتا ہے کوئی دیر میں پوتھی کے سماچار[1]
بیٹھا ہے کوئی عیش میں پھرتا ہے کوئی زار
مفلس کوئی ناچار تونگر کوئی زردار
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں یہ سب اسرار

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ہے کوئی کوئی دوست کوئی جان کا دشمن
مالا کوئی جپتا ہے کوئی شوق میں سُمرن
نکلے ہے جواہر سے کوئی پہن کے ابرن
جوگی کوئی بھوگی کوئی سوگی کوئی سوگن
بیٹھا ہے پہاڑوں میں کوئی پھرتا ہے بن بن
چھوڑے ہے کوئی مال سمیٹے ہے کوئی دھن
لوٹے ہے کوئی خاک میں، درد کے ملا تن
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں یہ سب فن

[1] سماچار حالات روایات معقایں مع بھوگی تمتع از دستل و دنیا کے حصہ کو فی رکھنے دو جو لذات عیش و عشرت میں لگا رہے عیاش یہ لفظ جوگی کا مقابل ہر جس معنی ہیں زاہد متورع زیر ... کے عکس سے ہے فقرا کا بھی کوئی گروہ ہو وہ ترک لذات عیش عشرت کو چھوڑ کر زندگی بناتا ہو جس طرح یورپ میں ایکیور کے پیرو ۱۲ منہاز

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

سردی کہیں گرمی کہیں جاڑا کہیں برسات
حوریں کہیں غلماں کہیں پریاں کہیں جنات
سختی کہیں راحت کہیں گردش کہیں سکنات
تارے کہیں سورج کہیں برج اور کہیں آنات

دوزخ کہیں بیکنٹھ کہیں ارض و سموات
اوجڑ کہیں بستی کہیں جنگل کہیں زیوات ۱؎
شادی کہیں ماتم کہیں نور اور کہیں ظلمات
جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں طلسمات

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

بیچے ہے جواہر کوئی زر سیم طلا رانگ
دیتا ہے کوئی ہاتھ سے لیتا ہے کوئی مانگ
ٹھہرا ہے کوئی چور لگاتا ہے کوئی ٹھانگ ۳؎
گھنٹا ہے کہیں جھانجھ کہیں سنکھ کہیں بانگ

مارے کوئی پارے کو بنا دے کوئی مرگانک ۲؎
محتاج کوئی قوت کا رکھتا ہے کوئی دانگ
لتا ہے کوئی پوست ۴؎ کو چھانے ہے کوئی بھانگ
جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں سب انگ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ناری کوئی بادی کوئی خاکی کوئی آبی
باتیں کوئی بیٹھا ہوا کرتا ہے کتابی
مارے ہے زٹل کوئی کہیں جیب ۵؎ ہے دابی
کالا کوئی گورا کوئی پیلا کوئی آبی

صوفی کوئی زاہد کوئی بدمست شرابی
پیتا ہے کوئی کیف کوئی مے کی گلابی
سچا کوئی جھوٹا ہے کوئی رند خرابی
ہیں اس کی ہی قدرت کے یہ سب لال گلابی

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

کیا حسن کہیں پایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا عشق کہیں چھایا ہے اللہ ہی اللہ

۱؎ جتنے نسخے نظر سے گزرے سب میں زیوات لکھا ہوا ہے مگر میرے خیال میں یہ ریوات کی تصحیف ہے ریوات صحیح ہے ریوہ کی جمع بمعنی بلندی اور ٹیلے کے ہیں پروفیسر شہباز ۲؎ میرے نزدیک شاید صحیح بیہات ہو۔ اسی سے مرگانک ہندی میں کشتہ کو کہتے ہیں ۱۲ ۳؎ تھانگ چوروں کا مسکن ٹھانگ لگانا چوروں کو پناہ دینی اور ان سے حصہ لینا اور پناہ دہی کا دینا و دستور چوری کا مال لینا ۱۲ ۴؎ پوست لتا افیون کا جو چھلکا ہے کرنا پوست افیون ۔ زوال افیون ۔ نقیع افیون ۔ افیون کی جگہ کی ۵؎ جیب زبان جیب ہے دابی کنایہ بعض ہے ۱۲ شہباز

کیا رنگ یہ رنگوایا ہے اللہ ہی اللہ | کیا نور یہ جھمکایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا دھوپ ہے کیا سایا ہے اللہ ہی اللہ | کیا مہر ہے کیا مایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا ٹھاٹھ یہ ٹھہرایا ہے اللہ ہی اللہ | کیا بھید نظر آیا ہے اللہ ہی اللہ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

(١٠٨)

تسلیم و رضا

جو فقر میں پورے ہیں وہ ہر حال میں خوش ہیں | ہر کام میں ہر دام میں ہر حال میں خوش ہیں
گر مال دیا یار نے تو مال میں خوش ہیں | بے زر جو کیا تو اسی احوال میں خوش ہیں

افلاس میں ادبار میں اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

چہرے پہ ملالت نہ جگر میں اثر غم | ماتھے پہ کہیں چین نہ ابرو میں کہیں خم
شکوہ نہ زباں پر نہ کبھی چشم ہوئی نم | غم میں بھی وہی عیش الم میں بھی وہی دم

ہر بات ہر اوقات ہر افعال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر یار کی مرضی ہوئی سر جوڑ کے بیٹھے | گھر بار چھڑایا تو وہیں چھوڑ کے بیٹھے
موڑا انھیں جید ھر وہیں منھ جوڑ کے بیٹھے | گدڑی جو سلائی تو وہی اوڑھ کے بیٹھے

اور شال اڑھائی تو اسی شال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اس نے دیا غم تو اسی غم میں رہے خوش | اور اس نے جو ماتم دیا ماتم میں رہے خوش

لہ مایا: مرشفقت لیکن بیسوی معنی [illegible] اصطلاحی معنی تعریف مستوو میں اس کے بہت گہرے ہیں یا اس میں ایک خاص قسم کے مغالطے اور دھوکے کا نام ہے جس کو علم خیالی تعبیر کیا جاسکتا ہے وہ دھوکا جو انسان کو خداوند قادر کی نیرنگی قدرت سے پیدا ہوتا ہے یعنی وہ دیکھتا ہے کہ عالم خارج میں اشیا وجود رکھتی ہیں حالانکہ غیر از خیال ان کا کوئی وجود فی الخارج نہیں اور یہ حالت خدا نے براہ شفقت انسان کی تسلی کے لیے پیدا کر رکھی ہے ۱۲ ستہ اس نظم کا مشہور نام خوشحال نامہ ہے جو عبدالرحمن خان شاکر نے اسی نام سے اسکو شائع کیا تھا ستہ اول الذکر میں اسکے صرف آٹھ بند ہیں ۱۲ شہباز

کھانے کو ملا کم تو اسی کم میں رہے خوش — جس طور کہا اُس نے اُس عالم میں رہے خوش

دکھ درد میں آفات میں جنجال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

جینے کا نہ اندوہ نہ مرنے کا ذرا غم — یک ساں ہے انھیں زندگی اور موت کا عالم
واقف نہ برس سے نہ مہینے سے وہ اک دم — نہ شب کی مصیبت نہ کبھی روز کا ماتم

دن رات گھڑی پہر مہ و سال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اس نے اُڑھایا تو لیا اوڑھ دوشالا — کمل جو دیا تو وہی کاندھے پہ سنبھالا
چادر جو اُڑھائی تو وہی ہو گئی بالا — بند ھوائی لنگوٹی تو وہی ہنس کے کہا لا

پوشاک میں دستار میں رومال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر کھاٹ بچھانے کو ملی کھاٹ میں سوئے — دوکاں میں سُلایا تو وہ جا ہاٹ میں سوئے
رستے میں کہا سو تو وہ جا باٹ میں سوئے — گر ٹاٹ بچھانے کو دیا ٹاٹ میں سوئے

اور کھال بچھا دی تو اسی کھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

پیادے کو دیا ہاتھ تو ہو نکلے بھکاری — بٹھلا کے کھلایا تو وہیں عمر گزاری
میانے پہ چڑھایا تو لگے کرنے سواری — اور پاؤں چلایا تو وہی بات سنواری

جس چال میں رکھا وہ اسی چال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر سونٹھ منگادی تو وہی چاب لی خوش ہو — اور جوار بھنادی تو وہی چاب لی خوش ہو
سوکھی جو دلادی تو وہی چاب لی خوش ہو — روکھی جو اُٹھادی تو وہی چاب لی خوش ہو

اور دال کھلائی تو اسی دال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

پانی جو ملا پی لیا جس طور کا پایا
دی بھوک اگر یار نے تو بھوک کو مارا
روٹی جو ملی تو کیا روٹی میں گذارا
دل شاد رہے کر کے کڑاکے پہ کڑاکا
اور چھال چبائی تو اسی چھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اس نے کہا سیر کرو جا کے جہاں کی
کچھ دشت و بیاباں میں خبر تن کی نہ جاں کی
تو پھرنے لگے جنگل و بر مار کے جھانکی[۱]
اور پھر جو کہا سیر کرو حسن بتاں کی
تو چشم و رخ و زلف و خط و خال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

قشقے کا ہوا حکم تو قشقہ وہیں کھینچا
آزاد کہا ہو تو وہیں سر کو منڈایا
جبے کی رضا دیکھی تو جبہ وہیں پہنا
جو رنگ کہا اس نے وہی رنگ رنگایا
کیا نند میں کیا سبز میں کیا لال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

چادر جو اڑھائی تو جتی[۲] ہو گئے یک بار
منھ باندھ کے نکلو تو وہیں ہو گئے تیار
باہر کو چلے فقر کی جھولی کو بغل مار
سر گھونٹ منڈاؤ تو کیا پھر وہی بستار[۳]
سب پیچ میں سب چال میں سب حال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

کچھ ان کو طلب گھر کی نہ باہر سے انھیں کام
اشغل[۴] کی ہوس دل میں نہ مندر سے انھیں کام
تکیے کی نہ خواہش ہے نہ بستر سے انھیں کام
مفلس سے نہ مطلب نہ تونگر سے انھیں کام
میدان میں بازار میں چوپال[۵] میں خوش ہیں

۱؎ جھانکی: تانک، نظارہ کرنا۔ دیدہ حاصل کرنا
۲؎ اسی سے جتی یا جتیا نفس کش فقیر بے نظیر کی ایک قسم ہے ۱۲
۳؎ بستار کے معنی افراط، فراوانی۔ جتیات لکھے ہیں۔ وہی بستار کیا یعنی اسی کی کثرت کر دی۔ سر سے پانگ منڈوا ہی ڈالا۔ کہیں ایک بال بھی جسم پر نہ رکھا
۴؎ اشغل: فقرا کے رہنے کی جگہ۔ ایک قسم کی خانقاہ جس میں فقرا آباد رہتے ہیں اور کچھ انھیں نیا ہیں پڑھتا۔ ہندو فقیروں کی خانقاہ ۱۲
۵؎ چوپال: جو پال (چوپال) گاؤں میں لوگوں کے جمع ہونے کی عام جگہ۔ بستی میں کوئی مکان جس میں سب لوگ کسی مقصد عمومی کے لیے جمع ہوں۔ جماعت خانہ بڑے بڑے اچھے ہیں یہ لکھے ہوتے ہیں۔ پرانی دنیا کا وہ ان مل دیہات میں کبھی کبھی اس مکان سے بارسلے اور مکتب خانے کا کام بھی لیا جاتا ہے ۱۲ شہباز۔

پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

اُن کے تو جہاں میں عجب عالم ہیں نظیرؔ آہ
اب ایسے تو دنیا میں ولی کم ہیں نظیرؔ آہ
کیا جانے فرشتے ہیں کہ آدم ہیں نظیرؔ آہ
ہر وقت میں ہر آن میں خُرّم ہیں نظیرؔ آہ
جس ڈھال میں رکھا وہ اُسی ڈھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

(۱۰۹)

دم غنیمت ہے

دیکھ ٹک غافل چمن کو گلفشانی پھر کہاں
یہ بہارِ عشق یہ شورِ جوانی پھر کہاں
ساقی و مطرب شراب ارغوانی پھر کہاں
عیش کر خوباں میں اے دل شادمانی پھر کہاں
شادمانی گر ہوئی تو زندگانی پھر کہاں

یہ جو یاں کے گل بدن ملتے ہیں سو گھات سے
کچھ مزے کچھ لوٹ حظ ان گلرخوں کی ذات سے
ایک دم ہرگز جدا مت ہو تو اُن کے سات سے
جس قدر پینا ہو پانی پی لے ان کے ہات سے
اب جنّت تو بہت ہو گا یہ پانی پھر کہاں

یہ جو لڑ وے ہو کے ہم کو اب جھڑکتے ہیں یہاں
ان کی تلخی میں ہزاروں ہیں بھری شیرینیاں
اُٹھ سکے جب تک اُٹھا اے دل تو ان کی سختیاں
لذتیں جنّت کے میوے کی بہت ہونگی وہاں
پر یہ میٹھی گالیاں خوباں کی کھانی پھر کہاں

یہ جو پھرتے ہیں سنہری سبز پوشاکیں کیے
خاک ہو تو بھی لگا رہ ان کے تو دامان سے
ان کی پوشاکوں کی رنگت کو غنیمت جان لے
واں تو مُلتے ہیں وے یہ جوڑے زنگار رنگ کے
سوسنی سوہی گلابی زعفرانی پھر کہاں

رہ وہیں اے دل سدا محبوب رہتے ہیں جہاں
کر لے اُن کی خدمتیں ہر دم دل و جاں سے میاں

سلہ یہ بند اور بند ۲ دو ے متداول نسخوں میں نہیں ہیں ۱۲ شہباز

جو تجھے دیویں سوے رے اد غنیمت اس کو جان — واں تو ہاں حوروں کے گننے کے بہت ہونگے نشاں
ان پریزادوں کے چھیلوں کی نشانی پھر کہاں

منھ جو دکھلاتے ہیں خوباں دم بدم اب تو ٹک چوڑ — دیکھ غافل ان کے تو جور و جفا سے منھ نہ موڑ
جس گھڑی آکر فنا اپنی دکھاوے گی مڑ وڑ — پھر تو اک دم میں چلا جاوے گا تو ان سب کو چھوڑ
یہ ہٹیلے دل رُبا محبوب جانی پھر کہاں

حسن خوباں کی جہاں کچھ ہو رہی ہو داستاں — کان رکھ کر سن اُسے اور یاد رکھ ہر دم میاں
ان کی اک اک بات کا سننا تجھے لازم ہے جاں — واں تو قصے حور و غلماں کے بہت ہونگے بیاں
ان کی پر زلف و کمر کی یہ کہانی پھر کہاں

ہو سکے جس طور سن لے دوستوں کی واردات — اور بیاں کر آگے آنکھے ہوں جو تجھ پر مشکلات
جس گھڑی آئی فنا کوئی نہ پھر پوچھے گا بات — الفت و مہر و محبت سب ہے جیتے جی کے سات
مہرباں ہی اُٹھ گئے پھر مہربانی پھر کہاں

اب جو آغاز جوانی کی بہاریں ہیں میاں — عیش و عشرت میں اُڑا لے زندگی کی خوبیاں
پی نشے دھو میں مچا کر سیر باغ و بوستاں — واعظ و ناصح کہیں تو اُن کے کہنے کو نہ مان
دم غنیمت ہے میاں یہ نوجوانی پھر کہاں

ہو کے ہر دم خوبرویوں کی محبت میں اسیر — کھا نگاہ سرمہ سا کے ناوکوں کے دل پہ تیر
وصف اب ان کا جو کرنا ہے سو کر لے دل پذیر — جا پڑے چپ ہو کے جب شہر خموشاں میں نظیر
یہ غزل یہ ریختہ یہ شعر خوانی پھر کہاں

(١١٠)

تلقین ریاضت

لہجۂ فقیرانہ

دلا تو کہنے کو میرے یقین جان میاں — جو بات تجھ سے کہوں میں اُسے تو مان میاں
نہ کھو تو عمر کو غفلت میں ہر زمان میاں — دہن میں پھرتی ہے جب تک ترے زبان میاں
خدا کا نام لیا کر تو آن آن میاں

ملی جہاں میں تجھے یہ جو زندگانی ہے — ہر چند روزہ ہے اک جہاں نہ جاودانی ہے
عبادت اُس کی یہاں دل میں جس نے ٹھانی ہے — اُسی کو دونوں جہاں بیچ شادمانی ہے
وہی تو کر جو رہے تو بھی شادمان میاں

جو ہر طرح تو عبادت میں دل لگاوے گا — تو یاں بھی خوش رہے گا واں بھی خوش تو جاویگا
ہزاروں فائدے دل خواہ اس میں پاویگا — اور اپنی عمر جو غفلت میں تو گنواوے گا
تو اس میں ہوگا نہایت ترا زیان میاں

نماز پڑھ کے ذرا صنع کے چمن کو دیکھ — بہار باغ عنایات ذوالمنن کو دیکھ
ریاض روح کو اور گلستان تن کو دیکھ — نعیم و راحت و آرام و پیرہن کو دیکھ
کہ ہیں خدا کے یہ الطاف بیکران میاں

لبوں کو زیب دے قرآں کی تلاوت سے — خبر جو ہو تجھے افضال کی بشارت سے
خوشی ہو دل کو ترے خلد کی طہارت سے — بدن کا حسن بڑھا طاعت و عبادت سے
اسی میں خوبی ہے تیری ہر مکان میاں

کیے گناہ جو رنج و عذاب دیکھے گا — بروز حشر بہت پیچ و تاب دیکھے گا

وگر صواب کرے گا ثواب دیکھے گا
خوشی سے اپنے تئیں کامیاب دیکھے گا
ہمیشہ حسن عمل سے لگا تو دھیان میاں

یہ زندگی ہے غنیمت اسے تو مفت نہ کھو
یہ دنیا مزرعۂ[1] عقبیٰ ہے اس میں نیکی بو
خدا کا شکر بجا لا ہر اک طرح خوش ہو
کہا نظیر نے جو کچھ تو یاد رکھ اس کو
اسی میں تیری سعادت کا ہے نشان میاں

(۱۱۱)

وجد و حال

کیا علم انھوں نے سیکھ لیے جو بن لکھے کو بانچے ہیں
دل ان کے تار ستاروں کے تن ان کے طبل طمانچے ہیں
اور بات نہیں منھ سے نکلے بن ہونٹھ ہلائے جانچے ہیں
منھ چنگ زباں دل سارنگی پا گھنگرو ہاتھ کمانچے ہیں
ہیں اگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُرتال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

کل باجے بجکر ٹوٹ گئے آواز لگی جب لہرانے
سنگیت انھیں یہ سنگ ہوئے ہوتے بھی جس سے نرت ملانے
اور چھم چھم گھنگرو بند ہوئے تب گت کا انت لگے پانے
یہ ناچ کوئی کیا پہچانے اس ناچ کو ناچے سو جانے
ہیں اگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُرتال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

جب ہاتھ کو دھویا ہاتھوں سے جب ہاتھ لگے تھرکانے کو
جب آنکھ اٹھائی ہستی سے جب نین لگے مٹکانے کو
اور پاؤں کو کھینچا پاؤں سے جب تب جی دوں لگے گت پانے کو
سب کا چھچھے کھیچے سب ناچ نچے اس سیا چھیل رجھانے کو
ہیں اگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُرتال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

سب گھٹنا بڑھنا پھینک اٹھے اور دھیان ادھر دھرتے ہیں
بن تاروں تار ملاتے ہیں جب نرت نرالا کرتے ہیں

ﻟﮧ اشارہ ہے اس حدیث
کی طرف الدنیا مزرعۃ
الآخرۃ ۲؎ بجانا
پڑھا ۳؎ انجان
حال جبر سراغ
۴؎ گھنے اور زیبے
کو فن ۵؎ فارسی
نے توڑے کے معنی
بازیگر اور نرت کے
لکھے ہیں لیکن حقیقت
میں ایک قوم ہے اس کا
پیشہ ناچنا ہے بعض ان میں
نہایت ہی اچھے ناچ
کے ناچنے والے
ہوتے ہیں ۶؎ انکار
انکار کرنا
ہار ماننا
وانی سے انکار کرنا
بوقا کسی تماشے میں
کرنا مثل ہے
کا چھچھے
کا بجے کر بضرورت
شعری کھیچے کر لیا
ہے جیسے ناچ
کو نچے ۹؎ شعر
نرت ناچ ۱۲
پروفیسر شباز

بن گہنے جھمک کھلاتے ہیں بن جوڑے من کو ہرتے ہیں — بن ہاتھوں بھاؤ بتاتے ہیں بن پاؤں کھڑے گت بھرتے ہیں

ہیں اُگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُرتال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

تھا جن کی خاطر ناچ کیا جب مورت اُن کی آئے گئی — کہیں آپ کہا کہیں ناچ کہا اور تان کہیں لہرائے گئی
جب چھیل چھبیلی سندر کی چھب نینوں اندر چھائے گئی — اک مورچھا گت سے آئے گئی اور جوت میں جوت سمائے گئی

ہیں اُگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُرتال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

سب ہوش بدن کا دور ہوا جب گت پر آ مردنگ بجی — تن بھنگ ہوا دل دنگ ہوا سب آن گئی بے آن سجی
یہ ناچا کونی نظیر اب یاں اور کس نے دیکھا ناچ اجی — جب بوند ملی جا دریا میں اس تان کا آخر نکلا جی

ہیں اُگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُرتال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

(۱۱۲)

ترغیب سخاوت و آزادگی

زردار ہے تو ہرگز مت مار اپنے من کو — تن زیب تن سکھوں سے ترسا نہ اپنے تن کو
جو ترچلن چلیں ہیں چل تو بھی اُس چلن کو — مرشد کا ہے یہ نکتہ رکھو یاد اس سخن کو

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جا بیٹھ میکدوں میں سب درد و غم سے ہٹ کر — جھمکا گلابی مے کی پیالی اُلٹ پلٹ کر
محبوب دل رُبا سے خوش ہو لپیٹ لپٹ کر — پی دودھ اور بتاسے میوہ مٹھائی چیٹ کر

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو

له پڑنا - لبھانا - موہ لینا ۱۲، که مورچھا غشی - بیہوشی - مورچھا آنا یا کھانا غش کھانا ۱۲، عه سرت کی بگڑی ہوئی صورت - خیال - یاد ۱۲ که نزاری کے ساتھ آتا ہے ہندی میں اسکے معنی مُرکے ہیں ۱۲ [illegible]

گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

کمخواب کیا دوشالہ کیا ریشمی دوسوتی ... گر شال کا لنگوٹا مشٹ رکھ قبا اچھوتی
بولے جو شوم بھڑوا مارو اس کے سر پہ جوتی ... دو دن تو دوستوں میں بلوالے اپنی طوطی

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

یہ نعمتیں ہیں جتنی جو کچھ ملے سو کھا جا ... تاش اور بادلے میں اک بار جگمگا جا
پاپی بخیل مت بن داتا سخی کہا جا ... اک دم تو اپنا ڈنکا من مانتا بجا جا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

یاں کا یہی مزا ہے کھانا دیا کھلانا ... بھوکے کو ڈال روٹی ننگے کو کچھ اڑھانا
سب اس گھڑی اڑا لے جو تجھ کو ہو اڑانا ... غافل پھر اس گلی میں تجھ کو نہیں ہے آنا

لہ یہ بند اور بند ۵-۶-۷-۸-۱۲ متداول نسخوں میں نہیں ہیں ۱۲

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو گل بدن ہیں روٹھے زر دے انھیں منالے ... بوسہ انھوں کا لے کر سینے سے پھر لگالے
ہنس لے ہنسالے ہر دم دے لے دلالے کھالے ... جو بن سکے سو اپنے جی کے مزے اڑالے

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو پاس ہے ذخیرہ مت رکھ وہ کونے اندر ... مسجد کنوئیں بنادے تالاب باغ مندر
دریا کہیں بہادے بن جا کہیں سمندر ... سب کچھ اڑا لٹا کر ہو رہ سدا قلندر

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

باغوں کی دیکھ سیریں بھر جام کے چھلکے
اور جہاں میلے ٹھیلے کر دھوم اور دھڑکے
آوے جو شوم بھڑوا کا ڈھو اسکو دیکھ ڈھلکے
تو شوق سے اڑا اے عیش و مزے جھمکے

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

صندوق میں جو زر ہے اسکو بھی لے گنوا دے
مے کے بہا کے تانے طبلوں کو کھڑکھڑا دے
کوٹھی مکاں حویلی سب کھود کر کھلا دے
کڑیوں تلک جلا دے اینٹوں تلک اڑا دے

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو جو بخیل کٹن زر چھوڑ کر مرے گا
یا کھائے گا جنوائی یا خالصے لگے گا
تیرا وہی ہے جو کچھ راہ خدا میں دے گا
کھاتا کھلاتا ہنستا تو بھی بسدا رہے گا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

گر آپڑے گا تجھ پہ کچھ حادثہ خلل کا
مالک پھر اور کوئی ٹھہرے گا تیرے ڈل کا
آگے سے دے دلا کے ہو رہ تو اس سے ہلکا
کر سوچ اپنے دل میں کچھ آج کا نہ کل کا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

زر جوڑ جوڑ اپنے تو پاس گر رکھے گا
یا چھین لے گا حاکم یا چور لے مرے گا
تیرا وہی ہے جو کچھ اب عیش کر چکے گا
جب وقت آ پکارا تب کچھ نہ بن سکے گا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جس نے یہ زر دیا ہے پھر وہی دھن بھی دیگا
مال و مکاں حویلی باغ و چمن بھی دے گا

سلہ کٹن قرساق یعنی دیوث پاجی۔ بیوڑا حرام زادہ۔
بخیل کنجوس مفسد
جنوائی۔ داماد
خالصے لگنا یعنی شہنشاہ ضبط ہونا
۱۲ سلہ بعض نسخوں میں دل لکھا ہے اور بعض میں ڈول کل
زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ عرف عام میں ڈول فقرہ کو کہتے ہیں وہ رہا کہ وہ رقم مقصود ہو
ڈال بڑی فوج کو کہتے ہیں اور اس کے معنی انبار اور مقدار کے بھی لکھے ہیں ۱۲ شہباز

جیتا رہے گا جب تک کھانے کو اُن بھی دیگا — مرجائے گا تو وہی تجھ کو کفن بھی دے گا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جتنے گڑے دبے ہیں سب کھائے اور کھلائے — رکھ دھن اسی کی دل میں اب کھائے اور کھلائے
اپنا سمجھ اسی کو جب کھائے اور کھلائے — اب تو نظیر تو بھی سب کھائے اور کھلائے

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

(۱۱۳)

آئینہ

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

لے آئینے کو ہاتھ میں اور بار بار دیکھ — صورت میں اپنی قدرت پروردگار دیکھ
خال سیاہ اور خط مشک بار دیکھ — زلف دراز و طرۂ عنبر نثار دیکھ

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ — نہ چشم
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

آئینہ کیا ہے جان ترا ایک صاف دل — اور خال کیا ہیں تیرے سویدا کے رخ کے تل
زلفِ دراز فہم رسا سے رہی ہے مل — لاکھوں طرح کے پھول رہے ہیں تجھی میں کھل

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

مشک تتار و مشک ختن بھی تجھی میں ہے — یاقوت سرخ و لعل یمن بھی تجھی میں ہے

نسرین و موتیا و سمن بھی تجھی میں ہے
القصہ کیا کہوں میں چمن بھی تجھی میں ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

سورج مکھی کے گل کی اگر دل میں تاب ہے
تو اپنے منھ کو دیکھ کہ خود آفتاب ہے
گل اور گلاب کا بھی تجھی میں حساب ہے
رخسار تیرا گل ہے پسینہ گلاب ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نرگس کے پھول پر تو نہ اپنا گمان کر
اور سرو سے بھی دل نہ لگا اپنا جان کر
اپنے سوا کسی پہ نہ ہرگز تو دھیان کر
یہ سب سما رہے ہیں تجھی میں تو آن کر

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نرگس وہ کیا ہے جان تری چشم خوش نگاہ
اور سرو کیا ہے یہ ترا قد دراز آہ
گر سیر باغ چاہے تو اپنی ہی کر تو چاہ
حق نے تجھی کو باغ بنایا ہے واہ واہ

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

گر دل میں تیرے قمری و بلبل کا دھیان ہے
تو ہونٹھ تیرے قمری ہیں بلبل زبان ہے
ہر تو ہی باغ اور تو ہی باغبان ہے
باغ و چمن ہیں جتنے تو اُن سب کی جان ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

بیلا گلاب سیوتی نسرین و نسترن
داؤدی جوہی لالہ و رابیل و یاسمن
جتنی جہاں میں پھولی ہیں پھولوں کی انجمن
یہ سب تجھی میں پھول رہے ہیں چمن چمن

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

باغ و چمن کے غنچہ و گل میں نہ ہو اسیر
اپنے تئیں تو دیکھو کہ کیا ہے ارے نظیر
قمری کی سن صفیر نہ بلبل کی سن صفیر
ہیں حرفِ مَن عَرَف کے یہی معنی اے نظیر

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

(۱۱۴)

گلدستۂ قدرت

دنیا کا چمن یارو ہے خوب یہ آراستہ
ہر پھول کے آنے کا جاری ہی سدا رستہ
سرسبز ہے اس کا ہر سبزہ یہ پیوستہ
ہر شاخ مقطّع ہے ہر برگ ہے برجستہ

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

یاں ارض و سما تارے جو آن کے جھولے ہیں
سب وحشی و طائر ہیں یا گھاس کے پولے ہیں
جن دیو پری آدم یا باد بگولے ہیں
کچھ اور نہیں یارو یہ گل ہی پھولے ہیں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

ہر شہر و دہ و قصبہ سب پھولوں کی ٹولیاں ہیں
دیوار و در و حجرے سب کیاریاں ڈھلیاں ہیں
کوچے ہیں سو تختے ہیں گلیاں ہیں سو کلیاں ہیں
اینٹ اینٹ میں ہر گھر کے کیا رنگ کی کیاریاں ہیں

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

ﮦ آراستہ آرستہ
کا مخفف ہے ایک
نسخہ اس کا ارستہ
بھی ہے ۔ اوّل الذکر
فصیح شعرا
کی زبان پر یوں
ہے مگر نظیر نے
اکثر یوں ہی لکھا
ہے اور شاید
باعتبار ماخذ یہی
صحیح اور باعتبار
استعمال یہی صحیح
ہے ۔ ؎ سانچے
کی ڈھلی کیاریاں
شہباز

انبوہ ہے غنچوں کا اور گل کی قطاریں ہیں
جو اپنی کھڑے ہو کر خوبی کو سنواریں ہیں
شاخوں کے تراکم ہیں برگوں کی بہاریں ہیں
سب اپنے ہی عالم میں دم حسن کا ماریں ہیں
دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

کہتا ہے گلاب ہر دم میں عطر سراسر ہوں
بیلا یہ پکارے ہے میں چاند کا پیکر ہوں
اور سیوتی کہتی ہے میں اُس سے معطر ہوں
گل اشرفی کہتی ہے وہ کیا ہے میں بہتر ہوں
دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

لالہ یہ سناتا ہے میں لعل کا پیالا ہوں
صد برگ یہ کہتا ہے سو درجہ میں بالا ہوں
سورج مکھی کہتی ہے میں اسکی بھی خالا ہوں
گل جعفری کہتی ہے میں اُس سے بھی اعلا ہوں
دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

نسرین و سمن شبّو گچھا ہے ثریا کا
رابیل چنبیلی بھی جلوہ ہے ڈلیا[۱] کا
نیلو فر و نافرماں ہے روپ کنھیّا کا
دم بھرتا ہے جنّت سے ہر پھول کٹیا کا
دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

کہتا ہے کنول ہر دم میں پاک نمازی ہوں
سوسن کی زباں بولی میں ترکی و تازی ہوں
اور موگرا کہتا ہے میں مرد ہوں غازی ہوں
گل باسی[۲] یہ کہتی ہے میں سب سے تازی ہوں
دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

مدھ مالتی ناگیسر اور مولسری کرنا
دوپہریا داؤدی گل چین کٹھل برنا[۳]

---

[۱] ڈلیا۔ غالباً یہ وہی پھول ہے جس کو انگریزی میں ڈہلیا کہتے ہیں پھول پیالے کی طرح بڑا بڑا زرد سرخ ہر قسم کا ہوتا ہے جو زرد ہوتا ہے اُس کا کنارہ سرخ ہوتا ہے اور جو سرخ ہوتا ہے اُس کا کنارہ زرد۔ متن و حاشیہ کا یہ خلاف اسے نہایت خوشنما کر کے دکھاتا ہے

[۲] گل باسی۔ گل عباسی مشہور لفظ کو یہاں الٹ دیا ہے اور تقابل باسی سے ایک تازہ لطف پیدا کیا ہے ۱۲

[۳] برنا۔ ایک درخت اور اس کے پھل کا نام جو گولر سے مشابہ اور مزے میں تلخ ہے۔ یہاں اس کا پھول مراد ہے ۱۲ شہانہ

نرگس بھی پکارے ہے مجھ پر یہ نظر کرنا | پیچھے کو سہاگن کے سو عشق کے دم بھرنا

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

گل کیوڑا کہتا ہے کیا مجھکو تراشا ہے | اور کیتکی کہتی ہے صندل کا تراشا ہے
اور موتیا شفتالو زر سیم کا ماشا ہے | اور رنگ حنا مخمل جو ہے سو تماشا ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

ڈیلے و کنیروں کی کیا پنکھڑی ڈھالی ہے | چنپا و چنپیا ہے یا موتی کی بالی ہے
بگلے و مدن بان کی کچھ بات نرالی ہے | گل چاندنی کہتی ہے میری ہی اجالی ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

دستار پہ گل طرہ کیا شان جماتا ہے | کلگا بھی اُدھر اپنی کلگی کو ہلاتا ہے
اور پھول نواڑے کا بجرے کو بڑھاتا ہے | جو گل ہے سو اپنے ہی جوبن کو دکھاتا ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

بن آگ[1] تری[2] ٹیسو[3] کیا پھول رہے بن بن | سرسوں ہو اڑو[4] سا ہے بھر اور رہی ہے سن بن
کہتا ہے پیا بانسا ہے حسن مرا سوسن | درسن یہ پکارے ہے آ دیکھ لے سکھ درسن

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دست سے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ

قدرت گر بنا جس نے اس باغ کی ڈالی ہے | کیا بولیں نظیر آگے کیا خوب وہ مالی ہے
کیا نخل کا ڈالا ہے کیا پھول کی ڈالی ہے | سب کا وہی وارث ہے سب کا وہی والی ہے

---

[1] باشا ایک پچھوٹا سا درخت ہے [2] رتی کو جس سے چاندی تولتے ہیں۔ اور رتی کو سرخ بھی کہتے ہیں اور چنجہ بھی۔ ہندی نام اس کا گھنگچی ہے عربی میں عین الدیک اور فارسی میں چشم خروس کہتے ہیں ۱۲ [3] بن ۔ روئی کا کھیت ۔ روئی کے درخت [4] آک ایک قسم کا درخت ہے جو کھرسا میں سرسبز رہتا ہے اور برسات میں اکثر اُس کے پتے گل جاتے ہیں اس کا دودھ زہری نکلنے اور دودھ ہوں میں ڈالنے کے کام آتا ہو۔ آگ کی جھاڑ آک کے پھول کی تری جو نہایت ملائم اور چکدار ہوتی ہو ۱۲ [5] ٹیسو۔ پلاس ڈھاک کا پھول جس میں سے زرد رنگ نکلتا ہو ۱۲ [6] اڑو سا ایک درخت ہو جو دوا کے کام آتا ہے ۱۲ شہباز۔

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سربستہ
کیا دستِ قدرت نے باندھا ہے یہ گلدستہ

(١١٥)

اسرارِ قدرت

جہاں میں کیا کیا خرد کے اپنی ہر اک بجاتا ہے شادیانے — کوئی حکیم اور کوئی مہندس کوئی ہے پنڈت کتھا کہانے
کوئی ہے عاقل کوئی ہے فاضل کوئی نجومی لگا کہانے — جو چاہو کوئی یہ بھید کھولے یہ سب ہیں حیلے یہ سب بہانے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں انا کڑوڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

ہوا کے اوپر یہ آسماں کا بیچ با خیمہ جو تن رہا ہے — نہ اسکی میخیں ہیں نہ طنابیں نہ اسکی چوبیں ادھر کھڑا ہے
ادھر ہے چاند اور ادھر ہے سورج ادھر ستارہ ادھر ہوا ہے — کسی کو مطلق خبر نہیں ہے کہ کب بنا ہے اور کاہے کا ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں انا کڑوڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

فلک تو کہنے کو دور ہے گا زمیں کا اب جو یہ بسترا ہے — کھڑے ہیں لاکھوں پہاڑ جسپر فلک سے سر جن کا جا لگا ہے
ہزاروں حکمت کا اک بچھونا یہ پانی اوپر جو بچھ رہا ہے — بہت حکیموں نے خاک چھانی کوئی نہ سمجھا یہ بھید کیا ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں انا کڑوڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

زمیں سے لیکر جو آسماں تک بھری ہے لاکھوں طرح کی خلقت — کہیں ہے ہاتھی کہیں ہے چیونٹی کہیں ہے رائی کہیں ہے پربت
یہ جتنے جلوے دکھا رہی ہے خدا کی صنعت خدا کی حکمت — جو چاہے کھولے یہ بھید اسکے کسی کو اتنی نہیں ہے قدرت

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں انا کڑوڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

کوئی جو پوچھے کسی سے جا کر یہ ملک کیا ہے اور کب بنا ہے
ارسطو لقمان اور فلاطوں ہر ایک سر کو ٹپک گیا ہے
جو جانتا ہو تو کچھ بتاوے نجانے سو کیا کہے کہ کیا ہے
یہ وہ طلسمات ہے کہ جسکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

کوئی ہے ہنستا کوئی ہے روتا کہیں ہے شادی غمی کہیں ہے
کوئی گھمسان زمیں کے اوپر کوئی خوشی سے فلک نشیں ہے
کہیں ترقی کہیں تنزل کہیں گماں اور کہیں یقیں ہے
یہ بھید اپنا وہ آپ جانے کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کی یہ رنگین چوپڑ غرض بچھائی ہے اب خدا نے
جو پانسا پھینکے بنا بنا کر ہزاروں کتنے ہی لیں ٹھانے
کوئی ہے پھیکل کسی کا جگ ہے بچے ہیں دیں بھی جانے خانے
جو جانتا ہے اٹھارہ آویں تو اسکو پڑتے ہیں تین کانے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب شطرنج کا سا نقشہ بچھا ہے دن اور رات اس جا
ہزاروں منصوبے اندھے لمبیں نہ ہائے چالوں کی گھات اس جا
جو مات چاہے کرے کسیکو نہ آئے ہرگز اُس کو مات اس جا
نہیں ہے اک جا پہ چوک قائم سبھوں کی بازی ہے مات اس جا

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کے وقت بنے ہیں کوئی مکدر کوئی صفا ہے
کوئی امیر اور کوئی وزیر ہے کوئی فقیری میں دل خفا ہے
کسی کے سر پر ہے تاج شاہی کسی پہ شمشیر پُر جفا ہے
سبھوں کو اسجا خیال آیا یہ حق کی قدرت کا مخفا ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

یہ کون جانے کہ کل کیا کیا اور آج مالک وہ کیا کرے گا
کسے بگاڑے کسے سنوارے کسے لنڈھاوے کسے بھرے گا

کسی کے گھر کون ہووے پیدا کسی کے گھر کون سا مریگا
کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے کہ کیا کیا ہے اور کیا کرے گا

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کا یہ جال ہے گا کمند کہیئے دیا کمندا
نہ چھوٹے چیونٹی نہ چھوٹے ہاتھی کوئی وحشی نہ کوئی پرندا
سبھوں کی گردن پھنسی ہے اسمیں کسی کا ٹوٹا نہ ایک پھندا
نظیرؔ اتنی مجال کس کی کہاں خدا اور کہاں ہے بندا

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

(۱۱۶)

خواب غفلت

جب یار نے اٹھائی چھڑی تب خبر پڑی تھی
اور دوں میں اک بدن پہ چڑی تب خبر پڑی
الفت کی آگ دل میں پڑی تب خبر پڑی
جب آنکھ اس صنم سے لڑی تب خبر پڑی
غفلت کی گرد دل سے جھڑی تب خبر پڑی

جب تک چڑھی جوانی تھی اور بال تھے سیاہ
الفت کسی سے پیار محبت کسی سے چاہ
آئی شراب اس میں بڑھاپے کی خوامخواہ
پہلے کے جام میں نہ ہوا کچھ نشہ تو آہ
دلبر نے دی پھر اس سے کڑی تب خبر پڑی

تھے جب تلک ادھیڑ رہے تو بھی ولولے
اور جب سفید ہو گئے ہوئے برف کے ڈلے
یاروں سے جب تو بولے کہ لو یار وہم چلے
لائے تھے ہم تو عمر پٹا یاں لکھا دلے
جب سیاہی پر سفیدی چڑی تب خبر پڑی

ڈاڑھی کی جب کہ رات گئی اور صبح ہوئی
تو بھی یہ دل میں خوش تھے کہ مرنا نہیں ابھی
دلبر کھڑا بجاوے تھا گھڑیال عمر کی
سُن سُن کے سن تو ہوتے تھے پر کچھ خبر نہ تھی

باجی جب آ گجر کی گھڑی تب خبر پڑی

اس حال پر بھی کچھ نہ ہوئی دید اور شنید
منشی قضا کا لکھنے لگا جنس کی رسید
دانتوں پر اس میں آن کے ہل چل پڑی شدید
ڈاڑھیں لگیں اُکھڑنے کو دنداں ہوئے شہید
مجلس میں چل بچل یہ پڑی تب خبر پڑی

اس بوپلے ہی منھ سے لگے کرنے پھر نباہ
گردن پھر اس میں ہلنے لگی کم ہوئی نگاہ
کانوں کے اس میں آن کے پردے ہوئے تباہ
بن دانت بھی ہنسنے پہ جب آنکھیں چلیں تو آہ
جب لاگی آنسوؤں کی جھڑی تب خبر پڑی

ڈھاتے تھے وال عزو رتو تن کی محل سرا
اس میں قضا کا راج جو کوٹھے پہ آ چڑھا
یہ گھر بنا رہے تھے دوالیں اُٹھا اُٹھا
شہتیر سا جو قد تھا سو خم ہو کے جھک گیا
گرنے لگی کڑی یہ کڑی تب خبر پڑی

کبڑے ہوئے تو جب بھی نہ سمجھے یہ ہوشیار
پھر اس میں آ کے سر نے لیا پاؤں پر قرار
یعنے کہ اب تو باندھئے گھوڑے پہ بوجھ بھار
چوگان سے کمر کے بنا سر کی گیند مار
کھیلا جب آ کے گیند تڑی[ل] تب خبر پڑی

یہ تو لگائے بیٹھے تھے اپنی بڑی دکان
لیکھا جب اس میں عمر کا ڈیوڑھا ہوا جب آن
تھے غرق لین دین میں اور کچھ نہ تھا دھیان
کیا جو لنڈھ چلا نہ ہوا تب بھی کچھ گیان
جب کٹ گئی دھڑی کی دھڑی تب خبر پڑی

بستر پہ جب تو آن پڑے لوٹ کر نڈھال
ہونے لگی فرشتوں سے نظروں میں قیل و قال
اُٹھنے دے کون آہ جو کروٹ ہوئی محال
جی غش میں ڈوبا تو بھی نہ تھا کوچ کا خیال
جب سانس آ گلے میں اڑی تب خبر پڑی

چھاتی پہ چڑھ قضا نے لیا جب گلے کو گھونٹ
اُکھڑی بدن سے جان بھی رگ رگ سے چھوٹ چھوٹ
پانی کا پھر تو آہ نہ اُترا گلے سے گھونٹ
پنجہ دکھایا شیر نے تو بھی یہ سمجھے جھوٹ

ل گیند تڑی ایک کھیل کا نام ہے جس میں گیند کو جب اچھالتا ہے تو ہاتھ سے یا چوگان سے مارتے ہیں اور اسی طرح گھڑی سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ جب تڑی کھیلنے میں چور کسی لڑکے کی کمر پر مار دیتا ہے تو اس وقت پکار کر کہہ دیتا ہے کہ تڑی ہے یعنی اب یہ چور ہو گیا۔ شہباز

جب چاب لی گلے کی پڑی تب خبر پڑی

کاندھے پہ رکھ کے پالکی لے آئے جب کہار
اور غل مچا کے بولے کہ جلدی سے ہو سوار
اس میں نہا کے آپ بھی جلدی ہوئے تیار
کپڑے بدل کے عطر لگا پہن پھول ہار
نکلی سواری دھوم پڑی تب خبر پڑی

جب پالکی میں چڑھ کے چلا آپ کا بدن
کلمہ نقیب پڑھتے چلے ساتھ کر پھبن
تو بھی یہ کہتے تھے کہ ہوا کون بے وطن
جب آئے اس گڑھے میں نظیر اور ہزار من
اوپر سے آکے خاک پڑی تب خبر پڑی

(۱۱۷)

خدا کی دی ہوئی نعمتیں

یہ نعمتیں عیاں ہیں جو عالم کے واسطے
ہیں گی یہ سب میاں اسی آدم کے واسطے
کچھ تن کے واسطے ہیں کچھ اس شکم کے واسطے
ہیں بیش بیش کے لیے کم کم کے واسطے
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

محبوب گل عذار پری زاد سرخ فام
مطرب شراب ساقی و مینا صراحی جام
ناز و ادا و چوچلے دولت کی دھوم دھام
مستی نشاط و عشرت و عیش و طرب مدام
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

اسباب عشرتوں کے ہیں جتنے جہاں تہاں
گل دان پاندان عطر دان زرفشاں
حقے بھرے چلتے ہیں اور نیچے پیچوان
مشک و گلاب و عطر و چمن باغ و بوستاں
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے

اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

جتنے جواہرات ہیں سرخ و سفید لال
یاقوت لعل یمنی و نیلم فلک مثال
فیروزہ مونگا موتی و پکھراج خوش خصال
زر سیم فوج حشمت و املاک گنج و مال
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

میوے ہیں جتنے خشک تر اس باغ میں لگے
بادام پستے داکھ چھوارے و کھوپرے
خربوزے آم جامن و لیموں چکوترے
نارنگی و انار بہی کوے سنگترے
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

دنیا میں جتنے لوگ ہیں کیا شاہ کیا فقیر
سب گھ میں ہیں پر ایک اک گھ میں ہے اسیر
کیا عشرتیں بہار کی کیا عیش دل پذیر
جن جن کا تم نے نام لیا اب میاں نظیر
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

فلسفیانہ نظمیں

حکمت

(۱۱۸)

کوڑی کی فلاسفی

کوڑی ہے جن کے پاس وہ اہلِ یقین ہیں
کپڑے بھی اُن کے تن میں نہایت مہین ہیں
کھانے کو اُن کے نعمتیں سو بہترین ہیں
سمجھیں ہیں اُس کو وہ جو بڑے نکتہ چین ہیں

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی بغیر سوئے تھے خالی زمین پر
پٹکے سنہرے بندھ گئے جاموں کی چین پر
کوڑی ہوئی تو رہنے لگے شہ نشین پر
موتی کے گچھے لگ گئے گھوڑوں کی زین پر

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی ہی چاہتی ہے سدا بادشاہ کو
لے کر پھری رومال گدا بھی پناہ کو
کوڑی ہی تھام لیتی ہے فوج و سپاہ کو
پھرتا ہے ہر دکان پہ کوڑی کی چاہ کو

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی نہ ہو تو پھر یہ جھمیلا کہاں سے ہو
منڈوا کے سر فقیر کا چیلا کہاں سے ہو
رتھ خانہ فیل خانہ طویلا کہاں سے ہو
کوڑی نہ ہو تو سائیں کا میلا کہاں سے ہو

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کاندھے پہ تیغ دھرتے ہیں کوڑی کے واسطے
یاں تک تو لوگ مرتے ہیں کوڑی کے واسطے
آپس میں خون کرتے ہیں کوڑی کے واسطے
جو جان دے گزرتے ہیں کوڑی کے واسطے

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

گالی و مار کھاتے ہیں کوڑی کے واسطے
سو ملک چھان آتے ہیں کوڑی کے واسطے
شرم و حیا اٹھاتے ہیں کوڑی کے واسطے
مسجد کو دم میں ڈھاتے ہیں کوڑی کے واسطے

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کتنے تو ہم میں ایسے ہیں کوڑی کے مبتلا
خست نہیں ہے ایسا ہی کوڑی کا مرتبا
کوڑی ہو گندگی میں تو لیں دانت سے اٹھا
کوئی دانت سے اٹھاوے ہم آنکھوں سے لیں اٹھا

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی ہی ڈالتی ہو ۔۔۔۔ کے تئیں لتاڑ
کوڑی ہی اُس کی لیتی ہے انگیا نہ کرتی پھاڑ

کوڑی ہی .... کی کرتی ہے چھیڑ چھاڑ — لڑکا بھی دم میں آتا ہے سُن کوڑیوں کا جھاڑ

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگیں ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

بن کوڑی خوردے کے برابر بھی پت نہ تھی — کوڑی جب آئی پاس تو بن بیٹھے سیٹھ جی
آگے گماشتوں کی کھلی ہر طرف بہی — پھر وہ جو کچھ کہیں تو وہی بات ہی سہی

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

بن کوڑی تھیں نہ تیل کی باسی سنکوڑیاں — کوڑی ہوئی تو چھٹنے لگیں لنبی چوڑیاں
یوں خلق دوڑے مکھیاں جوں گڑ پہ دوڑیاں — خالق نے کیا ہی چیز بنائی ہیں کوڑیاں

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

خاصے محل اٹھاتے ہیں کوڑی کے زور سے — پکے کوئیں کھداتے ہیں کوڑی کے زور سے
پل اور سرا بناتے ہیں کوڑی کے زور سے — باغ و چمن لگاتے ہیں کوڑی کے زور سے

کوڑی کے سب جہاں میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

لے مفلس اور فقیر سے تا شاہ اور وزیر — کوڑی وہ دل رُبا ہے کہ ہے سب کی دلپذیر
دیتے ہیں جان کوڑی پہ طفل و جوان و پیر — کوڑی عجب ہی چیز ہے میں کیا کہوں نظیر

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

(۱۱۹)

پیسے کی فلاسفی[له]

نقش یاں جس کے میاں ہاتھ لگا پیسے کا
اُس نے تیار ہر اک ٹھاٹھ کیا پیسے کا
گھر بھی پاکیزہ عمارت سے بنا پیسے کا
کھانا آرام سے کھانے کو ملا پیسے کا
کپڑا تن کو بھی ملا زیب فزا پیسے کا

جب ہوا پیسے کا اے دوستو آ کر سنجوگ
عشرتیں پاس ہوئیں دور ہوئے تن کے روگ
کھائے جب مال پوے دودھ دہی موہن بھوگ
دل کو آنند ہوئی بھاگ گئے روگ اور دھوگ
ایسی خوبی ہے جہاں نام ہوا پیسے کا

ساتھ اک دوست کے اک دن جو میں گلشن میں گیا
واں کے سرو و سمن و لالہ و گل کو دیکھا
پوچھا اس سے کہ یہ ہے باغ بتاؤ کس کا
اُس نے جب گُل کی طرح ہنس دیا اور مجھ سے کہا
مہرباں مجھ سے یہ تم پوچھتے ہو کیا پیسے کا

یہ تو کیا اور بڑے ایسے ہیں جو باغ و چمن
ہیں کھلے کیاریوں میں نرگس و نسرین و سمن
حوض فوارے ہیں بنگلوں میں بھی پڑے چلون
جابجا قمری و بلبل کی صدا شور افگن
واں بھی دیکھا تو فقط گل ہے کھلا پیسے کا

واں کوئی آیا لیے ایک مرصع پنجرا
لال وستار دو بٹیر بھی ہرا جوں طوطا
اُس میں اک مٹھی ہے مینا کہ ہو بلبل بھی فدا
میں نے پوچھا یہ تمہارا ہے رہا وہ چپکا
نکلی منقار سے مینا کے صدا پیسے کا

واں سے نکلا تو مکاں اک نظر آیا ایسا
در و دیواروں سے چمکے تھا پڑا آب طلا
سیم چونے کی جگہ اس کی تھا اینٹوں سے لگا
واہ وا کر کے کہا میں نے یہ ہوگا کس کا
عقل نے جب مجھے چپکے سے کہا پیسے کا

له اس نظم کا عنوان قدیم نسخوں میں "پیسے کی عزت" تھا بعد میں یہ پیسے نامہ سے ملقب ہوئی ہیں نئے مذاق خیال کے لحاظ سے پیسے کی فلاسفی کر دیا ہے۔ اس لیے اس میں پیسے کے متعلق حکیمانہ تجربے بند میں عنوان میں اس قسم کا تصرف میں نے اکثر نظموں میں کیا ہے اور یقیناً خوش نما ہے ۱۲ شہباز

روٹھا عاشق سے جو معشوق کوئی ہٹ کا بھرا
اور وہ منت سے کسی طور نہیں ہے منتا
خوبیاں پیسے کی اے یارو کہوں میں کیا کیا
دل اگر سنگ سے بھی اُس کا زیادہ تھا کڑا
موم سا ہو گیا جب نام سُنا پیسے کا

جس گھڑی ہوتی ہے اے دوستو پیسے کی نمود
ہر طرح ہوتی ہے خوش وقتی و خوبی بہبود
خوشدلی تازگی اور خرمی کرتی ہے ورود
جو خوشی چاہیئے ہوتی ہے وہیں آموجود
دیکھا یارو تو یہ ہے عیش و مزا پیسے کا

پیسے والے نے اگر بیٹھ کے لوگوں میں کہا
جیسا چاہوں تو مکاں ویسا ہی ڈالوں بنوا
حرف تکرار کسی کی جو زباں پر آیا
اُس نے بنوا کے دیا جلدی سے ویسا ہی کہا
اُس کا یہ کام ہے اے دوستو یا پیسے کا

ناچ اور راگ کی بھی خوب سی تیاری ہے
حسن ہے ناز ہے خوبی ہے طرح داری ہے
ربط ہے پیار ہے اور دوستی ہے یاری ہے
غور سے دیکھا تو سب عیش کی بسیاری ہے
روپ جس وقت ہوا جلوہ نما پیسے کا

دام میں دام[1] کے یارو جو مرا دل ہے اسیر
اس لیے ہوتی ہے یہ میری زباں سے تقریر
جی بھی خوش رہتا ہے اور دل بھی بہت عیش پذیر
جس قدر ہو سکا میں نے کیا تحریر نظیر
وصف آگے میں لکھوں تا بہ کجا پیسے کا

(۱۳۰)

پیسے کی فلاسفی

پیسے ہی کا امیر کے دل میں خیال ہے
پیسے ہی کا فقیر بھی کرتا سوال ہے
پیسا ہی فوج پیسا ہی جاہ و جلال ہے
پیسے ہی کا تمام یہ تنگ و دوال ہے
پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے

[1] روپے کا چالیسواں حصہ پیسا۔ دام سلاطین ہند کے مناصب و خراج ملک میں روپے کے چالیسویں حصے سے مراد ہوا کرتی تھی اور نیز پیسے کے پچیسویں حصے کو دام کہتے ہیں۔ شہباز

پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال[ـه] ہے

پیسے کے ڈھیر ہونے سے سب ٹھاٹھ ساٹھ ہیں
پیسے کے کوٹھے کوٹھیاں چھ سات آٹھ ہیں
پیسے کے زور شور ہیں پیسے کے ٹھاٹھ ہیں
پیسا نہ ہو تو پیسے کے پھر ساٹھ ساٹھ ہیں

پیسا ہی رنگ و روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسہ نہ ہو تو ہاتھی بھی دمڑی کا دستا[ـه] ہے
ہر وقت جس کے سامنے پیسا برستا ہے
پیسے سے اونٹ لاکھ اشرفی کو سستا ہے
لادے ہوا اونٹ کو کوئی ہاتھی کو کستا ہے

پیسا ہی رنگ و روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسا جو ہووے پاس تو کندن کے ہیں ڈلے
پیسے سے مجتی لاکھ کی اک لعل دے کے لے
پیسے بغیر مٹی کے اس سے ڈلے بھلے
پیسا نہ ہو تو کوڑی کو موتی کوئی نہ لے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسے سے چہرے تاش کے طرے سنہرے ہیں
ہر لحظہ ماہ عید نما شکل و چہرے ہیں
سیر و طرب کے عیش و مزے گھر سے گھر سے ہیں
ہر دم بسنت ہولی دوالی دسہرے ہیں

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسا نہ ہو تو باغ کنویں پھر کہاں سے ہوں
عیش و طرب کے نکتی دو سے پھر کہاں کہوں
کھانے کو پوری اور پوے پھر کہاں سے ہوں
حلوا کچوری مال پوے پھر کہاں سے ہوں

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

ـه وہ سیاہ پھٹا ہوا دھاگا جو چرخے کو تکلے سے ملاتا ہے اور چرخے کی گردش کے ساتھ تکلے کو پھراتا ہے یہاں بے حقیقت شے سے مراد ہے ۱۲

ـه دستا ر کھا کا دنیا معلوم ہوتا شاعر نے معلوم ہوتا ہے اس لفظ کو یہاں بالفتح مخفف کیا ہے۔ یا ممکن ہے کہ درست فارسی لفظ ہو قبضے کا مترادف ۱۲ شہباز

پیسا جو ہو تو دیو کی گردن کو باندھ لائے
پیسا نہ ہو تو مکڑی کے جالے سے خوف کھائے
پیسے سے لالہ بھیا جی اور چودھری کہائے
بن پیسے ساہوکار بھی اک چوہڑ سا دکھائے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

چہرہ بھی لعل وَرَب[1] کے درپن کے بیچ ہے
گر دَرُب ہو تو سیر بھی گلشن کے بیچ ہے
پوری بھگت[2] بھی پیسے کی سمرن کے بیچ ہے
درشن بھی خوب روپ کا سب دھن کے بیچ ہے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

جوڑے سے جھن بہار ہیں پیسے کے واسطے
گہنے مرصع کار ہیں پیسے کے واسطے
خوشبو کے پھول ہار ہیں پیسے کے واسطے
سب نقش اور نگار ہیں پیسے کے واسطے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

رونق بہار ہوتی ہے پیسے سے سب حصول
اور جو نہ ہووے چہرے پہ اُڑتی ہے خاک دھول
پیسا ہی سارتی چیز ہے پیسا ہی مرد تول
پیسے سے آدمی ہے جہاں بیچ تا قبول

بیچ تو نہیں لوہو ملی

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

با قبول ہے

پیسے سے موتی چونی کا عز و وقار ہے
پیسے سے اعتبار ہے اور افتخار ہے
پیسے میں گر غمی ہو تو وہ بھی بہار ہے
پیسے بغیر شادی بھی ہووے تو خوار ہے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسا ہی حسن دلاتا ہے انساں کے ہات کو
پیسا ہی زیب دیتا ہے بیاہ اور برات کو

[1] دَرب بمعنی چاندی۔ درپن آئینہ۔ فارسی میں نے درب کے معنی کامیابی و دولت فراغ بالی و خوشحالی بھی لکھے ہیں مگر غالبًا یہ معنی اصطلاحی ہیں نہ لغوی ۱۲ منہ
[2] بھگت زہد و تقوی ۱۲ منہ

بھائی سگا بھی آن کے پوچھے نہ بات کو ۔۔۔ بن پیسے یار و دولہ بنے آدھی رات کو

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

پیسے نے جس مکاں میں بچھایا ہو اپنا جال ۔۔۔ پھنستے ہیں اس مکاں میں فرشتوں کے پر و بال
پیسے کے آگے کیا ہیں یہ محبوب خوش جمال ۔۔۔ پیسا پری کو لائے پرستان سے نکال

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

تیغ اور سپر اٹھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر ۔۔۔ تیر و سناں لگاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر
میدان میں زخم کھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر ۔۔۔ یاں تک کہ سر کٹاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

عالم میں خیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے ۔۔۔ بنیاد دیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے
دوزخ میں فیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے ۔۔۔ جنت کی سیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

دنیا میں دین دار کہاتا بھی نام ہے ۔۔۔ پیسا جہاں کے بیچ وہ قائم مقام ہے
پیسا ہی جسم و جان ہے پیسا ہی کام ہے ۔۔۔ پیسے ہی کا نظیر یہ آدم غلام ہے

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

(۱۲۱)

روپئے کی فلاسفی

نقشا ہے عیاں سو طرب و رقص کی رُتے کا
ہے ربط بہم طبلۂ و سارنگی و نے کا
جھنکار مجیروں کی ہے اور شور ہے مے کا
مینا کی جھلک جام اُدھر جھلکے ہے مے کا

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ہر آن جہاں روپ روپے کے ہیں جھلکتے
کیا کیا زر و زیور کے ہیں واں رنگ دمکتے
موتی بھی جھلکتے ہیں جواہر بھی جھمکتے
سب ٹھاٹھ اسی چلکی سے دیکھیں ہیں چلکتے

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

بن ٹھن کے ہر اک بزم میں آتے ہیں اسی سے
میلوں میں تماشوں میں بھی جاتے ہیں اسی سے
شیرینیاں میوے بھی منگاتے ہیں اسی سے
کھاتے ہیں اور اوروں کو کھلاتے ہیں اسی سے

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

پوشاک جھمک دار بناتے ہیں اسی سے
حشمت کے چمن کار بناتے ہیں اسی سے
محلات نمودار بناتے ہیں اسی سے
باغات چمن زار بناتے ہیں اسی سے

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے ہے حسن فسوں کا رُخ تیا
اس روپ سے فرحت کے ہیں آثار رُخ تیا
گجرے سے لگا طرّہ زرتار رُخ تیا
کیا موتیا ہے موتیوں کے ہار رُخ تیا

سلہ رسے یعنی ذوق کیفیت ۱۲ سلہ چلکی اشرفی - سونے چاندی کا سکہ ۱۲ سلہ چلکنا - چمکنا - جگمگانا ۱۲ سلہ چمن کار وہ کپڑا جس میں اعلیٰ درجہ کی صنعت کی گلکاری کی ہو معلوم ہو کہ چمن زار کھلا ہوا ہے ۱۲ سلہ روپ چاندی روپے کو بھی کہتے ہیں اور یہاں یہی مراد ہے ۱۲ شہباز

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے گرمی کے بھی سامان عیاں ہیں / خس خانے ہیں چھڑکے ہوئے اور عطرفشاں ہیں
دن کو بھی جدھر دیکھیے ٹھنڈک کے نشاں ہیں / اور شب کے بھی سونے کو ہوادار مکاں ہیں

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے بارش کی بھی چیزیں ہیں میسر / رتھ چھتریاں بارانیاں اور موم کی چادر
باہر بھی وہ دیکھیں ہیں بہاروں کو نظر بھر / گھر میں بھی خوشی بیٹھے ہیں سامان بنا کر

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ہر روپ جہاں ہیں کوئی واں دل نہیں میلا / اُجلے ہیں بچھے فرش نہیں کچھ بھی کچیلا
دیکھو جدھر اسباب ہے خوش وقتی کا پھیلا / بھرتا ہے اسی تھیلی سے ہر جنس کا تھیلا

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ظاہر میں تو اے دوست یہ راحت ہے اسی سے / ہر آن دل و جاں کو مسرت ہے اسی سے
ہر بات کی خوبی و فراغت ہے اسی سے / عالم میں نظیرؔ عشرت و فرحت ہے اسی سے

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

(۱۲۲)

زر کی فلاسفیٰ[1]

دنیا میں کون ہے جو نہیں ہو فدائے زر
آنکھوں میں دل میں جان میں سینے میں جائے زر
جتنے ہیں سب کے دل میں بھری ہو ہوائے زر
ہم کو بھی کچھ تلاش نہیں اب سوائے زر

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہو دن رات ہائے زر

کتنے تو زر کو نقش طلسمات کہتے ہیں
کتنے خدا کی عین عنایات کہتے ہیں
اور کتنے زر کو کشف و کرامات کہتے ہیں
کتنے اسی کو قاضیٔ[2] حاجات کہتے ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہو دن رات ہائے زر

یہ پانی اب جو زیست کی سب کی نشانی ہو
یارو ہماری جس کے سبب زندگانی ہو
زر کی جھمک کو دیکھ کے اب یہ بھی پانی ہو
یہ پانی یہ نہیں ہو وہ سونے کا پانی ہو

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہو دن رات ہائے زر

آب طلا کی بوند بھی اب جس کے ہات ہے
دنیا میں عیش دین بھی عشرت کے سات ہو
وہ بوند کیا ہے چشمۂ آب حیات ہے
زر وہ ہو جس سے دونوں جہاں میں نجات ہو

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہو دن رات ہائے زر

سرمے کی جس کے پاس طلا کی سلائی ہے
لے عرش فرش سب اُسے دیتا دکھائی ہو
آنکھوں میں اُس کی آب بڑی روشنائی ہو
خالق نے دیکھ نور کی پتلی بنائی ہے

[1] اس نظم کا ایک عنوان تلاش زر بھی ہے ۱۲
[2] اشارہ ہے اس مشہور شعر کی طرف
اے زر تو خدا نۂ و لیکن بخدا
ستار عیوب و قاضی الحاجاتی ۱۲
شہباز

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

زر کھان میں گڑا ہے تو واں بھی بہار ہے — شمشیر پر چڑھا ہے تو واں بھی بہار ہے
دیوار میں لگا ہے تو واں بھی بہار ہے — گر خاک میں گرا ہے تو واں بھی بہار ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

زر کے دیے سے پیر اور استاد نرم ہو — زر کے سبب سے دشمن بیداد نرم ہو
جو شوخ سنگدل ہے پری زاد نرم ہو — زر وہ ہے جس کو دیکھ کے فولاد نرم ہو[1]

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

کپڑے پہ گر لگا ہے طلائی کلابتوں — میں اس کے تار تار کی تعریف کیا کہوں
ہو دست رس تو چور اچکے کو کیا کہوں — میرے ہی دل میں ہے کہ میں ہی اس کو چھین لوں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

جا لوگ روم و شام میں زر کو کماتے ہیں — تا چین چیں سے زر کے جہاز آتے جاتے ہیں
دکھن سے زر کے واسطے سب یاں کو آتے ہیں — اور یاں کے زر کے واسطے دکھن کو جاتے ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سونے کی جدولیں جو کتابوں پہ عام ہیں — وہ جدولیں وہ رنگ وہ سونے کے کام ہیں
جن کے ورق ورق بھی سنہرے تمام ہیں — سب میں زیادہ اُن کے ہی قیمت میں نام ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

[1] یہ اشارہ ہے اس مشہور مثل کی طرف ع زر بر سر فولاد نہی نرم شود ۱۲ شہباز

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

اب جن کے گھر میں ڈھیر ہیں سونے کے دام کے | ہر ایک امیدوار ہیں اُن کے سلام کے
سب مل کے پاؤں چومے ہیں ان کے غلام کے | کیا رتبے ہیں طلائے علیہ السّلام کے
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

کتنوں کے دل میں دھن ہے کہ زر ہی کمائیے | کچھ کھائیے کھلائیے اور کچھ بنائیے
کہتا ہے کوئی ہائے کہاں زر کو پائیے | کیا کیجے زہر کھائیے اور مر ہی جائیے
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سونا اگرچہ زرد ہے یا سرخ فام ہے | لیکن تمام خلق کو اُس سے ہی کام ہے
سب میں زیادہ حسن کی الفت کا دام ہے | زر وہ ہے جس کا حسن بھی ادنیٰ غلام ہے
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

+++ جو +++ پہنے ہے سونے کی بالیاں | کیا اُس کے منھ پہ حسن کی چمکے ہیں لالیاں
یار اُس کے سب سمجھتے ہیں پھولوں کی ڈالیاں | سب اُس کو چھیڑ چھیڑ کے کھاتے ہیں گالیاں
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سر پاؤں سے جو سونے کے گہنے کے ذیل ہے | جو دیکھتا ہے اُس کے وہی دل کو میل ہے
یہ چاہ یہ ملاپ تو زر کے طفیل ہے | نہ پوچھتے ہیں بھوت ہے وہ یا چڑیل ہے
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

ہوتی ہیں زر کے واسطے ہر جا چڑھائیاں
بندوقیں اور ہیں کہیں توپیں لگائیاں
کٹتے ہیں ہاتھ پاؤں گلے اور کلائیاں
کل زر کی ہو رہی ہیں جہاں میں لڑائیاں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

لڑکا سلام کرتا ہے جھک جھک کے رشک ماہ
دیتے ہیں یہ دعا مگر تب دل سے خواہ مخواہ
بوڑھے بڑے سب اس کی طرف پیار کر کے واہ
اے میرے لعل ہو ترا سونے کے سہرے بیاہ

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

جتنی جہاں میں خلق ہے کیا شاہ کیا وزیر
سب ہیں گے زر کے جال میں جی جان سے اسیر
پیر و مرید و مفلس و محتاج او رفقیر
کیا کیا کہوں میں خوبیاں زر کی میاں نظیرؔ[1]

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

(۱۲۳)

مفلسی کی فلاسفی

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی
کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی
بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی

یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

کہیے تو اب حکیم کی سب سے بڑی ہے شاں
مفلس ہوئے تو حضرت لقمان کیا ہیں یاں
تعظیم جس کی کرتے ہیں نواب اور خاں
عیسےٰ بھی ہو تو کوئی نہیں پوچھتا میاں

حکمت حکیم کی بھی ڈبو دیتی ہے مفلسی

[1] اسی زر کے جال کو نظیر نے ایک مطلع میں نہایت خوبی سے باندھا ہے۔ جال میں زر کے اگر موتی کا دانا ہوگا * وہ نہیں دام میں آئے گا جو دانا ہوگا ۱۲ شہباز

جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں — مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اُسے بے بتاتے ہیں — وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
اُن کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

مفلس کرے جو آن کے مجلس کے بیچ حال — سب جانیں روٹیوں کا یہ ڈالا ہے اُس نے جال
گر گر پڑے تو کوئی نہ لیوے اُسے سنبھال — مفلس میں ہوویں لاکھ اگر علم اور کمال
سب خاک بیچ آ کے ملاتی ہے مفلسی

جب روٹیوں کے بٹنے کا آ کر پڑے شمار — مفلس کو دیویں ایک تو تونگر کو چار چار
گر مانگے اور وہ تو اُسے جھڑکیں بار بار — اُس مفلسی کا آہ بیاں کیا کروں میں یار
مفلس کو اُس جگہ بھی جِھپاتی ہے مفلسی

مُفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر — دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر — جس طرح کتے لڑتے ہیں اک استخوان پر
ویسا ہی مُفلسوں کو لڑاتی ہے مفلسی

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی وہ کام آہ — مفلس کرے ہے اُس کے تئیں انصرام آہ
سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانے حرام آہ — کہتے ہیں جس کو شرم و حیا ننگ و نام آہ
وہ سب حیا و شرم اُٹھاتی ہے مفلسی

یہ مفلسی وہ شے ہے کہ جس گھر میں بھر گئی — پھر جتنی گھر میں سَت تھی اُسی گھر کے در گئی
زن بچے روتے ہیں گویا نانی گذر گئی — ہمسائے پوچھتے ہیں کہ کیا دادی مر گئی
بن مردہ گھر میں شور مچاتی ہے مفلسی

لازم ہے گر غمی میں کوئی شور و غل مچائے — مفلس بغیر غم کے ہی کرتا ہے ہائے ہائے
مر جاوے گر کوئی تو کہاں سے اُسے اٹھائے — اِس مفلسی کی خواریاں کیا کیا کہوں میں ہائے
مردے کو بن کفن کے گڑاتی ہے مفلسی

[illegible] کہتے ہیں کو کم ہمت کو [illegible] تو درست [illegible] چھپانا شرمندہ کرنا شرانا شرم دلانا بچانا پانی پانی کرنا۔ راقم کی مثنوی [illegible] کا مطلع ہے ۔ وہ سب [illegible] اور [illegible] جن کو دیکھ اپنے جی میں [illegible] سکت ۔ طاقت زور ۔ جان ۔ دم خیر و برکت ۱۲ پروفیسر عبدالغفور شہباز

کیا کیا میں مفلسی کی کہوں خواری پھکڑیاں
جھاڑ و لغیر گھر میں بکھری ہیں جھکڑیاں[1]
کونوں میں جالے لپٹے ہیں چھپر میں مکڑیاں
پیدا نہ ہو دیں جن کے جلانے کو لکڑیاں
دریا میں اُن کے مردے بہاتی ہے مفلسی

بی بی کی نتھ نہ لڑکوں کے ہاتھوں کڑے رہے
کپڑے میاں کے بنیے کے گھر میں پڑے رہے
جب کڑیاں بک گئیں تو کھنڈر میں اڑے رہے
زنجیر نہ کواڑ نہ پتھر گڑے رہے
آخر کو اینٹ اینٹ کھداتی ہے مفلسی

نقاش پر بھی زور جب آ مفلسی کرے
سب رنگ دم میں کر دے مصور کے کرکرے
صورت ہی اُس کی دیکھ کے منھ کھینچ رہے پرے
تصویر اور نقش میں کیا رنگ وہ بھرے
اس کے تو منھ کا رنگ اڑاتی ہے مفلسی

جب خوبرو پہ آن کے پڑتا ہے دن سیاہ
پھرتا ہے بوسے دیتا ہر اک کو وہ خواہ مخواہ
ہرگز کسی کے دل کو نہیں ہوتی اُس کی چاہ
گر حسن ہو ہزار روپے کا تو اُس کو آہ
کیا کوڑیوں کے مول بکاتی ہے مفلسی

اُس خوبرو کو کون دے اب دام اور درم
جو کوڑی کوڑی بوسے کو راضی ہو دم بدم
ٹوپی پرانی دو تو وہ جانے کلاہ جم
کیونکر نہ جی کو اُس چمن حسن کے ہو غم
جس کی بہار مفت لٹاتی ہے مفلسی

عاشق کے حال پر بھی جب آ مفلسی پڑے
معشوق اپنے پاس نہ دے اُس کو بیٹھنے
آوے جو رات کو تو نکالے وہیں اُسے
اس ڈر سے یعنی رات کو ایذا کہیں نہ دے
تہمت یہ عاشقوں کو لگاتی ہے مفلسی

کیسی ہی دھوم دھام کی رنڈی ہو خوش جمال
جب مفلسی کا آن پڑے سر پہ اس کے جال
دیتے ہیں اس کے ناچ کو ٹھٹھے کے بیچ ڈال
ناچے ہے وہ تو فرش کے اوپر قدم سنبھال
اور اُس کو انگلیوں[2] پہ نچاتی ہے مفلسی

[1] جھکڑی جھاکڑ کی تصغیر، جھاڑی خاردار درخت
[2] انگلیوں پر نچانا ہنسی اڑانا ذلیل کرنا، حیران کرنا، ستانا ۱۲

اُس کا تو دل ٹھکانے نہیں بھاؤ کیا بتائے
وہ شام سے لے صبح تلک گو کہ ناچے گائے
جب ہو پھٹا دوپٹا تو کاہے سے منہ چھپائے
اوروں کو آٹھ سات تو وہ دو ٹکے ہی پائے
اس لاج سے اُسے بھی لجاتی ہے مفلسی

جس + + + کا ہو فلاکت سے دل حزیں
اک پون پیسے تک بھی وہ کرتی نہیں نہیں
رکھتا ہے اُس کو جب کوئی آ کر + + +
یہ دُکھ اُسی سے پوچھیے اب آہ جس کے تئیں
+ + + میں ساری رات جگاتی ہے مفلسی

وہ تو یہ سمجھی دل میں کہ دھیلا جو پاؤں گی
باقی رہے چھ دام سو پانی بھراؤں گی
دمڑی کے پان دمڑی کی مستی منگاؤں گی
پھر دل میں سوچتی ہے کہ کیا خاک کھاؤں گی
آخر چبینا اُس کو چباتی ہے مفلسی

جب مفلسی سے ہووے کلاونت کا دل اُداس
اک پاؤ سیر آٹے کی دل میں لگا کے آس
پھرتا ہے لے طنبورے کو ہر گھر کے آس پاس
گوری کا وقت ہووے تو گاتا ہے وہ بھباس
یاں تک حواس اُس کے اُڑاتی ہے مفلسی

مفلس جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بول بول
جورو کا وہ گلا ہے کہ ہو جیسے پھوٹا ڈھول
پیسا کہاں جو جا کے وہ لا دے جہیز مول
گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھٹھول
ہیبت تمام اُس کی اُٹھاتی ہے مفلسی

بیٹے کا بیاہ ہووے تو بیاہی نہ ساتی ہے
ماں پیچھے ایک میلی چدر اوڑھے جاتی ہے
نے روشنی نہ باجے کی آواز آتی ہے
بیٹا بنا ہے دولہ تو باوا براتی ہے
مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی

گر بیاہ کر چلا ہے سحر کو تو یہ بلا
گھیرے ہوئے اُسے چلے جاتے ہیں جا بجا
شہدا زنانہ ہیجڑا اور بھاٹ منڈ چڑا
وہ آگے آگے لڑتا ہوا جاتا ہے چیلا
اور پیچھے ہیجڑیوں کو بجاتی ہے مفلسی

لہ دمڑی - پیسے کا چوتھا حصہ - چھ دام پورے بیس ادھی یعنی پیسے کے آٹھویں حصے کو کہتے ہیں ۱۲ -
سہ بول بولنا - نیلام کی آواز لگانا دام لگانا مستت اننا - کسی دیوی دیوتا کے نام کا کچھ اٹھانا ۱۲ - سکہ
چدر - چادر کا مخفف ۱۲ - سکہ
منڈ چڑا - یہ اصل میں منڈ چڑا تھا جس کے معنی ہیں منڈی چوٹی کھوپڑی والا - گنجی چاند والا - یا مکھن: ہے کو منڈ چڑا منڈا اور چڑا سے مرکب یعنی وہ شخص جو منڈ کر کسی بزرگ کا چیلا ہوا ہو - آزاد فقیر - مینہ ۱۲ شبہات

دروازے پر زنانے بجاتے ہیں تالیاں
اور گھر میں بیٹھی ڈومنی دیتی ہے گالیاں
مالن گلے کی ہار ہو دوڑے لے ڈالیاں
سقا کھڑا سناتا ہے باتیں رذالیاں
یہ خواری یہ خرابی دکھاتی ہے مفلسی

کوئی شوم بے حیا کوئی بولا نکھٹو ہے
بیٹے نے جانا باپ تو میرا نکھٹو ہے
بیٹی پکارتی ہے کہ بابا نکھٹو ہے
بی بی یہ دل میں کہتی ہے کہ بھڑوا نکھٹو ہے
آخر نکھٹو نام دھراتی ہے مفلسی

مفلس کا درد دل میں کوئی ٹھانتا نہیں
مفلس کی بات کو بھی کوئی مانتا نہیں
ذات اور حسب نسب کو کوئی جانتا نہیں
صورت بھی اس کی پھر کوئی پہچانتا نہیں
یاں تک نظر سے اس کو گراتی ہے مفلسی

جس وقت مفلسی سے یہ آکر ہوا تباہ
پھر کوئی اس کے حال پہ کرتا نہیں نگاہ
والیدہ رہی[1] کہے کوئی ٹھہراوے روسیاہ
جو باتیں عمر بھر نہ سنی ہوویں اس نے آہ
وہ باتیں اس کو آکے سناتی ہے مفلسی

چولھے توا نہ پانی کے مٹکے میں آبی[2] ہے
پینے کو کچھ نہ کھانے کو اور نے رکابی ہے
مفلس کے ساتھ سب کے تئیں بے حجابی ہے
مفلس کی جورو سچ ہے کہ یاں سب کی بھابی ہے
عزت سب اس کے دل کی گنواتی ہے مفلسی

کیسا ہی آدمی ہو پر افلاس کے طفیل
کوئی گدھا کہے اسے ٹھہراوے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام بڑھے بال پھیل پھیل
منھ خشک دانت زرد بدن پر جما ہے میل
سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی

ہر آن دوستوں کی محبت گھٹاتی ہے
جو آشنا ہیں ان کی تو الفت گھٹاتی ہے
اپنوں کی مہر غیر کی چاہت گھٹاتی ہے
شرم و حیا و عزت و حرمت گھٹاتی ہے
ہاں ناخن اور بال بڑھاتی ہے مفلسی

[1] ولیہ رہی - ولیہ رہی کی قدیم شکل۔ مفلس، غریب آدمی، منحوس آدمی، انگریزی آدمی، میلا کچیلا آدمی - میلا کچیلا
[2] آبی یعنی آب ہی۔ تخفیف (ہ) تقطیع میں گرا دی گئی ہے۔ شہباز

جب مفلسی ہوئی تو شرافت کہاں رہی
وہ قدر ذات کی وہ نجابت کہاں رہی
کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی
تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی
مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مفلسی

مفلس کسی کا لڑکا جو لے پیار سے اٹھا
باپ اس کا دیکھے ہاتھ کا اور پانوں کا کڑا
کہتا ہے کوئی جوتی نہ لیوے کہیں چرا
نٹ کھٹ اچکا چور دغا باز گٹھ کٹا
سو سو طرح کے عیب لگاتی ہے مفلسی

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کی آن کو
سب خاک میں ملاتی ہے حرمت کی شان کو
سو محنتوں میں اس کی کھپاتی ہے جان کو
چوری پہ آکے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو
آخر ندانؔ[1] بھیک منگاتی ہے مفلسی

دنیا میں لے کے شاہ سے اے یار تا فقیر
خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر
اشراف کو بناتی ہے ایک آن میں حقیر
کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیرؔ
وہ جانے جس کے دل کو جلاتی ہے مفلسی

(۱۲۴)

افلاس کا فوٹو

رکھ بوجھ سر پہ نکلا اشتر[2] ملا تو ایسا
گھیرا اخرابیوں نے لشکر ملا تو ایسا
بڑھ گئے جو بال سر کے افسر ملا تو ایسا
مفلس کا زرد چہرہ جو زر ملا تو ایسا
آنسو جو غم سے ٹپکا گوہر ملا تو ایسا

جب مفلسی کا آکر سر پر پڑے ہے سایا
پھرتا ہے مرد کیا کیا در در خراب رسوا
بنتا ہے مفلسی میں مفلس کا آ یہ نقشا
پورا ہنر جو سیکھا تو بھیک مانگنے کا
یہ بدنصیبی دیکھو جوہر ملا تو ایسا

[1] ندان دیجرا؟ متروک محاورہ ہے۔ آخرکار ۱۲
[2] اشتر تے کے ضمہ کے ساتھ صحیح ہے مگر یہاں بجائے لفظ اردو فتح کے ساتھ بندھ گیا ہے۔ اس مصرع میں اس مشہور حکایت کی طرف اشارہ ہے جس کا مضحک خاتمہ اس جملے پر ہے کہ اے میری اونٹنی کے سننے والے ٹانگا نیچے دیا اور حکایت سے قطع نظر ایک مطلب سیدھا سادا بھی ہے یعنی مفلس اپنا اونٹ آپ ہی ہے ۱۲ شہباز

مفلس نے گرچہ مر کر کی نوکری کسی کی
جید ھر کو ہاتھ ڈالا پائی نہ پھوٹی کوڑی
کیسی ہی محنتیں کیں لیکن طلب نہ پائی
کی عاشقی تو سر پہ اک سڑی سی ٹوپی
سو وہ بھی اُس نشے لے لی دلبر ملا تو ایسا

آخر کو تنگ ہو کر جب مفلسی کے مارے
واں سے سوا لنگوٹی ہرگز نہ پائی اُس نے
چیلا ہوا کسی کا اور رہنے سیلی تاگے
دن کو دلائی جھاڑو شب کو منگائے ٹکڑے
مفلس کو پیر و مرشد رہبر ملا تو ایسا

آٹا ملا تو ایندھن چولھا توا ندارد
گر ٹھیکرے پہ تھوپے تو پھر مزا ندارد
روٹی پکا دے کس پہ گھر میں توا ندارد
تو چھید پیندی غائب جس پر گلا ندارد
پانی کا گرمیوں میں جھجّر ملا تو ایسا

قلیے پلاؤ زردے دودھ اور ملائی کھوئے
جب کچھ ہوا میسر دن رات روئے دھوئے
پوری کچوری لڈو سب مفلسی نے کھوئے
یا خشک ٹکڑے چابے پانی کے یا بھگوئے
سوکھا ملا تو ایسا اور تر ملا تو ایسا

کمخاب تاش مشروع تن زیب خاصہ ململ
پگڑی رہی نہ جامہ ٹپکا رہا نہ آنچل
سب مفلسی کے ہاتھوں گئے اپنے ہاتھ مل مل
لے ٹاٹ کی قبا پر جوڑا پرانا کمبل
ابرا ملا تو ایسا استر ملا تو ایسا

نہ جھاڑ و جھاڑنے کی پیوندکی نہ سوئی
اُپلا نہ آگ پانی چولھا توا نہ چکّی
دالان نہ صحنچی نہ طاق نہ بخاری
ٹوٹا سا اک اسارا دیوار جھانکڑوں کی
قسمت کی بات دیکھو جو گھر ملا تو ایسا

بجھ پائی بیچ کھائی اور بان کو جلا کر
سونے کے وقت جھلنگا گدڑا رہا نہ چادر
روٹی پکائی رو رو اور کھائی آہ بھر بھر
کہنی پہ سر کو رکھ کر سوئے فقط زمیں پر
تکیہ ملا تو ایسا بستر ملا تو ایسا

سلہ بخاری یا بخاری چھوٹے یا دالان کے اندر کی وہ کوٹھری جو غلہ وغیرہ رکھنے کے واسطے دیوار میں بنا دیتے ہیں اصل میں بخاری کے معنی آتش دان کے ہیں جو دالان یا کمرے کی دیوار میں ایام سرما میں مکان گرم رکھنے کے واسطے بنا دیتے ہیں چنانچہ کسی کا شعر ہے ؎
خوش است بادہ گلرنگ با کباب ذغالی
بدست یار پری چہرہ در کنار بخاری
چونکہ عوام لوگ اس کی اصل سے واقف نہ تھے اس سبب سے وہ اس کوٹھی کو کہنے لگے جو دالان کے اندر دیوار میں کوٹھی کے بجائے غلہ رکھنے کے واسطے بنا دیتے ہیں۔ جسے رفتہ رفتہ بخاری ایک عام لفظ ہوگیا اور سب اسی معنی میں استعمال کرنے لگے۔ سلہ جھاڑ کر جھاڑ ی خار دار و جھت پروفیسر شہباز

ہو صبح اور سورج جب آ کے منھ دکھاوے ۔۔۔ لے شام تک اُسی کے گھر بیچ دھوپ جاوے
آندھی چلے تو گھر میں سب خاک دھول جاوے ۔۔۔ برسے جو مینھ تو باہر اک بوند بھر نہ جاوے

پھوٹے نصیب دیکھو چھپّر ملا تو ایسا

جس دل جلے کے اوپر دن مفلسی کے آئے ۔۔۔ پھر دور بھاگے اُس سے سب اپنے اور پرائے
آخر کو مفلسی نے یہ دکھ اُسے دکھائے ۔۔۔ کھانا جہاں تھا بٹتا واں جا کے دھکّے کھائے

کمبخت کو جو کھانا اکثر ملا تو ایسا

تعظیم تھی ہر اک جا تھا پاس جب تلک زر ۔۔۔ مفلس ہوا تو کوئی دیکھے نہ پھر نظر بھر
گیڑے پھٹوں سے بیٹھا جس بزم میں وہ جا کر ۔۔۔ سب فرش سے اُٹھا کر ٹھلایا جوتیوں پر

مفلس کو ہر مکاں میں آدر[1] ملا تو ایسا

گر مفلسی میں اُس نے دو تین لڑکے پائے ۔۔۔ اور کنبے والے لڑکے واں کھیلنے کو آئے
دیکھ اُن کے گہنے پاتے آنکھوں میں آنسو لائے ۔۔۔ سرکی کو چھیل سینکے نتھ اور کڑے بنائے

بدبخت کے بچوں کو زیور ملا تو ایسا

اسباب تھا تو کیا کیا رکھتے تھے لوگ رشتا ۔۔۔ مفلس ہوئے تو ہر گز رشتہ رہا نہ ناتا
نہ بھائی بھائی کہتا نہ بیٹا کہتا بابا ۔۔۔ اس پر نظیر مجھ کو رونا بہت ہے آتا

اس مفلسی زدے کو ٹبّر[2] ملا تو ایسا

(۱۲۵)

آٹے دال کی فلاسفی

کیا کہوں نقشہ میں یارو خلق کے احوال کا ۔۔۔ اہلِ دولت کا چلن یا مفلس و کنگال کا
یہ بیاں تو واقعی ہے ہر کسی کے حال کا ۔۔۔ کیا تونگر کیا غنی کیا پیر اور کیا بالکا

سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

له آدر، عزت ۱۲
له ٹبّر تبار سے بگڑ کر بنا ہے خویش و تبار۔ خویشاوند اقربا۔ خاندان۔ قبیلہ۔ کنبہ۔ کنبہ کنبے کا خرچ۔
جان صاحب ۱۲ پنج تن پاک کی ہیں اس بھجے اک وا جی جن کے صدقے میں مرا سارا ہے ٹبّر چلیا ۱۲ شبانہ

گر نہ آٹے دال کا اندیشہ ہوتا سدِّ راہ
ساتھ آٹے دال کے ہے حشمت و فوج و سپاہ
تو
پھر نہ پھرتے ملک گیری کو وزیر و پادشاہ
جا بجا گڑھ کوٹ سے لڑتے ہوئے پھرتے مری آہ
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا ہوتا قدم یاں درمیاں
جاگتے دربار میں کیوں آدھی آدھی رات اں
منشی و میر و وزیر و بخشی و نواب و خاں
کیا عجب نقشہ پڑا ہے آہ کیا کیجے بیاں
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا یاں کھٹکا ہوتا بار بار
اور جتنے ہیں جہاں میں پیشہ ور اور پیشہ دار
دوڑتے کاہے کو پھرتے دھوپ میں پیادے سوار
ایک بھی جی پر نہیں ہے اس سوا صبر و قرار
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اپنے عالم میں یہ آٹا دال بھی کیا فرد ہے
عاشقوں کا بھی اسی کے عشق سے منھ زرد ہے
حسن کی آن و ادا سب اسکے آگے گرد ہے
آ ٹک بجا کہیے کہ کیا وہ مرد کیا نامرد ہے
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

دلبروں کی چشم ابرو زلف کیا خط و خال ہے
کیا کمر پتلی ہے کافر کیا ٹھمکتی چال ہے
نازکی شوخی ادائیں حسن لالوں لال ہے
غور کر دیکھا ہے جو کچھ ہے سو آٹا دال ہے
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اب جنھیں اللہ نے یاں کر دیا کامل فقیر
اور جتنے ہیں وہ سب ہیں دال آٹے کے اسیر
وہ تو بے پروا سخی داتا ہیں آ بھی دلپذیر
ان غریبوں کی یہی اب شکل ہے گی اے نظیر
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

(١٢٦)

آٹے دال کی فلاسفی (٢)

آٹے کے واسطے ہے ہوس ملک و مال کی ۔ آٹا جو پاکی ہے تو ہے دال نالکی
آٹے ہی دال سے ہے درستی یہ حال کی ۔ اس سے ہی سب کی خوبی ہے جو حالؔ قال کی

سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

اس آٹے دال ہی کا جو عالم میں ہے ظہور ۔ اس سے ہی منھ پہ نور ہے اور پیٹ کو سرور
اس سے ہی آکے چڑھتا ہے چہرے پہ سب کے نور ۔ شاہ و گدا امیر اسی کے ہیں سب مزدور

سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

قمری نے کیا ہوا جو کہا حق سرہٗ ۔ اور فاختہ بھی بیٹھ کے کہتی ہے قہقہو
وہ کھیل کھیلو جس سے ہو تم جگ میں سرخرو ۔ سنتے ہو اے عزیزو اسی سے ہے آبرو

سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

مینا کے پالنے کی اگر دل میں میل ہے ۔ سچ پوچھیے تو یہ بھی خرابی کے ذیل ہے
سب عشق بازی روزی کے ہوتی طفیل ہے ۔ روزی نہ ہو تو مینا بھی پھر کیا چڑیل ہے

سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یاردکچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

آٹا ہے جس کا نام وہی خاص نور ہے ۔ اور دال بھی پری ہے کوئی یا کہ حور ہے
اس کا بھی کھیل کھیلنا سب کو ضرور ہے ۔ سمجھے جو اس سخن کو وہ صاحب شعور ہے

لہ اس نظم میں ان نوجوانوں کو نصیحت ہے جو بے فکرے ہیں سے شب و روز شوق کے جانوروں میں مشغول رہتے ہیں اور تلاش معاش کا خیال بھی نہیں کرتے وابشانہ

سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

بلبل کے پالنے میں کہو کیا ہے فائدا
کوئی دم میں پیٹ مانگے گا کچھ مجھ کو لا کھلا
اور جو بیا بھی پالا تو پھر ہاتھ کیا لگا
پھر دال اور آٹا ہی کام آتا ہے دلا

سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

کچھ پیسوں کے جو عشق میں دل کو لگاؤ گے
طوطے کو پال کر کے حق اللہ پڑھاؤ گے
تو پیٹ بھر کے کھاؤ گے کپڑے بناؤ گے
تا حق کو سر کھپاؤ گے کوڑی نہ پاؤ گے

سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

جن تڑ ہیں چار پیسے وہی ہیں یہاں امیر
اور جن کے پاس کچھ نہیں وہ ہیں نرے فقیر
اور جتنے پیسہ ور ہیں وہ گیا خرد کیا کبیر
روٹی کا سلسلہ ہے بڑا کیا کہوں نظیر

سب چھوڑو بات طوطی و پدڑی و لال کی
یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

(١٢٧)

روٹی کی فلاسفی

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
سینے اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں

جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے جس کا ناک تلک پیٹ ہے بھرا
کرتا پھرے ہے کیا وہ اُچھل کود جا بجا

دیوار پھاندکر کوئی کوٹھا اُچھل گیا ٹھٹھا ہنسی شراب صنم ساقی اس سوا

سو سو طرح کی دھوم مچاتی ہیں روٹیاں

جس جا پہ ہانڈی چولھا توا اور تنور ہے خالق کی قدرتوں کا اُسی جا ظہور ہے
چولھے کے آگے آنچ جو جلتی حضور ہے جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے

اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں

آوے توے تنور کا جس جا زباں پہ نام یا چکی چولھے کا جہاں گلزار ہو تمام
یاں سر جھکا کے کیجیے ڈنڈوت اور سلام اس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام

پہلے انھیں مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں

ان روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں پور پور آٹا نہیں ہر چھلنی سے چھن چھن گرے ہے نور
پیڑا ہر ایک اس کا ہے برفی و موتی چور ہرگز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور

اس آگ کو مگر یہ بجھاتی ہیں روٹیاں

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے
وہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے

بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں

پھر پوچھا اُس نے کہیے یہ ہے دل کا نور کیا اُس کے مشاہدے میں ہے کھلتا ظہور کیا
وہ بولا سن کے تیرا گیا ہے شعور کیا کشف القلوب اور یہ کشف القبور کیا

جتنے ہیں کشف سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی جب آئی پیٹ میں سو قند گھل گئے گلزار پھولے آنکھوں میں اور عیش تل گئے
دو تر نوالے پیٹ میں جب آکے ڈھل گئے چودہ طبق کے جتنے تھے سب بھید کھل گئے

یہ کشف یہ کمال دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو میلے کی سیر خواہش باغ و چمن نہ ہو

بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو
سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو

اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

اب جن کے آگے مال پوے بھر کے تھال ہیں
اور جن کے آگے روغنی اور شیرمال ہیں
پوری بھگت انھیں کی وہ صاحب کے لال ہیں
عارف وہی ہیں اور وہی صاحب کمال ہیں

پکی پکائی اب جنھیں آتی ہیں روٹیاں

کپڑے کسی کے لال ہیں روٹی کے واسطے
باندھے کوئی رومال ہیں روٹی کے واسطے
لمبے کسی کے بال ہیں روٹی کے واسطے
سب کشف اور کمال ہیں روٹی کے واسطے

جتنے ہیں روپ سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے ناچے پیادہ قواعد دکھا دکھا
اسوار ناچے گھوڑے کو کاوا لگا لگا
گھنگرو کو باندھے پیک بھی پھرتا ہے جابجا
اور اس سوا جو غور سے دیکھا تو جابجا

سو سو طرح کے ناچ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی کے ناچ تو ہیں سبھی خلق میں پڑے
یہ ++ جو ناچیں ہیں گھونگھٹ کو منھ پہ لے
پڑنے
کچھ بھانڈ بھگتیے یہ نہیں پھرتے ناچتے
گھونگھٹ نہ جانو دوستو تم زینہار اسے

اس پردے میں یہ اپنی کماتی ہیں روٹیاں

اور وہ جو ناچنے میں بتاتی ہیں بھاؤ تاؤ
روٹی کے سب سنگار ہیں روٹی کے راؤ چاؤ[1]
چتون اشارتوں سے کہیں ہیں کہ روٹی لاؤ
++ کی تاب کیا جو کرے اس قدر بناؤ

یہ آن یہ جھمک تو دکھاتی ہیں روٹیاں

اشرافوں نے جو اپنی یہ ذاتیں چھپائی ہیں
کہیئے انھوں کی روٹیاں کس کس نے کھائی ہیں
سچ پوچھیے تو اپنی یہ شانیں بڑھائی ہیں
اشراف سب میں کہیئے تو اب نان بائی ہیں

جن کی دکاں سے ہر کہیں جاتی ہیں روٹیاں

بھٹیاریاں کہادیں نہ اب کیونکر رانیاں
نہتر خصم ہیں اُن کے وہ ہیں نہترانیاں

[1] اوچھاؤ۔ ہنسی خوشی۔ چہل پہل پیار محبت ۔ شہانہ

ذاتوں میں جتنے اور ہیں قصّے کہانیاں
سب میں انھیں کی ذات کی اونچی ہیں بانیاں
کس واسطے کہ سب یہ پکاتی ہیں روٹیاں

دنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہے
نا دشمنی و دوستی نا تند خوئی ہے
کوئی کسی کا اور کسی کا نہ کوئی ہے
سب کوئی ہے اسی کا کہ جس ہاتھ ڈوئی ہے
نوکر نفر غلام بناتی ہیں روٹیاں

روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر
روکھی بھی روٹی حق میں ہمارے ہے شہد و شیر
یا پتلی ہووے موٹی خمیری ہو یا فطیر[1]
گیہوں کی جوار باجرے کی جیسی ہو نظیرؔ
ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

(۱۲۸)

چپاتی کی فلاسفی

جب ملی روٹی ہمیں سب نورِ حق روشن ہوے
رات دن شمس و قمر شام و شفق روشن ہوے
زندگی کے تھے جو کچھ نظم و نسق روشن ہوے
اپنے بیگانوں کے لازم تھے جو حق روشن ہوے
دو چپاتی کے ورق میں سب رِق روشن ہوے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوے

وہ جو اب کھاتے ہیں باقر خانی کلچہ شیرمال
ہیں وہ خاص الخاص درگاہِ کریم ذوالجلال
یہ جو روٹی دال کا رکھتے ہیں ہم گردن میں جال
جب ملی روٹی وہیں ہم ہوگئے صاحب کمال
دو چپاتی کے ورق میں سب رِق روشن ہوے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوے

وہ تو اب مردِ خدا ہیں قوت جن کا نور ہے
وہ ملائک ہیں وہاں روٹی کا کیا مذکور ہے
دل ہمارا تو فقط روٹی کا اب رنجور ہے
ہم شکم بندوں کا تو یارو یہی دستور ہے

[1] اس لفظ کو بعض نسخوں میں پتیر لکھا ہے اور بعض میں پتیر۔ حسرت مطبع نظامی کے نسخے میں فطیر ہے اور یہی صحیح ہے۔ فطیر اس روٹی کو کہتے ہیں جس میں خمیر نہ ہو۔ چپاتی

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوے

پیٹ میں روٹی پڑی جب تک تو یارو خیر ہے
کھاتے ہی دو تر نوالے آسماں پر پیر ہے
گر نہ ہو پھر غیر کیا اپنے ہی جی سے بیر ہے
آسماں کیا پھر تو خاصے لامکاں کی سیر ہے

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوے

جب تلک روٹی کا ٹکڑا ہو نہ دستر خوان پر
رات دن روٹی چڑھی رہتی ہو سب کے دھیان پر
نے نمازوں میں لگے دل اور نہ کچھ قرآن پر
کیا خدا کا نور برسے ہے پڑا ہر نان پر

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوے

گر نہ ہوں دو روٹیاں اور اک پیالہ دال کا
گر نہ ہو روٹی تو کس کا پیر کس کا بالکا
کھیل پھر بگڑا پھرے یاں حال کا اور قال کا
وصف کس منھ سے کروں میں ان کے احوال کا

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوے

پیٹ میں روٹی نہ تھی جب تک تو عالم تھا سیاہ
کھل گئے پردے تھے جتنے ماہی سے تا بہ ماہ
جب پڑی روٹی تو پہونچی عرش کے اوپر نگاہ
کیا کرامت ہے فقط روٹی میں یارو واہ واہ

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوے

یوں چمکتا ہے پڑا ہر آن گردہ نان کا
چاند کا ٹکڑا آنکھوں میں یا کہ ٹکڑا جان کا
جان آتی ہے لیے سے نام دستر خوان کا
روح ناچے ہے بدن میں نام سن کر خوان کا

دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوے

اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

حسن جتنے ہیں جہاں میں سب بھرے ہیں نان میں
خوبیاں جتنی ہیں آکر سب بھری ہیں خوان میں
عاشق و معشوق بھی ٹکیا کے ہیں درمیان میں
پھنس رہے ہیں سب کے دل روٹی کے دسترخوان میں
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

جو مرید اپنا کسی درویش کو کرتا ہے پیر
یعنے کچھ دیکھے تجلی کی کرامت دل پذیر
کھاتے ہی دو روٹیاں دل ہو گیا بدر منیر
کوئی روٹی سا نہیں اب پیر و مرشد اے نظیرؔ
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

(١٢٩)

پیٹ کی فلاسفی

کرتا ہے کوئی جور و جفا پیٹ کے لیے
سہتا ہے کوئی رنج و بلا پیٹ کے لیے
سیکھا ہے کوئی مکر و دغا پیٹ کے لیے
پھرتا ہے کوئی بے سر و پا پیٹ کے لیے
جو ہے سو ہو رہا ہے فدا پیٹ کے لیے

عاجز ہیں اس کے واسطے کیا شاہ کیا وزیر
محتاج ہیں اسی کے لیے بخشی و امیر
منشی وکیل ایلچی متصدی و مشیر
چاکر نفر غلام تونگر غنی فقیر
سب کر رہے ہیں فکر سدا پیٹ کے لیے

صراف خوردیے سے لگا سیٹھ ساہوکار
دلال جوہری اور کناری کے پیشہ دار
پنساری و بزاز اناجوں کے کاروبار
بیوپار لین دین بنج قرض اور ادھار
ہے سب نے ٹھاٹھ کا یہ کیا پیٹ کے لیے

اب خلق میں ہیں چھوٹے بڑے جتنے پیشہ ور — سیکھے اُسی کے واسطے سب کسب اور ہنر
صحاف جلد ساز لچھی دوکماں گر — زیں دوز گل فروش بساطی سفال گر
بیٹھے ہیں سب دکان لگا پیٹ کے لیے

بیٹھے ہیں مسجدوں میں مصلے بچھا بچھا — جبے پہن کے ہاتھ میں تسبیح کو پھرا
واعظ کے ہر سخن میں ہے کھانے کا مدعا — عابد بھی دعوتوں کی عبادت ہے کر رہا
زاہد بھی مانگتا ہے دُعا پیٹ کے لیے

کیا پینے ساز کام کے اور کیا مرصع کار — حکاک کیا مصور و نقاش زر نگار
دیکھا تو نہ سنار کوئی اور نہ اب لُہار — سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار
پیشہ ہر اک نے سیکھ لیا پیٹ کے لیے

گندھی کے مغز میں بھی یہی رچ رہی ہے بو — کھینچے ہے جب گلاب نکالے ہے عطر دو
شیشی کسی کو سینک کی پھوئے کسی کو دو — ہر دم چھڑک گلاب لگا تن سے عطر کو
لپٹیں ہر ایک ہی کو سنگھا پیٹ کے لیے

رنگریز بیٹھے رنگتے ہیں رنگت ہزار یا — سرخ و گلابی زرد سیہ سبز دھاریا
تحمل ہے کوئی کوئی ہے مشروع کٹاریا — جنگل میں جا کے دیکھا تو اس جا بھی نیاریا
نت خاک چھانتا ہے پڑا پیٹ کے لیے

بدنام ہے اسی کے لیے خلق میں کلال — ذباح بھی کرے ہے اسی کے لیے حلال
صیاد بھی اسی کے لیے ہے چلاتا ہے جال — ٹھگ بھی اسی کے واسطے پھانسی گلے میں ڈال
ہر وقت گھومتا ہے گلا پیٹ کے لیے

نٹ کھٹ اُچکے چور دغا باز راہ مار — عیار جیب کترے نظر باز ہوشیار
سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار — کوئی خدا کے واسطے کرتا نہیں شکار
بلی بھی مارتی ہے چوہا پیٹ کے لیے

[illegible]

بانکا سپاہی خوب شجاعت میں بے جگر — وہ بھی اسی کے واسطے لے تیغ اور سپر
لڑتا ہے توپ تیر تفنگوں میں آن کر — کھاتا ہے زخم خون میں ہوتا ہے تر بتر
آخر کو سر بھی دے ہے کٹا پیٹ کے لیے

فاضل کے فضل میں بھی اسی کی ہے التجا — عابد نجومی کا بھی اسی پر ہے مدّعا
مُلّا بھی دن گذارے ہے لڑکے پڑھا پڑھا — شاعر بھی دیکھیے تو قصیدے بنا بنا
کیا کیا کرے ہے وصف و ثنا پیٹ کے لیے

قاضی کے حال کی بھی یہی بات ہے گواہ — مفتی کے قصد کی بھی یہ شاہد ہے خوامخواہ
بید اور حکیم کی بھی اسی پر ہے اب نگاہ — عطّار کے بھی درد کو دیکھا تو وہ بھی آہ
دن رات کوٹتا ہے دوا پیٹ کے لیے

پڑھتے ہیں اب قرآن جو مُردوں کا لے کے نام — پھولوں میں بیٹھ کرتے ہیں پنج آئتیں تمام
دوزخ میں یا بہشت میں مُردے کا ہو مقام — کچھ ہو پر اُن کو حلوے مانڈے سے اپنے کام
خوش ہو گئے جب اُن کو ملا پیٹ کے لیے

اُلفت کسی کے دل میں کسی میں پڑا ہے بیر — مانے کوئی حرم کو کوئی پوجتا ہے دیر
کھانے کی ساری دوستی کھانے کی ساری سیر — کہتا ہے اب فقیر بھی دے کر دعائے خیر
بابا کچھ آج مجھکو دلا پیٹ کے لیے

عاشق کے تئیں جو دیکھیں ہیں سو نعمتوں کی جیٹ — لڑکے بھی اپنی کھول کے چھاتی دکھا کے پیٹ
گودی میں بیٹھ جاتے ہیں ہر دم بغل میں لیٹ — کھانے کی دیکھ چاٹ لگاوٹ کی کر لپیٹ
کیا کیا کریں ہیں ناز و ادا پیٹ کے لیے

ہیں جن کے پاس منصب و جاگیر و مال و جاہ — خوباں بھی اُن کے ساتھ کریں ہیں سدا نباہ
کھانے کی ساری دوستی کھانے کی ساری چاہ — دیکھا جو خوب غور سے ہم نے تو واہ واہ
معشوق بھی کریں ہیں وفا پیٹ کے لیے

لہ بیاسے بھول وجیم عربی - ڈھیر انبار - روٹیوں کی تھئی ۱۲ پروفیسر شہباز

+ + جو ناچتی ہے پری زاد پھلجھڑی
چتون لگا وٹوں کی جتا کر گھڑی گھڑی
سر پاؤں سے تمام جواہر میں ہے جڑی
لے شام سے سحر تئیں ہے ناچتی کھڑی
سو سو طرح کے بھاؤ بتا پیٹ کے لیے

+ + + کے گھر میں دیکھا تو واں بھی یہی پکار
گرتی کبھی دکھا کبھی انگیا اڑاتے دار
+ + + کے دوڑ موتی کو ہر دم گلے کا ہار
جاتی ہے جھٹ پلنگ اوپر لیٹ ایک بار
سب کھو کے اپنی شرم و حیا پیٹ کے لیے

لاکھوں میں کوئی لے ہے محبت سے حق کا نام
نہ عاقبت کی فکر نہ راہِ خدا سے کام
ورنہ سب اپنے پیٹ کے ہیں کلمے اور کلام
سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانا کہ کچھ حرام
جو جس سے ہو سکا سو کیا پیٹ کے لیے

جتنے ہیں اب جہان میں کم ذات یا اصیل
شیر و پلنگ گرگ و ہرن چیونٹی و فیل
سب اپنے اپنے پیٹ کی کرتے ہیں قال و قیل
کوّا بٹیر ہنس لگڑ باز گدھ و چیل
سب ڈھونڈھتے پھرے ہیں غذا پیٹ کے لیے

جس کا شکم بھرا ہے وہ ہنستا ہے مثل پھول
جب تک نہ اس گڑھے میں پڑے آ کے خاک دھول
خالی ہے جس کا پیٹ وہ روتا ہے ہو ملول
سوجھے دھرم نہ دین نہ اللہ نہ رسول
جو جو کوئی کرے سو بجا پیٹ کے لیے

زر دار مال دار گدا شاہ کیا وزیر
ہر دم سبھوں کو دیکھا اسی حال میں اسیر
سردار کیا غریب تونگر ہو یا فقیر
اپنی یہی دعا ہے شب و روز اے نظیر
دے شرم و آبرو سے خدا پیٹ کے لیے

(١٣٠)

تندرستی کی فلاسفی

بشمول حرمت

ہیں مرد اب وہی کہ جنھوں کا ہر فن درست
رہتا نہیں کسی کا سدا[3] مال دھن درست
حرمت[1] انھوں کے واسطے جن کا چلن[2] درست
دولت رہی کسی کی نہ باغ و چمن درست

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہر سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

دنیا میں اب انھوں کے تئیں[4] کہیئے بادشاہ
جس پاس تندرستی و حرمت کی ہو سپاہ
جن کے بدن درست ہیں دن رات سال و ماہ
ایسی پھر اور کون سی دولت ہے واہ واہ

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہر سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جو گھر میں اپنے میری[5] و حشمت پناہی ہے
یہ تندرستی یارو بڑی بادشاہی ہے
بن تندرستی سب وہ خرابی تباہی ہے
سچ پوچھیے تو عین[6] یہ فضل الٰہی ہے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

گر دولتوں سے اس کا بھرا ہے تمام گھر
ہو تندرست گرچہ یہ مفلس ہے سربسر[7]
بیمار ہے تو خاک ہے بدتر ہے سب وہ زر
پھر نہ کسی کا خوف نہ ہرگز کسی کا ڈر

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

---

[1] حرمت عزت ۱۲
[2] چال چلن ۱۲
[3] سدا ہمیشہ ۱۲
[4] تئیں - واسطے کو - لیے ۱۲ -
[5] میری بزرگی ۱۲
[6] عین مخصوص ۱۲
[7] سربسر بالکل ۱۲ ابوالخیر محمد نصر فضلی

عاجز ہو یا حقیر ہو پر تندرست ہو
قیدی ہو یا اسیر ہو پر تندرست ہو
بے زر ہو یا امیر ہو پر تندرست ہو
مفلس ہو یا فقیر ہو پر تندرست ہو

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اس میں تمام ختم ہیں عالم کی خوبیاں
قسمت سے جب یہ دونوں میسر ہوں پھر تو ہاں
ہو تندرستی اور ملے حرمت سے آب و ناں
پھر ایسی اور کون سی نعمت ہے میری جاں

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

پروا نہیں اگرچہ لکھا یا پڑھا نہ ہو
حسن و جمال و علم و ہنر گو ملا نہ ہو
محتاج حق سوا کسی اور کا نہ ہو
اک تندرستی چاہیے کچھ ہووے یا نہ ہو

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

بیمار اگرچہ لاکھ طرح سے ہو بادشاہ
ہم تو اسی کو شاہ کہیں اور جہاں پناہ
تو اس کو جانیے کہ گدا سے بھی ہے تباہ
اب جس کا تن درست ہو حرمت سے ہو نباہ[1]

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ہوں گرچہ لاکھ دولتیں بیمار کے کنے
بہتر ہیں مفلسی کے میاں چابنے چنے
اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے ٹھنے[2]
جو تندرست ہیں وہی دولہا ہیں اور بنے[3]

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جب تندرستیوں کی رہیں دل میں بستیاں
پھر سو طرح کے عیش ہیں اور مے پرستیاں

۱ نباہ: بسر اوقات
۲ بنے ٹھنے۔ خوبصورت۔ سجے ہوئے ۱۲
۳ بنے: دولہا
محمد اشرف علی

کھانے کو نعمتیں ہوں دیا فاقہ مستیاں
سب عیش اور مزے ہیں جو ہوں تندرستیاں

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

چاہا جو دل نشے کو تو وہ نہیں منگا لیا
محبوب دل بروں کو گلے سے لگا لیا
آیا جو عیش دل میں خوشی سے اُڑا لیا
جو مل گیا سو پی لیا چاہا سو کھا لیا

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

آیا جو دل میں سیر چمن کو چلے گئے
بازار چوک سیر تماشے میں خوش ہوئے
بیٹھے اُٹھے خوشی سے ہر اک جا چلے پھرے[1]
جاگے مزے میں رات کو یا خوش ہو سو رہے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

قدرت سے یہ جو تن[3] کی بنی ہے ہر ایک کل[4]
جب تک یہ کل بنی ہے تو ہر آدمی کو کل[5]
گر ہو خدانخواستہ اک کل بھی چل بچل[6]
پھر نہ خوشی نہ عیش نہ کچھ زندگی کا پھل

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ادنیٰ ہو یا غریب تونگر ہو یا فقیر
یا بادشاہ شہر کا یا ملک کا وزیر
ہے سب کو تندرستی و صحت ہی دلپذیر
جو تو نے اب کہا سو یہی سچ ہے اے نظیرؔ

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

۱؎ دوپہر - خوشی
اُسی دم ۱۲ -
۲؎ سو - ۱۳۵۳
۳؎ تن - بدن
۴؎ کل - مشین ۱۲
۵؎ کل - آرام ۱۲
۶؎ چل بچل -
بیکار - اشرف علی

(۱۳۱)

تندرستی اور آبرو

دکھ کی دولت[۱] ہو تو اُس کو بھی تباہی بُوجھیے
روشنی کو غم کی ہر جا گر سیاہی بُوجھیے
سُکھ سے رہنا خلق میں خوش دست گاہی بُوجھیے
صحت و حرمت کو نعمت[۲] حشمت پناہی بُوجھیے

تندرستی کو نیٹ[۳] فضل الٰہی بُوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بُوجھیے

صحت و حرمت سے گر اللہ یاں کر دے نباہ
اب جو ہم اس بات کے رتبے کو کرتے ہیں نگاہ
اس برابر کون سا ہے پھر جہاں میں عزّ و جاہ
کیا کسی عاقل نے یہ نکتہ کہا ہے واہ واہ

تندرستی کو نیٹ فضل الٰہی بُوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بُوجھیے

اس کے سب محتاج ہیں اب شاہ سے تا گدا
آبرو اور تندرستی جس کو حق نے کی عطا
جس سے تن سالم رہے اور پیٹ حرمت سے بھرا
پھر جہاں میں اُس سا یارو کون سا ہے بادشاہ

تندرستی کو نیٹ فضل الٰہی بُوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بُوجھیے

دولتیں جتنی ہیں سب ان دولتوں سے ہیں تلے
عزت و حرمت بڑی دولت ہے اللہ سب کو دے
آبرو اللہ رکھے اور عمر حرمت سے کٹے
ہر گھڑی ہر آن ہر دم خلق میں پیارے مرے

تندرستی کو نیٹ فضل الٰہی بُوجھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بُوجھیے

آبرو دنیا میں یارو موتی کی سی آب ہے
جس کنے ہے یہ اسی کا سب ادب آداب ہے
تندرستی اور بھی پھر عیش کا اسباب ہے
یہ نہیں اور زندگی تو پھر خیال و خواب ہے

۱؎ یعنی دولت جو علالت کے ساتھ ہو ۲؎ نعمت خیر ۳؎ نیٹ یعنی سراسر و اشباز

تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بو جھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بو جھیے

ہیں جہاں تک خلق میں پیر و جواں خرد و کبیر
کیا تونگر کیا غنی کیا بے نوا اور کیا فقیر
عالم و فاضل گدا و بادشہ میر و وزیر
سب جہاں میں ہیں اسی نکتے کے قائل ای نظیر

تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بو جھیے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بو جھیے

(۱۳۲)

خوشامد[1] کی فلاسفی

دل خوشامد سے ہر اک شخص کا کیا راضی ہے
بھائی فرزند بھی خوش باپ چچا راضی ہے
آدمی جن و پری بھوت بلا راضی ہے
شاہ مسرور غنی شاد گدا راضی ہے

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

حذف حق

اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجیے
انبیا اولیا اور رب کی خوشامد کیجیے
اور نہ ہو کام تو اس ڈھب کی خوشامد کیجیے
اپنے مقدور غرض سب کی خوشامد کیجیے

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

چار دن جس کو خوشامد سے کیا جھک کے سلام
بڑے عاقل بڑے دانا نے نکالا ہے یہ دام
وہ بھی خوش ہو گیا اپنا بھی ہوا کام میں کام
خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

[1] اس نظم کے عموماً دس ہی بند مشہور ہیں "خوشامد کیجیے" والا بند بخیال تکرار اور ایک آدھ بند اور ساقط کر دیے گئے ہیں۔ شہباز

مفلس ادنیٰ و غنی کی بھی خوشامد کیجیے — بخیل اور سخی کی بھی خوشامد کیجیے
اور جو شیطاں ہو تو اُس کی بھی خوشامد کیجیے — گر ولی ہو تو ولی کی بھی خوشامد کیجیے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پیار سے جوڑ دیے ہاتھ طرف جس کے آہ — وہیں خوش ہو گیا کرتے ہی وہ ہاتھوں پہ نگاہ
غور سے ہم نے جو اس بات کو دیکھا واللہ — کچھ خوشامد ہی بڑی چیز ہے اللہ اللہ

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پینے اور پہننے کھانے کی خوشامد کیجیے — ہیجڑے بھانڈ زنانے کی خوشامد کیجیے
مست و ہشیار دوانے کی خوشامد کیجیے — بھولے نادان سیانے کی خوشامد کیجیے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

عیش کرتے ہیں وہی جن کا خوشامد کا مزاج — جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ محتاج
ہاتھ آتا ہے خوشامد سے مکاں ملک و دہ و راج — کیا ہی تاثیر کی اس نسخہ نے پائی ہے رواج

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

گر بھلا ہو تو بھلے کی بھی خوشامد کیجیے — اور بُرا ہو تو بُرے کی بھی خوشامد کیجیے
پاک ناپاک سڑے کی بھی خوشامد کیجیے — کُتّے بلّی و گدھے کی بھی خوشامد کیجیے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

خوب دیکھا تو خوشامد کی بڑی کھیتی ہے — غیر کیا اپنے ہی گھر بیچ یہ سکھ دیتی ہے

ماں خوشامد کے سبب چھاتی لگا لیتی ہے | نانی دادی بھی خوشامد سے بلا لیتی ہے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

بی بی کہتی ہے میاں آ ترے صدقے جاؤں
خالا کہتی ہے کہ کچھ کھا ترے صدقے جاؤں
ساس بولے کہیں مت جا ترے صدقے جاؤں
سالی کہتی ہے کہ بھیا ترے صدقے جاؤں

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

آپڑا ہے جو خوشامد سے سروکار اُسے
آشنا ملتے ہیں اور جانتے ہیں سب یار اُسے
ڈھونڈتے پھرتے ہیں اُلفت کے خریدار اُسے
اپنے بیگانے غرض کرتے ہیں سب پیار اُسے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

روکھی اور روغنی آبی کی خوشامد کیجے
ساقی و جام شرابی کی خوشامد کیجے
نان بائی و کبابی کی خوشامد کیجے
پارسا رند خرابی کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

جو کہ کرتے ہیں خوشامد وہ بڑے ہیں انساں
ہاتھ آتے ہیں خوشامد سے ہزاروں ساماں
جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ حیراں
جس نے یہ بات نکالی ہے میں اُسکے قرباں

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

کوڑی پیسے و ٹکے زر کی خوشامد کیجے
اور جو پتھر ہو تو پتھر کی خوشامد کیجے
لعل و نیلم در و گوہر کی خوشامد کیجے
نیک و بد جتنے ہیں یکسر کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

ہم نے ہر دل میں خوشامد کی محبت دیکھی
پیار اخلاص و کرم مہر و محبت دیکھی
دل بروں میں بھی خوشامد ہی کی اُلفت دیکھی
عاشقوں میں بھی خوشامد ہی کی چاہت دیکھی

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پارسا پیر ہے زاہد ہے مناجاتی ہے
جُوار یا چور دغاباز خرابائی ہے
ماہ سے ماہی تلک جیونٹی ہے یا ہاتی ہے
یہ خوشامد تو میاں سب کے تئیں بھاتی ہے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

گر نہ میٹھی ہو تو کڑوی بھی خوشامد کیجے
کچھ نہ ہو پاس تو خالی بھی خوشامد کیجے
جانی دشمن ہو تو اُس کی بھی خوشامد کیجے
سچ اگر پوچھو تو جھوٹی بھی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

مرد و زن طفل و جواں خرد و کلاں پیر و فقیر
جتنے عالم میں ہیں محتاج و گدا شاہ و وزیر
سب کے دل ہوتے ہیں پھندے میں خوشامد کے اسیر
تو بھی واللہ بڑی بات یہ کہتا ہے نظیر

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

(۱۳۳۳)

آدمی کی فلاسفی

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بینوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال و قطب و غوث و ولی آدمی ہوئے
منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کیے
حتیٰ کہ اپنے زور و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا
شداد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا
یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور
یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور
شیطاں بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں
اور آدمی ہی اُن کی چُراتے ہیں جوتیاں
جو اُن کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی
چلّا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

عنہ میرے خیال میں جگا رہا ہو صحیح ہے جو کھا رہا ہے اسی کی تصحیف ہے جو بعض قدیم نسخوں میں پایا جاتا ہے جگانے کے معنی ہیں جمع کر کرکے رکھنا حفاظت سے رکھنا ٹکڑے جگا رہا ہے یعنے حفاظت سے رکھتا جاتا ہے تاکہ آئندہ کام میں چبانے سے جگانے میں زیادہ بلاغت ہے ۱۲ عبدالغفور شہباز
سلہ جنو احتجاج ۱۲
سلہ کہاتا مشہور ۱۲
سلہ برملا یعلم کھلا ۱۲
اشرف علی

ناچے ہے آدمی ہی بجا تالیوں کو یار
اور آدمی ہی ڈالے ہے اپنی ازار اُتار
ننگا کھڑا اُچھلتا ہے ہو کر ذلیل و خوار
سب آدمی ہی ہنستے ہیں دیکھ اُس کو بار بار
اور وہ جو مسخرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال
اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال
سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی ہی بیاہ
قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خوامخواہ
دوڑے ہیں آدمی ہی مشعلیں[1] جلا کے راہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار
اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ صراحی جوتیاں دوڑیں بغل میں مار
کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں آدمی کہار
اور اُس پہ جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لا
کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھور گھور
اور آدمی ہی دیکھ انھیں بھاگتے ہیں دور
چاکر غلام آدمی اور آدمی مزدور
یاں تک کہ آدمی ہی اٹھاتے ہیں جا ضرور
اور جس نے وہ پھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

طبلے منجیرے دائرے سارنگیاں بجا
گاتے ہیں آدمی ہی ہر اک طرح جا بجا
+ + + بھی آدمی ہی بجاتے ہیں گت لگا
وہ آدمی ہی ناچیں ہیں اور دیکھ یہ مزا
جو ناچ دیکھتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

[1] اس لفظ کو جیسا کہ نظیر نے سطائیں لفظ باندھا ہے لہذا اکثر مصححین نے اس کی تصحیح میں اپنے منصب سے تجاوز کر کے خوامخواہ بعض لفظ کم و بیش کر دیے ہیں۔ مشعل بفتح وضم کے وزن پر ہے لیکن اردو کا لفظ ہے مثال بروزن مثقال۔ جمع کی صورت میں تین طرح سے اس کو لکھ سکتے ہیں (۱) مشعلیں (۲) مشعالیں (۳) مشالیں۔ نظیر نے غالباً صورت ثانی کو ترجیح دی ہے۔ شہباز

یاں آدمی ہی لعل جواہر ہے بے بہا
اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے اور اُلٹا ہے جوں توا
گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بدشکل و بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کی یہ کچھ زرق برق ہیں
روپے کے اُن کے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں
کمخواب تاش شال دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک ایسے ہیں کہ جن کے بچھے ہیں نئے پلنگ
پھولوں کی سیج اُن پہ جھمکتی ہے تازہ رنگ
سوتے ہیں لپٹے چھاتی سے معشوق شوخ و شنگ[1]
سو سو طرح سے عیش کے کرتے ہیں رنگ ڈھنگ
اور خاک میں پڑا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

حیران ہوں یارو دیکھو تو کیا یہ سوانگ ہے
اور آدمی ہی چور ہے اور آپ ہی تھانگ ہے
ہے چھینا جھپٹی اور کہیں مانگ تانگ ہے
دیکھا تو آدمی ہی یہاں مثل رانگ ہے
فولاد سے گڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار
نہلا دُھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ[2] بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار
سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر
ہیں آدمی ہی صاحب عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید[3] ہیں اور آدمی ہی پیر
اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

[1] شنگ طرحدار ۱۲
[2] کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ یہ مسلمانوں کے اعتقاد کا پہلا سبب اور جزو اعظم ہے ۱۲
[3] مرید شاگرد ۱۲
اشرف علی لکھنوی

ظرافت

(۱۳۴)

بولی پیر

+++ جو +++ کوئی ہو جاتی ہے بڑھیا
ہر کام میں ہر بات میں شرماتی ہے بڑھیا
پھر جان کھپانے سے وہ شرماتی ہے بڑھیا
دن رات اسی سوچ میں غم کھاتی ہے بڑھیا

سر دھنتی ہے اکتاتی ہے گھبراتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

جب پیٹ ملائی سا وہ دیتا تھا دکھائی
اور آگے بڑھاپے کی ہوئی جبکہ چڑھائی
کھانے کو چلی آتی تھی مصری و ملائی
سب اڑ گئی کافور وہ ملائی و مٹھائی

اس غم سے نہ کچھ پیتی ہے نے کھاتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

وہ حسن کہاں جس سے کوئی پاس بٹھائے
جب سوکھ گیا منھ تو جھک خاک کھائے
چھاتی وہ کہاں جس پہ کوئی ہاتھ چلائے
عاشق تو جواں کا ہے کو پھر ناز اٹھائے

بوڑھے کو بھی ہرگز نہیں خوش آتی ہی بُڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہی بُڑھیا

جب منھ میں نہ ہوں دانت تو مسّی ملے کیا خاک … اور سر کے جھڑے بال تو کنگھی کرے کیا خاک
پلکوں میں سفیدی ہو تو کاجل لگے کیا خاک … جب ناک ہی سوکھی ہو تو پھر نتھ کھلے کیا خاک

اس خواری خرابی میں پھر آجاتی ہے بُڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بُڑھیا

جب تک کہ نئی عمر تھی چڑھتی تھی جوانی … ہر کوئی یہ کہتا تھا کہاں جاتی ہو جانی
جب بوڑھی ہوئیں پھر گئیں کہلانے پُرانی … ٹھہریں کہیں خالہ کہیں دادی کہیں نانی

ہیں نام تو اچھے یہ کہ شرماتی ہے بُڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بُڑھیا

بُڑھیا کو بُڑھاپے میں یہ دکھ ہوتا ہے لینا … نوچی کو کسی ڈھب کی نصیحت ہو جو دینا
منھ پیٹ وہ ہمسائے سے کہتی ہو کہ بھینا … ناحق کی لڑائی ہے نہ لینا ہے نہ دینا

اک چار گھڑی سے مجھے ہنو آتی ہے بُڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بُڑھیا

[illegible]

ٹک دیکھیو یارو یہ بُڑھاپے کی ہو خواری … ہمسائے کے سنتے ہی لگی دل میں کٹاری
نوچی کی طرف دار ہو گھر میں سے پکاری … کیا بات ہوئی تجھ سے وہ کچھ مجھ کو بتا ری

جس بات پہ دوپہر سے ٹرّاتی ہے بُڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بُڑھیا

وہ کہتی ہے بھینا یہ گزرتی نہیں ڈھڈھو … اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھڈھو
لب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھڈھو … کیا سخت خرابی ہو یہ مرتی نہیں ڈھڈھو

اس حال کو آخر کو پہونچ جاتی ہے بُڑھیا

له پنڈوا ۱۔ گالیاں
ستونا ۲۔ بھتیجی
کر۔۱ نا ۲۔ شہباز

یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

ایسا جو مرے پاس لگے جاے گی جھانپو ۔۔۔ اک روز مجھے گھر سے نکلواے گی جھانپو
سب کھا چکی مجھ کو بھی یہ اب کھاے گی جھانپو ۔۔۔ وہ کون سا دن ہوگا جو مر جاے گی جھانپو

اب تو مجھے ڈائن سی نظر آتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

نوچی جو وفادار کوئی پاس رہی آ ۔۔۔ تو روٹی ملی ورنہ لگی کاتنے چرخا
جب کبڑی کمر ہو گئی اور سر ہوا گالا ۔۔۔ منھ سوکھ کے چھر خ ہوا اور تن ہوا تکلا

پھر روٹی کو چرخے سے کما کھاتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

کیا وقت بڑھاپے کا برا ہوتا ہے واللہ ۔۔۔ بیگانے تو کیا اپنے کو پھر ہوتی نہیں چاہ
اس خوار خرابی سے بھی سہ کر غم جانکاہ ۔۔۔ رک رک کے جوانی کی مصیبت میں نظیر آہ

آخر کو اسی سوچ میں مر جاتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

(۱۳۵)

سچے نفس کُش

بیٹا ہوا کسی کے جو سن پاویں ہیجڑے ۔۔۔ سنتے ہی اس کے گھر میں پھر آ جاویں ہیجڑے
ناچیں بجا کے تالیاں اور گاویں ہیجڑے ۔۔۔ لے لے کے بیل[^1] بھاؤ بھی تبلاویں ہیجڑے

اس کے بڑے نصیب جہاں جاویں ہیجڑے

ظاہر میں گرچہ بیٹھ کے اپنے مزورے ہیں ۔۔۔ پر دل میں اپنے فقر کے گہنے کو گھورے ہیں
+ + + نہ ان کے پاس نہ دونوں + + ہیں ۔۔۔ خاصے لنگوٹ بند خدا کے یہ پورے ہیں

[^1]: سنہ روپیہ جو بطور انعام دیے جاتے ہیں ۱۲ شہباز

بیٹا دعا سے بانجھ کے جنوا دیں ہیجڑے

پورے فقیر نفس کشی کا کریں ہیں شغل
جو نفس مارتے ہیں وہ کرتے ہیں اُنکی نقل
ان میں بھی بعضے رکھتے ہیں کتنے خدا سے وصل
سچ پوچھیے تو نفس اُنھوں نے کیا ہے قتل

کیا مرد ہیں کہ مرد ہیں کہلا دیں ہیجڑے

یوں دیکھنے میں گرچہ یہ ہلکے سے مال ہیں
ہم کو تو پر اُنھوں سے ادب کے خیال ہیں
ناچیں ہیں نیگ جوگ کا کرتے سوال ہیں
اکثر انھوں کے بھیس میں صاحب کمال ہیں

جو کچھ مراد مانگو وہ بر لا دیں ہیجڑے

باتیں بھی ان کی صاف ہیں ملنا بھی صاف ہے
ظاہر بھی ان کا صاف ہے جیوڑا بھی صاف ہے
سینہ بھی ان کا آئینہ مکھڑا بھی صاف ہے
آگا بھی ان کا صاف ہے پیچھا بھی صاف ہے

جب ایسے زندہ دل ہوں تو کہلا دیں ہیجڑے

چلتے ہیں اپنے حال میں کیا کیا مٹکتی چال
آتا ہے اُن کو دیکھ مجرّد کے دل کو حال
کچھ اونچی اونچی چولیاں کچھ لمبے لمبے بال
+ + + کو لات مار کے اکدم میں دے نکال

وہ مرد دا کہ جس کے تئیں بھا دیں ہیجڑے

یہ جان چھلے اب جو کہاتے ہیں خوش صفیر
مدّت سے ہو رہا ہے ارادہ یہ دل پذیر
ہے دل ہمارا ان کی محبت میں اب اسیر
اللہ ہمیں بھی دیوے جو بیٹا تو اے نظیرؔ

ہم بھی بُلا کے خوب سے نچوا دیں ہیجڑے

(۱۳۶)

حُسنِ طلب

کیوں جان کبھی ہم سے اشارات کی ٹھہرے
خلوت میں ذرا لطف و عنایات کی ٹھہرے
جس گھات کا ارمان ہو اُس گھات کی ٹھہرے
یا دن کی مقرر ہو و یا رات کی ٹھہرے

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

اب دل نے ہمارے جو اُسی بات کو چاہا
کیا وقت ہے کیا آن ہے دیکھو تو اہا ہا!
پھولوں کا اسی واسطے گہنا ہے بنایا
بوندیں بھی پڑی برسیں ہیں بادل بھی گھر آیا

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

یہ تم نے جو انگیا پہ لپیٹا ہے ڈوپٹا
لو دل کو ہمارے نہ کرو اس گھڑی کھٹا
جی ہم سے یہ کہتا ہے کہ مار اس پہ چھپیٹا
دیں گے وہ روپیہ جس میں نہ ہو کوڑی کا بٹا

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

اب رنگ جو یہ پان مسی کا ہے جھمکتا
یہ پیٹ یہ سینہ ہے جو کرتی میں جھلکتا
توڑا ابھی پڑا چمکے ہے جگنو بھی دمکتا
دیکھ اب تو اسے ہائے یہ دل رہ نہیں سکتا

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

فرمائش اگر ہو کوئی تو ہم سے وہ فرماؤ
دیکھو تو ہمیں اس گھڑی ہے جوش بڑا تاؤ
ہم سب طرح حاضر ہیں ذرا ہم سے نہ شرماؤ
اب دیر بھلا کرتی ہو کس بات کو لو آؤ

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

کیا جانے یہ دن کون سا لایا تھا ہمیں گھیر
جو چاہیئے حاضر ہیں وہ سب عیش کے اڈھیر
خالی نہ ہمیں چھوڑیو مت کیجیو اندھیر
اب کام میں نیکی کے بھلا کرتے ہو کیوں دیر

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے

جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

جو غنچہ دہن عقل میں اب رکھتے ہیں کچھ راہ
دیکھو تو بھلا کتنی تمھاری ہمیں ہے چاہ
وہ اپنے خریدار سے ہوتے نہیں گمراہ
کیا منت و زاری سے یہ کہتا ہے نظیر آہ

دل کھول کے اس دم تو ملاقات کی ٹھہرے
جان آج تو پھر ہم سے اُسی بات کی ٹھہرے

(۱۳۷)

مزے کی باتیں

+ + + کی ترے آن کو پہچان گئی میں
لذت میں بھری ہوں نہیں اوسان گئی میں
+ + + کی ادا بھی تری پہچان گئی میں
مت ڈر مرے + + + سے کہ اے جان گئی میں

ہوتی ہوں + + + اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی + + + ترے قربان گئی میں

کیا باندھا ہے + + + میں تجھ + + + کے صدقے
کیا تار بندھا ہے میں ترے تار کے صدقے
کیا پیار سے منھ چومے ہے اس پیار کے صدقے
+ + + کی + + + اور ترے + + + کے صدقے

ہوتی ہوں + + + اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی + + + ترے قربان گئی میں

جوں جوں کہ لگاتا ہے تو اب تیر یہ کاری
بھاتی ہے مجھے دل سے تری جان + + +
لگتی ہے جگر میں مرے لذت کی کٹاری
ہر جھوک کے صدقے ترے ہر وار کے واری

ہوتی ہوں + + + اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی + + + ترے قربان گئی میں

ہر آن یہ ملنے کی مری جان سے ملے جا
مجھ کو بھی کھلا عیش میں اور تو بھی کھلے جا

ہر وقت یہی میں بھی +++ تو بھی +++ جا
جس ڈھب سے ملا ہر تو اُسی ڈھب سے ملے جا

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

راضی ہوں اس دم مجھے +++ میں کچل ڈال
بیکل ہوں مری جان مری جان میں کل ڈال
جس چیز کے +++ کی خوشی ہر سودہ +++ ڈال
+++ بھی +++ اور مری +++ بھی +++ ڈال

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

اُگتا ہر مرے دل میں ترے پیار کا پودا
مت چھوڑ قلم جان لکھے جا تو مُسَوَّدا
کر ڈال تو +++ سے مری +++ کو +++
اب کے ہی ترے وار میں سب پار ہر سودا

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

اب آگے کو پیارے تری اُنگلی مرا چھلاّ
خاطر میں نہ لا کچھ مرے +++ کا تو کلاّ
واں آن رہوں گی جہاں تیرا ہر محلاّ
ہوتی ہر گڑھی فتح کیے جائیو ہلاّ

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

جو مجھ کو نشا ہر وہی اب تجھ کو نشا ہے
کیا جوڑ برابر کا یہ اس وقت لگا ہے
میری بھی نئی عمر ہر اور تو بھی نیا ہے
ہنس ہنس کے +++ جا یہی +++ کا مزا ہر

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

کرتی ہوں ترے +++ جو اس دم میں +++
+++ ہی تو جا دیکھ نہ کچھ راہ نہ بے راہ
مت اس سے ڈرا ہو جہاں میں بڑھاتی ہوں تری +++
ہر عین یہی وقت ترے سر کی قسم آہ!

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

یہ تار جو باندھا ہے نہ بڑھے اس میں نہ گھٹ جا
ہر وقت یہی اب مری .... سے .... جا
اک دم تو اسی تار کے بندھنے میں کمٹ جا
میں تجھ سے +++ جاتی ہوں تو مجھ سے ... ہٹ جا

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

اب تجھ سے میں اک کوڑی بھی +++ نہیں لوں گی
جاویگا جہاں تو میں ترے ساتھ چلوں گی
ہاں کھول تجھے اپنی میں چنپا کلی دوں گی
خدمت سے تری ٹک نہ ٹلی ہوں نہ ٹلوں گی

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

+++ ہے جو ہر دم مرے سینے سے تو سینہ
ڈوبا ہے پسینے میں ترے تن کا نگینہ
کیا خوب تجھے آوے ہے +++ کا قرینہ
لا اپنے دوپٹے سے ترا پونچھوں پسینہ

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

میری تو +++ ہٹ گئی اور +++ بھی گئی
قربان ترے یہ تو مہم تو نے ہی سر کی
پر تو نے تو اب شام سے +++ میں سحر کی
آ لے لوں بلائیں میں ذرا تیری +++ کی

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں
اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

اب غم میں بہاوے گا تو میں غم میں بہوں گی
سن یار نظیر اب تو یہی تجھ سے کہوں گی
دکھ درد دکھاوے گا تو دکھ درد سہوں گی
جب تک کہ جیوں گی تری لونڈی ہی رہوں گی

ہوتی ہوں +++ اب تو یہی جان گئی میں

اک اور بھی +++ ترے قربان گئی میں

(١٣٨)

برہ کی کوک

بن دلبر کیونکر بھولے اب میرے دل کی کلی کلی
گشت لگا کتوال کا پھرنے جو کی میٹھی گلی گلی
قول بچن کر کر جھوٹا مجھ سے پھر چھوٹی خبر نہ لی
اُس بن جی گھبراتا ہے اور لگتی نہیں کچھ بات بھلی

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

اب میرا تو وہ حال ہوا ہے جیسے ہوویں قلم دوات
نینہ پھٹ گئی گردش جل گئی کاٹے نہیں کٹتی ہے رات
سیاں کہیں تلوار کہیں ہو عیش مزے کی کیوں کر بات
خالی خولی کیا بیٹھیں ہم جی بہلاویں مل کر سات

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

اُس جھوٹے کی راہ کو تکتے تکتے آنکھیں گئیں پتھرا
کاجل ڈھلکا سرمہ بکھرا منھ میں پان ہوا پھیکا
پھول پلنگ پہ سیج کے میرے غم سے سوکھ گئے مرجھا
جی اکتائے دل گھبرائے آہ بھلا اب کیجے کیا

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

جس کا جھوٹا وعدہ ہو پھر ویسے کی کیا کیجے چاہ
آنا تو اب تک آ جاتا اب کیا دیکھیں ہم اُس کی راہ
جو نہ نباہا اپنے سے تو اُس سے کیجے کیا نرباہ
کیونکر جی کو چین پڑے نہ کیونکر دل سمجھاویں آہ

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

کیا دکھ روؤں رات کی میری مفت گئی سب تیاری
کاجل مسّی پھیکی پڑ گئی اور سنگار ہوا بھاری

انگیا میں کچھ پھڑک پھڑک کے سُست ہوئی پیا۔ رہی جاری
سینہ دھڑکے +++ پھڑکے جاؤں میں کیدھر نکل رہی

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

آج نہ اُس کے آنے میں کیا کیا نہ میری سوچ بہی
درد والم جو گزرے ہو کچھ جاتی نہیں اب بات کہی
کس کس کُڑھ کی سختی دیکھی کس کس دُکھ کی بات سہی
کیا کیجے اور کیا کہیے سب جی کی جی کے بیچ رہی

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

رات کہا میں یار کا اپنے نام بتا کچھ اُسے تصویر
پھر ہمسائی سے یوں بولی بھر کر آہ اور ہو دلگیر
سنکر غصہ ہوکر بولی اُس جھوٹے کا نام نظیر
رات پہاڑ اور دل نہیں لگتا آہ کریں اب کیا تدبیر

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی
آؤ پڑوسن +++ کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی

(۱۳۹)

تجرّد کے مزے

نہ شوخ پری زاد کے بولوں میں مزا ہے
اکڑوں نہ صفا بیٹھ کے +++ میں مزا ہی
نے نازنیں پریوں کے ٹھٹھولوں میں مزا ہی
آوازِ پلنگ میں نہ کھٹولوں میں مزا ہی

لڈو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی
جو مرد مجرّد کے +++ میں مزا ہی

ہر +++ کی گرمی میں جو از بس کہ بھرا رس
سو عیش کے لیتے ہیں مزے +++ کو کس کس
کہتے ہیں اسی واسطے اس کام کو میٹھ رس
لذّت جو ہے اس کام کی کیا کیا میں کہوں بس

لڈو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی

جو مرد مجرد کے +++ میں مزا ہی

پیا جو ہوا پاس تو +++ کو بلایا + — +++ نہ ملی تو کسی +++ کے چلایا
اور جو نہیں سوراخ پلنگ میں ہی +++ — یا اپنے +++ میں ہی کام اپنا چلایا

لڈو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی
جو مرد مجرد کے +++ میں مزا ہی

+++ کے اگر +++ کو جی سننے کو چاہا — تو آپ لگے کہنے میاں چھوڑ دے آہا
جوڑی کو بجا دل کا مزا اپنے نباہا — کیا عیش +++ کے بھی ہوتے ہیں اہاہا

لڈو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی
جو مرد مجرد کے +++ میں مزا ہی

+++ کے لیے خوار نہ +++ سے پڑے نام — نے چاہیے کوڑی نہ یہ +++ پڑے اک دام
جی چاہا جسے لینے لگے اُس کا وہیں نام — سچ ہی کہ +++ میں ہی سب چیز کا آرام

لڈو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی
جو مرد مجرد کے +++ میں مزا ہی

گر ہوتی نہ عالم میں +++ کے لیے راہ — تو عابد و زاہد کا نہ ہوتا کبھی زرباہ
+++ کی نہ درکار نہ +++ کی رہی چاہ — اس عیش کی لذت کہوں کیا تجھ سے نظیر آہ

لڈو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی
جو مرد مجرد کے +++ میں مزا ہی

(۱۴۰)

چوہوں کا آچار

پھر گرم ہوا آن کے بازار چہوں کا — ہم نے بھی کیا خوانچہ تیار چہوں کا

سر پاؤں کچل کوٹ کے دو چار چھوں کا … جلدی سے پکوم ساکیا مار چھوں کا

کیا زور مزے دار ہی آچار چھوں کا

آگے تھے کئی اب تو ہیں اک ہی چے مار … مدت سے ہمارا ہی اس آچار کا بیوپار
گلیوں میں ہیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں خریدار … برسے ہی پڑی کوڑی روپے پیسوں کی بوچھار

کیا زور مزے دار ہی آچار چھوں کا!

سوکھے جیسے ترکاری سے تلنے کے ہوں درکار … تو سوکھے بھی کھونٹی پہ لٹکتے ہیں کئی بار
کچھ تیل کے کچھ پانی کے کچھ چٹنی ہے تیار … کس طرح کی لذت ہی تو چکھ دیکھ مرے یار

کیا زور مزے دار ہی آچار چھوں کا

دیمک کی مرچ لال سڑی لیکوں کی رائی … دم ناگ نلی کھوپری نس نس ہی سڑائی
اور جس پہ سڑی موری کی کیچڑ سے ملائی … جب ایسی بنی زور مزے دار کھٹائی

کیا زور مزے دار ہی آچار چھوں کا

کچھ کینچوے کچھ تجھو ہیں کچھ ناگ ہیں کالے … بھونے ہوئے چیونٹے بھی کئی سیر ہیں ڈالے
کچھ ٹڈیاں کچھ مکھیاں کچھ مکڑی کے جالے … اور ان کے سوا کتنے مصالح ہیں جو ڈالے

کیا زور مزے دار ہی آچار چھوں کا

کچھ اس میں اکیلے نہیں سیر پڑے ہیں … گھونس اور چھچھوندر کے کئی ڈھیر پڑے ہیں
جوں پسو مچھر اور کئی سیر پڑے ہیں … اور کھاٹ کے کھٹمل بھی سوا سیر پڑے ہیں

کیا زور مزے دار ہی آچار چھوں کا

اول تو چھے چھانٹے ہوئے قد کے بڑے ہیں … اور سیر سوا سیر کے مینڈک بھی پڑے ہیں
چکھ دیکھ مرے یار یہ اب کیسے کڑے ہیں … چالیس برس گزرے ہیں جب ایسے سڑے ہیں

کیا زور مزے دار ہی آچار چھوں کا

پٹنگ ڈرا بیل کی ٹانگ بھی پڑی ہے … الو کے پر اور گدھ کی … بھی پڑی ہیں

[illegible]

سلہ ٹانٹ کیوڑی

۱۳

گوبر کی ڈلی بیٹ کی کھاتیں[1] بھی پڑی ہیں
سر کوؤں کے اور چیل کی آنتیں بھی پڑی ہیں

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

چوہوں کا جدا چوہوں کی مونچھوں کا جدا ہے
لوٹے میں سڑی کھال کا بالوں کا جدا ہے
دم کا وہ جدا کان کا آنکھوں کا جدا ہے
پیالی میں نری سوت سی آنتوں کا جدا ہے

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

گر پانچ روپے ہوویں تو اک چھپکلی لے لو
مت گھونس کے تئیں دیکھ کے ترساؤ جی لے لو
اور ایک اشرفی کو چھچھوندر سڑی لے لو
لے لو اجی لے لو اجی لے لو اجی لے لو

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

کھاوے جو اس اچار کی اک مونچھ کی جھنڈی[2]
آتی ہے چلی ملکوں سے ہنڈی پہ جو ہنڈی
کھلجاوے سب اس کے وہ دل و جان کی گھنڈی
جو سر ہے چھچھے کا سو مزے میں ہے وہ منڈی

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

جب دانت تلے کھوپری بھرتی ہے چرا کے
چکھتے ہی زباں بھرتی ہے اس ڈھب سے تڑا کے
کھل جاتے ہیں لذت کے دلوں بیچ بھنبا[3] کے
شبرات میں جس طرح سے چھٹتے ہیں پٹا کے

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

لاتا ہے کوئی چکنے گھڑے اور کوئی کورے
کیا لیں گے اب اسکو جو مفلس ہیں چھچھورے
پیالا کوئی تھالی کوئی پیتل کے کٹورے
کھاویں گے وہی جو کہ ہیں دولت کے چٹورے

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

باچن کے اب اب تو یہ چورن کا چچا ہے
ترشی میں کھٹائی میں یہ اب ایسا رچا ہے
جو کھاوے تو پھر پیٹ کا پتھر بھی بچا ہے
جو آنب کا بابا ہے تو لیموں کا چچا ہے

کیا زور مزے دار ہے اچار چھوں کا

آگے جو بنایا تو بکا تیس روپے سیر
اور کھگئے لے اسے پچیس روپے سیر

؎ برسات میں بکتا ہے یہ

[1] کھات سڑی ہوئی غلاظت جو کھیتوں میں قوتِ زمین کے لیے ڈالی جاتی ہے۔ اسی کو پانس بھی کہتے ہیں ۱۲
[2] جھنڈی وہ کھونٹی جو پودوں کے کاٹ لینے کے بعد کھیتوں میں کھڑی رہ جاتی ہے گنے کی جڑ یا جوار وغیرہ کے درخت کی جڑ یہاں مونچھوں کا کچھا مراد ہے ۱۲
[3] بھبکا۔ بھنبا کا جڑ سے اکھڑ جو آر پار ہو جائے بڑا چھید ۱۲ شہباز

جاڑوں میں یہ بکتا رہا بتیس روپے سیر
اور ہولیوں میں بکتا ہے چالیس روپے سیر

کیا زور مزے دار ہے آچار چھوں کا

روزی تو ہماری یہ اُتاری ہے خدا نے
اور پیٹ کے بھی واسطے دو پیسے کمانے
دن رات پڑے ہم کو یہ آچار بنانے
لذت کو نظیر اس کی جو کھاوے وہی جانے

کیا زور مزے دار ہے آچار چھوں کا!

قصص و حکایات

(۱۲۷)

لیلیٰ مجنون

مُعشّر

پہلے تو حمد خالق ارض و سما لکھوں
گر عمر بھر میں اس کو لکھوں تو بھی کیا لکھوں
لازم ہے اس میں طبع کو عجز انتہا لکھوں
کچھ ناز کچھ نیاز بفکر رسا لکھوں

بعد اس کے پھر میں نعت شہ انبیا لکھوں
بے انتہا ہو وہ تو غرض تا کجا لکھوں
کچھ وصف حسن کا لکھوں کچھ عشق کا لکھوں
ہر جا میں لیلیٰ مجنوں کا کچھ ماجرا لکھوں

سچ پوچھیے تو دونوں عجب کام کر گئے
معشوق عاشقی میں غرض نام کر گئے

پیدا ہوا تھا قیس جب اپنے پدر کے گھر
کنبے کے لوگ بیٹھے تھے باہم سب آن کر
ماں باپ کو ہوئی تھی خوشی سب سے بیشتر
اک دھوم مچ رہی تھی خوشی کی ادھر ادھر

چومے تھا باپ قیس کے ہر لحظہ چشم و سر
ماں بھی لیے پھرے تھی اُسے اپنے دوش پر
رکھتے تھے ہاتھوں چھاؤں اُسے گرچہ بے خطر
فرزند کی خوشی میں لٹاتی تھی سیم و زر

لیکن وہ ماں کی گود میں آکر نہ سوتا تھا
ہر وقت شور کرتا تھا ہر لحظہ روتا تھا

اور تھپک تھپک کے سُلاتی تھی کر کے پیار
تعویذ ڈالنا تھا گلے بیچ بے شمار
رہتا تھا اک فقیر کوئی واں بزرگوار
سنتے ہی اس نے آہ کی اور ہو کے اشکبار
پھرتا تھا باپ فال دکھاتا بچشم زار
لیکن اُسے قرار نہ آتا تھا زینہار
جس دم وہ حال اُس پہ کیا جا کے آشکار
مجنوں کے باپ سے یہ کہا اُس گھڑی پکار

دکھ پانے والے لڑکے جو دنیا میں آتے ہیں
بعضے سب اُن کے پہلے ہی پہچانے جاتے ہیں

لڑکا ترا یہ عاشق سرشار ہووے گا
زلفوں میں نازنیں کی گرفتار ہووے گا
ناز و ادا کا دل سے خریدار ہووے گا
رمزوں سے عاشقی کی خبردار ہووے گا
محفل میں عاشقوں کی نمودار ہووے گا
چشم کرشمہ ساز کا بیمار ہووے گا
دیدار خوبرو کا طلبگار ہووے گا
رسوائے شہر و کوچہ و بازار ہووے گا

تدبیر یہ نہ رونے کی اس کے کیا کرو
تم گل رخوں کی گود میں اس کو دیا کرو

مجنوں کا باپ سنتے ہی گھر کی طرف پھرا
جب اُن پری رخوں نے اُسے پیار ٹک کیا
ماں باپ کا دل اس کے تئیں دیکھ خوش ہوا
مکتب میں اس کے باپ نے لا کر بٹھا دیا
آیا تو گل رخوں کی اُسے گود میں دیا
تھا وہ جو رونا دھونا سو موقوف ہو گیا
پانے اسی طرح سے ہوا جب وہ کچھ بڑا
اک قاعدہ بھی سامنے اُس طفل کے رکھا

مکتب کو دیکھ قیس نے ہوش اپنا کھو دیا

دیکھا جو قاعدے کو بھی یارو تو رو دیا

اُستاد ایسے بیٹھے کہ پوچھیں وہ عشق کو
روئے سخن میں اُن کے ہے عاشقی کی بو
جو کچھ پڑھے تو یوں کہیں غم کے گہر پرو
تختی لکھے تو بولیں اُسے آنسوؤں سے دھو
معنی جو پوچھے تو کہیں صبر و قرار کھو
تقریر پوچھے تو یہ کہیں اُس کے روبرو
دل دے کے خوبرو کی محبت میں خوب رو
باعث جو عشق کے تھے وہ حاضر تھے دوستو

چاہت کی پاک بازی کا ہر دم رواج تھا
لڑکا بھی ابتدا ہی سے عاشق مزاج تھا

اُس کے سوائے اور یہ جادو بھر کنار
لڑکے جو اُس میں بیٹھے سو ایسے وہ گلعذار
صورت کو جن کی دیکھ کے بلبل ہو بیقرار
اندر تو قائلوں کا وہ مجمع ستم شعار
باہر پڑے تڑپتے تھے مشتاق دل فگار
اُن کے سوا یہ اور قیامت تھی آشکار
جو اُن میں لڑکیاں بھی کئی تھیں حیا نگار
جادو پہ جادو جب یہ ہوا آن کر دوچار

دیوانگی کے بڑھنے کا دیوان ہو گیا
مکتب وہ اُس کے حق میں پرستان ہو گیا

حسن و ادا کا ناز کا دیکھا جو التیام
اُن لڑکیوں میں ایک جو لڑکی تھی خوش خرام
تھی شرمگیں وہ ناز میں لیلیٰ تھا اُس کا نام
زلف اُس صنم کی ہو گئی مجنوں کے دل کی دام
بن دام اُس نے کر لیا مجنوں کے تئیں غلام
اُس کے بھی دل میں اُلفت مجنوں کا ازدحام
ایسا ہوا کہ بڑھنے لگا جی میں صبح و شام
چاہت کی مے کے پی لیے آپس میں بھر کے جام

تقدیر سے جو چاہ کا روشن قلم ہوا
دونوں دلوں پہ حرف محبت رقم ہوا

یہ چاہتا تھا اُس کو اسے وہ لبھاتی تھی
چاہت جو یہ جتاتا تھا وہ بھی جتاتی تھی
سنکھ نگہ نگہ سے نہ ہرگز لڑاتی تھی
پر نیچی نیچی نظروں سے کچھ مسکراتی تھی

ظاہر میں تو ہر اک سے وہ چاہت چھپاتی تھی
مکتب سے جب وہ نازنیں ٹک گھر کو جاتی تھی
لیکن وہ دل ہی دل میں محبت بڑھاتی تھی
مجنوں کے دل پہ تب تو قیامت سی آتی تھی

ہوتا ہجوم جی میں جو تھا اضطراب کا
اک اک ورق بکھرتا تھا دل کی کتاب کا

تختی کو لے کے جب وہ قلم کو اُٹھاتا تھا
بے کی کشش میں طول طپش کو جتاتا تھا
لکھنے میں میم کے جو قلم کو ہلاتا تھا
جب وقت عین لکھنے میں دل کو لگاتا تھا
مشق الف میں آہ کی مدیں دکھاتا تھا
نقطے کی جائے قطرۂ آنسو بہاتا تھا
نقش دہن صنم کا اُسے یاد آتا تھا
دیکھ اُس کو چشم یار تصور میں لاتا تھا

تختی وہ کیا تھی دفتر رنج و ملال تھا
لکھنے کی بات پوچھو تو اس کا یہ حال تھا

جاتی تھی جب وہ گھر میں تو اُس کا بھی تھا یہ حال
ہوتی تھی چپکے رونے سے آنکھیں جب اسکی لال
کہتی تھی آنکھ میں جو پلک کا گیا ہے بال
مجنوں سے ملنے کا جو اُسے شوق تھا کمال
مکتب میں جلد جانے کا تھا دم بہ دم خیال
جو پوچھتا تھا اُس سے کوئی موجب ملال
ہوتا ہے اس سبب مرے اشکوں کا اتصال
اک دم کے دور رہنے میں ہوتا تھا جی نڈھال

جاتی تھی جلد پھر اُسی عنوان آتی تھی
مجنوں کے تن میں دیکھ کے پھر جان آتی تھی

کتنے دنوں تو روز ہی ہمرازیاں ہوئیں
چاہت کی ہر کسی سے نہاں سازیاں ہوئیں
نہ افترا ہوا نہ در اندازیاں ہوئیں
چھپ چھپ کے ہم دگر کی نظر بازیاں ہوئیں
اُلفت کی تازہ تازہ تر اندازیاں ہوئیں
ہرگز نہ اتہام نہ غمازیاں ہوئیں
شوقِ درونِ آئینہ پردازیاں ہوئیں
یکتا دلی میں طبع کی انبازیاں ہوئیں

مکتب کے بیچ گُل کی طرح سے کھلے رہے

تازو نیاز کیا ہی گھلے اور ملے رہے

اُس گل بدن کے دل میں چُبھا ہجر کا جو خار
مجنوں کو تھا جو لیلی کے آنے کا انتظار
اب کوئی دم میں دیکھیں گے پھر وصل کی بہار
آگے تو اتنی دیر نہ لگتی تھی زینہار

کتب میں جاتی وہ جو کچھ ہوتا تھا اختیار
کہتا تھا آتی ہو گی وہ محبوب گل عذار
پھرتا کبھی یہ کہتا وہ گھبرا کے بے شمار
ہرگز نہ جی کو چین نہ خاطر کو تھا قرار

کثرت سے طبع پر جو چڑھی دل کی چاہ تھی
در کی طرف نگاہ تھی اور آہ آہ تھی

جب شام تک نہ آئی وہ مجنوں کی مہ جبیں
بیم پدر کبھی کبھی مادر سے سہم گئیں
بے کل تمام رات رہا خستۂ و حزیں
جو ہجر نے دکھائیں جفائیں وہ سب سہیں

چھپ چھپ کے سب سے روتی رہی گھر میں نازنیں
بیتابی جب تو ایسی ہوئی قیس کے تئیں
اشکوں سے آنکھیں اُس کی بھری صبح تک رہیں
کہتا رہا یہ دل سے کہ اے دل یہ ہے یقیں

لیلی کا میرے پاس جو آنا نہ ہووے گا
تو میری زندگی کا ٹھکانا نہ ہووے گا

مجنوں کے دل پہ جب یہ ستمگاریاں ہوئیں
ہر آن بے بسی کی مددگاریاں ہوئیں
اُٹھنے کی ننگ و نام کے تیاریاں ہوئیں
جتنی کہ اُس کو ملنے کی دشواریاں ہوئیں

فرقت کے درد و غم کی گرفتاریاں ہوئیں
ہر دم ادھر اُدھر کی دل آزاریاں ہوئیں
ہجراں کی لحظہ لحظہ جفاکاریاں ہوئیں
اتنی ہی اُس صنم کو بھی ناچاریاں ہوئیں

جیسا کہ اُس کے دل کے تئیں پیچ و تاب تھا
ویسا ہی نازنیں کے تئیں اضطراب تھا

کتنے دنوں تو قیس رہا دل سنبھالتا
جو ذکر وصل ہوتی ہو جی ... جا بجا

ہر لحظہ رنج و درد سہا انتظار کا
اُس بیقرار نے بھی کیا سب وہ ٹھک ٹھکا

لیلیٰ کا جب گذر نہ اُدھر مطلقاً ہوا
پھر تو گھر اپنا بھی اُسے لگنے لگا بُرا
ماں باپ سے بھی رہنے لگا ہر گھڑی خفا
سمجھاتے تھے جو اُس کے تئیں خویش و اقربا

آنکھوں سے آنسو بہتے تھے اور لب خموش تھا
ہرگز کسی کی بات پہ رکھتا نہ گوش تھا

گھبرا کے تھا کبھی جو سر بام بیٹھتا
کہتا ہوا سے اس گھڑی لیلیٰ کے پاس جا
کہیو میری طرف سے کہ اے شوخ دل ربا
تیغ نگہ سے تو نے جو بسمل مجھے کیا
کیوں مجھ سے روٹھ بیٹھی ہے خاطر میں ہو خفا
اے نازنیں بتا ہوئی تقصیر مجھ سے کیا
لازم ہے ایک بار تو میرے کنے پھر آ
آ کر کسی بہانے سے پھر منھ مجھے دکھا

پہروں تلک یہ حال ہوا کو سُناتا تھا
باتیں یہ اُس سے کہتا تھا اور روتا جاتا تھا

جاتا کبھی چمن میں تو ہوتا وہاں یہ حال
بلبل کو وصل گل میں جو تھا دیکھتا نہال
گل بیٹھنے کا لیلیٰ کے تھا باندھتا خیال
رو رو کے آنکھیں کرتا تھا گل کی طرح سے لال
نرگس سے چشم لیلیٰ کو دیتا کبھی مثال
سنبل سے یاد آتے تھے لیلیٰ کے اُس کو بال
ہر سرو کو سمجھ قد لیلائے خوش جمال
ہر دم گلے لگاتا تھا بیتاب ہو کمال

دل سختیٔ فراق سے جوں غنچہ تنگ تھا
گھر میں تو وہ طرح تھی چمن میں یہ رنگ تھا

چھٹی جو ملتی اور تو سب لڑکے لڑکیاں
ہنستے اُچھلتے کودتے کر کر کے بازیاں
لیلیٰ کے آنسو ہوتے تھے رخسار پر رواں
کہتی تھی ہو جو رات کی جلدی سحر عیاں
تو جا کے دیکھوں مجنوں کو مکتب کے درمیاں
مجنوں بھی ہر بہانے سے تا شام اُسکے ہاں
جاتا تھا دیکھنے اُسے رہ رہ کے دوستاں
جب ہوتی رات گھر میں پھر آتا تھا نیم جان

لیلےٰ کی یاد دل کو جو ہر دم ستاتی تھی

آنکھوں میں نیند اس کے سحر تک نہ آتی تھی

ہوتی تھی جب سحر تو وہ مکتب میں آتا تھا
اس غنچہ لب کے منھ سے جو وہ منھ ملاتا تھا
ملنے کا اشتیاق ہر اک دم سُناتا تھا
جب حرف شوق لیلیٰ کے لب سے بر آتا تھا

لیلیٰ کو پہلے آنے سے اپنے وہ پاتا تھا
گُل کی طرح سے دل میں نہ پھولا سماتا تھا
دل کی طلب کو اپنی نگہ سے جتاتا تھا
اُس نازنیں کی چاہ پہ قربان جاتا تھا

کہتا تھا میں غلام ترا اے تمیز ہوں
کہتی تھی ہنس کے وہ بھی میں تیری کنیز ہوں

پھر گھر میں اپنے جاتی جو محبوب دل ربا
دیتی وہ کچھ تو مجنوں سے کہتی تھی تو بھی لا
چومے تھی اس نشانی کو سب سے چھپا چھپا
رہتے تمام رات اسی دُھن میں مبتلا

مجنوں جو کچھ صنم سے نشانی تھا مانگتا
مجنوں بھی دیتا اُسکو تو لے کر وہ مہ لقا
مجنوں بھی ہر گھڑی اُسے آنکھوں پہ رکھتا تھا
اس میں وہ صبح جب اُنھیں دیتی تھی منھ دکھا

مکتب میں پھر تو آنے کی تشنیدہ[1] ہوتی تھی
دونوں کو وہ سحر سحر عید ہوتی تھی

جب تک یہ خرد سال تھی چاہت نہاں رہی
لوگوں میں چرچے ہونے لگے اسکے ہر گھڑی
جانا کسی کسی نے ملامت کسی نے کی
کچھ بن سکا نہ جب تو ہوئی اُنکو بے بسی

سیانی ہوئی تو تاڑنے والوں پہ کچھ کھلی
چاہت کے گُل کی بو نہ رہی آخرش چھپی
پھر تو وہ پھیلی ایسی کہ پہونچی گلی گلی
چھٹ پن کی تھی جو چاہ تو ہرگز نہ چھٹ سکی

آساں نہیں ہے رشتۂ اُلفت کو توڑنا
مشکل ہے بالے پن کی محبت کو چھوڑنا

پہونچی یہ بات خانۂ لیلیٰ میں جس گھڑی
لیلیٰ جب اُن کے روبرو آکر ہوئی کھڑی

ماں باپ کے دلوں میں پڑی غم کی کلجھڑی
دونوں کی طبیع کثرتِ تنبیہ پہ اڑی

[1] تشنیدہ کے معنی ہے عبارت بینہ کی یہاں تشنیدہ مراد خبر شب نو

کچھ جھڑکیاں دیں باپ نے کچھ ماں ہوئی کڑی
تدبیر اور اس کے سوا کچھ نہ بن پڑی
ہیبت دکھائی اور تقید بھی کی بڑی
مکتب سے اس کو منع کیا مار کر چھڑی

مہجور کر دیا وہیں فرحت کے ساتھ سے
تختی کتاب چھین لی لیلیٰ کے ہاتھ سے

بے بس ہو گھر میں بیٹھ رہی جب تو وہ صنم
مجنوں کی یاد صفحۂ دل پر جو تھی رقم
لیلیٰ کی یاد مجنوں پہ کرتی تھی یاں ستم
لیلیٰ کی شکل پھرتی تھی آنکھوں میں ہر قسم
ہوش و حواس کر گئے خاطر سے اس کی رم
مجنوں ہی مجنوں کہتی تھی دل میں بدرد و غم
تختی کہیں پڑی تھی پڑے تھے کہیں قلم
واں ایک پل قرار نہ یاں چین ایک دم

دونوں کے صحن دل میں جو بیتابی ہوتی تھی
واں مجنوں مجنوں ہوتا تھا یاں لیلی لیلی تھی

لاتا تھا باپ کھینچ کے اس کو گھڑی گھڑی
ناچار اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی
تدبیر اور جنوں کی جو ہوتی ہے وہ بھی کی
کہتا تھا باپ جا کے جو اس سے کبھی کبھی
چین اس کے دل کو گھر میں ہوتا تھا اک ذری
زنجیر کی صدا سے بھی دیوانگی بڑھی
آخر گھر اپنا چھوڑ کے صحرا کی راہ لی
بیٹا میں تیرا باپ ہوں مل مجھ سے اس گھڑی

کہتا تھا رو کے میں تو تجھے جانتا نہیں
لیلیٰ سوا کسی کو میں پہچانتا نہیں

آتا تھا دیکھنے کو جو لیلیٰ کے وہ کبھی
کھڑکی کو دیکھتا تھا کہ ہے بند یا کھلی
لیلیٰ کو اس کے آنے سے ہوتی تھی آگہی
مادر پدر کے خوف سے تھی گرچہ بے بسی
تھا چومتا بہانے سے چوکھٹ جو گھر کی تھی
کرتا نگاہ تھا کبھی جالی پہ ہر گھڑی
پھرتی ادھر ادھر تھی وہ حیلے کو ڈھونڈتی
تو بھی ہر ایک طرح سے صورت دکھاتی تھی

کچھ کہنے پائی کیوں کہ حذر ہوش کھوتا تھا

باتوں کے بدلے واں اسے رو دینا ہوتا تھا

جاتی تھی سیر باغ کو جس دم وہ دل رُبا
دیدار کے لیے وہ بہانہ تھا باغ کا
سنتے ہی دوڑتا تھا خوشی سے وہ مبتلا
محمل کے پردے کو وہ میں دیتی تھی پھر اُٹھا

مجنوں کے دیکھنے کا وہ رکھتی تھی مُدّعا
لڑکے جب آ کے مجنوں کو دیتے تھے یہ سُنا
لیلےٰ بھی اُس کے سنتی تھی جب شور کی صدا
جلدی سے اُسکو دیتی تھی منہ اک نظر دکھا

دونوں طرف سے شوق جو نشتر چبھوتا تھا
واں دیکھنا دکھانا اسی ڈھب سے ہوتا تھا

مجنوں کا مدتوں تلک ایسا ہی حال تھا
گر بن گیا بہانہ تو تک منہ کو تک لیا
سر کی خبر نہ اپنے اُسے تھی نہ ہوش پا
رہتا تھا رات دن غمِ فرقت میں دل پھنسا

آیا کبھی تو ٹھہرنے اُس کو نہ واں دیا
ورنہ وہ اپنے جھونپڑی وادی میں جا پڑا
لیلیٰ ہی لیلیٰ اُس کی زباں پر تھی جا بجا
تن کا بیاں میں یارو کہوں اُس کے اور کیا

غالب جو اُس کے جی پہ وہ دیوانہ پن ہوا
لیلیٰ کی جو کمر تھی وہ اُس کا بدن ہوا

کہتا تھا دمبدم مری دلدار لیلی ہے
محفل میں دلبروں کے نمودار لیلی ہے
نازو ادا کی گرمیِ بازار لیلی ہے
محبوب گل رخوں کی وفادار لیلی ہے

اس خستہ دل کی مونس و غمخوار لیلی ہے
خوبی و دلبری میں چمن زار لیلی ہے
خوبانِ نازنیں میں فسوں کار لیلی ہے
مجنوں کی عاشقی کے سزاوار لیلی ہے

لیلی ہی کی ادا پہ مرا دل نثار ہے
لیلی ہی کی نگہ مرے سینے سے پار ہے

ماں باپ نے جب اس کی یہ کچھ دیکھی بیکلی
اور پدر نے لیلی کے باپ اس سے یہ کہی

مشاطہ ایک خانۂ لیلی میں بھیج دی
لڑکے کی اُن کے تو ہے جنوں سے لگن لگی

که جس مجنوں
جب اس بند کے
بعد وہ بند لکھا کہ
جو اس طرح شروع
ہوتا ہے "ماں باپ
کے [illegible]
لگے [illegible] خوشی
[illegible]
شبانہ

سنتے ہیں وہ تو رہتا ہے وحشی سا ہر گھڑی
اُن سے کہا تو بان سے یہ کہہ بھیجا ہر گھڑی
مشاطہ جب یہ سن کے ادھر سے اُدھر پھری
سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں اس کی دوانگی

کچھ خوف مت کرو اُسے ہر دم پہ دیکھ لو
باور نہ ہو تو اپنی تم آنکھوں سے دیکھ لو

کہکر یہ قیس کو وہ ارادہ جتا دیا
زلفیں سنوار آنکھوں میں سُرمہ لگا دیا
پٹکا سنہرا اُس کی کمر میں بندھا دیا
رومال اک زری کا بھی ہاتھوں میں لا دیا
زرّیں لباس اُس کے بدن میں پنھا دیا
دستارِ زرفشاں کو بہ سر جگمگا دیا
بُردِ یمن کو دوش کے اوپر اُڑھا دیا
بوڑھے بڑوں کے ساتھ اُسے واں بھجا دیا

جتنے بزرگ تھے اُسے سب لیکے واں گئے
مل کر جو بیٹھے یہ بھی خوش اور وہ بھی خوش ہوئے

کہتے ہیں قیس لڑکوں میں صاحب جمال تھا
واں جس نے دیکھا اسکو بہت جی کو خوش لگا
کہتی تھیں یہ تو لڑکا نہایت ہے خوش ادا
کہتے تھے اُن کے پاس جو لیلیٰ کے اقربا
پوشاک جب وہ پہنی تو حسن اور بھی بڑھا
تھیں بیبیاں بھی دیکھتیں غرفوں سے جابجا
دیوانگی کا اس کی عبث شور تھا مچا
لڑکے کا حسن سب کی نگاہوں میں تھا کھبا

سب دل میں اپنے تخم محبت کو بوتے تھے
الفت کی باتیں کرتے تھے اور شاد ہوتے تھے

کہتے ہیں ایک سگ کہیں لیلیٰ نے پالا تھا
مجنوں نے سر کو پاؤں پہ اُس سگ کے رکھ دیا
رومال وہ زری کا اُسی کو اُڑھا دیا
ہاتھ اپنا اُس کے سر پہ کبھی پیٹھ پہ رکھا
ناگاہ جب وہ قیس کی اُس جا نظر پڑا
کر پیار اُس کو اپنے گلے سے لگا لیا
گودی میں اپنے پیار سے جلدی بٹھا لیا
بے اختیار ہو کے اُسے جب تو یہ کہا

تو جس کے پاس ہے مجھے اُس سے جدائی ہے

مدت میں تیری شکل نظر مجکو آئی ہے

اُس سگ کو دیکھ قیس کا جب ہو گیا یہ حال
جو ہاتھ پیار سے دیئے گردن میں اُسکی ڈال
سب کے تئیں یہ دیکھ کے حیرت ہوئی کمال
تھے جیسے خوش وہ دیکھ کے واں قیس کا جمال
ویسا ہی اُن کے دل کو ہوا رنج اور ملال
آپس میں جب تو کرنے لگے سب یہ قیل و قال
جو ہوش میں ہو اُس سے تو یہ بات ہے محال
ہوتی مگر ہے ایسی دوانوں کی چال ڈھال

یہ ڈھنگ قیس کے جو نمودار ہو گئے
جتنے گئے تھے ساتھ وہ ناچار ہو گئے

ماں باپ کے بھی دل کو ادھر لگ رہی خوشی
یعنی پسند ہو گئی اُنھیں طرز قیس کی
اتنے میں آئے پھر کے اُدھر سے جو وہ بھی
جو واردات گذری تھی آکر وہ سب کہی
اور یوں کہا بہت ہمیں شرمندگی ہوئی
اس سے تو ہم نہ جاتے تو بہتر وہ بات تھی
خاطر میں پھر تو قیس کی دیوانگی بڑھی
شرم و حیا و صبر نے جب دل سے راہ لی

پھر تو ہمیشہ کوچۂ لیلیٰ میں جاتا تھا
بیٹا بیاں جتاتا تھا اور غل مچاتا تھا

آخر یہ قیس کی ہوئی حالت پھر آشکار
کر ڈالا اپنا غم سے گریبان تار تار
گھر کو بھی اپنے چھوڑ دیا ہو کے بیقرار
لیلیٰ کے در پہ آپڑا بس ہو کے بے وقار
واں سے بھی جب اُٹھا دیا اُس کو بحال زار
گلیوں میں جب تو پھرنے لگا ہو کے دلفگار
لڑکوں کا تھا ہجوم لگا ساتھ بے شمار
آنکھیں بھی سرخ نالوں کے غل شور بار بار

کثرت میں عشق تھا جو بت گلعذار کا
اک جوش تھا جنوں کے چمن کی بہار کا

لیلیٰ بھی اُس کی چاہ میں بے اختیار تھی
منھ کو لپیٹے رہتی تھی مسند پہ وہ پڑی
ملنے کو اس کے آتی تھیں جب لڑکیاں کبھی
وہ غمزدہ کسی سے بھی ہرگز نہ بولتی

آنکھوں میں اشک آہ بلب اور اُداس جی
زنہار میرے پاس نہ آیا کرو کبھی

ہٹ کر میں وہ تو اُن کو سناتی تھی اُس گھڑی
صحبت مجھے کسی کی نہیں لگتی ہے بھلی

مجنوں کے دیکھنے کی تمنا مدام تھی
لیتی سحر سے شام تلک اس کا نام تھی

اس حد یہ جا پہونچی تھی دونوں کی دوستاں
گر اس کے ایک پھانس لگی تن کے درمیاں
ہوتی تھی اس کی چشم ادھر جب گہر فشاں
جو اس کی شکل یاں تھی وہی اُسکی شکل واں

جو اُس یہ گذرا حال وہ اس پر ہوا عیاں
اُس کے جگر سے اُٹھنے لگا نالہ و فغاں
آنکھوں سے اشک اُسکی بھی ہوتے تھے تب رواں
الفت کا اُن کی آہ میں کیا کیا کروں بیاں

چاہت کے گل کچھ ایسی طرح جی میں کھل گئے
جو دل بھی اُن کے مل گئے اور تن بھی مل گئے

سچ پوچھیے تو رکھتی ہے چاہت بھی کیا مزا
یک رنگ دوستی میں رہے دونوں برملا
جو اُس کے پا میں پھرتے ہوئے آبلا پڑا
مجنوں کے رومٔ رومٔیں میں لیلیٰ گئی سما

جو فرق کی نہ عاشق و معشوق میں ہو جا
جو اُس یہ ہو گیا وہی اس پر گذر گیا
گھر بیٹھے اُس کے پاؤں میں کانٹا وہیں چبھا
لیلیٰ کے بند بند میں مجنوں ہی بھر گیا

چاہت کے اُن سے کام بہت نیک ہو گئے
دونوں میں کچھ دوئی نہ رہی ایک ہو گئے

اس کی مثل میں کرتا ہوں یارو میں اب بیاں
یہ رمز عشق ہے اسے جانے ہیں عاشقاں
لیلیٰ نے ایک روز کھلائی تھی فصد واں
حیرت ہوئی ہر ایک کو جب یہ ہوا عیاں

پنہاں نہیں غرض ہے یہ مشہور درجہاں
عشاق کے یہ دل پہ نہیں مطلقاً نہاں
وادی میں ہو گیا رگ مجنوں سے خوں رواں
حیرت نہیں یہ چاہ کی ہیں پختہ کاریاں

جب پختگی میں چاہ کا ہوتا کمال ہے

سلہ رودم پرانا لفظ ہے روئیں کا مرادف ۱۲

واں ہوتا پھر تو دستو ایسا ہی حال ہے

قصہ تو لیلیٰ مجنوں کا ہے دوستو بڑا
اشخص سخن میں رکھتا تھا کب طبع کو رسا
سچ پوچھو تو زمانے کا ہے اعتبار کیا
لیلیٰ تو اُٹھ گئی وہیں مجنوں بھی چل بسا

تھوڑا سا اُس کتاب سے میں نے بھی یہ لکھا
کچھ میٹھے میٹھے یہ بھی مرے جی میں آ گیا
ہے راحتِ بہار سے رنجِ خزاں لگا
آگے نظیرؔ اس کا بیاں اب کروں میں کیا

کاغذ میں نام ان کا بار قام رہ گیا
آخر کو دونوں جاتے رہے نام رہ گیا

(۱۴۲)

ہنس نامہ

دنیا کی جو الفت کا ہوا مجھ کو سہارا
دیکھی جو یہ غفلت تو مرا دل یہ پکارا

اور اُس نے خوشی کو مری خاطر میں اُتارا
آیا تھا کسی شہر سے ایک ہنس بچارا

اک پیڑ پہ جنگل کے ہوا اُس کا گذارا

چنڈول اگن ابلقے جھپیان بنے ڈھیر
طوطے بھی کئی طور کے ٹوٹیاں کوئی لہبر

مینا ڈبے کلکلے بگلے بھی سمنبر
رہتے تھے بہت جانور اُس پیڑ کے اوپر

اُس نے بھی کسی شاخ پہ گھر اپنا سنوارا

بلبل نے کیا اُس کی محبت میں خوش آہنگ
کھنجن میں گلگلوں میں بھی چاہت کی مچی جنگ

اور کوکلے کویل نے بھی الفت کو لیا سنگ
دیکھا جو طیوروں نے اسے حسن میں خوش رنگ

وہ ہنس لگا سب کی نگاہوں میں پیارا

سیمرغ بھی سو دل سے ہوئے ملنے کے شائق
سارس بھی جو اصل بھی ہوئے اُسکے موافق

گردھ پکھ بھی پکھوں کے ہوئے جھلنے کے لائق
باز و لگڑ و جرہ و شاہیں ہوئے عاشق

(۱) [illegible] سخن میں طبع [illegible] کب رسا

؎ اس مصرع کے مطلب میں کسی قدر رعایت لفظی کی وجہ سے اشکال ہے۔ چنڈول ایک جانور کا بھی نام ہے اور ایک سواری کا بھی۔ شاعر اگن کو چنڈول قرار دیتا ہے اور ابلقے کو جھپیان اور ڈھیر کو نوشہ [illegible]
شہباز
؎ سمنبر۔ سفید سینگ [illegible]
؎ سیمرغ۔ مرغ،
؎ عنقا۔ سوتفار۔
ققنس کی طرح [illegible]
[illegible]

شکروں نے بھی شکرے سے کیا اس کا مدارا

کچھ سبزک و بٹر تھے دیکھ ٹنٹن و بزے — پنڈخی سے لگا توڑ و قمری و ہریوے
غوغائی بگیری و لٹورے و پپیہے — کچھ لال چڑے پودنے بئے ہی غش تھے

پدڑی بھی سمجھتی تھی اُسے آنکھ کا تارا

چاہت کے گرفتار بٹیریں لوے تیتر — کبکوں کے تدروؤں کے بھی چاہت میں [illegible]
ہُدہُد بھی ہوئے ہٹ کے بڈھیا ادھر اُدھر — زاغ و زغن و طوطی و طاؤس کبوتر

سب کرنے لگے اس کی محبت کا اشارا

سُکل اس کی وہیں جی میں کھبی شام چڑے کے — دی چاہ جتا پھر اُسے جھانپو نے بھی جھپ سے
ہریل بھی ہوئے اُسکے بڑے چاہنے والے — جتنے غرض اُس پیڑ پہ رہتے تھے پرندے

اُس ہنس پر اُن سب نے دل و جان کو وارا

خواہش یہ ہوئی سب کی کہ ہر دم اُسے دیکھیں — اور اُس کی محبت سے ذرا منھ کو نہ پھیریں
دن رات اُسے خوش رکھیں نت سکھ اُسے دیویں — صحبت جو ہوئی ہنس کی اُن جانوروں میں

اک چند رہا خوب محبت کا گذارا

سب ہو کے خوش اس کی مؤالفت لگے جینے — اور پیت سے ہر اک نے وہاں بھر لیے سینے
ہر آن جتانے لگے چاہت کے قرینے — اُس ہنس کو جب ہو گئے دو چار مہینے

اک روز وہ یاروں کی طرف دیکھ پکارا

یاں لطف و کرم تم نے کیے ہم پہ ہیں جو جو — تم سب کی یہ خوبی ہے کہاں ہم سے بیاں ہو
تقصیر کوئی ہم سے ہوئی ہووے تو بخشو — لو یارو ہم اب جاوینگے کل اپنے وطن کو

اب تم کو مبارک رہے یہ پیڑ تمھارا

اتبک تو بہت ہم رہے فرصت سے ہم آغوش — اب یاد وطن دل کی ہمارے ہوئی ہمدوش
جب حرف جدائی کا پرندوں نے کیا گوش — اس بات کے سنتے ہی جو ہر اک کے اُڑے ہوش

۱؎ چربگے۔ بڑی ناک کا ایک پرندہ ۲؎ غش بیہوش ۳؎ کھبی بیٹھ آئی ۴؎ جھانپو بہرسیلی ایک پرند کا نام ہے ۵؎ عجب [illegible] ۶؎ وارا نثار کیا ۷؎ پیت محبت [illegible]

سب بولے یہ فرقت تو نہیں ہم کو گوارا

بن دیکھے تمھارے ہمیں کب چین پڑیں گے
اک آن نہ دیکھیں گے تو دل غم سے بھریں گے
گر تم نے یہ ٹھہرائی تو کیا سکھ سے رہیں گے
ہم جتنے ہیں سب ساتھ تمھارے ہی چلیں گے

یہ درد تو اب ہم سے نہ جاوے گا سہارا

پھر ہنس نے یہ بات کہی اُن سے کئی بار
کچھ بس نہیں اب چلنے کی ساعت ہے ہیں ناچار
آنکھیں ہوئیں اشکوں سے پرندوں کے گہربار
اُس میں جو شب کوچ کی ہوئی صبح نمودار

پر اپنا ہوا پر وہیں اُس ہنس نے مارا

وہ ہنس جب اُس پیڑ سے واں کو چلا ناگاہ
سنتھ پھیر کے ادھر سے وطن کی جو ہیں لی راہ
دیکھا جو اُسے جاتے ہوئے واں سے تو کر آہ
سب ساتھ چلے اُس کے وہ ہمراز و ہوا خواہ

ہر ایک نے اُڑنے کے لیے پنکھ پسارا

اور ہنس کی اُن سب کو رفاقت ہوئی غالب
جب واں سے چلا وہ تو ہوئی بے بسی غالب
کلفت تھی جو فرقت کی وہ سب پر ہوئی غالب
دو کوس اُڑے تھے جو ہوئی ماندگی غالب

پھر پر میں کسی کے نہ رہا قوت و یارا

پر اُن کے ہوئے تر جو ہیں دوری کی پڑی اوس
روئے کہ رفاقت کی کریں کیونکہ قدمبوس
تھک تھک کے لگے گرنے تو کرنے لگے افسوس
کوئی تین کوئی چار کوئی پانچ اُڑا کوس

کوئی آٹھ کوئی نو کوئی دس کوس میں ہارا

کچھ بن نہ سکے اُن سے رفیقی کے جو واں کار
اور اتنے اُڑے ساتھ کہ کچھ ہوئے نہ اظہار
جب دیکھی وہ مشکل تو پھر آخر کے تئیں ہار
کوئی یاں رہا کوئی واں رہا کوئی ہو گیا ناچار

کوئی اور اُڑا آگے جو تھا سب میں کرارا

تھی اُس کی محبت کی جو ہر ایک نے پی مے
سمجھے رکھتے بہت دل میں وہ الفت کو بڑی شے
جب ہو گئے بے بس تو پھر آخر یہ ہوئی رئے
چیلیں رہیں کوّے گرے اور باز بھی تھک کر

سہارا ۔ برداشت
پنکھ ۔ پر
پسارا ۔ پھیلایا
کرارا ۔ مضبوط
کیفیت حالت
اشرف علی لکھنوی

اُس پہلی ہی منزل میں کیا سب نے کنارا

دنیا کی جو الفت ہے تو اس کی ہے یہ کچھ راہ
جب شکل یہ ہووے تو بھلا کیونکہ ہو نرباہ[1]
ناچاری ہو جس جا میں تو واں کیجیے کیا چاہ
سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھی تھے نظر آہ

آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

(۱۴۳)

پودنے اور گرڑھ پنکھ کی لڑائی

ایک پودنے کا حال عجب سننے میں آیا
تھا گھونسلا اک پیڑ اُپر اُس نے بنایا
اور پودنی اور بچوں کو تھا اُس میں بٹھایا
قد میں تو وہ تھا پودنا چھوٹا سا کہایا

پر دل میں وہ گرڑھ پنکھ سے ٹھہرا تھا سوایا

کوّے کو سمجھتا تھا وہ اک مکھی کا بچا
اور چیل کو گنتا تھا وہ ناچیز پتنگا
بگلے کو بچا کیڑے کا اور بُزّے کو بھُنگا
لگھڑی کو سمجھتا کہ تو ہے کیا اری چل جا

ہم نے ترے لگھڑ کو ہے چٹکی میں اُڑایا

اک روز وہ سارس سے لگا کہنے اُچھل کر
جس پیڑ پہ ہم بیٹھے ہیں ہلتا ہے سراسر
سارس نے یہ سُن پودنے سے یوں کہا ہنس کر
کیا بات تم ایسے ہی ہو بھاری و تناور

ہر پیڑ کو ہے بوجھ تمھارے نے ہلایا

رہتا تھا وہ جس پیڑ پہ وہ پیڑ تھا برنا[2]
آگے کہیں اُس دشت میں اک ارنی وارنا
خوش آیا انھیں واں جو ہری گھاس کا چرنا
ٹھہرایا انھوں نے اسی جنگل میں اُترنا

رہنے لگے وہ بھی انھیں صحرا جو وہ بھایا

واں پودنی اور ارنی میں بہناپا جو ٹھہرا
دن کو وہ لگی رہنے خوشی ہو کے اسی جا

[1] نرباہ لفظ ہے معنی میں نباہ کے
[2] برنا ایک میوہ دار درخت کا نام
[3] شہباز

اور رات کو رہنے لگی وہ ارنے کنے جا — خوش ہو کے لگی رہنے ہوا پیار جو گہرا

دونوں نے غرض خوب محبت کو بڑھایا

اک روز وہ ارنی کہیں چرتی ہوئی آئی — اور آتے ہی اُس پیڑ سے بیٹھ اپنی کھجائی

وہ پیڑ ہلا پودنے نے دھوم مچائی — ہو جاوے گی اس بات سے مردوں میں لڑائی

اس تیرے کھجانے نے بہت ہم کو ستایا

ارنی یہ ہنسی سن کے اور ارنے سے کہا جا — ارنا بھی ہنسا اور کہا جا پھر تو کھجا آ

اور آئی کھجانے کو تو یوں پودنا بولا — بدذات یہ تیری نہیں تقصیر میں سمجھا

شاید ترے ارنے نے تجھے یہ سکھایا

کل اُس کی سزا پاوے گا ارنا ترا بدخو — جو صبح لگی ہونے تو وہ پودنا دل جو

آیا جہاں سوتا تھا وہ ارنا پڑا خوش ہو — دھر بیٹھ گیا کان میں باندھ اپنے پروں کو

پھُر پھُر کیا اور پردے میں پنجوں کو گڑایا

ارنا لگا ٹکرانے سر شور مچا کر — ارنی گری اس پودنی کے پاؤں پہ جا کر

جب پودنی نے اسکے ترس حال پہ کھا کر — جلدی سے نکالا اُسے آواز سُنا کر

ارنے کو سوا بھاگنے کے کچھ نہ بن آیا

بھاگا غرض ایسا کہ نہ پھر پیچھے کو دیکھا — ارنی بھی گئی بھاگتی ساتھ ارنے کے گھبرا

اُس بھاگنے میں دونوں نے پھر منھ کو نہ پھیرا — ارنا تو نظیر اپنے اُدھر خوف سے بھاگا

یاں گھونسلے میں پودنا پھولا نہ سمایا

(۱۴۴)

کوّے اور ہرن کی دوستی

اک دشت میں سُنا ہے کہ اک خوب تھا ہرن — بچا ہی تھا ابھی نہ ہوا تھا بڑا ہرن

پھرتا تھا جو کڑی کا دکھاتا مزا ہرن ۔ دیکھا جو ایک کوّے نے وہ خوشنما ہرن

دل کو نہایت اس کے وہ اچھا لگا ہرن

وہ باتیں کر کے کوّے نے اس کو لگا لیا ۔ دم میں ہرن بھی کوّے کی اُلفت میں آگیا
کوّے ہرن میں ٹھہری جو گہری محبت آ ۔ کوّا جدھر جدھر کو خوشی ہو کے جاتا تھا

پھرتا تھا اُس کے ساتھ لگا جا بجا ہرن

اک گیدڑ اُس ہرن کے کنے آ کے نابکار ۔ بولا ہزار جان سے میں تم پہ ہوں نثار
مجھ کو بھی اپنا جان غلام اور دوستدار ۔ اور دل میں یہ کہ کیجے کسی طور سے شکار

اُس کی دغا و مکر سے واقف نہ تھا ہرن

گیدڑ یہ کہہ کے مکر سے جس دم گیا اُدھر ۔ کوّا ہرن سے کہنے لگا کر کے شور و شر
یہ سخت مکر باز ہے کر اس سے تو حذر ۔ اک دن دغا سے تجھ کو یہ پکڑے گا فتنہ گر

سن کر یہ بات کوّے کی چپ ہو رہا ہرن

دن دوسرے ہرن کنے گیدڑ پھر آگیا ۔ کوّے کو سوتا دیکھ یہ بولا وہ پُر دغا
میں آج دیکھ آیا ہوں کیا کھیت اک ہرا ۔ تم کھاؤ اُسکو چل کے تو ہو شاد دل مرا

سنتے ہی اُس کے ساتھ اُچھلتا چلا ہرن

جس کھیت پہ یہ لے کے گیا اُسکو بدسگال ۔ واں پہلے دیکھ آیا تھا وہ اک ہرن کا جال
لے پہونچا جب ہرن کے تئیں کھیت پہ شغال ۔ جاتے ہی واں ہرن نے دیا منھ کو اُسمیں ڈال

منھ ڈالتے ہی جال میں واں پھنس گیا ہرن

واں پھر دھپڑا تا آگیا کوّا بھی ناگہاں ۔ گیدڑ کو دے کے گالی ہرن سے کہا کہ ہاں
تڑپے مت اس میں ورنہ تو ہوویگا ناتواں ۔ کوّے کی بات سنتے ہی ہمّت کو باندھ وال

جیسے گرا پڑا تھا وہیں پھر اُٹھا ہرن

گیدڑ لگا جب آنے ہرن کی طرف جھپٹ ۔ کوّا پکارا مار تو سینگ اک جو جاوے ہٹ

له بھلا پھسلا -
سه ڈر، پرہیز -
سه بدمعاش -
ے بدوضع ۱۲ -
اشرف علی لکھنوی

پا اک گھڑی تو ایسی لگا پاؤں کی لپیٹ ۔ جاوے جو اسکے لگتے ہی گیدڑ کا پیٹ پھٹ
سن کر کھڑے ہوسینگ ہلانے لگا ہرن

گیدڑ نے خوب کوّے کو دیں جل کے گالیاں ۔ صیّاد واں ہوا تھا کسی کام کو رواں
اس میں شکاری آکے ہوا دور سے عیاں ۔ کوّا پکارا لیٹ جا دم بند کرکے ہاں
دم بند کرکے اپنا وہیں گر پڑا ہرن

گیدڑ نے اسکو دیکھ کے اک جا کے جھاڑی لی ۔ صیّاد اس ہرن کو پڑا دیکھ اُس گھڑی
افسوس کرکے دام کی رسّی وہ کھول دی ۔ کوّا پکارا بھاگ ارے وقت ہے یہی
سنتے ہی وہاں سے چوکڑی بھر کر اڑا ہرن

صیّاد نے جو دیکھا ہرن اٹھ چلا جھپاک ۔ جلدی سے دوڑا پیچھے ہرن کے وہ سینہ چاک
سونٹے کو پھینک مارا جو پھرتی سے اُس نے تاک ۔ بھاگا ہرن لگا وہیں گیدڑ کے آکھٹاک
سر اُس کا پھوٹا اور وہ سلامت گیا ہرن

گیدڑ نے اس ہرن کا جو چیتا تھا واں بُرا ۔ پائی اُسی نے اپنی بدی کی وہیں سزا
تھا یہ تو نثر میں نے اُسے نظم میں کیا ۔ پہونچا نظیر جب وہ خوشی ہو کے اپنی جا
کوّے کے ساتھ پھر وہ بہت خوش رہا ہرن

(۱۴۵)

جوگی کا سچّا روپ

میاں میں کیا کہوں احوال کی اپنے پریشانی ۔ لگا ڈھلنے مری آنکھوں سے اکدن خود بخود پانی
یکایک آپڑی اُس دم مرے دل پر یہ حیرانی ۔ کہ جس کی ہو رہی ہر یہ جو ہر اک جا ثنا خوانی
کسی صورت سے اسکو دیکھیے کیسا ہے وہ جانی

سلہ: مین سے ملا کر ۱۲ سلہ فوراً۔ جلدی سے ۱۲ سلہ چھپتا چھپایا ۱۲ اشرف علی

چڑھا اس فکر کا دریا بھر اس جوش میں آکر
قرار و ہوش و عقل و صبر و دانش بہ گئے یکسر
کہ اک اک لہر اس کی نے اُڑایا لا ہوا اوپر
اکیلا رہ گیا عاجز غریب و بیکس و بے پر
لگا رونے کہ اس مشکل کی ہو اب کیسے آسانی

یہ صورت تھی اسی میں دل میں دھن اک اور لا ڈالی
بنا مُندرے گلے میں ڈال سیلی بر ملا ڈالی
منگا تھوڑا سا گیروا اور وہیں کفنی رنگا ڈالی
لگا منھ پر بھبوت اور شکل جوگی کی بنا ڈالی
ہوا اودھوت[1] جوگی جوگیوں میں آپ گر گیانی

پھر اس سامان میں یارو دیکھا یک کچھ جو جوش آیا
اُٹھا کر بھاوڑی[2] اور دھیان میں منکا پھرا من کا
پٹارے درد کے تھے سو تو کاندھے پر لیے لٹکا
لیا سیندور اور ماتھے پہ کھینچا اس قدر قشقا
کہ جس کے نور سے جلنے لگی جوں شمع پیشانی

اُٹھائی چاہ کی جھولی بیالا[3] چشم کا کھپر
مُنڈا سا گیروا باندھا رکھا ترسول کاندھے پر
بنا کر عشق کا کنٹھا طلب کا سر پہ رکھ چکر
لگا جوگی ہو پھرنے ڈھونڈھتا اس یار کو گھر گھر
دکاں بازار و کوچہ ڈھونڈھنے کی دل میں پھر ٹھانی

یہ سادھا جوگ میں نے پھر کہو کیسا ہوا جوگی
کہوں کیا واہ وا اس وقت میں کیسا ہوا جوگی
کوئی دنیا میں کاہے کو غرض ایسا ہوا جوگی
محبت میں سراسر ڈوب کر ایسا ہوا جوگی
کہ میری شکل بھی ہرگز کسی نے پھر نہ پہچانی

لگی تھی دل میں آتش دھواں اُٹھتا تھا آہوں کا
طلب تھی یار کی اور گرم تھا بازار باتوں کا
تماشے کے لیے حلقہ بندھا تھا ساتھ لوگوں کا
نہ کچھ سر کی خبر تھی اور نہ تھا کچھ ہوش پاؤں کا
نہ کچھ بھوجن کا اندیشہ نہ کچھ فکر ال[4] پانی

تو پھر اس جوگ کا ٹھہرا عجب کچھ آن کر نقشا
کہو پیارے ہمارے یار کو تم نے کہیں دیکھا
جو آیا سامنے میرے تو کہنا اس سے سنتا جا
جو کچھ مطلب کی وہ بولا تو اُس سے اور کچھ پوچھا
و گر یوں ہی لگا کہنے تو پھر دینا[5] انا کانی

۱؎ اودھوت یا اَبدھوت ہندو فقیروں کا ایک گروہ جو واجب الوجود کے سوا دوسرے کو نہیں مانتا اور نہ کسی کی عبادت بجز خدا کی پرستش کے کرتا ہے۔ ۲؎ بھاوڑی یا بیساکھی یعنی بطور تکیہ جوگیوں کی لاٹھی۔ ۳؎ کھپر یعنی ستی کا پیالا جو جوگیوں کے استعمال کا۔ ۴؎ ال بالی کرنا بھنگ پینا، شراب کے علاوہ سب نشوں کی نسبت بولتے ہیں، ال شراب کے علاوہ ہر قسم کا نشہ۔ ۵؎ ناکانی دینا طرح دینا۔ ناکانا۔ سنی ان سنی کرنا۔ کان میں بول بھرنا، شنیدہ ناشنیدہ کرنا۔ در گزر کرنا۔ ۶؎ شہباز

کبھی مالا سے کہتا تھا لگا کر جیب سے ای مالا ‏— ہوا ہوں جب سے میں جوگی تو ہی اُس یار کو بتلا
کبھی گھبرا کے ہنستا تھا کبھی لے سانس رو دیتا تھا ‏— لبوں سے آہ آنکھوں سے بہا پڑتا تھا دریا سا
عجب جنجال میں چکر کے ڈالے ہے پریشانی

کوئی کہتا تھا باباجی ادھر آؤ ادھر بیٹھو ‏— پڑے پھرتے ہو لیے رات دن ٹک بیٹھ ستاؤ
جو کچھ درکار ہو میوہ مٹھائی حکم فرماؤ ‏— نہ کہنا اُس سے لے آؤ نہ کہنا اس سے مت لاؤ
خبر ہرگز نہ تھی کچھ اس گھڑی اپنی نہ بیگانی

بڑی دبدھا میں تھا اس دم کہاں جاؤں کہاں دیکھوں ‏— کسے دیکھوں کسے پوچھوں کدھر جاؤں کہاں ڈھونڈھوں
کروں تدبیر کیا جس سے میں اُس دلدار کو پاؤں ‏— نشاں ہرگز نہ ملتا تھا پڑا پھرتا تھا جوں مجنوں
عجب دریائے حیرت کی ہوئی تھی آ کے طغیانی

اُسی کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوا مسجد میں جا پہنچا ‏— جو دیکھا واں بھی ہر رونے نمازوں کا ہی اک چرچا
کوئی جبے میں اٹکا ہے کوئی ڈاڑھی میں ہے اُلجھا ‏— تسلی کچھ نہ پائی جب تو آخر واں سے گھبرایا
چلا روتا ہوا باہر باحوال پریشانی

یہی دل میں کہا ٹک مدرسے کو جھانکیے چل کر ‏— بھلا شاید اُسی میں ہو نظر آ جائے وہ دلبر
گیا جب واں تو دیکھی واہ وا کچھ واں بھی بدتر ‏— کتابیں کھل رہی ہیں مچ رہی ہے شور و غل یکسر
ہر اک مسئلے پہ فاضل کر رہے ہیں بحث نفسانی

چلا جب واں سے گھبرا کر تو پھر یہ آ گئی جی میں ‏— کہ یہ جاگہ تو دیکھی اب چلو ٹک دیر بھی دیکھیں
گیا جب واں تو دیکھا مورت و گھنٹوں کی جھنکاریں ‏— پکارا جب تو رو کر آہ کس پتھر سے سر ماریں
کہیں ملتا نہیں وہ شوخ کافر دشمن جانی

کہا دل نے کہ اب ٹک تیرتھوں کی سیر بھی کیجے ‏— بھلا وہ دلربا شاید اسی جاگہ پہ مل جاوے
بہت تیرتھ نہائے اور کیے درشن بھی بہتیرے ‏— تسلی کچھ نہ پائی تب تو ہو لاچار پھر واں سے
محبت چھوڑ کر بستی کی لی راہ بیابانی

گیا جب دشت و صحرا میں تو رویا آہ کیا کریے
کدھر کو جائیے اور کس کے اوپر آسرا دھریے
کہا تنگ ہجر میں اس شوخ کے رو رو کے دن بھریے
یہی بہتر ہے اب تو ڈوبیے یا زہر کھا مریے
بھلا جی جان کے جانے میں شاید آ ملے جانی

رہا کتنے دنوں روتا پھرا ہر دشت میں نالاں
پہاڑوں سے بھی سر ٹپکا پھرا شہروں میں ہو گریاں
غریب و بیکس و تنہا مسافر بے وطن حیراں
پھرا بھوکا پیاسا ڈھونڈھتا دلبر کو سرگرداں
نہ کھانے کو ملا دانہ نہ پینے کو ملا پانی ؎

پڑا تھا ریت میں اور دھوپ میں سورج سے جلتا تھا
اسی کے دیکھنے کے دھیان میں ہر دم نکلتا تھا
لگی تھیں دل کی آنکھیں یار سے اور جی نکلتا تھا
و لے محبوب سے کچھ ہائے میرا بس نہ چلتا تھا
پڑے بہتے تھے آنسو لالہ گوں لعل بدخشانی

جب اس احوال کو پہنچا تو وہ محبوب بے پروا
اٹھا کر سر مرا زانو پہ اپنے رکھ کے فرمایا
وہیں سو بیقراری سے مری بالیں پہ آ پہنچا
کہا اے دیکھ لے جو دیکھنا ہے اب مجھے اس جا
عیاں ہیں اس گھڑی کرنے ترے پہ بھید پنہانی

یہ سن رکھ پہلے ہم عاشق کو اپنے آزماتے ہیں
ہر اک احوال میں جب خوب ثابت اسکو پاتے ہیں
جلاتے ہیں ستاتے ہیں رلاتے ہیں بلاتے ہیں
اسی سے آ کے ملتے ہیں اسی کو منھ دکھاتے ہیں
اسے پورا سمجھتے ہیں ہم اپنے دھیان کا دھیانی

صدا محبوب کی آئی جو نہیں کانوں میں واں میرے
پھر آنکھیں کھول کر دلبر کے منھ پر ٹک نظر کر کے
بدن میں آ گیا جی اور وہیں دکھ درد سب بھولے
زمین و آسماں چودہ طبق کے کھل گئے پردے
ستی اک آن میں سب کچھ خرابی اور پریشانی

ہوئی جب آ کے یکجائی دوئی کا اٹھ گیا پردا
نظیر اس دن سے ہم نے پھر جو دیکھا خوب ہر اک جا
جو کچھ وہم و دغا تھے اڑ گئے اک دم میں ہو پارا
وہی دیکھا وہی سمجھا وہی جانا وہی پایا
برابر ہو گئے ہندو و مسلماں گبر نصرانی ؎

(۱۴۶۱)

جوگی

صفحۂ رخ پہ ترے خوبیِ خط کی ہے پھبن
رشکِ گل دستِ حنائی کو کہے دیکھ چمن
ہر سویدا ترے عاشق کا ترا خالِ ذقن
ہو رقم کس قلمِ شوق سے اے غنچہ دہن
اشتیاقے کہ بہ دیدارِ تو دارد دلِ من

اب جو ملِ جائے کہیں وہ تو یہ ہم اس سے کہیں
اتنا بھی بس نہیں اے یار کہ ہم مر ہی رہیں
کب تلک رنجِ جدائی کو بھلا تیرے سہیں
دور جس دن سے ہوا تجھ چمنِ حسن سے ہیں[1]
نہ مجھے باغ خوش آتا ہے نہ گلشن نہ چمن

بید مجنوں ہیں کہ ہیں تاک پریشاں خاطر
ہم غرض ایسے ہیں غمناک پریشاں خاطر
یا ہیں خاکستر خاشاک پریشاں خاطر
چشم نمناک جگر چاک پریشاں خاطر
چاک پر چاک گریباں سے لگا تا دامن

جور اور ظلم سے اس کے نہ کبھی گھبرانا
کام ہرگز نہ کسی سے نہیں آنا جانا
نہ کبھی شکوۂ بیداد زباں پر لانا
کوئی کچھ پوچھے تو منہ دیکھ کے چپ رہ جانا
نہ تکلم نہ اشارت نہ حکایت نہ سخن

یاد اُس شوخ کی کیا کیا ہی ستم لائی ہے
آہ کرتا ہوں تو بجلی سی نکل آئی ہے
جان بے چینی سے تن میں مرے گھبراتی ہے
جب میں روتا ہوں تو آنکھوں سے برس جاتی ہے
کبھی ساون کی جھڑی اور کبھی بھادوں کی بھرن

دشت اور کوہ میں وحشی سا پڑا پھرتا ہوں
میں غرض تجھ سے صنم جب سے جدا پھرتا ہوں
برق کی طرح سے بے تاب سدا پھرتا ہوں
رات دن ہجر میں جوگی سا بنا پھرتا ہوں
بے قراری سے ترے نام کی جپتا سُمرن

[1] ہیں کا قافیہ کہیں، سہیں کے ساتھ کسی قدر رکیک ہے اور قدیم تلفظ کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ ہر قافیے میں میم کا التزام ہے عجب نہیں کہ نظیر نے یوں لکھا ہو: "دور جس دن سے ہوئے تجھ چمنِ حسن سے ہم ؛ نہیں باغ الخ" اس طور پر اختلافِ ضمیر کا عیب بھی مٹ جاتا ہے۔ شہبانہ

جور اور ظلم مرے دل نے ہزاروں ہی سہے
اب تو یہ حال ہوا ہجر میں اے یار مرے
شکوۂ جور بھلا تیرا کہاں تک نہ کرے
دوش پر بار الم کانوں میں غم کے مندرے
اشکوں کے تار گلے میں پڑے سیلی کے نمن

عشق میں جوگی ہوئے جب سے ہمیں بھائی بھبوت
دیکھ ٹک آن کے کس روپ میں تنگ لائی بھبوت
بیٹھے در پر ترے اور گرد سے پھیلائی بھبوت
پیرہن گیروا اور تن کے اوپر چھائی بھبوت
سر سے لے پاؤں تلک خاک ملی سو سو من

گہ درِ کعبہ پہ پیشانی کو اپنی گھسنا
انکساری سے کبھی دیر میں ہردم جانا
گاہ مسجد میں میاں مانگنا جا جا کے دعا
دم بہ دم آہ کی پونگی سے بجانا یہ صدا
دیکھیے کون سے دن ہر ہمیں دیں گے درشن

دیکھا میرے تئیں جو تن کے اوپر گل کھائے
دیکھ یہ حال تعجب سے بشر گھبرائے
اور کپڑے بھی رنگے گیروے تن پر پائے
کوئی کہتا ہے کہ جوگی جی کدھر کو آئے
سچ کہو کون سی نگری میں تمھارا ہے وطن

یاد کرتے ہو اُسے نام اُسی کا لے لے
واہ جوگی بھی بنے خوب ہو تم البیلے
اور زیبا ہیں بہت آپ کے تن پر سیلے
کون سے پنتھ میں ہو کون گرو کے چیلے
کون سے روپ میں ہو کون سا رکھتے ہو برن

ہم کو جوگی جی بتا دیجیے یہ حال اپنا
اور مرشد سے تمھارے ہی تمھیں کیا پہونچا
تم جو بیراگی بنے اس میں نفع کیا ہے بھلا
نام کیا جوگ میں ہے تم کو گرو نے بخشا
دھیاں کیا رکھتے ہو کس گیان کا رکھتے ہو چلن

در شہوار جلا کر جو بنائی ہے بھبوت
عشق میں کس کے یہ اب تن پہ رمائی ہے بھبوت
اور کیوں تم کو بتاؤ یہ خوش آئی ہے بھبوت
کس لیے منھ کے اوپر تم نے لگائی ہے بھبوت
کس کی الفت میں یہ بیراگ کا پہنا ابرن

لہ مطلق ۱۲ ؎ شل۔ مانند ۱۲ ؎ ایک قسم کا باجا جسے منھ سے اکثر سپیرے بجاتے پھرا کرتے ہیں ۱۲ ؎ ایک قسم کی چادر یا دوپٹا جو جڑاؤ ہوتا ہے اور خاص کر دکن میں پہنا جاتا ہے اور بطور خلعت دیا جاتا ہے ۱۲ ؎ ابرن یا ابھرن زیور۔ گہنا ۱۲
شہباز

کس لیے جوگ لیا اور رنگا کپڑوں کو
کیونکر اوقات بسر ہوتی ہے یہ ہم سے کہو
کس پہ عاشق ہو دیا رنج یہ کس نے تم کو
کیا الم کھاتے ہو اور کس کی طلب رکھتے ہو
دھونی جل پان بھی یا یوں ہی کروگے لنگھن[1]

نام پیغمبروں کے کفنی پہ لکھے سارے
اور گریبان میں ہیں نام خدا کے لکھے
تم تو کامل سے نظر آتے ہو اپنے لکھے
ہم نے جوگی تو بہت یوں ہیں ہزاروں دیکھے
پر تمھارا تو زمانے سے نرالا ہے چلن

ہم نے دنیا میں اجی سیکڑوں دیکھے جوگی
دیکھے ہر رنگ کے ہر ایک برن کے جوگی
پر غرض تم سے نہیں دیکھے ہیں ہم نے جوگی
تم تو آتے ہو نظر ہم کو تنے سے جوگی
سچ کہو جوگ لیا تم نے یہ کس کے کارن

کیا ہوا جوگی جی تم کو بھلا ہم سے تو کہو
کیوں خجل خوار پڑے پھرتے ہو منھ سے بولو
کس لیے وحشی سے پھرتے ہو بتاؤ ہم کو
کس کی ہے یاد تمھیں کس کے لیے پھرتے ہو
اب کہیں بیٹھوگے یا یوں ہی پھروگے بن بن

کس لیے گھر سے تم آئے ہو بھلا اپنے نکل
پھرتے مانند صبا کیوں ہو بدشت و جنگل
تم سے اک بات کہوں اس پہ اگر کیجے عمل
گر کرو حکم تو بنوا دیں تمھارا استھل[2]
شہر میں باغ میں یا برلب دریائے جمن

یا کہیں اور بتاؤ کہ جہاں آپ رہیں
یا تو جنگل میں اگر دل لگے یہ آپ کہیں
یا کہ استھل کے بنا دینے کی تجویز کریں
یا کہ متھرا جو پسند آوے تو واں جا کے لیں
یا کہ نزدیک میں ہو یا مات مہابن گڈرا بن

اور اگر یوں ہی پھروگے تو یہ ہے مشکل سخت
استھل اک ہم جو بنا دیں تو نہے اپنے بخت
اس میں اچھا سا بچھا دویں تمھارے لیے تخت
خاصے پھولوں کے لگا دویں اس استھل میں درخت
جس سے آنکھوں کو طراوت رہے اور دل ہو مگن

لہ دیں اسی

لہ، وزیر، خاقان
کسی کا شوہر ...
... تو ترک کرنا
... سیر خوردن
[1] لنگھن: ...
[2] استھل: فقیر کے رہنے کی جگہ
... متھرا کے نزدیک ایک مشہور تیرتھ گاہ
اور متبرک مقام
اشرف علی

اب تو جوگی جی کہا مان لو یہ تم ہمیرا ۔ ایک جا بیٹھ رہو اور کرو ہم پہ دیا
مت پھرو یوں خجل و خوار بدشت و صحرا ۔ جب تو سن سن کے یہ ہم نے کہا اس سے بابا
تجھ کو کیا کام فقیروں سے یہ کرنا ان بن[۱]

کیا غرض تجھ کو جو پوچھے ہے تو احوال مرا ۔ جوگ کی پوچھے تو بس عشق میں یہ جوگ لیا
اور اس کی ہی جدائی میں پھرے ہیں ہر جا ۔ اور وطن پوچھے ہمارا تو یہ سن رکھ بابا
یا گلی دوست کی یا یار کے گھر کا آنگن

مثل صرصر اسی کوچے میں پھرا کرتے ہیں ۔ دیکھ دروازے کو بس شاد ہوا کرتے ہیں
خون دل جام مے ناب پیا کرتے ہیں ۔ اس کے کوچے میں سدا مست رہا کرتے ہیں
وہی بستی وہی نگری وہی جنگل وہی بن

گاتے پھرتے ہیں سدا اپنے پیا کے گیت ۔ جو اتیتوں کی ہے مدت سے وہی اپنی ریت
محو ہم ہو گئے ہیں جب سے کہ لگی اس کی پیت ۔ پنتھ کی پوچھے تو جوگی ز جسم کے ہیں اتیت
عشق کے میل میں ہم پیم کا رکھتے ہیں برن

آبلے دل میں جو الفت کے تھے سو پھوٹ گئے ۔ جتنا تھا مال مراتب اسے لے لوٹ گئے
اقربا دوست تھے جتنے وہ سبھی چھوٹ گئے ۔ جب سے اس شوخ کے پھندے میں پھنسے ٹوٹ گئے
جتنے تھے مذہب و ملت کے جہاں میں بندھن

عشق میں چھوڑ کے ہم دنیا و دیں بیٹھے ہیں ۔ خاطر آشفتہ و دلگیر و حزیں بیٹھے ہیں
چھوڑ سب عیش جہاں گوشہ گزیں بیٹھے ہیں ۔ اس کے ہم در پہ منڈاسے کے تئیں بیٹھے ہیں
رات دن بیتے ہیں دھو دھو کے اسی گھر کے چرن

خنجر عشق سے بس اپنا کلیجا ہے شق ۔ یہ تو ظاہر ہی نشاں منہ کا بھی جو رنگ ہے دق
خوں میں آلودہ ہیں زخمی ہیں کہ جوں رنگ شفق ۔ نام کو پوچھے تو ہے نام ہمارا عاشق
سب سے آزاد ہوئے یار کا لے کر دامن

۱ ان بن جھگڑا ۔ ۲ الجھن ۔ ۳ معشوق ۔ ۴ اتیت — جوگیوں کی ایک قسم ہے ۔ ۵ ٹھہراؤ ۔ ۶ رشتہ تعلق ۔ ۷ جسم، بدن ۔ اشرف علی لکھنوی

حال بے باکی کا کیا اپنی بھلا تجھ سے کہیں
اور کھانے کو ملے تو بھی نہ کچھ شاد رہیں
گر رہیں بھوکے تو ہرگز بھی کبھی غم نہ کریں
گر رہیں جیتے تو جینے کی نہیں فکر ہمیں
اور مر جائیں تو ہرگز نہیں پروائے کفن

دیکھ نیرنگی زمانے کی ہوئے گل در گل
کپڑے رنگنے کو تو آسان نہ جان او غافل
اور مل تن کو بھبوت اپنے گئے خاک میں مل
رنگ وہ رنگتے ہیں جس رنگ کا رنگنا مشکل
روپ وہ بھرتے ہیں جس روپ کا بھرنا ہے کٹھن[1]

چھوڑا جنّت کو جو آدم نے اُسی کی خاطر
جی میں کی اپنے خوشی غم نے اُسی کی خاطر
اور ہر ایک کے کی دم نے اُسی کی خاطر
جوگ بیراگ لیا ہم نے اُسی کی خاطر
سب کے تئیں چھوڑا اسی کی ہے محبّت کی لگن[2]

رنگے کپڑوں سے نہ کر ہم پہ تو جوگی کا گمان
گر تو عاقل ہے تو پھر دل ہی میں اپنے پہچان
ہم نے کیا جانے کیا کس لیے ایسا سامان
ہم میں اور جوگی کی صورت میں بڑا فرق ہے جان
کہاں جوگی کی ادا اور کہاں عاشق کی پھبن[3]

آتش غم سے جلا جب سے جلایا دل و جان
تو تو عاقل ہے بس اب عقل سے اپنی پہچان
تب یہ اکسیر[4] ملی ہم کو تو شک اس میں نہ جان
خاک ہے یار کے کوچے کی بھبوت اب ہر آن
ہم نے بھی راکھ بنائی ہے جلا کر تن من

سُرخ آنکھوں کا جو پوچھے ہے کہ باعث ہے کیا
قدح[5] بنگ سے نہ عشق کبھی ہم کو ہوا
شوق مے کا نہیں کچھ ذوق نہیں افیون کا
ہے محبّت کے دھتورے کا جو آنکھوں میں نشا
اس کی گرمی ہی سے رہتے ہیں سدا سرخ نین[6]

کوئی مونس ہے نہ غمخوار نہ ہے سنگ نہ سات
اب خدا جانے کہ کس طرح کٹے گی اوقات
رہتا ہوں رنج میں مشغول سدا دن اور رات
اور اتھل[7] کے بنانے کی کہی تو نے جو بات
یہ بکھیڑا وہ کرے جس کے کنے ہو کچھ دھن

---

[1] کٹھن۔ مشکل ۱۲
[2] لگن۔ دھن ۱۲
[3] پھبن۔ زینت
[4] اکسیر۔ ایرث
[5] قدح۔ پیالہ ۱۲
[6] نین۔ آنکھیں ۱۲
[7] اتھل۔ خانقاہ ۱۲

اشرف علی لکھنوی

عشق جب سے کہ ہوا ہے ہمیں اُس اچپل[1] سے — جب سے بیتاب پھرا کرتے ہیں اور بیکل سے
ہم سے بیکل بھی نہیں بیٹھے ہیں اک جا کل سے — ہم فقیروں کو بھلا کام ہے کیا استھل سے

وہی استھل ہے جہاں مار کے بیٹھے آسن[2]

خواہش زر نہ کریں اور نہ کسی سے مانگیں — تخت اور چتر[3] کی بھی کچھ نہیں پرواہ ہمیں
گوکل اور متھرا کے رہنے کی نہیں حرص کریں — جا پڑیں یاد میں اُس شوخ کی جس بستی میں

وہی گوکل ہے ہمیں اور وہی ہے بندرابن

جب سے جوگی ہوے دی اُسکو متاع دل و جاں — چھوڑ بیٹھے سبھی آرام کا جو تھا ساماں
حاجت تکیہ ہے نے خواہش بستر نہ مکاں — جا پڑے خاک پہ رکھ سر کے تلے ہاتھ جہاں

ہے وہی فرش وہی تخت وہی سنگھاسن[4]

ہے خیال اُس گل رخسار کا ہر شام و پگاہ — باغ باغیچے کی ہرگز ہے نہیں ہم کو چاہ
چاہ ہے چاہ زقن کی نہیں درکار ہے چاہ — پھول پھلواری کی بھی جب سے نہیں کچھ پرواہ

جب سے گل کھا کے محبت میں جلایا ہے بدن

رہتا ہوں مضطر و مغموم میں ہر دم ہر آن — ہوش گم کردہ پھرا کرتا ہوں اور بے ساماں
باز آ ظلم سے اور جور سے تو حق کو مان — اب تو اس حال کو پہونچا ہوں ترے ہجر میں جان

اے گل باغ وفا دل کے چمن کے گلشن

کہیں کہتا ہے جو احوال مرا کوئی ذرا — سر کو دھنتا ہے ہر اک پیر و جوان اور لڑکا
گھر میں رہتا ہوں تو روتا ہے ہر اک خویش اپنا — گھر سے باہر جو نکلتا ہوں تو منھ دیکھ مرا

مرے احوال پہ بھی روتے ہیں جنگل میں ہرن

خاطر آشفتہ میں پھرتا ہوں حزین و دلگیر — عشق میں اُس کے سبھی کھو چکا عزت و توقیر
پھرتا ہوں گلیوں میں دیوانہ سا ہر روز صغیر — کیا لکھوں اب تو گزرتی ہے جو کچھ مجھ پہ نظیر

دل من داند و من دانم و داند دل من

---

[1] اچپل - شوخ ۱۲
[2] آسن - نشست ۱۲
[3] چتر - شامیانہ ۱۲
[4] سنگھاسن - چوکی - ایک قدیم سواری کا نام ۱۲
اشرف علی

۱۴۷

جوگن

ہائے اُس اُلفتِ ظالم کا بُرا ہو یہ چلن ہے
چھوٹتی ہی نہیں لگ جاتی ہو جب وقت لگن
چار ناچار اُٹھانے ہی پڑے رنج و محن
در فراق رخِ پُر نور تو اے غنچہ دہن

دیدہ باید کہ چگونہ شود احوالِ من

ہجر نے اب تو نہایت کیا بے دم مجھ کو
پھرتی ہوں شکل بگولے کے میں ویران ہر سو
اے مرے ماہ جبیں اے مرے ہمدم گل رو
کون سے شہر میں ہو کون سی جا پر ہے تو

اے مرے ہمدم جان اے مرے جان و تن من

ناسخ

دلِ صد چاک مرا چاک گریبان میرا
مثل دریا کے رواں دیدۂ گریاں میرا
برق کی طرح تپاں یہ دلِ سوزاں میرا
دیکھ ٹک آن کے یہ حال پریشاں میرا

کر تیرے ہجر میں کیا کیا نہ سہا رنج و محن

میری جیسی ہو کرے حق نہ کسی کی اوقات
جو سنی بھی نہ تھی گاہے وہ وہ دیکھی آفات
ہائے افسوس صد افسوس ہو حسرت ہیہات
زار زار اب تو پڑا ہجر میں رونا دن رات

زندگی ہو گئی دو بھر مجھے اور جان کٹھن

خانمان و طرب و عیش و زر و مال و خوشی
اک تجھے یاد رکھا سب کے تئیں بھول گئی
ہائے جس وقت لگی آنکھ وہ کیسی تھی گھڑی
شہر بھی چھوڑ دیا دیس سے پردیس ہوئی

ہجر نے کر دیا آخر ترے مجھ کو جوگن ہے

سرخ آنکھیں ہوئیں اُلفت کے نشے سے رنگین
پہن کر حلقہ بگوشی کے بھی مُندرے دو مین
تونبہ کر دستِ دعا کا پڑی پھرتی ہوں حزین
پیرہن گیروا رکھے ہوے کاندھے پہ مین

سن کے منکوں کی بنا ہاتھ میں پہنی سُمرن

سه تونبہ کشکول ہو
سه منکوں تسبیح کے دانے ۱۲
اشرف علی

کھوے پھرتی ہوں سب آرام کو ہر جائی میں
ڈھونڈھتی ہوں تجھے گل فام کو ہر جائی میں
گاتی پھرتی ہوں اسی کام کو ہر جائی میں
جپتی پھرتی ہوں ترے نام کو ہر جائی میں
آٹھ آٹھ آنسوؤں سے روتی ہوں اور ترے میں نین

ناتواں ہوگئی اور جسم میں باقی نہیں دم
رکھیو ٹک آکے کبھی اس دل مضطر پہ قدم
ہوگئیں خشک رگیں سیلیوں سے میں نہیں کم
گیروا ساری ہے اور جائے بھبوت اے ہمدم
خاک اڑ اڑ کے پڑی تن کے اُپر سو سو من

یہی دل ہے کہ ہوا تھا نہ کبھی بھی غمناک
وہی دل ہے کہ ہوا تیغ جفا سے صد چاک
آگ لگ جائیو اس بیت میں جلیو[۱] یہ تپاک
سیس کے بال تھے سنبل سے جمی جس میں خاک
خاک میں مل گیا تھا یہ جو چندرما[۲] سا بدن

پھوڑ کر پتھروں سے کر دیے سر کے ٹکڑے
ہائے تو ہے کہاں اے میرے قمر کے ٹکڑے
آ ادھر دیکھ مری ٹوٹی کمر کے ٹکڑے
جیب کے بدلے میں کرتی ہوں جگر کے ٹکڑے
نہ تو بسنتی ہی خوش آتی ہے نہ کہسار نہ بن

میں نے کیا کیا نہ سہا آہ تری الفت میں
ایک دیوانی پڑی پھرتی ہوں میں وحشت میں
ناگہاں آگئی اک مفت کی میں آفت میں
سیس کے بال کھسوٹوں ہوں گھڑی فرقت میں
خاک اڑا کے پڑی پھرتی ہوں بصد رنج و محن

ساری بیت میری گئی اے مرے ساجن[۳] تجھ پر
مال و زر وار دیا اور تن و من تجھ پر
ایک حیران پڑی پھرتی ہوں برہن تجھ پر
چھوڑ کر ماتا پتا کو ہوئی جوگن تجھ پر
لیک تو ہی نہ ملا اے مرے جوگی ساجن

اپنے بیگانوں نے کر ڈالا ہے مجھ کو پامال
اور ادھر تیری جدائی میں ہوئی جان بلب
خاک کا بھی نہیں وہ حال جو ہے میرا حال
اقربا کی بھی نظر سے گرے اشکوں کی مثال
باپ اور ماں کا ترے واسطے چھوڑا دامن

[۱] جلیو — جل جائے ۱۲
[۲] چندرماں — چاند سا ۱۲
[۳] ساجن — معشوق ۱۲ اشرف علی

نہ کچھ دیں کی خبر اور نہ دنیا کا کام
دل گیا جان گئی اور گیا عیش و آرام
سارے کاموں کے تئیں بھول گئی اے گلفام
گھر گیا دیس گیا ہو گئی جگ میں بدنام

اک سہیلی ہے مری آہ بس اور سب دشمن

یاد میں بیٹھ گئی جس جگہ میں آسن مار
نالۂ سوزوں کے بس کر کے سروں کو تیار
دل کی کھونٹی کو مڑوڑا تری جانب کو سُدھار
جگر و تن کی بنا تونبی بس اور آہ کے تار

بین کو غم میں بجاتی پھری بن بن بن بن

کون سی بات تھی جو واسطے تیرے نہ کری
دیس پردیس پھری جنگلوں میں لوگوں کے پڑی
چلّے بھی باندھے بہت پوجا بھی درگاہ میں کی
پوچھا ایک ایک سے تجھ کو میں بصد حیرانی

لیک تیرے ہی کسی طرح نہ پایے درشن

جا کے متھرا میں رہی اور بڑا پوجا تجھ کو
گنگا اور جمنا کے تیرتھ پہ بھی مانگا تجھ کو
کاشی[۱] میں بیٹھ رہی لیک نہ پایا تجھ کو
کون سی جا تھی کہ جس جا پہ نہ ڈھونڈا تجھ کو

پورب اور پچھم و اُتر سے لگا تا بہ دکن

اب تو لاچار ہوئی اور بڑی بے چین ہوئی
تا کہ اب ڈھونڈھنے سے کوئی بھی جا گہ نہ رہی
ہجر کے درد و الم میں چلا جاتا ہے جی
اب فقط ملک عدم مجھ کو رہا ہے باقی

سو بھی کچھ دور نہیں اور نہیں راہ کٹھن

ہو گئی جان کی لیوا تری الفت بیری
کوئی دن میں تو یہ سن لیجو نکل جائے گا جی
مرگ کے کرتی ہے سامان محبت یہ سبھی
رحم کر مجھ پہ کہاں تک سہوں فرقت تیری

دیکھ اس جان پہ کیا کیا سہا تیرے کارن

روح ہونٹوں تلک آجاتی ہے گھبراتی ہے
غم پہ پھٹتی مرے ہر ایک کی اب چھاتی ہے
لیک امید ملاقات میں پھر آتی ہے
آہ کے ساتھ مری جان چلی جاتی ہے

اب اُٹھا سکتا نہیں بارِ مصیبت یہ بدن

[۱] کاشی، بنارس کا قدیم نام ہے یہ ہندوؤں کا نہایت مقدس شہر، پرستش گاہ اور تیرتھ ہے، یہ زمانہ قدیم میں بہت بڑا دار العلوم تھا۔ اب بھی سنسکرت کے بڑے بڑے علما اور جوتشی وہاں بیٹھے ہیں۔ یہاں مقام ... پر شیخ علی حزیں کی قبر ہے ... شاہی زمانہ میں بکسن نہایت دور دراز جگہ سمجھی جاتی تھی ۱۲ اشرف علی

یاد کر کر کے تجھے دیدہ تر رو دیتا ہے
دیکھ ہر ایک مرے سمت کو رو دیتا ہے
جو مجھے دیکھتا ہے روتا وہ رو دیتا ہے
جو مرے حال کو دیکھے ہے سو رو دیتا ہے
ہوش لوگوں کے اُڑے جاتے ہیں سن میرا سخن

سر کو کہسار سے ٹکراتی ہے بادِ صرصر
در و دیوار مرے حالِ بتر پر ششدر
جانور دیکھیں ہیں حیرانی سے با دیدۂ تر
سر کو دُھنتا ہے مرے حال پہ ہر ایک شجر
میری بیچینی سے بیچین ہیں شیر اور ہرن

عجب کہ تجھ بن یہ ہوا میرے اگر رنج و تعب
اُڑتے اُڑتے مری خبروں کا فسانہ ہوا جب
ہر کوئی کہنے لگا ہائے غضب ہائے غضب
اک دل آباد ہے بستی و ہیں جاتے ہیں سب
اُس میں اک راجہ مہاراجہ کا ہے سنگاسن

نامی و نامور اور خلق میں عزت والا
ہے حقیقت میں جہاں مرضی پہ اُس کی سارا
جس کے تابع ہیں ہر اک شاہ سے تا گدا
عقلِ کل نام کہا کرتے ہیں اُس راجہ کا
دیکھ کر مجھ کو وہ کرنے لگا اس طرح سخن

واہ وا بھاگ مرے میں نے جو دیکھا تم کو
میں تو یہ چاہتا ہی تھا کہ کہیں مجھ سے ملو
تم سے اُلفت ہے ہمیشہ سے ہمارے دل کو
آؤ جی بیٹھو مرے گھر میں قدم رنجہ کرو
کر دو روشن مرے کاشانے کو ٹک رکھ کے چرن[1]

ہم تمھیں جانتے ہیں اور بزرگوں کو سب
ہم کو بھی لوگوں سے ہے ربطِ محبت کے سبب
سب بزرگ آپ کے رکھتے ہیں ہماری ہی طلب
ہم کو معلوم ہوا آپ کا سب حسب نسب
عشق نے تم کو بنایا ہے بہ شکل جوگن

ہے عزیز آپ کی خاطر بڑی ہم کو دل میں
کیوں اُٹھا رکھا ہے اس جور و ستم کو دل میں
اس سے سمجھاتے ہیں اب مت رکھو غم کو دل میں
جانے دو راہ نہ دو رنج و الم کو دل میں
باغ کی سیر کرو اور رہو محوِ گلشن

[1] چرن ـ قدم ـ پاؤں ۱۲ اشرف علی

محفلِ عیش بنا کر رہو آنکھوں کے حضور
کیسے کیسے ہیں گل اندا موں کا دیکھو تو ظہور
باغِ دنیا کی کرو سیر جو ہو دل کو سرور
یاد کو اُس رخِ تاباں کی کرو دل سے دور

کون سی بات کی کہتی[1] ہے تمھیں صاحب من[2]

تم بھی سردار ہو ذی ہوش ہو ٹک غور کرو
سیکڑوں ماہ جبیناں ہیں ہزاروں خوش خو
ایک ہی شخص پہ مرجاتے نہیں جان کو کھو
تن سے بس گیروی کفنی کے تئیں دور کرو

پہنو پوشاک شہانہ[3] رکھو خوش دل اور من

شانہ[4] لو ہاتھ میں اور اپنے یہ سلجھاؤ بال
دل کو بہلا کے بُھلا دو یہ سبھی رنج و ملال
سرمہ دو آنکھوں میں اور دیکھو یہ قدرت کا خیال
تم نے یہ اس طرح کا ہے نام خدا حسن و جمال

کہ ہیں خلق کے دلبر سبھی دھو دھو کے چرن

دل کو مسرور رکھو اور رہو شاد اور خوش
کہ ہر ایک شخص کو آجائے تمھیں دیکھ کے غش
شیریں باتیں کرو اور شکل بناؤ دل کش
نہ کہ تم اور وں پہ اس طرح پھرو وحشی وش

جانے دو دور کرو دل سے یہ اُلفت کی لگن

آدمی رنج سہا کرتا ہے ان باتوں میں
سب کی نظروں سے گرا کرتا ہے ان باتوں میں
جان کو کھوتا پھرا کرتا ہے ان باتوں میں
نام بدنام ہوا کرتا ہے ان باتوں میں

خوب ہم دیکھ چکے ہیں کہ بُرا ہے یہ فن

خوب سُن سُن کے میں حیران رہی منھ کو تک
گفتگو حد سے زیادہ ہوئی بس اور یک بیک
اور مایوسی و مظلومی سے دیکھا بہ فلک
تب تو وہ حال ہوا جیسے جراحت پہ نمک

وعظ کے تیروں سے بہلو ہوا چھلنی چھن چھن

سب کو روشن ہے بُری ہوتی ہے یہ بیت لگی
دل میں غصہ تو بہت آیا پَے روک گئی
میں بھی کہنے ہی سے آخر کے تئیں رہ نہ سکی
زار زار آنکھوں سے رونے لگی اور کہنے لگی

ہے بعید ایسے خردمندوں سے لیکن یہ سخن

[1] کہتی - کہی ۱۲
[2] من - میرے ۱۲
[3] شہانا - شاہانہ ۱۲
[4] شانہ - کنگھی ۱۲
اشرف علی

آپ تو جانتے ہیں بہت بلا ہوتی ہے
خوب معلوم ہے تم کو کہ یہ کیا ہوتی ہے
رہے خاموش طبیعت یہ خفا ہوتی ہے
واہ جی یوں بھی لگی دل سے جدا ہوتی ہے
عشق میں کس کے تئیں بھاتی ہے سیر گلشن؟

عیش کب بھاتا ہو جب تک کہ نہ ہو یار حضور
گل رخسار بجز باغ سے کب ہووے سرور
اس سوا کون ہو بہتر کہ وہ میں دیکھوں ظہور
اپنے کیا بس میں ہے جو دل سے کروں رنج کو دور
اپنے قابو میں ہو جو دور کروں رنج و محن

بال خاص اس لیئے ہیں مجھ کو یہ منظور نظر
کہ بہاریں[1] کبھی راہ اس کی جو وہ آئے ادھر
یہ تمنا ہے یہ آنکھیں گریں اُن قدموں پر
بات کے کرنے سے ہے آہ کا کرنا بہتر
جلیو[2] یہ تن جو خوش آئے اسے خوش پیراہن

میرا وہ رشک قمر کون ملا دے مجھ سے
میرا وہ تیر نظر کون ملا دے مجھ سے
میرا متوالا[3] گر کون ملا دے مجھ سے
یا خدا میرا جگر کون ملا دے مجھ سے
کون جا کر کہے میں پھرتی ہوں بے شہر و وطن

خوش ہوں اس غم سے کہ جو یار کے باعث ہوا
ننگ و ناموس بھی سب اُس پہ سے ہی وار دیا
سر ہتیلی پہ دھرا عشق میں جب پاؤں رکھا
جان کا بھی نہیں جب پاس تو پھر پاس ہے کیا
جو کہ سمجھائے مجھے اس کا ہے دیوانہ پن

نام پر تیرے میں اس جاں کے تئیں کھوتی ہوں
تری صورت پہ میں قربان کھڑی ہوتی ہوں
خون دل روتی ہوں عارض کے تئیں دھوتی ہوں
تھام تھام اپنے کلیجے کے تئیں روتی ہوں
دیکھو رہتی ہوں ہر اک شخص کو حیران بن بن

جو نہ سہنا تھا سہا رنج بہت کھایا ہائے
لیک ارمان رہا دل کو بہت سارا ہائے
یعنی تو نے ہی نہ دیکھا یہ مرا جلنا ہائے
اب تو بے تابی سے گھبرا گیا دل میرا ہائے
ڈوب کر مر ہی رہوں بر لب گنگ[4] اور جمن[5]

[1] بہاریں — بھاڑیں — صاف کریں ۱۲
[2] جلیو — جل جائے ۱۲
[3] متوالا — سرشار دیوانہ ۱۲
[4] گنگ — گنگا
[5] جمن — جمنا
اشرف علی

کس کو دکھلاؤں جو گزرے ہے تری الفت میں
نام بدنام ہوا فرق پڑا عزت میں
کچھ مرے بس کی نہیں پھنس گئی اک دقت میں
ایک دیوانی سی پھرتی ہوں تری فرقت میں
عرش سے فرش تلک حال ہے میرا روشن

کس سے میں جاکے کہوں کون سی جا ہے تیری
کبھی ہو محو تصور یہی کہتی ہوں اجی
کبھی بیتابی سے بیٹھوں کبھی ہوتی ہوں کھڑی
سیس کے بالوں سے میں اہ بہاروں[1] تیری
جو قدم رنجہ کرو اور مجھے دو درشن

کبھی رودیتی ہوں آنکھوں سے بشکل دریا
کبھی منھ پیٹ لیا جیب کبھی چاک کیا
کبھی گاتی ہوں ترے نام کو لے لے کے پیا[2]
آرزو ہے کہ میں سو جان سے ہوں تجھ پہ فدا
دیکھے ٹک آن کے تو بھی تو مرا جوگن بن

تو کہیں اور میں کہیں اس سے تو مر ہی جاؤں
تجھ کو بھی ہووے یقیں اس سے تو مر ہی جاؤں
اے مرے ماہ جبیں اس سے تو مر ہی جاؤں
تاب جینے کی نہیں اس سے تو مر ہی جاؤں
ہے جدائی کی نپٹ مجھ پہ مصیبت یہ کٹھن

یا الٰہی کوئی مجھ سا بھی نہ ہووے دل گیر
طور بے طور نظر آتے ہیں ہوں بس کہ نظیر
خجل و خوار پریشان و ذلیل اور حقیر
حسرتا آہ چہ بغیم بغم یار شریر
من حزیں در غم او خلق حزیں در غم من

(۱۴۸)

جوگی کا روپ

میاں میں کیا کہوں اک روز اپنے دل کی حیرانی
نہ خوش آیا مجھے گلشن نہ آبادی نہ ویرانی
پڑی جب ہجر کی آکر مرے دل پر پریشانی
اٹھا کر ہاتھ جی سے اور یہ دل میں مصلحت ٹھانی
کسی صورت سے چل کر دیکھیے کیسا ہے وہ جانی

[1] بہاروں۔ جھاڑ دوں۔ صاف کروں ۱۲
[2] پیا۔ پیارے عاشق ۱۲ — اشرف علی

پھر آیا سوچ یہ دل میں اگر یوں ہی چلے چلیے ۔۔۔ جو وہ پہچان جاوے واں تو ناحق مفت میں مریے
مگر ایسا کوئی بہروپیے کا سوانگ اب کیجے ۔۔۔ کہ اس کو دیکھیے بھی خوب اور جی کو بھی رکھ لیجے
جہاں میں زندگانی بھی میاں مشکل ہے بھیر یانی

یہ کہتا تھا میں جی میں عشق نے یہ بات لا ڈالی ۔۔۔ منگا تھوڑا سا گیرو اور وہیں کفنی رنگا ڈالی
اُٹھا مُندرے گلے کے بیچ سیلی بر ملا ڈالی ۔۔۔ لگا منھ سے بھبوت اور شکل جوگی کی بنا ڈالی
ہوا سر پاؤں سے اودھوت جوگی جوگ کا گیانی

بنا بالوں کا انڈ داکھول بال اور ہو کے متوالا ۔۔۔ چبا آکھ اور دھتورا کر دیا آنکھوں کو گل لالا
اُٹھا تونبی کو اور کاندھے کے اوپر رکھ مرگ چھالا ۔۔۔ پھرا ہاتھوں میں سُمرن اور گلے میں ڈال کر مالا
چلا پڑھتا ہوا گرکا سبد اور ناتھ کی بانی

جب آیا یار کے در پر تو واں سنکھ آن کر پھونکا ۔۔۔ صدا سنتے ہی وہ محبوب گھبرا کر نکل آیا
ولیکن دیکھتے ہی مجھ کو اُس عیار نے تاڑا ۔۔۔ پکارا آؤ جوگی جی بڑی کی آج تو کر پا
جو کچھ درکار ہو لیجے منگا دھونی اگل پانی

مرا دل خوش ہوا یعنی مجھے اس نے نہیں جانا ۔۔۔ اور اُس عیار نے پہلے ہی یارو مجھ کو پہچانا
کہا جوگی جی کس نگری میں ہے اب آپ کو جانا ۔۔۔ کبھی آگے تھے آئے یا ابھی اس جا ہوا آنا
لگا عیارگی سے جان کر دینے انا کانی

پھر اُس میں کھلکھلا کر ہنس دیا اور دیکھ کر مجھ کو ۔۔۔ کہا جوگی جی اب تم ٹک ہمارے پاس آ بیٹھو
ذرا گیرے اُتار و جوگ کے اور منھ کو دھو ڈالو ۔۔۔ بھبوت ایسی ہی ملنی ہے تو پھر منھ سے لگا لیجو
یہ کہہ کر اور وہیں لا رکھ دیا آگے مرے پانی

جو ہیں پانی وہ منھ دھونیکو اُس کا فرنے رکھوایا ۔۔۔ وہیں دھڑ کا مرا دل اور پکارا لو غضب آیا
کہاں کا ہو کے جوگی تو نے پیچھے جھاڑ لگوایا ۔۔۔ مجھے آتے ہی کھویا سر بھی اپنا مفت کٹوایا
بھلا اب مجھ کو چھوڑے گا وہ قاتل دشمن جانی

یہ کہتا تھا میں جی میں اس پہ قاتل کھینچکر تیغا
نہ تھا میرے تو دم میں دم و لیکن ہوش جب آیا
پکارا کیوں بے جوگی تونے ابتک منہہ نہیں دھویا
زمیں پر لوٹ سب کچھ پھینک ایسا واں سے دھر بھاگا
کہ جیسے چھوٹ کر بھاگے کوئی وحشی بیابانی

پکارا دیکھیو جانے نہ پاوے دوڑیو لیجو
لگا کہنے کبھی آنا ادھر کو پھر بھی جوگی ہو
و لیکن میں جو بھاگا پھر کہاں پاوے کوئی مجھ کو
سمجھنا ہر کسی دن سوانگ تونے ہیں کیے جو جو
بھلا بے سب تری شوخی شرارت ہم نے پہچانی

نظیر اُس دم مجھے جب بھاگنے کی گھات یاد آئی
جہاں لیجا کے میرے بھی خبر جس جس نے پہونچائی
چھٹا ظالم کے پھندے سے دوبارہ زندگی پائی
ہر اک غمخوار نے مجھ سے کہا آکر کے او بھائی
خدا کے واسطے ایسی نہ کیجو پھر تو نادانی

۱ ریت - رسم و رواج ۱۲ ۲ جنم - زمانہ ۱۲ ۳ بالا - بچہ - طفل ۱۲ ۴ منڈل - مکان ۱۲ ۵ بھا - رنج و غم ۱۲ ۶ گھڑی - ساعت ۱۲ ۷ اوتار - پیغمبر ۱۲ ۸ سبھ - نیک - سعد ۱۲ ۹ گربھ - حمل ۱۲ ۱۰ تار و من - روشن ضمیر ۱۲ محمد اشرف علی ۱۱ شسٹ سے مراد ششٹاچار یعنی مہذب الطوار ۱۲ شہانہ ۱۳ ابکار - حرکات - افعال ۱۲ ۱۴ بل - زور ۱۲ ۱۵ تیج - عجب ۱۶ انیک - انواع - اقسام ۱۷ ڈیل - جسم ۱۲ ۱۸ گج - ہاتھی ۱۲ ۱۹ ترنگ - گھوڑے ۱۲ ۲۰ نیکے - عمدہ - اعلیٰ ۱۲ ۲۱ کنس متھرا کا راجہ اور نہایت ظالم و بدکردار شخص تھا اس کے اطوار راون کے سے تھے - یہ کرشن جی کا ماموں تھا - آخر کار کرشن جی کے ہاتھ سے مارا گیا - کنس اور کرشن کا قصہ بالکل فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سا ہے - ہندو مسلم اتحاد کے حامیوں اور تاریخ میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ مشابہت نہایت پر لطف اور باریک نکتہ ہے ۱۲ ابوالجز محمد اشرف علی عفی عنہ مہتمم دارالارقام لکھنؤ -

معتقدات

مذہب ہنود

(۱۴۹)

جنم کنھیا جی

ہو ریت جنم کی یوں ہی تی جس گھر میں بالا ہوتا ہے
اس منڈل میں ہر من بھیتر سکھ چین دو بالا ہوتا ہے
سب بات بھا کی بھولے ہیں جب بھولا بھالا ہوتا ہے
آنند مندیلے باجت ہیں نت بھون اُجالا ہوتا ہے

یوں نیک گھچھتر لیتے ہیں اس دنیا میں سنسار جنم
پر اُنکے اور ہی لچھن ہیں جب لیتے ہیں اوتار جنم

سبھ ساعت سے یوں دنیا میں اوتار گربھ میں آتے ہیں
جو نار و من ہیں دھیان بھلی سب اُنکا بھید بتاتے ہیں
وہ نیک مہورت سے جدم اس شسٹ میں جنمے جاتے ہیں
جو لیلا جنمی ہوتی ہے وہ روپ یہ جا دکھلاتے ہیں

یوں دیکھنے میں اور کہنے میں وہ روپ تو بالے ہوتے ہیں
پر بالے ہی پن میں اُنکے ابکار نرالے ہوتے ہیں

یہ بات کہی جو میں نے اب یوں سکو تو اب دھیان لگا
دھن جو بہت بل تیج بنٹ سلطان انیک اور ڈیل بڑا
ہی پنڈت پستک بیچ لکھا تھا کنس جو راجہ متھرا کا
گج اور ترنگ اچھے نیکے انبار ہی ہودے زین سجا

جب بن ٹھن ونچے ستی پر وہ پاپی آن نکلتا تھا
سب سانڈ جھلا جھل کرتا تھا اور سنگ کٹک ل چلتا تھا

اک دن جو اپنے بھیج بل پر وہ کنس بہت مغرور ہوا
اک بان لگا کر ریت کو چاہوں تو ابھی دس پل میں گرا

اور ہنس کر بولا دنیا میں ہے دوجا کون بلی مجھ سا
اب لیس کے بڑھ بل جتنے ہیں ہے کون جو مجھ سے ہو سکا

جو دشٹ کوئی آ جدھ کرے کب ہوش پر اوکا جور چلے
وہ سامنے میرے ایسا ہے جوں چینٹی ہاتھی پاؤں تلے

وہ ایسے ایسے کتنے ہی جو بول گربھ کے کہتا تھا
تھا ایک پرکھ وہ یوں بولا تو بھولا اپنے بل پر کیا

سب لوگ سبھا کے سنتے تھے کیا تاب جو بولے کوئی ذرا
جو تیرا مارن ہارا ہے سو وہ بھی جنم اب لیوے گا

تو اپنے بل پر ہائے مورکھ اس آن عبث ہنکار لیا
وہ تجھ کو مار گراوے گا یوں جیسے بھنگا مار لیا

یہ بات سنی جب کنس نے واں تب سنکر اسکے ہوش اڑے
یوں پوچھا وہ کس دیس میں ہے اور کون سمے وہ آ کر جنمے

پھر گن کے بھیتر آن بھرا اور بول گربھ سنگر کے بسرے
کون اسکے ماتا پتا ہو دیں جو پالیں اسکو جابت سے

وہ بولا متھرا نگری میں اک روز جنم وہ پاوے گا
جب سیانا ہوگا تب تجھکو اک پل میں مار گراوے گا

یہ بات سنائی کنس کو پھر پھر آٹھ لکیریں ال کھینچیں
ان آٹھ لکیروں کی باتیں پھر کنس کو اس نے سمجھائیں

لبدیو پتا کا نانو کہا اور دیوکی ماتا ٹھہرائیں
اب چھوڑا بھوری دیوکی کے ہیں جگ میں ہوتے آٹھ دیئے

بل تیج گربھ ہیں تونے تو سب کاج گیان بسارا ہے
جو پاچھے ریکھا کھینچی ہے وہ تیرا مارن ہارا ہے

اس بات کو سنکر کنس بہت تب من میں اپنے گھبرایا
تب نارد منی نے اسکو بھی کچھ اور طرح سے سمجھایا

جب نارد منی اس پاس گئے تب ان سے اسنے بھید کہا
پھر کنس کو واں اس بات سوا کچھ اور نہ مارگ بن آیا

جو اپنی جان بچانے کا کر سوچ یہ اس نے پھند کیا

۱؎ پاپی۔ گنہگار ۱۲ ۲؎ کٹک۔ لشکر، فوج ۱۲ ۳؎ بھیج۔ شکل و جاہت ۱۲ ۴؎ دوجا۔ دوسرا ۵؎ بلی۔ قوی۔ طاقتور ۱۲ ۶؎ بان۔ تیر ۱۲ ۷؎ بڑھ بل۔ مشہور، طاقتور ۱۲ ۸؎ دشٹ۔ بدذات شیطان۔ ظالم ۹؎ جدھ۔ جنگ ۱۰؎ سوں۔ جیسے ۱۱؎ وا۔ اس ۱۲ ۱۲؎ بول۔ بات ۱۳؎ گربھ۔ غرور ۱۴؎ سبھا۔ انجمن ۱۵؎ پرکھ۔ عاقل، دانا ۱۲ ۱۶؎ مارن ہارا۔ مارنے والا۔ قاتل ۱۲ ۱۷؎ مورکھ۔ شیطان، گنہگار ۱۲ ابو الخیر محمد اشرف علی ۱۸؎ ہنکار۔ شیخی کرنا، غرور کرنا ۱۲ شہباز ۱۹؎ بھنگا۔ ڈر، خون ۱۲ ۲۰؎ سمے۔ ساعت ۱۲ ۲۱؎ بسرے۔ زائل ہوئے ۱۲ ۲۲؎ ماتا پتا۔ ماں باپ ۲۳؎ نانو۔ نام ۱۲ ۲۴؎ ریکھا۔ لکیر ۱۲ اشرف علی

لوائے بسدیو اور دیوکی کو اک مندر بھیتر بند کیا

جب قید کیا اُن دونوں کو تب چوکیدار دیے بٹھلا
ساماں رسوئی کا جو تھا سب اُنکے پاس دیا رکھوا
اک آن نہ نکسن پاویں یہ پھر اُن سب کو یہ حکم دیا
اور دوار دیے اُس مندر کے تب بھاری تالے بھی جڑوا

ہشیار لگے یوں رہنے واں نت چوکی کے دینے ہارے
کیا تاب جو کوئی ٹک پیچھے پر اک آن پرندا پر مارے

بیٹھا تھا جو کنس کے من وہ بھر کر نیند نہ سوتا تھا
اُس مندر میں اُن دونوں کے جب کوئی بالک ہوتا تھا
کچھ بات سہاتی نا اُسکو نت اپنی پلک بھگوتا تھا
کنس آن اُسے جھٹ پٹ سے تھا من تاپ کا کھوتا تھا

اک مدت تک اِن دونوں کا اُس مندر میں یہ حال رہا
جو بالک اُن کے گھر جنما سو مارتا وہ چنڈال رہا

پھر آیا واں اک وقت ایسا جو آئے گرب میں من موہن
گھنشیام مراری بنواری گردھاری سندر سیام برن
گوپال منوہر مرلی دھر سکھیشن کشور کنول نین
پربھو ناتھ بہاری کانہہ للا سکھدائی جگت کے دکھ بھنجن

جب ساعت پرگھٹ ہونے کی آن پہونچی اور آن گھڑی آئی
اب آگے بات جنم کی ہو جے بولو کشن کنھیا کی

تھا نیک مہینا بھادوں کا اور دن بدھ گنتی آٹھن کی
سب ساعت نیک مہورت سے واں جنمے آکر کشن جبھی
پھر آدھی رات ہوئی جس دم اور روہنی نچھتر آ پہنچی بھی
اُس مندر کے اندھیارے میں جو اور اُجیالی آن بھری

بسدیو سے بولیں دیوکی جی مت ڈر بھو من میں دھیر کرو
اس بالک کو تم گوکل میں لے پہونچو اور مت دیر کرو
جو اسکے تم لیجانے میں یاں تک بھی دیر لگاؤ گے
اس آن سنبھالکر تم اس کو جو گوکل میں پہونچاؤ گے
وہ دشٹ لیے بھی ماریگا پچھتاتے ہی رہجاؤ گے
اس بات میں یہ پھل پاؤ گے جو اس کی جان بچاؤ گے

واں گوکل باسی جو اس کو لے اپنی گود سنبھالے گا
کچھ نام وہ اُسکا رکھیگا اور مہر دیا سے پالے گا

ل بسدیو - کرشن جی کے باپ کا نام ہے ۱۲ ؎ دیوکی - کرشن جی کی ماں کا نام ہے ۱۲ ؎ نکسن - نکلنے ۱۲ ؎ رسوئی - طعام - کھانا پکانے کا مکان ۱۲ ؎ دوار - دروازہ ۱۲ ؎ ہارے - والے ۱۲ ؎ چنڈال - بدذات شیطان ۱۲ ؎ پرگھٹ - پیدائش ۱۲ ؎ روہنی ایک نچھتر کا نام ہے یعنی یہ ساعت سعد و نیک کا نام ہے جس میں کرشن جی پیدا ہوئے ۱۲ ؎ دھیر - دھیر ؎ گھیر - جیت کرنا ۱۲ ؎۱۱ گوکل - ہندؤں کا ایک مقدس مقام ہے جو متھرا کے نزدیک ہے - یہ بہت تیرتھ کی جگہ ہے - کرشن جی کا بچپن اسی مقام پر گذرا ۱۲ ؎۱۲ باشی - باشندہ ؎۱۳ دیا - عنایت - مہربانی ۱۲ - اشرف علی

جو حال یہ واں جا پہونچے گا تو اس کا جی بچ جاویگا
جس گھر کے بیچ پلے گا یہ وہ گھر ہم کو بتلاویگا

جو کرم لکھی ہے تو پھر بھی سکھ ہم کو آن دکھاویگا
ہم اس سے ملنے جاوینگے یہ ہم سے ملنے آویگا

نہ کام رہیں کچھ دعوے سے نہ جھگڑا اور بکھیڑے سے
جب چھوٹنے کو من بھٹکے گا سکھ پاوینگے اسکے دیکھے سے

پر آدھی رات ابھی تو یاں لیجاؤ لے تم حال ادھر
من بیچ انھوں کے تھا یہ ڈر دن ہوویگا تو کنس اگر

اینٹا تو اپنی چھاتی سے مت آؤ جا کے اور کے گھر
اک آن میں اسکو ماریگا رہ جاوینگے ہم آنسو بھر

یہ بات یقین معلوم انھیں یہ بالک جگ نستاریگا
کب مار سکیگا کنس اسے یہ کنس کو بھی آپی ماریگا

جب دیوکی نے بسدیو سے ان درد کرب بات کہی
در دوار لگے ہیں تالے کل کچھ بات نہیں میرے بس کی

وہ بولے کیونکر لیجاؤں ہے باہر تو چوکی بیٹھی
تب دیوکی بولیں لیجاؤ من ایشر کی رکھو آس ابھی

وہ بالک کو جب لے نکلے سب نگر پٹ چھوٹ گئے
تھے تالے جتنے دوار لگے اس آن جھڑ اجھڑ ٹوٹ گئے

جب آئے جو کیداروں میں تب ان بھی صورت تھی
جب سونا دیکھا ان سبکو موند پٹ نکلے واں سے بھی

سب سوتے پائے اس ساعت ہر آن جو نیتے تھے چوکی
پھر آئے جمنا پہ جب یاں پھر جمنا دیکھی نہت چڑھی

یہ سوچ ہوا ان بیچ انھیں پر ترین جل ہیں کیسے دھریے
ہے رین اندھیری سنگ لڑکا اس بپتا میں اب کیا کریے

یوں من میں ٹھہرا پھر چلیے پھر آپ ہی من مضبوط ہوا
یہ جوں جس پاؤں بڑھاتے تھے وہ پانی بڑھتا آتا تھا

بھیگا اک پار آس لگا واں جمنا جی پر دھیان دھرا
یہ بات لگی جب ہونے واں بسدیو گئے من میں گھبرا

تب پاؤں بڑھائے بالک نے جو آپ سے اور بھیگے جل میں
جب جمنا نے پگ چوم لیے جا پہونچے پار وہ اک پل میں

جب آن برج کے گوکل میں سب بند تھے ان بھی پائے کھلے
تب وے انسے چلتے چلتے وہ پھر نند کے دوارے آپہونچے

له حال - فوراً
له کرم - قسمت ۱۲
له سکھ - سکھ ۱۲
له ایشر - خدا ۱۲
له سانگر بہا ... زنجیر ور کنڈی ۱۲
له نربھی - بجزو
له بپتا - اضطراب مصیبت ۱۲
له پگ - پاؤں
له پار - جے - پہونچے - رونق افروز ہوئے ۱۲
له نند - اس شخص کا نام جس نے کرشن جی کی مثل باپ کے پرورش کی اسلیے اس کو رضاعی باپ سمجھنا چاہیے ۱۲
اشرف علی

وان نند محل کے دوارے بھی سب بیٹھے پٹ پڑ دار گھر ۔ جو چوکی والے سوتے تھے اب کون انھیں دھکے ٹوکے

جب بیچ محل کے جا پہونچے سب سمٹے وان گھر والے تھے
ہر چار طرف اندھیالی تھی جوں سانجھ میں بولٹے بالے تھے

اک اور اچنبھا یہ دیکھو جو رات جنم سی کشن کی تھی ۔ اس رات جسودا کے گھر میں تھی جنمی یارو اک لڑکی
واں سوتے دیکھ جسودا کو اور بدلی کر اس بالک کی ۔ اس لڑکی کو وہ آپ اٹھائے نکلے آئے متھرا جی

جب لڑکی لائے مندر میں سب تالے مندر لاگ اٹھے
جو چوکی دینے والے تھے پھر وہ بھی اس دم جاگ اٹھے

جب بھور ہوئی تب کنس اکر شدھ کنس نے لی اس مندر کی ۔ جب تالے کھلوا بیچ گیا تب لڑکی جنمی اک دیکھی
لے ہاتھ پھرایا چکر دے تو شکلے وہ بن نکلے ہی ۔ یوں جیسے بجلی کوندے ہے جب چھٹا ہوا پر جا پہونچی

یہ کہتی نکلی ای مورکھ کیا تونے سوچ بچارا ہے
وہ جیتا اب تو سیس کٹ جو تیرا مارن ہارا ہے

جب کنس نے واں یہ بات سنی من بیچ بہت سا لجیایا ۔ جو کارج ہونے والا ہے وہ ٹالے سے کب ہے ٹلتا
سو فکر کر و سوچ کرو سو بات سنا و حاصل کیا ۔ ہر آن ہی یاں ہونا ہے جو ماتھے کے ہے بیچ لکھا

ہیں کہتے بدھ جسے اب یاں وہ سوچ بچے ٹھہرائی ہے
تقدیر کے آگے پریار و تدبیر نہیں کام آتی ہے

اب نند کے گھر کی بات سنو واں ایک اچنبھا یہ ٹھہرا ۔ جو رات کو جنمی تھی لڑکی اور بھور کو دیکھا تو لڑکا
گھڑ نالیں چھچھے میں ناچ ہوا اور نوبت کا غل شور مچا ۔ پھر کشن گرب نے نام رکھا سب کنبے کے مل بیٹھے آ

آنند اور جسودا اور گوات کرنے واں ہیر اٹھیر لگے
پکوان مٹھائی میوے کے ہر ناری آگے ڈھیر لگے

سب ناری آئیں گوکل کی اور پاس بجھا کے آن بیٹھیں ۔ کچھ ڈھول مجیرے لائی تھیں کچھ گیت بجا کے گاتی تھیں
کچھ ہر دم کہہ اس بالک کا بلہاری ہو کر دیکھ رہیں ۔ کچھ تھال بنجیری کے رکھتیں کچھ سونٹھ سنٹھورا کرتی تھیں

له دیوے۔ چراغ ۱۲ ٢ه اچنبھا عجیب بات ۱۲ ٣ه جسودا۔ نند کی زوجہ کا نام ہے یہ کرشن جی کی رضاعی ماں تھی ۱۲ ٤ه بھور۔ صبح ۱۲ ٥ه لجیایا۔ شرمایا ۱۲ ٦ه کارج۔ کام ۱۲ ٧ه ناری۔ عورت ۱۲ ٨ه بجھا۔ زچہ ۱۲ ٩ه بلہاری۔ تصدق و نثار ۱۲
اشرف علی

کچھ کہتی تھیں ہم بیٹھے ہیں نیگ آج کے دن کا لینے کو
کچھ کہتیں ہم تو آئے ہیں آنند بدھاوا دینے کو

کوئی گھٹی میٹھی گرم کرے کوئی ڈالے اسپند اور بھوری
کوئی دیکھے روپ اُس بالک کا کوئی ماتھا چومے بھر بھوری
کوئی لائے ہنسلی اور کھڑوے کوئی کرتا ٹوپی میوہ گھی
کوئی بھوؤں کی تعریف کرے کوئی انکھڑی کی کوئی پلکو کی

کوئی کہتی عمر بڑی ہووے اے بیر تمہارے بالک کی
کوئی کہتی بیاہ بھولاؤ اس آس مرادوں والے کی

کوئی کہتی بالک خوب ہوا اے بھینا تیری نیک رتی
اس کنبے کی بھی شان بڑھی اور بھاگ بڑے اس گھر کے بھی
یہ بالے انکو ملتے ہیں جو دنیا میں ہیں بڑھ بھاگی
یہ باتیں سب کی سن سن کر یہ بات جسودا کہتی تھی

اے بیر یہ بالک جو ایسا اب میرے گھر میں جنما ہے
کچھ اور کہوں میں کیا تم سے بھگوان کی مو پر کرپا ہے

تھی کونے کونے خوشوقتی اور طبلے تال کھنکتے تھے
ہر چار طرف آنندیں تھیں اس گھر میں نند جسودا کے
کوئی ناچ رہی کوئی کود رہی کوئی ہنس ہنس کے کچھ روپ بچے
کچھ آنگن بیچ براجے تھیں کوئی بیٹھی کوٹھے اور چھجے

سو خوبی اور خوشحالی نے دکھلائی تھی سامان گھڑی
سچ بات ہے بالک ہونے کی ہے دنیا میں آنند بڑی

پھر اور خوشی کی بات ہوئی جب بیت ہوئی دو کا نند کی
یہ اسپر بھینسے بھر بھر کر وہ اُس پر ڈالے گھڑی گھڑی
رکھوائی دودھ کی مٹکی بھر اور ڈالی ہلدی بہتیری
کوئی پونچھے کملا اور باہن کو کوئی ٹھکری پھینکے اور گھڑی

اس دودھ کی بھی تک لیسوں میں روپ و رنگ ہر ناری کا
اور تن کے برن یوں بھیگے جوں رنگ ہو کیسر کیاری کا

سکھ منڈل میں یہ دھوم مچی اور باہر نکلی جو گی بھی
آنند بدھاوے باج بجے نرسنگے سرنا اور ترئی
کچھ ناچیں بھانڈ بھگتیے بھی کچھ ہیجڑے پاویں بیل بڑی
رنگین سنہرے پالنے بھی نے ہاتھ گھڑے کتنے رتی

ہر آن اٹھائی تھیں ما تک کیا گنتی روپے سونے کی

سند سکھوری بجر ربی کیلے اور زمیں کا ... شکر اور بعض مسالے کے ساتھ تیار ایک قسم کی مٹھائی شہباز

نند اور جسودا نے ایسی کی شادی بالک ہونیکی

جو نیگی جوگی تھے اُنکو اُس آن بنٹ خوشحال کیا
پھر لئے باگے ریشم کے اور زر بھی بخشا بہتیرا

اور جتنے ناچنے والے تھے اسباب اُنھیں بھی خوب دیا
مہمان جو گھر میں آئے تھے سب اُنکا بھی ارمان رکھا

دن رات چھٹی کے ہونے تک سنجوش کیا اوگ لگائی کا
پھر تھال دیے اور دھر میں جب نیگ چکایا دائی کا

نند اور جسودا بالک کو وان ہتوں چھاؤں میں تھے رکھتے
نت پیار کریں تن من وارین ستھری ابرن گہنے بنکے

بھی بہلاتے من پرچاتے اور خوب کھلونے منگواتے
ہر آن جھلاتے پالنے میں وہ ادھر اور ادھر مٹھیاتے

کر یاد نظیر اب ہر ساعت اُس پالنے اور اُس جھولے کی
آنند سے بیٹھو چین کر وجے بولو کانھ جھنڈولے کی

(۱۵۰)

بالپن بانسری بجیّا

یارو سُنو یہ دودھ کے لٹیا کا بالپن
اور مدھ پوری نگر کے بسیا کا بالپن

موہن سروپ نرت کریا کا بالپن
بن بن کے گوال گوویں چریا کا بالپن

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

ظاہر میں سُت وہ نند جسودا کے آپ تھے
ورنہ وہ آپ ہی مائی تھے اور آپ ہی باپ تھے

پردے میں بالپن کے یہ اُنکے ملاپ تھے
جوتی سروپ کہئے جنھیں سو وہ آپ تھے

ایسا تھا بانسری کے بجیّا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیّا کا بالپن

اُنکو تو بالپن سے نہ تھا کام کچھ ذرا
سنسار کی جو ریت تھی اُسکو رکھا بجا

ملہ شست مقرزہ بٹیا ۱۲ ۳ ذات نعانی یعنی خدا ۱۲ شہباز

مالک تھے وہ تو آپی اُنھیں بالپن سے کیا — واں بالپن جوانی بڑھاپا سب ایک تھا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

مالک جو ہووے اُسکو سبھی ٹھاٹھ یاں سرے — چاہے وہ ننگے پاؤں پھرے یا مکٹ دھرے
سب روپ ہیں اُسی کے وہ جو چاہے سو کرے — چاہے جواں ہو چاہے لڑکپن سے من بھرے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

باے ہو برج راج جو دُنیا میں آگئے — لیلا کے لاکھ رنگ تماشے دکھا گئے
اس بالپن کے روپ میں کتنوں کو بھا گئے — اک یہ بھی لہر تھی کہ جہاں کو جتا گئے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

یوں بالپن تو ہوتا ہے ہر طفل کا بھلا — پر اُن کے بالپن میں تو کچھ اور ہی بھید تھا
اس بھید کی بھلا جی کسی کو خبر ہے کیا — کیا جانے اپنے کھیلنے آئے تھے کیا کلا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

رو ہاروں تو یارو عجب جائے غور تھے — لڑکوں میں وہ کہاں ہیں جو کچھ اُنکے طور تھے
آپ ہی وہ پربھو ناتھ تھے آپ ہی وہ دور تھے — اُنکے تو بالپن ہی میں تیور کچھ اور تھے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن ۴
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

وہ بالپن میں دیکھتے جیدھر نظر اُٹھا — پتھر بھی ایک بار تو بن جاتا موم سا
اُس روپ کو گیانی کوئی دیکھتا جو آ — ڈنڈوت ہی وہ کرتا تھا ما تھا جھکا جھکا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

پرواہ بالپن کا نہ کرتے اگر ذرا — کیا تاب تھی جو کوئی نظر بھر کے دیکھتا
جھاڑ اور پہاڑ دیتے سبھی اپنا سر جھکا — پر کون جانتا تھا جو کچھ اُن کا بھید تھا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

موہن مدن گوپال ہری بنس من ہرن — بلہاری اُن کے نام پہ میرا یہ تن بدن
گردھاری نند لال ہری ناتھ گوردھن — لاکھوں کیے بناؤ ہزاروں کیے جتن

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

پیدا تو مدن پر میں ہوئے شیام جی مُرار — گوکل میں آکے نند کے گھر میں لیا قرار
نند اُن کو دیکھ ہووے تھا جی جان سے نثار — مائی جسودا پیتی تھی پانی کو وار وار

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

جب تک کہ دودھ پیتے رہے گوال براج راج — سب کے گلے کے کٹھلے تھے اور سب کے سر کے تاج
سندر جو ناریاں تھیں وہ کرتی تھیں کام کاج — رسیا کا اُن دنوں تو عجب رس کا تھا مزاج

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

بدشکل سے تو روکے سدا دور ہٹتے تھے — اور خوبرو کو دیکھ کے ہنس ہنس چمٹتے تھے
جن ناریوں سے اُنکے غم و درد بٹتے تھے — اُن کے تو دوڑ دوڑ گلے سے لپٹتے تھے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن

کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

اب گھٹنیوں کا اُنکے میں چلنا بیاں کروں
یا بالکوں کی طرح سے پلنا بیاں کروں
یا میٹھی باتیں منھ سے نکلنا بیاں کروں
یا گودیوں میں اُن کا مچلنا بیاں کروں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

اچھلنا

پاٹی پکڑ کے چلنے لگے جب مدن گوپال
باسک چران چھوؤں کو چلے چھوڑ کر پتال
دھرتی تمام ہو گئی اک آن میں نہال
آکاس پر بھی دھوم مچی دیکھ اُن کے حال

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

تھی ان کی چال کی تو عجب یارو چال ڈھال
چلتے ہمک ہمک کے جو وہ ڈگمگاتی چال
پاؤں میں گھنگرو باجتے سر پر جھنڈولے بال
تھامیں کبھی جسودا کبھی نند لیں سنبھال

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

پہنے جھنگلا گلے میں جو وہ دکھنی چیر کا
جاتا تھا ہوش دیکھ کے شاہ و وزیر کا
گہنے میں بھر رہا گویا لڑکا امیر کا
میں کس طرح کہوں اسے چھورا اہیر کا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

جب پاؤں چلنے لاگے بہاری نولکشور
منھ ہاتھ دودھ سے بھرے کپڑے بھی شور بور
ماکھن اُچکے ٹھہرے ملائی دہی کے چور
ڈالا تمام برج کی گلیوں میں اپنا شور

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

کرنے لگے یہ دھوم جو گردھاری نند لال
اک آپ اور دوسرے ساتھ اُنکے گوال بال
ماکھن دہی چرانے لگے سب کے دیکھ بھال
دی اپنے دودھ کی چوری کی گھر گھر میں دھوم ڈال

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

تھے گھر جو گوالنوں کے لگے گھر سے جابجا
جس گھر کو خالی دیکھا اُسی گھر میں جا پھرا
ماکھن ملائی دودھ جو پایا سو کھا لیا
کچھ کھایا کچھ خراب کیا کچھ گرا دیا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

کوٹھی میں ہووے پھر تو اُسی کو ڈھنڈورنا
گولی میں ہو تو اس میں بھی جا منھ کو بورنا
اونچا ہو تو بھی کاندھے پہ چڑھ کر نہ چھوڑنا
پہونچا نہ ہاتھ تو اُسے مرلی سے پھوڑنا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

گر چوری کرتے آگئی گوالن کوئی وہاں
اور اُس نے آ پکڑ لیا تو اُس سے بولے ہاں
میں تو ترے دہی کی اُڑاتا تھا مکھیاں
کھاتا نہیں میں اُسکی نکالے تھا چوٹیاں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

گر مارنے کو ہاتھ اُٹھاتی کوئی ذرا
تو اُس کی انگیا پھاڑتے گھونسے لگا لگا
چلاتے گالی دیتے مچل جاتے جابجا
ہر طرح واں سے بھاگ نکلتے اُڑا چھڑا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

غصے میں کوئی ہاتھ پکڑتی جو آن کر
تو اُس کو وہ سروپ دکھاتے تھے مرلی دھر

جو آپ لاکے دھرتی وہ ماکھن کٹوری بھر — غصہ وہ اُن کا آن میں جاتا وہیں اُتر

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

اُن کو تو دیکھ گوالنیں جی جان پاتی تھیں — گھر میں اسی بہانے سے اُن کو بلاتی تھیں
ظاہر میں اُنکے ہاتھ سے وہ غل مچاتی تھیں — پردے میں سب وہ کشن کے بلہاری جاتی تھیں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

کہتی تھیں دل میں دودھ جو اب ہم چھپائینگے — سری کشن اسی بہانے ہمیں منھ دکھائیں گے
اور جو ہمارے گھر میں یہ ماکھن نہ پائینگے — تو اُن کو کیا غرض ہے یہ کاہے کو آئینگے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

سب مل جسودا پاس یہ کہتی تھیں آکے بیر — اب تو تمہارا کانھ ہوا ہے بڑا شریر
دیتا ہے ہم کو گالیاں پھر پھاڑتا ہے چیر — چھوڑے دہی نہ دودھ نہ ماکھن مہی نہ کھیر

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

ماتا جسودا اُن کی بہت کرتی منتیاں — اور کانھ کو ڈراتی اُٹھا بن کی سانٹیاں
جب کانھ جی جسودا سے کرتے یہی بیاں — تم سچ نہ جانو ماتا یہ ساری ہیں جھوٹیاں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

ماتا کبھی یہ مجھ کو پکڑ کر لے جاتی ہیں — گانے میں اپنے ساتھ مجھے بھی گواتی ہیں
سب ناچتی ہیں آپ مجھے بھی نچاتی ہیں — آپ ہی تمہارے پاس یہ فریادی آتی ہیں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

ماتا کبھی یہ میری چھنگلیا چھپاتی ہیں
جاتا ہوں راہ میں تو مجھے چھیڑ جاتی ہیں
آپ ہی مجھے رٹھاتی ہیں آپی مناتی ہیں
مارو انھیں یہ مجھ کو بہت سا ستاتی ہیں

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

اک روز منھ میں کانھ نے ماکھن جھکا دیا
پوچھا جسودا نے تو وہیں منھ بنا دیا
منھ کھول تین لوک کا عالم دکھا دیا
اک آن میں دکھا دیا اور پھر بھلا دیا

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

تھے کانھ جی تو نند جسودا کے گھر کے ماہ
موہن نولکشور کی تھی سب کے دل میں چاہ
ان کو جو دیکھتا تھا سو کہتا تھا واہ واہ
ایسا تو بالپن نہ ہوا ہے کسی کا آہ

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

سب مل کے یارو کشن مراری کی بولو جے
گووند چھیل کنج بہاری کی بولو جے
دودھ چور گوپی ناتھ بہاری کی بولو جے
تم بھی نظیر کشن بہاری کی بولو جے

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنھیا کا بالپن

بانسری

جب مُرلی دھر نے مرلی کو اپنی ادھر دھری
کیا کیا پریم پریت بھری اُس میں دُھن بھری
لی اُسمیں رادھے رادھے کی ہر دم بھری کھڑی
لہرائی دُھن جو اُس کی ادھر اور اُدھر ذری

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

کتنے تو اُس کی سننے سے دُھن ہو گئے دھنی
کتنوں کی سُدھ بسر گئی جسدم وہ دُھن سُنی
کتنوں کی من سے کل گئی اور بیاکلی چنی
کیا نر سے کے ناریاں کیا گوڑھ کیا گُنی

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

جس آن کانھوجی کو وہ بنسی بجاؤنی
جس کان میں وہ آوُنی واں سدھ بھلاؤنی
ہر من کی ہو کے موہنی اور چیت لبھاؤنی
نکلی جہاں دُھن اُس کی وہ میٹھی سُہاؤنی

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کُشن کنھیا نے بانسری

جس دن سے اپنی بنسی وہ سیکشن نے سجی
اس سانورے بدن پہ نپٹ آن کر سجی
مُرنے بھلایا آپ کو ناری نے سدھ تجی
اُن کی اُدھر سے آکے وہ بنسی جدھر بجی

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

گوالوں میں نند لال بجاتے وہ جس گھڑی
گوپیں وہ دھن اُسکی سننے کو رہجاتیں سب کھڑی
گلیوں میں جب بجاتے تو وہ اسکی دھن بڑی
لے لے کے اتنی لہر جہاں کان میں پڑی

۱؎ مرلی۔ بانسری ۲؎ پریت محبت ۳؎ بیاکلی۔ اضطراب بے چینی ۱۲ ۴؎ گوڑھ۔ کند ذہن ۵؎ گنی عاقل ۶؎ کانھوجی۔ کنھیا جی ۱۲ ۷؎ گوالوں چرواہے ۱۲ ۸؎ گوپیں۔ گوالنیں ۱۲ ۹؎ رادھا کرشن جی کی معشوقہ کا نام ۱۲ اشرف علی

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

بنسی[1] کو مرلی دھر جی بجاتے گئے جدھر
پھیلی دھن اُس کی روز ہر اک دل میں کر اثر
سنتے ہی اُس کی دھن کی حلاوت اِدھر اُدھر
منھ چنگ ورنے کی دُھنیں دل سے بھول کر

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

بن میں اگر بجاتے تو واں بھی یہ اُسکی چاہ
کرتی دُھن اُسکی پنچھی[2] بٹوہی کے دلمیں راہ
بستی میں جو بجاتے تو کیا شام کیا پگاہ
پڑتے ہی دُھن وہ کان میں طہاری ہوگئے واہ

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

کتنے تو اُس کی دُھن کے لیے رہتے بیقرار
کتنے لگائے کان اُدھر رکھتے بار بار
کتنے کھڑے ہو راہ میں کر رہتے انتظار
آئے جدھر بجاتے ہوئے شیام[3] جی مرار[4]

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

موہن[5] کی بانسری کے میں کیا کیا کہوں جتن[6]
لے اُس کی من کی موہنی دُھن اُسکی چیت ہرن
اُس بانسری کا آن کے جس جا ہوا بجن[7]
کیا چل[8] بون نظیر پکھیرو و کیا ہرن

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنھیا نے بانسری

[1] بنسی۔ بانسری ۱۲
[2] پنچھی بٹوہی۔ چڑیوں کے نام ہیں ۱۲
[3] شیام جی۔ کرشن جی ۱۲
[4] مرار۔ بانسری ۱۲
[5] موہن۔ پیارے ۱۲
[6] جتن طریقے ڈھب ۱۲
[7] بجن۔ ورد ۱۲
[8] چل بون۔ پاؤں چلنے والا ۱۲
اشرف علی

(۱۵۲)

لہو و لعب کنھیا

تعریف کروں میں اب کیا کیا اُس مرلی دھر بجیا کی
گوپال بہاری بنواری دُکھ بھرنا ہر کرتیا کی
نت سیوا کنج بھریا کی اور بن بن گو وُ چریا کی ہ
گردھاری سندر شیام برن اور رپنڈ رجوگی بجیا کی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

اک روز خوشی سے گیند تڑی کی موہن جمنا تیر گئے
جو گیند تڑی جا جمنا میں پھر جا کر لاوے جو پھینکے
واں کھیلن لاگے ہنس ہنس کے یہ کہکر گوال و ربالن سے
وہ آپی اتر جامی تھے کیا اُنکا بھید کوئی پاوے

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

واں کشن بدن من موہن نے سب گوالن سے یہ بات کہی
پھر آپی جھپٹ کو دپڑے اور جمنا جی میں ڈبکی لی
اور آپی سے جھپ گیند اٹھا اُس کالی دہ میں ڈالدئی
سب گوال سکھا حیران ہے پھر بھید سمجھے اک رئی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

یہ بات سنی برج ناران نے تب گھر گھر اُسکی دھوم مچی
آجمنا پر غل شور ہوا اور رشٹھ بندھے اور بھیڑ لگی
نند اور جسودا آ پہونچی سُدھ بھول کے اپنے تن من کی
کوئی آنسو ڈانے ہاتھ ملے پر بھید جانے کوئی بھی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھ دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

جس دہ میں کودے من موہن ان آن چھپا تھا اک کالی
پھن بارے پہونچا زور کیے اور پہر تک واں کشتی کی
سر پاؤں سے آنکھے آلپٹا اُس دم وہ کے بھیتر دیکھتے ہی
پھنکاریں لیں بل پیچ کیے پر کشن سہے ان ہنستے ہی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھو دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

جب کالی نے سوچ کیے پھر ایک کلا واں شیام نے کی — اس طور بڑھایا تن اپنا جو اُس کا نکسن لاگا جی
پھر ناتھ لیا اُس کالی کو اک پل بھر بھی نا دیر لگی — دہ وار کیا اور استت کی ہر ناگن بھی پھر پاؤں پڑی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھو دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

اُس دَہ میں سندر شیام برن اُس کالی کو جب ناتھ چکے — ہے ناتھ کو اُسکے ہاتھ اپنے ہر پھن کے اوپر برت گئے
کر اپنے بس میں کالی کو سکھیاں نے مرلی ادھر دھرے — جب باہر آئے من موہن سب خوش ہو جے جے بول اُٹھے

یہ لیلا ہو اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھو دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

تھے جمنا پر اُس وقت کھڑے واں جتنے آکر نر ناری — دیکھ اُنکو سب خوشحال ہوئے جب باہر نکلے بنواری
دکھ چنتا من سے دور ہوئے آنند کی آئی پھر باری — سب درشن پاکر شاد ہوئے اور بولے جے جے بلہاری

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھو دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

نند اور جسودا کے من میں سدھ بدھ بھولی بسری پھر آئی — سکھ چین ہوئے دکھ بھول گئی کچھ دان اور پن کی ٹھہرائی
سب سکھ کے باسن کے ہردے میں آنند خوشی اُس دم چھائی — اُس روز انھوں نے یہ بھی نظیر اک لیلا اپنی دکھلائی

یہ لیلا ہے اُس نند للن من موہن جسمت چھیا کی
رکھو دھیان سنو ڈنڈوت کرو جے بولو کشن کنھیا کی

(۱۵۳)

کنھیّا جی کی شادی

جہاں میں جب وقت کشن جی کی اوستا سدھ بدھ کی یار د آئی
سنبھالا ہوش اور ہوئے سیانے وہ بالپن کی ادا بھلائی

ہوا قد اُن کا کچھ اس طرح سے کہ قمری جس کی فدا کہائی
نکالیں طرزیں پھر اور ہی کچھ بدن کی سج دھج نئی بنائی

ہوئے خوشی نند اپنے من میں بہت ہوئیں خوش جسودا مائی

جو سدھ سنبھالی تو کشن کیا کیا لگے پھر اپنی چھبین دکھانے
جگہ جگہ پر لگے ٹھٹکنے ادا سے بنسی لگے بجانے

وہ بچھڑی گوؤں کو ساتھ لے کر لگے خوشی سے بنوں میں جانے
جو دیکھا نند اور جسودا نے یہ کہ شام اب تو ہوئے سیانے

یہ ٹھہری دونوں کے من میں آ کر کریں اب ان کی کہیں سگائی

پھر آپ ہی وہ یہ من میں سوچے کہ ان کی اب ایسی جا ہو نسبت
بڑا ہو گھر در بڑے ہوں ساماں بہت ہو دولت بہت ہو حشمت

ہمارے گوکل میں ہے جو خوبی اسی طرح کی ہو اُن کی حرمت
وہ لڑکی جس سے کہ ہو سگائی سو وہ بھی ایسی ہو خوبصورت

ہیں جیسے ہی نند کشور موہن نول دلارے کنور کنھائی

کئی جو ناری وہ بوڑھیاں تھیں جسودا جی نے انھیں بلایا
کسی کو ایدھر کسی کو اُودھر سگائی ڈھونڈھن کہیں بھیجا یا

جو بھید تھا اپنے من کے بھیتر سو اُن سبھوں کے تئیں جتایا

پھریں بہت ڈھونڈھتی وہ ناریں یہ تھا جسودا نے جو سنایا

نہ دیکھا ویسا گھر اک اُنھوں نے نہ ویسی کوئی دلاری پائی

وہ ناریاں جب یونہیں پھر آئیں تو بولی یوں اور ایک ناری
ہے یہ جو برسانا اس میں ہے گی برکھ بھان کی نول دُلاری

ہیں رادھکا نام اُس کا کہتے بہت ہے سُندر نپٹ پیاری
کہی یہ میں نے تو بات اُن سے اب آگے مرضی جو ہو تمھاری

کرو سگائی لگن کی اُس جا کہ اس میں ہے گی بہت بھلائی

یہ سن جسودا نے جی میں چپ ہو اُدھر کو ناری کئی بھجائیں
چلیں وہ گوکل سے دل میں خوش ہو وہیں وہ برسانے بیچ آئیں

جہاں وہ گھر کہ بیاں کیا تھا وہ ناریاں سب اُدھر کو دھائیں
اُنھوں نے آدر بہت سا کر کے مُندر کے بھیتر وہ سب بٹھائیں

جو بیٹھیں یہ تو لگیں سنانے ادھر اُدھر کی بہت بڑائی

جو کہہ چکیں یہ ادھر اُدھر کی تو پھر سگائی کی بات کھولی
بڑے ہو تم بھی بڑے ہیں وہ بھی یہ بات ہووے تو خوب ہو گی

ہے جیسا سندر اُنھوں کا لڑکا تمھاری سندر ہے ویسی لڑکی
ادھر بھی دولت اُدھر بھی حشمت خوشی و خوبی طرح طرح کی

اُنھوں نے اپنی بہت جتائی پر اُن کے دل میں نہ کچھ سمائی

جو رادھکا کی وہ ماں تھی کیرت یہ سن کے باتیں وہ بولی ہنس کر
وہ ایسے کیا ہیں جو اب ہمارے حسب اور دولت کے ہوں برابر

ہیں جیسے وہ تو سو ایسے ہیں گے ہمارے گھر کے تو کتنے چاکر
ہم اپنی لڑکی اُنھیں نہ دیں گے وہ ایسا کیا گھر وہ ایسا کیا بر

کرو ہمارے نہ گھر میں تم یاں اب اُس سگائی کی تب کہائی

سُن جب اُن ناریوں نے یہ تو چلیں ادھر سے وہ شرم کھائیں
بہت ہی من میں ہو سست اپنے وہ پھر کے گوکل کے بیچ آئیں

کہی جو باتیں تھیں واں اُنھوں نے وہ سب جسودا کو آ سنائیں
یہ باتیں سُن کر جسودا من میں بہت خفا ہو بہت لجائیں

سوائے خفگی کے آگے کچھ واں جسودا مائی سے بن نہ آئی

جب اُس سگائی نہ ہونے سے واں بُرا جسودا نے من میں مانا
تو بھید اُن کا کلاسے اپنے یہ بن جتائے ہے ہر نے جانا

کہا یہ من میں کہ کوئی لیلا کو چاہیے اب اُدھر دکھانا
بنا کے موہن سروپ نت پر سے خوب برسانے بیچ جانا

گئے وہیں ہر پھر اُس مکان میں اور اپنی بنسی وہ جا بجائی

بجی جو موہن کی بانسری واں تو دھن کچھ اُس کی عجب ہی نکلی
پڑی وہ جس جس کے کان میں آ اُسے سدھ اپنے بدن کی بسری

بجلائی بنسی نے کچھ تو سُدھ بُدھ ادھر جھلک جو سروپ کی تھی
ہر اک طرف کو ہر اک مکاں پر جھلک وہ ہر کی کچھ ایسی جھمکی

کہ جس کی ہر اک جھلک کے دیکھے تمام بستی وہ جگمگائی

سہیلیوں سنگ رادھکا جی کہیں اُدھر کو جو آن نکلی
سروپ دیکھا وہ کشن جی کا اُدھر سے اُن کی سُنی وہ مُرلی

جو ہیں وہاں رادھکا جی آئیں تو ایسی موہن نے موہنی کی
دکھایا اپنا سروپ ایسا کہ اُن کی صورت کو دیکھتے ہی

ادھر تو رادھا کے ہوش کھوئے ہر اک سہیلی کی سُدھ بجلائی

دکھا کے روپ اور رچا کے مرلی پھر آئے گوکل میں نند لالا
پھر اک کلا کی وہ کتنے دن میں کہ رادھا گوری کو ماند اڈالا

بہت دوائیں اُنھوں نے کیں واں پہ فائدے نے نہ سر نکالا
پھر آپ موہن نے بید بن کر دوا کی تھیلی کو واں سنبھالا

پکارے برسانے بیچ جاکر کہ اچھی کرتے ہیں ہم دوائی

ادھر بھی ہارے دوائیں کر کے سنی اُنھوں نے جو بات اُنکی
بلا کے جلدی مندر کے بھیتر دکھائی رادھا جو وہ دکھی تھی

اُنھوں نے کچھ واں دوا بھی دی اور دکھائے کچھ چھو چھو منتر بھی
پڑھنت کیا تھی وہ اک کلا تھی ہوئیں وہیں اچھی رادھکا جی

ہر اک نے کی واہ واہ ہر دم اور اپنی گردن بہت جھکائی

ہوئیں جو چنگی وہ رادھکا جی تو سب مندر میں خوشی کے باجے
وہ برکھ بھان اور سبھی کٹم کے یہ بات من بیچ آکے ٹھہری

کہ رادھکا کی سگائی ان سے کریں تو ہے گی یہ بات اچھی
جو رسم ہوتی سگائی کی ہے وہ سب اُنھوں نے خوشی سے کردی

نظیر کہتے تھے اس طرح سے ہوئی ہے سیکشن کی سگائی

(۱۵۴)

دسم کتھا

اے دوستو یہ حال سنو دھیان رکھ ذرا
اور ہر طرف سے دھیان کے تئیں کان دھر کو لا
یہ چرچا ہے اسکا واسطے سب کے بہت بھلا
کہتا ہوں میں یہ اگلے زمانے کا ماجرا

ہے نام اس بیان کا یارو دسم کتھا

سکھدیو نے کتھا یہ پریچھت سے ہے کہی ۔۔۔ اُس نے سُنی تو اُس کا ہوا دل بہت خوشی
پھر بھیکم ایک راجہ مندر کی جو سندری تھی ۔۔۔ تھے پانچ بیٹے اُسکے بہت سُندر اور بلی

گھر بار اُس کا دولت و حشمت سے بھر رہا

بیٹا بڑا اتھا اُس کا سو اُس کا رکم تھا نام ۔۔۔ اور رکمنی تھی بیٹی بہت خوب خوش خرام
روپ اور سروپ اسمیں تھے سر پاؤں سے تمام ۔۔۔ سکھیوں سہیلیوں میں وہ رہتی تھی خوشخرام

گہنا لباس تن پہ رہا تھا جھمک رہا

نارد مُن اک دن آئے جہاں پر تھی رکمنی ۔۔۔ اور اُس سے بات اُنھوں نے وہ کیشن کی کہی
لیلا سنائیں وہ سبھی روپ اور سروپ کی ۔۔۔ جب رکمنی نے خوبی وہ سیکشن کی سُنی

سنتے ہی اُن کی ہو گئی جی جان سے فدا

ٹھہری یہ رکمنی کے وہیں دل میں آن کر ۔۔۔ ہرتی جبھی میں جاؤں ملے جب وہ مجھ کو بر
دن رات دھیان اپنا لگی رکھنے وہ اُدھر ۔۔۔ آنکھوں کو اپنی کرنے لگی آنسوؤں سے تر

بیچین دل میں رہنے لگی سب سے ہو خفا

چھپتی نہیں چھپائے سے صورت جو چاہ کی ۔۔۔ سکھیاں سہیلیاں جو تھیں اور لڑکیاں سبھی
دیکھی جو رکمنی کی اُنھوں نے یہ بے کلی ۔۔۔ جانا کہ رکمنی کا لگا ساتھ ہر کے جی

کہنے لگیں انھوں کی وہ باتیں بنا بنا

بولیں وہ سب کرشن تو اوتار ہیں بڑے ۔۔۔ جو خوبیاں ہیں اُن میں کہاں تک کوئی کہے
روپ اور سروپ اُنکے کی کیا کیا صفت کرے ۔۔۔ لیلا ہوئیں ہیں اُن سے جو ہوں کب وہ اور سے

مادیو کی ہے اُن کی وہ بسدیو جی پتا

جنمے وہ بدھ پورے میں تو جب آدھی رات تھی ۔۔۔ بسدیو اُن کو لے چلے گوکل اسی گھڑی
جمنا نے اُنکے چھو کے چرن جلد راہ لی ۔۔۔ پہونچے جو گھر میں نند جسودا کے کانھ جی

سب فیگیوں نے نیگ بدھائی کا واں لیا

بسدیو جی نے بھیجا گرگ پنڈتا کو واں
تو نام اُن کا جا کے وہاں کر بہت دھیاں
شبھ نام جو کہ ہووے بیاں کرائے عیاں
گوکل میں آ مصر نے بہت ہو کے شادماں
اُن کا کرشن نام بہت سودھ کر رکھا

تھے بالپن میں جھولتے ہر دم کرشن جی
جب کنس نے وہ پوتنا بھیجی کہ یوے جی
اُس نے جو چھاتی زہر بھری اُنکے منھ میں دی
منھ لگتے ہی اُنھوں نے وہ جان اُسکی کھینچ لی
اُسکے پران کرِدھ گئے اور کچھ نہ بس چلا

کاگا سر آیا دُشٹ بیا اُس کو مار بھی
پھر ترناونت کی بھی ہوا دُور کے سبھی
سکٹا سُر آیا اُسکی بھی گاڑی اُلٹ ہی دی
آیا سری دھر اُسکی بھی مٹی خراب کی
جتنے وہ دُشٹ آئے سبھوں کو اُلٹ دیا

پھر پاؤں چلنے لاگے جو دھرتی پہ نندلال
آئے وہ جنگلی گود میں اُن کو کیا نہال
سیانے ہوئے تو ساتھ لیے اپنے گوال بال
مرلی کی دھن سُنا کے کیا سب کا جی نڈھال
گوئیں چرائیں بن میں وہ بنسی بجا بجا

دھمکا کے گوالنوں سے لیے دودھ اور دہی
کھانے کھلائے اُن کو جو تھے ساتھ میں سبھی
جب گوالنوں نے آ کے جسودا سے یہ کہی
جھڑکا اُنھوں نے سانٹی اُٹھا کر جو اُس گھڑی
ترلوک کھول منھ اُنھیں ہر نے دکھا دیا

جملا و ارجن اور وہ دو دیوتا جو تھے
دو تاڑ بن گئے تھے کسی کے سراپ سے
مدت تلک وہ بن میں یونہیں تھے کھڑے ہوئے
لیلا سے اپنی کشن نے اُس بن میں آن کے
ویسا ہی دیوتا اُنھیں اک پل میں کر دیا

راچھس بہت جو کشن پہ آنے لگے وہاں
نند اور جسودا کی لگی دیکھ اُنسے جاتے جان
لے کر کٹم سب اپنا جو تھے خرد اور کلاں
آ کر وہ بندرابن کے لگے رہنے درمیاں
گوکل کا باس سب نے اُسی دن سے پھر تجا

لے گوال بال جانے لگے شیام من ہرن
واں بھی بتاسر آیا بکا سُر بھی نکلا بن

گوئیں لگے چرانے جہاں ہے یہ گوردھن
مارا اور اُسکی چونچ کو چیرا اسمیت تن

آیا اگھاسُر اُس کے بھی سر کو اُڑا دیا

دکھلائی اپنی ہر نے جو لیلا وہ بچھ ہرن
ڈھنگ را چھس آیا پھر جو بنا کر وہ مکروفن

دیکھ اُس کو سب نے چوم لیے کشن کے چرن
مارا اُسے بھی ہر نے جہاں ہے یہ تال بن

کالی کو دہ میں ناتھ کیا نیر نرملا

گوئیں کھڑے چراتے تھے بن میں جو شیام جی
سب گوال بال بچھڑی گوئیں کھڑی سبھی

اُس بن میں ایک دن جو ہیں آگ آن کر لگی
لیلا سے واں بھی ہر نے وہ دیکھ اُنکی بے بسی

اُس آگ سے سبھوں کو لیا آن میں بچا

پھرکی جو لیلا چیر ہرن ہر نے خوب تر
سر نت کو واں اُٹھا لیا بنسی اُپر ادھر

سر نت نے پھر وہ کوپ کیا اُن پر آن کر
پھر سردسیں شیام نے لی ناریاں سندر

مرلی بجا کے نرت کیا راس کو بنا

مارا وہ سانپ پاؤں پہ لپٹا جو نند کے
سرکا سُر اور کیسی و بھوما سر آ گئے

لیں گوپیاں چھوڑا وہیں پھر سنکھ چور سے
اپنے سے کم سرے اُنھوں نے بہت کیے

ہر نے اُنھیں بھی مار کے بھوں پر دیا گرا

اک روز بندرابن سے لے آئے اُنھیں جو واں
جمنا میں پھر نہائے جو اک روز شادماں

چلنے کو ساتھ اُنکے ہٹیں سب وہ گوپیاں
ہر نے دکھائے واں اُنھیں لیلا سے پدنشاں

جو ہر ہی ہر دکھائی دیے اُن کو جا بجا

جب بندرابن میں آئے تو دھوبی کو کنس کے
سو جی نے لے لباس دیے پھر بہت اُسے

مارا وہیں اور اُسکے لیے چیر جتنے تھے
چندن جو کبجا لائی تو خوش ہو کے شیام نے

سب کھو دیا جہاں تئیں کبڑاپن اُس کا تھا

ڈیوڑھی پہ آئے جب تو وہ توڑا دھنک کے تئیں
رنگ بھوم میں گرادیا پربل کو بر زمیں
درشن دیے وہ راجہ جو قیدی تھے سہمگیں
پھر کنس کے بھی کیس پکڑ کھینچ کر وہیں
سر اسکا اک اشارے میں تن سے جدا کیا

پھر آئے واں جہاں تھے وہ بسدیو دیو کی
چرنوں پہ سیس رکھ کے بہت سی آسیس لی
یہ باتیں ہر کی سن کے وہاں رکمنی نے بھی
چاہا یہی کہ دیکھوں میں صورت کرشن کی
بے تاب و بے قرار لگی رہنے سکھ گنوا

اسکو یہ باتیں کشن کی خوش آئی تھیں سبھی
سنتی وہ ساتھیوں سے انھیں کو گھڑی گھڑی
ماں باپ رکمنی کے بھی اور چاروں بھائی بھی
پر رکمنی کے ہوں وہی تھے چاہتے یہی
پر وہ رکم جو تھا سو پسند اسکو یہ نہ تھا

رکھتا تھا نام اس کا تو جدبنس ہے جنم
کاندھے پہ اسکے کامری رہتی ہے دمبدم
گوئیں چراتا پھرتا ہے بن بن میں رکھ قدم
دولت میں اور ذات میں اس سے بڑے ہیں ہم
سسپال چندیری کا جو بر ہو تو ہے بھلا

یہ باتیں واں رکم سے جو سنتی تھی رکمنی
بیکل وہ بہت ہوتی تھی اور دل میں کڑھتی تھی
جب بیکلی بہت ہوئی اور رہ سکا نہ جی
اک چٹھی اپنے حال کی ہر کے تئیں لکھی
بامن کے ہاتھ دوارکا میں دی وہیں بھجا

بامن جو ہر کی ڈیوڑھی پہ آپہونچا راہ سے
دیکھا تو واں ہیں چپری دچار بہت کھڑے
جانے میں تھے مندر کے جو دربان روکتے
سنکر خبر یہ ہر نے بلا یا وہیں اسے
پرنام کرکے اونچے مکان پہ بٹھا دیا ۔ دیا بٹھا

بامن کی منتی کرکے لگے کہنے کشن جی
تم نے ہمارے حال پہ کرپا بڑی یہ کی
اس نے زبانی کہہ کے جو احوال تھا سبھی
پھر رکمنی کی چٹھی جو لایا سو ہر کو دی
ہر نے پڑھا اسے تو یہ احوال تھا لکھا

اے برج راج کشن منوہر مدن گوپال
میں درشنوں کی آپ کے مشتاق ہوں کمال
دن رات تم سے ملنے کو رہتی ہوں میں نڈھال
درشن سے اپنے مجھ کو بھی آکر کرو نہال
سب دھیان میں تمھارے ہی رہتا ہے من لگا

سسپال بیاہنے کو مرے اب تو آتا ہے
سب راجے اور ساتھ جراسند لاتا ہے
یہ غم تو میرے دل کو نہایت ستاتا ہے
اس اپنی بے بسی پہ مجھے رونا آتا ہے
تم ہر ہو میرے من کی کرو درد سب بجھا

اے کشن جی تم آؤ کہ اب وقت ہے یہی
اپنے چرن سے لاج رکھو میری اس گھڑی
ہرنے وہ چٹھی پڑھ کے منگا رتھ وہ جگمگی
ہو کر سوار جلد چلے واں سے کشن جی
بامن بھی اپنے ساتھ وہ رتھ میں لیا بٹھا

سسپال اسمیں آن کے پہونچا شتاب واں
اگوانی کے لینے کو بھیکم گیا دُواں
باجے مندیلے گھر میں لگیں گانے ناریاں
آنکھوں سے رُکمنی کے وہ آنسو ہوئے رواں
سُندر کا منھ وہ آنسوؤں کے بہنے سے بھر گیا

جوں جوں وہ ہر کے آنے میں دیر ہوتی تھی
کوٹھے پہ اپنے رُکمنی واں چڑھ کے روتی تھی
تکتی تھی ہر کی راہ نہ کھاتی نہ سوتی تھی
بیکل کی طرح پھرتی تھی اور ہوش کھوتی تھی
کچھ رُکمنی سے رونے سوا بن نہ آتا تھا

کہتی تھی کیوں یہ کشن مراری نے دیر کی
موہن نول کشور بہاری نے دیر کی
برجراج روپ مکٹ سنواری نے دیر کی
یا چاہ بے اثر یہ ہماری نے دیر کی
بامن جو میں نے بھیجا تھا وہ بھی نہیں پھرا

اس میں مکند پُر کے جو ہر آئے عنقریب
پھڑکے کلس وہ رتھ کے ہوئی روشنی عجیب
خوش رُکمنی کا جی ہوا جوں گل سے عندلیب
بولی خوشی ہو من میں کہ جاگے مرے نصیب
بامن نے بھی وہ آنے کو ہر کے دیا سنا

بن ٹھن کے جب خوشی سے وہ پوجا کے تئیں چلی | ساتھ اُس کے ناریاں چلیں گاتی بہت خوشی
سُندر کی جاتی پانوؤں کی پائل جو باجتی | روپ اور سروپ اُسکا بیاں کیا کرے کوئی
پہونچی خوشی سے واں جہاں تھی پوجنے کی جا

جس جس کو پوجا واں یہی اُس نے کیا بیاں | کرپا کرو جو مجھ کو ملیں برج راج یاں
لینے کو درشن اُسکے ہوئی ہوں میں نیم جاں | جلدی ملاؤ تم جو رہے لاج میری ہاں
ہر دیوتا سے وہ یہی کرتی تھی التجا

جب دیوی دیوتا کی وہ پرنم کر ادے چکی | سُندر دلاری آگے کو چل کر ٹھٹک رہی
اس واسطے کہیں مجھے درشن دیں کشن جی | تو دیکھ وہ سروپ مری ہووے زندگی
بچ جاوے جی پہ لاج بھی میری رہے بچا

سندر نویلے روپ کا میں کیا کروں بیاں | مکھ یوں جھمک رہا تھا کہ جوں ماہ آسمان
پوشاک بھی بدن پہ چمکتی تھی زر فشاں | سر پاؤں سے بھرے تھے وہ گہنے کے دریاں
کیا وصف اُس کا ہو سکے زیب و نگار کا

دیکھا مکند پرے جو لوگوں نے ہر کو واں | سب درشن اُنکے پا کے ہوے جی میں شادماں
آپس میں سب وہ کہتے تھے نر اور ناریاں | بر رُکمنی کے یہ ہوں تو ہر من کو سکھ ہو یاں
ہر دم اسی مراد کی مانگیں تھے سب دعا (نـ تھیں)

بھیکم جو ہر کے لینے کو آیا بہت خوشی | درشن جو ہر کے پائے تو منتی بہت سی کی
اتنے میں رُکمنی جو تھی ہر کے لیے کھڑی | درشن جو پائے آ گیا واں اُسکے جی میں جی
ہر نے پکڑ کے ہاتھ لیا رتھ میں واں بٹھا

سسپال اپنے لے کے کٹک آ گیا وہاں | بان اُسکی ہر نے کاٹ بھگا یا اُسے ندان
آیا رکم جو بان دھنک لے کے اور نشاں | اُسکو بھی ہر نے باندھ لیا کاٹ اُس کی بان
منتی سے رُکمنی نے دیا اُس کا جی چھٹا

سسپال کا بھی ہرنے دیا پل میں گربھ کھو
آیا رکم بلی جو بہت کر کے گربھ کو
جو تھا غرور اُسکا سو سب ڈالا دم میں دھو
بالوں سے اُسکے ہاتھ بندھے اور رہا وہ رو
سچ کہتے ہیں کہ گربھ ہے جگ میں بہت بُرا

جب رکمنی سے کہنے لگے ہنس کے واں یہ ہر
کھویا رکم کو اور جراسندھ کو اُدھر
سسپال کو گربھ نے کیا سب میں خوار تر
آئے تھے جس گربھ سے وہ لڑنے کو اب اِدھر
آخر اسی گربھ نے دیا اُن کا سر جھکا

سسپال اور رکم کا ہوا جب یہ حال واں
لے رکمنی کو ہر ہوئے پھر دوارکا رواں
بلدیو جی نے اُنکے کٹک سب بھگائے واں
جب آن پہونچے خوش ہوئے سب نر و ناریاں
دیکھا جمال اُن کا تو پایا بہت بھلا

پھر دیوکی جو آئیں بہت ہو کے خوش ادھر
سب ناریاں بھی آن کے بیٹھیں ادھر اُدھر
پانی پیا اُنھوں نے وہیں ہر پہ وار کر
جتنا صحن تھا گھر کا رہا سب وہ اُن سے بھر
شادی کے باجے بجنے لگے شور غل مچا

سب دوارکا میں دھوم یہ شادی کی مچ گئی
در پر براتیوں کی بہت بھیڑ آ لگی
باجے مجیرے طبلے دمامے بھی اور ترئی
سو بجائے دوار پہ وہ بندھن وار بھی بندھی
پنڈت بلا سگن سے وہ پھیرے دیے پھرا

بیٹھے تھے دوارکا کے وہاں خرد اور کبیر
سامان تھے ہزاروں ہی شادی کے دلپذیر
ہوتے تھے راگ رنگ خوشی تھے جوان و پیر
جو خوبیاں ہوئیں سو وہ کیا کیا کہے نظیر
اس ٹھاٹھ سے وہ بیاہ عجب کشن کا ہوا

نہ بیاہ ہلاہر

ہر کی تعریف میں

میں کیا کیا وصف کہوں یارو اُس شام برن اوتاری کے
گوپال منوہر سانولیا گھنشام اٹل بنواری کے
کر دھوم لُٹیا دودھ ماکھن جھوار نول گردھاری کے
ہر آن دکھیّا روپ نئے ہر لیلا نیاری نیاری کے

سکھ کِشن کنھیا مرلی دھر من موہن کنج بہاری کے
نندلال دُلارے سُندر چھب برج چند مکٹ جھلکاری کے
بن کنج پھرتیا راس رچن سکھ دائی کاہن مراری کے
پت لاج رکھیا دُکھ بھنجن ہر بھگتی بھگتا دھاری کے

نت ہر بھج ہر بھج رے بابا جو ہر سے دھیان لگاتے ہیں
وہ ہر کی آسا رکھتے ہیں ہر اُن کی آس پجاتے ہیں

جو بھگتی ہیں سو اُن کو تو نت ہر کا نانوں سہاتا ہے
نت من میں ہر ہر بھجتے ہیں ہر بھجنا اُنکو بھاتا ہے
من اُنکا اپنے سینے میں دن رات بھجن ٹھہراتا ہے
جو دھیان بندھا ہر چاہت کا وہ اُنکا من بہلاتا ہے

جس گیان میں ہر سے نیہ بڑھے وہ گیان اُنھیں خوش آتا ہے
سکھ من میں اُنکے لاتا ہے دُکھ اُنکے جی سے جاتا ہے
ہر نام کی سمرن کرتے ہیں کچھ چین اُنھیں دکھلاتا ہے
دل اُنکا ہر ہر کہنے سے ہر آن نیا سکھ پاتا ہے

ہر نام کے جپنے سے من کو خوش نیہ جتن سے رکھتے ہیں
نت بھگتا جتن میں رہتے ہیں اور کام بھجن سے رکھتے ہیں

جو من میں اپنے نشچے کریں دولے ہر کے آن [illegible]
ہر نام بھجن کی پروا ہے اور کام اُسی سے ہیں رکھتے
کچھ دھیان نہ ادھر اودھر کا ہر آسا پر ہیں من دھرتے
کچھ آن اٹک جب پڑتی ہے من بیچ نہیں چنتا کرتے

ہر وقت مگن ہر آن خوشی کچھ نہیں من میں چنتا لاتے
ہے من میں ہر کی یاد لگی ہر سمرن میں خوش ہیں رہتے
جس کام سے ہر کا دھیان رہے ہر کام وہی ہر دم کرتے
نت آس لگائے رہتے ہیں من بھیتر ہر کی کرپا سے

ہر کارج میں ہر کرپا سے وہ من میں بات نہارت ہیں
من موہن اپنی کرپا سے نت اُنکے کاج سنوارت ہیں

سنی کشن کی جو جو کرپا ہیں کب مجھ سے اُنکی ہو گنتی — پر جتنی اُنکی کرپا ہیں اک یہ بھی کرپا ہے اُنکی
مذکور کروں جس کرپا کا وہ بنتی ہے اس بھانت سُنی — جو اک بستی ہر جوناگڑھ واں رہتے تھے مہتا نرسی
تھی نرسی کی اُس نگری میں دکان بڑی صرافی کی — بیوپار بڑا صرافی کا تھا بستا لیکھن اور بہی
تھا روپ گھنا اور فرش بچھا پر ریت بہت لا رسا گھڑی — تھے ملتے جلتے ہر اک سے اور لوگ تھے انسے بہت خوشی

کچھ لیتے تھے کچھ دیتے تھے اور بہیاں لکھا کرتے تھے
جو لین دین کی باتیں تھیں پھر اُنکا لیکھا کرتے تھے

دن کتنے میں پھر نرسی کا سب کشن چرن سے دھیان لگا — جب بھگتی ہر کے کہلائے سب لیکھا جوکھا بھول گیا
سب کاج بسارے کام تجے ہر ناؤں بھجن سے من لاگا — جا بیٹھے سادھ اور سنتوں میں نت سنتے رہتے کشن کتھا
تھا جو کچھ دکاں بیچ رکھا وہ درب جمع اور پونجی کا — مدھ پریم کے ہو کر متوالے سب سادھوں کو ہر ناؤں دیا
ہو بیٹھے ہر کے دوارے پر سب پیت کرم سے ہاتھ اٹھا — سب چھوڑ کھیڑے دنیا کے نت ہر سمرن کا دھیان لگا

ہر سمرن سے جب دھیان لگا پھر اور کسی کا دھیان کہاں
جب چاہت کی دوکان ہوئی پھر پہلی وہ دوکان کہاں

کیا کام کسی سے اُس من کو جس من کو ہر کی آس لگی — پھر یاد کسی کی کیا اُسکو جس من نے ہر کی سمرن کی
سکھ چین سے ہر کے دوارے پر سنتوکھ ملا آنند ہوئی — بیوپار ہوا جب چاہت کا پھر کیسی لیکھن اور بہی
نے کپڑے لتے کی پروا نہ جنتا لٹیا تھالی کی — جب من کو ہر کی پیت ہوئی پھر اور رہی کچھ ترتیب بھی
دھن جتنی لین اور دین کی تھی سب من کو بھولی بسری — نت دھیان لگا ہر کرپا سے ہر آن خوشی اور خوش وقتی

تھی من میں ہر کی پیت بھری اور کھیلے کرتو رہتے تھے
کچھ فکر نہ تھا سندیہ نہ تھا ہر نام بھروسے جیتے تھے

نت من میں ہر کی آس دھرے خوش رہتے تھے واں یہیں نرسی — اک بیٹی اُنکی جنمی تھی سو دور کہیں وہ بیاہی تھی
اور بیٹی کے گھر جب شادی واں ٹھہری بالک ہونے کی — تب آئیں اِدھر اُدھر سے سنبالیاں اُسکے کنبے کی
مل بیٹھیں گھر میں ڈھول بجا آنند خوشی کی دھوم مچی — سب ناچیں گائیں مل کر آپس میں ہر ریت جو شادی کی ہوتی

کچھ شادی کی خوشبو قتی تھی کچھ سونٹھ سنٹھوروں کی تھری ۔ کچھ چیک چمک تھی ابرن کی کچھ خوبی کاجل تہری کی

ہو رسم یہی گھر بیٹی کے جب بالک منہ دکھلاتا ہے
تب بالک اسکی چھوچھک کا ننھیال سے بھی کچھ جاتا ہے

واں ناریاں جتنی بیٹھی تھیں سمدھیانے میں نرسی کے ۔ جب نرسی کی واں بیٹی سے یہ بولیں ہنسکر طعنہ دے
کچھ ریت نہیں آئی ابتک اے لال تمہارے میکے سے ۔ اور دل میں تھیں یہ جانتی سب وہ کیا ہیں اور کیا بھیجیں گے
تب بولی بیٹی نرسی کی اُن ناریوں کے آکر آگے ۔ وہ بھگتی ہیں بیراگی ہیں جو گھر میں تھا سب کھو بیٹھے
وہ بولیں کچھ تو لکھ بھیجو یہ بولی کیا اُن کو لکھیے ۔ کچھ اُن کے پاس دھرا ہوتا تو آپ ہی وہ بھجوا دیتے

جو چٹھی میں لکھ بھیجوں گی وہ بانچ اُسے پچھتا دیں گے
اک دمڑی اُنکے پاس نہیں وہ چھوچھک کیا بھجوا دینگے

اُن ناریوں کو تو کرنی تھی اُسوقت ہنسی واں نرسی کی ۔ بلوا کے لکھیا جلدی سے یہ بات اُنھوں نے لکھوا دی
سامان ہیں جتنے چھوچھک کے سب بھیجو چٹھی پڑھتے ہی ۔ وہ چیزیں اتنی لکھوائیں بن آئیں اُنسے ایک کبھی
کچھ جیٹھ جٹھانی کا کہنا کچھ باتیں ساس اور نندوں کی ۔ کچھ دیورانی کی بات لکھی کچھ اُنکے جو جو جی نے نگی
تھی ایک ٹہلنی گھر کی جو سب بولیں "تو بھی کچھ کہتی" ۔ وہ بولی اُن سے ہنسکر واں منگواؤں کیا میں تھیرجی

وہ لکھنا کیا تھا واں لوگو من چہل ہنسی پر دھرنا تھا
ان چیزوں کے کچھ بھیجنے سے شرمندہ اُنکو کرنا تھا

جب چٹھی نرسی پاس گئی تب بانچتے ہی گھبرا سے گئے ۔ بچھتائے من میں اور کہا یہ ہو سکتا ہے کیا مجھ سے
یہ ایک نہیں بن آتا ہے ہیں جو جو چٹھی بیچ لکھے ۔ ہے یہ تو کام کٹھن اسدم واں کیونکر میری لاج رہے
وہ بھیجے اتنی چیزوں کو یاں کچھ بھی ہو مقدور جسے ۔ کچھ چھوٹی سی یہ بات نہیں اس آن بھلا کس سے کیجیے
اسوقت بڑی لاچاری ہے کچھ بن نہیں آتا کیا کیجیے ۔ پھر دھیان لگا ہر آسا پر اور من کو دھیرج اپنے دے

وہ ٹوٹی سی اک گاڑی تھی چڑھ اُسپر بے وسواس چلے
سامان کچھ اُنکے پاس نہ تھا رکھ شیام کی من میں آس چلے

ہر دم بھروسا رکھ من میں چل نکلے واں سے جب نرسی
تھی سر پہ میلی سی پگڑی اور چولی جامے کی مسکی
تھے جاتے رستے بیچ چلے تھی آس لگی ہر کرپا کی
واں اتنا کچھ ہر لکھ بھیجا میں فکر کروں اب کس کس کی

گو پلے میں کچھ چیز نہ تھی پر من میں ہر کی آسا تھی
کچھ ظاہر میں اسباب تھا کچھ صورت بھی بجیائی سی
کچھ اسدم میرے پاس نہیں واں چاہئیں چیزیں بہتیری
جو دھیان میں اپنے لاتے تھے کچھ بات نہیں بن آئی تھی

جب اس نگری میں جا پہونچے سب بولے نرسی آتے ہیں
اور لانے کی جو بات کہو اک ٹوٹی گاڑی لاتے ہیں

کوئی بات نہ آیا پوچھنے کو جب جا کے دیکھا نرسی کو
جب بیٹی نے یہ بات سنی کہہ بھیجا کیا کیا لائے ہو
دو ہنس ہنس اپنے ہاتھوں سے یاں دینا ہو اب جسکو
تھا پاس ہمارے کیا بیٹی اب لانے کی کچھ مت پوچھو

اور جتنا جتنا دھیان کیا کچھ پاس نہ دیکھا اُنکے تو
جو چھوچھک کے سامان کیے سب گھر میں جلدی بھجوا دو
یہ بولے تب اُن بیٹی سے ہر کرپا اور یہ دھیان دھرو
کچھ دھیان جو لانے کا ہووے سنکشن تم ہو سنکشن کہو

اس آن جو ہر نے چاہا ہے اک پل میں ٹھاٹھ بنا دینگے
ہے جو جو یاں سے لکھ بھیجا اک آن میں سب بھجوا دینگے

سنکشن بھر دینے جب نرسی یہ بات جو من سے کہہ بیٹھے
کچھ چھکڑوں پر اسباب کسے کچھ بھینسوں پر کچھ اونٹ لدے
کل کپڑوں پر انبار ہوئے اور ڈھیر کناری گوٹوں کے
تھا تنگ میں دنیا ایک جسے سو اسکو میں اب تمہیں دیئے

کیا دیکھتے ہیں واں آتے ہی سب ٹھاٹھ وہ سجا آ پہونچے
تھے ہنسلی کھڑوے سونے کے اور تاش کی ٹوپی اور کرتے
کچھ گہنے جھمکے چار طرف کچھ چمکی چیر جھلا جھل کے
اب واہ واہ کی اک دھوم مچی اور شور ہا ہا کے ٹھہرے

تھی وہ جو ٹھٹھولنی اسکی ماں وہ بھولی جسدم دھیان پڑی
سو اسکے لیے پھر اوپر سے اک سونے کی سل آن پڑی

واں جسدم ہر کی کرپا نے یوں نرسی کی تب لاج رکھی
بہتیرے آدر مان ہوئے اور نام بڑائی کی ٹھہری
سب لوگ کٹم کے شاد ہوئے خوش وقت ہوئی پھر بیٹی بھی

اُس نگری بھیتر گھر گھر میں تب نرسی کی تعریف ہوئی
جو لکھ بھیجی تھی طعنے سے ہر پایا سے وہ سانچ ہوئی
وہ ننگی بھی خوشحال ہوئے تعریفیں کر کر نرسی کی

واں لوگ سب آئے دیکھنے کو اور دوانے دیر بھئی لگی ‏ ‏ یہ ٹھاٹھ جو دیکھے چھو چھک کے سب بستی بھیتر دھوم مچی

جو ہر سے کام رکھیں انکا پھر پورا کیونکر کام نہ ہو
جو ہر دم ہر کا نام بھجیں پھر کیونکر ہر کا نام نہ ہو

سیکشن نے واں جب پوری کی سب نرسی کے من کی اچھا ‏ ‏ اک پل میں کردی دور سبھی جو اُنکے من کی تھی چنتا
یہ ایسی چھو چھک لیجاتے سو انمیں تھا مقدور یہ کیا ‏ ‏ یہ آدرمان وہاں پاتے یہ نرسے کب ہو سکتا تھا
جو ہر کرپا نے ٹھاٹھ کیا وہ ایک ان سے بن آتا ‏ ‏ یہ اتنی جسکی دھوم مچی سو ٹھاٹھ وہ تھا ہر کرپا کا
یہ کرپا اُن پر ہوتی ہے جو رکھتے ہیں ہر کی آسا ‏ ‏ ہر کرپا کا جو وصف کہوں وہ باتیں ہیں سب ٹھیک بجا

ہیں شاد نظیر اب ہر دم وہ جو ہر کے نت بلہاری ہیں
سیکشن کہو سیکشن بڑے اوتاری ہیں

(۱۵۶)

بیان سیکشن و نرسی اوتار

دنیا کے شہروں میں میاں جس جس جگہ بازار ہیں ‏ ‏ کس کس طرح کے ہیں ہنر کس کس طرح کے کار ہیں
کتنے اسی بازار میں زر کے ہی بیوپار ہیں ‏ ‏ بیٹھے ہیں کر کر کوٹھیاں زر کے لگے انبار ہیں

سب لوگ کہتے ہیں انھیں یہ سیٹھ ساہو کار ہیں

ہیں فرش کوٹھی میں بچھے تکیے لگے ہیں زرفشاں ‏ ‏ بہیاں کھلی ہیں سامنے لکھتے ہیں لکھی کار واں
کچھ مٹھیہ کی کچھ پرت کی آتی ہیں باتیں درمیاں ‏ ‏ لاکھوں کی لکھتے درشنی سو سیکڑوں کی ہنڈیاں

کیا کیا متی اور سود کی کرتے سدا تکرار ہیں

کچھ مول کا مذکور ہے کچھ بیاج کا ہے ٹھک ٹھکا ‏ ‏ پھیلاؤ ہیں اکثر بیچ کے بیچ کا چرچا ہو رہا
دلال ہنڈی میٹھ کے بامن پرکھے شد صوا ‏ ‏ آڑت بٹھائے ہر جگہ چٹھی لکھاتے جابجا

کچھ رکھنے والے کے پتے کچھ جوگ کے اقرار ہیں

تھوڑی سی پونجی جنکی ہے بیٹھیں ہیں وہ بھی مل کے یہاں
اور جو ہیں حد فرش پونجیے وہ کوڑیوں کی تھیلیاں
ادھر ڈھکے ڈھیر بیں کے ادھر دھری ہیں کوڑیاں
کاندھوں پہ رکھ جاتے ہیں وہ ال لگتی جہاں ہیں گڈڑیاں
دیکھا تو یہ سب پیٹ کے دھندے ہیں اور بستار ہیں

ہے یہ جو صرافہ میاں ہیں ان میں کتنے اور بھی
جوگیانی دھیانی ہیں بڑے کہتے انھیں کو سیٹھ جی
ہمت کے پرکھے کا درب چاہت کی چوکھی اشرفی
دھن دھیان کے کل ڈھیر میں کوٹھی بھی ہے کوٹھڑی
من کی پریم اور پیت کا کرتے سدا بیوپار ہیں

ہیں دپ درشن اس کے چلکے روپے من میں بھرے
لیکھن سے لیکھا چاہ کا چت کی سرت سے لکھ رہے
ہنڈی لکھیں ہیں ساہ کو جاتے ہیں جو جل میں ملے
جس لوک میں ہے من لگا اس باسکی بسنی سب بچھے
نت پیم کی بول بیچ میں ہیتاں دھریں دو چار ہیں

بیکب لگا کے ہیں جہاں دھوکا نہیں پڑتا ذرا
ہے جمع دل ہر بات سے من اصل مطلب سے لگا
جس بات کی مدیں لکھیں وہ ٹھیک پڑتی ہیں سدا
حاجت تقاضے کی نہیں لینا سب آتا ہے چلا
جو بات کرنی جوگ ہے اس میں بڑے ہشیار ہیں

رہتے ہیں خوش جی ہیں سدا دلگیر کچھ رہتے نہیں
جھگڑا نہیں کرتے ذرا غصہ نہیں ہوتے کہیں
بیوپار کرتے ہیں بڑے ہر آن رہتے ہیں وہیں
مت کی گتی سے من لگا سکھ چین ہے جی کے تئیں
کھوٹے لمت سے کام کیا انکے کھرے ہتکار ہیں

کرتے ہیں نت اس کام کو جو ہے سمایا گیان میں
سندیہ کا پیپا ٹکا رکھتے نہیں دوکان میں
جو دھیان ہے من میں بندھا ہے ہے خوش اُس من دھیان میں
نت من کی سمرن سادھ کر ہر وقت میں ہر آن میں
جس نار کا آدھار ہے اس سے لگائے تار ہیں

جس من ہرن محبوب سے من کی لگائی چاہ ہے
جو دل کی لیکھن سے لکھا اس سے وہی آگاہ ہے
سب لین کی اور دین کی اُن کو اسی سے راہ ہے
انکو اسی سے ساکھ ہے انکی وہی اک راہ ہے
کوڑی سے لیکر لاکھ تک انکے وہی بیوپار ہیں

اس بھید کا اے دوستو اس بات میں دیکھو پتا
تھے نرسی مہتا ایک جو صرافی کرتے تھے سدا
محفوظ تھے خوشحال تھے دوکان میں زر تھا بھرا
سکشن جی کے دھیان میں رہتا تھا اُن کا من لگا
سُن لو یہ اُنکی پیت اور پرتیت کے ابکار ہیں

جوں جوں چڑھا ہردے میں مست مدھ پریم کا پیالا پیا
پیسا ٹکا جو پاس تھا سب سادھ سنتوں کو دیا
سب کچھ تجا ہر دھیان میں اور نام ہر کا لے لیا
نت داس متوالے نے ہر کا بھجن ہر دم کیا
پرگھٹ کیے سب دیکھ پر جو نیہ کے آثار ہیں

سب تج دیا ہر دھیان میں یہ پیت کا ٹھہرا جتن
کرتے بھجن سکشن کا ہر حال میں رہتے مگن
نرسی کی پریت ہو گئی تھے کر مدن موہن کو من
چاہت میں ساںول ساہ کی اپنا بھلایا تن بدن
سب بھگت باتیں ساتھ لیں جو اشٹ میں درکار ہیں

دن رات کی مالا پھری سکشن جی سکشن جی
ٹھہرا زباں پر ہر گھڑی سکشن جی سکشن جی
کہتا سدا سینے میں جی سکشن جی سکشن جی
جاتے جہاں کہتے یہی سکشن جی سکشن جی
جو پریم کے پورے ہوے اُنکے یہی اطوار ہیں

کہتے ہیں یوں اک دیس میں رہتے جو کتنے سادھ تھے
وہ درسنوں کے واسطے جب دوارکا جی کو چلے
آ پہونچے اس نگری میں جب نرسی جہاں تھے بہت بھلے
اُترے خوشی سے آن کر اور واں کئی دن تک رہے
پوجا بھجن کرنے لگے سادھواں کے جو اطوار ہیں

وہ سادھو جو اُترے تھے واں کچھ تھے روپے اُنکے کنے
چاہا اُنھوں نے درشنی ہنڈی لکھا لیں سیٹھ سے
لیویں روپے ہنڈی لکھا جب دوارکا میں پہونچلے
کارج سنواریں دھرم کے جو نیکنامی واں ملے
کرتے ہیں کارج پریم کے جا کے جو اُس دربار ہیں

لوگوں سے جب اس بات کا سادھوں نے واں چرچا کیا
اور ہر کسی سے اُس گھڑی گھر پوچھا ساہوکار کا
اُس چھوٹی نگری میں جو نرسی کا یہ بیوپار تھا
سو کشن جی کی چاہ میں بیٹھے تھے سب اپنا گنوا
مفلس سے کب وہ کام ہوں کرتے جو اب زردار ہیں

کتنے جو ٹھٹے باز تھے جس دم انھوں نے یہ سنا
اک نرسی مہتا ہیں بڑے صراف یاں کے واہ وا
وہ میں ہنسی کی راہ سے سادھواں سے یوں جاکر کہا
تم درشنی ہنڈی جو ہر لو ہاتھ سے اُن کے لکھا
ہو ساکھ انکی یاں بڑی جتنے یہ ساہو کار ہیں

وہ سادھ کیا جانے کہ یاں یہ کرتے ہیں ہم سے ہنسی
نرسی کے آئے پاس جب اُن کی وہ بات اپنے کہی
لے کر روپے اور پوچھنے آئے بہت ہو کر خوشی
لکھدو ہمیں کرپا سے تم اسوقت ہنڈی درشنی
ہم دوارکا کو آجکل جلدی سے چلنے ہار ہیں

نرسی نے یوں سنکر کہا میں تو غریب آدمی ہوں جی
نے ہے مری آڑت کہیں نے سیت میرا ہے کوئی
سادھو مری دوکان تو مدت سے ہے خالی پڑی
ہے پاس میرے لکھنی نے ایک ٹوٹی سی بہی
یہ بات واں کیجئے جہاں نت ہنڈیاں ہر بار ہیں

جاکر لکھاؤ اور سے یہ سیت سادھو کیا مری
تن پر مرے کپڑا نہیں نے گھر میں تھالی کرچھلی
ہے میرے رہنے کو یاں ٹوٹی سی اک جھونپڑی
میں تو بڑی خبطی سا ہوں کیا ساکھ میری بات کی
سب ناؤں دھرتے ہیں مجھے جو میرے ناتے دار ہیں

یہ بات سنکر سادھ واں نرسی سے بولے اُس گھڑی
کر یاد سانول ساہ کی نرسی نے واں ہنڈی لکھی
لکھ دو انھیں کے جوگ تم ہم کو یہ ہنڈی درشنی
سادھوں نے ہنڈی لیکے واں سے دوارکا کی راہ لی
کہتے چلے لینے روپے اب واں تو بے تکرار ہیں

لوگوں نے جانا اب بہت نرسی کی خواری ہووے گی
یہ دوارکا سے سادھ یاں آوینگے پھر کر جب گھڑی
لکھ دی انھوں نے اب جہاں کاہے کو یہ ہنڈی پٹی
پکڑینگے اُن کو آن کر لوگوں میں ہو وے گی ہنسی
کھوتے ہیں پت انسان کی جھوٹے جو کاروبار ہیں

نرسی نے وہ لیکر روپے رگھو دھیان ہر کی آس کا
پوری کچوری اور دہی شکر مٹھائی بھی منگا
تھے جتنے سادھ و سنت سب کو واں لیا اُسدم بلا
سب کو کھلایا کتنے دن اور سب غریبوں سے کہا
من مانتا کھاؤ پیو یہ جو لگے انبار ہیں

برفی جلیبی اور لڈو سب کو واں برتا دیے
وہ سادھ ہنڈی درشنی لے دوارکا میں جب گئے
جب سوچ آیا من میں یوں ہوتا ہے کیا اب دیکھیے
کوٹھی کو سانول شاہ کی واں ڈھونڈھتے ہر جا پھرے
ہم جن کو ہیں یاں ڈھونڈھتے یاں وہ نہیں نہار ہیں

بے آس ہو کر جس گھڑی وہ سادھ بیٹھے سر جھکا
کلسی جھمکتی جگمگا چھتری سنہری خوشنما
اتنے میں دیکھا دور سے اک رتھ ہے واں آتا چلا
اک شخص بیٹھا اسمیں ہے سانول برن موہن ادا
رتھ کی جھلک سے اسکی واں روشن عجب انوار ہیں

وہ سادھ دیکھ اس ٹھاٹھ کو کچھ من میں گھبرا سے گئے
پوچھا انھوں نے کون ہو تب سادھ یوں کہنے لگے
جلدی اٹھے اور سامنے رتھ کے ہوئے آکر کھڑے
نرسی کی ہنڈی درشنی ہے جوگ سانول ساہ کے
سو ہم کو وہ ملتے نہیں اب ہم بہت ناچار ہیں

یہ کہہ کے ہنڈی درشنی جس دم انھوں نے دی دکھا
جتنے روپے تھے واں لکھے وہ سب دیے انکو دلا
سیکشن جی نے پیار سے ہر حرف ہنڈی کا پڑھا
وہ خوش ہوئے جب کشن نے یوں ہنس کے سادھوں سے کہا
پیارے جنھوں نے ہے لکھی ہم انسے رکھتے پیار ہیں

اب جو ملو گے ان سے تم کہیو ہماری اور سے
یہ کام کیا تم نے کیا تھوڑے روپے جو اب لکھے
جو تھے روپے تم نے لکھے وہ ہم نے سب انکو دیے
آگے کو اب سمجھو یہی اتنے روپے کیا چیز تھے
لاکھوں لکھو گے تم اگر دینے کو ہم تیار ہیں

وہ سادھو اپنے لے روپے پھر شہر کے بھیتر گئے
پھر دوارکا سے چل کے وہ نرسی کی نگری میں گئے
کارج جو کرنے تھے انھیں من مانتے وہ سب کیے
نرسی سے لوگوں نے کہا نرسی بہت دل میں ڈرے
دونگا کہاں سے میں روپے یہ تو بہت کی بھار ہیں

جب سادھ ملنے کو گئے نرسی کہیں چھپنے لگے
پرشاد لائے اور روپے کچھ روبرو انکے دھرے
وہ منتیاں کرنے لگے اور پاؤں نرسی کے چھوے
اور جو سندیسا تھا دیا سب وہ بچن ان سے کہے
نرسی نے جانا کشن کی کرپا کے یہ اسرار ہیں

سن میں جو نرسی خوش ہوئے سب سادھو یوں کہنے لگے
ہُنڈی نرسی لکھتے رہو ہر نے کہا ہی آپ سے
سب ہم نے بھر پائے روپے اور ہر کے درشن بھی کیے
نرسی یہ بولے اُن سوا اب کس سے ہو کر پا سکے
جو جو کہا سب ٹھیک ہے وہ تو مہا اوتار ہیں

نرسی کی ساونل ساہ نے جب اِس طرح کی پت رکھی
بلہاری نرسی ہو گئے بیکش نے کر یا یہ کی
اور یوں کہا آگے کو تم لکھتے رہو ہنڈی بڑی
جسکو نظیر ایسوں کی ہر جی جان سے چاہت لگی
وہ سب طرح ہر حال میں اُسکے نباہن ہار ہیں

(۱۵۷)

درگا جی کے درشن

سن باس نہ کیئے کیونکر جی ہر کاشی نگری برسن کی
جو بسنے ہارے دور کے ہیں یہ جھوم ہر اُن من ترسن کی
ہو تیر گیانی دھیانی کا ہر پنڈت اور دھن سرسن کی
اُس پوری پونی نٹ کھٹ کے ہر چاہ چرن کے پرسن کی
پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہی ہر سن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

اُس مندر اونچے کلس منج دیپ پہ راجت ہیں
دھن پوجا کھن ٹھن کی ایسی نت نوبت اُنو باجت ہیں
تن برن ایسے جھلکت ہیں جو دیکھ چندرمان لاجت ہیں
اُس سندر مورت دیبی کا جو برنن ہو سب چھاجت ہیں
پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہر سن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

جو ہر سے اُس دیبی کی وہ دور سے دھاوت ہیں
جب کرپا وا کی ہووت ہے تب وے اُسکے درشن پاوت ہیں
جو دھیان لگا کر دھاوت ہے سب وا کی آس پچھاوت ہے
کچھ دیکھت ہے وا مورت کا من تن میں سیس نواوت ہے
پرسند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہر سن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

جو نیمی ہیں وہ امورت کے وہ اُن کی بات سُدھارن ہیں
ہر گیانی واکے سرن ہیں ہر دھیانی سادھ اُدھارن ہیں
سکھ چین جو دائیں انگت ہیں وہ اُنکی جنتا ہارن ہیں
جو سیوک ہیں وہ امورت کے وہ اُنکے کاج سنوارن ہیں

پر سند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہر سن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب رنگا جی کے درسن کی

جب آتی ہیں باچھے اُس جاگہ دن آکر منگل ہوتا ہے
ٹک دیکھو جیدھر آنکھ اٹھا ہر ناری کا دل ہوتا ہے
ہر چار طرف اُس ٹیول میں انبوہ منگل ہوتا ہے
ہر من میں منگل ہوتا ہے آنند بر چھ چہل ہوتا ہے

پر سند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہر سن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب درگا جی کے درسن کی

جو باغ لگے ہیں سندرتا کے وہ لوگوں سے سب بھرتے ہیں
کچھ بیٹھے ہیں خوشوقتی سے دل عیش و طرب پر دھرتے ہیں
وہ چہلیں ہوتی ہیں جتنی سب من کے رنج بسرتے ہیں
کچھ دیکھ بہاریں خوباں کی ساتھ اُنکے سیریں کرتے ہیں

پر سند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہر سن کی
تعریف کہوں میں کیا کیا کچھ اب رنگا جی کے درسن کی

جو چیزیں میلوں بکتی ہیں سب اُس جا آن جھمکتی ہیں
محبوبوں سے بھی حسینوں کی ہر آن نگاہیں تکتی ہیں
پوشاکیں جنکی زرّیں ہیں وہ تن پر خوب جھلکتی ہیں
یوں نام نظیر اب کس کس کا جو خوبیاں آن جھمکتی ہیں

پر سند بہت من ہوتے ہیں یہ ریت رچی ہے ہر سن کی
تعریف کہون میں کیا کیا کچھ اب رنگا جی کے درسن کی

(۱۵۸)

بھیروں کی تعریف

دیکھا ہے جب سے میں نے تیرا جمال بھیروں
دن رات ہے یہ میرا تجھ سے سُوال بھیروں
رکھتا ہوں تب سے دل میں تیرا خیال بھیروں
اب درد و غم سے آکر مجھ کو سنبھال بھیروں

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

آنکھوں میں چھا رہا ہے تیرا سروپ کالا
آنکھیں دیا سی روشن ہاتھوں میں مے کا پیالا
تن میں بھبوت مل کر گل بیچ منڈ مالا
ہوں دل سے داس تیرا سن اب مرے دیالا

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

کیا کیا مچی ہیں تیرے دربار کی بہاریں
سب اپنا اپنا کارج من مانتا سنواریں
بھگتی کلا پہ تیری جی جان اپنا واریں
سیوک چرن کو چھومیں اشٹی کھڑے پکاریں

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

ماتھے پہ تیرے ٹیکا سیندور کا براجے
ترسول کاندھے اوپر ڈھورو کی گت بھی باجے
مدھ پیوے ماس کھاوے جو تو کرے سو چھاجے
سب تج کے میں نے اب تو تیری دیا کے کاجے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

تو راچھسوں کے تن سے ہر آن سر اکھاڑے
جو تجھ سے دو بدو ہو اک آن میں لتاڑے
چاہے جسے بسا دے چاہے جسے اجاڑے
دانوں کو چیر ڈالے دشمن کو پچھاڑے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

غصے میں تو جو آکر اپنی جٹا ہلاوے
سرکاٹ راچھسوں کے چھوٹے بڑے ملاوے
دھرتی اکاس پربت پاتال دہل جاوے
اچھلے کلال خانہ کتنوں کو خوں چٹاوے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں

اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

جوگی اتیت جنگم تیرے چرن سے لاگئیں
سیویں جو تجھ کو اُنکے سوتے نصیب جاگئیں
جب نام لے کے تیرا بھبوڑ کا دیں تپ کی آگئیں
جن دیو ہاتھ جوڑیں بھبوت اور پلید بھاگئیں

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

ہے کون اب جو نکلے تجھ مست سے اکڑ کر
ڈشٹوں کو لات تگّی موذی کے سر کو ٹھکر
کریا ہے تیری میرے حق میں تو قند و شکر
اب سب طرح سے میں نے تیری دیا کو تک کر

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

میرا تو کوئی اس جا اپنا ہے نے بگانا
بیکس ہوں بے ہنر ہوں اور ہے بُرا زمانا
اے بیکسوں کے والی میری مدد کو آنا
تیرے سوا کسی جا میرا نہیں ٹھکانا

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

پوجا کتھا میں تیرے میں گُن بکھانتا ہوں
تجھ کو ہی پوجتا ہوں تجھ کو ہی مانتا ہوں
دھول اب تیرے چرن کی ماتھے پہ سانتا ہوں
تیرا ہی ہو رہا ہوں تجھ کو ہی جانتا ہوں

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

تو شاہ میں بھکاری میں کیا کہوں کہ کیا دے
جو دل میں تیرے آوے داتا مجھے دلادے
مجھ سے بگڑ چلے کو اب مہر کر بنادے
اب جس طرح سے چاہے چنتا مری مٹادے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

اب غم مرے جگر کو تیروں سے چھانتا ہے
کس سے کہوں میں جاکر کون آہ مانتا ہے
اور گرد بیکسی کی نت سر پہ چھانتا ہے
جو دکھ ہے میرے جی پہ سو توہی جانتا ہے

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

جو دکھ ہے میرے جی پر اب کس کو جا سناؤں
اب بیکسی میں اپنی جاکر کسے سناؤں
کس سے پناہ مانگوں یہ دکھ کسے دکھاؤں
تیرا کہا کے اب میں کس کا بھلا کہاؤں

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

اب کس طرح جتاؤں میں اپنی بے کلی کو
پوچھے جو میرے دکھ کو اب کیا پڑی کسی کو
نے سکھ ہے میرے دل کو نہ چین میرے جی کو
مجھ سے بھلے برے کی اب لاج ہے تجھی کو

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

ہے جس کا اب جہاں میں تجھ اشٹ کا سہارا
ہے بے نظیر تیری کرپا کا ٹھاٹھ سارا
دن رات باجتا ہے اُن کا سدا نقارا
مانگ جتی بجے ہم بھیروں سرن تمہارا

تیری سرن گہی ہے کر تو نہال بھیروں
اے پرتپال دیوت مدھ مست کال بھیروں

۱۵۹

مہادیو کا بیاہ

پہلے ناؤں گنیش کا لیجے سیس نوائے
بول بچن آنند کے پریم پیت ادر چاہ
جا سے کارج سدھ ہوں سدا مدھ رت لائے
سن تو یارو دھیان دھر مہادیو کا بیاہ

جوگی جنگم سے سُنا وہ بھی کیا بیان
سننے والے بھی رہیں ہنسی خوشی دن رین
اور جس نے اُس بیاہ کی مہماں کبھی بنا لے
خوشی رہے دن رات وہ کبھی نہ ہو دلگیر

پنجم

اور کتھا میں جو سُنا اُس کا بھی پرمان
اور پڑھیں جو یاد کر اُن کو بھی سُکھ چین
اُسکے بھی ہر حال میں شیو جی رہیں سہائے
مہماں اُس کی بھی رہے جس کا نام نظیر

آغازِ قصہ

یوں کہتے ہیں اس دنیا میں اک راج پتی ہماچل تھا
گڑھ کوٹ بڑے گر پربت سے اور فوج سپہ کا دنگل تھا
ہتھ ہتھلیں میانہ لال رتھیں جھنڈوں پر اطلس مخمل تھا
سب ساز جڑاؤ گج گاہیں کوئی چنچل تھا کوئی کوتل تھا
پکھراج زمرد لعل منوں من کتنا بھی بے اٹکل تھا
کل برتن سونے روپے کے اور چیرا چھیری کا دل تھا
زر زیور ٹھاٹھ اسباب بہت اور عیش خوشی کا بُھل تھا

وہ دھرمی عدلی نیک جیو گھ چنڈلا اور بجج بل تھا
گج ہستی اونچے جھجول زری نباری ہودے مخمل تھا
خوش رنگ ترنگاں تیز قدم ہر زین جھمکتا ہر پل تھا
ہر بستر چیر جھلا جھل کا دھن دولت پلو آنچل تھا
محلات سُنہرے رنگ بھرے پر باری اور رکھ منڈل تھا
باغات بڑی تیاری کے ہر ڈالی پر گل اور پھل تھا
گھر جھمک جگمگ کرتا تھا سکھ چین آنند اور منگل تھا

ہر آن طرب ہر دم چہلیں جی جان ہر اک اوقات خوشی
وہ راجہ بھی ہر وقت خوشی اور پرجا بھی دن رات خوشی
اب یاں سے آگے سُنو خوبی سے رکھ دھیان
پاربتی کے وصف کا جتنا ہوا بیان

اس راجہ ہماچل کے گھر اک مائی سندر بیٹی تھی
لب لعل یمن اور غنچہ دہن تن برگ سمن قد سرو سہی
وہ کٹھلے کنگن کندن کے وہ بازو چھلّے اور مُندری
ماں باپ کی پیاری ناز بھری آنکھوں آگے نت سندر پھرتی

مکھ اُس کا چندر للن کا تھا نام اُسکا گورا پاربتی
پوشاک جھلکتی تاش زری اَن گنتی پہنے من موتی
وہ بھانجھن بجتی چاندی کی اور چوڑی گھنگرو چود اسی
نت رہتی ہاتھوں چھاؤں میں وہ رانی اُس مرادوں کی

سکھ بھوجن نورس اور میوے پکوان مٹھائی دودھ دہی — سو ساٹھ سہیلی ساتھ پھریں ہم عمریں بھی بالی بھولی
سب پیار کریں تن من واریں سنگ کھیلیں جس میں بھلے بھی — سب گہنے میں سر پانوں لدیں تن سوہا سالو اور چنری
کوئی اُچھلے کودے سوانگ کرے کوئی ہنس ہنس کی آئی کھیلی — دن رات سنہیں اور چین کریں ہر آن کی خوبی خوش وقتی

تھی رہتی گورا پاربتی ان روپ سرو لیوں ابرن میں
سب طور خوشی سے پھرتی تھی نت اپنے گھر اور آنگن میں
اب یاں سے آگے سُنو اس کی یہ تقریر
جیسے گورا کی نسبت کی ہوئی تدبیر

اک رات وہ راجہ رانی تھے سکھ بیٹھے اپنے مندل سے — سکھ پاپن بر جس دونوں کے اور ہنس ہنس باتیں کرتے تھے
وہ بالی سندر پاربتی خوش بیٹھی آگے دونوں کے — ہر چیری باندھے ہاتھ کھڑی پوشاکیں پہنے اور گہنے
سکھ دیکھ دُلاری کنیا کا یوں بولے راجہ رانی سے — اب اپنی گورا پیاری کی کچھ فکر سگائی کی کریے
تب بولی رانی راجہ سے کر جوڑ بہت منتی کر کے — جو آپ کے من میں سچ ہوا ہے سوچ وہی من میں میرے
تم صاحب ہو تم مالک ہو سو بھا سب کی اب تم سے — دو حکم پروہت کو اپنے رکھ دھیان سگائی کا اُسکے
ہو راج بھی گھر اونچا ہو ہر شہر نگر میں جا ڈھونڈھے — وہ بر بھی ایسا سندر ہو جو میری گورا کو سوہے
ہے جیسی گورا چندر مکھی ویسا ہی بر اسکا ہووے — یہ بات جو ٹھہری دونوں میں رکھ من میں اُسکو سوئے ہے

جب صبح ہوئی تو راجہ کے من میں تھا وہی دھیان بھرا
دربار میں آئے خوش ہوتے سنگاسن اوپر پاؤں دھرا
اب یاں سے آگے سُنو اور بچن اس آن
نسبت گورا کی ہوئی جگ میں جس عنوان

جب راجہ اپنے محلوں سے سنگاسن پر بیٹھے آکر — دربار ہوا گل لالہ سا سب حاضر جا کر اور نوکر
یہ بات کہی جب راجہ نے لے آؤ پروہت کو جا کر — اُسوقت پروہت آ پہنچے آخر بھجن رستا لا کر
سر پاگ بڑائی کی سوہے اور چندن رُوپے ماتھے پر — تن جامہ خاصہ ململ کا انگلائی رنگیں پیتمبر

لکھ پان گلے موتی مالا اور مونگا سونا بھی اکثر
لکھ دیکھ پروہت کا اپنے یوں راجہ بولے خوش ہوکر
ہیں جتنے شہر پھرو انمیں اور سیر کرو ملک اور نگر
ٹھہراؤ سگائی گوراکی شبھ ساعت سے تم اسکے گھر

خوش صورت سیرت نیک بچن قابل عاقل اور دانشور
تم جاؤ سگائی گوراکی اب ڈھونڈھو اچھی ساعت دھر
جس دیس میں دیکھو راج بچی ہو اونچا گھر اور در مندر
جب ٹھہر چکے واں خوبی سے دو اسکی ہمکو آن خبر

جس وقت پروہت سے اپنے یہ راجہ نے فرمان کیا
خوشحال پروہت نے ہوکر واں ڈھونڈھنے کا سامان کیا
اب یاں سے آگے سنو بات پروہت مان
چلے سگائی ڈھونڈھنے گوراکی رکھ دھیان

ہو شاد پروہت چلنے کو اس شہر سے جب تیار ہوئے
ہر دیپ گئے ہر نگر گئے ہر شہر بسے ہر دیس پھرے
مقدور تلک تو دیکھ پھرے اور اپنے بس تک ڈھونڈھ چکے
جو بات لکھی ہو کرموں میں ہر طور وہی آکر ہووے
جب کھینچی باگ نصیبوں نے پھر اسکے آگے ہار گئے
کیا دیکھیں واں کیلاس اوپر شیو آپ اکیلے ہیں بیٹھے
جب من کو سکھ آنند ہوئی پھر تھوڑی سی واں کے پھیرے

یوں جلد چلے اس نگری سے جوں پون سحر کے وقت چلے
پر ایک نہ پایا بر ایسا جو راجہ کے بر سند پڑے
تدبیر بہت سی کی لیکن جو چاہے سو تقدیر کرے
جو چاہے پھیرے کوئی اسے کیا تاب جو پل بھر پھیر سکے
واں پھرتے پھرتے آخر کو کیلاس کے اوپر جا پہونچے
کی استت اور خوشوقت ہوئے سکھ پائے انکے درشن نے
کرشیکا اسکا جلد بہت خوش ہوکر ماتھے پر شیو کے

جس آن پروہت کھینچ چکے وہ کیسر ٹیکا شادی کا
پھر واں سے اپنے دیس پھرے کر کاج مبارکبادی کا
واں کہنے میں وال اجہ سے اس ٹیکے کی آ بات کہی
سن ناؤں نند اشیوشنکر کا ہوئی راجہ کے گھر بہت خوشی

سب خویش کٹم دلشاد ہوئے اور پرجا کو ہوئی خوشوقتی
کوئی بولی ہر دم خوش ہوکر ہو آئی سگائی گوراکی

گھر بار مندیلی ڈھول بجا آنند خوشی کی دھوم مچی
کوئی گود چڑھا کر کہتی تھی آ میری گورا پاربتی

کوئی آنکھیں چومے پیار کرے کوئی ڈر بلائیں لیتی تھی
تب راجہ نے ہر پنڈت سے واں لگن مہورت کی پوچھی
دن ٹھہرا بیاہنے آنے کا شبھ ساعت شادی لگن دھری
وہ پتری شیو کے پاس گئی رے ہاتھ انھوں نے سب بانچی

جب گھر گھر میں مشہور ہوئی یہ بات خوشی آنند بھری
سب بولے ماہ پھینے کی شبھ ساعت ہے اور نیک گھڑی
تب راجہ نے شیو شنکر کو اس بات کی پتری لکھ بھیجی
ہو ناندیا پر اسوار چلے اور آئے نگری راجہ کی ہے

واں آ کے اُترے بیاہنے کو تھا اُس جا اک میدان بڑا
خوش وقت نویلے جاؤ بھرے کر جوگی کا سامان بڑا
اب یاں سے آگے سنو یہ برتن اس آن
جب واں سے شیو نے کیا جوگی کا سامان

واں جانے بوجھے کون انھیں تھے یہ تو اترے جوگی بن
اک سیلی گدڑی مچھ پڑی اور راکھ دھتورے کا بھوجن
جل ٹلن کریں ان شیو جس سے وہ تو تیا تو بھی کا برتن
کچھ راکھ بھرا اور لال آنکھیں کن مندر کر میں اک سُمرن
وہ راکھ ملی جو کچھ تن پر وہ راکھ نہ تھی وہ تھا اُبٹن
وہ سمرن تھی یوں پہنچے پر جوں باندھے دولہا ہاتھ کنگن
وہ مندر کانوں بیچ پڑے یوں جیسے موتی ہوں کانن

ترسول جگر تھا کاندھے پر اور راکھ بھرا سب کچھ اور تن
وہ سکھ پدم تھا مال ساج وہ گھنٹا کھپر جھجھولی دھن
اور سیس لٹائیں بکھر رہیں مرگ چھالا کا ڈالے آسن
اُس جوگی بن میں شیو جی کا تھا دولہا کا یہی زور برن
اور لال شہانا باگا تھا وہ گیروا رنگا پیراہن
وہ سیس لٹائیں یوں بکھریں جوں باندھے سہرا نیک پچھن
وہ لڑیاں سیلی کی ایسی جوں زیور ہوں تے زیب بدن

کچھ ٹھاٹھ نہ باجا گاجا تھا اور کوئی سنگ نہ ساتھی تھا
وہ آپ سدا شیو دولہا تھے اور ناندیا بیل براتی تھا
اب یاں سے آگے سنو اُس جوگی کی بات
لوگوں نے جس دم سُنی ملے ہر اک نے ہات

واں لوگ برات آنے کے تھے دن رات سبھی مشتاق بڑے
ہر چار طرف خوش وقتی سے کچھ بیٹھے تھے کچھ پھرتے تھے

معلوم نہ تھا یہ دولہا ہیں تھے راہ خوشی کی سب تکتے
واں سب نے جوگی جان انھیں پردیسی گر پھرتے رہتے

یوں آن کے پوچھا جوگی جی کوئی دیکھی برات برات آئے
یہ بات سنی جب لوگوں نے تب سنکر سب بے ہوش گئے
یہ بات کہی اُس جوگی کی تب راجہ بھی حیران ہوئے
سب محلوں مندر شور مچے یہ بھاگ تھے کیسے گورا کے
کوئی دیکھ کے صورت گورا کی رو دیوے ٹھنڈی سانس بھرے

اُسوقت سداشیو منش بولے ہیں بیاہنے ہم ہی تو آئے
دل سُست ہوئے اور من کھٹکے پھر جا کر آگے راجہ کے
تحقیق کیا تو ٹھیک وہی ہی تقدیر سے رو دئیے ہاتھ ملے
کوئی ماتھا کوٹے سیس دھنے کوئی آنسو ہر دم بھر لائے
کوئی بولے کروں لکھیا نے جو کرم لکھی ہو سو ہووے

واں جن جن نے یہ بات سُنی افسوس اُسے فی الفور ہوا
جو چاہا تھا تو کچھ اور ہی تھا اور یہ گھٹ یاں کچھ اور ہوا
اب یاں سے آگے سُنو دھیان ادھر کو لائے
آزردہ جیسی ہوئی پاربتی کی مائے

رو جھینک اُدھر ماں گورا کی سن جوگی پر یوں اُٹھ بولی
یہ میری گورا پاربتی بالی نیکی سُندر بھولی
مکھ جسکا چمکے چاند مثل اور مصری ہونٹوں میں گھولی
ہر کنگن جسکا بیش بہا ہر پہونچی جس کی انمولی
تن پر اکھوٹے گدڑی اوڑھے کھا اکھو دھتورے کی گولی
نے محل مکان نے زر زیور نے بھیل بیانہ رکھو ڈولی
اب لاج گئی کل میں موری سب دشمن بولیں کل بولی

یہ کیسی بپتا آن بنی کس مشکل نے صورت کھولی
یہ مالی دھن اور دولت کی یہ پھول ترازو کی تولی
وہ الگن مکھ پر چھوٹ رہیں کستوری نے جس سے بولی
سو تلے باندھی ایسے کے جو پہنے کنٹھا اور جھولی
سر کیس بکھیرے لال میں جوں لال ہما در کی گولی
چڑھ بیل بجاتا سنکھ پھرے بن پربت کھاتا جھنجھولی
تدبیر نہیں کچھ بن آتی تقدیر جو ہونی تھی ہو لی

تھی میری گورا پیاری کی یہ بات چھٹی کی رات لکھی
کچھ اور نہ ہو ہونت وہی جو ماتھے میں ہو بات لکھی
اب یاں سے آگے سُنو شیو نے جب اُس آن
اپنی مایا سے کیے کیا کیا وہاں سامان

تب راجہ نے بھی ترش ہو کر دربار پروہت بلوائے
جب آئے تو یہ بات کہی یہ کیسا ٹیکا کر آئے

سب لوگوں نے بھی نوبت دھرے تب جب شیو کے پاس آئے
جو باد نے جھاڑی خار و خس اور بادل پانی چھڑکائے
نگیرے جھالر موتی کے کمخواب شجر جھلکائے
منقش زری کے پچھے بھی پھر جا بجا لٹکائے
پھر تھال لائچی لونگوں کے بھر خوب طرح سے چنوائے
ہر چار طرف تیاری کی اسباب طرب کے ٹھہرائے

لچھیا نادیکھ پروہت کو واں ٹھاٹھ یہ شیو نے دکھلائے
بانات قناتیں شمیانے دل بادل تنبو تنوائے
کل فرش حریر اور دیبا کے خوش رنگ چمکتے بچھوائے
گل عطر و گلاب اور پان دھرے کستوری عنبر رکھوائے
چنگیر دھریں سوزیب بھریں اور طرہ ہار بھی گندھوائے
جو ٹھاٹھ بڑے ہیں شادی کے اک پل بھر میں سب جھمکائے

آکاس کے دیوت جتنے ہیں بن خوب برائی آن بھرے
وہ پہلا بھی میدان بھرا اور دیسے دس میدان بھرے
اب یاں سے آگے سنو خوش ہو کر ہر آن
جیسے شیو دولھا نے اس کا کیا بیان

جب بیٹھے شیو کی شادی میں کل دیوتا جو ہیں کوٹ تینتیس
اور سکر اور برہسپت بھی اور نانوس سنیچر بھی جن کا
اس وقت خوشی سے سندر پر شیو بیٹھے بنکر یوں دولھا
ہر تار چمکتا چیرے کا اور تاش سنہرے کا باگا
ہر کان مرصع کندن تھے اور مکھ پر سونے کا سہرا
وہ موتی مالے گلے جھلکیں اور ان میں لعلوں کی لڑیاں
جب بیٹھے شیو یوں دولھا بن تب پر یونکا واں ناچ ہوا

بشن آپ تھے آئے اور برہما اور اندر نارد من اس جا
وہ روپ سروپ اور روشنائیں وہ اونچی شانیں بیت فزا
مکھ پان کی لالی کر مہندی اور آنکھوں بیچ لگا کجرا
اس تار زری کے چیرے پر جوں مہر چمکتا مکٹ دھرا
وہ سہرا مکھ پر یوں چمکے جوں سورج ہوتے کرن بھرا
وہ بانک جڑاؤ بازو پر اور کنگنا پہنچے جھمک رہا
اور کرنا سرنا جھانجھ بجے نقارے گونجے شور مچا

یہ ٹھاٹھ بنا کر دکھلایا جب شیو نے مایا اپنی کا
ہر چار طرف آنند ہوئی غل شور رہا خوش وقتی کا
اب یاں سے آگے سنو اس شادی کے طور
دیکھ اسے جی سے خوشی لوگ ہوئے ہر ٹھور

یہ دھوم مچی واں آپسمیں کیوں لوگو گیا یہ جوگی
برناری نکلی چھوڑ مندر رکھو من میں چاؤ تماشے کی
سب دیکھنے کو واں آن بھرے سو ٹھٹھ ہوئے اور بھیڑ لگی
جب دیکھا تو واں کوسوں تک ہے نور برات آ کر اتری
ہوئی محلوں مندر بیچ خوشی اور عیش و طرب کی دھوم مچی
منہ دیکھ کے خوش ہو بیٹی کا اور ماتھا چومے گھڑی گھڑی
کوئی دھن دھن بھاگ کہے رہ رہ کوئی واری ہو سو سو باری

ہم سمجھے اسکو جوگی تھے اور نکلا یہ تو راج پتی
اور بوڑھیاں بوڑھے طفل جواں اور کبڑے لنگڑے بہرے بھی
یہ بات سنی جب راجہ نے تب چڑھ کر کوٹھے پر جلدی
خوش وقت ہوئے خوشحال ہوئے بر آئی سب منسا من کی
دل شاد ہو سب کنبے کے ماں گورا کی بھی شاد ہوئی
کوئی پاربتی کے پاؤں چھوے کوئی ہووے ہر دم بلہاری
اب چاؤ یہی اور چاہ یہی جو دیکھیں صورت دولہا کی

تھے جیسے جوگی دیکھ انھیں واں غم سے دل پامال ہوئے
جب ٹھاٹھ یہ دیکھے شادی کے سب شاد ہوئے خوشحال ہوئے
اب یاں سے آگے سنو بھوجن کے سامان
جس کی ہے تعریف سے میٹھا ہوا بیان

جب راجہ نے یہ حکم کیا تیاری ہو اب بھوجن کی
حلوائی ہزاروں آ بیٹھے کر گرم کڑھاؤ رکھ تھال نئی
بھر ڈالا خوب گلاب اسمیں اور ڈالیں ٹکیاں مصری کی
پھر لڈو بھی تیار کیے دے قند بہت بادام گری
وہ خوب جلیبی اور کھجلے وہ گھیور بالوسائی بھی
کی عرض یہ جا کر راجہ سے سب جنس وہ اب تیار ہوئی
جو حکم ہوا تھا اتنی تو سو خوبی سے بنوا ڈالی

منگوائے میدا لاکھوں من اور میوے مصری شکر گھی
کر کھوئے ستھرے دودھ منگا اور ڈالی چینی شکر تری
انبار لگائے پیڑوں کے اور ڈھیر گلابی اور برفی
براق نکھرے اور خرمے بھی خوشرنگ امرتی بیر بلی
سب اتنے واں تیار ہوئے جو ٹھور نہ رکھنے کو پائی
ٹک دیکھو تم بھی آن اسے جو ہے کتنی اور ہے کیسی
جب راجہ نے بھی آنکھ اٹھا ہر جنس بہت ستھری دیکھی

مسرور ہوئے یہ کہہ من میں جس آن براتی آویں گے
سب اپنے من بھر کھا دینگے اور ڈھیر بڑے رہ جاوینگے
اب یاں سے آگے سنو عیش خوشی کی بات

جیسے جیسے ٹھاٹھ سے شیو کی چڑھی برات

جب رات ہوئی تب شیو شنکر خوش وقتی سے اسوار ہوئے
فانوسیں رنگیں جھلملیاں در جھاڑ بڑی گلکاری کے
وہ پریاں ناچیں تختوں پر پوشاکیں گہنے جھمکڑے
ہر سُر نامیں دھن ہیں کی اور کرنا تری جھانجھ بڑے
مردنگ منجیرے تال بجیں اور سارے گھنگرو بھی جھنکے
وہ ہاتھی کجل اور کتے انباری ہودے اور بنگلے
وہ جھاڑ مشعلیں بنجتا نے سب وشن اونچے شغلوں کے

سب آگے پیچھے دولہا کے دلشاد براتی ساتھ چلے
ہر آن چڑاؤ چنور ڈھلیں اور سیس کے اوپر چھتر پھرے
نقارے نوبت طبل نشان الغوزے بجتے اور ڈھلے
کر دھنے سوں بھوں باجے بجے اور تاشے بجتے کڑ کڑ سے
وہ ڈھول دھما دھم شور کریں اور چھپتے بھی چھم چھم کرتے
وہ جھومتے چلتے قدم قدم اور بجتے جاتے گھنٹا لے
وہ صحرا جھمکا کوسوں تک اک ابر اُجالی جا پہونچے

وہ گھوڑے میانے گھوڑ بہلیں تھا اونچے پہیے ڈھلتے تھے
سب باجے بجتے جاتے تھے اور ہوتے ہوتے چلتے تھے
اب یاں سے آگے سنو چلے جو بھولا ناتھ
اور براتی بھی ہوئے ایسے اُن کے ساتھ

پھر اور ہزاروں ساتھ چلے جو بھوت پری اور اچھس تھے
ہر گو انکا سون کا اور موٹے رستوں کے پٹکے
کوئی ننگے سر وہ بال اُسکے جوں بانس برابر دس دس گز کے
کوئی ہاتھی بیکے کاندھے پر کوئی اونٹ بغل میں بجائے
کوئی سانپ گلے میں لپٹائے پھن اُنکے دم پر دم جھومے
کوئی گاوے بجاوے گلا اپنا کوئی نرت کرے چکھ پھیر چلے
کوئی ہاتھ نچاوے رہ رہ کر کوئی مین خوشی سے ٹھمکا دے

ڈیل اونچے اُنکے برج سمن اور سیس بھی اُنکے گنبد سے
اور گرڈوں پیڑوں کی طرح تھے ساکھو برکے برد تھے
کوئی سنڈ کوئی رنڈ اور کوئی بن پاؤں ناچے اور کودے
کوئی ارنا بھینسا گود لیے کوئی گینڈا سر پر بٹھلائے
کچھ لمبے سونٹے لوہے کے کچھ ہاتھ لیے بھاری لکڑے
کوئی شور کرے خوشحالی سے یوں جیسے ہاتھی چنگھاڑے
کوئی لمبے لمبے ڈگ رکھے کوئی دس دس گز کی جست کرے

کچھ ننگ عجب کچھ ڈھنگ نئے سب منہ سر بھج دکھلاتے تھے
تھے دھوم مچاتے رستے میں ہر آن اُچھلتے جاتے تھے

اب یاں سے آگے سُنو شادی کے اطوار
چلے سداشیو جس طرح پاربتی کے دُوار

جب دیکھا واں کے لوگوں نے وہ کوسوں تک کا اجیالا
سب بولے برات آتی ہے یہ شور اُجالا ہے اُس کا
وہ آتے جاتے جلد بہت جو دیکھتے واں سو کہتے آ
کوئی کہتا بہت براتی ہیں اور ساتھ لیے ہیں ٹھاٹھ بڑا
کوئی کہتا گھوڑے ہاتھی ہیں اب وہ رتھوں کا ہے آتا
یاں لوگ بہت سے آتے ہیں جتنا ہے بیچ کہاں یہ جا
پردھان کھڑے تھے جو آگے جب اُن سے اپنا بھید کہا

وہ سرنا کی آواز سنی اور نقاروں کا شور سُنا
تب راجہ نے بھی بھیجدیا ہرکارے پروان ہرکارا
کوئی کہتا اب ان آپہونچے کوئی کہتا آئے اب اس جا
کوئی کہتا اتنے ہاتھی ہیں کچھ چھور نہیں جن کا ملتا
یہ باتیں سنکر راجہ نے گھبرا کے من کے بیچ کہا
یہ بھیڑ کب اسمیں مل بیٹھے کچھ بن نہیں آتا کریے کیا
یہ ٹھاٹھ جواب یاں آتا ہے کچھ تم نے اسکا فکر کیا

وہ بولے کیا تدبیر کریں اور کیا کیا اسکا دھیان کریں
آجاوے اتنا ٹھاٹھ جہاں واں کس کس کا سامان کریں
اب یاں سے آگے سُنو باتیں ہیں یہ ٹھیک ٹھ
آئے شیو جس طرح واں دوارے کے نزدیک

جس آن برات آئی در پر یہ خوبی ٹھہری زیب بھری
وہ ڈنکے لگتے دھونسے پر دھن کرنا سُرنا کی اونچی
کل تب براتی چار طرف اور بیچ سوار ہے دولہا کی
سب واہ کریں اور چاہ کریں اور ٹھاٹھ کو دیکھیں گھڑی گھڑی
وہ آئی تھی جو ساتھ لدی اور آتشبازی تھی چھٹتی
اک پہر تلک روانے پر واں پھول رہی پھلواری سی
وہ طبل بجیں اور ڈھول بجے بھی نقارے تاشے اور تُرئی

وہ پریاں ناچیں تختوں پر جھنکاریں رہیں جھانجروں کی
دروازے کوٹھے گونج رہے آواز سُہانی اُنکی تھی
سب چھجے چھجے کوٹھوں پر واں دیکھیں زینت و خوبی
ہوں دیکھ کے صورت دولہا کی واں سو سو دل سے بلہاری
مہتاب انار اور پھلجھڑیاں بہت پھول ہوائی خوب چھٹی
سب ہاتھی گھوڑے بیل چھلیں غل شور ہوا اور دھوم مچی
وہ ڈھول جھلجھلی باج رہے اور گھر گھر میں آواز گئی

سب شاد ہوئے خوش وقت ہوئے دیکھ تماشے خوبی کے

کر وصف بہت بلہار ہوئے اُس دلہا کی محبوبی کے
اب یاں سے آگے سنو شادی کے رسم اور
جس کی ہر اک رسم سے جی خوش ہووے الغور

جب اجہ کے دروانے پر ہوئی آن برات اسطرح کھڑی
جب سمدھی آئے ملنے کو اور سمدھ ملاوے کی ٹھہری
جب دلہا ڈیوڑھی بیچ گئے تب نکلیں سندر سو چیریاں
وہ چاند سا مکھ وہ سر سہرا او پیچ کنگنا تار زری
کوئی بولا دولہا خوب بنا اس دلہا کے میں بلہاری
کوئی دیکھ کے ہوتی شاد بہت کوئی وار کے پانی پیتی تھی
اسطور کی پھبن خوبی سے جو ہر اک منہ کو دیکھ رہی

سب باجے باجے دیر تلک اور چھوٹی آتشبازی بھی
اُس وقت بلایا دولہا کو تو ہووے زیب سندر کی بھی
لے آئیں مندر میں دلہا کو تو ہووے زینت مندر کی بھی
وہ روپ سہانا جب دیکھا ہوئی سب کے من کے بیچ خوشی
کوئی بولی میں اس دلہا پر اب واروں من من بھر موتی
چھبن لکھ کر اُس جا دولہا نے لی نیک اشرفی بہتیری
سب محلوں مندر بیچ ہوئی آنند خوشی اور خوشوقتی

جب بیٹھے دولہا مسند میں من بیچ خوشی کی بات لیے
جمنا سے بیچ برات اُتری وہ ٹھاٹھ خوشی کا ساتھ لیے
اب یاں سے آگے سنو اُس صورت کی بات
جمنا سے میں جس طرح بیٹھی آن برات

کچھ جمنا سے کے بیچ گئے کچھ بیٹھے جا دالانوں میں
کچھ آن براجے ڈیوڑھی میں مشغول خوشی کی باتوں میں
ہر طور بجیں کرنا سرنا اور ترئی طبل بھی محلوں میں
اور باجیں نوبت جھانجھ بڑی اُس شادی کے رنگ رلیوں میں
کچھ میانے رتھ اور رنگھ سہلیں لا آن کھڑی کیں راہوں میں
تھے جتنے واں بازار بنے کچھ اُترے اُن بازاروں میں
جب جگہ نہ پائی بستی میں کچھ اترے شہر سوادوں میں

کچھ آنگن میں کچھ بیٹھک میں کچھ بیٹھے بالا خانوں میں
کچھ باہر آکر بیٹھ رہے کچھ بیٹھے رتھ اور میانوں میں
ہر جانب دھوم سے باج رہے نقارے بجتے کوچوں میں
کچھ باٹ میں بیٹھے کان بھری اُن چوں میں اُن دھوموں میں
کچھ گھوڑے اُچھلے بیل لڑے کچھ ہاتھی جھومے گلیوں میں
اور جتنے واں تھے باغ لگے کچھ اترے جا اُن باغوں میں
واں ڈیرے تنبو تان کے [illegible] بیٹھے خوش اُن ڈیروں میں

وہ تھے واں جس جس طور اوپر کل فرحت کے آہنگ ہوے
غل شور ہوے اور ناچ ہوے اور راگ ہوے اور رنگ مچے
اب یاں سے آگے سنو اُس کا بھی لبستار
جس جس طور سے آن کر ٹھہری واں جیونار

جسوقت براتی بیٹھ چکے تب راجہ نے واں لوگوں کو
یہ حکم کیا اب خوبی سے ان سب کو جا کر بھوجن دو
جب چاکر نوکر جلد چلے اور جناسے میں آکر وہ
یوں بولے اب سب کرپا کر جیونار مندر کے بیچ چلو
تم اب بھی جیموا اور اُنکو دلواؤ جنھیں دلوانے ہوں
ہیں رکھتے ڈھیر مٹھائی کے درکار ہوں جتنے اتنے لو
اس بات کو سنکر ہنس بولے ہر خوب پر اتنی بات سنو
یہ دو بالک جو بیٹھے ہیں تم پہلے ان کو جموا دو
وہ گود اُٹھا کر خوش ہوتے جیونار میں لائے دونوں کو
تھے جتنے واں نبار لگے اور ڈھیر مٹھائی کے تھے جو
اک ڈیڑھ نوالا کر بیٹھے پھر مچلے اب کچھ اور رکھو
اُن لوگوں کے تب ہوش گئے اور بھاگ گئے واں کر زاری
یہ بات کہی جب راجہ سے تب وہ بھی اپنی سدھ بدھ کھو
حیران ہوے اور چُپ ہو گئے من بیچ بہت شرمندہ ہو

مغرور ہوے تھے کہہ کر یوں جا بھوجن کے انبار کریں
سو اُس کی تو یہ شکل ہوئی اب کاہے کو جیونار کریں
اب یاں سے آگے سُنو خوش ہو کر یہ شان
جیسے دولھا کے ہوے پھیروں کے سامان

جب ساعت آئی پھیروں کی تب ٹھہری اس جا یہ خوبی
گھر بیچ بلایا دولھا کو اور پھیروں کی تیاری کی
کچھ بیٹھے لوگ اِدھر اور اُدھر سب اپنے من کے بیچ خوشی
جو فرش مقرر ہو اُس پر آ بیٹھے دولھا دلھن بھی
جب دولھا دلھن مل بیٹھے تب ریت ہوئی گٹھ جوڑے کی
وہ پنڈت آئے ہوم کیا سب لا کر اُسکی چیز رکھی
سب پنڈت بیٹھے بید پڑھیں کوئی بیٹھا ڈالے شکر گھی
گنیش کی پوجا کر کے واں پھر پوجا کی نوگرہوں کی
بھر تھال جواہر سنگ میں لیں جلد سواسی اور رنگی
اور لے نیگ عائیں ہیں سب دولھا دلھن کو بیگی
سبھ ساعت نیک مہورت سے وہ دولھا دلھن کو پھری
اسطور پھیرے مل آپس میں یہ ریت جو ہوتی پھیروں کی

جب پھیرے چار ہوئے آ کر گل عیش و طرب کی دھوم مچی ہر چار طرف جھمکی جھمکی خوشحالی خوبی خوش وقتی

ہر من میں سو سو عیش بھرے اور فرحت سے پہچان ہوئی
ہر جگ میں جو آنند خوشی وہ ظاہر سب اس آن ہوئی
اب یاں سے آگے سنو اور بچن دو چار
آئے باہر شاد ہو دولہا جس اطوار

وہ پھیرے بھی جس وقت ہوئے اس خوبی اور خوش وقتی سے
دس روز ہوئے ہر محلے میں اور چاؤ بر آئے سب دل کے
وہ چیرا سر پر چمک رہا وہ کٹ جڑاؤ بھی دمکے
کچھ کانوں موتی چمک رہے کچھ بانک جھمکتے بازو کے
وہ خوبی سو بھا دولہا کی سب دیکھیں واں کے لوگ کھڑے
وہ دیکھیں اپنی آنکھوں سے ہوں جگ میں بھاگ بڑے جن کے
وہ چیرا چھیری بھی خوشدل اور نوکر چاکر خوش پھرتے

جو رسمیں اور رعیتیں واں تھیں اُن سے بھی سب شاد ہوئے
شیو باہر آئے منڈل سے جوں سورج وقت سحر نکلے
تن با گا جھمکے ہر ساعت اور لعلوں کی مالا چمکے
سو زیب جھمک سے خوش ہوتے آنند بر اپنے بیٹھے
سب بیٹھ کر خوش یہ بات کہیں یہ دولہا اور بر ٹھاٹھ بڑے
وہ راجہ رانی شاد بہت اور لوگ خوشی سب کنبے کے
اُس نگری کے طالع چمکے اُن لوگوں کے بھی بخت کھلے

جس طور ہوئی وہ خوشحالی کب اُس کی حالت جائے کہی
ہر چار طرف خوش وقتی کے سو شور ہوئے اور دھوم ہوئی
اب یاں سے آگے سُنو بات خوشی آمیز
جو جو راجہ نے دیا اُس جا دان دہیز

جس آن ہوئے شیو چلنے کو تب لا کر یہ اسباب دھرے
زر زیور کے واں ڈھیر لگے جو باہر ہووے گنتی سے
وہ کلسے نئے نئے چاندی کے وہ تھال کٹورے سونے کے
وہ چیرے خوب لباسوں کے اور گنتی میں بھی بہتیرے
وہ کنچل جھول جھلکتی کے انباری خنجر اور موٹے

پوشاکیں رنگیں زیب بھری ہر تار پڑا جن کا جھمکے
وہ موتی ہیرے انمول وہ لعل زمرد کے ڈبے
وہ فرش سنہرے نقش بھرے جو بچھتے مخمل بیچ پڑے
وہ چیریاں اچھی صورت کی سر پاؤں تلک زیور پہنے
وہ گھوڑے گلگوں شکل ہوا زر دوزی جن پر زین بندھے

چنڈول جھلکتے وہ جن پر بانات زری کے تھے پردے
وہ رنگیں جھالردار رتھیں وہ بہل بہت جنکے اونچے

رتھ بہلیں اور گھر بہلیں وہ سب ٹھاٹھ چمکتے جنکے تھے
یہ ٹھاٹھ رکھا دروازے پر اور نعبدی بوجھ اٹھانیکے

تھے جتنے شادی بیاہ نمت ساماں جو واں تیار ہوئے
ہر ٹھاٹھ کے واں دروازے پر ہر جانب سو انبار ہوئے
اب یاں سے آگے سنو راجہ نے اُس آن
جو باتیں شیو سے کہیں اُن کا کیا بیان

یہ ٹھاٹھ کیے دھن دولت کے تب راجہ شیو سے یوں بولے
کس لائق ہیں جو دیتے ہم اسباب تمہارے لائق کے
ہیں بھاگ ہمارے بہت بڑے جو چرن تمہارے ہم دیکھے
تم تھام نہ لیتے جو ہم کو پھر کہیے کیونکر ہم تھمتے
ہم چیز نہیں کچھ گنتی کی اور تم ہو لاکھوں خوبی کے
ہر وقت ہماری بانہہ رہو کر کرپا سے اپنی گہنے
تم لاج ہماری رکھنے کو ہر آن رہو کرپا کرتے

کچھ بن نہیں آیا جو ہم سے من بیچ ہوئے ہم شرمندے
تم اچھے جگ میں ایسے ہو جو پائے ہو لاکھوں ہم سے
اس نگری میں اس منڈل میں تم آئے اپنی کرپا سے
جو کرپا تم نے ہم پر کی کب استت اُس کی ہو ہم سے
اس آن دیا جو آپنے کی وہ دیکھی کا ہے کو ہم نے
من بیچ ہوئے ہم بہت خوشی اور بھاگ ہمارے جاگ اُٹھے
جو من میں تھی سو بات کہی اب اور کہیں کیا ہم آگے

جب راجہ نے یہ بات کہی اور ہر دم ادھک ادھینی کی
تب شیو نے ہنسکر راجہ کے واں من کی بہت تسلی کی
اب یاں سے آگے سنو من ادھر کو لائے
پاربتی واں جس طرح گھر سے ہوئی بدائے

جب شیو نے واں یہ حکم کیا تیاری ہو اب چلنے کی
یہ بات بدا کی سنتے ہی واں گورا کی ماں یوں بولی
من اسکا بہت ہی کھیو خوشی مت میلا کیجو اس کا جی
یوں کہکر بولی گورا سے مل مجھ سے میری پیاری جی

اور آپ سمندر کے بیچ گئے تو ہوئے بدا واں دھن کی
سب طور تم اسکے مالک ہو یہ چیری میں نے تم کو دی
یہ پیاری ہے من کی میرے اور روشنی میری آنکھوں کی
جب گورا پیاری دوڑ گلے واں اپنی ماں کے آلپٹی

وہ ماں بھی روتی دیکھ اُسے اور رو دیں جتنی تھیں گھر کی
تو آنکھیں ور و لال نکر میں تیرے مکھ کی بلہاری
پھر آخر واں اُس روتی کو کر پیار بہت ساگھڑی گھڑی

ماں دیکھ کے روتی گورا کو کر پیار بہت یوں کہتی تھی
کچھ اپنے من کے بیچ نہ لا میں تجکو جلد بلاؤں گی
چنڈول سنگا کر ڈیوڑھی پر واں سب نے روتی بٹھلائی

سچ پوچھو تو ماں باپ کے تئیں ہر بیٹی سے یاں پیار بہت
جسوقت وہ بیاہی جاتی ہے جب ہوتے ہیں لاچار بہت
اب یاں سے آگے سُنو اتنی یہ بھی بات
جیسے واں اُس دیس سے شیو کی چلی برات

جب ڈیوڑھی سے چنڈول اُٹھا اور وانے پر سو خوبی سے
اُسوقت بہت خوشوقتی سے شیو شنکر بھی اسوار ہوئے
اسواری دولھا کی آگے چنڈول دُلھن کا تھا پیچھے
اسباب دیے جو راجہ نے تھے اُس کے جاتے اونٹ لدے
وہ ہاتھی گھوڑے ہر جانب نیاری زین جھمکتے تھے
ہر کوٹھے کوٹھے بھیڑ لگی اور رستے رستے لوگ بھرے
جس طور خوشی سے بیاہنے کو شیو آئے گھر میں راجہ کے

نوچھاور اتنی کی اُس پر کل سوتی پھول زری بکھرے
وہ خوبی حشمت چاروں طرف سب ساتھ براتی زیب بھرے
وہ باجے لائے ساتھ جو تھے سب ہر دم بجتے ساتھ چلے
وہ جتنے چیر اچیری تھے سب تخت روانوں میں بیٹھے
اُس دیس کے رہنے والے بھی سب دیکھنے نکلے گھر گھر سے
غل شور خوشی کے چاروں طرف سب کہیں واں وہ ٹھاٹھ بڑے
پھر ویسی ہی خوشوقتی سے کیلاس کے اوپر جا پہنچے

یوں ٹھاٹھ ہوا یوں بیاہ ہوا اب بس اور نہ آگے نے بولو
ڈنڈوت کرو ہر آن نظیرؔ اور ہر دم شیو کی جے بولو

(۱۶۰)

مسدس

ہے صبر و قناعت ساتھ میاں سب چھوڑ یہ باتیں لوبھ بھری
سنتو کہو توکل ہرنوں نے جب حرص کی کھیتی آن چری
جو لوبھ کرے اُس لوبھی کی نہیں کھیتی ہوتی جان ہری
پھر دیکھ تماشے قدرت کے اور لوٹ بہاریں ہری بھری

جب آسا نسا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

ٹک اپنی ہمت دیکھ میاں تو آپ بڑا اوتاری ہے
ہر آن مرے ہے لالچ پر ہر ساعت لوبھ ادھاری ہے
پر حرص طمع کے کرنے سے اب تیرا نام بھکاری ہے
اور لالچ مارے لوبھ بھرے سب حرص ہوا کی خواری ہے

جب آسا نسا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

گر حرص ہوا اور لالچ کی ہو دولت تیرے پاس دھری
ہاتھ آیا جب سنتوکھ درب تب دولت اوپر دھول پڑی
تو خاک سمجھ اس دولت کو کیا سونا روپا لال زری
کر عیش مزے سنتوکھی بن جے بول مُرلیا والے کی

جب آسا نسا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

اس حرص ہوا کے بیجوں کو جو لوبھی دل میں بوتے ہیں
جو ہاتھ پسارے لالچ کر وہ ماتھا کوٹ کے روتے ہیں
وہ جھنجھنا مارے لوبھ بھرے نت خوار ہمیشہ ہوتے ہیں
اور ہاتھ جنھوں نے کھینچ لیا وہ پاؤں پسار کے سوتے ہیں

جب آسا نسا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

اس لوبھ بھرے کی گلیوں کی جب منھ پر تیرے دھول پڑی
چل لوبھ کے سر پر جوتی مار اور لوبھی تن پر مار چھڑی
بے چین رہے گا ہر ساعت آرام نہ ہوگا ایک گھڑی
کر سمرن کنج بہاری کی جے بول کرشن کی گھڑی گھڑی

جب آسا نسا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

یہ شہد بُرا ہے لالچ کا اس میٹھے کو مت کھا پیارے
جو مکھی اس میں آن پھنسی پھر نکلی رہے پٹا پیارے
یہ شہد نہیں یہ زہر ذرا اس زہر اپر مت جا پیارے
سر پیٹے روئے ہاتھ ملے ہے لالچ بُری بلا پیارے

جب آسا نسا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری

سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

یہ لوبھ تری پت کھوتا ہے اور بھی لالچ مارے کی — یہ لوبھ چمک کھو دیتا ہے ہر آن چمکتے تارے کی
تو ایک پتنگ کر لالچ پر بن صورت لال انگارے کی — گر یاد مدن متوالے کی جپ بول کنہیا پیارے کی

جب سانستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

گر حرص ہوا کے پھندے میں تو اپنی عمر گنواویگا — نہ کھانے کا پھل دیکھیگا نے پانی کا سکھ پاویگا
اک دو گز کپڑے تار سوا کچھ ساتھ نہ تیرے جاویگا — اے لوبھی بندہ لوبھ بھرے تو مر کر بھی پچھتاویگا

جب سانستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

اس حرص ہوا کی جھولی سے ہے تیری شکل بھکاری کی — پر تجھ کو ابتک خبر نہیں اے لوبھی اپنی خواری کی
سنتو کبھی سادھ سروپ تج سنت نر اور ناری کی — لے نام کرشن من موہن کا جپ بول اٹل بنواری کی

جب سانستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

ہے جبتک تجھ میں لوبھ بھرا تو چور اچکا تگڑا ہے — ہر پیچ پرانی پگڑی سے جو سر پہ تیرے بگڑا ہے
ہر آن کسی سے قصہ ہے ہر وقت کسی سے جھگڑا ہے — کچھ من میں نہیں کچھ سکھ نہیں سب حرص و ہوا کا جھگڑا ہے

جب سانستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

اس دنیا میں کچھ خبر نہیں اس لوبھی کے نستارے کی — ہر کیچڑ اس پر لپٹ رہی سب حرص و ہوا کے گارے کی
کیا کہیے واکی بات نظیر اس لوبھی لوبھ ستوارے کی — سب تج رو مل کر جپ بولو اس بات کی نند دلارے کی

جب سانستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئی بم شنکر بولو ہری ہری

مسدس کریما

در مناجات باری تعالیٰ

سدا دل سے اے مومن پاکباز
بوقت مناجات باصد نیاز
وضو کرکے پڑھ پنج وقتی نماز
یہ کہہ اپنے ہاتھوں کو کرکے دراز

کریما ببخشائے بر حالِ ما
کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا

الٰہی تو ستار و غفار ہے
نہ حامی کوئی نے مددگار ہے
مرا یاں گناہوں کا انبار ہے
اب اس بے کسی میں توہی یار ہے

نداریم غیر از تو فریاد رس
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

ہوے جرم تجھ سے صغیر و کبیر
ذرا خواب غفلت سے چونک اے نظیر
پڑا ہے تو دام گنہ میں اسیر
دعا مانگ جلد اور کہہ اے خبیر

نگہدار ما را ز راہِ خطا
خطا در گزار و صوابم نما

در ثنائے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

ترا دوست ہے وہ جو خیر الوریٰ
کہاں وصف ہو مجھ سے اُس کا ادا
محمد نبی مالک دوسرا
ولیکن ہے میری یہی التجا

زباں تا بود در دہاں جائے گیر
ثنائے محمد بود دلپذیر

وہ شاہِ دو عالم امیرِ اُمم
سدا جس کے چو میں ملائک قدم

بنے واسطے جس کے لوح و قلم
کروں اُس کا رتبہ میں کیونکر رقم

حبیبِ خدا اشرفِ انبیا
کہ عرشِ مجید بشش بود متکا

اگرچہ وہ پیدا ہوا خاک پر
مراجی فدا اُس تنِ پاک پر

گیا خاک سے پھر وہ افلاک پر
تصدق ہوں میں اُس کے فتراک پر

سوارِ جہاں گیر یکراں بُراق
کہ بگذشت از قصرِ نیلی رواق

خطاب بہ نفس

سفیدی نے ڈالا سیاہی کو دھو
ذرا اب تو اے مست ہشیار ہو

گئی نہ لڑکپن کی تجھ میں سے بو
یہ کیا قہر ہے اے دلِ زشت خو

چہل سال عمرِ عزیزت گذشت
مزاجِ تو از حالِ طفلی نہ گشت

کیا تو نے نامہ عمل کا سیاہ
تجھے اپنی غفلت پہ کچھ ہے نگاہ

اُٹھایا نہ دُنیا سے کچھ زادِ راہ
غرض اور میں کیا کہوں تجھ سے آہ

ہمہ با ہوا و ہوس ساختی
دمے با مصالح نہ پرداختی

رہا عمر بھر تو گنہ میں اسیر
گر اب کچھ رہائی کی فکر اے شریر

کمانِ اجل نت لگائے ہے تیر — اگر کچھ سمجھ ہے تو پھر کر نظیر

مکن تکیہ بر عمرِ ناپائدار
مباش ایمن از بازیِ روزگار

در مدحِ کرم

کرم کی میں کیا کیا کہوں خوبیاں — کرم کے ہیں مدّاح اہلِ جہاں
کرم ہے نکو نامِ جاوداں — جو کچھ فہم ہے تو یہ تحقیق جاں

دلا ہر کہ بنہاد خوانِ کرم
بشد نامدارِ جہانِ کرم

کرم میں وہ خوبی ہے اے مہرباں — کہ ہوتا ہے جس کا ہر اک جا بیاں
زباں سے قلم سے قدم سے میاں — کیا کر کرم اور یقیں اُس کو جان

کرم نامدارِ جہانت کند
کرم کامگارِ امانت کند

کرم کی بہت خوب ہے رسم و راہ — کرم کی ہر اک وقت ہے واہ واہ
کرم سے ہے عیش و طرب عزّ و جاہ — کرم سے ہے سب رتبۂ و دستگاہ

کرم مایۂ شادمانی بود
کرم حاصلِ زندگانی بود

کرم یاں جنھوں نے کیا ہے مدام — ہوئے ہیں بزرگی سے وہ نیکنام
اُنھیں لوگ کرتے ہیں جھک کر سلام — کرم کا نہایت بڑا ہے مقام

ورائے کرم در جہاں کار نیست
وزیں گرم تر ہیچ بازار نیست

کرم سب کو دنیا میں آیا پسند — ہوئے ہیں جہاں میں وہی سربلند
کرم کا ہے رتبہ بہت ارجمند — کرم کر سدا گر ہے تو ہوشمند

دل عالمے از کرم تازہ دار
جہاں را ز بخشش پُرآوازہ دار

کرم میں جو رکھتے ہیں اپنا قیام — تو اُن کا ہی رہتا ہے دنیا میں نام
نظیر اب تجھے ہے یہ لازم مدام — گھڑی پہر دن رات اور صبح و شام

ہمہ وقت شو در کرم مستقیم
کہ ہست آفرینندۂ جان کریم

در صفت سخاوت

سخاوت کی دنیا میں ہے جس کو چاہ — تو اُس پر نہایت ہے فضل الٰہ
ہوا وہ خلائق میں باعز و جاہ — یہی بیت ہے اس سخن کی گواہ

سخاوت کند نیک بخت اختیار
کہ مرد از سخاوت شود بختیار

خدا نے اگر تجھکو زر ہے دیا — تو کھا تو بھی اور غیر کو بھی کھلا
جو چاہے کہ ہووے ز اہلِ عطا — تو مقدور تک اپنے اے دلربا

بلطف و سخاوت جہانگیر باش
در اقلیم لطف و سخا میر باش

خدا کی عنایت ہے جس شخص پر — سخاوت کا وہ سیکھتا ہے ہنر
بڑی قدر ہے اُس کی اے بہرہ ور — سخاوت کرے جو ہے صاحب نظر

سخاوت بود کارِ صاحبدلاں

سخاوت بُود پیشۂ مقبلاں

ہمیشہ سخاوت کر اے مہرباں تو سب عیب تیرے رہیں گے نہاں
ستاوے گا تجھ کو نہ کوئی بیاں نہیں کہہ گیا سعدی خوش بیاں

سخاوت مِس عیب را کیمیاست
سخاوت ہمہ درد ہا را دواست

سخاوت جو کرتے ہیں یاں اختیار وہی ہیں جہاں میں بڑے ہوشیار
نظیر اب ہو تو بھی سخاوت شعار کہ راضی سخی سے ہے پروردگار

مشو تا تواں از سخاوت بری
کہ گوے بہی از سخاوت بری

در مذمت بخیل.

بخیلی کا پیشہ ہے جس نے کیا وہ ہوتا ہے یاں گنج کا اژدہا
نہیں اُس کے ملنے میں کچھ فائدا کنارہ ہے سب صورتوں میں روا

اگر چرخ گردد بکام بخیل
در اقبال باشد غلام بخیل

سوا اس کے یہ بھی کیا ہے رقم کہ نام اُس کا لیتے نہیں صبحدم
نحس اُس کو کہتے ہیں اہلِ کرم سمجھتے ہیں دریوزہ گر سے بھی کم

اگر در کفش گنج قاروں بود
دگر تا بعش ربع مسکوں بود

جو حشمت بڑی اُس نے پائی یہاں ملی اُس کو گر دولت جاوداں
تو اُس میں بزرگوں کا ہے یہ بیاں اگر تجھ کو حاجت ہے تو بھی میاں

کمن التقائے بمال بخیل
مبر نام مال و منال بخیل

وہ ہے گو جہاں میں بڑا مالدار
ذلیل اُس کو کہتے ہیں سب اور خوار
ولیکن وہ نظروں میں ہے بیوقار
کچھ اُس کی نہیں قدر اے ہوشیار

بخیل ارچہ باشد تونگر بمال
بہ خواری چہ مفلس خورد گوشمال

اگرچہ عبادت ہے اُس کا چلن
بڑے زہد کرتا ہے دل سے کٹھن
ریاضت میں کھینچے ہے رنج و محن
ولے شاہد اس کا یہی ہے سخن

بخیل ار بود زاہد بحر و بر
بہشتے نہ باشد بحکم خبر

جو زر ہے ترے پاس اے مہرباں
بخیلی میں ہووے گا تیراز یاں
تو خرچ اُس کو کر راہ حق میں میاں
نظیر اُس سخن کو تو تحقیق جان

سخیاں ز اموال بر می خورند
بخیلاں غم سیم و زر می خورند

درصفت تواضع

تواضع کی خوبی ہو کیا کیا بیاں
جو کرتا ہے رسم تواضع عیاں
یہ پستی بلندی کی ہے نردباں
اُسے دوست رکھتے ہیں اہل جہاں

دلا گر تواضع کنی اختیار
شود خلق دنیا ترا دوستدار

جو چاہے ملیں تجکو اخلاص مند
تواضع کی کر اُن سے باتیں دوچند

کہ آویں ترے کام سب کو پسند　　بزرگوں کا ہے یہ کلام بلند

تواضع بود مایۂ دوستی
کہ عالی بود پایۂ دوستی

اگر ہے ترے دل میں یہ مدعا　　کہ عالم میں رتبہ ہو تیرا بڑا
کیا کر تواضع یہی ہے بھلا　　پھر اک اہل معنی نے یوں ہی کہا

تواضع کند مرد را سرفراز
تواضع بود سروراں را طراز

بدن تو نے پایا جو انسان کا　　تو ہرگز نہ کر کار حیوان کا
تکبر تو ہے کام شیطان کا　　تواضع ہے باعث تری شان کا

تواضع کند ہر کہ ہست آدمی
نزیبد ز مردم بجز مردمی

بڑی یوں تو دولت کی ہیں خوبیاں　　دے ہے تواضع کی وہ عزّ و شاں
کہ یاں نام اور سیر فردوس واں　　کہا ہے بزرگوں نے اسے مہرباں

تواضع کلید در جنت است
سرافرازی و جاہ را زینت است

تواضع اگر ہوگا تیرا شعار　　بڑھے گا ترا سب میں عزّ و وقار
تواضع کو مت چھوڑ اے ہوشیار　　یہ معنی ہیں اس بیت کے آشکار

تواضع بود حرمت افزای تو
کند در بہشت بریں جای تو

اگر ہے جہاں میں تجھے دستگاہ　　تواضع یہ لازم ہے ہر دم نگاہ
تواضع سے بڑھتی ہے توقیر و جاہ　　یقیں کر تو ہے قول سعدی گواہ

تواضع زیادت کند جاہ را
کہ از مہر پرتو بود ماہ را

اگر چاہیے تجھکو یاں اعتبار
کرے تجھکو دل سے ہر اک شخص پیار
بزرگی ملے اور بڑا ہو وقار
تو اس کو یقیں جان اے غمگسار

تواضع عزیزت کند در جہاں
گرامی شوی پیش دلہا چو جاں

دل اپنے میں تخم تواضع کو بو
تواضع بغیر ایک دم کو نہ ہو
عمل کا ترے کھیت تو سبز ہو
یہی یاد رکھ دل میں اے نیک خو

کسے را کہ عادت تواضع بود
ز جاہ و جلالش تمتع بود

ملے تجھ سے جو اُس سے جھک کر تو مل
تواضع کو رکھ آپ سے متصل
کھِلا غنچۂ دل کو اور تو بھی کھل
بلندی اسی میں ہے اے صاف دل

تواضع مدار از خلائق دریغ
اگر گردن ازاں برکشی ہمچو تیغ

ملی جن کو ہے عقل میں امتیاز
ثمر سے ہے ڈالی کو جھکنے میں ناز
وہی جھکتے ہیں سب سے با صد نیاز
اسی بات میں سب پہ کھلتا ہے راز

تواضع کند ہوشمند گزیں
نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں

تواضع جو کرتے ہیں اس جا امیر
وہ ہوتے ہیں سب کے بہت دلپذیر
وہ ہیں نیک بیش صغیر و کبیر
جو دیکھا تو سچ ہے یہ بات اے نظیر

تواضع ز گردن فرازاں نکوست

گدا اگر تواضع کند خوے اوست

نہیں پاس رکھتا جو یاں سیم و زر ۔۔۔ اور اُس میں تواضع کا کچھ ہے اثر
اُسے لوگ کہتے ہیں نیکو سیر ۔۔۔ دے قول سعدی ہی ہواے پر گہر

کسے راکہ گردن کشی در سراست
تواضع از و یافتن خوش تراست

در مذمت تکبّر

تکبر جو کرتا ہے یاں ہر گھڑی ۔۔۔ وہ کھینچے ہے آخر کو شرمندگی
تکبّر سے ہے ربط بیدانشی ۔۔۔ اگر ہے تو عاقل تو بھولے سے بھی

تکبّر مکن زینہار اے پسر
کہ روزے ز دستش در آئی بسر

تکبّر جو کرتا ہے یاں اختیار ۔۔۔ وہ رہتا ہے لوگوں کی نظروں میں خوار
حذر اُس سے رکھتے ہیں اہل وقار ۔۔۔ یہی یاد رکھ دل میں اے ہوشیار

کسے راکہ خصلت تکبّر بود
سرش پر ز غرور از تصوّر بود

تکبّر سے ہوتا ہے جو آشنا ۔۔۔ وہ بیگانۂ عقل ہے دائما
تکبّر سے کر خوف اے پارسا ۔۔۔ تکبّر کی زشتی کہوں تا کجا

تکبّر عزازیل را خوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

بہت کھینچتا ہے جو اپنے تئیں ۔۔۔ وہ گرتا ہے آخر بروئے زمیں
جو ناداں ہیں واقف وہ اس سے نہیں ۔۔۔ ولیکن یقیں جان اے ہمنشیں

تکبر بود عادت جاہلاں
تکبر نیاید ز صاحب دلاں

جنھیں عقل اور ہوش کا ہے خیال — وہ رکھتے ہیں یاں عاجزی کے خصال
نہیں چلتے ہرگز تکبر کی چال — یہاں اس سخن کی یہی ہے مثال

تکبر بود مایۂ بدبری
تکبر بود اصل بدگوہری

تکبر کی زشتی ہے سب پر عیاں — سنا تو نے کچھ کچھ تو اُس کا بیاں
سمجھ بوجھ مت کر تو اپنا زیاں — نظیر اب تعجب ہے یہ درمیاں

چہ دانی تکبر چرا مے کنی
خطا مے کنی و خطا می کنی

در فضیلت علم

جسے دولت علم کہتے ہیں یاں — وہی دولت بے خطر ہے میاں
نہ کر جہل پڑھ دل سے اے مہرباں — کہ ہے علم ہی دولت جاوداں

بنی آدم از علم یابد کمال
نہ از حشمت و جاہ و مال و منال

فضائل کی تجھ کو اگر ہے ہوس — پڑھا کر تو اور علم سے کر نہ بس
وگر معرفت چاہے لے نکتہ رس — تو ہر حال میں ہر گھڑی ہر نفس

چو شمع از پے علم باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

تجھے علم تحصیل کرنا ہے یاں — تلاش اس کی ہے فرض تجھ پر میاں

اسی کی تو خواہش میں رہ ہر زماں
یقین جان لے اس کو اے مہرباں

طلب کردن علم شد بر تو فرض
دگر واجبست از پیش قطع ارض

عجب دولت علم کا ہے اثر
کرے خرچ اس کو جو شام و سحر
بڑھے دمبدم اور رہے بے خطر
جو بے علم ہے کیا وہ سمجھے مگر

خردمند باشد طلبگار علم
کہ گرم است پیوستہ بازار علم

اسی فن کو کہتے ہیں کسب کمال
اسی کی کتابوں میں ہے قیل و قال
اسی سے دلائل اسی سے مثال
تو لازم ہے یوں اے ہمایوں خصال

بزن دامن علم گیر استوار
کہ علمت رساند بہ دارالقرار

اسی سے معارف کی تحریر ہے
انہی سے حقائق کی تقریر ہے
اسی سے معانی کی تفسیر ہے
یہی نیک بختی کی جاگیر ہے

کسے را کہ شد در ازل بختیار
طلب کردن علم کرد اختیار

فقیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ
امیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ
وزیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ
دبیری جو کرتا ہے تو علم پڑھ

ترا علم در دین و دنیا تمام
کہ کار تو از علم گیرد نظام

یہی علم بس سب کی توقیر ہے
بزرگی کی چہرے پہ تنویر ہے
جو بے علم ہے اس کی تحقیر ہے
نظر اب یہی نیک تدبیر ہے

میاموز جز علم گر عاقلی
کہ بے علم بودن بود غافلی

در امتناع از صحبت جاہلان

نہیں علم ہے یاں جنھوں نے پڑھا
نہیں بیٹھ تو پاس اُن کے ذرا
اُنھیں لوگ کہتے ہیں جاہل سدا
غرض اُن کے نزدیک ہرگز نہ جا

دلا گر خردمندی و ہوشیار
مکن صحبت جاہلاں اختیار

جو ہے جاہل اُس کے نہ جا متصل
سدا دور رہو اُس سے ہرگز نہ مل
نہ اُس کے سخن سے تو جوں غنچہ کھل
جو چاہے بزرگی تو اے صاف دل

ز جاہل گریزندہ چوں تیر باش
نیامیختہ چوں شکر شیر باش

نہ کر ربط جاہل سے ہرگز بجاں
حذر دل میں کر اُس سے تو ہر زماں
ترا اُس کے ملنے سے ہوگا زیاں
کہا ہے بزرگوں نے یوں اے میاں

ز جاہل حذر کردن اولیٰ بود
کزو ننگ دنیا و عقبیٰ بود

جو کرتا ہے جاہل وہ بہتر نہیں
سمجھ نیک اُس کو نہ اے خوش لقیں
جو کہتا ہے جاہل وہ ہی بدتریں
کہ جاہل ہے بدعاقبت اور لعین

ز جاہل نیاید جز افعال بد
وزو نشنود کس جز اقوال بد

نہ کر جاہلوں کی محبت پسند
نہ ڈال اپنی گردن میں ہرگز کمند

نہ دے اُس کی اُلفت میں دل کو گزند — یہ قول بزرگاں ہے اے ہوشمند

ترا اژدہا گر بود یار غار
ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار

جہالت میں رہتا ہے جو مبتلا — نہیں اُس کو عقبےٰ سے حاصل ذرا
ہے اور اک جن کا نہایت رسا — انھیں نے ہے تصدیق دل سے کیا

سرانجام جاہل جہنم بود
کہ جاہل نکو عاقبت کم بود

تجھے عاقلوں سے جو صحبت ہو یاں — غنیمت سمجھ اُن سے ملنا میاں
عداوت سے اُن کی نہیں کچھ زیاں — یہ قول بزرگاں ہے اے مہرباں

اگر خصم جاں تو عاقل بود
بہ از دوستدارے کہ جاہل بود

جنھوں نے جہالت کا شیوہ کیا — ہر اک اُن سے رہتا ہے دل میں خفا
کسی نے نہیں اُن کو رتبہ دیا — سبھوں نے یہی اُن کے حق میں کہا

سر جاہلاں بر سر دار بہ
کہ جاہل بخواری گرفتار بہ

جہالت کا جس شخص میں ہے خمیر — وہ رہتا ہے خفت میں ہر دم اسیر
ذلیل اُس کو کہتے ہیں برنا و پیر — جو دیکھا تو سچ بات ہے اے نظیر

چو جاہل کسے در جہاں خوار نیست
کہ ناداں تر از جاہلی کار نیست

در صفت عدل

ہوا ہے جو عالم میں تو بادشاہ
سبب عدل ہے اس عنایات کا
دیا ہے تجھے ملک و تاج و لوا
سمجھ یہ سخن اے شہِ مہ لقا

چو ایزد ترا ایں ہمہ کام داد
چرا بر نیاری سرانجام داد

کرے گا جو تو عدل کا کاروبار
عدالت سے ہے رتبۂ شہریار
بڑھے گا ترا جاہ اور اقتدار
تو رکھ یاد اے خسروِ کامگار

چو عدل است پیرایۂ خسروی
چرا عدل را دل نداری قوی

جو کرتے ہیں یاں عدل کا انتظام
صفت اُن کی ہوتی ہے ہر صبح و شام
وہ رہتے ہیں عالم میں نت نیک نام
سمجھ اس کو اے شاہِ عالی مقام

چو نوشیرواں عدل کرد اختیار
کنوں نام نیک است از و یادگار

رہے گی تری عدل پر جو نگاہ
اگر ہے تجھے مال و حشمت کی چاہ
تو دولت رہے گی تری دیرگاہ
تو اُس کو یقیں جان اے بادشاہ

ترا مملکت پائداری کند
اگر معدلت دستیاری کند

جو عادل رہے گا تو شام و سحر
رہے گی تری مملکت خوب تر
کہیں گے تجھے خسرو دادگر
یہ خوبی جو چاہے تو اے بہرہ ور

جہاں را بانصاف آباد دار
دل اہل انصاف را شاد دار

کرے گا جو تو معدلت روز و شب
تو ہوگا ترا سب میں عادل لقب

تری نیک نامی کا ہے یہ سبب   سمجھ اس کو اے شاہِ عالی نسب

ترا زیں بر آخر چہ حاصل بود
کہ نامت شہنشاہِ عادل بود

بڑھائے یہاں عدل عزّ و وقار   وہاں بھی ملے رتبۂ و اعتبار
عدالت سے ہوتے ہیں سب کامگار   اسے گوش دل سے سن اے شہریار

جہاں را بہ از عدل معمار نیست
کہ بالا تر از معدلت کار نیست

ہوئی جس کو یاں معدلت دلپذیر   بڑا صاحب بخت ہے وہ امیر
بہت خوش ہیں اس سے صغیر و کبیر   جو کی غور دل میں تو سچ ہے نظیرؔ

ز تاثیر عدل ست آرام ملک
کہ از عدل حاصل شود کام ملک

در مذمّت ظلم

سعادت سے ہوتے ہیں جو بہرہ ور   تعدی وہ کرتے نہیں اور پر
سعادت کا ہے کب ستم میں اثر   بیاں اس سخن کو بدل غور کر

اگر خواہی از نیک بختی نشاں
در ظلم بندی بر اہل جہاں

ہر اک دل کو ہے خوف اس سے بڑا   کسی پر نہ رکھ ظلم کو تو روا
ستم کا ہے پیشہ نہایت برا   جو چاہے زمانے میں اپنا بھلا

مدہ رخصت ظلم در ہیچ حال
کہ خورشید ملکت نیابد زوال

گل حلم کی گر تو دیکھے بہار ۔۔۔ تو کر ظلم کا دور خاطر سے خار
ز بیداد سے رکھ کسی دل پہ بار ۔۔۔ سمجھ لے یہی بات اے کامگار

خرابی ز بیداد بیند جہاں
چو بستان خرم ز باد خزاں

ترے گھر جو ہے سلطنت کا نشاں ۔۔۔ تو کر ظلم کو شہر سے بے نشاں
اسی میں ہے بس راحت جاوداں ۔۔۔ یہی تجھ کو لازم ہے اے مہرباں

رعایت دریغ از رعیت مدار
مرادِ دل داد خواہاں برآر

جو کرتا ہے یاں ظلم کو اختیار ۔۔۔ وہ ہوتا ہے دنیا و عقبیٰ میں خوار
بُرا اس کو کہتے ہیں لیل و نہار ۔۔۔ سمجھ رکھ یہی بات اے تاجدار

ستم بر ضعیفان مسکیں مکن
کہ ظالم بدوزخ رود بے سخن

ستم کی نہ چل ایک دم بھی تو راہ ۔۔۔ ستانا دلوں کا بڑا ہے گناہ
نہ کر ظلم سے خلق کو تو تباہ ۔۔۔ رکھ اے باہنر اس سخن پر نگاہ

ستم کش گر آہے برآرد ز دل
زند سوز او شعلہ در آب و گل

سکھا دے تجھے ظلم کا جو شعار ۔۔۔ ترا دشمن جاں ہے وہ نابکار
اُٹھا آہ کا مست دلوں سے شرار ۔۔۔ اگر خیر چاہے تو اے کامگار

بآزارِ مظلوم مائل مباش
ز دودِ دلِ خلق غافل مباش

ستم کی روش جس نے دنیا میں کی ۔۔۔ ہوئی اُس کو حاصل نہ کچھ بہتری

ملی عاقبت میں بھی شرمندگی
جو کچھ ہوش ہے تجھ میں تو اے قوی

مکن بر ضعیفان بیچارہ زور
بیندیش آخر ز تنگی گور

جو کرتا نہیں ظلم سے اجتناب
وہ ہوتا ہے آخر اسیر عقاب

سمجھتا نہیں ہے وہ خانہ خراب
ستانا دلوں کا بڑا ہے عذاب

مکن مردم آزاری اے تند رائے
کہ ناگہ رسد بر تو قہر خدائے

ستم کی جو رکھتا ہے یاں رو بنا
تو رہتے ہیں سب لوگ اس سے خفا

نظیر اس سخن کو کہے تا بجا
یہ بکتے ہے اہل خرد کا بجا

کسے کاتش ظلم زد در جہاں
بر آورد از اہل عالم فغاں

در صفت قناعت

خدا کا بڑا جس پہ احسان ہے
قناعت کے گھر کا وہ مہمان ہے

بڑی آبرو اس کی اور شان ہے
خوشی خرمی اس کو ہر آن ہے

دلا گر قناعت بدست آوری
در اقلیم راحت کنی سروری

قناعت کی دولت ہے جس پاس یاں
وہ رہتا ہے آرام سے ہر زماں

نہیں خطرہ آتا کوئی درمیاں
تو دنیا کی دولت سے اے مہرباں

غنی گر نباشی مکن اضطراب
کہ سلطاں نخواہد خراج از خراب

قناعت سے ہوتا ہے جو بہرہ ور — نہیں دیکھتا ہے کسی کا وہ در
بصد عیش رہتا ہے وہ اپنے گھر — اسے غور کر دل میں اے پُر ہنر

قناعت توانگر کند مرد را
خبر دہ حریص جہاں گرد را

فقیری کے رتبے پہ کی جب نگاہ — تو اس کا ہے کچھ اور ہی عز و جاہ
اگرچہ ہے سختی سے ہونا تباہ — ولے جان نے اُسکو لطف الہ

نہ دارد خردمند از فقر عار
کہ باشد نبی را ز فقر افتخار

قناعت کی دولت ہو یاں اس قدر — نہ پہونچے جسے دولت سیم و زر
ہر اک وقت رہتی ہے حق پر نظر — جو دیکھا تو دنیا میں شام و سحر

غنی را زر و سیم آرایش است
ولیکن فقیر اندر آسایش است

قناعت ہے سرمایۂ افتخار — قناعت میں ہے خوبی و اعتبار
تجھے جس طرح رکھے پروردگار — اُسی میں تو راضی رہ اے دوستدار

قناعت بہر حال اولیٰ تر است
قناعت کند ہر کہ نیک اختر است

قناعت سے ہوتا ہے جو آشنا — وہی کام کرتا ہے یاں عقل کا
اُسے دے ہے عشرت کا عسرت مزا — جفائے فلک سے تو اے باصفا

اگر تنگدستی ز سختی منال
کہ پیش خردمند ہیچ است مال

کرے دل جو مہر قناعت منیر — وہ ہے موردِ نورِ لطفِ قدیر

اُسے لوگ کہتے ہیں روشن ضمیر ۔ تجھے بھی ہے لازم یہاں اے نظیرؔ

زنورِ قناعت برافروز جاں
اگر داری از نیک بختی نشاں

در مذمّت حرص

تجھے ہے ہے حرص کا جو نشا ۔ اسی سے نہیں ہوش تیرا بجا
میاں یہ تقاضا نہیں عقل کا ۔ سوا اس سخن کے کہوں تجھ سے کیا

ایا مبتلا گشتہ در دامِ حرص
شدہ مست و لایعقل از جامِ حرص

جو لالچ سے ہے جمع تو نے کیا ۔ فراہم کرے گا گر اس کے سوا
نہیں اُس سے مطلق تجھے فائدا ۔ یہ ہمراہ تیرے نہیں جائے گا

گرفتم کہ اموالِ قاروں تراست
ہمہ دولتِ رُبعِ مسکوں تراست

یہ اسباب ہے جو ترے رُوبرو ۔ سمجھیو نہ اپنا اسے تو کبھو
نہ کر اس کی تحصیل میں جستجو ۔ نہیں حالِ قاروں سے آگاہ تو

بخواری شد آخر گرفتارِ خاک
چو بیچارگاں با دلِ دردناک

جو لینا ہے کچھ زندگی کا مزا ۔ تو خوش ہو اسی میں جو کچھ مل گیا
میاں حرص کی راہ ہرگز نہ جا ۔ سمجھ اس سخن کو تو دل میں ذرا

ہر آنکس کہ در بندِ حرص اوفتاد
دہد خرمنِ زندگانی بباد

نہ رکھ حرص کا دوش پر اپنے بار — نہیں زر کے رہنے کا کچھ اعتبار
یہ کرتا نہیں ایک جا پر قرار — تو اس آتش غم میں لیل و نہار

چرا می گذاری ز سودای زر
چرا می کشی بار محنت چو خر

نہیں حرص کی کچھ بھلی رسم و راہ — تو اپنے تئیں اس میں مت کر تباہ
دکھا دے گی ذلت تجھے حب جاہ — تو بیتاب ہو کر میاں خواہ مخواہ

چرا می کشی محنت از بہر مال
کہ خواہد شدن ناگہاں پائمال

اگرچہ رواں زر سے ہیں کار و بار — پر اتنی بھی مت حرص کر اختیار
ذرا صبر کر اور نہ ہو بے قرار — کہاں تک کہوں تجھ سے اے میرے یار

چناں عاشق روی زر گشتہ
کہ شوریدہ احوال و سرگشتہ

نہ ہو حرص کا اس قدر آشنا — تجھے حرص کرنے میں خوبی ہے کیا
نہیں اس میں حاصل ندامت سوا — کہوں کیا تجھے تو ہے زر پر فدا

چناں دادہ دل بہ نقش درم
کہ ہستی نہ ذوقش ندیم ندم!

تجھے حرص کرنے سے کچھ بھی ہے ڈر — نہیں نفع اس میں تجھے جز ضرر
یہی دھیان ہے تجھ کو شام و سحر — درندوں سے ہے نفس تیرا بتر

چنان گشتہ صید بہر شکار
کہ یادت نیاید ز روز شمار

اگر زندگی کا تو ہے قدرداں — تو زر کی ہوس میں نہ کر رائگاں

بھلے اور بُرے میں تفاوت یہاں　　اگر جانتا ہے تو اے مہرباں

مکن عمر ضائع بہ تحصیل مال
کہ ہم رنگ گوہر نباشد سفال

جسے دولت دیں ہے یاں دلپذیر　　اُسی کو ہے واں شادمانی کثیر
نہ ہو فکر دنیا میں ہرگز اسیر　　کہا ہے بزرگوں نے یوں اے نظیر

مبادا دل آں فرومایہ شاد
کہ از بہرِ دنیا دہد دیں بباد

درصفت وفا

محبت میں ہیں وہ جو اہل وفا　　تو اُن کا ہے اُلفت میں رتبہ بڑا
بہت معتمد ہیں وفا آشنا　　اگر تجھ کو بھی چاہیے مرتبا

دلاور وفا باش ثابت قدم
کہ بے سکّہ رائج نباشد درم

جو ثابت قدم دوستی میں ہیے　　دل اپنے وفا میں اُنھوں نے دیے
محبت کی تو بھی اگر مے پیے　　تو کیجو نہ ترکِ وفا کس لیے

بود بے وفائی سرشتِ زناں
میاموز کردار زشتِ زناں

جو چاہے کہ سب خلق ہو دوستدار　　تو کر دل سے مہر و وفا اختیار
اگر دوستی کے چمن کی بہار　　تجھے دیکھنی ہے تو اے گلعذار

مکن بے وفائی چو دورِ سپہر
متابید از رخ دوستاں روے مہر

جو ملتا رہے گا تو یاروں سے یاں
تو پھر خوش رہے گا دل دوستاں
وگر اُن سے ہو گا جدا اک زماں
تو پھر قول اُستاد کا ہے عیاں

جدائی ز احباب کردن خطاست
بُریدن ز یاراں خلاف وفاست

نہیں جن کے دل میں وفا کا نشاں
وہ شرمندہ یاروں سے رہتے ہیں یہاں
سبک ہیں وہ نزدیک پیر و جواں
جو چاہے بزرگی تو اے مہرباں

مگرداں ز کوے وفا روے دل
کہ در روے جاناں نباشی خجل

ترے دوست جتنے ہیں اور غمگسار
تو آزردہ اُن کو نہ کر زینہار
مگر نہیں ہوتے الفت شعار
جو کی ہے محبّت تو اے دوستدار

نہ پاے بیروں ز کوے وفا
کہ از دوستاں می نیرزد جفا

اگر دام الفت میں تو ہے اسیر
وگر دوستی ہے تجھے دلپذیر
تو کر دل میں حسن وفا جاے گیر
اسی بات کو یاد رکھ اے نظیر

ز راہ وفا گر نہ پیچی عناں
شوی دوست اندر دل دشمناں

در صفت طاعت

جو رہتے ہیں طاعت میں شام و سحر
اُنھیں کو ہے عزّ و شرف بیشتر
کہاتے ہیں عالم میں روشن گہر
بہت سچ ہے جو کہہ گیا نکتہ ور

کسے را کہ اقبال باشد غلام

بود میلِ خاطر بطاعت مدام

جو مشغول طاعت ہیں لیل و نہار — بڑی اُن کی عزت ہے اور اعتبار
بزرگی میں نام اُن کا ہے یادگار — یقین ہے یہی بات اے باوقار

اگر بندی بہر طاعت میاں
کشاید درِ دولتِ جاوداں

جو رکھتے ہیں طاعت کا چہرے پہ نور — خجل مہر ہوتا ہے اُن کے حضور
جو چاہے کہ ہو تیرگی دل سے دور — تو اُس کو سمجھ رکھ تو اے پُرشعور

ز طاعت بود روشنائی جاں
کہ روشن ز خورشید باشد جہاں

جو رکھتے ہیں طاعت سے آرام جاں — وہی لوگ عقبےٰ میں ہوں شادماں
ملے گا اُنھیں کو جناں میں مکاں — تجھے ہے اگر ترس دوزخ میاں

بہ آب عبادت وضو تازہ دار
کہ فردا ز آتش شوی رستگار

جنھیں ہے شب و روز طاعت سے کام — مطیع اُن کا رہتا ہے عالم مدام
بھلا اُن کو کہتے ہیں سب خاص و عام — یہ خوبی عیاں ہے تو پھر صبح و شام

نشاید سر از بندگی تافتن
کہ دولت بطاعت تواں یافتن

جو طاعت سے دل کو لگاتے ہیں یاں — سعید اُن کو کہتے ہیں اہل جہاں
اُنھیں میں تو روشن دلی کی ہے شاں — جو دیکھا تو عالم میں اے مہرباں

سعادت ز طاعت میسر شود
دل از نور طاعت منور شود

جو کرتے ہیں طاعت کو یاں اختیار
شب و روز رکھتے ہیں طاعت سے کار

وہی ہیں ہنرمند اور بختیار
اسی پر نظر کر لے اے ہوشیار

ز طاعت نہ پیچد خردمند سر
کہ بالائے طاعت نباشد ہُنر

ہوئے ہیں جو طاعت سے روشن ضمیر
اُنھیں خلق کہتی ہے پیر اور فقیر

جو چاہے کہ دل ہو تجلی پذیر
تو لازم ہے تجکو بھی پھر اے نظیر

پرستندۂ آفریننده باش
در ایوان طاعت نشیننده باش

در صفت عبادت

جنھیں حق پرستی ہے یاں بیشتر
بڑے وہ توانگر ہیں اور بختور

صفت اُن کی ہوتی ہے شام و سحر
دلا تو بھی اس کو یقیں جان کر

اگر حق پرستی کنی اختیار
شود دولتت ہمدم و بختیار

جو رکھتے ہیں یاں دولت اتقا
دل اُن کا ہے پاکیزگی سے بھرا

ملے ہے سعادت اُنھیں برملا
بھلا اپنا چاہے تو اے باصفا

ز تقوے چراغ روان برفروز
کہ چوں نیک بختاں شوی نیکروز

جو پڑھتے ہیں خالق کی دل سے نماز
ملے ہے اُنھیں عزت و امتیاز

جو چاہے کہ ہوجائے تو سرفراز
تو دائم جہاں میں بہ عجز و نیاز

نماز از سر صدق برپائے دار

کہ حاصل کنی دولت پائدار

نہیں فسق سے کام کوئی بتر
تو دامن کو اُس سے نہ آلودہ کر
تجھے اُس سے لازم ہے کرنا حذر
اُسی کو یقیں جان اے بہرہ ور

اگر دور باشی ز فسق و فجور
بنا شی ز گلزار فردوس دور

جو سمجھے شریعت کی باتیں بجا
کرے پیروی اُن کی دل سے سدا
نظیر اُس کو محشر میں خطرہ ہے کیا
سخن ہے یہ اہلِ خرد نے کہا

کسے را کہ از شرع باشد شعار
نترسد ز آشوب روزِ شمار

در مذمت عصیاں

بُرائی ہے عصیاں میں بالکل میاں
نہیں کچھ بھلائی کا اُس میں نشاں
جو خوشنودیِ خالقِ دو جہاں
تجھے چاہیئے ہے یہاں اور وہاں

دلا عزمِ عصیاں مکن زینہار
کہ فردا نہ باشی زحق شرمسار

جو ہوتے ہیں دنیا میں عصیاں شعار
وہی کھینچتے ہیں ندامت کے بار
اگر ہے تو کچھ عاقل و ہوشیار
تو اُس کو یقیں جان اے غمگسار

ز عصیاں کند ہوشمند احتراز
کہ از آب باشد شکر را گداز

کرے گا گنہ تو جو یاں روز و شب
تو ہوگا ترا سب میں عاصی لقب
ترا نور دانش چھپے گا یہ سب
سمجھ رکھ یہی دل میں اے باادب

کند نیکبخت از گنہ اجتناب
کہ پنہاں شود نورِ مہر از سحاب

در تعریف شکر

تجھے شکر کرنے سے ہے افتخار
کہ شکر آب ہے تو شجر میوہ دار

تجھے شکر کرنے سے ہے اعتبار
تامل کر اور غور اے ہوشیار

زشکر جہاں آفریں سرمتاب
کہ در باغ دیں شکر اوہست آب

جو کرتے ہیں یاں شکرِ شام و سحر
اگر دولت و بخت کا کچھ اثر

فزوں نعمت اُنکی ہے اور سیم و زر
تجھے دیکھنا ہے تو اے بہرہ ور

زیادت کند شکر جاہ و جلال
زیادت کند شکرِ مال و منال

جو ہیں رتبۂ شکر کے قدر داں
کیا کرتے ہیں دمبدم شکر یاں

نہیں شکر سے چپ وہ رکھتے زباں
تجھے بھی یہ لازم ہے اے مہرباں

نفس جز بہ شکرِ خدا بر میار
کہ واجب بود شکر پروردگار

جو کچھ نعمتیں تجھ کو بخشی ہیں یاں
کرے گا تو کس کس کا شکر اے میاں

وہ ہیں بے زباں اور تری گر ہے یاں
جو شاکر ہے تو اس کو تحقیق جاں

اگر شکر حق تا بروز شماد
گزاری نباشد یکے از ہزار

نہ دے شکر سے تو کبھی لب کو قرار
زباں کو ہلا شکر میں بار بار

نظیر اس سخن کو تو کر اعتبار ۔۔۔ ادا گرچہ تجھ سے نہ ہو زینہار

دلے گفتنِ شکر اولی تر است
کہ اسلام را شکر او زیور است

در صفتِ صبر

صبوری کی دولت بڑی ہے میاں ۔۔۔ جنھیں ہے وہ رکھتے ہیں آرام جاں
ہر اک اس سے خوش دل ہے اور شادماں ۔۔۔ صبوری کی کیا کیا کہوں خوبیاں

دلا گر صبوری کنی اختیار
بدست آوری دولتِ پایدار

صبوری میں ہے اس قدر مرتبا ۔۔۔ کہ ہے صابروں کے دلوں پر لکھا
نہیں لکھی جاتی ہے اس کی ثنا ۔۔۔ غرض یہ سخن سن تو اے پارسا

صبوری بود کارِ پیغمبراں
نہ پیچید زیں رہ سرے دیں وراں

صبوری کی راہ میں تو رکھ کر قدم ۔۔۔ نہ مقصد کے ملنے سے ہو پُر الم
نہ آنے دے خاطر میں کچھ درد و غم ۔۔۔ یقیں کر اسی بات پر دم بدم

صبوری ترا کامگاری دہد
ز رنج و بلا رستگاری دہد

صبوری جو کرتے ہیں یاں صبح و شام ۔۔۔ تو ان کے صبوری سے جاری ہیں کام
ملے ہے انھیں رتبۂ و احترام ۔۔۔ یقیں کر یہی بات اے نیکنام

صبوری کشاید در کامِ جاں
کہ جز صابری نیست مفتاح آں

صبوری کرے گا جو دل سے بیاں
نہ گھبرا کسی کام میں میری جاں
تو ہوگی تری اس میں خوبی عیاں
نصیحت پہ سعدی کی رہ جاوداں

صبوری کنی گر ترا دیں بود
کہ تعجیل کارِ شیاطیں بود

جو کچھ ہے ترا مقصد و مدّعا
برآنے میں اس کے یہاں غم نہ کھا
نہیں گر وہ جلدی سے ہوتا روا
یقیں اس کو تو جان اے دل ربا

صبوری کلید درِ آرزوست
کشایندۂ کشورِ آرزوست

جو کچھ آرزو جی میں ہے تیری یاں
جو چاہے ملے تجکو اس کا نشاں
نہ ملنے کا ہے رنج دل میں نہاں
اسی کو یقیں دل میں رکھ جاوداں

صبوری برآرد مراد دلت
کہ از عالماں حل شود مشکلت

اگر ہے تو دام بلا میں اسیر
نہ لا رنج دل میں قلیل و کثیر
وگر ہے تری طبع کلفت پذیر
کہا ہے بزرگوں نے یوں اے نظیرؔ

صبوری بہر حال اَدنے بود
کہ در ضمن آں چند معنیٰ بود

در صفت شراب عشق گوید

مے عشق ہے وہ نشاط التیام
انھیں کو ہے دن رات عیش مدام
کہ اس کا نشا ہے جنھیں صبح و شام
تو بس جلد دے کر صراحی و جام

بدہ ساقی آں آبِ آتش لباس

کہ ستی کند اہل دل التماس

وہ مے جس سے ہے چشم دل کو نگاہ
وہ ہے جان عشاق بے اشتباہ

نہ کیوں فکر ہو سو جان سے اُس کی چاہ
بہار اُس کی کیا کیا کہوں واہ واہ

مے لعل در ساغر زر نگار
بود روح پرور چو لعل نگار

جنھیں شوق ہے یاں مے عشق کا
چڑھا ہے جو اُس مے کا اُن کو نشا

عجب اُن کے دل کو ہے ملتا مزا
تو کیفیت اُس کی کہوں اب میں کیا

خوشا لذت شوق ارباب عشق
خوشا لذت ذوق اصحاب عشق

جو عشاق ہیں اُن سے مست کر حجاب
دل اُن کا جو کرتا ہے مست و خراب

اُنھیں لطف سے اپنے کر کامیاب
تو لا ساقیا بھر کے جام شراب

شرابے چو لعل روان بخش یار
شرابے مصفا چو روے نگار

جو ہے عاشقوں کو غم جاں گزا
جو چاہے خمار اُن سے ہوئے جدا

تجھے اُس کی لازم ہے کرنی دوا
تو جلدی سے اے ساقی دلربا

بیار آں شرابے چو آب حیات
کہ باید ز نوشش دل از غم نجات

وہ سرخی نہیں آنکھوں میں بھر رہی
کبھی سرخوشی اور کبھی بے بسی

عجب شغل عشق روشن ہوئی
کہوں کیا میں اس کے سوا اس گھڑی

خوشا مے پرستی ز صاحبدلاں
خوشا ذوق مستی ز اہل دلاں

کیا جس نے دل دوستی پر فدا
رہا ملتجی جلوۂ یار کا
قدم راہ الفت میں اپنا رکھا
صفت اُس کی یارو کہوں اور کیا

خوشا دل کہ دارد تمنائے دوست
خوشا دل کہ در بند سودائے اوست

جو مشتاق نظارۂ یار ہے
اسے کب کسی سے یہاں کار ہے
اُسی کو محبت سزاوار ہے
نظیر اُس کے لب پر یہ ہر بار ہے

خوشا دل کہ شیدا است بر روئے دوست
خوشا دل کہ شد منزلش کوئے دوست

در صفت راستی

جو رکھتے ہیں یاں راستی میں کمال
دل اُن کا چمکتا ہے اختر مثال
وہی فی الحقیقۃ ہیں فرخندہ حال
انھیں نیک باتوں پہ کر کے خیال

دلا گر کنی راستی اختیار
شود دولتت ہمدم و بختیار

جو رکھتے ہیں یاں راستی کا اثر
اسی حسن و خوبی پہ کر کے نظر
بزرگی میں ہوتے ہیں وہ نامور
کہا شیخ سعدی نے اے پُرہنر

نہ پیچد سر از راستی ہوشمند
کہ از راستی نام گردد بلند

جو ہیں راستی میں یہاں کامیاب
دہن کی ہے بو اُن کے مثل گلاب
نہیں اُن کے دل کو ذرا پیچ و تاب
جو پوچھے تو سن اے فراست آب

بہ از راستی در جہاں کار نیست

که در گلبن راستی خار نیست

جو رکھتے ہیں یاں راستی کا شعار ‏ ‏ ‏ اُنھیں کا ہے عالم میں عزّ و وقار
وہ ہوتے ہیں مقبول پروردگار ‏ ‏ ‏ سمجھ کر یہی بات اے کامگار

دم از راستی گر زنی صبح وار
ز تاریکی جہل گیری کنار

جنھیں راستی کی خوش آئی ہے طیب ‏ ‏ ‏ وہ ہیں گلشنِ صدق کے عندلیب
جو ناراستی کے ہوا عنقریب ‏ ‏ ‏ سمجھ اُس کا انجام اے خوش نصیب

کسے را کہ ناراستی گشت کار
کجا روز محشر شود رستگار

جو رکھتے ہیں یاں راستی پر نگاہ ‏ ‏ ‏ اُنھیں کی بہت لوگ کرتے ہیں چاہ
بزرگی سے ہوتا ہے اُن کا نباہ ‏ ‏ ‏ جو ہے تو عقل اور دانش پناہ

مزن دم بجز راستی زینہار
کہ دارد فضیلت بسے بر یسار

رہے گا تو ناراستی میں اسیر ‏ ‏ ‏ تو سب کی نگاہوں میں ہوگا حقیر
یہاں اور وہاں ہوگی ذلّت کثیر ‏ ‏ ‏ اسی کو یقیں دل میں کر اے نظیر

ز ناراستی نیست کارے بتر
کزو گم شود نام نیک اے پسر

در مذمّتِ دروغ

جسے جھوٹھ کہتے ہیں اہلِ جہاں ‏ ‏ ‏ وہ سینے کی ہے تیرگی کا نشاں
خرد کی ضیا کو ہے کرتا نہاں ‏ ‏ ‏ نہیں یاد کیا قولِ دانشوراں

کسے را کہ گردد زبانِ دروغ
چراغ دلش را نباشد فروغ

کرے گا جو تو جھوٹ کو اختیار
کرے گا نہ کوئی ترا اعتبار

طبیعت رہے گی الم سے فگار
یقین جان لے اسکو اے ہوشیار

ترا شرمساری نماید دروغ
بکاذب در غم کشاید دروغ

اگر جھوٹ بولے گا تو ہر زماں
کریں گے حذر تجھ سے اہل جہاں

تو ہوگا خجل سب میں تو اے میاں
ہمیشہ یقیں کر اسے میری جاں

ز کذاب گیرد خرد مند عار
کہ او را نیارد کسے در شمار

جسے جھوٹ رکھتا ہے کچھ شادماں
سراسر بدی اس کے ہے درمیاں

اُسے خوار کرتا ہے پھر ہر زماں
اگر اعتبار اپنا چاہے تو یاں

دروغ اے برادر مگو زینہار
کہ کاذب بود خوار و بے اعتبار

جسے جھوٹ ہوتا ہے یاں دلپذیر
نہیں اُس کی توقیر کرتے کبیر

وہ ہوتا ہے یاں منفعل اور حقیر
جو دیکھا تو سچ ہے یہی اے نظیر

دروغ آدمی را کند شرمسار
دروغ آدمی را کند بے وقار

در صنعتِ حق تعالیٰ شانہ

جہاں میں نئے رنگ کے ہیں چلن
عیاں ہے عجب طرز کی انجمن

تجھے دیکھتے ہیں جو طور زمن
تو چشم تامل سے اے یار من

نگہ کن دریں گنبد زرنگار
کہ سقفش بود بے ستون استوار

کہیں باغ و بستاں کہیں نیستاں
کہیں کوہ و صحرا کہیں بحر و کاں
کہیں ہے بہار اور کہیں ہے خزاں
انھیں دیکھ کر پھر تو اے مہرباں

سراپردۂ چرخ گردندہ بیں
درو شمعہائے فروزندہ بیں

تامل ذرا کر تو پھر ادر میں
ہر اک وضع میں اور ہر اک طور میں
جو دیکھا تو ٹھہرا یہی غور میں
کہ کیا کیا ہیں نقشے عیاں دور میں

یکے پاسبان و یکے پادشاہ
یکے دادخواہ و یکے تاج خواہ

کہیں دعوتوں کی ہیں تیاریاں
نشاط و طرب کی ہواداریاں
کہیں رنج و غم کی گرفتاریاں
غرض ہیں عجب کچھ نموداریاں

یکے شادمان و یکے دردمند
یکے کامران و یکے مستمند

کہیں بے کسی اور کہیں دستگاہ
کہیں بے وقاری کہیں عز و جاہ
پڑے کیوں نہ حیرت میں جا کر نگاہ
غرض کچھ عجب یاں کی ہے رسم و راہ

یکے بر حصیر و یکے بر سریر
یکے در پلاس و یکے در حریر

کہیں سختی و رنج سے ہائے ہے
کہیں درد و اندوہ سے ولے ہے
کہیں محفل عیش پیرائے ہے
عجائب تماشے کی یہ جائے ہے

یکے راعنا و یکے راغنا
یکے رابقا و یکے رافنا

کہیں بے زری اور کہیں گنج زر
کہیں غمزدہ اور کہیں شاد تر
کہیں خامشی اور کہیں شور و شر
نئی طرح کا یاں کا دیکھا اثر

یکے بینوا و یکے مال دار
یکے نامراد و یکے کام گار

کہیں صبح عشرت کہیں شام غم
کہیں مہربانی کہیں ہے ستم
کہیں خرمی اور کہیں ہے الم
جہاں میں جہاں دیکھو یہ ہے بہم

یکے در تبسم یکے در عذاب
یکے در مشقت یکے کامیاب

کہیں شادمانی کہیں غم کشی
کہیں دل کی قوت کہیں سست جی
کہیں کہنگی اور کہیں تازگی
غرض کچھ عجب طرح ہے یاں کی بھی

یکے تندرست و یکے ناتواں
یکے سال خوردہ و یکے نوجواں

کہیں نرم وضعی کی چلتے ہیں راہ
کہیں لطف ہے اور کہیں ظلم و آہ
کہیں سخت گوئی کہیں مہر و چاہ
عجب ڈھب کی دیکھی ہے یہ بزم گاہ

یکے نیک خلق و یکے تندخوے
یکے بردبار و یکے جنگ جوے

کہیں ہے ہدایت کہیں گمرہی
کہیں پارسائی کہیں مے کشی
کہیں راستی اور کہیں کجروی
جہاں میں عجب دھوم ہے مچ رہی

یکے در صواب و یکے در خطا

یکے در دُعا و یکے در دغا

کہیں ہے نشاط و طرب ہر زماں
کہیں کلفت دل ہو رخ پر عیاں
بہار چمن نغمۂ بلبلاں
کہاں تک کہوں یاں کی نیرنگیاں

یکے در گلستان راحت مقیم
یکے با غم و رنج و محنت ندیم

کہیں بادۂ عیش ہے موج زن
کہیں رنج و غم سے لگی ہے لگن
پری زاد بیٹھے ہیں نازک بدن
غرض کچھ عجب ڈھب کی ہو انجمن

یکے را فروزند شمع طرب
یکے راز غم روز روشن چو شب

کہیں شادکامی کے ہیں کاروبار
کہیں درد و غم سے ہے خاطر فگار
عیاں سیم و زر کے ہیں نقش و نگار
عجب طرز کے ہیں چلن آشکار

یکے را بر دل رفتہ ز اندازہ مال
یکے در غم نان و خرچ عیال

کہیں ہیں تر و تازگی کے نشاں
کہیں رنج و افسردگی ہے عیاں
خوشی خرمی قہقہے خوبیاں
عجب ڈھب کا ہے آج رنگ جہاں

یکے چوں گل از خرمی خندہ زن
یکے را دل آزردہ خاطر حزن

کہیں عزّ و اجلال ہے بیشمار
کہیں قید غم سے ہے دل داغدار
نمایاں ہے باغ چمن کی بہار
جہاں میں عجب رنگ ہے آشکار

یکے در جہاں جلالت امیر
یکے در کمند حوادث اسیر

کہیں پارسائی کا اقبال ہے
کہیں طبع عصیاں کے دنبال ہے
عبادت سے ہر ایک خوشحال ہے
غرض کچھ عجب یاں کا احوال ہے

یکے بستہ از بہرِ طاعت کمر
یکے در گنہ بُرد عمرے بسر

کہیں راہ و رسمِ مناجات ہے
کہیں بادہ و بنگ دن رات ہے
تلاوت ہے تقویٰ ہے طاعات ہیں
عجب آئینہ یاں طلسمات ہے

یکے را شب و روز مصحف بدست
یکے خفتہ در کنج میخانہ مست

کہیں علم کا ہو رہا ہے کمال
کہیں ہیں جہالت کے دلمیں خیال
معانی کی ہے بحث اور قیل و قال
عجب رنگ کی ہو رہیاں چال ڈھال

یکے عالم و مقبل و ہوشیار
یکے جاہل و مدبر و شرمسار

کہیں تو شریعت کے اقرار ہیں
کہیں منکری میں گرفتار ہیں
مسائل کی بحثیں ہیں تکرار ہیں
عجب رنگ پر یاں کے اطوار ہیں

یکے بر در شرع سمار وار
یکے در رہ کفر زُنار دار

کہیں خواہش مرشد رہنما
کہیں فاجری مرتدی ہے بپا
کہ ارشاد لاویں سب اُن کے بجا
غرض یاں عجب رنگ ہے مچ رہا

یکے نیک کردار نیک اعتقاد
یکے غرق در بحر فسق و فساد

کہیں زور و قوت میں ہیں استوار
جہاد اُن سے ہوتے ہیں نت آشکار

کہیں ضعف سے چھپتے پھرتے ہیں ار — عجب طرح کا یاں کا ہے کاروبار

یکے غازی و چابک و پہلواں
یکے بزدل و سست ترندہ جاں

کہیں دین و ایماں سے ہیں نیکنام — حسابوں میں لکھتے ہیں دینار و دام
کہیں ہیں گرفتار کفر و ظلام — عجب طور کا یاں کا ہے انتظام

یکے کاتب اہل دیانت ضمیر
یکے دزد باطن کہ نامش دبیر

زمانے میں ہیں یہ بھی نیرنگیاں — کہیں کچھ ہے ظاہر کہیں کچھ عیاں
اُنھیں دیکھ کر ہو نہ غافل میاں — جو بھولا تو بھولا مگر مہرباں

ازیں پس مکن تکیہ بر روزگار
کہ ناگہ زجانت برآرد دمار

جو حشمت ترے پاس ہے بیشمار — تو اُس کا بھروسا نہ کر زینہار
نہیں اس کے رہنے کا کچھ اعتبار — اگر عقل ہے تجھ کو اے ہوشیار

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از تو بود ست بعد از تو ہم

اگر ہے جہاں میں تو دارا نشاں — سپہ بھی بہت ہیں ترے ہمعناں
اگر ہے تو دانشور و کامراں — نہ ہو اُس پہ نازاں تو اے مہرباں

مکن تکیہ بر لشکر بیعدد
کہ شاید زنصرت نیابی مدد

اگر حکم اور ملک ہے بیشتر — تو ہرگز بھروسا تو اس کا نہ کر
یہ ہوتا ہے دم میں ادھر سے اُدھر — عجب کہہ گیا سعد سے نکتہ ور

مکن تکیہ بر ملک و فرماندہی
کہ ناگہ چو فرماں رسد جاں دہی

اگر تجھ کو شوکت سے ہے احترام
تو مغرور اس پر نہ ہو صبح و شام
جو کچھ عقل سے تجھ کو رہتا ہے کام
تو زنہار اے صاحب احتشام

مکن شادمانی بجاہ و جلال
کہ بے خوف نقصاں نباشد کمال

جہاں میں اگر تو ہے کشورستاں
سب اسباب دولت کے ہیں تیرے یاں
نہ ہو اس پہ مغرور ہرگز میاں
اگر ہے تو دانشور و اہل شاں

مکن تکیہ بر ملک و تاج و لوا
کہ ناگہ در آید سیاہِ بلا

جو آگے تھے یاں صاحب زیب و فر
کہاں ہیں وہ اب دل میں ٹک غور کر
نہیں استقامت کا اس جا اثر
تھے اگلے زمانے میں بھی جلوہ گر

بسا بادشاہان سلطاں نشاں
بسا پہلوانان کشورستاں

جہاں کا یہی ہے چلن اے جواں
کہ رہتا نہیں یاں کوئی جاوداں
ہوئی ہے بہاروں کی آخر خزاں
سوا اس کے تھے زیب باغ جہاں

بسا ماہ رویان شمشاد قد
بسا نازنینان خورشید خد

عجب زیب و زینت سے تھے ہمقریں
کہاں تے تھے محبوب اور نازنیں
کوئی مہروش اور کوئی مہ جبیں
اسی طرح تھے زیب روے زمیں

بسا نوعروسان آراستہ

بسا خوب رویان نو خاستہ

ہیں اب جس طرح گلبدن نوجواں　　اسی طور آگے بھی تھے دلستاں
یہی دل فریبی یہی شوخیاں　　بصد ناز و انداز رہتے تھے یاں

بسا نازدار و بسا کامگار
بسا سرو قد و بسا گلعذار

وہ ایسا ہی رکھتے تھے حسن و جمال　　کہ تھے گلشن ناز کے نونہال
بہت خوشنما اور شیریں مقال　　کہوں کیا ہوا اُن کا انجا حال

کہ گردند پیراہن عمر چاک
کشیدند سر در گریبان خاک

غرض ہو گئے ہیں وہ زیبا صنم　　کہ تھے دام دل جنکی زلفوں کے خم
عجب شوخیاں اور طرز ستم　　کروں کیا بیاں اب میں با چشم نم

چناں خرمن عمر شاں شد بباد
کہ ہرگز کسے زاں نشانے نداد

جہاں میں عیاں ہیں یہی کاروبار　　تو غفلت میں رہ کر نہ ہو شرمسار
زمانے کا ہرگز نہیں اعتبار　　جو کچھ عقل ہے تجھ کو تو زینہار

منہ دل بریں منزل جانستاں
کہ در روے نہ بینی دلے شادماں

جو دل کو لگا دے گا غفلت سے یاں　　رہے گا الم میں بشور و فغاں
اگرچہ دل آویز ہے یہ مکاں　　نہیں ہے مگر یہ رہِ جاوداں

منہ دل بریں کاخ خرم ہوا
کہ می بارد از آسمانش بلا

رہے گا جو غفلت میں یاں مبتلا ندامت بھی کھینچے گا اس کے سوا	وہ پائے گا ہر لحظہ رنج وعنا اگر ہے تجھے عقل وفہم رسا

نہ دل بریں دیر کہنہ خراب
کہ خالی نہ باشد ز رنج و عذاب

جو غفلت ترے دل میں ہے جاگیر لگیں گے طبیعت میں کلفت کے تیر	تو ہوگا کمند الم میں اسیر جو آرام چاہے تو ہرگز نظیر

نہ دل بریں دیر ناپائدار
ز سعدی ہمیں یک سخن یاددار

ختم شد دیوان اُردو

ضمیمہ دیوان نظیر

(اُردو)

ضمیمۂ غزلیات

دیوان نظیر اُردو

ہمیں افسوس ہے کہ مندرجۂ ذیل غزلیں اُسوقت دستیاب ہوئیں جبکہ اُردو کا دیوان مرتب ہو چکا تھا لہذا ترتیب خاص کا لحاظ کیے بغیر درج کی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں اتنا عرض کردینا ضروری ہے کہ ضمیمہ شامل کرنے کے بعد چند نقائص رہ جاتے ہیں جنکا ازالہ ضروری ہے نیز بعض جگہ باوجود تغیر کسی قدر تکرار لازم آتی ہے اور بعض غزلیں نامکمل رہ گئیں۔ اُن کا بقیہ حصہ حوالہ نمبر دیکر درج کیا جاتا ہے اور آخر کتاب میں بمجبوری غلط نامہ کا اضافہ کردیا تاکہ ناظرین تصحیح فرمالیں۔

محمد اشرف علی کاتب نولکشور پریس لکھنؤ

ردیف الف

دریا کوہ و دشت و ہوا ارض اور سما
دیکھا تو ہر مکاں میں وہی ہے رہا سما

ہے کونسی وہ چشم نہیں جس میں اُس کا نور
ہے کونسا وہ دل کہ نہیں جس میں اُسکی جا

قمری اسی کی یاد میں کوکو کرے ہے یار — بلبل اسی کے شوق میں کرتی ہے چہچہا
مفلس کہیں غریب تونگر کہیں غنی — عاجز کہیں نبل کہیں سلطاں کہیں گدا
بہروپ سا بنا کے ہر اک جا وہ آن آن — کس کس طرح کے روپ بدلتا ہے واہ وا
ملک رضا میں کے توکّل کی جنس کو — بیٹھیں ہیں سب اسی کی دکانیں لگا لگا
سب کا اسی دکان سے جاری ہے کاروبار — لیتا ہے کوئی حسن کوئی دل ہے بیچتا

دیکھا جو خوب غور سے ہم نے تو یاں نظیر
بازار مصطفےٰ ہے خریدار ہے خدا

۲

لائے کو گو کہ لال کا پیالہ بنا دیا — پر ساتھ اس کے داغ بھی کیسا لگا دیا
گردوں نے ہم کو کیا نہ دیا اور کیا دیا — سب کچھ دیا اگر دل بے مدعا دیا
نے گل سے تا بہ خار مرے دل کے باغ کو — اس شعلہ رو نے ایک نظر میں جلا دیا
اے ابر تر ہمارے بھی ابر مژہ نے آج — پل مارنے میں اشک کا دریا بہا دیا

خواب عدم میں ہم تو فراغت سے لے نظیر
سوتے تھے لیکن عشق نے آکر جگا دیا

۳

الفت نے اس کی اورخ یہ ہم کو دلا دیا — جو رفتہ رفتہ خاک میں آکر ملا دیا
شرمندۂ رفو نہیں عاشق کا چاک جیب — کس باغباں نے گل کا گریباں سلا دیا
جیتے رہے شگفتہ ہوئے پھر بھی اب تلک — قاتل نے ہم کو مار کے ایسا جلا دیا
ساقی نے سب کو بھر کے دیے جام بزم میں — ساغر جو ہم نے مانگا تو شیشہ ہلا دیا

چاہا کہ مجھ سے پھر وہ نہ بولے کبھی نظیر
لوگوں نے بارے منتیں کر کے ملا دیا

۴

ایک دن آپ نے اس کا نہ کبھی دھیان کیا
طور کو پھونک دیا اس نے تمھاری خاطر

جس نے یہ حسن دیا اور تمھیں انسان کیا
چشم کے واسطے جب سرمے کا سامان کیا

ٹھہرنا عشق کے آفات کے صدموں میں نظیرؔ
کام مشکل تھا، پہ اللہ نے آسان کیا

۵

بہار آئی کیا ہر شاخ پر گل نے مکاں اپنا
بڑے حظ لوٹتے ہم بھی لب جو میکشی کر کر
مقابل اُس کے منھ کے گل کو تو کس منھ سے کرتا ہے
عدم سے جو ہمیں لے ہنستی ہستی میں لایا ہے

بنا اب تو بھی اے بلبل چمن میں آشیاں اپنا
اگر آتا چمن میں آج وہ سرو رواں اپنا
کہاں گل اور کہاں وہ منھ تو دیکھ اے باغباں اپنا
وہی غمخوار اپنا، یار اپنا، مہرباں اپنا

اسی کی مہربانی سے سبھوں کی مہربانی ہے
ہوا جب وہ نظیرؔ اپنا تو پھر ہے سب جہاں اپنا

۶

دیا قاتل نے پہلی ہی نظر میں جان کو دہلا
بہ حق ذوالفقار حیدری ہم منھ نہ موڑیں گے
چمک جا پھر خدا کے واسطے اے طور کے شعلے

الٰہی خرم رکھیو ابھی یہ وار ہے پہلا
اگر زخموں سے بن جاوے گا، تن شمشیر کا دہلا
کہ مثل آتش افسردہ پھر کچھ دل چلا گھلا

جو شاعر ہے تو خالی ڈال مت اس یار کا کہنا
نظیرؔ اب دیکھتا کیا ہے تو ہی یہ ریختہ کہہ لا

۷

جھلک دکھاتے ہی اس دلربا نے لوٹ لیا
نگہ کے ٹھگ کی لگاوٹ نے فن سے کر غافل

ہمیں تو پہلے ہی اُس کی ادا نے لوٹ لیا
ہنسی نے ڈال دی پھانسی، دعا نے لوٹ لیا

وفا جفا نے یہ کی جنگ زرگری ہم سے
وفا نے باتوں لگایا، جفا نے لوٹ لیا

لٹے ہم اس کی گلی میں تو یوں پکارے لوگ
کہ ایک فقیر کو ایک بادشاہ نے لوٹ لیا

ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوے
کہ ہم کو راہ میں ایک آشنا نے لوٹ لیا

ہزاروں قافلے جس شوخ نے کیے غارت
نظیر کو بھی اسی بے وفا نے لوٹ لیا

۸

دل یار کی گلی میں کر آرام رہ گیا
پایا جہاں فقیر نے بسرام رہ گیا

کس کس نے اس کے عشق میں رانہ دم دیے
سب چل بسے مگر وہ دل آرام رہ گیا

جس کام کو جہاں میں تو آیا تھا اے نظیر
خانہ خراب تجھ سے وہی کام رہ گیا

۹

جو پوچھا میں نے یہاں آنا منظور رکھیے گا
تو ہنس کر یوں کہا یہ بات دل سے دور رکھیے گا

بہت روئیں یہ آنکھیں اور بڑی دن رات دکھتی ہیں
اب ان کو چشم بھی کہیے گا یا ناسور رکھیے گا

جو پردہ بزم میں منھ سے اٹھاتے ہو تو یہ کہہ دو
کہ پھر یاں شمع کے جلنے کا کیا مذکور رکھیے گا

دیا دل ہم نے تم کو اور تو اب کیا کہیں لیکن
یہ ویرانہ تمہارا ہے اسے معمور رکھیے گا

نظیر اب تو دل و جاں سے تمہارا ہو چکا بندہ
میاں اپنے غلاموں میں اسے مشہور رکھیے گا

۱۰

ادھر مدت ہوئی وہ حسرت گلشن نہیں آتا
شکار دل تڑپتا ہے شکار افگن نہیں آتا

نزاکت اور خوش اندامی زیادہ اس سے کیا ہوگی
مہ کنعاں کا جس کے بر میں پیراہن نہیں آتا

لڑی منھ سے نہ بولی روٹھ بیٹھی جھڑکیاں دے لیں
اسے سب کچھ بن آتا ہے مجھے کچھ بن نہیں آتا

طرح دینا، اڑا دینا، لگا دینا، بجھا دینا
یہ ڈھب ہیں یاد تس پہ کچھ فریب و فن نہیں آتا

صریحاً یہ تو ضد ہے مجھ سے اس بیدادِ ظالم کو
کہ ہر دم روٹھنا آتا ہے لیکن من نہیں آتا

نظیرؔ اُس شوخ نے سیکھی زباں فارسی جب سے
دلوں کے حق میں بجز بشکن اُسے مشکن نہیں آتا

١١

زیرِ فلک وہ خلق ہوے ماہ پارہ ہا
دیکھے ہے جن کو رشک سے چشمِ ستارہ ہا

ہر شب ترے فراق میں اے اخترِ مراد
اپنی ہر ایک آہ ہے گنجِ ستارہ ہا

ہے تو وہ مہرِ حسن کہ ہر دم تری طرف
گُل اخترِ سپہر ہیں گرمِ نظارہ ہا

یوں سنگِ ہجر توڑے ہے آئینہ ہائے دل
مینا کے ٹکڑے کرتے ہیں جوں سنگ خارہ ہا

کرتی ہے اک نگاہ کی گردش ہزار ناز
رکھتی ہے ایک جنبش ابرو اشارہ ہا

پیدا ہوے وہ خلقتِ انساں میں دُر نظیرؔ
کرتا ہے عرش جن پہ فدا گوشوارہ ہا

١٢

ہر دم کے ساتھ عشرت و عسرت ہزار ہا
وابستہ ایک تارِ نفس سے ہیں تار ہا

کچھ صید زخم خوردۂ جاناں ہمیں نہیں
ہر صید گہ میں اس کی ہیں بسمل شکار ہا

آیا وہ جب تو ہم نہ رہے آپ میں غرض
دیکھا اسی طرح سے، اُسے ہم نے بار ہا

اُس گُل کے چاک جیب کی حسرت سے باغ میں
ہر صبح چاک ہوتی ہیں جیب و کنار ہا

اس سوزنِ مژہ کے تصور میں شانہ ساں
ٹوٹے ہیں ایک خلق کے پہلو میں خار ہا

کس کس کی دیکھیے چمن صنع میں بہار
اپنی فقط دو چشم ہیں اور یاں بہار ہا

تھے کل یہ خطِ عارضِ خوبان سبزہ رنگ
کہتے ہیں آج خلق جنھیں سبزہ زار ہا

تھے کل یہ شاہدانِ سہی سرو سیم تن
شاہد ہیں آج مرگ کے جن کے مزار ہا

سب کو نظیرؔ سونا ہے ایک دن بہ زیر خاک
سنگ مزار اس کے ہیں آئینہ دار ہا

١٣

یار نے ہم کو اگر رسوا کیا اچھا کیا
وصف اس کے حسن کا کلی ہو اُس سے گر
آپ سے جب آپ کو ہم نے ملایا خاک میں
ہم تو رسوا ہیں ہی کیا بے جا کیا اچھا کیا
جس کے جتنا فہم میں آیا کہا اچھا کہا
پھر تو جس جس نے جو کچھ چاہا کہا اچھا کہا

یار کے آگے پڑھا یہ ریختہ جا کر نظیرؔ
سن کے بولا واہ واہ اچھا کہا اچھا کہا

١٤

دل فدا تجھ پہ جو اے سرو گل اندام ہوا
ہو گیا دیکھتے ہی شرق خورشید خجل
حلقۂ زلف بتاں پھر اُسے کب دام ہوا
اس کف پا سے مشرف جو سر بام ہوا

آ گیا اس میں وہ محبوب دل آرام نظیرؔ
جب اُسے دیکھ لیا تب ہمیں آرام ہوا

١٥

تختی کو لے کے جب وہ قلم کو اٹھاتا تھا
بے کی کشش میں طول طپش کا جتاتا تھا
لکھنے میں میم کے جو قلم کو ہلاتا تھا
جس وقت عین لکھنے میں دل کو لگاتا تھا
مشق الف میں آہ کی مدیں دکھاتا تھا
نقطے کی جائے قطرۂ آنسو بہاتا تھا
نقشِ دہن صنم کا اُسے یاد آتا تھا
دیکھ اس کو چشم یار تصور میں لاتا تھا

تختی وہ کیا تھی دفتر رنج و ملال تھا
لکھنے کی بات پوچھو تو اس کا یہ حال تھا

۱۶

ترے رخسار رنگیں نے کیا دل زیر پھولوں کا ترے حسنوں کی فوجوں نے دیا رخ پھیر پھولوں کا
بدن گُل، چہرہ گُل، لب گُل، اور دہن ہے گُل، سراپا اب تو وہ رشک چمن ہے ڈھیر پھولوں کا
یہ پر بلبل کے اُکھڑے مت سمجھ لے باغباں ہرگز ہوا ہے میکدہ میں ٹوٹ کر یہ ڈھیر پھولوں کا

گلے میں ہار اور ہاتھوں میں گجرے ہو کے یوں بیٹھے
خدا کے واسطے نہ کیجو ذرا اندھیر پھولوں کا

۱۷

نہ ٹوکو دوستو اس کی بہار نام خدا یہی اب ایک ہے یاں گلعذار نام خدا
یہ وہ صنم ہے پری رو کہ جس پہ ہوتی ہیں ہزار جان سے پریاں نثار نام خدا
اسی صنم کی نگاہوں کی برچھیاں یارو ہوئی ہیں میرے کلیجے کے پار نام خدا
اسی کے نشتر مژگاں میں اب وہ تیزی ہے کہ جس سے ہوتے ہیں ہم دل فگار نام خدا
اسی صنم کے رخ و زلف کے تصور میں ہماری گزرے ہے لیل و نہار نام خدا
گلی میں کوچہ و بازار میں ہم اب دن رات اسی کے واسطے پھرتے ہیں خوار نام خدا
اسی کے سر کی قسم ہے کہ ہم تو مر جاتے اگر نہ ہوتا یہ گل رو نگار نام خدا
بنے ہیں یاں جو کئی دیر اور صنم خانے اُدھر جو ہوتا ہے اُس کا گزار نام خدا
اُٹھا کے سینہ جھٹک بازو اور بنا کر دھج چلے ہے جس گھڑی ٹھوکر کو مار نام خدا
قدم قدم پہ برہمن کہیں ہیں بسم اللہ صنم بھی کہتے ہیں سب بار بار نام خدا
غرض جدھر کو نکلتا ہے یہ تو ہر اک کے زباں سے نکلے ہے بے اختیار نام خدا

نظیر ایک غزل اور کہہ کہ تیرے سخن
ہیں اب تو سب گہر آبدار نام خدا

۱۸

نہ پہنے کیونکہ وہ پھولوں کے ہار نام خدا
ابھی تو اس کی نئی ہے بہار نام خدا

جو مجھ سے پوچھے ہے ہنس ہنس کر میں پری ہوں کیا
تو میں یہ کہتا ہوں ہاں میرے یار نام خدا

نشے کی اب تلک آنکھوں میں کچھ نہ تھی مستی
پر اب کچھ آتا چلا ہے خمار نام خدا

وہ دو بدو کی نگاہیں لڑانا کیا جانے
حیا سے ہے وہ ابھی شرم دار نام خدا

ابھی تو اسکی بڑھائی ہیں ہنسلیاں یارو
ابھی یہ آیا ہے چوٹی اُتار نام خدا

مجھی سے لینے کی دل کے ہوئی ہے بسم اللہ
مجھی یہ اس کا یہ پہلا ہے وار نام خدا

ابھی تو آنکھ اُٹھا کر مجھی کو دیکھا ہے
ابھی تو مجھ سے ہی رکھتا ہے پیار نام خدا

میں اپنی دیکھ کے ایڑی یہ بار ہا کہتا ہوں
نہ ہوگا ایسا کوئی وضع دار نام خدا

کمر کو باندھ کے اپنی، پری سے توسن پر
جدھر کو نکلے گا ہو کر سوار نام خدا

ادھر غرض کہ صفیں کی صفیں اُلٹ دیگا
کرے گا حشر سا ایک آشکار نام خدا

نظیر دیکھ اسے سب یہ مجھ سے کہتے ہیں
پری ہے یار تیرا، یہ تو یار، نام خدا

۱۹

وہ رشک حُور جو وقت سحر بے نقاب تھا
دیکھ اُس کے رُخ کو روبہ زمیں آفتاب تھا

ق

اک دن دل اپنا، عیش گزشتہ کو یاد کر
رہ رہ کے ہم سے مانگتا اس کا جواب تھا

یعنی وہ کیا زمانہ عشرت تھا اے نظیر
جس میں ہزار عیش سے میں کامیاب تھا

اب زار و ناتوان و ضعیف و نحیف ہوں
نقش طلسم تھا وہ کوئی یا حباب تھا

اک جنبش مژہ میں وہ برہم ہوا طلسم
کیا کہیئے اُس کو اور مگر یہ کہ خواب تھا

جب ہم نے دل سے بھر کے دم سرد یوں کہا
جس میں مے طرب سے تو مست و خراب تھا

ہیہات کیا بتائیں ہم اُس عصر خوش کا نام
اے غفلت انتما وہی عہد شباب تھا

تھی باغ زندگی کی اسی سے ہی آب ورنگ دیوان عمر کا بھی وہی انتخاب تھا

اپنی تو فہم میں وہی ہنگام دل فروز
مجموعۂ حیات کا لب لباب تھا

۲۰

ادھر اس کی نگہ کا ناز سے آ کر پلیٹ جانا ادھر مرنا تڑپنا غش میں آنا، دم الٹ جانا
لکھوں کیا میں نقشے اس کی ناگن زلف کے یارو لپٹنا، اڑ کے آنا، کاٹ کھانا پھر پلٹ جانا
اگر ملنے کی دھن رکھنا تو اس ترکیب سے ملنا سرکنا، دور ہٹنا، بھاگنا اور پھر لپٹ جانا
نہ ملنے کا ارادہ ہو تو یہ عیاریاں دیکھو ہمکنا، آگے بڑھنا، پاس آنا اور ہٹ جانا
یہ کچھ بہروپ پن دیکھو کہ بن کر شکل دانے کی بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا پھر سمٹ جانا
یہ بنجانی، یہ یکتائی، تس اوپر یہ قیامت ہے نہ کم ہونا نہ بڑھنا اور ہزاروں گھٹ میں بٹ جانا

نظیر ایسا جو چنچل، دلربا بہروپیا ہووے
تماشا ہے پھر ایسے شوخ سے سودے کا پٹ جانا

۲۱

ہر ایک گھاٹ پہ ہے اب روز مچانا پریوں کا عجب نشان ہے دریا پہ آج پریوں کا
جو خوبرو ہیں ہم ان کے حکیم ہیں یارو کیا ہے ہم نے ہمیشہ علاج پریوں کا
بار بار دکھلاتی پھرتی ہیں ہوا جہان میں کیا یار رواج پریوں کا
نہ بیٹھے دل کا بجبوتر کسی کے دانے پہ ہمیشہ اس نے تو کھایا ہے ناج پریوں کا
ق ٹی کل ایک جو رنڈی سیاہ بدصورت چمار دیکھ کرے جس کو لاج پریوں کا
کہا نظیر تو ہم پاس کیوں نہیں آتا کہ ہم نے حسن میں پایا ہے تاج پریوں کا
ہم آج وہ ہیں پری زاد گل بدن گل رو کہ ہم کو حسن میں آیا خراج پریوں کا

[1] اس غزل کے تین شعر صفحہ ۴۴ نمبر ۹۵ میں گزر چکے ہیں۔ مکمل غزل یہاں درج کی جاتی ہے۔ اشرف علی

یہ سن کے میں نے کہا ہاں یہ وہ مثل ہے آج
کہ ہو چڑیل کی صورت مزاج پریوں کا

۲۲

ساقی بہار آئی اور جوش ہے گلوں کا / لا جام بھر کے سن لیں ٹک شور بلبلوں کا
دل لے کے تو بھی ظالم ملتا نہیں خوشی سے / شکوہ کروں میں کیا کیا اس کے تغافلوں کا
کل تو نظیر کیا کیا سیریں ہوئیں چمن میں / مدت کے بیچ نکلا ارمان دل جلوں کا
باران میں مے کشی کی ٹھہریں عجب بہاریں / کچھ باغ کی ہوائیں کچھ رنگ بادلوں کا

قطعہ

اس میں وہ شوخ گلرو منھ پاس میرے لاکر / بولا کہ لے بوسہ ان حسن کے گلوں کا
منھ دیکھ دیکھ اس کا میں نے کہا کہ پیاری / سمجھا ہوں میں تمھارے انداز چہلوں کا
رخسار کا تو بوسہ زنہار میں نہ لوں گا / اس کا ادب نہ رکھنا ہے فہم جاہلوں کا
ایسا ہی گر ہے دینا تو دیجیے لبوں سے / بوسہ لبوں کا لینا ہے کام کاملوں کا

جب تو وہ شوخ ہنس کر بولا یہ وہ مثل ہے
یعنی کہ گڑ تو کھاویں پرہیز گلگلوں کا

۲۳

رتبہ کچھ عاشقی میں نہ کم ہے فقیر کا / ہیں جس کے سب صنم وہ صنم ہے فقیر کا
تکیہ اسے نہ بھول کے کہنا کبھی میاں / تکیہ نہیں یہ باغ ارم ہے فقیر کا
رہتا ہے پھر وہ پھولتا مثل سدا سہاگ / جس گلبدن پہ لطف و کرم ہے فقیر کا
گھٹ جائیں جس کو دیکھ کے لاکھوں ہی گھٹا / اے ابر تر وہ دیدۂ نم ہے فقیر کا
لکھتا ہے بن تراشے ہی حرفوں کے جوڑ توڑ / اے خوشنویس یہ وہ قلم ہے فقیر کا
ظل ہما بھی اس سے سعادت کرے حصول / جس سرزمیں پہ نقش قدم ہے فقیر کا
ہیں زیر سایہ اس کے ہزاروں گدا و شاہ / بیرق اسے نہ کہہ یہ علم ہے فقیر کا

کیونکر لکھے نہ فقر کے شان و شکوہ کو
یارو نظیر یہ بھی کرم ہے فقیر کا

۲۴

لپٹ لپٹ کے میں اُس گل کے ساتھ سوتا تھا — رقیب صبح کو منھ آنسوؤں سے دھوتا تھا
تمام رات تھی اور کہنیاں و لاتیں تھیں — نہ سونے دیتا تھا مجھ کو نہ آپ سوتا تھا
جو بات ہجر کی آتی تو اپنے دامن سے — وہ آنسو پونچھتا جاتا تھا اور میں روتا تھا
مسکتی چولی تو لوگوں سے چھپ کے سینے کو — وہ تاگے بٹتا تھا اور میں سوئی پروتا تھا
غرض دکھانے کو آن و ادا کے سو عالم — وہ مجھ سے پاؤں دھلاتا تھا اور میں دھوتا تھا
لٹا کے سینے پہ چنچل کو پیار سے ہر دم — میں گدگداتا تھا ہنس ہنس وہ ضعف ہوتا تھا
وہ مجھ پہ پھینکتا پانی کی کلیاں بھر بھر — میں اس کے چھینٹوں سے تو پیرہن بھگوتا تھا
نہانے جاتے تو پھر آہ کرتی چھینٹوں سے — وہ غوطے دیتا تھا اور میں اُسے ڈبوتا تھا

ہوا نہ مجھ کو خمار آخر اُن شرابوں کا
نظیر آہ اسی روز کو میں روتا تھا

۲۵

اک پینچے پر جو اُس نے طرہ رکھا زری کا — سورج کی بھولیں کرنیں دعوئی برابری کا
جس دن سے حسن چمکا اُس کا تو شہر دل میں — کیا کیا پڑا ہے یارو شور اُس کی دلبری کا
عارض میں اس صنم کے ہے وہ جھلک کہ جسکو — دیکھے تو ہوش آوے پرواز میں پری کا
آیا جو دل کو لینے مجھ سے وہ شوخ گلرو — کیا کیا کہوں میں نقشہ اس دم کی دلبری کا

کیں میٹھی میٹھی باتیں ایسی نظیر ہنس کے
جس کو مزا نہ پہونچے ہرگز شکر تری کا

۲۶

کیا کیا نگہ لڑا کر اُس فتنہ گر کو دیکھا
مدت میں آج میں نے دل کے جگر کو دیکھا

شبنم کے پیرہن سے تھے بل پہ بل نمایاں
اس نازکی سے ہم نے اسکی کمر کو دیکھا

اجلا پن اُسکے دیکھا دنداں میں ہم نے ایسا
جس کی جھلک سے میلا سلک گہر کو دیکھا

نوک مژہ نے اسکی لب جھپے ہوئے شامل
دل کو پرو دیا جس دم ہم نے اُدھر کو دیکھا

پوچھا نظیر بھید اکیوں دل تو ہنس کے بولا
اس کی یہی سزا ہے اس نے ادھر کو دیکھا

۲۷

مت مل پری رخوں سے لے دل دوانہ ہوگا
تیر نگہ پھینکیں گے اور تو نشانہ ہوگا

ایسا ہی حسن اُس کا بڑھتا رہا تو اک دن
محبوب دہر ہوگا شوخ زمانہ ہوگا

ہم نے کہا کہ دل کا یہ رنگ ہے تو بولا
گر لکھ رکھوگے اسکو رنگین فسانہ ہوگا

بکھری بلا ہے کاکل جب کیا ستم کریگی
جب تیل پڑ کے اُس میں جس وقت شانہ ہوگا

جب تو لگا کے مہندی نکلا نہ گھر سے ظالم
دیکھیں نظیر اس کا اب کیا بہانہ ہوگا

۲۸

دل چاہ زنخداں میں تبسم نے جو ڈالا
اس نے یہ اٹھایا اسے جو پھر نہ اچھالا

مے پی کے جو گرتا ہے تو لیتے ہیں اُسے تھام
نظروں سے گرا جو اسے پھر کس نے سنبھالا

دل ہو کے دلاور جو گیا سامنے اُس کے
غمزے نے گرایا وہیں اک مار کے بھالا

زخمی اُسے دیکھا تو کہا مجھ سے کسی نے
تو نے اسے کس واسطے پہلو سے نکالا

اب تڑپے ہے مجروح پڑا کوچے میں اس کے
جا تو ہی نظیر اب اُدھر اور اُس کو اُٹھا لا

۲۹

ہمارے دل کو نہ کر ہر دم اے پری میلا — یہی تو جان کہاں قیس اب کہاں لیلا
بہار گل کی تو آ پہونچی تو کبھی اے ساقی — گلابی مے کی دکھا ساغر پیاپے لا
دل اُس سے ملنے کو یوں چاہتا ہے جوں بلبل — چمن میں گل سے لپٹتی ہے بال و پر پھیلا
وہ اک نگہ جو ادھر کر گیا تو دل جب سے — پکارتا ہے پڑا ہر گھڑی وہی مے لا

لیلےٰ

ہوس تو گرم ہے اب تک کیا ہوا جو کیا
میاں نظیرؔ کو پیری نے برف کا تھیلا

۳۰

مکھڑے کو ترے دیکھ کے رشک گل لالا — پھولے ہے پڑا دل میں ترا چاہنے والا
عالم کے چمن ساز نے یہ سرو کیا واہ — خوبی سے گلستاں میں عجب شان سے بالا
سب تن کو ترے دیکھ یہی کہتے ہیں اے گل — اللہ نے کس نور کا یہ عطر نکالا
مہتاب بھی منہ رشک سے ہالے میں چھپاوے — دیکھے اگر اک دم ترے مکھڑے کا اُجالا
دنیا میں جسے کہتے ہیں سب مل کے پرستاں — وال بھی ترے عالم نے بڑا شور ہے ڈالا
دل طور تغافل سے جوں ہی گرنے پہ آیا — جھپ اس کو تری طرز تبسم نے سنبھالا

مشتاق نظیرؔ اک نگہ لطف کا ہے یاں
اس کو بھی پلا دے کبھی اس مے کا پیالا

۳۱

لادے خاطر میں ہمارے دل کو وہ مغرور کیا — جسکے آگے مہر کیا، مہ کیا، پری کیا، حور کیا
دل دیا ہم نے لگایا ہے بتا دو مہرباں — اُسکی ہے رہ کیا، روش کیا، رسم کیا، دستور کیا
یاد ہوں عیاریاں جس کو بہت ہم کیا کریں — اُسکے آگے مکر کیا، چھل کیا، فسوں کیا، زور کیا
یوں کہا ہم لیں گے بوسہ اب تو چھو کر زلف کو — بولا منہ کیا، دستگہ کیا، تاب کیا، مقدور کیا

ہم کو چاہت ایک سی ہے اس پریرو سے نظیرؔ
رو برو کیا، در قفا کیا، متصل کیا دور کیا

۳۲

یہ دل نادان ہمارا بھی عجب دیوانہ تھا — اس کو اپنا گھر یہ سمجھا تھا جو مہماں خانہ تھا
تھے جو بیگانے یگانے ان کو گنتا تھا یجاں — اس قدر غفلت میں عقل و ہوش سے بیگانہ تھا
لے لیا معنی کو اور صورت کو جانا بے ثبات — غور سے دیکھا تو عالم میں، وہی فرزانہ تھا
کیا غم اسباب ظاہر کا نہ ہو جس کو قیام — چشم معنی بیں میں یکساں ہوا اگر تھا، یا نہ تھا
کہتے ہیں عہد سلف میں تھا کوئی ایسا مکاں — قطعۂ خلد اس کا ایک اک کنج اور کاشانہ تھا
پر صفا و پر ضیا و پر نگار و پر بہار — زیب سے سو سو طرح اس میں جو شاخ اور دانہ تھا
لحظہ لحظہ عیش و عشرت دمبدم رقص و سرود — گریۂ مینا و یکسر خندۂ پیمانہ تھا
مالک اس کا جب وہ پشت بام پر پھرتا تھا شاد — کیا کہوں کیا کیا اسے ناز سرافرازانہ تھا
تھا جہاں یہ کچھ عیاں واں انقلاب دور سے — یک مژہ برہم زدن میں کچھ نہ تھا ویرانہ تھا
واں طنین[1] یک مگس آئے نہ ہرگز گوش میں — جس جگہ شور قیامت ساز نوبت خانہ تھا
واں نظر آیا نہ ہرگز پارۂ سنگ سیاہ — جس جگہ لعل و گہر سے پر جواہر خانہ تھا

خوب جو دیکھا نظیرؔ ان رفتگاں کا ماجرا
بھر خوف و عبرت آیندگاں افسانہ تھا

۳۳

جوانی[2]

بنا ہے اپنے عالم میں وہ کچھ عالم جوانی کا — کہ عمر خضر سے بہتر ہے ایک ایک دم جوانی کا
نہیں بوڑھوں کی ڈاڑھی پر میاں یہ رنگ وسمے کا — کیا ہے ان کے ایک ایک بال نے ماتم جوانی کا

[1] مکھی کی بھنبھناہٹ کی آواز ۱۲
[2] یہ غزل اگرچہ مدارج عمر کے تحت میں ہونا چاہیے تھی لیکن وہ حصہ طبع ہو گیا اس لیے بلحاظ ردیف اس جگہ درج کی گئی ۱۲ محمد اشرف علی

یہ بوڑھے گو کہ اپنے سخو سے شیخی میں نہیں کہتے
بھرا ہے آہ پیران سب کے دل میں غم جوانی کا

یہ پیران جہاں اس واسطے روتے ہیں اب ہر دم
کہ کیا کیا ان کا ہنگامہ ہوا برہم جوانی کا

کسی کی پیٹھ کبڑی کو بھلا خاطر میں کیا لاوے
اکڑ میں نوجوانی کے جو مارے دم جوانی کا

شراب و گلبدن ساقی مزے عیش و طرب ہر دم
بہارِ زندگی کہیئے تو ہے موسم جوانی کا

نظیرؔ اب ہم اُڑاتے ہیں مزے کیا کیا اہا ہا ہا!
بنایا ہے عجب اللہ نے عالم جوانی کا

۳۴

پنکھیا[1]

کیوں نہ جھمک کر کرے جلوہ گری پنکھیا
کچھ کفِ نازک پری، کچھ وہ پری پنکھیا

دیکھ چمن میں سحر، اس کی جبیں پر عرق
لائی اُدھر سے نسیم، عطر بھری پنکھیا

شاخ نے گل کی اِدھر برگ جو تھی سبز تر
اُن کی بنا کر جھلی اس کو ہری پنکھیا

ق

گرمی میں ایک دن گئے اس سے جو ملنے کو ہم
چھوٹی سی آگے تھی ایک اسکے دھری پنکھیا

ہم تھے پسینے میں تر، بیٹھتے ہی یک بیک
ہاتھ بڑھا کر جو لی اس کی ذری پنکھیا

اس نے وہیں چھین لی اور یہ کہا واہ للہ
تو نے چھوئی کیوں مری زیب بھری پنکھیا

کچھ تھی عرق کی تری، کچھ ہوئی خجلت نظیرؔ
اور تری کے اوپر لائی تری پنکھیا

۳۵

پنکھا

برگِ گل و لالہ کا نہ بنوائیے پنکھا
اس سے بھی سبک اور کوئی منگوائیے پنکھا

[1] غزل نمبر ۳۴ سے نمبر ۔ تک مناظر کے تحت میں آنا چاہییں مگر لحاظ ردیف یہاں درج کی جاتی ہیں۔ اشرف علی

ق

ہم تڑپیں پسینے میں تو کیا آپ کو صاحب — خوش بیٹھے ہوئے آپ تو جھمکائیے پنکھا
مدت کے بجھائے ہیں ہوا دار ہم اے جاں — اک چار گھڑی ہم سے بھی جھلوائیے پنکھا
سن کر یہ کہا خیر اگر ہے یوں ہی دل میں — تو جا کے شتابی ابھی لے آئیے پنکھا
جب ہم نے کہا یاں تو کھجوڑوں کے ہیں اکثر — مقیش کا لے آویں جو فرمائیے پنکھا
فرمایا کسی کا ہو پہ نازک ہو سبک ہو — ایسا نہ ہو جو پھر کے بدلوائیے پنکھا
بنوا کے بہ صد زیب کہا ہم نے یہ آ کر — ہم شرط بدیں ایسا جو دکھلائیے پنکھا
جب ہنس کے کہا پھیر دو تمھاری نہیں جاتی — اب جی میں ہے منھ پر کوئی لگوائیے پنکھا
القصہ جو ہیں جھلنے لگے ہم اسے خوش ہو — بولا وہیں بس بس ذرا ٹھہرائیے پنکھا
حلقے مری زلفوں کے کھلے جاتے ہیں ہل ہل — ایسا بھی تو لپ جھپ نہ جھپکائیے پنکھا
پنکھے کے بھی جھلنے کا نہیں تم کو شعور اب — معلوم ہوا بس جی ادھر لائیے پنکھا
ایک دن عرق آلودہ ہو گھبرا کے کہا میں — اس وقت تو ہم کو کوئی دلوائیے پنکھا
بولا کہ چہ خوش فائدہ کیا اب جو تھا لے — ان گھر کھرے ہاتھوں سے پکڑوائیے پنکھا
اس چھوٹے سے پنکھے کی ہوا کب تمھیں آئے — بے فائدہ جا گر سے نہ ہلوائیے پنکھا

ایسا ہی جو جھلنا ہے نظیر اب تمھیں تو آپ
گدھ پنکھ کے پر کا کوئی بنوائیے پنکھا

٣٦

بٹوا

دیکھ تیرا یہ جھمکتا ہوا اے جاں بٹوا — صبح نے پھینک دیا مہر کا رخشاں بٹوا
چاندنی میں ترے بٹوے کے مقابل ہونے — بن کے نکلا ہے فلک پر مہ تاباں بٹوا
گر چمن میں تجھے بٹوے کی طلب ہو تو وہیں — زر بھرا غنچے کا لا دے گل خنداں بٹوا

ہاتھ نازک ہیں ترے اور وہ ہے سنگیں ورنہ — بن کے آجاوے ابھی لعل بدخشاں بٹوا

ق

یوں کہا میں کہ یہ بٹوا ذرا ہم کو دیجیے — ہم بھی بنوائیں گے ایسا ہی درخشاں بٹوا

سن کے بٹوے کو دکھا کر یہ کہا واہ بے شعور — اور بن سکتا ہے ایسا کوئی اب یاں بٹوا

جب کہا میں نے سبب کیا تو کہا ہنس کے نظیر
یہ تو لائیں ہیں مرے واسطے پریاں بٹوا

٣٧

ایضاً

تمہارے ہاتھ سے ہوتا نہیں اک دم جدا بٹوا — یہ کس الفت بھری نے سچ کہو تم کو دیا بٹوا

معطر ہو رہا ہے نکہت جوز و قرنفل سے — کہوں میں عطرداں یا کیوں صاحب اس بٹوے کو یا بٹوا

گھڑی غنچہ گھڑی گل پھر گھڑی میں گل سے غنچہ ہو — تمہارے آگے کیا کیا رنگ بدلے ہے پڑا بٹوا

تمہیں ہم چاہیں تم بٹوے کو چاہو کیا تماشا ہے — ہمارے دلربا تم اور تمہارا دلربا بٹوا

جو تم نے بدلے ایک بٹوے کے ایک بوسہ ہی ٹھہرایا — تو صاحب یاد رکھیو یہ ہمارا ہے چھٹا بٹوا

ق

نہایت پر تکلف اور بہت خوش قطع نازک سا — بہ صد تاکید بنوایا تھا ہم نے ایک نیا بٹوا

گئے ہم اتفاقاً اس پری رو سے جو ملنے کو — تو کیا کہیے وہی اس دم ہمارے پاس تھا بٹوا

یکایک آ پڑی اس کی نظر اس پر تو بے ہم سے — کہا، یہ تو بنایا ہے کسی نے واہ کیا بٹوا

بہت تعریف کی اور ہنس دیا جب دل میں ہم سمجھے — کہ یہ تعریف کچھ خالی نہ جاوے گی چلا بٹوا

کبھی یوں اور کبھی ووں دیکھ آخر یوں کہا ہنس کر — یہ کس کا ہے قیامت پر نزاکت خوشنما بٹوا

کہا جب میں نے ہنس کر سو نیاز و عجز سے اے جاں — اسے میلا نہ کیجیے ہے یہ ایک محبوب کا بٹوا

میں بھولے سے لے آیا تھا اگر درکار ہو تم کو — تو میں اس سے بھی بہتر اور دوں تم کو منگا بٹوا

کہا ہم تو یہی لیں گے تو میں نے پھر کہا صاحب — میں بیگانہ تمہیں اب کس طرح سے دوں بھلا بٹوا

جونہیں یہ بات نکلی میرے منھ سے پھر تو جھنجھلا کر
وہیں اُس شوخ نے مارا میرے منھ پر اُٹھا بٹوا

کہا میں نے خفا ہوتے ہو کیوں چاہو تمہیں لے لو
یہ کہہ کر میں نے پھر اُس کی طرف ڈھلکا دیا بٹوا

چلا جب وہ ڈھلکتا اس کی جانب دیکھیے شامت
کہیں ناگہ سر زانو میں اس کے جا لگا بٹوا

تو لے بٹوے کو اور زانو پکڑ کر یوں کہا دشمن
یہ تو نے آپ سے مارا مرے وارث تیرا بٹوا

جلادوں ٹکڑے کر ڈالوں دے تجھ کو نہ دوں ہرگز
لگا میرے بہت، اب تو یہ میرا ہو چکا بٹوا

نہ بٹوا دوں نظیرؔ اور تجھ سے زانو کا بھی بدلہ لوں
یہی دھمکی دکھا کر آخر اس نے لیا بٹوا

۳۸

سنگترا

کیا کیا ہر ایک درخت پہ آیا ہے سنگترا
پھل زور ہی مزے کا کھایا ہے سنگترا

نارنگی اور انار کب اچھے لگیں اُسے
جس رس بھری کے دل میں سمایا ہے سنگترا

چھاتی پہ ہاتھ رکھ کے کہا میں نے اُس سے جان
مدت میں میرے ہاتھ یہ آیا ہے سنگترا

گر تم بُرا نہ مانو تو اک بات میں کہوں
یہ تو کسی کا تم نے چُرایا ہے سنگترا

تم توڑتی تھیں، آن پڑا اس میں باغباں
انگیا میں اس کے ڈر سے چھپایا ہے سنگترا

یہ سُن کے اُس نے ہنس دیا اور یوں کہا مجھے
اب ہم نے اس طرح سے یہ پایا ہے سنگترا

ایک باغ حسن کا ہے جوانی ہے اس کا نام
واں سے ہمارے ہاتھ یہ آیا ہے سنگترا

جوبن کے باغبان نے، اُٹھتی بہار سے
تازہ ابھی یہ ہم کو بھجایا ہے سنگترا

گودے ہی لگ رہا ہے ہمارے تمام عمر
جس کو کبھی یہ ہم نے دکھایا ہے سنگترا

جب تو نظیرؔ میں نے یہ ہنس کر کہا اُسے
میوہ خدا نے خوب بنایا ہے سنگترا

۳۹

حنا

کچھ دلفریب ہاتھ وہ کچھ دل ربا حنا — لگتی ہے اُس پری کی عجب خوشنما حنا

دیکھے ہیں جب سے دل نے حنا بستہ اُسکے ہاتھ — راتوں کو چونک پڑتا ہے کہہ کر حنا حنا

ہے سرخ یاں تلک کہ جو چھلّے ہیں نقرئی — کرتی ہے اُس کے ہاتھ میں انکو طلا حنا

یہ فندقیں نہیں مرے قاتل کے ہاتھ میں — ہوتی ہے پور پور پہ اُس کے فدا حنا

خونِ شفق میں پنجۂ خورشید رشک سے — ڈوبا ہی تھا اگر وہ نہ لیتا چھپا حنا

غرفے سے ہاتھ کھول کے اوپر لیا جو کھینچ — بجلی سی کچھ چمک گئی کافر بلا حنا

شب کے خلافِ وعدہ کا جب بن سکا نہ عذر — ناچار پھر تو ہنس دیا اور دی دکھا حنا

کل مجھ سے ہنس کے اُس گلِ خوبی نے یوں کہا — پاؤں میں تو ہی آج تو میرے رچا حنا

وہ چھوٹی پیاری انگلیاں وہ گورے گورے پاؤں — ہاتھوں میں اپنے لے، میں لگانے لگا حنا

اُس وقت جیسی نکلیں مری حسرتیں نظیر
ان لذتوں کو دل ہی سمجھتا ہے یا حنا

[1] یہ غزل تقریبات اہل اسلام کے ذیل میں جانا چاہیے تھی ۱۲ ۔ اشرف علی

۴۰

عید[1]

شاد تھا جب دل وہ تھا اور ہی زمانا عید کا — اب تو یکساں ہے ہمیں آنا نہ آنا عید کا

دل کا خوں ہوتا ہے جب آتا ہے اپنا ہم کو یاد — آدھی آدھی رات تک مہندی لگانا عید کا

آنسو آتے ہیں بھرے جب وہ جہاں میں گزرے ہے آہ — پچھلے پہر سے وہ اُٹھ اُٹھ کر نہانا عید کا

حشر تک جاتی نہیں خاطر سے اس حسرت کی بو — عطر بغلوں میں وہ بھر بھر کر لگانا عید کا

ہونٹھ جب ہوتے تھے لال آنکھیں ہو جاتی ہیں سرخ
یاد آتا ہے جو ہم کو پان کھانا عید کا

دل کے ہو جاتے ہیں ٹکڑے جس گھڑی آتا ہے یاد
عید گہ تک دلبروں کے ساتھ جانا عید کا

گلعذاروں تک میاں ملنے کی خاطر جب تو ہم
ٹھان رکھتے تھے مہینوں سے بہانا عید کا

اب تو یوں چھپتے ہیں جیسے تیر سے بھاگے کوئی
یا بنے پھرتے تھے ہم آپ ہی نشانا عید کا

نیند آتی تھی نہ ہرگز بھوک لگتی تھی ذرا
یہ خوشی ہوتی تھی جب ہوتا تھا آنا عید کا

۱۴۱

ہولی

؎ یہ غزل معتقدات اہل ہنود کے تحت میں ہونا چاہیے تھی ۱۲ اشرف علی

جب منھ پہ پردہ پر دل کر گلال آیا
اک دم تو دیکھ اس کو ہولی کو حال آیا

کل وقت شام سورج ملنے کو منھ پر اسکے
رکھ کر شفق کے سر پر طشت گلال آیا

مدت سے آرزو تھی اک دم لگا چکا کر
اک دن صنم پہ جا کر میں رنگ ڈال آیا

دس بیس گلرخوں کو ہمراہ اپنے لیکر
یونہیں بھگونے مجھ کو وہ خوش جمال آیا

کمروں میں جھولیوں میں سیروں گلال بھر کر
اور رنگ کی بھی بھر کر مشک و پکھال آیا

اتنے میں گھیر مجھ کو اور شور و غل مچا کر
اس دم کمر کمر تک رنگ و گلال آیا

اس وقت میرے سر پر اک دھوم مچ رہی تھی
اس دھوم میں جو مجھ کو بھی کچھ خیال آیا

لاحول پڑھ کے شیطان بولا نظیر تجھ کو
اب ہولی کھیلنے کا پورا کمال آیا

غزل نمبر ۱۲ ص ۵ کے بقیہ اشعار

آخر کو جو دیکھا تو ہوئے خاک کی ڈھیری
دو دن کی ہوئی کشف و کرامات تو پھر کیا

جب آئی اجل ایک ریاضت نہ گئی پیش
مر مر کے جو کی کوشش و طاعات تو پھر کیا

جب آئی اجل آہ تو اک دم میں گئے مر
گر یہ بھی ہوئی ہم میں کرامات تو پھر کیا

غزل نمبر ۱۳ ص ٦ کے بقیہ اشعار

محلے میں پڑا غل دوڑیو، چلیو، غضب آیا
دوانہ ہوگیا ہے پہلواں، یار و جنوں مارا

گیا اک دیر میں اور واں جو لعبت گر اُٹھے ہاں ہاں
تو نکلا واں سے گھبرا کر بتوں کا باندھ پشتارا

مصلا پھاڑ، شجرے توڑ، لوٹے پھوڑ کر اس جا
کئی زاہد بچل ڈالے کیا واعظ کا سر پارا

خم و قرابہ و مینا و ساغر توڑ کر یکسر
زمین میکدہ سب مے سے کردی خون کا گارا

جو لی پھر راہ جنگل کی نکل اس طور یکباری
بگولا باد کا، یا برق، یا آتش کا انگارا

تو پھر اس کوہ و صحرا میں عجب دھومیں مچا ڈالیں
کبھی فرہاد کو گھیرا، کبھی مجنوں کو جا مارا

جو لڑیاں بن کے کافر ہر سر مژگاں سے یوں اچھلا
گویا چھوٹا ہزارا ساون اور بھادوں کا فوارا

لگا یوں مینھ برسنے ہر طرف لڑکوں کے پتھروں کا
پڑے ہے جیسے جھڑیاں باندھ کر اولوں کا بوچھارا

نقیب آ وہ کہتا تھا بڑھے جانا ٹک اے یاراں
کوئی پامال ہو جاوے تو پھر اپنا نہیں چارا

ہوا سناٹے لیتی تھی فلک کو آگیا چکر
تماشا دیکھیں تھیں حوریں ملک کرتے تھے نظارا

کھڑا رہتا تو پڑتی تھیں زمیں کے فرق پر لاتیں
جو چلتا تھا تو پھر پامال تھا کیا سنگ کیا خارا

تو لے بھاگا جنوں واں سے گلے میں ڈالکر باہیں
لے آیا واں کہ تھا جس جا وہ برج حسن کا تارا

غزل نمبر ۱۴ ص ۷ کا بقیہ شعر

نصیحت کیمیا ہے جب تو گوش دل سے سنتے ہیں
جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

غزل نمبر ۱۵ ص ۷ کا بقیہ شعر

پنجۂ خورشید رنگیں خون حسرت کے سوا
برق ساں چمکا جو رنگ اُس کے حنائی دست کا

غزل نمبر ۳۸ ص ۱۶ کے بقیہ اشعار

لائق اس بانے کے گوہریاں تو ہاتھ آیا نہ ایک — دیکھتا ہم کو مگر اب عالم بالا پڑا
گوہر مقصود سمجھے ہم نہی اس راہ میں — پاشتہ سے تا سر انگشت جو چھالا پڑا

غزل نمبر ۴۷ ص ۳۲ کے بقیہ اشعار

اس بے وفا نے ہم کو اگر اپنے عشق میں — رسوا کیا، خراب کیا، پھر کسی کو کیا
مقطع: دنیا میں آکے ہم سے برا یا بھلا فقیر — جو کچھ کہ ہو سکا سو کیا پھر کسی کو کیا

غزل نمبر ۵۷ ص ۳۲ کے بقیہ اشعار

ملتی ہے پری آنکھیں اور جو رجبیں سا ہے — ہے نقش جہاں یار و اس پائے مقدس کا
تر رکھیو سدا یارب تو اس مژۂ تر کو — ہم عطر لگاتے ہیں گرمی میں اسی خس کا
مقطع: اس گریۂ خونی کی دولت سے نظیر اپنے — اب کلبۂ احزاں میں کل فرش ہے اطلس کا

غزل نمبر ۹۲ ص ۳۹ کا بقیہ شعر

خدا کے واسطے سمجھو نہ اس کو ٹھٹے دال — فریب دیتا ہے تم کو یہ بوالہوس ٹلیا

غزل نمبر ۱۵۱ ص ۶۰ کا بقیہ شعر

ظاہر میں گرچہ وصل کی کہتا ہے مجھ سے بات — پر دل میں اور کرتا ہے تیار چھکلا

غزل نمبر ۱۶۱ ص ۲۷ کا بقیہ شعر

بہار دیکھو اسے رشک سے یہ کہتی ہے — کہ تھا یہ حسن تو پھر مجھکو کیوں بہار کیا

غزل نمبر ۸۰ صـ ۵۶۵ کے بقیہ اشعار

[۱] آتشِ برق جو ہے مشتعل از بس ہر دم
اُس سے کیا جھوم کے اٹھی ہے دھواں دھار گھٹا

ایسی آتش کے لیے چاہیئے ایسا ہی دھواں
کیا تناسب ہیں یہ صفت کے اہا ہا ہا

بدلیاں بدلے ہیں کیا رنگ نئے زنگار رنگ
جنگل ایک رنگ پہ سو مانیٔ اثر رنگ فدا

روحِ بہزاد کی کہتی ہے تصدق ہو کر
کس سے یہ رنگ ہوں یارب تری قدرت کے سوا

لوگ کہتے ہیں یہ ہیں آب کے قطرے لیکن
ہم تو جانیں ہیں کہ گل برسے ہے مینھ موتی کا

بلکہ موتی ہے فقط گوشِ بتاں کی زینت
یہ وہ قطرے ہیں کہ ہیں آبِ رخِ شاہ و گدا

جن کو ہے وصل تو وہ خنداں نما ہیں جوں برق
اور ہیں مہجور تو وہ گریہ کناں ابر آسا

اُس طرف ابرِ سیہ اِس طرف آہوں کے ہجوم
ہے اُدھر مینھ تو اِدھر آنسو کا ٹپکا ہے لگا

سُن پپیہے کی وہ پی پی کی صدا کہتے ہیں
چپ بھی ہو رہ اے کمبخت نہ جلتوں[۳] کو جلا

قصہ کوتاہ یہ کچھ رکھتے ہیں اندوہِ فراق
جن کے احوال پہ ہر ابر کو آتا ہے بُکا

اب[۲] میں ساون کے اندھیرے کی کروں کیا تعریف
کوئی تشبیہ نہیں ملتی مسرت پیرا

ہے تجسس تو بہت لیک میں اب حیراں ہوں
جعدِ شیریں کہوں یا زلفِ سیاہ لیلا

سجدۂ شکر کہیں نغمۂ رقاص کہیں
بوس و آغوش کہیں ساغر و مینا کی ادا

ایک جہاں بھیگے ہے ایک خلق ہے سیرابِ نشاط
ایک عالم کو ہے عیش و طرب و برگ و نوا

[۱] یہ شعر کچھ بجا دست اندازی کی نذر ہو گیا ہے ناظرین تصحیح فرمالیں
[۲] فصحا کے نزدیک متروک کا استعمال ہے
[۳] ہے اسکی بھی تصحیح فرمالیں ۱۲ اشرف علی

ب

۴۲

ان نے سرخ ہوے پھر بتِ عیار کے لب
دیکھ اس وقت تو اے دل مرے خونخوار کے لب

منفعل ہو کے کبھی دعویٔ سرخی نہ کرے
دیکھے گر لعلِ بدخشاں مرے دلدار کے لب

خوف نرمی و نزاکت کا مجھے ہے ورنہ — چوم لوں میں ابھی اس شوخ پری وار کے لب

لذتِ زندگی اس دم مجھے ہووے گی نظیر
جب ملے ہوں گے بہم میرے لب اور یار کے لب

۴۳

اس کی تجلی سے کب ہووے دوچار آفتاب — ایک تو کیا ہے اگر ہوویں ہزار آفتاب
پاس ادب ہے اُسے ورنہ ترے حسن پر — حکم جو ہو تو ابھی ہووے نثار آفتاب
خانۂ زیں میں تجھے دیکھے تو پھر رشک سے — توسنِ افلاک پر ہو نہ سوار آفتاب
ایک نظر گر تجھے دیکھیں تو شادی سے پھر — مہ کو لگیں چار چاند، مہر کو چار آفتاب

جیسے یہ ہیں مہر و مہ ایسے تو اس کے نظیر
چمکیں ہیں سو ماہتاب اور ہزار آفتاب

۴۴

ہو تیرے مہرِ حسن سے کب ہمسر آفتاب — ذرہ تری نگاہ سے ہو یکسر آفتاب
تو حسن میں وہ مہرِ سپہرِ جمال ہے — ہر روز جبہہ سا ہے ترے در پر آفتاب
ہر لحظہ تیرے چہرۂ انور کے وصف میں — یہ بیت پڑھ رہا ہے فدا ہو کر آفتاب
از بہر دفع چشم بد از روئے خوب تو — سیارہ ہا سپند شود، مجمر آفتاب

اس مہر کبریا کی اشارت سے اے نظیر
مغرب تلک پہونچ کے پھرا الٹا آفتاب

۴۵

ہوا جو ہم کو وہ کوچۂ چمن سرشت نصیب — خدا نے ہم کو اسی جا کیا بہشت نصیب
جدا جو اس سے ہوئے ہم تو اپنی قسمت سے — ہے وہ تو خوب پر اپنے ہی کچھ ہیں زشت نصیب
لکھیں نہ حرف وفا کیا کریں کہ ازل سے — ہوئی قلم کو ہمارے یہی نوشت نصیب

زمینِ دل میں گرایا ہے تخم تو لیکن / کریں گے دیکھیے سرسبز کب یہ کشت نصیب

یہ کم نصیب ہوئے ہم کہ بعد مرگ نظیرؔ
ہوئی مزار کو اپنے نہ ایک خشت نصیب

۴۶

ساقی شراب ہے تو غنیمت ہے اب کی اب / پھر بزم ہوگی جب تو سمجھ لیجو جب کی جب
ساغر کے لب سے پوچھیے اس لب کی لذتیں / کس واسطے کہ خوب سمجھتا ہے لب کی لب
کم فرصتی سے عمر کی اپنی ہزار حیف / جتنی تھیں خواہشیں وہ رہیں دل میں سب کی سب
سن کر وہ کل کی آج نہ ہو، کس طرح خفا / اے ناشناس طبع کہی تو نے کب کی کب

پھولا ہوا بدن میں سماتا نہیں نظیرؔ
وہ گل بدن جو پاس رہا اس کے شب کی شب

۴۷

کچھ اور تو نہیں ہمیں اس کا عجب ہے اب / یعنی وہ شوخ ہم سے خفا بے سبب ہے اب
آہ و فغان و گریہ و اندوہ و درد و داغ / جو جنس عشق ہے وہ مرے پاس سب ہے اب
دیکھے سے جس کے غنچہ صفت گل ہو رشک سے / ایسا تو اس چمن میں وہی غنچہ لب ہے اب
صبح فلک بھی جس کی تجلی سے ہو خجل / اس رشک ماہتاب سے اپنی وہ شب ہے اب
آئینہ ایک دم نہیں رکھتا ہے ہاتھ سے / ایسا وہ اپنے رخ کا تماشا طلب ہے اب

اس گل بدن کے وصل سے ہر دم نظیرؔ کو
سب سے زیادہ خلق میں عیش و طرب ہے اب

۴۸

بوسہ اس دل سے نہ کر اے دلِ افگار طلب / نہ زیادہ طلبی ہے نہ ہو دشوار طلب
جلد آ یار کہ اب ہم کو ستاتے ہیں بہت / گوش گفتار طلب، دیدۂ دیدار طلب

ربط اس عربدہ جو سے ہمیں کس طور سے ہو — ہم تو ہیں صلح طلب وہ ہے پیکار طلب
آرزو خوب ہے موقع سے اگر ہو ورنہ — اپنے مقصود کو کم پہونچے ہیں بسیار طلب

عذر عاصی کو نہیں چاہیے کچھ اس سے نظیر
جس خطا پوش کی رحمت ہے گنہگار طلب

۴۹

کس کے لیے کیجیے جامۂ دیبا طلب — دل تو کرے ہے مدام دامن صحرا طلب
کام وا ہوں بھلا اس سے ہم اب کس طرح — اس کو تمنا نہیں، ہم ہیں تمنا طلب
کس سے کہیں کیا کریں ہے یہ تماشے کی بات — وہ تو ہے پردہ نشیں ہم ہیں تماشا طلب
کہیے تو کس کس سے اب غور کرے وہ طبیب — جس کے طلبگار ہوں لاکھو مداوا طلب

ایک تمنا ہو تو یار سے کہیے نظیر
دل ہے پر از آرزو دیکھیے کیا کیا طلب

۵۰

ہے اب تو وہ ہمیں اس سر و سیم بر کی طلب — کہ طائران ہوا سے ہے، بال و پر کی طلب
جو کہیے حسن کو خواہش نہیں یہ کیا امکاں — اُسے بھی اہل نظر سے ہے اک نظر کی طلب
کمال عشق بھی خالی نہیں تمنا سے — جو ہے ایک آہ تو اس کو بھی ہے اثر کی طلب
پری رخوں کو غرض کیا تھی زیب و زینت سے — نہ ہوتی گر انھیں اپنے نظارہ گر کی طلب
طلب سے کس کو رہائی ہے بحر ہستی میں — اگر صدف ہے تو اس کو بھی ہے گہر کی طلب
چمن میں بلبل و گل بھی ہیں اپنے مطلب کے — اسے ہے گل کی طلب، اس کو مشت پر کی طلب

جہاں وہ باغ تمنا ہے جس کے بیچ نظیر
جو اک شجر ہے تو اُس کو بھی ہے ثمر کی طلب

۵۱

ہو کس طرح نہ ہم کو ہر دم ہوائے مطلب — دیکھا جو خوب ہم نے دنیا ہے جائے مطلب
جو گلبدن کہ آیا آغوش میں ہمارے — کچھ اور بو نہ نکلی اس میں سوائے مطلب
عشاق کی بھی الفت خالی نہیں غرض سے — مرتے ہیں یہ بھی اس پر جس سے برائے مطلب
کوئی کسی کے اوپر ہم نے فدا نہ دیکھا — منھ پر فدا ہیں لیکن دل میں فدائے مطلب
مطلب کے آشنا کو ہو کس سے آشنائی — کب آشنا کسی کا ہو آشنائے مطلب
گر بزم رقص دیکھی تو واں بھی گوش دل میں — کوئی صدا نہ آئی غیر از صدائے مطلب
زیر فلک تو ہم سے جاتی نہیں تمنا — ہاں پھر فلک پہ جاویں جب ہم سے جائے مطلب
وہ آبرو کہ جس پر کرتے ہیں جاں تصدق — اسکو بھی دے چکے ہیں اکثر برائے مطلب

جب حرف آبرو تک پہونچا نظیر پھر تو
کیا کہیئے ایسی جا گہ جز یہ کہ ہائے مطلب

۵۲

یوں جھمکتا ہے رخ اس محبوب کا زیر نقاب — ہو نمایاں جس طرح ابر تنک میں آفتاب
دیکھ اس مہ رو کے رخ کا رات چشم تر میں عکس — کیا ہی لوٹا رشک سے دریا میں عکس ماہتاب
کیا نزاکت ہے کہ اس نازک کمر کے روبرو — رشتۂ ساں حسرت سے کھاتی ہے رگ گل پیچ و تاب
رنگ رخسار اس گل باغ حیا کا دیکھ کر — قطرۂ شبنم نہیں، ہے شرم سے گل آب آب
وہ عرق آلود رخ جس دن سے آیا ہے نظر — جب سے ہم واقف نہیں کیسا گل اور کیسا گلاب
جس کی ایکدم لڑ گئی اس چشم میگوں سے نگاہ — پھر اُسے یارو کہاں کا جام اور کیسی شراب

خواب کر جاتا ہے رم ایک لخت آنکھوں سے نظیر
یاد آجاتی ہے جب ساقی کی چشم نیم خواب

۵۳

جو کچھ ہے حسن میں ہر مہ لقا کو عیش و طرب
وہی ہے عشق میں ہر مبتلا کو عیش و طرب
اگرچہ اہل نوا خوش ہیں، ہر طرح لیکن
زیادہ اُن سے ہے ہر بینوا کو عیش و طرب
وہ میکدے میں حلاوت ہے رند میکش کو
جو خانقاہ میں ہے پارسا کو عیش و طرب
رکھے ہے ہر تن عریاں برہنہ پائے وہی
جو کچھ ہے صاحب اسپ و قبا کو عیش و طرب
کمال قدرت حق ہے نظیر کیا کہیئے
جو شاہ کو ہے وہی ہے گدا کو عیش و طرب

۵۴

جو اس کی چشم گلابی کی دیکھ پائے شراب
تو اس کو حشر تلک ہو نہ پھر ہوائے شراب
ہماری بزم میں ہے مے فروش کا کیا کام
وہ اپنے واں کے ہی لوگوں میں بیچ کھائے شراب
ہم اس شراب کے خواہاں نہیں ہیں اے ساقی
پییں جو تو ہمیں اس چشم کی پلائے شراب
نشہ جو اس کی نگہ میں ہے وہ نہ ہو ہرگز
اگر ہزار طرح کی کوئی بنائے شراب
جہاں میں موسم گل ہے میں کیا کروں ہیہات
مجھے تو آب میسر نہیں چہ جائے شراب
بہ قول حضرت صائب ہزار حیف نظیر
کہ در بہار ندارم بہ کف بہائے شراب

۵۵

ہو حسن اثر کیوں نہ مری آہ میں یارب
سب کچھ ہے مہیا تری درگاہ میں یارب
پہونچے ہے وہی منزل مقصود کو جو شخص
چلتا ہے فدا ہو کے تری راہ میں یارب
ہر چاہ میں ملتا ہے اسے یوسف اقبال
جو تشنہ دو دالا ہے تری چاہ میں یارب
جو خانہ بدوشی میں ہے طالب کو ترے عیش
وہ عیش نہیں خیمہ و خرگاہ میں یارب

ایسا ہی طلبگار نظیرؔ اپنے کو رکھیو
ہر طور میں، ہر رسم میں، ہر راہ میں یارب

٥٦

ترے مریض کو اے جان شفا سے کیا مطلب
وہ خوش ہے درد میں اس کو دوا سے کیا مطلب

فقط جو ذات کے ہیں دل سے چاہنے والے
انھیں کرشمہ و ناز و ادا سے کیا مطلب

نہال تازہ رہیں نامیہ کے منت کش
درخت خشک کو نشو و نما سے کیا مطلب

مراد و مقصد و مطلب ہیں سب ہوس کے ساتھ
ہوس ہی مر گئی پھر مدعا سے کیا مطلب

مجھے وہ پوچھے تو اس کا ہی لطف ہے ورنہ
وہ بادشاہ ہیں گے مجھ گدا سے کیا مطلب

جو اپنے یار کے جور و جفا میں ہیں مسرور
انھیں پھر اور کے مہر و وفا سے کیا مطلب

رضائے دوست جنھیں چاہیئے بہر صورت
نظیرؔ پھر انھیں اپنی رضا سے کیا مطلب

٥٧

نہ دل میں صبر نہ اب دیدۂ پُر آب میں خواب
شتاب آ کہ ہمیں آوے اس عذاب میں خواب

جہاں بھی خواب ہے اور ہم بھی خواب ہیں لے دل
عجب بہار کا دیکھا یہ ہم نے خواب میں خواب

ہماری چشم کا اے شہسوار توسن ناز
جو غور کی تو کیا ہے تری رکاب میں خواب

ہر ایک مکاں میں گزرگاہِ خواب ہے لیکن
اگر نہیں تو نہیں عشق کے جناب میں خواب

ہجوم اشک میں لگتی ہے چشم تر اس طور
کہ جیسے ماہی کو آتا ہے اپنے آب میں خواب

روا روی میں لگے آنکھ کس طرح سے نظیرؔ
مسافروں کو کہاں ایسے اضطراب میں خواب

٥٨

ہنسنا ہو ازل سے کب اے یار کے نصیب
رونا ہماری دیدۂ خونبار کے نصیب

دل سا دُرِ یتیم بکا اک نگہ کے مول
کیا کہیے خیر یہ بھی خریدار کے نصیب

بھیجے ہیں جام خور میں ہو اہر سحر مسیح
اس اوج پر ہیں اب ترے بیمار کے نصیب

بازارِ یوسفی میں نہ دیکھی تھیں خواب میں
جو گرمیاں ہوئیں ترے بازار کے نصیب

دیکھو اس کو آج باغ میں بولیں یہ بلبلیں
بارے کھُلے ہمارے بھی گلزار کے نصیب

غش تھے معانقے کی تمنا میں ہم دلے
وہ بھی سنا کہ اب کے ہوا یار کے نصیب

کل ہم سے روٹھ کر وہ رقیبوں سے جا ملا
چمکے ہیں کیا ہی دیکھیے اغیار کے نصیب

جس گُل کو اپنے سر پہ چڑھاتے تھے ہم نظیرؔ
وہ گُل ہوا رقیب کے دستار کے نصیب

۵۹

نامہ کو میرے دھو کے نہ اُس نے لکھا جواب
+ + + + + + + ہوا جواب

اتنا تو نامہ بر سے نہ ہوتا میں شرمسار رہا
اے کاش بھیجتا وہ بُرا یا بھلا جواب

پھروں تلک میں کہتا ہوں حال بنا پر مجھے
وہ اپنی ایک بات میں کرتا ہے لاجواب

حاضر جوابی دیکھو کہ لب سے مرے ہنوز
نکلا نہیں سوال کہ واں ہو گیا جواب

کوچے سے اس کے آتا ہوں یوں ہو کے ناامید
نو کر شکستہ حال کو جیسے ملا جواب

کہتا ہے تو تو جیتا ہے اتنی خوشی سے اب
ورنہ میاں خدا تو تجھے دے چکا جواب

کھوئی تمام عمر بتوں کی جناب میں
دے گا نظیرؔ کیا تو خدا کو بھلا جواب

۶۰

تمھاری آن عزیزا ادر ہر ایک ادا محبوب
تمھیں ہو حسن میں اب سر سے تا بہ پا محبوب

تمھیں تو ہو کہ تمھیں دیکھنے ہم آتے ہیں
وگرنہ یوں تو ہزاروں ہیں جابجا محبوب

کہیں جو ہم تمھیں محبوب مت بُرا مانو
بھلا ہم اور کہیں کیا تمھیں سوا محبوب

جو چاہے آپ سے محبوب بن سکے کیا ذکر
وہی بنے ہے کہ جسکو خدا کرے محبوب

تمھاری آج وہ محبوبیاں ہیں نام خدا
کہ تم کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں دلربا محبوب

کوئی کہے ہے یہ صد اشتیاق دل یا دوست
کوئی پکارے ہے بیتاب ہوکے یا محبوب

نظیر بھی تمھیں اب دیکھ کر یہ کہتا ہے
الٰہی خلق ہو اور میں ہوں اور مرا محبوب

٦١

گزرے خوشی سے نہ دو دم کبھی اے وائے نصیب
لکھتے عجب کلک وہ جس سے مرے لکھوائے نصیب

قاصد اس دولت بیدار سے کہیو کہ کبھی
دو گھڑی آکے ہمارے بھی جگا جائے نصیب

آویں ہم بھی جو تری بزم میں جوں شمع لے جاں
ایسے ہم سوختہ بختوں نے کہاں پائے نصیب

یار دیکھ اس کو لگے رکھنے عداوت مجھ سے
دوست بھی ہو گئے دشمن مرے ای وائے نصیب

ایک دم نزع میں لائے نہ اسے بالیں پر
اپنی قسمت سے تو اتنے بھی نہ کام آئے نصیب

یاد آتا ہے ہمیں جب وطن اپنا تو نظیر
سر کو حسرت سے پٹک کہتے ہیں ہم ہائے نصیب

٦٢

یہ گلہ دل سے تو ہرگز نہیں جانا صاحب
سب نے جانا ہمیں پر تم نے نہ جانا صاحب

ان بیانوں سے غرض ہم نے یہ جانا صاحب
آپ کو خون ہمارا ہے بہانا صاحب

چھوڑ کر آپ کے کوچے کو پھریں صحرا میں
سو تو مجنوں سا نہیں ہم نہیں دوانا صاحب

یاد تھے ہم کو جوانی میں تو سو مکر و فریب
ایک کرشمہ تھا تمھیں دام میں لانا صاحب

اب جو بوڑھے ہیں تو اب بھی ہمیں شیطان نظیر
ہنس کے کہتا ہے اجی آئیے نانا صاحب

٦٣

پھر اسے شرم کچھ ہے ہم کو حجاب — ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب
کیوں نہ عشرت دوچند ہو جو ملے — یار مہ چہرہ اور شب مہتاب
زور کیفیتیں دکھاتے ہیں — ساقیٔ گلعذار و بادۂ ناب
کرتے ہیں تار تار جیب الم — تار قانون و بین و چنگ و رباب
وقت خلوت یہ ہم نے اس سے کہا — اب تو ٹک منھ سے دور کیجیے نقاب
بولے ہم تو ابھی اُٹھا دیں مگر — ق — لائیں کب آپ دیکھنے کی تاب

اور جو آجاوے غش تمھیں تو نظیر
پھر چھڑکنا پڑے گا ہم کو گلاب •

٦٤

میں ہوں اور مہ رو ہے اور ساقی ہے اور بزم شراب — پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
جوش عشرت دور ساغر رقص خوباں صحن باغ — پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
قصر رنگیں فرش زریں وقت خلوت جائے عیش — پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
بوسہ بازی ہمکناری بے حجابی سرخوشی — پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
خوش لباسی خوش معاشی خوش مذاقی خوش دلی — پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
گل فشانی شادمانی، کامرانی، خرمی — پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
عشق بازی عیش سازی شہ خیالی بے غمی — پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
دل کشائی بادہ نوشی، ذوق مستی خرمی — پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب

اس طرح کی عشرتوں میں اب تو بیٹھا ہے نظیر
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب

٦٥

بزمِ طرب، وقتِ عیش، ساقی و نقل و شراب — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
مجمعِ خوباں و مے، زمزمۂ چنگ و نے — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
صحنِ چمن، حسنِ گل، ابر و ہوا، شربِ مل — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
عشرتِ صبحِ بہار، سیرِ گل و لالہ زار — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
رقصِ بتِ غنچہ لب، کثرتِ عیش و طرب — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
عشق کے عجز و نیاز، حسن کے انداز و ناز — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
مستیٔ میخانہ ہا، گردشِ پیمانہ ہا — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
شادیٔ وصلِ بتاں، صحبتِ مہ طلعتاں — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
غلغلِ کوسِ نشاط، خوش دلی و انبساط — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب
ثروتِ مال و منال، حشمت و جاہ و جلال — کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

قصر و محلِ دل پذیر، زینت و زیب اے نظیرؔ
کوئی اسے کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں خواب

٦٦

کہا یہ آج ہمیں فہم نے سنو صاحب — یہ باغِ دہر غنیمت ہے دیکھ لو صاحب
جو رنگ و بو کے اٹھانے ہیں حظ اٹھا لیجے — مبادا پھر کفِ افسوس کو ملو صاحب
یہ وہ چمن ہے نہیں ایک سے نہیں جس میں — تبدل اس کا ہر اک گل سے سمجھ لو صاحب
کہ تھا جو صبح شگفتہ نہ تھا وہ شام کے وقت — جو شام تھا سو نہ دیکھا وہ صبح کو صاحب
پس اس مثال سے ظاہر ہو یہ سخن یعنی — اسی طریق سے عالم میں تم بھی ہو صاحب

جو سرنوشت ہے ہوگا اسی طرح سے نظیرؔ
قضا قضا نہیں ہونے کی کچھ کرو صاحب

٦٧

تمھارے ہاتھ سے کل ہم بھی رو لیے صاحب
جگر کے داغ جو دھونے تھے دھو لیے صاحب

غلام عاشق و چاکر مصاحب و ہمراز
غرض جو تھا ہمیں ہونا سو ہو لیے صاحب

قرار و صبر جو کرنے تھے کر چکے برباد
حواس و ہوش جو کھونے تھے کھو لیے صاحب

ہمارے وزن محبت میں کچھ ہو فرق تو اب
پھر امتحاں کی ترازو میں تو لیے صاحب

کچھ انتہائے بکا ہو تو اور بھی یک چند
سرشکِ چشم سے موتی کو رو لیے صاحب

کل اس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش
کہ اب تو آپ بھی ٹک لب کو کھولیے صاحب

یہ سن کے میں نے نظیر اس سے یوں کہا ہنس کر
جو کوئی بولے تو البتہ بولیے صاحب

غزل نمبر ۵۳ ص ۶۲ کے بقیہ اشعار

لعل بھی ہو رشک سے یاقوت زرد
دیکھے اگر اس ڈرِ یکتا کے لب

تھی وہ اسی لب کی شکر جس کو دیکھ
مصر میں چکھے تھے زلیخا کے لب

پ

٦٨

رکھتا ہے صدا ہونٹ کو جوں گل کی کلی چپ
وہ غنچہ دہن آہ یہ سیکھا ہے بھلی چپ

سوتا ہے تو لیتا ہوں میں یوں چوری سے بوسہ
جوں منھ میں کھلاوے کوئی مصری کی ڈلی چپ

منت سے کہا ہم نے تو تم آہ نہ بولے
جب غیر نے کی گدگدی پھر کچھ نہ چلی چپ

پروانے سے عاشق کے تئیں شمع جلا کر
پھر آپ بھی روتی ہے کھڑی بخت جلی چپ

سبزی بھی اگی باغ میں غنچے بھی کھلے آہ
پر اس مری گونگی کے لبوں سے نہ ٹلی چپ

غصے میں رقیب آتا ہے جب بھبوت سا بنکر
مرجائیں پہ شکوے کی کبھی بات نہ نکلے
جس دم یہ خبر جاکے رقیبوں کو ہوئی پھر

پڑھتا ہوں میں جب دل میں کھڑا نادِ علی چپ
یہ ہونٹھ وہ ہیں جن میں ازل سے ہے پڑی چپ
بس سنتے ہی سُن ہوگئے اور سانس نہ لی چپ

اُلٹی ہی سمجھ یار کی سنتا ہے نظیر آہ
زنہار نہ کچھ بولیو یاں سب سے بھلی چپ

ت

۶۹

نہ چین گھر میں نہ کل ہے باہر نہیں جو تم نے دکھائی صورت
تمھارے ناز و عتاب نے تو عجب ہماری بنائی صورت

وہ شکل دیکھی تو ہو کے بے حس رہے تحیر میں اس طرح ہم
+ + + + + + + + جو آئی صورت

نظر میں آنکھوں میں اور جہاں میں بھری اسی کی وجاہتیں ہیں
کچھ ایسے نقشے سے اپنے دل میں ہے اب کسی کی سمائی صورت

پری کی بیہودہ ہمسری نے کیا جو اس کا مزاج برہم
تو آپ ہی ہو کر خجل وہ بولی کہ ایسی کب ہم نے پائی صورت

بیاں ہو کیا حسن صورت اس کا جو دیکھ آئینہ ہے یہ کہتا
ہو ایسی صورت تو پھر غرض کیا ہمیں جو دیکھیں پرائی صورت

الم میں چاہت کے اب ہماری بدل گئی ہے جو شکل ہمدم
کسی کو پھر یاد کیا رہے جب ہمیں نے اپنی بھلائی صورت

نظیر محفل میں گل رخوں کی جو ہم نے دیکھا تو اُن سبھوں میں

فدا ہوا ہے دل اپنا جس پر اُسی کی ہم کو خوش آئی صورت

تری قدرت کی قدرت کون پا سکتا ہے کیا قدرت
ترے آگے کوئی قادر کہا سکتا ہے کیا قدرت

تو وہ یکتائے مطلق ہے کہ یکتائی میں اب تیری
کوئی شرکت دوئی کا حرف لا سکتا ہے کیا قدرت

زمیں سے آسماں تک تو نے جو جو رنگ رنگے ہیں
یہ رنگ آمیزیاں کوئی دکھا سکتا ہے کیا قدرت

ہزاروں گل کے ہزاروں گلبدن تو نے بنا ڈالے
کوئی مٹی سے ایسے گل کھلا سکتا ہے کیا قدرت

ہوئے ہیں نور سے جن کے زمین و آسماں پیدا
کوئی یہ چاند یہ سورج بنا سکتا ہے کیا قدرت

ہوا کے فرق پر کوئی بنا کر ابر کا خیمہ
طنابیں تار باراں کی لگا سکتا ہے کیا قدرت

جم و اسکندر و دارا و کیکاؤس و کیخسرو
کوئی اس ڈھب کے دل بادل بنا سکتا ہے کیا قدرت

کیا نمرود نے گو کبر سے دعویٰ خدائی کا
کہیں اُس کا یہ دعویٰ پیش جا سکتا ہے کیا قدرت

نکالا تیرے اک پشّے نے کفشیں مار مغز اُس کا
سوا تیرے خدا کوئی کہا سکتا ہے کیا قدرت

نکالے لکڑیوں سے تو نے جس جس لطف کے میوے
کوئی پیڑوں میں یہ پیڑے لگا سکتا ہے کیا قدرت

ترے ہی خوانِ نعمت سے ہے سب کی پرورش، ورنہ
کوئی چیونٹی سے ہاتھی تک کھلا سکتا ہے کیا قدرت

ہماری زندگانی کو بغیر از تیری قدرت کے
کوئی پانی کو پانی کر بہا سکتا ہے کیا قدرت

ترے حسن تجلی کا، جہاں ذرّہ جھمک جاوے
تو پھر موسیٰ کوئی واں تاب لا سکتا ہے کیا قدرت

دمِ عیسیٰ میں وہ تاثیر تھی تیری ہی قدرت کی
وگرنہ کوئی مردے کو جلا سکتا ہے کیا قدرت

تو وہ محبوب چنچل ہے کہ بار ناز کو تیرے
بغیر از مصطفےٰ کوئی اُٹھا سکتا ہے کیا قدرت

نظیر اب طبع پر جب تک نہ فیضانِ الٰہی ہو
کوئی یہ لفظ یہ مضمون بنا سکتا ہے کیا قدرت

۱۷۱

رات

کھینچ کر اس ماہ رو کو آج یاں لائی ہے رات
یہ خدا نے مدتوں میں ہم کو دکھلائی ہے رات

چاندنی ہے رات ہے خلوت ہے صحن باغ ہے
جام بھر ساقی کہ یہ قسمت سے ہاتھ آئی ہے رات

بے حجاب و بے تکلف ہو کے ملنے کے لیے
وہ تو ٹھہرا تے تھے دن پر ہم نے ٹھہرائی ہے رات

جب میں کہتا ہوں کسی شب کو تو کافر یاں بھی آ
ہنس کے کہتا ہے میاں ہاں وہ بھی بنوائی ہے رات

کیا مزہ ہو ہاتھ میں زلفیں ہوں اور یوں پوچھیے
اے مری جاں سچ کہو تو کتنی اب آئی ہے رات

جب نشے کی لہر میں بال اُس پری کے کھل گئے
صبح تک پھر تو چمن میں کیا ہی لہرائی ہے رات

دور میں حسن بیاں کے ہم نے دیکھا بارہا
رُخ سے گھبرایا ہے دن زلفوں سے گھبرائی ہے رات

ہے شب وصل آج تو دل بھر کے سو دے گا نظیرؔ
اس نے یہ کتنے دنوں میں عیش کی پائی ہے رات

۱۷۲

شب برات

عالم کے بیچ جس گھڑی آتی ہے شب برات
کیا کیا ظہور نور دکھاتی ہے شب برات

دیکھے ہے بندگی میں جسے جاگتا تو پھر
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہے شب برات

روشن ہیں دل جنھوں کے عبادت کے نور سے
اُن کو تمام رات جگاتی ہے شب برات

بخشش خدا کی راہ میں کرتے ہیں جو محب
برکت ہمیشہ اُن کی بڑھاتی ہے شب برات

خالق کی بندگی کرو اور نیکیوں کے دم
یہ بات ہر کسی کو سناتی ہے شب برات

غافل نہ بندگی سے ہو اور خیر سے ذرا
ہر لحظہ یہ سبھوں کو جتاتی ہے شب برات

حُسنِ عمل کرو جو بھلا عاقبت میں ہو — سب کو یہ نیک راہ بتاتی ہے شبرات
لے کر امیر حمزہ کے ہر بار نام کو — خلقت کو ان کی یاد دلاتی ہے شبرات

کیا کیا میں شبِ برات کی خوبی کہوں نظیرؔ
لاکھوں طرح کی خوبیاں لاتی ہے شبرات

غزل نمبر ۱۷۱ص ۶۹ کے بقیہ اشعار

مطلع

اے چشم جو یہ اشک تو بھر لائی ہے کم بخت — اس میں تو سراسر مری رسوائی ہے کم بخت
الفت میں تو اے دل تری رسوائی ہے کم بخت — کمبخت تجھے کیا یہی اب بھائی ہے کم بخت
اس قد میں جو رعنائی و زیبائی ہے اے سرو — مت بھول کہ وہ تو نے نہیں پائی ہے کم بخت

مطلع [1]

آگے ہی دل اپنا تو یہ سودائی ہے کم بخت — اور تس پہ سُنا یہ کہ بہار آئی ہے کم بخت

د

۷۳

بر سرِ بام دل زلف نے ڈالی کمند — پھرنے کی ہر گز نہیں اب کے یہ خالی کمند
ہاتھ لگا زلف کو اس کا تری گھات میں — بھاگ رے دل ورنہ دیکھ اس نے سنبھالی کمند
مر کے بھی چھٹتا نہیں اس میں بندھا جو غرض — کاکلِ پرپیچ ہے سب سے نرالی کمند
جب وہ چلا صید کو ابرو نے لی کمان — گیسوئے بل دار نے جھپ سے اٹھالی کمند

[1] یہ مطلع کسی دوسری غزل کا ہے غزل دستیاب نہیں ہوئی ۱۲ اشرف علی

شال کے جھرمٹ میں زلف کے ہے چھپا اسلیے
یعنی ملا جب کہ صید تو تو نکالی کمند

اور نہ چڑھا جو کوئی گھات کے اوپر نظیر
تو اسی جھرمٹ میں پھر اپنی چھپا لی کمند

۷۴

کیا نہ جس نے ہمیں نامہ و پیام سے یاد
ستا رہی ہے ہمیں اس کی آج شام سے یاد

جگر میں جوش تپش اور بہ لب ہجوم فغاں
ہوئی ہے آج یہ کچھ اس کی ازدہام سے یاد

ہمارے آگے نہ لو نام گل کوئی ورنہ
وہ گلبدن ہمیں آوے گا گل کے نام سے یاد

دلایا نالہ ہمیں یاد بڑھ کے بلبل نے
یہ بات سچ ہے کہ آتا ہے کام، کام سے یاد

علیحدہ خط وہ لکھے گا نظیر کیا جس نے
کیا نہ غیر کے خط میں کبھی سلام سے یاد

ر

۷۵

اس کے بن دیکھے جو مر جاؤں میں آنکھیں پھیر کر
ڈر خدا سے اے فلک اتنا تو مت اندھیر کر

میں تو بے غیرت نہیں کیا جاؤں اس بدخو کے پاس
کون سا کم بخت پھر لاتا ہے مجھ کو گھیر کر

داغ مرنے کا نہ ہی محروم جانے جس کو آہ
موت آ پہنچی شتاب اور یار آیا دیر کر

۷۶

اے مری جان ہمیشہ ہو تری جان کی خیر
نازکی دور بلا، حسن کے سامان کی خیر

رات دن شام سحر پہر گھڑی پل ساعت
مانگتے جاتی ہے ہم کو تری آن کی خیر

مہندی چوٹی ہو سوائی ہو چمک پٹی کی
عمر چوٹی کی بڑی زلف پریشان کی خیر

بے طرح بوجھ سے جھمکوں کے جھکے پڑتے ہیں — کیجو اللہ تو ان جھمکوں کی اور کان کی خیر
پان کھایا ہے تو اس وقت بھی لازم ہے یہی — ایک بوسہ ہمیں دیجیے لب و دندان کی خیر
آنکھ اُٹھا دیکھیے اور دیکھ کے ہنس بھی دیجیے — اپنے کاجل کی زکوٰۃ اور مسی و پان کی خیر
پہلے جس آن تمھاری نے لیا دل ہم سے — اب تلک مانگتے ہیں دل سے ہم اُس آن کی خیر
کیا غضب نکلے ہے بن ٹھن کے وہ کافر یارو — آج ہوتی نظر آتی نہیں ایمان کی خیر

جتنے محبوب پری زاد ہیں دنیا میں نظیرؔ
سب کے اللہ کرے حُسن کی اور جان کی خیر

۷۷

سحر ہم نے چمن اندر عجب دیکھا کل اک دلبر — سہی قامت پری پیکر، مقطع وضع خوش منظر
سخن بر غنچہ لب گل رو، جبیں مہر اور کماں ابرو — دو چشم شوخ پُر جادو نگہ تیر اور مژہ نشتر
شمیم زلف مشک افشاں تغافل سو ستم ساماں — غرور اور ناز بے پایاں مزاج اور طبع نازک تر
ادائیں سب فسوں آئین چھوڑیں دل نہ چھوڑیں دیں — فریب و عشوہ صلح آگیں عتاب و غمزہ جنگ آور
یہ دیکھا ہم نے جب عالم تو رکھ دل ہاتھ پر باہم — کہا ہیں نذر کرتے ہم جو لے لیجیے تو ہے بہتر
کہا اے جا تو اپنا دل کہ تو کیا اور تیرا دل — نہ لیویں ہم تو ایسا دل، کہا جب ہم نے یوں ہنس کر
یہی ایک دل ہے بیچارہ بھلا ہے یا کہ ناکارہ — ق — اگرچہ ہے یہ آوارہ و لیکن ہے وفا پرور
جو نامنظور کرتے ہو تو ترد و یہ کب اٹھتا ہی — ہے جب تک دم میں دم اسکے رہے گا یہ اسی در پر

نظیرؔ اس نے سنا یہ جب تو بولا یوں وہ شیریں لب
ہمارا ہو چکا یہ اب، بس اس قصے کو کوتہ کر

۷۸

بہار

گلشن عالم میں جب تشریف لاتی ہے بہار — رنگ و بو کے حسن کیا کیا کچھ دکھاتی ہے بہار

صبح کو آکر نسیم دل کشا ہر شاخ پر — تازہ تر کس کس طرح کے گل کھلاتی ہے بہار
نونہالوں کی دکھا کر دمبدم نشو و نما — جسم میں روح رواں کیا کیا بڑھاتی ہے بہار
بلبلیں چہکارتی ہیں شاخِ گل پر جابجا — بلبلیں کیا فی الحقیقت چہچہاتی ہے بہار
حوض و فوّاروں کو دے کر آبرو پھر لطف سے — کیا مطرّا فرش سبزے کا بچھاتی ہے بہار
جنبش باد صبا سے ہو کے ہم دوش نشاط — ساتھ ہر سبزے کے کیا کیا لہلہاتی ہے بہار
خلق کو ہر لحظہ اپنے حسن کی رنگت دکھا — بے تکلف کیا ہی ہر دل میں سماتی ہے بہار
مجمعِ خوباں ہجوم عاشقاں اور جوشِ گل — دیکھ ان رنگوں کو کیا کیا کھلکھلاتی ہے بہار

گل رخوں کی دیکھ کر گل بازیاں ہر دم نظیرؔ
گل ادھر خنداں، ادھر دھومیں مچاتی ہے بہار

ز

٧٩

نہ ادا میں مزا نہ لذت ناز — آہ کا ہے کو خط ہوا آغاز
نام سنتے ہی اس پری رو کا — ہوش اپنے تو کر گئے پرواز
دیکھ تنہا نظیرؔ کو خاموش — بولا آپ ہی سے وہ بت طنّاز
مار ڈالا تری خموشی نے — کچھ تو تقریر بیاں کر اپنا راز
جب تو لاچار ہو کے بھر کر آہ — یہی اس نے کہا کہ بندہ نواز

عاشقاں کشتگان معشوق اند
بر نہ آید زرفتگاں آواز

س

٨٠

انکار ہم سے غیر سے اقرار بس جی بس
دیکھے تمھارے ہم نے یہ اطوار بس جی بس

اتنا ہو جائے رحم جو کرتا ہے وہ جفا
دل اس سے رو کے کہتے ہیں اغیار بس جی بس

ساقی ہمیں پلائیے یوں جام پے بہ پے
جو ہم نشین کہہ اٹھیں یک بار بس جی بس

ہوں نا امید وصل سے یوں جیسے وقت نزع
رو کر کہے طبیب سے بیمار بس جی بس

غش ہوں میں وقت بوسہ جو کہتا ہے ہنس کے وہ
منہ کو ہٹا ہٹا کے یہ تکرار بس جی بس

اس کا جو بس جی بس مجھے یاد آوے ہے تو آہ
پہروں تلک میں کہتا ہوں ہر بار بس جی بس

کل وہ جو بولا کمک تو کہا ہم نے منہ پھرا
خیر اب نہ ہم سے بولیے زنہار بس جی بس

ق

ہم دل لگا کے تم سے ہوئے یاں تلک ہیں تنگ
جو اپنے جی سے کہتے ہیں لاچار بس جی بس

سن کر کہا کہ کیا مرے لگتی ہے دل میں آگ
شکوہ سے جب کرے ہے تو اظہار بس جی بس

ایسے طمانچے ماروں گا منہ میں ترے نظیر
گر تو نے مجھ سے پھر کہا ایک بار بس جی بس

ک

٨١

چتون درست سینہ بجا باتیں ٹھیک ٹھیک
ناز و ادا کی اس میں ہیں سب باتیں ٹھیک ٹھیک

کیا دل کو اچھی لگتی ہیں ان خوش قدوں کی آہ
یہ پیاری پیاری بولیاں یہ گاتیں ٹھیک ٹھیک

منہ میں طمانچے چھاتی میں گھونسا کمر میں لات
کیا کیا ہوئیں یہ مجھ پہ عنایاتیں ٹھیک ٹھیک

موقع سے بوسہ موقع سے گالی بھی ہم کو دی
کی شوخ نے یہ دونوں مداراتیں ٹھیک ٹھیک

جب دوستی میں قول کے پورے ہوں دونوں شخص — ہوتی ہیں پھر تو کیا ہی ملاقاتیں ٹھیک ٹھیک
جب بن پڑی تو شیخ جی شیخی نہ ماریں کیا — ہم سے بھی پھر تو ہو دیں کراماتیں ٹھیک ٹھیک

سچ ہے بقول حضرت سیّد نظیر آہ
بن آتی ہیں تو ہوتی ہیں سب باتیں ٹھیک ٹھیک

ل

۸۲

قصر رنگیں سے گزر باغ و گلستان سے نکل — ہے وفا پیشہ تو مست کوچۂ جاناں سے نکل
نکہت زلف یہ کس کی ہے کہ جس کے آگے — ہوئی خجلت زدہ بو سنبل و ریحاں سے نکل
گو بہار اب ہے و لے روز خزاں اے بلبل — یک قلم نرگس و گل جاویں گے بستاں سے نکل
امتحاں کرنے کو یوں دل سے کہا ہم نے رات — اے دل غمزدہ اس کاکل پیچاں سے نکل
کھا کے سو پیچ کہا میں تو نکلنے کا نہیں — مگر اے دشمن جان چل تو مرے ہاں سے نکل
ہو پریشانی سے جس کی مجھے سو جمعیت — کس طرح جاؤں میں اس زلف پریشاں سے نکل
لاکھ زنداں پر آفات میں ہوتا ہے وہ قید — جو کوئی جاتا ہے اس طور کے زنداں سے نکل
مجھ سے ممکن نہیں محبوب کی قطع الفت — گرچہ میں جاؤں گا اس عالم امکاں سے نکل

چاہ میں مجھ کو یہ مرشد کا ہے ارشاد نظیر
آبرو چاہے تو مست چاہ زنخداں سے نکل

ن

۸۳

نہ میں دل کو اب ہر مکاں بیچتا ہوں — کوئی خوب روے تو ہاں بیچتا ہوں

وہ مے جس کو سب بیچتے ہیں چھپا کر　　میں اُس مے کو یارو عیاں بیچتا ہوں
یہ دل جس کو کہتے ہیں عرش الٰہی　　سو اس دل کو یارو میں یاں بیچتا ہوں
ذرا میری ہمت تو دیکھو عزیزو　　کہاں کی ہے جنس اور کہاں بیچتا ہوں
لیے ہاتھ پر دل کو پھرتا ہوں یارو　　کوئی مول لیوے تو ہاں بیچتا ہوں
وہ کہتا ہے جی کوئی بیچے تو ہم لیں　　تو کہتا ہوں لو ہاں میاں بیچتا ہوں
میں ایک اپنے یوسف کی خاطر عزیزو　　یہ ہستی کا سب کارواں بیچتا ہوں
جو پورا خریدار پاؤں تو یارو　　میں یہ سب زمین و زماں بیچتا ہوں
زمیں آسماں عرش کرسی بھی کیا ہے　　کوئی لے تو میں لامکاں بیچتا ہوں
جسے مول لینا ہو لے لے خوشی سے　　میں اس وقت دونوں جہاں بیچتا ہوں
بکی جنس خالی دوکاں رہ گئی ہے　　سو اب اس دوکاں کو بھی ہاں بیچتا ہوں

محبت کے بازار میں اے نظیرؔ اب
میں عاجز غریب اپنی جاں بیچتا ہوں

٨٤

جان کر ہم سے نہ پوچھو کہ تم عاشق ہو بجاں　　ہم تو عاشق ہی تمھارے ہیں عیاں را چہ بیاں

٨٥

دو بدو اس بت سرکش سے نہ ہونا اے دل　　مژہ اور ابرو کی تیار ہے واں تیر و کماں
جب یہ کہتے ہیں کہ ہم دل سے تمھیں چاہتے ہیں
دیکھ کر ہم کو تعجب سے یہ کہتا ہے کہ ہاں

٨٦

چاہت کے اب افشا کن اسرار تو ہم ہیں　　کیوں دل سے جھگڑتے ہو گنہگار تو ہم ہیں
رو آئینے کو دیتے ہو بر عکس ہمارے　　آئینہ رُخو طالب دیدار تو ہم ہیں

گلشن میں عجب جاتے ہو کر حسن کی تزئین
اس جنس دل آرا کے خریدار تو ہم ہیں

کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ
حسرت زدۂ شوخیٔ رفتار تو ہم ہیں

کی چشم سوئے نرگس بیمار تو پھر کیا
اس عین عنایت کے سزاوار تو ہم ہیں

دل دے کے دل آزار کو کیا شکوۂ بیداد
گر سوچیے اپنے لیے آزار تو ہم ہیں

جس دن سے پھنسے دیکھی نہ پھر شکل رہائی
کیا کہیے نظیر ایسے گرفتار تو ہم ہیں

۸۷

عبث چمن میں نہیں گل عذار آتے ہیں
گلوں کو اپنی دکھانے بہار آتے ہیں

گھڑی گھڑی ہمیں دیکھ اپنے در پہ کہتا ہے
یہ کون ہیں جو ادھر بار بار آتے ہیں

قرار لینے کو جاتے ہیں ہم جب اس کے پاس
زیادہ اور بھی ہو بے قرار آتے ہیں

جو سادی وضع میں کل لے گئے تھے ہوش اور دل
سنا ہے آج وہ کر کر سنگار آتے ہیں

گئے تھے ملنے کو شاید جھڑک دیا اس نے
میاں نظیر تو کچھ شرمسار آتے ہیں

۸۸

مجھ پہ ابرو کی تو نہ کھینچ کماں
او میں تیری کمان کے قرباں

داد تیرے بھی حسن کی دیتا
آج ہوتا اگر مہ کنعاں

ٹھنڈی آہیں جگر سے نکلی ہیں
اشک بھی متصل ہیں قطرہ زناں

قطعہ

دم غنیمت ہے پھر کہاں اے دل
یہ ہوا سرد اور یہ آب رواں

بوسہ لیجیے جو ہو سکے دست و کمر
اتنی ہم میں کہاں ہے تاب و تواں

وہ دہن اور کہاں لب اپنے نظیر
وہ کمر اور کہاں یہ ہاتھ میاں

۸۹

تو کہتا ہے میں آؤں گا دو چار گھڑی میں
مر جائے گا ظالم ترا بیمار گھڑی میں

جس کام کو برسات میں لگتے ہیں مہینے
وہ کرتے ہیں یہ دیدۂ خونبار گھڑی میں

میں تجھ کو نہ کہتا تھا نظیرؔ اس سے نہ ملنا
اب دیکھیو حال اپنا تو ایک چار گھڑی میں

۹۰

مرتے ہیں ہم تو جان تو اب جان یا نہ جان
باقی ہے کوئی آن تو اب جان یا نہ جان

تیری تغافلوں کی جفا سے ترس ترس
جی دیں گے ہم ندان تو اب جان یا نہ جان

جینوں کے جو نشان تھے سو اب تجھ میں اے نظیرؔ
ہیں سب وہی نشان تو اب جان یا نہ جان

۹۱

چھوٹا سا خال اس رخِ خورشید تاب میں
ذرہ سما گیا ہے دلِ آفتاب میں

مردے کو ٹھوکروں میں جلا دیتے ہوں جہاں
واں حضرتِ مسیح ہیں پھر کس حساب میں

ہر زخم پر ہے آہ کے بدلے صدائے واہ
کیا پُردلی ہے اس دلِ خانہ خراب میں

لگتے ہی آنکھ شب کو نظر آگئی وہ شکل
پائی یہ ہم نے دولتِ دیدار خواب میں

ق

آپ ہی تو دل کو لے گئے آپ ہی ہیں پوچھتے
کہیے میاں نظیرؔ ہیں کس اضطراب میں

قدرت کہاں جو اس سے کہوں میں یہ بات آہ
صاحب تمھیں تو ڈال گئے ہر عذاب میں

۹۲

ہم میں بھی اور انھوں میں پہلے جو یاریاں تھیں
دونوں دلوں میں کیا کیا امیدواریاں تھیں

وہ منتظر کہ آویں ہم پُرتپش کر جاویں
اس ڈھب کی ہر دو جانب بے اختیاریاں تھیں

نہ ضبط ہے نگہ کا نہ رک سکے نظارہ — کیا شوق ورزیاں تھیں کیا بے قراریاں تھیں
اُٹھنے میں بیٹھنے میں، ہنسنے میں بولنے میں — کچھ بے شعوریاں تھیں، کچھ ہوشیاریاں تھیں

جس جا نظیرؔ آکر ہوتی ہیں الفتیں تو
واں ایسی ایسی کتنی عشرت شعاریاں تھیں

۹۳

لطف جو چاہت کے ہیں سو وہ جتانے نہیں — چاہ چھپی کیجیے تا کوئی جانے نہیں
گنج محبت عبث کیجیے برباد کیوں — یہ تو بڑا نقد ہے آنے دو آنے نہیں
نکلیں ہیں جو اشک و آہ دل میں وہیں رکھیے — دیدہ و لب کو مزے اُن کے چکھانے نہیں
خواب میں آکر کوئی پوچھے کہ عاشق ہو تم — واں بھی تعشق کے راز اس کو بتانے نہیں
تھا جو نظیرؔ اس کو ایک شخص نے آکر کہا — پڑھیے کچھ اپنا سخن کیجیے بہانے نہیں
جب نہ پڑھا کچھ تو پھر اس نے خفا ہو کہا — کیا تمھیں شعر اپنے آہ ہم کو سنانے نہیں

سنتے ہی اس بات کے بھر کے دمِ سرد آہ
کہنے لگا کیا پڑھیں، دل تو ٹھکانے نہیں

۹۴

قتل پہ باندھ چکا وہ بت گمراہ میاں — دیکھیں اب کس کی طرف ہوتے ہیں اللہ میاں
نزع میں چشم کو دیدار سے محروم نہ رکھ — ورنہ تا حشر یہ دیکھیں گی تری راہ میاں
تو جدھر جائے اُدھر جا کہ سحر سے تا شام — میں بھی سائے کی طرح ہوں ترے ہمراہ میاں
ہم تری چاہ سے چاہیں گے اُسے بھی لیکے — جس کو جی چاہے اُسے شوق سے تو چاہ میاں
لیکن اتنا ہے کہ اس چاہ میں دریا ہیں کئی — ایسے ایسے کئی ہیں جن کی نہیں تھاہ میاں
آگے مختار ہو تم ہم جو تمھیں چاہتے ہیں — اس سبب سے تمھیں ہم کرتے ہیں آگاہ میاں
جب دمِ نزع نہ آیا وہ ستمگر تو نظیرؔ — مر گیا کہہ کے یہ حسرت زدہ لے واہ میاں

٩٥

دل ٹھہرا ایک تبسم پہ کچھ اور بہا لے جان نہیں
گر ہنس دیجے اور لے لیجے تو فائدہ ہے نقصان نہیں

یہ ناز ہے یا استغنا ہے یا طرز تغافل ہے یارو
جو لاکھ کوئی تڑپے سسکے فریاد کرے کچھ دھیان نہیں

جب سنتا ہے احوال مرا یوں کہتا ہے عیاری سے
ہے کون وہ اس سے ہم کو تو کچھ جان نہیں پہچان نہیں

کچھ بن نہیں آتا کیا کیجیے کس طور سے ملیئے لے ہمدم
وہ دیکھ ہمیں رک جاتا ہے اور ہم کو چین اک آن نہیں

تر دیکھ کے میری آنکھوں کو یہ بات سناتا ہے ہنس کر
ہیں کہتے جسکو چاہ میاں وہ مشکل ہے آسان نہیں

دل پھنس کر اسکی زلفوں میں امید رہائی کی مت کر
کب چھوٹے اسکے دام سے تو وہ اتنا بھی نادان نہیں

زنہار نہ رکھیو دل میں نظیر اس لب سے توقع بوسے کی
گر بھولے سے بھی یار تجھے دشنام وہ دے امکان نہیں

٩٦

کی طلب اک شخص نے کچھ پند از حکیم نکتہ داں
اس نے سن کر یوں کہا اے صاحب اقبال و شاں

یاد رکھ اور پاس رکھ اور سخت رکھ اور جمع کر
کھا چھپا کاٹ اور اٹھا دے اے محبی ہر زماں

اس نے اس مجمل کے تفصیلات جب پوچھے تو پھر
لطف سے اس نکتہ رس نے یوں کہا اس کا بیاں

یاد رکھ ہر دم خدا کو پاس رکھ حسن وفا
سخت رکھ دیں کو مدام اور جمع کر علم اے جواں

کھا غضب غصہ، چھپا عیب رفیق و آشنا
کاٹ ربط ہم نشین بد کہ ہے اس میں زیاں

اور اٹھا ہر دم ضعیف و ناتواں سے ظلم و جور
داد مظلوموں کی دے اور لے بہشت جاوداں

نثر میں مجھ کو نظیر آئے تھے یہ نکتے نظر
میں نے نظم ان کو کیا تو دل ہو ہر دم شاداں

٩٧

جھکائے سر کو چپ چاپ ان یوں میں بحر غم کی لہروں میں
کوئی کھیلے ہے جیسے بازی شطرنج پہروں میں

چنے ہیں جیسے مہرے خانے خانے میں بساط اوپر
رکھیں ہیں دل یوں ہی اس زلف کے حلقوں کے گھروں میں

ہمارے دل کے کیا کیا پیل بند صبر توڑے ہے
پڑی ہے یہ جو زنجیر طلا چھلّے سنہروں میں

رکھیں سرسبز کشتِ غم تو کیونکر اے شہ خوباں
نہیں یک قطرۂ آبِ بقا تو ان آنکھوں کی نہروں میں

ترے رو و کبک فرزیں بند غم سے رخ میں لے شہ رخ
تری ان چلبلی چالوں کی سن کر دھوم شہروں میں

دلا تو یا پیادہ، وہ سوار اسپ خوبی ہے
نہ کر ملنے کے منصوبے نہ ٹھہرا ان سوچ گھروں میں

نظیر اب دل تمھیں دیتا ہے لو، جڑ دہی سمجھو
وگرنہ یار کھیر ہوگی یہ بازی مات پھر دل میں

۹۸

بسنت

کر کے بسنتی لباس سب سے برس دن کے دن
یار ملا آن کر ہم سے برس دن کے دن

کھیت پہ سرسوں کے جا، جام صراحی منگا
دل کی نکالی میاں ہم نے ہوس دن کے دن

سب کی نگاہوں میں دی عیش کی سرسوں کھلا
ساقی نے کیا ہی لیا واہ یہ جس دن کے دن

خلق میں شور بسنت یوں تو بہت دن سے تھا
ہم نے تو لوٹی بہار عیش کی بس دن کے دن

آگے تو پھرتا رہا غیروں میں ہو زرد پوش
ہم سے ملا پر وہ شوخ کھا کے ترس دن کے دن

گرچہ یہ تہوار کی پہلی خوشی ہے زیاد
عین جو رس ہے سو وہ نکلے ہے رس دن کے دن

ٹوٹے گا پھر سال بھر گلبدنوں کی بہار
یار سے مل لے نظیر آج برس دن کے دن

۹۹

نہ لذتیں ہیں وہ ہنسنے میں اور نہ رونے میں
جو کچھ مزا ہے ترے ساتھ مل کے سونے میں

پلنگ پہ سیج بچھاتا ہوں مدتوں سے جان
کبھی تو آن کے سو جا مرے بچھونے میں

مسک گئی ہے وہ انگیا جو تنگ بندھنے سے
تو کیا بہار ہے کافر کے چاک ہونے میں

کہا میں اس سے کہ ایک بات مجھ کو کہنی ہے
کہوں میں جب کہ چلو میرے ساتھ کوٹھے میں
یہ بات سنتے ہی جی میں سمجھ گئی کافر
کہ تیرا دل ہے کچھ اسباب اور بات ہونے میں
یہ سن کے بولی کہ ہے ہے یہ کیا کہا تو نے
پڑا ہے کیوں تجھے دنیا سے اب تو کھونے میں
تو بوڑھا مرد ہوا اور بارھواں برس مجھ کو
میں کس طرح سے چلوں تیرے ساتھ کوٹھے میں
نظیر ایک وہ عیار شہرتی ہے کافر
کبھی نہ آوے گی وہ تیرے جادو ٹونے میں

١٠٠

حال دل ہم نے کہا زہرہ جبیں کہہ دیویں
پھر جو ہو حکم سو وہ دل کے تئیں کہہ دیویں
اس پہ جو جور گزرتا ہے تغافل کے سبب
ہو اگر آپ کے خاطر کو یقیں کہہ دیویں
چاہ میں اس نے جو کچھ دیکھیں ہیں رنج و کلفت
اور وہ جتنی کہ جفائیں ہیں ہمیں کہہ دیویں
سن کے اس بات کو اور ہم کو سمجھ کر بیباک
دل میں سوچا کہ مبادا یہ کہیں کہہ دیویں
ہنس دیا اور یہ کہا اس پہ جو گزری ہے نظیر
ہم کو معلوم ہے، کہیے، تو ہمیں کہہ دیویں

١٠١

گر کسی صورت سے وہ صورت دکھا جاتے ہیں
تو غم و درد آج یہ صورت نہ دکھلاتے ہیں
وہ تو اپنا منہ دکھا کر چھپ گئے پر ہنستیں
دوپہر اب جا ہیں پھر ہوش میں آتے ہیں
جیسے کل تم نے خفا ہو کر کہا تھا مر رہو
سچ اگر پوچھو تو کیا لگتا تھا مر جاتے ہیں
پر یہ ڈر تھا پھر جو بلوا دیں سو بلوایا ہے آج
کیوں جی مر جاتے تو اب پھر ہم کہاں پاتے ہیں
ہم تو یہ کرتے ہیں خاطر داریاں اور مہریاں
تو بھی تم واللہ خاطر میں نہیں لاتے ہیں
سن کے فرمایا جو خوش اب لگ نہ چلیے اس قدر
یہ تمھارے جو چلے ہی تو نہیں بھاتے ہیں
ہجر کی سختی نظیر ایک تو یہ ہے جو شام سے
صبح ہو جاتی ہے اکثر سر کو ٹکراتے ہیں

۱۰۲

مقطع

مبتلا ایسے ہی خوش وضعوں کے ہوتے ہیں نظیرؔ — بیقرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

غزل نمبر ۲۷۷ صفحہ ۱۱۵ کا بقیہ شعر

وہ اٹھتی چھاتیاں دیکھ اپنی کہتی ہے ہے ہے — یہ کیا بلا ہے کہ اُٹھتی ہے میرے سینے میں

غزل نمبر ۲۸۴ صفحہ ۱۱۸ کے بقیہ اشعار

تمہارے خندۂ دنداں نما کی دولت سے — صدف تو کیا ہے کہ نیساں نے موتی اُڑائے ہیں

غلط ہے یہ جو مرے گھر وہ بھول کر آویں — ادھر جو بھول پڑیں کیا وہ ایسے بھولے ہیں

غزل نمبر ۲۹۲ صفحہ ۱۲۱ کے بقیہ اشعار

جنھیں ہے دل کے لینے کی خو وہ دل لے کر — اگر جفا نہ کریں تو کب ان کو ہو تسکیں

کہاں تلک نہ پھنسے آن کر وہ طائرِ دل — بچھا دے جس کے لیے دام کاکلِ مشکیں

غزل نمبر ۲۹۹ صفحہ ۱۲۴ کے بقیہ اشعار

تمہارے ہم تو قدیمی غلام بندے ہیں — تمھیں نہ چاہیے ہم سے حجاب آنکھوں میں

قسم ہے چشم گلابی کی تیری اے گل رو — کہ یاں کھنچے ہے پڑا نت گلاب آنکھوں میں

خدا کی شان جنھیں بات بھی نہ آتی تھی — وہ اب کریں ہیں سوال و جواب آنکھوں میں

و

۱۰۳

آپڑے ہیں اب تو کوئے یار میں ہم شاد ہو — دیکھیں اس افتاد کی آگے کو کیا افتاد ہو
ہے چمن میں اپنی رعنائی سے پابند غرور — گر وہ قد دیکھے تو سرو اس قید سے آزاد ہو
ایک بت بیداد گر سے ہم نے باعجز و نیاز — یوں کہا کچھ ہم کہیں خدمت میں گر ارشاد ہو
سن کے فرمایا کہو جب ہم نے یوں اس سے کہا — دل کو ہم اس شرط سے دیں گر نہ کچھ بیداد ہو
سوچ کر اس نے کہا ہم عہد تو کر لیں و لے — اور جو وقتِ جور وہ پیماں نہ ہم کو یاد ہو
پھر یہ کہیے کیا کرو گے جب تعدی و جفا — جو معین ہے وہ سب ہو بلکہ کچھ ایجاد ہو

عافیت کی گر ہوا خواہی تمھیں ہے تو ظفر
تم ہوا میں ہم سے بے درد دل کی مت برباد ہو

ہ

۱۰۴

رکھتی ہے جیسے ناز میں اس کی جبین گرہ — اس لطف کی تو آہ نہ ہو گی کہیں گرہ
منہ دیکھتے ہی ورے تیوری چڑھاتی ہو — پھر کہیے دل میں آپ کے کیونکر نہیں گرہ
غیروں کی تاب کیا جو رکھیں ہم نے کچھ مروڑ — بس جانا ہم نے رکھتے ہو ہم سے تمھیں گرہ
دل ہے چمن کے ہے تری حسرت کی گٹھڑی — باور نہیں تو دیکھ یہ غنچہ نہیں گرہ
ہم سے تو نزع میں بھی نہ بولا وہ غنچہ لب — اپنی کھلی نہ تا بہ دمِ واپسیں گرہ
چین جبیں عرق میں ہوئی اس صنم کی تر — اے دل بس اب تو چل کہ یہ کھلتی نہیں گرہ
کوتہ نہ ہووے رشتۂ عمر آہ کس طرح — جب غم میں اسکے آ کے پڑے ہر کہیں گرہ

مر کر بھی اپنا عقدۂ مشکل ہوا نہ وا
پیچ پوچھیے تو کہتے ہیں اس کے تئیں گرہ

الفت کا تار توڑ کے جوڑا تو کیا ہوا
خوبی جبھی تلک ہے کہ جب تک نہیں گرہ

کانوں کے موتیوں کو ترے دیکھ رشک سے
تنہا چمن میں دانۂ شبنم نہیں گرہ

وہ کیا، کلی کلی کے جگر میں ہے بے کلی
کلیاں بھی کیا کہ پہونچی ہے تا روں تئیں گرہ

اس بحر میں نظیر تو لکھ اور بھی غزل
زلف سخن میں چاہیئے ہو ہر کہیں گرہ

۱۰۵

یوں ہم سے اس کی رکھتی ہے زلف و جبیں گرہ
پڑتی ہے جیسے پاس گرہ کے کہیں گرہ

ظاہر میں گو وہ تیوری چڑھاتا ہے ہم کو دیکھ
لیکن ہزار شکر کہ دل میں نہیں گرہ

ڈوری کی یہ گرہ نہیں جو بے تو اسکو کھول
ناصح ہے میرے اس کے تو اب بالیقیں گرہ

بھر عمر میرے دل کا یہ غنچہ کھلا نہ آہ
ایسی فلک نے کس کے دی میرے تئیں گرہ

ملنے کے یاد رکھنے کو مدت کے بیچ آہ
دے کر گیا ہے بند میں وہ نازنیں گرہ

بندھتا ہے جیسا دل کا محبت کا وہ عقدہ
ایسی جہاں میں کوئی نہیں دل نشیں گرہ

تم اپنے دل میں چاہیئے جیسی رکھو مروڑ
ورنہ ہمارے دل میں تو ہرگز نہیں گرہ

نافے میں مشک، غم سے گرہ ہو کے مر گیا
دیکھ اس پری کی زلف کی وہ عنبریں گرہ

اے شوخ تیرے نیچے کے تکمے کے رشک سے
دریا میں سوکھ کر ہوا اوتر تمتیں گرہ

مدت میں کل تو زلف کے دل کی جبین کی آہ
کھولی ہے ہم نے بیٹھ کے اے ہم نشیں گرہ

باقی رہی گرہ جو محبت کی غنچہ کی
وہ بھی نظیر کھولیں گے آخر ہمیں گرہ

۱۰۶

رفتار ہے دلوں کو کچلتے ہیں وہ جو آہ
اپنا یہ بد چلن دل انھیں کا ہے خاک راہ

سچ پوچھیے تو اس میں خطا دل کی کچھ نہیں
خوباں کی شوخیاں ہی بڑھاتی ہیں جی کی چاہ

دشنام میں یہ کچھ ہے حلاوت کہ دم بدم
ہوتے ہیں ہم اسی کے لیے مصدر گناہ

تیوری چڑھا کے دیکھیں ہیں جس دم عتاب سے
کس کس طرح کے لطف دکھاتی ہے وہ نگاہ

چٹکی میں دیر ہووے تو ہوتے ہیں ہم وہیں
بے رحمی و تغافل ناخن کے دادخواہ

کہنی کے التماس کا رہتا ہے جاں کو عزم
ٹھوکر کے اشتیاق میں پھرتا ہے دل تباہ

کہیے اگر کہ ہم ہیں تمھیں دل سے چاہتے
تو کہتے ہیں چہ خوش کوئی شاہد کوئی گواہ

گر چشم تم نے دی بھی گواہی تو کہتے ہیں
اے بے وقوف کس نے کہا تھا تو ہم کو چاہ

یہ کہہ کے جب جھڑکتے ہیں ہو کر خفا نظیر
وہ جھڑکیاں بھی ایسی ہی دل خواہ ہیں کہ واہ

٣٠٧

صحن گلشن میں جب چلی پھر کے ہوا بسم اللہ
چشم بددور بہار آئی ہے کیا بسم اللہ

مصحف رخ پہ ترے ابروئے پیوستہ نہیں
سو قلم سے ید قدرت نے لکھا بسم اللہ

اس قدر تھا وہ نشے میں کہ یکایک جو گرا
میں نہ بولا پہ مرے دل نے کہا بسم اللہ

زلف اس عارض رنگیں پہ بکھرنے جو لگی
بول اٹھی منہ سے وہیں باد صبا بسم اللہ

آج گلشن میں ذرا پاؤں جو پھسلا اس کا
گل ہنسا، غنچے نے جلدی سے کہا بسم اللہ

یار قاتل میرے جو چوک کر لگاتا تھا وار
لب پہ ہر زخم کے نکلے تھی صدا بسم اللہ

شیشہ و ساقی و ساغر بھی حاضر ہیں نظیر
مے کشی کیجیے اب دیر ہے کیا بسم اللہ

شہر آگرہ

١٠٨

رکھتا ہے گو قدیم سے بنیاد آگرہ
اکبر کے نام سے ہوا آباد آگرہ

مرکر بھی اپنا عقدۂ مشکل ہوا نہ وا | سچ پوچھیے تو کہتے ہیں اس کے تئیں گرہ
الفت کا تار توڑ کے جوڑا تو کیا ہوا | خوبی جبھی تلک ہے کہ جب تک نہیں گرہ
کانوں کے موتیوں کو ترے دیکھ رشک سے | تنہا چمن میں دانۂ شبنم نہیں گرہ
وہ کیا، کلی کلی کے جگر میں ہے بے کلی | کلیاں بھی کیا کہ پہونچی ہے تا روز تئیں گرہ

اس بحر میں نظیر تو لکھ اور بھی غزل
زلف سخن میں چاہیئے ہو ہر کہیں گرہ

۱۰۵

یوں ہم سے اس کی رکھتی ہے زلف اور جبیں گرہ | پڑتی ہے جیسے پاس گرہ کے کہیں گرہ
ظاہر میں گو وہ تیوری چڑھاتا ہے ہم کو دیکھ | لیکن ہزار شکر کہ دل میں نہیں گرہ
ڈوری کی یہ گرہ نہیں جو ہے تو اسکو کھول | ناصح ہے میرے اس کے تو ابریشمیں گرہ
بھر عمر میرے دل کا یہ غنچہ کھلا نہ آہ | ایسی فلک نے کس کے دی میرے تئیں گرہ
ملنے کے یاد رکھنے کو مدت کے بیچ آہ | دے کر گیا ہے بند میں وہ نازنیں گرہ
بندھتا ہے جیسا دل کا محبت کا وہ عقدہ | ایسی جہاں میں کوئی نہیں دل نشین گرہ
تم اپنے دل میں چاہیئے جیسی رکھو مروڑ | ورنہ ہمارے دل میں تو ہرگز نہیں گرہ
نافے میں مشک، غم سے گرہ ہو کے مر گیا | دیکھ اس پری کی زلف کی وہ عنبریں گرہ
اے شوخ تیرے نیچے کے تکمے کے رشک سے | دریا میں سوکھ کر ہوا دُرِ ثمیں گرہ
مدت میں کل تو زلف کے دل کی جبین کی آہ | کھولی ہے ہم نے بیٹھ کے اے ہمنشیں گرہ

باقی رہی گرہ جو محبت کی غیر کی
وہ بھی نظیر کھولیں گے آخر ہمیں گرہ

۱۰۶

رفتار ہے دلوں کو کچلتے ہیں وہ جو آہ | اپنا یہ بدچلن دل انھیں کا ہے خاک راہ

سچ پوچھیے تو اس میں خطا دل کی کچھ نہیں
خوباں کی شوخیاں ہی بڑھاتی ہیں جی کی چاہ

دشنام میں یہ کچھ ہے حلاوت کہ دم بہ دم
ہوتے ہیں ہم اسی کے لیے مصدر گناہ

تیوری چڑھا کے دیکھیں ہیں جس دم عتاب سے
کس کس طرح کے لطف دکھاتی ہے وہ نگاہ

چٹکی میں دیر ہووے تو ہوتے ہیں ہم وہیں
بے رحمی و تغافل ناخن کے داد خواہ

کھنی کے التماس کا رہتا ہے جاں کو عزم
ٹھوکر کے اشتیاق میں پھرتا ہے دل تباہ

کہیے اگر کہ ہم ہیں تمھیں دل سے چاہتے
تو کہتے ہیں چہ خوش کوئی شاہد کوئی گواہ

گر چشم تم نے دی بھی گواہی تو کہتے ہیں
اے بے وقوف کس نے کہا تھا تو ہم کو چاہ

یہ کہہ کے جب جھڑکتے ہیں ہو کر خفا نظیر
وہ جھڑکیاں بھی ایسی ہی دل خواہ ہیں کہ واہ

۴۷

صحن گلشن میں جب چلی پھر کے ہوا بسم اللہ
چشم بد دور بہار آئی ہے کیا بسم اللہ

مصحف رخ پہ ترے ابروئے پیوستہ نہیں
مو قلم سے یہ قدرت نے لکھا بسم اللہ

اس قدر تھا وہ نشے میں کہ یکا یک جو گرا
میں نہ بولا پہ مرے دل نے کہا بسم اللہ

زلف اس عارض رنگیں پہ بکھرنے جو لگی
بول اٹھی منھ سے وہیں باد صبا بسم اللہ

آج گلشن میں ذرا پاؤں جو پھسلا اس کا
گل ہنسا، غنچے نے جلدی سے کہا بسم اللہ

یار قاتل میرے جو جو کہ لگاتا تھا وار
لب پہ ہر زخم کے نکلے تھی صدا بسم اللہ

شیشہ و ساقی و ساغر بھی حاضر ہیں نظیر
مے کشی کیجیے اب دیر ہے کیا بسم اللہ

شہر آگرہ

۱۰۸

رکھتا ہے گو قدیم سے بنیاد آگرہ
اکبر کے نام سے ہوا آباد آگرہ

یاں کے کھنڈر نہ اور جگہ کی عمارتیں — یارو عجب مقام ہے دل شاد آگرہ
شداد زر لگا نہ بناتا بہشت کو — گر جانتا کہ ہووے گا آباد آگرہ
توڑے کوئی قلعے کو کوئی لوٹے شہر کو — اب کس سے اپنی مانگے بھلا داد آگرہ
اب تو ذرا سا گاؤں ہے بیٹی نہ دے اسے — لگتا تھا ورنہ چین کا داماد آگرہ
ایکبارگی تو اب مجھے یارب تو پھر بسا — کرتا ہے اب خدا سے یہ فریاد آگرہ
ایک خوبرو نہیں ہے یہاں ورنہ ایک دن — تھا رشک حسن بلخ و نوشاد آگرہ
ہرگز وطن کی یاد نہ آوے اُسے کبھی — جو کر کے اپنی جاں کو کرے شاد آگرہ

اس میں سدا خوشی سے رہا ہے ترا نظیر
یارب ہمیشہ رکھیو تو آباد آگرہ

ی

۱۰۹

تم سے ہم اے حسن کے سردار رخصت ہو چلے — مدتوں میں دیکھ کر دیدار رخصت ہو چلے
چاہتا تھا دل تو یوں رہتے تمھارے پاس ہم — پر فلک کے ہاتھ سے ناچار رخصت ہو چلے
آ گئے تھے سیر کرتے تم کو دیکھا خوش ہوئے — اب خدا حافظ ہے ہمارے یار رخصت ہو چلے
پھر بھی آ جاویں گے ادھر کو اگر جیتے رہے — اب تو رہنا ہے ہمیں دشوار رخصت ہو چلے
کیوں نہ لالے کی طرح دل ہو ہمارا داغدار — کس مزے میں چھوڑ کر گلزار رخصت ہو چلے

گل رخوں کی بزم میں کیا بیٹھتے ہو اے نظیر
تم بھی رخصت ہو کہ اب سب یار رخصت ہو چلے

۱۱۰

نہیں آئے کل سے جو تم ادھر اسے کیا خیال میں لائیے — جو کچھ عذر ہو تو بیان کرو ہمیں جیسے آئے تھے آئیے

کہا جبکہ ہم سے کبھی بولیے تو بنا کے منھ کہا غیر سے ۔۔۔ یہ سخن ہو سچ کہ ہر ایک کو بہت اپنے منھ نہ لگائیے
لگے جب بچھانے زباں دام گلی اسکی میں تو کہا میاں ۔۔۔ یہ جو دام یہاں پہ بچھاتے ہو لئے جلد یاں سے اٹھائیے
وہ نگار گل رخ و غنچہ لب جو گلے سے آکے لگے تو پھر ۔۔۔ یہ شگفتگی ہو بہ رنگ گل کہ نہ پھولے دل میں سمائیے
پڑے وہ ہاتھ میں کہ ستم کریں یہ بہار ان کی عجب ہو جب ۔۔۔ کڑے ان میں سونے کے ڈالیے حنا انہیں خوب رچائیے
جو کہا تھا تم نے کہ بزم میں تمھیں پاس اپنے بٹھائیں گے ۔۔۔ نہیں لائق اسکے تو ہم مگر جو کہا تو کر بھی دکھائیے

جو میں آتے دیکھا نظیر کو طرف اپنے ہنس کے کہا کہ ہاں
تمھیں لائی اپنی کشش ادھر، اجی آئیے اجی آئیے

۱۱۱

دل اس کی زلف میں پھنس کر یہ خوش دلی تو رہے ۔۔۔ کہ جب صبا سے ہلے وہ تو اس میں تو جھولے
نشا ہے اس کو بہت وقت ہے ابھی لے دل ۔۔۔ میں اس کے چوم لوں منھ کو تو زلف کو چھو لے
جو دو بدو ہو دل اس کے تو کیا نگہ ہو جاں بر ۔۔۔ بچے جو تیر نگہ سے تو تیغ ابرو سے
ہے اس کی چشم سیہ وہ کہ دیکھ کر اس کو ۔۔۔ مقام حلقۂ حیرت میں چشم آہو لے

ہنسی ہنسی میں دل اپنے کو مفت کھو بیٹھے
میاں نظیر بتوں کے تپاک پہ پھولے

۱۱۲

نہ دیں گے ہم تو دل اور تم ہو کہتے دو زبردستی ۔۔۔ نہ صاحب ہم نہیں راضی مگر لے لو زبردستی
جو تم زور آوری کرتے ہو ہم سے دل لگانے میں ۔۔۔ کسی نے دل لگایا ہے کہیں لوگو زبردستی
ہمیں کچھ مدعا ہوتا تو آپ ہی بیٹھتے اس جا ۔۔۔ تمھیں کچھ ہے غرض جب تو بٹھاتے ہو زبردستی
بتاں دست حنا بستہ یہ کرتے ہیں جسے مائل ۔۔۔ وہ جانے ہے کریں ہیں اس پہ یہ جو جو زبردستی
کہاں تک ٹال دیجے وہ کہ ہر دم جب کے پاس جا لے ۔۔۔ بنا کر حسن تم ہنس ہنس کے اینٹھو زبردستی
نہ ہوتے ہم تو مل کر تم سے بے بس اس قدر لیکن ۔۔۔ کریں کیا جب تمھیں آپ ہی سے آ لپٹو زبردستی

جو محبوبوں سے دل مانگیں تو جھڑکیں اور بٹھا رکھیں
کریں حجت تو کہتے ہیں خوشی سے کیا دیا تھا دل
نہ دل دیویں نہ گھر جانے دیں یہ دیکھو زبردستی
ارے ناداں لیا ہے گا وہ ہم نے تو زبردستی

نظیر اب تو تمہارے بس میں ہے کچھ کہہ نہیں سکتا
کرو جو ہو سکے تم سے زبردستی زبردستی

۱۱۳

جو تم نے پوچھا تو حرف الفت بر آیا صاحب ہمارے لب سے
سو اس کو سن کر ہوئے خفا تم نہ کہتے تھے ہم اسی سبب سے

نہ دیتے ہم تو کبھی دل اپنا نہ ہوتے ہرگز خراب و رسوا
وے کریں کیا کہ تم نے ہم کو دکھائیں جھمکیں عجب ہی چھب سے

وہ جھمکیں جو دن کو دیکھے تو یاد اس کی میں شام ہی سے
یہ پیچ و تاب آ کے دل نے الجھے کہ پھر سحر تک نہ سلجھے شب سے

لگائی فندق جو ہم نے اس کی کلائی پکڑی تو ہنس کے بولا
یہ انگلی پہنچے کی یاں نہ ٹھہری بس آپ رہیے ذرا ادب سے

کہا تھا ہم کچھ کہیں گے تم سے کہا تو ایسا کہ ہم نہ سمجھے
سمجھتے کیونکر کہ اس نے لب سے سخن نکالا کچھ ایسے ڈھب سے

ہوس تو بوسے کی ہے نہایت پہ کیجیے کیا کہ بس نہیں ہے
جو دسترس ہو تو مثل ساغر لگا دیں لب کو ہم ان کے لب سے

کسی نے پوچھا نظیر کو بھی تمہاری محفل میں بار ہو گا
کہا کہ ہو گا، وہ بولا کب سے کہا کبھو کا کبھی نہ اب سے

۱۱۴

قدم پہ قصد دل بنا رکھ دیں جو اس طرف بھی ہو جلوہ سازی
انھیں تو پروا نہیں و لیکن ہماری اس میں ہے سرفرازی

مقابل اس چشم کے ہوں کیونکر کرتی وصف نہیں ہے پل بھر
ادھر نگاہوں کی ترکتازی ادھر کو مژگاں کی نیزہ بازی

جو حال دل کا کبھی میں کہتے تو وہی باتیں ہیں سن کے کہتا
یہ خوبی ہم تو سمجھتے اس کو جو تم نہ کہتے یہ این درازی

کہا یہ ایک شمع رو نے شب کو کہ ہم کو چاہو تو ہم یہ بولے
وہ دل کو تم سے لگائے صاحب کہ جسکو لینی ہو دل گدازی

جو ایک لب سے دل چھڑایا تو دوسرے سے وہیں لگایا
نظیر ہم تو بڑی خوشی سے جو چھین لیتے ہے عشق بازی

۱۱۵

بوسۂ لب سے ہمیں ہم خوش کیجیے
پھر ہمیں دل چاہے سو کہہ لیجیے

ہے تمہیں اے جاں مرے سر کی قسم
آج تو ایک ساغر مے پیجیے

قابل محفل ہمیں سمجھو اگر
تو کبھی آنے ہمیں واں دیجیے

جیب[1] تو پھاڑا مرا دلدار نے
فائدہ کیا ہے ا سے جو سیجیے

صلح کو تم پاس آیا ہے نظیر
اور جو لڑتا ہے تو لڑ لیجیے

۱۱۶

جلد آؤ اگر تم کو مری خواہش خوں ہے
کچھ دیر نہیں لگنے کی یاں صید زبوں ہے

عشاق سے ملنے کی عبث پوچھو ہو ساعت
جب دل ادھر آجاوے وہی نیک شگوں ہے

جب میں نے کہا تم مجھے پہچانتے ہو گے
میں وہ ہوں کہ مدت سے جسے شوق زبوں ہے

یہ سن کے نظیر اس نے کہا کہتا ہے کس سے
ہیں یہ بھی کوئی زور تماشے کا فسوں ہے

ہم تیری تو صورت سے کبھی واقف نہیں ہرگز
اے شخص تو بے عقل ہے یا تجھ کو جنوں ہے

۱۱۷

بھولتی دل سے نہیں ہوش ربائی تیری
دلبری عشوہ گری، جلوہ نمائی تیری

[1] جیب نظیر کے زمانہ میں مذکر بولا جاتا تھا۔ اب متروک ہے بلکہ دہلی اور لکھنؤ کے فصحا مؤنث ہی بولتے ہیں ۱۲ اشرف علی

کیوں نہ پھیروں میں نگوں اب ترے گھوڑے کے تئیں
کیا کروں مجھ کو یہ صورت ہے خوش آئی تیری

مہ کی صورت مجھے آگے ترے کب خوب لگے
اُس کے چہرے سے تو صورت ہے سوائی تیری

آنکھ جوں آئینہ رہ جاتی ہے پریوں کی کھلی
جب نظر آتی ہے گھوڑے کی صفائی تیری

ہے تو مختار جو کچھ چاہے سو کر ناز غرور
کشورِ دل میں پھری اب تو دُہائی تیری

کل جو گلشن میں گیا میں کہ ذرا غم بھولے
واں بھی ہر گل نے مجھے یاد دلائی تیری

سونگھا ایک گل کو جو ہیں میں نے تو اس میں بھی میاں
لے مرے غنچہ دہن بو مجھے آئی تیری

غم میں مرتا تھا نظیرؔ اس کو جلایا تو نے
جان کس منھ سے کہوں اب میں بڑائی تیری

۱۱۸

سب ٹھاٹھ یہ ایک بوند سے قدرت کی بنا ہے
یاں اور کسی کی نہ منی ہے نہ منا ہے

بالفرض اگر ہم ہوئے حوا کے شکم سے
آدم کے تئیں دیکھیے وہ کس کا جنا ہے

یاں لوگ دلھن دولھا کے قصے میں پھنسے ہیں
واں اور زینت ہے نہ بنی ہے نہ بنا ہے

حکمت کا اُلٹ پھیر نہیں جن کی نظر میں
وہ کہتے ہیں غافل یہ بقا ہے یہ فنا ہے

ہے عرش سے تا فرش جو روشن ہے طلسمات
یہ نور سب اُس نور کی چھلنی سے چھنا ہے

ہم کچے سے پکا اُسے سمجھے ہیں وگرنہ
اس دیگ کے چاول میں کنی ہے نہ گنا ہے

ملنا بھی غرض کا ہے لڑائی بھی غرض کی
نہیں اور کسی سے کوئی روٹھا نہ منا ہے

حاجت نہ بر آئی تو وہیں کرنے لگے ہجو
اور ہو گیا مطلب تو وہیں وصف و ثنا ہے

یابس کہیں مرطوب کہیں گرم کہیں سرد
مصری میں کہیں زہر، ہلاہل میں سنا ہے

ایک اس کی دوا بھی نہیں جاتی نظیرؔ آہ
کچھ زور ہی معجون کا نسخہ یہ بنا ہے

۱۱۹

سرسبز رکھیو کشت کو اے چشم تو مری
تیری ہی آب سے ہے بس اب آبرو مری

گو میں جفا سے مر گیا پر رک کے روسیاہ
پر شکر ہے وفا تو ہوئی سرخ رو مری

اس کی جبین پاک پر اس دم تلک اے نسیم
کافر ہوں گر پڑی ہو نظر بے وضو مری

بل کھا کے زلف کان میں اس کان حسن کے
پھونکے ہے پردے پردے میں کچھ مو بہ مو مری

میں مر گیا تھا زہر جو کھا کر تو اس لیے
ق یعنی وہ شاد ہو کہ مٹی ہاؤ و ہو مری

سو تو نے میرے غم میں رلایا اسے فلک
اے روسیاہ یہ تو نہ تھی آرزو مری

پہروں تلک بکا میں پر اس شوخ نے نظیر
ایک چٹکی میں اڑا دی وہ سب گفتگو مری

۱۲۰

لہ تن دیکھ کے جس گل کا جاں چھوڑ کے تن نکلے
وہ سیم تن اس تن سے کس طرح نہ تن نکلے

ہیں خال سر کاکل یا ڈالیاں سنبل کی
چرنے کے لیے شب کو آہوئے ختن نکلے

ہم درج گہر اپنے سینے میں سمجھتے تھے
جب روئے تو آنکھوں سے کل لعل یمن نکلے

آنے کی قسم کھا کر پھر منھ بھی نہ دکھلایا
سادہ جنھیں سمجھے تھے سو اُن میں یہ فن نکلے

اب روئیے الفت کو یا ٹھونکیے قسمت کو
جو قول کے پورے تھے وہ عہد شکن نکلے

تھا میں جو نظیر اس کے دنداں کے تصور میں
جب منھ سے مرے ایسے موتی سے سخن نکلے

۱۲۱

ہمیں اس غنچہ لب کی بات کیا دل سے لگی پیاری
کہ جس کو بے کلی یعنی ہو وہ ہم سے کرے یاری

جو دل کے لینے والے ہیں وہ لے ہی جاتے ہیں آخر
قطعہ دھری رہتی ہے سب اپنی نگہبانی و ہشیاری

کیا ہم نے یہ استفسار اس سے یعنی اب ہم پر
کسی کے کہنے سننے سے یہ رہتی ہے ستمگاری

لہ یہی مقطع و مطلع سے بادنیٰ تغیر ایک غزل نمبر ۲۲۳ صفحہ ۱۷۴ میں گزر چکی ہے غالباً نظیر نے اسی غزل کی نظر ثانی کی ہے یا ممکن ہے کہ دو غزلہ ہو۔ اشرف علی

اگر کہنے سے ہو تو کچھ کریں تدبیر ہم اس کی ‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏‏— دگر اپنی ہی مرضی ہے یونہی تو خیر لاچاری

کدر ہو گیا لیتے ہی دل کے یک بہ یک ہم سے
نظیرؔ اس آئینہ رو نے تو کی یہ صاف عیاری

۱۲۲

اظہار ہم بھی کرتے احوالِ دل فگاری — شرم و وفا گر ایک دم دیتی زباں کو یاری
جن میں فریب و فن کی سو پختہ کاریاں ہیں — ہم اُن کے مبتلا ہیں لے زلف خام کاری
شکوہ فرامشی کا کیا اُن سے کیجیے جن کو — صورت ہی بھول جاوے پھر کیسی یادگاری
یک بار ملتے ملتے رُک جاؤ تم تو اے جاں — دل بستگاں کی پھر ہو کیونکر نہ اشک باری
وعدے پہ گل رخوں کے مت کھا فریب اے دل — ان کے قرار میں ہیں صد خار بے قراری
لیتی ہے ہم سے بدلہ اب صبح حشر اس کا — جو شام مُو میں ہم نے کی تھی سیاہ کاری

گر کر نظیرؔ ہم اس محبوب کی نظر سے
ایسے ہوئے ہیں ہلکے جو زندگی ہے بھاری

۱۲۳

جس وقت خواب ناز سے وہ چشم وا ہوئی — صد خستۂ نہ خفتہ کی حاجت روا ہوئی
لا بوئے گل نہ کلبۂ احزاں میں اے نسیم — یہ کب ہماری روح کی راحت فزا ہوئی
یوں کارواں شباب کا گزرا کہ گوش زد — آواز پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی
پوچھی نظیرؔ ایک نے کل شکلِ وصل یار — ہم نے کہا یہ اس سے کہ کیا کہیئے کیا ہوئی

جز شکل دور باش تھی روزِ نخست کی
اب بھی جو ہم گئے تو وہی برملا ہوئی

۱۲۴

بنا کے منھ جو سراسر ہمیں بُرا کہیئے — تمھارا ہم نے بگاڑا ہے کیا بھلا کہیئے

غرض بھی چاہ سے ہم کو سو ہم نے کی آگے
گناہ اس کو سمجھ لیجیے خطا کہیے

وفا جو ہم میں ہے کم سیکڑوں میں نکلے گی
اگر ہزار طرح ہم کو بے وفا کہیے

صریح خوش تھے ہمیں دیکھ کر ہوئے ناخوش
یہ اختلاط میں ہے کون سی ادا کہیے

جو چاہے آپ کو دل سے اسے خفا کیجے
یہ ناروا ہے محبت میں یا روا کہیے

رہو خوشی سے تم اپنی تو ہے مراد مری
تمھارے دل کا جو کچھ ہو وہ مدعا کہیے

ہم آویں جاویں بھلا کیا خوشی سے آپ کے پاس
نہ جا نکالیے لب سے کبھی نہ آ کہیے

جو لے کے دل کو کریں رات دن ستم گاری
تو منصفو انھیں پھر کچھ نہ کہیے کیا کہیے

گلے کی داد نزاکت سے دیتے ہم بھی نظیرؔ
پر اس صنم کا ہے نازک مزاج کیا کہیے

۱۲۵

ہم اطوار تماسعت سے نہ کرتے آج جانکاہی
گر اس بے درد کے طرزوں سے ہوتی کچھ بھی آگاہی

خیال شوخیٔ چشم اس کا اپنے دیدۂ تر میں
پھرے ہے یوں کہ جیسے ہو شناور بحر میں ماہی

ہم اس کو بادکش بھی جھل نہیں سکتے ہیں اس ڈر سے
کہ ہے وہ رمز فہم اور اس میں ہے طرز ہوا خواہی

نہ کر پہلو تہی اس کے جفا و جور سے اے دل
مزا کیا عشق کے آفات کا جب عافیت چاہی

بتوں کو دل دیا تھا تو نے اب دیں کو بھی دے بیٹھا
ارے کچھ تو خدا سے ڈر، نظیرؔ اتنی بھی گمراہی

۱۲۶

غفلت میں جو رہا وہ نہ بھولے تو کیا کرے
فربہ جسے کیا وہ نہ پھولے تو کیا کرے

گل سے کوئی کہے کہ شگفتن سے باز آ
اس کو تو پھولنا ہے نہ پھولے تو کیا کرے

جو نا قبول شے کے بنا یا قبول کو
پھر اس کو وہ بھلا نہ قبولے تو کیا کرے

لڑکے کو دیں جو مهد میں مادر پدر سُلا
لاچار پھر وہ اس میں نہ جھولے تو کیا کرے

جن فیلباں کو حکم ہو سردار کا نظیرؔ
پھر وہ غریب ہاتھی نہ ہووے تو کیا کرے

۱۲۷

اس رشک مہ کے منھ پہ وہ مشکیں جو خال ہے
ایسا تو خال خلق میں اب خال خال ہے

اے مردمان چشم بتاں یہ وہ خال ہے
تم سب کے آج خال کو یاں جائے حال ہے

کیا دام زلف چاہیے جس جا پہ خال ہے
دانا کے واسطے تو یہ دانہ ہی جال ہے

اس مہ جبیں کے گوشۂ ابرو میں خال ہے
جیسا وہ نیمچہ ہے یہ ویسا ہی ڈھال ہے

ٹکڑے پہ اس کے گرچہ بناوٹ کا خال ہے
اصلی کو پر یہ حسن بنانا محال ہے

جس منھ پہ جوش حسن سے تل بھر بھی جا نہ ہو
واں تل بھی آ پڑے تو یہ تل کا کمال ہے

اس خال کے فراق میں اپنے جگر کا آج
وہ حال ہے جو چاند کے سینے کا حال ہے

خوبی میں اس کی چشم سلیمانی کہیے آہ
نیلم ہے یا کہ مردم چشم غزال ہے

اب کس سے اس کے خال کو تشبیہ دیں نظیرؔ
کافر یہ رو سیہ تو کوئی بے مثال ہے

۱۲۸

اب تو ہر لحظہ وہ بے درد ستاتا ہے مجھے
بے نہایت ستم و ظلم دکھاتا ہے مجھے

جاگتا ہوں تو یہ کہتا ہے کہ جا سو بھی کہیں
اور جو سوتا ہوں تو ٹھوکر سے جگاتا ہے مجھے

جس طرح جلتی ہے فانوس میں شمع محفل
اس طرح پردے ہی پردے میں جلاتا ہے مجھے

خوش نصیبی مری الفت کی تو دیکھو یارو
یاد کرتا ہوں جسے میں وہ بھلاتا ہے مجھے

شوق دیدار ہے یا جذبۂ الفت ہے غرض
کوئی تو ہے کہ جو کھینچے لیے جاتا ہے مجھے

آج وہ خاک نشیں ہوں میں کہ جوں نقش قدم
ہر کوئی پاؤں کی ٹھوکر سے مٹاتا ہے مجھے

عشق میں اس کے نہ مرتا ہوں نہ جیتا ہوں نظیرؔ

ایسی مشکل ہے کہ کچھ بن نہیں آتا ہے مجھے

۱۲۹

یہ کس نے آج چمن میں قبا اُتاری ہے — کہ جس کی بو سے ہر اک گل کو بیقراری ہے
تو وہ ہے گل کہ ہمیشہ قدم پہ ترے — چمن نے باغ میں سو سو بہار واری ہے
ترا میں حسن زلیخا سے پوچھ آتا جان — تو کیا کروں کہ وہ کشتہ لیئے سدھاری ہے
نہ برق میں ہے نہ سیماب میں نہ شعلے میں — الٰہی دل کو کہاں کی یہ بیقراری ہے
نظیر ابروئے مژگاں کو اپنا دل دے ڈال — نہیں تو دم میں میاں پھر چھُری کٹاری ہے

۱۳۰

لینے کو ہم آئے ہیں دلِ زار کسی سے — کچھ اور نہیں حُجّت و تکرار کسی سے
اب خیر اسی میں ہے کر دے ڈالیے دل کو — تا مفت نہ ہو قصۂ و بیکار کسی سے
ہم اپنی ہی خوبی سے نہیں بولے ہیں یا نہ — ہوتا خلش اب تک تو کئی بار کسی سے
اقرار جو کر کے کوئی مکرے تو وہ جانے — ہم نے تو کیا کچھ نہیں اقرار کسی سے
سب جانتے ہیں دل کے تئیں مفت لیا ہے — بوسے بھی نہیں پائے ہیں دو چار کسی سے
کیا وجہ نہ دینے کی کوئی منھ سے تو بولو — تو ہم بھی نہ ہوں دل کے طلبگار کسی سے
یہ سُن کے نظیر اس نے کہا سنتے ہو یارو — ہم کو تو علاوت نہیں زنہار کسی سے
سو آپ میں اس مکر کو ہوں خوب سمجھتا — اس پر تو نہ بولے مری بیزار کسی سے

۱۳۱

جلد اٹھا نہ چل او جلوہ دکھانے والے — ہیں نقاہت زدہ پیچھے ترے آنے والے
وائے غفلت جنھیں ہے فکرِ جراحت ریش — ہم انھیں سمجھے ہیں مرہم کے لگانے والے

جرم میں چاہ کے جو چاہو سو کہہ لو صاحب
شرم سے ہم نہیں اب سر کو اٹھانے والے

یک سر مو نہ پریشان ہو تو اے کاکلِ یار
ہم ترے دام میں آکر نہیں جانے والے

ہم تو جا بیٹھیں ابھی یار کے کوچے میں مگر
چین دینے کے نہیں رشک کے کھانے والے

ل نہ بے درد بتوں سے ہیں ہے خوف نظیر
تو ہے کمزور وہ ہیں زور جتانے والے

۱۳۲

کہہ کے اس قاتل نے آج ایک بات میرے سامنے
دل کے دو ٹکڑے کیے ہیہات میرے سامنے

شعلۂ دل سے مرے پروانہ کیا ہوگا دوچار
شمع نے رو رو دیا تھا، رات میرے سامنے

کیا کوئی اس شعلہ رو سے ہو مقابل حسن میں
ہو گئی پرسوں پری بھی مات، میرے سامنے

نقطۂ حسن اس کے رخ کا ایک کتاب حسن ہے
ہو چکی اس کی بھی تحقیقات میرے سامنے

اس کی ابرو کی صفت میں ہر کماں ابرو نے رات
بزم میں کیا کیا پڑھیں ابیات میرے سامنے

میں تو اس غماز کو کیا کیا سزا دیتا مگر
کیا کروں منکر ہوا بدذات میرے سامنے

پھر چلا تو آج اس چنچل کے کوچے میں نظیر
کل تو تو آیا تھا کھا کر لات میرے سامنے

۱۳۳

گئی فلک تئیں پر اس کے دل میں راہ نہ کی
ہماری آہ نے پیدا یہ دستگاہ نہ کی

جگر کو دیکھیے میرے کہ یوں ہوا ہوں قتل
سپر تو کیا ہے کہ ہاتھوں تلک پناہ نہ کی

زیادہ اس سے اب اخفائے درد کیا ہوگا
کہ جان آنکھوں میں آ آ گئی پر آہ نہ کی

کہا میں یار سے ایک دن کہ اے مہ تاباں
ہماری شام کبھی تم نے صبح گاہ نہ کی

نہ ہم سے پیار نہ الفت نہ مہر نہ اخلاص
جو سرسری سی نگہ گاہ کی تو گاہ نہ کی

یہ سن کے مجھ سے کہا یاں بھی کچھ اجارہ ہے
نہ کی تو چل بے نہ کی، واہ خواہ مخواہ نہ کی

میاں نظیرؔ ہمیں چاہتے رہے سب کو
ہزار حیف کسی نے ہماری چاہ نہ کی

۱۳۴

غنچہ لب، مہر جبیں، عارض گلفام پری
کیوں نہ جھمکیں طرب و عیش کر جسِ بزم میں ہو
وہ پری رُو جہاں آوے تو ہو واں کی یہ رو
یوں مرے سینے پہ سوتا ہے شبِ وصل میں وہ
اسکے مکھڑے کی جھمک بھی ہی کرتی ہو جو کچھ
میں نے پوچھا کہ ہے کیا نام تمھارا کہیے

گلشن حسن ہے اب تو وہ گل اندام پری
مے و مینا پری ساقی پری اور جام پری
دن پری رات پری، صبح پری، شام پری
جس طرح اپنے پلنگ پر کرے آرام پری
کرتی ہے حسن کی دکھلا کے جھمک کام پری
بولی کیا تو نہیں واقف ہے مرا نام پری

جس گل اندام کو اپنا دیا دل تو نے نظیرؔ
حسن میں نام خدا ہے وہ دل آرام پری

۱۳۵

ہو جو دوچار صبح اس عارض برق تاب سے
چھپتے ہیں یوں پری رُخاں اس رُخِ مہر تاب سے
مکھڑے کی اس کے ہمسری کیونکر ہو ماہتاب سے
دل کو اسیر کر لیا زلف کے پیچ و تاب سے
چہرے پہ اپنے تم نقاب کھینچو ہو کیوں حجاب سے
اس کا وہ روئے مہر وش چمکے ہے یوں نقاب سے
سویا ہے وہ ابھی کسم گیسو نہ اُس کے تن سے چھو
زلفیں جو کھولیں آپ نے سنبل تر کا جرم ہے
اس کا وہ قد ہے جلوہ گر دیدۂ تر سے یوں ہری

نکلیں ستارے رشک کے دیدۂ آفتاب سے
جیسے ستارے صبح کو چھپتے ہیں آفتاب سے
باہم کرے ہے اب تو صاف بڑھ کے وہ آفتاب سے
آنکھوں کی نیند سے گیا نرگس نیم خواب سے
یہ تو عجب ہوا اب نہیں وہ کہ چھپے نقاب سے
جیسے شعاع آفتاب چھوٹے تنک سحاب سے
اور جو لگی تو وہ ابھی چونک پڑے گا خواب سے
یا کہ ختن میں کچھ خطا ہو گئی مشک ناب سے
جیسے عیاں ہو عکس سرو نہر چمن کے آب سے

اپنا کتابی رخ جو یوں پھیر دہو ہم سے دم بدم
تم نے کیا ہے انتخاب کیا یہی اس کتاب سے

چھوڑ کے مجھ کو نیم جاں اب تو چلے ہو تم مگر
دیر نہ کیجیو مہرباں پھر یو ذرا شتاب سے

سخت عذاب تھا ہمیں آہوں سے دل کی کیا کہیں
بارے وہ تم نے لیا چھوٹے ہم اس عذاب سے

کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیر
ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ یہ ایک حباب سے

۱۳۶

ہم اشک غم ہیں اگر تھم رہے رہے نہ رہے
مژہ پہ آن کے ٹک جم رہے رہے نہ رہے

رہیں وہ شخص جو بزم جہاں کی رونق ہیں
ہماری کیا ہے اگر ہم رہے رہے نہ رہے

مجھے ہے نزع وہ آتا ہے دیکھئے اب آہ
کہ اس کے آنے تلک دم رہے رہے نہ رہے

بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار
ہوا کے بیچ کوئی دم رہے رہے نہ رہے

ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بہ نوک گیاہ
مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے

یہی ہے عزم کہ دل بھر کے آج رو لیجے
کہ کل یہ دیدۂ پرنم رہے رہے نہ رہے

تمھارے غم میں غرض ہم تو دے چکے ہیں جی
بلا سے تم کو بھی اب غم رہے رہے نہ رہے

یہی سمجھ لو ہمیں تم کہ ایک مسافر ہیں
جو چلتے چلتے کہیں تھم رہے رہے نہ رہے

نظیر آج ہی چل کر بتوں سے مل لیجے
پھر اشتیاق کا عالم رہے رہے نہ رہے

۱۳۷

حقہ

جب سے حقہ تجھ لب جاں بخش کا ہمراز ہے
تب سے حق حق کیا کرے قہ قہ کی سی کچھ آواز ہے

یہ جو اڑتا ہے دھواں اب تیرے منھ سے اے پری
اس دھوئیں والا نسب کی عرش تک پرواز ہے

پیچوان پینے میں کس کس آن کا کھلتا ہے پیچ
پیچوان کو اپنے پیچوں پر نہیں اتنا غرور

. . . .

آب نے حقّے تو اے نیچے کو یہ رتبہ کہاں
گر تجھے ہونا ہے گل لے دل تو جل اور دم نہ مار
گل کیا دم بھر میں تمبا کو جلا کر آگ میں
ہے کہاں ٹک بول اٹھ جلدی خدا کے واسطے
کیوں نہ تجھ کو منھ لگا دیں خلق میں شاہ و گدا
پیچوان پر پیچ کھاتی ہے پڑی حوروں کی لٹ
آدم ایک دمڑی کی حقیا کو رہے عاجز سدا

گڑگڑی پینے میں کافر اور ہی انداز ہے
جتنا تیری گڑگڑی کو ڈیڑھ خم پر ناز ہے
دل جلانے کو تو ابھی عاشق جانباز ہے
منھ سے لگنے میں تو اب منہال بھی ممتاز ہے
دیکھ تمبا کو کو کیا کیا سوز ہے اور ساز ہے
اے پری رو تیرے دم میں تو یہ کچھ غمّاز ہے
او میاں حقّے عجب پیاری تری آواز ہے
تو تو پریوں کے لبوں کا ہمدم و ہمراز ہے
گڑگڑی تیری بھی سادی، اے پری طنّاز ہے
ہم کو کیا کیا گڑگڑی گڑگڑی اور پیچوان پر ناز ہے

غور کر دیکھا تو اب یہ وہ مثل ہے اے نظیر
باپ نے پدڑی نہ ماری بیٹا تیر انداز ہے

۱۳۸

انداز کچھ اور ناز و ادا اور ہی کچھ ہے
نہ برق نہ خورشید نہ شعلہ نہ بھبھوکا
بلور کی چمکیں ہیں نہ الماس کی جھمکیں
پیچھے کو نظر کی تو وہ گدّی ہے قیامت
سینے پہ کہا میں نے یہ دیسب ہیں کیا ہیں
تم باتیں ہمیں کہتے ہو اور سنتے ہیں ہم چپ
ہیں آپ کی باتیں تو شکر ریزہ اے جاں
پوچھی جو دوا ہم نے طبیبوں سے تو بولے

جو بات ہے وہ نام خدا اور ہی کچھ ہے
کیوں صاحبو یہ حسن ہے یا اور ہی کچھ ہے
اس گورے سے سینے کی صفا اور ہی کچھ ہے
آگے کو جو دیکھا تو گلا اور ہی کچھ ہے
شرما کے یہ چپکے سے کہا اور ہی کچھ ہے
اپنی بھی خموشی میں صدا اور ہی کچھ ہے
اس گونگے کے گڑ میں بھی مزا اور ہی کچھ ہے
بیماری نہیں ہے یہ بلا اور ہی کچھ ہے

عتاب نہ غلطی نہ بخشش نہ خیار ین — اس ڈھب کے مریضوں کی دوا اور ہی کچھ ہے

ہم کو تو نظیر اُن سے شکایت ہے جفا کی
اور اُن کا جو سُنیے تو گلہ اور ہی کچھ ہے

۱۳۹

یہ جو اُٹھتی کونپل ہے جب اپنا برگ نکالے گی — ڈالی ڈالی جاوے گی اور پتا پتا کھاوے گی
ہونہار بروا کے پتے چکنے چکنے ہوتے ہیں — بہت نہیں کچھ تھوڑے ہی دن میں بل پھننگ کو آوے گی
ابھی تو کیا ہے چھٹپن ہے نادانی ہے بیہوشی ہے — پھر تو اس آن ہوویگا جب اپنا ہوش سنبھالے گی
ناز ادا اور غمزوں کے کچھ اور ہی کرتے گی گل پھول — سین نگاوٹ چتون کا بھی اور ہی عطر نکالے گی
کاجل مہندی پان مسی اور کنگھی چوٹی میں ہر آن — کیا کیا رنگ بناوے گی اور کیا کیا نقشے ڈھالے گی
جب یہ تن گدراوے گا اور بازو باہیں ہوں گے گول — اُس دم دیکھا چاہیے کیا کیا پیٹ کے پاؤں نکالے گی
کس کس کا دل دھڑکے گا اور کون ملے گا ہاتھوں کو — تکیے سے جب انگیا میں یہ کچے سیب اُچھالے گی
پان چبا اور آئینے میں دیکھ کے اپنے ہونٹوں کو — کیا کیا ہنس ہنس لیوے گی اور کیا کیا دیکھے بھالے گی
خانہ جنگیاں ہوویں گی اور لوگ مریں گے کٹ کٹ کر — شہر کے کوچے گلیوں میں ایک شور قیامت ڈالے گی
جب یہ میوہ حسن کا رس رس پک کر ہووے گا تیار — نا معلوم اس کی قیمت کا جب دیکھا چاہیے کیا لے گی
سونا روپا سیم و جواہر صبر و دل و دیں ہوش و قرار — آنکھ اُٹھا کر دیکھتے ہی ایک آن میں سب بھروا لے گی

اپنے وقت جوانی میں یہ شوخ خدا ہی جانے نظیر
کس کس کا زر لوٹے گی اور کس کس کا گھر گھالے گی

۱۴۰

چتون میں شرارت ہے اور سین بھی چنچل ہے — کافر تری نظروں میں کچھ اور ہی چھل بل ہے
بالا بھی چمکتا ہے جگنو بھی دمکتا ہے — بدھی کی لپٹ تس پر تعویذ کی ہیکل ہے
گورا وہ گلا نازک اور پیٹ ملائی سا — سینے کی صفائی بھی اینی گویا مخمل ہے

وہ حسن کے گلشن میں مغرور نہ ہو کیونکر
بڑھتی ہوئی ڈالی ہے اُٹھتی ہوئی کونپل ہے

انگیا وہ غضب جس کو ململ ہی کرے دل بھی
کیا جانے کہ شبنم ہے نن سکھ ہے کہ ململ ہے

یہ دو جو نئے پھل ہیں سینے پہ ترے ظالم
ٹک ہاتھ لگانے دے جینے کا یہی پھل ہے

اُبھرا ہوا وہ سینہ اور جوش بھرا جوبن
ایک ناز کا دریا ہے ایک حسن کا بادل ہے

کیا کیجیے بیاں یارو چنچل کی رکھاوٹ کا
ہر بات میں ڈُو ڈُو ہے ہر آن میں چھلبل ہے

یہ وقت ہے خلوت کا اے جان نہ کر کلکل
کافر تری کلکل سے اب جی مرا بیکل ہے

کل میں نے کہا اس سے کیا دل میں یہ آیا جو
کنگھی ہے نہ چوٹی ہے مِسّی ہے نہ کاجل ہے

مغموم ہوا ہم سے روٹھے ہو تم اے جانی
اُلٹا ہی ڈوپٹے کا کھڑے پہ یہ آنچل ہے

یہ سُن کے لگی کہنے روٹھی تو نہیں تجھ سے
پر کیا کہوں دو دن سے کچھ دل مرا بیکل ہے

جس دن ہی نظیر آکر وہ شوخ ملے ہم سے
ہتھ پھیر ہیں بوسے ہیں دن رات کی مل دل ہے

۱۴۱

ترے رخ کی جھمکیں کیا کہوں جسے دیکھ رہیں سر دشت سی
رہے ہر شخ گو ابھرے باؤلی ہی تری ایک جھلک کو دیکھ پری

تری نظر تیر کمان بھویں تری آنکھیں ترک سناں مژہ
تیرے مکھ آن سٹھلی چلبلی تری شوخ ادا اُس فریب بھری

تونے پان سے منھ کو لال کیا کہوں کیا جو دل کا حال کیا
دیا سرمہ آنکھوں میں وہ بلا جیسے اُو بی تیغ پہ باڑھ دھری

ترے تن کی نرمی کیا کہوں تجھے چھو کے پاؤں کے تلوے کو
چھوئی مخمل آن کے جس گھڑی لگی ہاتھ کو میرے وہ کھردری

زری پوش جو ہو کے نکلا ہے تو جھپک جھمک ہے او میاں
ہے نظیر بھی تیرا مبتلا بھلا اس کے پاس بھی بیٹھ ذری

۱۴۲

چتون کی کہوں یا کہ اشارات کی گرمی
ہے نام خدا اس میں ہر ایک بات کی گرمی

رونے سے مرے اسکو عرق آگیا یارو
سچ ہے کہ بُری ہوتی ہے برسات کی گرمی

باقی

لگ پھول چھوا تھا سو نزاکت سے کئی بار
رہ رہ کے دکھائی مجھے گل ہاتھ کی گرمی

کھلواتے ہی بندوں کے بدن گرم ہو آیا
شاید کہ لگی اس کو مرے ہاتھ کی گرمی

جلتا ہوں میں اور شعلے نہیں دیتے دکھائی
ہے عشق میں یارو یہ طلسمات کی گرمی

رہتا ہے کوئی دن تو سمجھ جائیو اے دل
یاں پھر وہی ٹھہری ہے ملاقات کی گرمی

گرمی بھی کہیں آہ ہم افسردہ دلوں میں
ساقی کی فقط ہے یہ عنایات کی گرمی

آتے ہی جو تم میرے گلے لگ گئے واللہ
اس وقت تو اس گرمی نے سب مات کی گرمی

کہتا ہے وہ جس دم کہ چلو ہم سے نہ بولو
اس بات میں ہے اور ہی ایک بات کی گرمی

سب پوچ ہے ظاہر کی یہ شوخی و شرارت
معشوق میں جب تک کہ نہ ہو ذات کی گرمی

تم غصہ ہو یا قہر ہو آتش ہو غضب ہو
اب ہم نے یہ سب دل پہ مساوات کی گرمی

یا حضرت دل تم تو بڑے صاحب دل تھے
رکھتے تھے بہت اپنے کمالات کی گرمی

ایک ہی نگہ گرم سے بس ہو گئے تم سرد
اب کہیے کہاں ہے وہ کرامات کی گرمی

یوں گرمی صحبت تو بہت ہو گی نظیر آہ
پر یار نہ بھولے گی مجھے رات کی گرمی

۱۴۳

وہ صنم جو مہر غدار ہے اسے ہم سے ملنے میں عار ہے
وہ اپنا جو دل زار ہے وہ ہزار جان سے نثار ہے

نہ جب اس کے کوچے میں جا سکے جا یہ سر در عیش ہے برملا
لب دل ہے اور وہ نقش پا بر جان ہے اور در یار ہے

وہ نگہ جو اس کی ہے فتنہ گر اسے مشق صید ہے پیشتر
ہے جو دل کا طائر تیز پر اسی باز کا یہ شکار ہے

وہ مژہ لگا کے جو ایک سناں گئی پھر تو کر نہ دل اب فغاں
کئی ایسے ہوویں گے امتحاں یہ ابھی تو پہلا ہی وار ہے

جو بہار گل یہ ہی ہے تو پھر ہیں کیا جو حسن کی ہی ہے مُل
جنہیں چاہیے ہے وہ رشک گل انہیں گل سے کیا سروکار ہے

جو بتوں کو دیویں دل و دیں کہیں اس کو یہ اہل قشر ہیں
بھلا کہیے کیا اسے ہمنشیں عجب کچھ ان کا شعار ہے

کئی دن ہوئے ہیں نظیر اب کہ خفا ہے ہم سے وہ غنچہ لب

اُسے کیا ڈرے جسے ہیں نہ روز و شب نہ تو صبر ہو نہ قرار ہو

۱۴۴

یک بہ یک مو کی سیاہی اس قدر جاتی رہی
کیا کہیں گویا سیاہی یک سرِ مو بھی نہ تھی

گو سفیدی مو کی یوں روشن ہے جوں آبِ حیات
لیکن اپنی تو اسی ظلمات سے تھی زندگی

دم بدم بزمِ سرور و ہر گھڑی سیرِ چمن
عشرت و عیش و نشاط و خرمی و تازگی

خندہ شادی سے ہر گز لب ہٹتے تھے بہم
ساغر و مینا، سرود و رقص، خوش طبعی ہنسی

جام دیتا تھا ادھر ساقی بہ منت ہاتھ جوڑ
اس طرف کیا کیا لگاوٹ دلبروں کی تھی نئی

گلبدن کرتے تھے کس کس طور اظہارِ اشتیاق
غنچہ لب ملتے تھے سو سو دل میں رکھ کر بیکلی

کوئی دیتا تھا محبت سے گلے میں ہاتھ ڈال
کوئی دیتا تھا زبردستی سے بوسہ ہر گھڑی

جس طرف تھے دیکھتے عیش و طرب کا جوش تھا
مستی و رندی، ہوس بازی و بے اندیشگی

آن کر مو کی سفیدی نے یہ کیں بربادیاں
کھول دیں جتنی بندھیں تھیں وہ ہوائیں عیش کی

قد میں خم، آنکھوں میں نم، چہرے پہ جھری، تنگ دم
سر سے پا تک سخت ناخوش منظری بدلی تھی

کیا تماشے انقلابِ چرخ کے کھینچے نظیرؔ
دم میں وہ رونق تھی اور اک دم میں یہ بے رونقی

۱۴۵

فرض ہے سب کو جنابِ کبریا کی دوستی
ہے وہی بندہ کہ جس کو ہے خدا کی دوستی

گر شفاعت کی تمنا ہے تو رکھ جی میں سدا
شافعِ محشر محمد مصطفیٰؐ کی دوستی

جامِ کوثر کا پیا چاہے تو اپنے دل میں رکھ
ساقیِ کوثر علیؑ مرتضیٰ کی دوستی

حشر میں کھیتی ہری چاہے تو کر یاں اختیار
سبز پیراہن امام مجتبیٰ کی دوستی

سرخ روئی دین و دنیا کی اگر درکار ہے
تو تو رکھ دل میں شہیدِ کربلا کی دوستی

زیب و زینت حشر کی چاہے تو سینے میں جما
عابد و باقر شہِ ہر دو سرا کی دوستی

گر بہشتی جنتی ہونا ہو تو کر دل میں نقش
جعفرؑ و کاظمؑ علیؑ موسیٰ رضا کی دوستی

قبر کی سختی سے چھٹنا ہو تو اے مومن محب
رکھ تقیؑ حضرت نقیؑ سے پیشوا کی دوستی

راہ جنت کی اگر چاہے تو اپنے ساتھ لے
عسکریؑ مہدیؑ امام رہنما کی دوستی

جس کو کہیئے مذہب حق اور صراط المستقیم
ہے وہ بیشک اہل بیت مصطفےٰ کی دوستی

جنتی ہے جنتی ہے جنتی ہے وہ سعید
ان کی خدمت میں جو رکھتا ہے وفا کی دوستی

دوزخی ہے دوزخی ہے دوزخی ہے وہ شقی
اس طرف سے جو رکھے روئے ریا کی دوستی

نوح کی کشتی انھیں کو ہے پیمبرؐ نے کہا
چھوڑ مت اے دل تو ان بحر سخا کی دوستی

پل صراط حشر میں جس دم ترا کھسکے گا پاؤں
واں تھامے گی کسی یار آشنا کی دوستی

ہاں مگر جب تو کہے گا یا علیؑ مشکل کشا
جب سنبھالے گی تجھے مشکل کشا کی دوستی

دیکھیو کس طرح سے دل تجھے آتی ہے کام
مرتضیٰؑ مشکل کشا شیر خدا کی دوستی

گر تو یہ چاہے خدا اور مصطفےٰؐ ہو تجھ سے شاد
تو علیؑ حیدر سے رکھ صدق و صفا کی دوستی

حیف اس کی بندگی اور خاک اس کی زندگی
شیر حق سے جو رکھے کر و دغا کی دوستی

دین و دنیا میں وہی ہے جنتی بے شک نظیرؔ
جس کے دل میں ہے سدا آل عبا کی دوستی

۱۴۶

کل دیکھ کے اس کے عالم کو اک عالم کے اوسان گئے
واللہ عجب کچھ عالم تھا جو جان گئے سو جان گئے

کیا حسن کھولا اللہ رے حسن اس شوخ پری کی صورت پر
انسان رہے کس گنتی میں جب حور و ملک قربان گئے

اس مکھڑے چاند سے ٹکڑے کو تر دیکھ عرق کے قطروں سے
کتنوں کے دین پھرے بہتے اور کتنوں کے ایمان گئے

تھے چین جبیں پر ایسے ہی اس شوخ بت چنچل کے جب سے
جو کافر کٹے چین کے تھے وہ کافر بھی چیں مان گئے

وہ بوند سیاہی مژگاں کی جب تری تیر اندازی پر
دل چھید جگر سوراخ کیا اور سینہ تو سب چھان گئے

کچھ بھیس بدل کر شب کو ہم جوں پہونچے اس کی مجلس میں
وہ کافر وہیں بول اٹھا ہم جان گئے ہم جان گئے

وہ دیکھ کے خط آئینے میں کل بھر کر آہ لگا کہنے
اس سبز قدم کے آتے ہی سب خوبی کے سامان گئے

جب میں نے نظیرؔ اُس سے یہ کہا، اب غم کھانے کیا ہوتا ہے
ان باتوں کو سن یاد کر وہ پانی بہ ملتان گئے

١٤٧

یہ رنگِ پان سے جو دہن اس کا لال ہے
آج ان لبوں سے لعل کی پوری مثال ہے

استغفر اللہ لعل کہاں اور یہ لب کہاں
اے بے وقوف کچھ بھی تجھے انفعال ہے

خورشید جس سے لعل کی ہوتی ہے تربیت
وہ ان لبوں کے پان کا ادنیٰ اُگال ہے

یوں لعل گرچہ سُرخ ہے پر سنگِ سخت ہے
گو نرم بھی ہوا تو یہ اُس کی مجال ہے

کہتے ہیں لعل ٹوٹ کے ہوتا نہیں درست
سچ ہے یہ اپنے دل میں تو اور ہی خیال ہے

ہر دم سخن میں ٹوٹ کے بنتا ہے لعل لب
یہ معجزہ ہے یا کوئی سحرِ حلال ہے

بس لعلِ لب سے لعل کو نسبت ہے کیا نظیرؔ
یاں لعل کی بھی اب تو زباں منھ میں لال ہے

١٤٨

یہ حسن ہے آہ یا قیامت کہ اک بھبھوکا بھبک رہا ہے۔
فلک پہ سورج بھی تھرتھرا کر منھ اس کا حیرت سے تک رہا ہے

کھجوری چوٹی ادا میں موٹی، جفا میں لمبی، وفا میں چھوٹی
ہے ایسی کھوٹی کہ دل ہر اک کا ہر ایک لٹ میں لٹک رہا ہے

وہ نیچی کافر سیاہ پٹی کہ دل کے زخموں پہ باندھے پٹی۔
پڑھی ہے جس نے کہ اس کی پٹی، وہ پٹی سے سر ٹپک رہا ہے

وہ ماتھا ایسا کہ چاند نکھرے پھر اس کے اوپر وہ بال بکھرے
دل اس کے دیکھے سے کیوں نہ نکھرے کہ مثل سورج چمک رہا ہے

وہ چین خوررو، کشیدہ ابرو، وہ چشم جادو، نگاہیں آہو
وہ پلکیں کج خو کہ جن کا ہر مو، جگر کے اندر کھٹک رہا ہے

غضب وہ چنچل کی شوخ بینی، پھر اس پہ نتھنوں کی نکتہ چینی
پھر اس پہ نتھ کی وہ ہمنشینی پھر اس پہ موتی پھڑک رہا ہے

لب و دہاں بھی وہ نرم و نازک مسی و پان بھی وہ قہر آفت
سخن بھی کرنے کی وہ لطافت کہ گویا موتی ٹپک رہا ہے

وہ کان خوبی میں چھک رہے ہیں جواہر ان میں جھمک رہے ہیں
ادھر کو جھمکے جھمک رہے ہیں ادھر کا بالا چمک رہا ہے

صراحی گردن وہ آبگینہ پھر آگے سینہ بھی جوں نگینہ
بھرا ہے جس میں تمام کینہ کہ جوں نگینہ دمک رہا ہے

کچیں وہ کچھ کچھ ثمر درختی، کچھ ان کی سختی وہ کچھ کرختی
ہیں جس نے دیکھے وہ پھل درختی، کلیجہ اس کا دھڑک رہا ہے

وہ سرخ انگیا جو کس رہی ہے وہ چین رہی ہے اکس رہی ہے
کچھ ایسے ڈھب سے وہ کس رہی ہے کہ اس کا کسنا کسک رہا ہے

وہ پیٹ دل کو لپیٹ لیوے، وہ ناف جی کو سمیٹ لیوے
مزار جی کا جھپیٹ لیوے، کچھ ایسا پیڑو پھڑک رہا ہے

وہ پیٹھ گوری، کمر وہ پتلی، غضب لگاوٹ وہ پھر سرین کی
اب آگے کہیے تو کیا کہوں میں کہ ہوش اس جا ٹھٹک رہا ہے

فقط وہ چمپے کی اک کلی ہے کچھ اک مندی ہے کچھ اک کھلی ہے
سلاخ سونے کی ایک ڈلی ہے کہ گویا کندن دمک رہا ہے

وہ پیاری رانیں وہ گول ساقیں، وہ کف ملائم وہ نرم پنجے

کرڑی کرڑی سے کھڑک رہی ہے، کرڑا کرڑے سے کھڑک رہا ہے

نظیرؔ خوبی میں اُس پری کی کہوں کہاں تک ثنا بنا کر
صفت سراپا میں جس کے لکھے، دل اب اُسی سے اٹک رہا ہے

۱۴۹

اولاً اس بے نشاں اور بانشاں کو عشق ہے
بعد ازاں اس حلقۂ پیغمبراں کو عشق ہے

لافتیٰ اِلّا علی ہے شان میں جس کی نزول
دوستاں اس شاہِ مرداں سے جواں کو عشق ہے

پھر جو ہے باغِ نبوت اور امامت کی بہار
غنچہ و گل، سبزۂ عنبر فشاں کو عشق ہے

عرش و کرسی حور و غلماں زرنگاہ خاص و عام
عالمِ بالا کے سب باشندگاں کو عشق ہے

جنت و عدن و بہشت و خلد و مینو اور ارم
ساتھ ان باغوں کے رضوانِ باغباں کو عشق ہے

ہیں جو سیّا ۔ و ثوابت آفتاب و ماہتاب
قائم و میلِ فلک، قطبِ زماں کو عشق ہے

ہیں جو یہ چودہ طبق متحرک و ساکن سدا
بے سخن ان سب زمین و آسماں کو عشق ہے

مختلف ہیں اور ملے رہتے ہیں باہم روز و شب
خاک باد و آتش و آبِ رواں کو عشق ہے

ہے جہاں میں جن سے روشن عدل کے گھر کا چراغ
دمبدم ان بادشاہانِ جہاں کو عشق ہے

اور خراساں اصفہاں ایران اور توران کو
پھر ہمارے گلشنِ ہندوستاں کو عشق ہے

ہیں جہاں تک سلسلے فقرا کے از کہتا بہ مہ
عارفاں اور کاملاں اور عاشقاں کو عشق ہے

کوہ تھراتے ہیں لرزیاں ہیں زمین و آسماں
عاشقِ مولا کی فریاد و فغاں کو عشق ہے

ہر طرف گلزار ہے سبزان اور آبِ رواں
اپنی نظروں میں بہارِ گلفشاں کو عشق ہے

وہ جو ہیں اس گلشنِ ہستی میں اب محوِ فنا
ان کے آگے موسمِ بادِ خزاں کو عشق ہے

دل کو ہے پامال کر دینا بصد جور و جفا
اس ۔ ۔ خوبانِ عالم دلستاں کو عشق ہے

گرد کے مانند پھرتی ہیں پڑی اڑتی خراب
لٹ گئی دستِ جنوں کی کارواں کو عشق ہے

لوٹتے ہیں مست میخانے کے در پر جابجا
جام و صہبا ساقی و پیرِ مغاں کو عشق ہے

کل ہی نقش ذالقہ سن کر کبھی ہم عامل رہے
اے عزیزاں اس حیات رائگاں کو عشق ہے

خلقت کونین میں کیا جن و کیا انساں نظیرؔ
وحشی و طائر زباں نے بے زباں کو عشق ہے

۱۵۰

خربوزے

اب تو بازار کے ہیں زیب فزا خربوزے
ہیں جدھر دیکھو اُدھر جلوہ نما خربوزے

قند و مصری کی حلاوت تو عیاں ہے لیکن
قند و مصری کے بھی ہیں ہوش ربا خربوزے

دلکش اتنے ہیں کہ بازار میں لینے تربوز
گر کوئی جاوے تو لاتا ہے تلا خربوزے

ناشپاتی کو لگا کر اگر امرود و انار
ہوں مقابل تو اُنھیں گنتے ہیں کیا خربوزے

سو بڑھل ہے کے کٹھل بھی اگر آوے چل کر
اپنے ایک قاش نے دیں اس کو مٹھا خربوزے

پر آیا تو کہا ہم نے منگا دیں لڈو
ہنس کے اس شوخ شکر لب نے کہا خربوزے

ق

بھقیاں فالسے منگوا دیں تو جھنجھلا کے کہا
پوچھتے کیا ہو، تمھیں کہہ تو دیا خربوزے

ہم نے دیکھا کہ ادھر رغبت خاطر ہے بہت
حکم کرتے ہی دیئے ڈھیر لگا خربوزے

چھو لیا سیب ذقن کو تو کہا واہ چہ خوش
تم نے منگوائے اسی واسطے کیا خربوزے

اب کے شفتالو نے لب کے کوئی لوگے بوسہ
اچھی حرفت کو لیے تم نے منگا خربوزے

شکریں میوے ہوں اور سب کو ہم پہونچیں بہت
سو نظیرؔ ایسے تو تربوز ہیں یا خربوزے

۱۵۱

سمدھن

کروں کس منھ سے اے یار بیاں میں شان سمدھن کی
لگی ہے اب تو میرے دل کو پیاری آن سمدھن کی

چمن میں حسن کے ہوں اس کے رخ اور زلف پر قرباں ۔ اگر دیکھیں ذرا صورت گل و ریحان سمدھن کی
کمر نازک لچکتی چال، آنکھیں شوخ، تن گورا ۔ نظر چنچل، ادا اچپل، یہ ہے پہچان سمدھن کی
سنہری تاش کا لہنگا، روپہلی گوٹ کی انگیا ۔ چمکتا حسن جوبن کا جھمکتی آن سمدھن کی
ملائی سا شکم، سینہ مصفّا، خوشنما ساقیں ۔ صفا زانو کا آئینہ، ملائم ران سمدھن کی
کہوں کچھ اور بھی آگے جو سمدھن حکم فرما دیں ۔ صفت منظور ہے ہم کو تو اب ہر آن سمدھن کی
بڑا احسان مانیں ہم تمھارا آج سمدھی جی ۔ میسر ہو اگر صحبت ہمیں اک آن سمدھن کی
ہمیں اک دو گھڑی کے واسطے دلوا دلا دو تم ۔ جو کچھ لہنگے کے اندر چیز ہے پنہاں سمدھن کی

نظیر اب آفریں ہے یار تیری طبع کو ہر دم
کہی تعریف تو نے خوب عالی شان سمدھن کی

۱۵۲

موتی[۱]

پری زادوں میں ہے نام خدا جس شان پر موتی ۔ کوئی ایسا نہیں موتی، مگر موتی، مگر موتی
جھمک جاوے نگاہوں میں جواہر خانۂ قدرت ۔ جو کھا کر پان اور مل کر مسی ہنس دے اگر موتی
رگِ گل اس کمر کے سامنے بھرتی پھرے پانی ۔ لچک میں اور نزاکت میں جو رکھتی ہے کمر موتی
ادھر ہر ایک مکاں پر موتیوں کے ڈھیر ہو جاویں ۔ ادا سے ناز سے ہنس کر قدم رکھے جدھر موتی
صدا سن کر ہر اک کی چشم سے موتی ٹپکتے ہیں ۔ نقط بیٹھے ہی گانے میں یہ رکھتی ہے اثر موتی
عجب نقشہ عجب سج دھج عجب آنکھیں عجب نظریں ۔ بڑے طالع، بڑی قسمت جو دیکھے اک نظر موتی
شرف پنے کو پنے پر، شرف ہیرے کو ہیرے پر ۔ شرف شرفن کو بعلوں پڑ رہی ہے جس کے گھر موتی
ہر اک دندان موتی، حسن موتی، نام بھی موتی ۔ سراپا یہ جشم موتی، قسں پہ پہنے سر بسر موتی

جو خوبان بے نظیر اس دور میں ہیں نازک اندر گیں

[۱] موتی نظیر کی معشوقہ کا نام ۱۲

شرف رکھتی ہے یار وہ اب تو سب کے حُسن پر موتی

۱۵۳

آرسی

قطعہ

نوا کے ایک آرسی ہم نے کہا کہ لو
ہے کر بڑے دماغ سے اور دیکھ یک بہ یک
جھنجھلا کے دور پھینک دی اور یوں کہا کہ چہ خوش

پکڑی کلائی اس کی جو وہ شاخسار سی
تیوری چڑھا کے ناز میں کچھ کر کے عار سی
ہم مارتے رہیں ایسی انگوٹھے پہ آرسی

غزل نمبر ۳۴۲ صفحہ ۱۳۹ کے بقیہ اشعار

طلا ہے اس لب میگوں کے ساتھ خال اے دل
وہ جلوہ گر ہو تو رہتی ہے جان دگر نہ آج

فقط یہی نہیں افیون بھی اس شراب میں ہے
دل نظارہ طلب سخت اضطراب میں ہے

غزل نمبر ۳۷۸ صفحہ ۱۵۶ کے بقیہ اشعار

مر بھی جاویں گے تو جز پیرہن عریانی
اب تو ہے ناز یہ ٹھکرا کے سروں کو چلنا

آپ سے ہم نہیں لینے کے کفن یاد رہے
لیکن آخر نہیں اچھا یہ چلن یاد رہے

غزل نمبر ۳۸۰ صفحہ ۱۵۶ کے بقیہ اشعار

آنا کبھی تو گھر میں ہے کہہ آنا بار بار
اور آپ بھی جو چار گھڑی بیٹھنا تو پھر
گر وصل کی ہو شب تو انہیں ہونا مضطرب

یعنی کہ مجھ کو واں سے بلانا گھڑی گھڑی
کرنا ہر ایک طرح کا بہانا گھڑی گھڑی
کتہ جاؤں جاؤں مجھ کو کہانا گھڑی گھڑی

غزل نمبر ۳۸۲ ص ۱۵۷ کے بقیہ اشعار

مطلع

گل رنگی و گل پیرہنی گل بدنی ہے
گلزار میں خوبی کے اب اس گل کے برابر
انداز بلا ناز ستم، قہر تبسم

وہ نام خدا حسن میں سچ مچ کی بنی ہے
بوٹا ہے نہ شمشاد نہ سرو چمنی ہے
اور تس پہ غضب کم نگہی کم سخنی ہے

غزل نمبر ۳۸۳ ص ۱۵۸ کے بقیہ اشعار

پھرے ہے حرص سے بلبل چمن کے تختے تختے میں
جو کچھ بھی صبر ہو تو ایک گل کیا اس کو تھوڑا ہے

کل اس نے نیلگوں ناخن سے ایسے میرے چٹکی لی
کہ جس کے نیل کا اب تک مرے تن میں دوڑا ہے

چمک ہے درد ہے کوندن بڑی ہے ہول اٹھتے ہیں
مرے پہلو میں کیوں یارو یہ دل ہے یا کہ پھوڑا ہے

نشے میں پا کے اس کو کس طرح بوسہ نہ میں لیتا
بھلا یارو کسی نے بھی شکار اپنے کو چھوڑا ہے

عبث اس بے وفا کے تو جو نکتوڑے اٹھاتا ہے
ارے دل تجھ کو کیا دنیا میں محبوں کا توڑا ہے

غزل نمبر ۴۴۶ ص ۱۸۳ کے بقیہ اشعار

تو ہم مضطرب ہو دوڑتا ہے دمبدم کہہ کر
چلیں دیکھیں کوئی تو حلقہ در کھٹکھٹاتا ہے

نگار خوشدلی کرتا ہے وا بند نقاب اپنا
طرب ہے دست عشرت بھی تکدر کو مٹاتا ہے

مہندی

میاں یہ کس پری کے ہاتھ پر عاشق ہوئی مہندی
کہ باطن میں ہوئی ہے سرخ ظاہر میں ہری مہندی

گئی پیسی گئی، توڑی، چھنی، بھیگی، پسی مہندی
جب اتنے دکھ سہے تب اُس کے ہاتھوں میں لگی مہندی

شفق میں ڈوب کر جوں پنجۂ خورشید ہو رنگیں
چمک میں رنگ میں سرخی میں کچھ ایسی ہی تھی مہندی

جو گورے گورے ہاتھ اور نرم و نازک پیارے پیارے ہوں
تو بس وہ جان ہیں مہندی کی اور ان کا ہے جی مہندی

کف نازک پہ اس کے گو ہے اصلی رنگ کی سرخی
تمہاری ال یاں گھٹتی نہیں سختی ہو بلی مہندی

بھلا کیونکر نہ ہوں یارو میں اُس کو دیکھ دیوانا
کہ ہو دیں جس پہ یہ دو گے پری ہاتھ اور ہری مہندی

ہوئی یاں تک اسے میری نگاہ گرم کی گرمی
کہ دست و پا میں اس کے دیر تک سلگ گئی مہندی

نظیر اس گلبدن نے اور ہی مہندی لگائی ہے
مبارکباد، اچھا، واہ وا خاصی رچی مہندی

تمام شد ضمیمہ

کلام نظیر

بزبان

فارسی

دیوان نظیر فارسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

متفرقات ردیف الف

بالۂ گوش تو اے غنچہ دہن خوش بالا	۱	داشتم گوہر دل، ثرو ز بالا بالا
چو ببیند ایں طلائی آرسی را	۲	بود خجلت گل سورج مکھی را
ردی خود می پوشی لے رنگیں ادا ہم رنگ	۳	طالب دیدار را تاب تحمل تا کجا
گل چنپا پسندِ من ازاں است	۴	کہ روزے دیدہ ام چنپا کلی را
دوشالہ از تن خوباں چو گرم الفت شد	۵	باتصال دعا می دہد زمستاں را
شال رومال بر سرِ تو چنیں	۶	کہ صد احساں نہادہ بر سرِ ما
ازیں معنی بخندید او بطرزے	۷	کہ زو گردد خجل عقد ثریا
جز عنایاتِ نازنیں خوباں	۸	کہ فشاند نیاز مندان را؟
گل در انگشتِ تو اے رنگیں ادا	۹	شاخ را بگذاشت در عشق حنا

لہ بغیر اضافت بھی پڑھ سکتے ہیں اور شاید زیادہ گرم رہی ہے ۱۲ شہباز

متفرقات ردیف ب

بس کہ حسنِ گل دہد راحت بجان عندلیب ۱۰ بہر آں باشد بگلشن آشیان عندلیب
فی المثل صیاد گر سازد اسیرش پیش گل ۱۱ از پرے تاہم تواں دیدن نشانِ عندلیب
جنبش جھمکۂ تو مے سازد ۱۲ خاطرِ آرمیدہ را بے تاب
مسی بر تبۂ والاے خویش می نازد ۱۳ ز لطفِ گوہرِ دندانِ تو بسی دو زیب
عرقِ آں طور بر نازک تنِ تست ۱۴ کہ باشد در چمن نسرین سیراب
عجب دارم من از پازیب خوباں ۱۵ کہ زیب از پا بود گویند پازیب
اے گُل اندام گلشنِ حسنت ۱۶ باد پیوستہ خرم و سیراب

متفرقات ردیف ت

اے سرو قدے بیا کہ بہ اُمیدِ دیدنت ۱۷ مشتاقِ تو بہ زیرِ درختے فتادہ است
طرۂ مقیش بر دستار چوں گُل ہمچناں ۱۸ تا تواں گفتن کہ ایں از بارِ نسرین برگ است
دو پٹۂ تو گلابی، دمن بایں حیرت ۱۹ کہ برگِ گُل بچنیں عرض و طول بس عجب است
غنچہ را حسن شگفتن ز نسیمِ سحر است ۲۰ بہر ایں غنچہ مگر وصل نسیم دگر است
جز تبسم نتواں گفت تبسمش اصلا ۲۱ یا[illegible] کہ بہ از قند و نبات دشکر است
بود یک لعل در آغوشش حمرت ۲۲ کنارنگ پاں خوش از دو لعل است
من آں نیم کہ بترسم زچینِ پیشانی ۲۳ چنیں معاملہ اکثر بہ پیشم آمدہ است
حنا گرفت سرِ انگشت او چو از فندق ۲۴ برائے آں کہ بگیرند ساعد از انگشت
بچشمت رشتۂ کاجل بفہم ۲۵ یکے از رشتہ دارانِ فسوں است
نکی بر جبین تو رخشاں تر آمدہ است ۲۶ ایں طرفہ اخترے است کہ بر مہ بر آمد است

تشبیہِ خالِ زلف بر وایں کہ افعیے ۲۷ گردک زدہ لبانۂ سنبل نشستہ است
چیست تمثیل از برائے خال ایں چاہِ ذقن ۲۸ قرصِ عنبر بر سرِ چاہ از گرہ افتادہ است
آرسی دیدنِ خوباں ز نزاکت سبب است ۲۹ نازکاں را طلبِ آئینہ تکلیفِ لب است
قرار رفت ز ٹکلن کہ تابش آمیز است ۳۰ بحسن چنیں ہر دم عجب دل آویز است
چھلۂ چند ایں بانگشتانِ تو، اے نازنیں ۳۱ در فریب ماہیِ دل قول باہم بستہ است
جگنو اے گل در گلوے تو عجب تابندہ است ۳۲ آں کہ جگنو نام دارد پیش ایں شرمندہ است
قبائے چھینٹ در آغوشِ نازنیں خوباں ۳۳ برائے زینتِ ملتان و خوبیِ چین است
شال بر فرقِ تو چنیں زرد است ۳۴ کہ بہم رنگِ جنسِ خود فرد است
صندل ز جبہۂ تو بزینت رسیدہ است ۳۵ یا از عتاب چیں بہ جبینت رسیدہ است
نسریں صفتِ نرمۂ گوشِ تو شنیدہ است ۳۶ در گوشِ تو اکنوں پے تحقیق رسیدہ است
چہ جائے غیر، چنیں است ایں لباس بسنت ۳۷ کہ دل بجلوہ رباید ز دستِ سادہ بسنت
نوید اے دل کہ معشوقِ ستم گار ۳۸ بعاشق پروری شاید کمر بست
ایں حمائل کز گلِ صد برگ ہست اے نازنیں ۳۹ پیشتر صد برگ نامش بود اکنوں صد گل است
کرم کردن باحوال غریباں ۴۰ زوال داراں زوال داری تواں گفت
وزیں کہ یافت تمنایم آں گل خوبی ۴۱ دلم چو لالہ و گلہا راز سرور شگفت
تبسم کرد و گفت آں شوخ از من: ۴۲ ترا ایں ہم شکر باشد غنیمت،،
ہمہ کے لطف ہم نشینی تو ۴۳ برمن، اے گل عذار بسیار است
صیاد صید را بفریب ربودہ است ۴۴ از دام رفتہ است، چنیں نیز بودہ است
گفتم اے نازنیں نکو گفتی ۴۵ سحرِ حسنت فزوں تر از جادو است
گفتم کہ،، درست گفتی اے شوخ ۴۶ پروانۂ حنام بایدم گفت،،
در چمن اے نازنیں گل از برائے بلبل است ۴۷ گفت:،، بے جا نازِ بلبل نیز از بہرِ گل است،،

گفتم "سرور یافت دلم از جمال تو"	۴۸	فرمودہ "طبع من ز تو ہم خرمی گرفت"
گفتم "اے جان، چنیں سخن گفتن	۴۹	تا قناعت بہر روش خوب است"
گر بتاں مے کنند استہزا	۵۰	بت پرستاں ہم ایں قدر طیبت
ز راہ منصفی لازم نہ ایں است	۵۱	تبسم کرد و گفت: "ایں جا ہمین است
گفتم اکنوں تواں بچارہ شتافت	۵۲	گفت: "اگر دل قرار خواہد یافت
گفتم اے نازنین، شرم آگیں	۵۳	حسن را شرم خوبی دگر است
گفتم اے نازنینِ خوش رفتار	۵۴	دلِ من شد نثار رفتارت"
طبع خوباں بسے بود نازک	۵۵	پاس آں لازم محبان است
نازنیناں لطف ہم فرمودہ اند	۵۶	گر چنیں باشد، نہایت خوش تر است
تبسم کرد و گفتا "طیبت است ایں"	۵۷	بگفتم: "حرفِ من ہم آں چناں است
آرزو دیم ہمیں، گر اے جاں	۵۸	ایں جسارت ز روے طیبت ہست
لباس دھانی او بہر آن است	۵۹	کہ خود ہم در نزاکت دھان پان است
حسن را شعر نظیر گزو	۶۰	جوہر و جوہری سزد بصفت

له کرزد تو
بیا بم ۱۲ ۲ط
اصرار بر بنیادت؟
شو بیا ز

د

ا

غزل

بود عدے کہ ز من راز نہاں نتواں کرد	این زمانے است کزاں ہیچ عیاں نتواں کرد
شکوہ ہا گر بنویسم عجبے نیست، کہ تو	بمن آں کردہ اے جاں کہ بیاں نتواں کرد
کہ چنیں ہا شود از تو بوفا اندیشاں	خود بفرما کہ شکایت بجہاں نتواں کرد؟

کج روی خوب نباشد، وگرت خوش آید — تاہم اے غنچہ دہاں سرورِ رواں نتواں کرد
از فریبت دلم آزردہ نباشد چہ حساب — نیش را از غلطی نوش گماں نتواں کرد
با من ایں طور سلوک از رہِ عیاری ہا — می تواں کرد بگور شکِ بتاں نتواں کرد
ہرچہ رفت از تو بجالِ دلِ من سخت شدے — بعد ازیں یادِ تو باشد کہ چناں نتواں کرد
قوتِ نفع رسانی چو نداری بکسے — ایں ہم از سودِ شناسی کہ زیاں نتواں کرد
بر زباں حرفِ محبت، بدل انداز خلاف — ایں فسونہا بصداقت نشاں نتواں کرد
جاہلاتے کہ ترا طرزِ ریا یاد دہند — نظرِ لطف باں بے خرداں نتواں کرد

گر نظیر از تو کند کردِ فسوں ممکن نیست
نیک پندار کہ از تیر کماں نتواں کرد

متفرقاتِ ردیف دال

بر دو شتِ خلق صد رشک بر کف — ۶۱ — اگر آں زلف در دستِ من آید
خرم آں بلبل کہ در صحنِ گلستاں پیشِ گل — ۶۲ — بر کشد آوازِ شوق و گوش او ساز دلپسند
کسے کہ مائلِ لبستانِ حسن شد، او را — ۶۳ — بہم شبیہ نگہ نیز فرحت افزاید
خہب سہی قامتانِ گلشنِ حسن — ۶۴ — دل قمری و شاں کہ شاد کنند
آں را کہ بہرِ دید نفس آید پری چوں عاشقاں — ۶۵ — اے دل چنیں رنگیں ادا از بہرِ دشن می رود
زلف بر دوشِ بتانِ دلستاں دانی کہ چیست — ۶۶ — دام را بر دوشِ خود صیاد اکثر می نہد
پہنچی بساعدِ تو عجب خوش نما رسید — ۶۷ — دانم کہ دست بستہ باہیں مدعا رسید
ز انگشت تو خوبی ہا بجز انگشتری دارد — ۶۸ — بگرد حلقہ اش گردم، عجب زیبا دری دارد
زر دیک پیچیہ با بروے تو الفت دارد — ۶۹ — گل صد برگ باہیں برگ محبت دارد
حوض با سروِ سہی در باغ زیب افزا بود — ۷۰ — اے پرستانِ چمن را ساغر و مینا بود

گل وغیرہ ۱۳۵

۷۱ خیال بود ز مدت کہ مے پرست شوم — حنائے پائے تو اے گُل حنا پرست نمود

۷۲ ہجومِ راز الفتِ مو نازِ تہیّا دارد — ایں شب تار ہمیں عقد ثریّا دارد

۷۳ ایں کرن پھول بگوشِ تو شگفت است چنیں — کہ بحسرت گُلِ خورشید نگہے دارد

۷۴ رحم کن بر نزاکتِ بازو — ابر کے نرم بند بازو بند

۷۵ نورتن، اے تو گُلِ پُرناز، بہ بازوے تو — نہ چساں گفتن، بجا صد ناز بر خودے کند

۷۶ دید آرام دلم نالہ بہ جنبش آمد — یافت بے تابیِ جاں، خالِ سیہ تسکینِ او

۷۷ جز فسوں گر نتواں گفت کہ ایں مارِ سیہ — گیر دآں طور بافسوں کہ بہ پشت آویزد

۷۸ زینت ایں دُرِ دندانِ مسی مالیدہ — پیشِ چشم ہمہ جا صبح و مسا خواہد بود

۷۹ چناں فزود چنینِ تو شانِ افشاں را — کہ وصفِ رفعتِ او تا کجا بیاں گردد

۸۰ عرق آمد بجبینِ تو بایں آب، کزو — گر شود چہرہ کنوں آبِ گہر، آب شود

۸۱ عرقِ جبہۂ تابانِ بتاں آئنہ الیست — کہ دروِ شرم و حیا چہرۂ خودے نگرد

۸۲ عرق بر عارضِ گُل رنگِ خوباں ہے — بہار شبنم و گُل مے نماید

۸۳ عرق آمد بآں نکہت بجسمِ نازکت، اے گُل — کزو گردد خجل بوے گلابی کز عراق آید

۸۴ راکھی اگرچہ ہا ہگی ساز مے کند — لیکن بجُسنِ دستِ بتاں نازِ مے کند

۸۵ غرورِ حسن دریں روزِ عید گر لطفے — کند بحالِ غریباں، کجا بعید بود

۸۶ پنبۂ عطر فشاں، کاکلِ مشکیں، دہولا — بوکن اے شوخ بطرزے کز نہم فرق بود

۸۷ دل فریبے در انجمن آمد — چہ کنم از فریب بایدِ دید

۸۸ در آمد جامہ زیب ایں جا بایں عزم — کہ بزم از جلوۂ او زیب گیرد

۸۹ بمحفل ایں چنیں زیبا نگارِ نازنیں آمد — کہ از حسنِ رخ او شمعِ لطفت آتشیں خواہد

۹۰ گر از پروانہ پرسد، مے دوم زیں انجمن بیروں — بہ پیشِ روے تابانش دل او ہم چنیں خواہد

۹۱ چنیں معاملہ ہم مے شود کہ صیّاداں — نہند دام بشب صید را بروز کشند

۹۲ شبِ وصلِ چنیں صنم، اے دل — چہ عجب گر دراز تر گردد
۹۳ ز تشریفِ تو اکنوں من بچندیں لطف می نازم — کہ یار آمد، دل آمد، راحت آمد، انبساط آمد
۹۴ قاشے کہ بوسۂ لبِ شیریں تو در گرفت — خواہم کہ بوسۂ لبِ او تا لبم رسد
۹۵ بخندید دلگاہے جانبِ من — نمود از لطف، و تسکینِ دلم کرد
۹۶ من نہ خواہم رفت ہمراہِ تو، گفت: "اے حیلہ گر، — صید از صیادِ خود رم تا کجا خواہد نمود"
۹۷ اسیرِ شہد مگس مے شود ز روے ہوس — وگرنہ شہد مگس را بجز دمے خواہد
۹۸ خاطرم زیں نوید مثلِ چمن — درمیانِ بہار خرّم شد
۹۹ بتانِ نازنیں از بہرِ یاران — بہنگامِ کرم دریاے لطف اند
۱۰۰ چو آں دل بر تبسم بر لب آورد — دلِ من نیز فرحت یاب گردید
۱۰۱ پرستندۂ حسن، اے نازنیں — دلِ دلبراں رنجہ کے مے کند
۱۰۲ چوں ز دست ناز ہم آمد بدست — گفتم: "اکنوں خاطرِ من شاد شد"
۱۰۳ از لبِ جامِ من ہمیشہ آرزو بود — ز لطفِ نازنیں خوباں بر آمد
۱۰۴ لذتِ انبہ خوردنِ ایں طور — پیشِ من بہ ازیں کرے باشد
۱۰۵ صید رم دارد و صیاد فسوں مے خواند — ہر کسے مصلحتِ خویش نکو مے داند
۱۰۶ قدرِ دشنام از لبِ خوباں — دلِ مشتاق باز مے داند
۱۰۷ خوردنِ سیب از چنیں خوبی — غیر لطفِ بتاں نمے باشد
۱۰۸ شادم از دل کہ ز من رنجِ خود اظہار نکرد — بنگہ رفت ہماں طور کہ تکرار نکرد
۱۰۹ خاطرم یافت از تبسمِ او — انبساطے کہ شرح نتواں کرد
۱۱۰ گفتم کہ "عزمِ بوسہ دلم دارد از لبت" — گفتا: "بگیر تا دلِ تو لذتش برد"
۱۱۱ در چمن چوں غنچہ خنداں مے شود — خاطرِ بلبل گلستاں مے شود
۱۱۲ گفتم: "اے نازنیں، چنیں مستم" — گفت: "آئینہ گیر، و بیں لبِ خود"

تبسم کردم و گفتم بآں شوخ ۱۱۳ که "خوباں در سخن حاضر جواب اند"
دل فگاراں را بنازے تا دلِ خود خوش کنند ۱۱۴ "نازنیناں را نگاہے تا دلِ ایشاں برند
طبعِ خوباں اگر نه راه دہد ۱۱۵ پیشِ ایشاں کسے چساں آید
رخِ رنگیں ادایاں ہر کرا پیشِ نظر باشد ۱۱۶ بجا باشد که نقدِ دل بیک دیدن کجا ارزد
رخے کائینه را حیرت فزاید ۱۱۷ چنیں تصویر پیشِ او چه باشد
گفتمش: "طرفه ایں سخن"، گفتا: ۱۱۸ "ہر سخن را جواب مے باید"
گفتم: "اے نازنینِ گُل رخسار ۱۱۹ در بتاں لطف و ہم عتاب بود"
تا بود طرزِ دل بری اے جاں ۱۲۰ حُسن و نازِ تو در ترقی باد
گفتم: "اے نوگلِ حدیقهٔ حسن ۱۲۱ بلبلِ کہنه ام، تواں فہمید"
در گلشنِ حسن اے گلِ نو ۱۲۲ سروِ تو ہمیشه تازه تر باد
بگفتم: "مانعِ ہمراه بودن ۱۲۳ حیا باشد"، تبسم زیرِ لب کرد
چو بشنید ایں سخن آں سروِ سیمیں ۱۲۴ تبسم کرد و ہمراهِ خودم برد
چو گفت آں شرمگیں ایں حرف با من ۱۲۵ دل و دینم نثارِ شرمِ او شد
فریبِ ناز و ادائے بتاں کرا می داند ۱۲۶ مگر کسے که بر ایشاں نثار مے باشد
گفتم: "اے نازنیں، چنیں طیبت؟" ۱۲۷ گفت: "مثلِ ظرافتت باید"
گر نماید لطف محبوباں ۱۲۸ بر محبانِ خود عجب نبود
گفتم: "اے جاں، قدومِ محبوباں ۱۲۹ ہمچنیں؟" گفت: "ہمچنیں باشد"
گفتم: "اے جاں، ز گفتنِ ایں حرف ۱۳۰ غرض آن است تا بمن[1] بدہد
گفتم: "اے جاں، با متحاں" فرمود: ۱۳۱ "از پسِ امتحاں چه خواہد بود"
گفتم: "اے زیبِ دل براں، دلِ من ۱۳۲ بر ہمیں آمدن فدائے تو شد"
گفتمش: "جز نگاهِ محبوباں ۱۳۳ بر دلم ایں چنیں کرم لطف کند"

[1] دل شده است ۱۲

۱۳۴ گفتم: "اے جاں، دریں چہ عرض کنم — خوب باشد اگر بہشتم[1] باشد"

۱۳۵ عجب نبود مرادِ من اگر اے جاں حسنِ یار باشد — ترا ہم از حنابستن چہ خواہش غیر ازیں باشد

۱۳۶ ہر کرا امتحانِ ایں معنی[2] است — ہر چہ گوید ہماں بجا باشد

۱۳۷ دل فریبان چساں چنیں نہ کنند — حسن از بہرِ دل بری باشد

۱۳۸ خرام ناز بتاں گرچہ مے رُباید دل — قیام نیز تواں دید تا چہ مے سازد

۱۳۹ اے گل اندام، اے پری رخسار — الفت[3] دل ہمیں نشاں دارد

۱۴۰ در نزاکت دست خوباں دل فریبِ دل بود — ہم بحجرت پیشِ مشتاقاں بسے زیبا بود

۱۴۱ اے مہر فزا رُخِ تو در حُسن — تابندہ چو مہر خاوری باد

۱۴۲ از نسیمِ عنایت خوباں — غنچۂ دل شگفتہ مے گردد

۱۴۳ از چنیں دلبراں حذر خوب است — گفت: "خوب است، اگر تواں گردید"

۱۴۴ گفتم کہ رہیم ز دل فریباں — گفتا: "بہ ہی، اگر گزارند"

۱۴۵ کسے را اگر حسنِ کسے دل رُباید — پری چیست، رشکِ پری مے نماید

۱۴۶ بچشمِ منصفی باید بریں حرفم نگہ کردن — اگر می آید پری پیشِ من اے جاں یا نمی آید

۱۴۷ جمال روے تو، اے زیبِ خوباں — اگر بیند پری دیوانہ گردد

۱۴۸ از چنیں دل براں ز راہ کرم — گر چنیں شد، کجا بعید بود

۱۴۹ از چنیں دلبراں چگونہ کسے — حسرت گوید، کہ دل بحرف بہ بند

۱۵۰ اے بت نازنیں فدائے توام — گفت: "آں[4] گلہ کے بجا باشد"

۱۵۱ چشم گرکارِ او ہمیں باشد — سر بسر مہرباں نہ مے گردد

۱۵۲ تبسم کرد و گفت آں نازنیں زود — در ہمیں کافی کہ خود را مے نمایند"

۱۵۳ جمالِ روے تو اے مجمع کرشمہ و ناز — بطبع اہلِ محبت سرور افزا باد

۱۵۴ شل[5] او عمرِ تو ہم اے گل رو — در ریاضِ جہاں دراز شواد

[1] رغبت مقدر ہے ۱۲ [2] یعنی دل ربائی ۱۲ [3] یعنی معشوق کے دل میں انتقال کی خلش پیدا ہو جاتی ہے ۱۲ [4] یعنی اس کا گلہ کر چلتے وقت یہ نہ پوچھا "کہ آپ پھر کب تشریف لائیے گا؟" ۱۲ [5] دوسرا فرضی معشوق جس کو مزاح سے درازی عمر کی دعا دی تھی ۱۲ شہباز

لطفِ خوبانِ نازنیں، اے جاں	۱۵۵	نازِ اہلِ نیاز مے باشد
ظرافت از دل آرایانِ گل رو	۱۵۶	بہارِ شادمانی مے فزاید
چونکہ رقم شد بقدرِ استعداد	۱۵۷	بہرِ ہر دل سرور افزا باد
مہرِ حسن از مطلعِ در شد پدید	۱۵۸	پیشِ مشتاقان سحر اکنوں دمید
بایں نازک میاں ربط کمر بند	۱۵۹	بعزمِ آں کہ دلہا گرد گردند
کرا لطفِ پری زاداں نوازد	۱۶۰	چساں بر اوجِ بختِ خود نازد
بہر فرحت در جہاں مشہور باد	۱۶۱	ہر کہ خواند طبعِ او مسرور باد
چو از من ایں سخن آں شوخ بشنید	۱۶۲	ز ابرو چیں بر آورد و بخندید
نظیر از لطفِ حسن است ایں کہ ہردم	۱۶۳	دل از فرحت بہ پیراہن نگنجد
نظیر از رتبۂ حسن است ایں نیت کہ رنگ پاں	۱۶۴	بلطفِ لعلِ خوبانِ پری رو زیب می گیرد
نظیر از حسنِ وصفِ سبز رنگاں	۱۶۵	بسبزانِ مضامین مے نماید

ے کتاب طرزِ تقریر ۱۲ ے کتاب بزمِ عیش ۱۲

س

۲

بسکہ تنشیط و طرب گردید با خاطرِ دوچار، یک طرف گُل کردِ شاخِ خرمی، و ز جانبے ابتسامِ غنچۂ دل از نسیمِ انبساط، ز استماعِ ایں نویدِ جاں فزا آمد پدید باکمالِ شادمانی، در نگاہِ چشمِ دل

جلوہ گر شد در نظر صد خوش دلی ہر کنار باہزاراں تازگی نخلِ نشاط آمد بیار شد چناں ظاہر کہ خندد غنچۂ گل در بہار خیلِ راحت از زمیں، انبوہِ فرحت از یسار از زمیں تا آسماں شد عیش و عشرت آشکار

متفرقات ردیف رائے مہملہ

زیں سنہری دوپشہ صد احساں ۱۶۶ برطلاؤ شہاب، و ہار سنگار
در گلستاں آمدی، اے نازنین گل عذار ۱۶۷ صد در احساں کشادی بر رخِ باغ و بہار
سرو را باید کہ گردِ قامتت گردد بشوق ۱۶۸ کبک را باید کہ بر پایت شود از دل نثار
حسنِ گل ہم عشقِ بلبل ہر کسے را خوش کند ۱۶۹ خاطرِ خوباں و طبعِ عاشقاں را بیشتر
اے بتِ مہ جبیں پری پیکر ۱۷۰ لمعۂ حسنِ تو قمر در بر
شبِ مہ گرچہ بہ بود لیکن ۱۷۱ ہمرہِ مہ رخاں بود بہتر
ہو سکے آمد دریں بزم از برائے آں کہ تا ۱۷۲ چشمِ مشتاقاں رہا از درد و رنجِ انتظار
پسندِ من چنیں شد ایں حائل ۱۷۳ اگر مے داند دلم، دیگر چہ اظہار
گر تو باشی عاشقِ خوباں ترا از جاں چہ کار ۱۷۴ ور تو دل دادی بتاں را، از رہِ ایماں چہ کار؟
بے گمان خضرِ طریقِ عشقے، اے روشن ضمیر ۱۷۵ دانا دار دولت را نوجواں، ایں چرخِ پیر
ایں سخن چوں بتِ سمن بر گفت ۱۷۶ شد دلِ من سمن سمن سر در
گفتم: "اے جاں، مزاج مے سازم ۱۷۷ ورنہ کے مے روم بجائے دگر"
گفتم: "اے گل عذار، چشم ترا ۱۷۸ نرگس اصلا نمے شود ہمسر"
ظرافت عجب کردی، اے گل عذار ۱۷۹ بود شاد طبع تو لیل و نہار
بود چوں دل براں را فکرِ تسخیر ۱۸۰ بخوبی مے شود تبدیل تدبیر
گفتم کہ "چہ"؟ گفت، شوخِ عیار: ۱۸۱ "دیوانہ بہ کارِ خویش ہشیار"
ہر دم، نظیر، از لب و چشم پری خال ۱۸۲ باشد نمو و پستہ و بادام در نظر

متفرقات ردیف زائے معجمہ

خربزہ خوردہ ام بسے ہر بار	۱۸۳	نے بایں لطف خرمی آمیز
گرچنیں اختلاط دست دہد	۱۸۴	کردہ باشم ہمیشہ خود فالیز
طبع من شاد شد ز گفتن او	۱۸۵	زاں کہ باشد ہمیں بہ ناز و نیاز
اگرچہ ناز دہراں رمز فہم مے باشد	۱۸۶	بہ یُمنِ صحبت ایشاں نیاز منداں نیز
گفتم: "اے نازنینِ طرفہ جمال"	۱۸۷	خاطرم خوش بود ز حُسنِ نیاز

متفرقات ردیف شین

گل نسریں بگوشِ تو چناں است	۱۸۸	کہ صد عقد گہر گردد نثارش
گر نہ گردید لطفِ بوسہ بمن	۱۸۹	زا حتم دست وا داز بدلش
ہر فریبے کہ دل براں سازند	۱۹۰	دلِ شاں جمع باد از اثرش

ردیف ظ

فرد

تغافل ایں قدر، اے نازنیں، روا نہ بود	۱۹۱	وگر زیادہ ازیں خیریت، خدا حافظ

متفرقات ردیف ف

گوہر بہ گوشِ سیم براں پیشِ فہمِ من	۱۹۲	ایں دُرِّ گہر برآمدہ است ازہمیں صدف
چو از من آں پری پیکر چنیں گفت	۱۹۳	تبسم کردم و گفتم: "زہے لطف!"

ردیف ل

تعریف حقہ ۳

حقہ آمد بہ بزمِ اہلِ جمال
تا کند طبع دل براں خوش حال

نیچہ سرپوش ہم چلم خوب است
واندریں جملہ خوب تر ہمتال

دور از لب بلور و نزدیکش
مے شود از بلور لعل مثال

یعنے از حمرت چنیں یاقوت
گاہ آں حال گاہ ایں احوال

گر شنیدے کہ حقہ مے آید
مے نمودے نظیر استقبال

متفرقاتِ ردیف ل

صیاد وچند نگر زوچیاں دریں شب ماہ	۱۹۴	کہ ہم مہِ فلک وہم مہ سپہر جمال
تانہ را لطف گہے ایں کہ نیاز اردو دل	۱۹۵	گہ عتابے کہ از و نیز بدست آرد دل
حسن گر سحر کند نغمہ ہم افسوں دارد	۱۹۶	طرفہ کارے کہ ازیں ہردو نگہ دارد دل

مقطع

نظیر لطفِ جمال است ایں کہ غنچۂ طبع	۱۹۷	بوصف گلبدناں می شود شگفتہ چو گل

ردیف میم

سحر بسیر گلستان پر بہار شدم	۴	ز صحن باغ برِ یار رنگ گل عذار شدم

چو فہم کرد کہ می آید آں ز سیرِ چمن
تو خود اقرار نمودی کہ عندلیب صفت
پس ایں نہ گفتن و رفتن درون باغ چہ بود

بگفت "اے ز تو دل تنگ غنچہ وار شدم
ز شوق بر گلِ رخسارِ تو نثار شدم
مگر ترا بمحبت نہ غمگسار شدم؟"

شنیدم ایں سخنِ راست از لبش چو نظیر
بروئے یار چہ گویم چہ شرمسار شدم

دیگر

۵

باز در کوئے تو اے مہر فزا آمدہ ام — حرفِ بے جا تواں گفت، بجا آمدہ ام
خبرم ہیچ نباشد، بکشش اندیشہ مدار — کہ خود از بہرِ تو اندیشہ نما آمدہ ام
اوّلاً کردہ ام از حیلۂ دل خود را جمع — بعد ازاں سوئے تو اے حیلہ گرا آمدہ ام
سببِ آمدن از عاشقِ بدنام مپرس — تو مگر نیک ندانی کہ چرا آمدہ ام
گر وفا را تو شناسی بمن اقرار بکن — تا بگویم کہ من از راہِ وفا آمدہ ام
قصہ کوتہ، ز تو پنہاں نتواں کردن خیر — بوفا آمدہ ام یا بریا آمدہ ام

من نظیرم تو کنوں خواہ بکش خواہ بخش
بہرِ نظارہ ات اے مہر لقا آمدہ ام

متفرقات ردیف میم

۱۹۸ کمر بندِ تو نافرمانی، و من در ہوائے ایں — بنافرمانیِ ہوش و خرد بندِ کمر بستم
۱۹۹ عجب دستارِ نافرمانی اے گل بستہ زیبا — چو نافرمان، اگر فرما کنی گردِ سرت گردم
۲۰۰ یک پیچۂ گلابی داری چناں کہ ہرگز — گل را بایں بورگی در گلشنے نہ دیدم

عجب خالِ سیه بر عارضت ای سیم تن دیدم ۲۰۱ بروی برگ نسرین دانهٔ مشک ختن دیدم
حنای دست تو دیدم کنون چه کار کنم ۲۰۲ گر همین که بر و لعلِ دل نثار کنم
حنای دست نهان در دو پشه بنمودی ۲۰۳ چه سود لعل نهفتن به پردهٔ شبنم
بانک بر بازوی تو ای سیم از حسن خیم ۲۰۴ می نماید این که من هم بانک یا زطرفه ام
ترا گل دسته بر دست است و من این نکته دانستم ۲۰۵ که ظاهر می کنی تا این قدر دل بسته می دارم
لطف کن بر من که امید نگاه آورده ام ۲۰۶ دل پئے نذرِ تو ای چشم سیاه آورده ام
نگه بر آرسی بهیم نمودی ۲۰۷ سرت گردم، نگاہے این طرف هم
ز دندانِ مسی مالیدهٔ تو در نگاهِ من ۲۰۸ عیان شد اندک از تاب گهر هم اندک از نیلم
برین تعویذِ دست تو فدا دلهای مشتاقان ۲۰۹ اگر در دست من آید، پری تسخیر گردانم
ذرِ گلو هیکل بهر تعویذ می سازد عیان ۲۱۰ این که از تائید چندین نقش این جا آمدم
من از حسرت لبِ شیرین خوبان کی قدر شادم ۲۱۱ که در ظاهر نظیرم نیک در باطن چو فرهادم
تنم چون غنچه تشریفیت نسیم است ۲۱۲ چسان مانند گل خندان نگردم
چه شد گر خسته جان و ناتوانم ۲۱۳ کنون هم تیرِ مژگان را فشانم
چو حدِّ خود به پندارم به پیش نازنین خوبان ۲۱۴ میانِ محفلِ ایشان ز هر چیز هم بتر باشم
از لبت همسری اگر مے کرد ۲۱۵ پسته را البته مے فرستادم
این سخن آن صنم چو گفت به من ۲۱۶ دل خود را به زلفِ او بستم
بتے کو قدردانِ عاشقان است ۲۱۷ دل و جان را نثارِ او نمودم
گفتم: "نه نهم" بگفت از ناز: ۲۱۸ "البته چنین، اگر نه گیرم"
گفتم: "ای نازنین، تبسم تو ۲۱۹ بهرِ آن تا من آشنا باشم"
گفتم: ای نازنینِ شیرین لب ۲۲۰ من فدای تبسم تو شدم"
لب پان خوردهٔ بتان از حسن ۲۲۱ خوش بر آورد آرزوی دلم

لہ دل مقدر ہے ۱۲

گسے کز دامِ خوبانِ پری رو	۲۲۲	رہا گردد، عجب آید بفہمم
اگر فریب نمودم بہ پیشِ تو اے جاں	۲۲۳	نثارِ حسنِ تو ام، غیر ازیں چہ می گفتم
زحرت انبساط افزائے خوباں	۲۲۴	بفہمیدم کہ من نزدیک نشینم
از عنایاتِ نازنیں خوباں	۲۲۵	یافتم ہر چہ بود مقصودم
نمودم قبۂ خود چوگان بہ تسلیم	۲۲۶	چناں کہ مشکلِ خود ہا گوئے بُردم
مستی مالیدن آنجائے شود خوب	۲۲۷	کہ آں ہم خوب، و آں ہم خوب، و آں ہم
بمہرِ دلبراں آید ہمیں پیوستہ از دستم	۲۲۸	نباید ناخوش از من شد کہ از اہلِ ہوس ہستم
چہ خوش از دیدنِ آں شوخِ رشکِ حور گردیدم	۲۲۹	ز گلگشتِ چمن ہمراہِ او مسرور گردیدم
گفتم کہ "خوش فریب نمودی" بناز گفت	۲۳۰	"با تو فریب ہیچ نکردم، مگر گفتم"
خندیدم و گفتم: "اے پری رو!	۲۳۱	دیوانۂ حسنِ دلبرانم"
فدائے حسنِ تو اے گل عذار گردیدم	۲۳۲	کہ خوب گفتی، و من نیز خوب فہمیدم
گفتم: "اے نازنینِ سحر نگاہ	۲۳۳	من بصد جاں فدائے چشمِ تو ام"
من نیم ایں چنیں، بگفت از ناز:	۲۳۴	"من فریبِ تو خوب مے دانم"
کے تواں شد کہ آں [1] نیار وکس	۲۳۵	تاب ایں رشک از کجا آرم
یا بستم، یا بو و چین جبیں	۲۳۶	اے صنم پیشِ تو اکنوں آدم
دلم ممنونِ حسرتِ خود نمودی	۲۳۷	بود حسنِ تو افزوں، اے دل آرام
چہ شد گر خستہ جان و ناتوانم	۲۳۸	کنوں ہم تیرِ مژگاں را نشانم
صفتِ خویش عیاں کردم	۲۳۹	وصفِ الطافِ او بیاں کردم

ردیف "ن" غزل نمبر ۶

نقشِ مہرت در دلِ من خوش نشست اے نازنیں		دمبدم شوقِ ملاقاتِ تو ہست، اے نازنیں

[1] یعنی چھتری ۱۲ اشرف علی

دل بیادِ توز جاں دربے قرار یہا فزوں — جاں بہ بیتابی فزوں ترا ز دل است اے نازنیں
در دِ دوری می نماید طرفہ صور تہا، تو زود — روے خود بنما بایں صورت پرست اے نازنیں
کے روا باشد کہ من ہر لحظہ باشم در خمار — دیگراں از چشم مے گونِ تو مست اے نازنیں

حرفِ عشق تو بلب ہرگز نیاورد اے نظیرؔ
بود اورا گر عنانِ دل بدست اے نازنیں

دیگر۔ حُسن

۷

نازو ادا و غرور داخلِ سامانِ حُسن — عشق بایں پُردلی تابعِ فرمانِ حُسن
جان بود دلِ عاشقان بُلبل و قمری وشِ اند — نیست بہارے چنیں در چمنستانِ حُسن
سرو بقدِ بتاں فاختہ ساں در نیاز — ناز بلندی بجاست ہرچہ کند شانِ حُسن
زاہدِ خلوت نشیں کرد رہا گوشہ را — دید مگر یک نظر گوشۂ دامانِ حُسن
عزم در آورد چوں بہرِ فسون و فریب — ملکِ دل از آن خود کرد، زہے آنِ حُسن
جلوہ نمود و بدل داد ہزار انبساط — ایں ہمہ لطف جمال، ویں ہمہ احسانِ حُسن

غنچۂ دل را نظیرؔ، خرم و خنداں نمود
تازہ ترو سبز تر بادگلستانِ حُسن

متفرقاتِ ردیف نون

۲۴۰ ایں مُو لفِ گل عذاراں بہتر زدامِ یاراں — دردامِ یک دو طائر در حلقہ اش ہزاراں
۲۴۱ بخت سبز است آں گلستاں را بفہم کا ندراں — سرِ بزیبائی کشد سرو قدت اے دلستاں
۲۴۲ جاے آںؔ باشد کہ با صد ناز چوں آری قدم — جاے پاے تو بود ہر دم بچشمِ بوستاںؔ

له مناسب آں
بارشد ۱۲ عه
نرگس ۱۲

زیں فاصلہ نشینی دریافتم دو معنی	۲۴۳	خوبانِ ناز پرور دانند خوبیِ آں
اول ہمیں کہ دیدن از دور روشنی را	۲۴۴	لطفے بود کہ دل را فرحت دہد فراواں
دیگر چو نرم و نازک ہستند، پس چگونہ	۲۴۵	تاب آورد نزاکت در گرمیِ چراغاں
لطفے کہ بود دل را در پے روئے خوباں	۲۴۶	کے طبع کسے داند جز پے روئے محبوباں
گر گام بصد شوخی، گر جنبش دامانے	۲۴۷	گر شیوۂ بے باکاں، گر پیشۂ محبوباں
بود در زور دلِ من را دل	۲۴۸	رام کردند بُتاں رام کی سوں
خرمی افزا بہارِ دل فریبانِ چمن	۲۴۹	صحبت رنگیں حضورِ جامہ زیبانِ چمن
یک طرف در نازِ حسن زینت آرایانِ باغ	۲۵۰	یک طرف در شورِ عشقِ بے شکیبانِ چمن
چشم مے گوں، نگاہِ پُر افسوں	۲۵۱	بعد ازیں سُرمہ، ہر سہ آفتِ جاں
شکنِ پیشانیِ تو ایں قدر زیبا گزیں	۲۵۲	قرصِ خورشید آرزو دارد کہ گردد چیں
مے بہ رتبہ زالاسے خویش مے نازد	۲۵۳	شود بر شبہ سلکِ گہر عجب احساں
بہ بروئے تو عرق زنزاکت برآمد است	۲۵۴	یا از نگاہِ گرم کسے، ہر دو مے تواں
چناں محو پری رو شمع رویانم کہ ای یاراں	۲۵۵	مرا دیوانہ و پروانہ باید پیش ازیں گفتن
حذر در عشق بازی کارخانان است اے ناداں	۲۵۶	اگر خواہی کہ باشی پختہ، مشقِ پختہ کاری کن
لطفِ طیبت بفہم من آن است	۲۵۷	کہ بود از زبانِ غنچہ دہن
از فریبِ دلبراں غافل نباید شد دمے	۲۵۸	ورنہ غافل کرا گردید ماں ندستاں
گفتم: "اے نازنینِ زہرہ جبیں	۲۵۹	پیش ازیں ہمچنیں شود از من"
گفتم: "اے جانِ جاں از روئے گماں	۲۶۰	گفت: "زیں پیش شد یقیں اکنوں"
گفتم: "اے نازنینِ غنچہ دہن	۲۶۱	ہست آئینہ چنیں دلِ من"
گفتم: "اے جاں بطیبت ایں سخن ست	۲۶۲	ورنہ کسے ہم چنیں شود از من"
گفتم: "اے نازنیں بجا گفتی	۲۶۳	من بصد جاں نثارِ چشمِ بُتاں"

۲۶۴ ازکہ آموختی چنیں طبیعت ؟ گفتم: "از لطفِ نازنین خوباں"

۲۶۵ چہ گویم وصفِ دستِ نازنیناں دلم شیدائے حسنِ دست ایناں

۲۶۶ مرادِ خاطرِ بلبل شعاراں بود حاصل ز لطفِ گل عذاراں

۲۶۷ گفتم: "اے نازنیں ز محبوباں بسخن پیش کہ تواں بردن"

۲۶۸ کیست جز عینِ لطفِ محبوباں کہ برآرد مرادِ مشتاقاں

۲۶۹ حسنِ نازِ تو بود ہردم فزوں، اے نازنیں انچہ گفتی ہمچناں من، ہرچہ گفتم ہمچنیں

۲۷۰ انچہ گفتنی بے بجا گفتی گفتم: "از لطفِ نازنیں خوباں"

۲۷۱ دو بار روئے تو دیدم ز لطفِ خندیدن زراستی چہ قدر شادے شدم اے جاں

۲۷۲ از طبعِ نازنیناں نسیاں عجب نباشد بارے نہ یاد بودم، احسان و لطف ایناں

۲۷۳ گر نے آمدم بکوئے بتاں کے نگہ کردے بہ روئے بتاں

۲۷۴ ہرگہ دل نثارِ خوباں شد چوں نیاید بہ پیشِ محبوباں

۲۷۵ ہرگہ از طلبِ نازنیں دلم سازد ہزار ناز بجنتِ خود از شرف اکنوں

۲۷۶ گفتم "از لطفت، اے پری رخسار خاطرم جمع شد کہ ہست چنیں"

۲۷۷ مے نماید ندرتِ حسنِ بتاں لالہ را در برگِ نافرماں نہاں

۲۷۸ سبز چوری زمردے است کزاں سر برآورد پنجۂ مرجاں

۲۷۹ سرتاجِ من آفتاب رویاں من از دل و جاں غلامِ ایشاں

۲۸۰ در دلِ خود چوں نہ باشد شادماں ہر کہ داند قدرِ نازِ دلبراں

۲۸۱ چہ گویم بے تکلف طرفہ جا من تواں کردن بیانش تا کجا من

۲۸۲ گفتمش: "اے زینتِ بزمِ بتاں" می شناسم ایں ہم از بالائے آں

۲۸۳ یکے را در میانش کلفتِ جاں یکے را در نگاہش ہر دو آساں

۲۸۴ حسنِ شیریں لباں، نظیر، چنیں کہ کند وصفِ آں بیاں شیریں

عرقِ آلوده پیراهن نظیر از جسمِ محبوباں	۲۸۵	دماغِ دل معطّر مے کند از خوش صحبتِ خوباں
نظیر از حسن، خوے نازنیناں	۲۸۶	تبلخی هم بود از شهد شیریں
ظهورِ حسن دارد آں قدر آں داور رنگیں	۲۸۷	کہ وصفِ اُس بصد مضمونِ رنگیں خوبی گفتن

متفرقاتِ ردیف "و"

رُخِ او گوے بُرد از نسریں	۲۸۸	شاہدش کیست؟ خالِ عارضِ او
اے پری زاد، انچه شد از من	۲۸۹	نه کنم بیش ازیں ز گفتنِ تو
طالعِ آں کہ نازنیں خوباں	۲۹۰	ایں قدر لطف هم کنند برو

متفرقاتِ ردیف ه

سرخ دستار بیت خوش قد دیبا بسته	۲۹۱	بر سرِ و سرو عیاں ساخته خوش گل دسته
فصلِ بهار گرچه فزاید جمالِ باغ	۲۹۲	لیکن ز شانِ قدرتش آں هم نمونه
بشوق دیدنت بے باک یا ترسیده ترسیده	۲۹۳	بهر صورت دریں جا آمدم پُرسیده پُرسیده
طلب شرط است در دل اے صنم با حسنِ تابنده	۲۹۴	بکثرت شهره دارد دورِ جهاں "جوینده یابنده"
فداے پاے تو گردم کہ شورِ پائلِ تو	۲۹۵	دلاں بے خبر افتاده را کند آگاه
هوش و دلِ من از نگهے صید ساخته	۲۹۶	ایں است آں مثل کہ: "بیک گز دو فاخته"
گفتم: "اے نازنیں بس است ایں هم"	۲۹۷	گفت: "تا خوش ز آمدن شده"

ردیف "ی"

مدام خوش دل و مسرور و شاداں باشی	۸	همیشه ملتفتِ حالِ دوستاں باشی

دلم ز مہر تو گردست کامِ جاں حاصل
تو ہم بکامِ دلِ خویش کامراں باشی

بسے ز حسن و وفائے تو شاد و خرسندم
تو ہم بصد طرب و عیش تواماں باشی

بیاد آوری مخلصان و ہم را زاں
میانِ اہلِ وفا شہرۂ زماں باشی

وگر زیادہ چہ گفتن ازیں کہ میخواہد
ترا چنانکہ دلِ دوستاں چناں باشی

متفرقاتِ ردیف "ی"

می شود از مہ شبِ مہتاب ظاہر در جہاں ۲۹۸ یادِ روئے نازنیناں را بود ایں چاندنی

نہد صوفی گلابی بہرِ صہبا ۲۹۹ ز دستارے چنیں گہرے گلابی

نمایاں از مے گلگوں بسے از خود فراموشی ۳۰۰ بہائے بادہ در دستِ خریدارانِ مدہوشی

در دلِ من چیست زیں چمپا کلی؟ ۳۰۱ آں کہ باشد ہندی او بے کلی

عجب ایں چہرۂ خوش باندھنوں اے گل کنوں لبتی ۳۰۲ نریہم در صفتِ اں کس کہ گوید باندھنوں لبتی

ازیں چوری پسندِ من صدائے ۳۰۳ نخواہد شد بغیر از چوری بنگری

ولے دارم وفاکیش و جفاکش ۳۰۴ اگر گیرند خوباں از نگاہے

گفتم از دل: "خجل شوی ہر جا ۳۰۵ پیش ازیں گر سرِ ہوس داری"

ایں سخن چوں بگفت آں طناز ۳۰۶ گفتم: "اے نوجواں، تو پیر شوی"

چساں در دل نگردد خرم و شاد ۳۰۷ مرادِ آں کہ حاصل شد بزودی

اگرچہ برف بہ سر ما گرفتہ ام بسیار ۳۰۸ مے نہ خوردہ ام اے نازنیں! ایں خوبی

ز لعلِ دلبراں پان و مسی را ۳۰۹ بود حاصل بہائے دلفریبی

گفتم: "اے جاں، دل از تو بستانم" ۳۱۰ گفت: "وقتے کہ دلستاں باشی"

گفتم: "اے دل بہ پری رخسارم ۳۱۱ من اسیرِ تو ام، بجا گفتی"

گفتم: "اے نازنینِ غنچہ دہن ۳۱۲ سخنے طرفہ دلنشیں گفتی"

تبسم کرد و لطف و مہربانی ۳۱۳ دلم شد ہم قرینِ شادمانی
بہارِ حسنِ تو، اے زیبِ خوبان ۳۱۴ بود ہر دم فزون در باغِ خوبی
عیان عشرت، نظیرؔ از نامِ ہولی ۳۱۵ بجوشش وقتی زہے ہنگامِ ہولی
بوصفِ حسن خوش تقریر باشی ۳۱۶ تو ہم در عشقِ خوبان پیر باشی

نمبر ۱ خط منظوم

چمن رو، مہر سیما، سرو قامت
پس از عرضِ سلامِ الفت آباد
کرودش آمد بگوشم این منتظر را
کہ رشکِ گل و غیرتِ دہِ ماہ
بہار افزاے دولت خانہ گردید
چو این حرفِ نشاط افزا شنیدم
بحمد اللہ اُمیدِ الفت آمود
اگرچہ بہرِ وصل این بود رایم
نہالِ گلشنِ دیدار گردم
ولیکن کردہ ام زان رو صبوری
چو من کارِ ضروری پیش دارم
کہ ہر یک دم از الفت شعاری
بوصلِ خود دلم را شاد سازی
دلم را گر چنین راحت رسانی
پذیرفتن نہایت دل پذیر است

بہارِ گلشنِ خوبی سلامت
مبرہن بر دل عشرت قرین باد
ز ہر سو این نویدِ فرحت افزا
بصد حشمت، بصد ثروت، بصد جاہ
سرِ زلف و دہن را شانہ گردید
بہار صد چمن در جوش دیدم
ہمین بود، و ہمین بود، و ہمین بود
کہ طائر سان بپرواز اندر آیم
ز باغِ وصل بر خوردار گردم
کہ دارم پیش خود کارے ضروری
ز لطفِ تو چنین اُمید دارم
قدم بر فرق و بر چشم گزاری
ز بندِ ہجر خود آزاد سازی
نخواہد شد بعید از مہربانی
دو حرفِ مختصر عرض نظرست

نمبر ۲ خط منظوم

محیطِ بخشش و بذلِ استقامت ‌— ملاذ و منبعِ احسان سلامت
چو شوقِ صحبتِ رنگیں نگارم ‌— ہما تا موج در دریا شمارم
مگر بعد از سلامِ الفت آرا ‌— بنوکِ خامہ آرم مدعا را
کہ امروز از برائے غسلِ دریا ‌— جہانے حاضر و خلقے است یکجا
چنیں مجمع نباشد جائے دیگر ‌— بجوش آمد مگر دریائے دیگر
نظر تا مے رسد یکسر بہارست ‌— چمن بر ساحلِ دریا نظارست
ز غسلِ مردمان و بازیِ آب ‌— بہر سو شوخیِ گرداب بے تاب
ز عکسِ گل عذاران، آبِ دریا ‌— برنگِ نہرِ گلشن در نظرہا
بساحل بسکہ منڈویاں چھائند ‌— شکارِ دامِ الفت ماہیانند
بفرحت قطرہ زن ہر موجِ آب است ‌— مے مقصود در جامِ حباب است
بہارِ حسن و آبِ بحر در جوش ‌— بہم پہلو بہ پہلو دوش بر دوش
چو بر دریا چنیں رنگیں بہار است ‌— دلم از بہرِ آں پر بے قرار است
دریں صورت نظر بر بے قراری ‌— عطا سازند رتھ بہرِ سواری
چو زاں مجمع ہمہ شادند امروز ‌— کنم من ہم دلِ خود عشرت اندوز
کہ باشد دیدنِ عالم غنیمت ‌— اگر یک لحظہ باشد دم غنیمت
نظیر اکنوں نہ دارد غیر ازیں یاد ‌— کہ باشد خانۂ الطاف آباد

نمبر ۳ خط منظوم

اے مجمعِ لطف و مہربانی ‌— وے مصدرِ مہر و قدردانی

امروز به بزم آشنایان — صد فرحت و عشرت است شایان

مشغول سخن سخنوران اند — هم صاحب فهم سامعان اند

گر وصف ز کاکل نگار است — چندان که عیان بنفشه زار است

وصفے که به عارض است شایان — چون لمعۂ مهر و مه نمایان

تقریر ز حسن نازنینان — عشق آور انجمن نشینان

گفتار ز چشم غمزه پرواز — هردم بفسون و سحر همراز

از شرح میان نازک یار — حیرت لبیان مو نکو دار

گاہے ز بیان خوش ادایان — صد ناز بشوخی فراوان

از حرف قد برنگ شمشاد — هر مصرعۂ بیت سرو آزاد

اظهار ز خوبی سراپا — آراسته در انجمن چمنها

القصہ چنان خوش انجمن هست — کز نزهت خرمی چمن هست

از خوبی و لطف هیچو محفل — کیفیت طرفه هست حاصل

دریافته صحبت سخن را — افزایش زیب انجمن را

در خاطرم آرزوے آن است — یک لحظه نه بلکه هر زمان است

کز لطف بپاس مهر و الفت — وز راه عنایت و محبت

این وقت تو نیز زود آئی — هم شاد شوی و خوش نمائی

نمبر۴ خط منظوم

صاحبا، الطاف ساز اشفقا — در جهان باشی سلامت دائما

بعد شوق صحبت عشرت نژاد — بر ضمیر روشنت مکشوف باد

یاد ایامے که بے این دل فگار — ره نکردے در دولت صبر و قرار

گر ورنگے در ملاقات آمدے — بر زبانت حرفِ ہیہات آمدے
می شدی گر لاعلاج از من جدا — گریہ می گشتی بہ چشمت آشنا
چوں برفتے بر زباں حرفِ فراق — خاطرت می گشت از آرام طاق
بہرِ تسکینم گز فتے بر زباں — وعدہ ہا وصد قسم بالائے آں
حیف آں مہر و وفائے برمحل — شد بایں نا مہربانی ہا بدل
یعنی از روزے کہ رفتی آں طرف — تا ذرِ مقصود خود آری بکف
نہ خطے، نہ رقعۂ لطف التیام — نہ پیامے، نہ دعائے، نہ سلام
پس ہماں رافت کہ می شد ہر نفس — شد یقیں بہر فریبم بود و بس
من بفہم آں کہ باشی با وفا — زاں ندامت گشتہ بودم مبتلا
جوش زد چوں در دلم بحرِ ملال — بر زباں ایں شعر آمد حسب حال
حیلہ گر را آشنا پنداشتم — سیم در زر را طلا پنداشتم
چوں ز فہم خود شدم خجلت پذیر — عقل در گوشِ دلم گفت، اے نظیر
امتحاں نا کردہ کارے ساختن — خود بود خود را بدرد انداختن

نمبر ۵ خط منظوم

نامۂ آں سروِ قامت گل بدن — در جوابِ خطِ شوق آمیزِ من
در زمانِ خوش دلے اصدار یافت — غم ز خاطر رفت، و شادی بار یافت
عشرتِ دیگر کہ صد فرحت فزود — آں کہ خطش دستخطِ خاص بود
بر سرِ نامہ چو نامِ آں نگار — در نظر آمد برنگِ نو بہار
لطفِ او بکشاد چوں راہے بچشم — گاہ بر سر داشتم گاہے بچشم
در سر و چشمم پے آں لطفِ عیش — صد کشاکش متصل شد بلکہ بیش

چوں ز چشم و سر رسانیدم بزور　　نشئی در خاطرم افگند شور
گہ برائے آں کہ ایں رنگیں جواب　　شعرِ لطف است یا حرفِ عتاب
گہ گمانِ ایں کہ آں ابرو کمان　　ہست از من صاف دل یا بدگمان
گہ سرورِ صلح، گہ ترسِ جلال　　گہ امیدِ لطف، گہ بیمِ ملال
گاہ خوف آں کہ طبعِ نازکش　　گشتہ باشد از خطِ من رنج کش
گاہ رعب آں کہ در انشاے من　　رفتہ باشد سہو در ربطِ سخن
الغرض بعدِ امید و بیم ہا　　برکشادم آں نگاریں نامہ را
چوں نگاہ من براں گردید صرف　　بود خط بجز نوازش حرف حرف
لفظ لفظش چوں بخواندم برملا　　خاطرم شد جمع، و ہوش آمد بجا
باغ جانم از طرب گل گل شگفت　　عشرت از ہر سو مبارک باد گفت
آرزو دارم کز فیاں دائما　　شاد باشم از عنایت نامہ ہا
تا بود بر آسماں مہرِ منیر　　باد الطافِ تو بر جانِ نظیر

نسخہ: بعد از

نسخی: مہر

نبرے ذکر بہار و شکر پروردگار

بنازم بر الطافِ پروردگار　　کہ از قدرت آورد فصلِ بہار
برنگینیِ صنعتِ او نگر　　بآرایشِ قدرتِ او نگر
کجا شکرِ او گردد از ما ادا　　بود گر زباں ہا چو برگِ گیا
بود ایں ہمہ لطف از بہرِ آں　　کہ تا شاد گردند ازاں بندگاں
پس اے بندگاں لطفِ او بنگرید　　بقدرِ شکرش بجا آورید

نمبر ۸ صفت اکبرآباد

بود دائم دل باشندگاں شاد — مُدام آباد باشد اکبرآباد
عجب خاطر پسند و دل پذیر است — ز ادنیٰ ساکنانِ او نظیر است

نمبر ۹ صفت جمنا

ز جمنا عالمے صد عیش یاب است — بخوبی خوش تر از بحرِ خوش آب است
ز آبش مانَد ایں جا شکلِ گلشن — چراغِ خضر تا ساند روشن

نمبر ۱۰ صفت راه

زہے عیش و عشرت زہے رسم و راه — کہ آید بہارے چنیں در نگاه
چو رنگیں کند ہر صنم راه را — بود ہمسرِ باغ ہم راه را
بوصفِ چنین راه طبعِ نظیر — چہ گوید جز ایں نکتۂ دل پذیر
زہے راه کہ لطفِ بتاں می رسد — بہارِ چمن کے بآں مے رسد

نمبر ۱۱ صفت میله

عیاں صد خیلِ خوش حالی ہر جا — نشاط و عیش و خوش وقتی مہیا
بہارِ خوش دلی ہر سو نمایاں — ہجومِ عشرت و فرحت فراواں

نمبر ۱۲ صفت روضۂ تاج گنج

فضائش پُر بہار و نزہت افزا — بہر جا نرگس و نسریں مہیا

چنیں خوبی کہ از ہر سو عیان است — ہمہ از دولت شاہ جہان است

نمبر ۱۳ صفت چراغ

جمال ہر چراغ آں طور رخشاں — گزاں خجلت برد لعل بدخشاں

ز عکس شعلہا پیش تامل — خم ہر موج مثل شاخ پر گل

نمبر ۱۴ صفت دسہرہ

عیاں ہر جا بہار جامہ زیباں — نمایاں ناز و حسن دل فریباں

صف اہل تماشا زینت افزا — ہمہ اسباب خوش وقتی مہیا

بروے نیلکنٹھ از یمن بہرہ — زہے فرحت فزا روز دسہرہ

نمبر ۱۵ صفت راس

چناں خوش حال گردیدم کہ در دل — نشاط و عیش و عشرت کرد منزل

برائے دیدن راس کمل نین — بیایم بعد ازیں بالراس والعین

ف کنول

نمبر ۱۶ صفت شب مہتاب

چہ گویم وصف آں لیل منور — نگہ در بحر نور آمد شناور

ضیائے ماہ و حسن خود پسنداں — بدلہا فرحت و عشرت دو چنداں

نمبر ۱۷ صفت گل بازی

بحسن دست ایں خوبان گل باز — ز رنج دم بہ دم گل می کند ناز

دلم بہر مس دست دو گل رو
بوقتِ از مژہ برداشتنہا
بہ گل ہمراہ مے گردد بہر شو
چہ خواہد گرد گل را زدو تنہا

نمبر ۱۸ صفت بازیِ شطرنج

دو گل ہستند در منصوبہ سازی
بساط از طرح صد عشرت یگانہ
عجب سرمہرہ دار و سرفرازی
رخ فرحت عیاں در خانہ خانہ

نمبر ۱۹ صفت دوالی

ز شیرینی دکانہا زینت ارقام
فراواں خوش دلے در ہر قیاسے
کسے خرما طلب از لطف یابی
کسے دیدار تلنگنی دل فریبی
کسے مشغول تکد و سیو مٹھری
کسے را اسپ خواہش در تگ و تاز
کسے را دل دریں امیدواری
کسے تکرار در گھڑ بہل خوشتر
کسے بہر خیال طبع عالی
بریں اشیائے بازی طرفہ و بہ
عیاں سیم و دگر با پتہ بادام
نمایاں جابجا کھیلیں بتاسے
کسے مسرور برنی و گلابی
کسے خوش حال از لطفِ جلیبی
کسے گجرے بکف، بردوش مٹھری
کہ گیرد اسپ خوش رنگ و پرازساز
کہ گیرد فیل با زرین عماری
کسے را جنبشِ طوطی بہر دیگر
گرفت از شوق فانوسِ خیالی
خریداراں فراہم از کہ و مہ

نمبر ۲۰ صفت راکھی

نمایاں عالمے با زینت و شاں
ز راکھی زیب ہر ساعد فراواں

ازاں راکھی کہ در دستِ بتان است
بہار طمرفہ بہر عاشقان است

نمبر۱۲ صفت نبت

از جوش بہار زر فشانی
و ز کثرت خلعتِ طلائی
دل ہا بہزار شادمانی
سامانِ ہزار دل کشائی

نمبر۲۲ صحبت محبوبان

خوشا صحبتِ نازنینانِ حُسن
کسے راکہ بخشش بہ فرخندگی است
ولے راکہ اختر بلندی گر است
رُخِ شاں کہ چوں مہ بہ تابندگی است
خوشا الفتِ مہ جبینانِ حُسن
بایں دل فریباں سربندگی است
بایں سرو بالا بتاں آشنا است
نگاہے برآں حاصل زندگی است

زہے طالعِ چشم من، اے نظیر
کہ می گردد از حسن شاں مستنیر

نمبر۲۳ بیان سراپاے معشوق فرضی پیش معشوقے دیگر

چہ گویم خوبیِ ادائے پری رو
رُخِ او چوں مہ و ابرو چو شمشیر
زلعلِ او شکر در کامِ دلہا
قدش نورستہ سرو باغِ خوبی
ز سرتا پا عیاں شد طرزِ نیکو
نگاہش دل ستان و چشم جادو
صفِ مژگاں سناں کش غمزہ چوں تیر
بدامِ زلفِ او آرامِ دلہا
خرام او تدروِ باغِ خوبی
ندارد زیں سراپا فرقِ یک مو

رباعیاں

صنعت تضمین میں

نمبر۱

یک بار بآں سمن برِ غنچہ دہن
بیمار کہ کرد نرگسِ شہلا را؟"
گفتم بہ نیاز و عجز "کائے رشکِ چمن
چشمش بزبانِ مژہ فرمود کہ "من"

نمبر۲

آن شوخ پری زاد چو آمد بسخن
در دشت غزال را کہ آوارہ نمود؟"
گفتم کہ "فدائے زلفِ تو مشکِ ختن
چشمش بزبانِ مژہ فرمود کہ "من"

نمبر۳

در بزمِ مے آمد آن بت نسریں تن
گفتم کہ "دل مرا سیہ مست کہ کرد؟"
در جامِ ز چہرہ گشت پرتو افگن
چشمش بزبانِ مژہ فرمود کہ "من"

نمبر۴

آمد برِ من چو آن نگارِ پُر فن
گفتم بفسوں "نظیر را محو کہ کرد؟"
جادو بہ نظر بکاکل افگندہ شکن
چشمش بزبانِ مژہ فرمود کہ "من"

دیگر

نمبر ۵

در بزم چو آمد آن نگارِ رنگین
بنشست بصد غرور و ناز و تمکین
گفتم که "دمے گرد تو گردم اے شوخ"
فرمود "چه خوش، تو لائقِ گفتنِ این"

نمبر ۶

آراست چو حسنِ خویش آن لعبت چین
آن دم بزبانِ نرم و صد عجز قرین
گفتم که "سرِ زلف ترا دست کنم"
فرمود "چه خوش تو لائقِ گفتنِ این"

نمبر ۷

آمد شب سه چو آن مه زهره جبین
با عشرت و انبساط و زیب و تزئین
گفتم که "بیا تو در برِ من یک دم"
فرمود "چه خوش تو لائقِ گفتنِ این"

نمبر ۸

مالیدنی چو آن بتِ عشوه گزین
بنمود زبان و دهانِ خود رارنگین
گفتم که "یکے بوسه بگیرم ز بت"
فرمود چه خوش، "تو لائقِ گفتنِ این"

دیگر مسلسل

نمبر ۹

دل برد ز من چو نازنینے زیبا
پُرحیله، و پُرفریب، پُرناز و ادا
گفتم که "دلم ده" به تبسم فرمود
"البته، مگر تو بعد یک لحظه بیا"

نمبر ۱۰

چون روزِ دگر آن بتِ عشوه نما
گفتم که نشد وعده وی روز وفا

بشنید و بخندید و بفرمود "امروز
البتہ، مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"

نمبر ۱۱

چوں بعد دو پاس پیش آں مہر لقا
حاضر شدم و بگفتمش "اے حیلہ گرا
حالا چہ بخاطر است؟" گفتا "بدہم
البتہ، مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"

نمبر ۱۲

چوں بعد ز پاس زود مانندِ صبا
خوش رفتم و گفتمش کہ "اے مہر فزا"
اکنوں چہ قرار؟" گفت "نہ خواہی یافت
البتہ، مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"

نمبر ۱۳

چوں بعدِ ز ساعتے برفتم آنجا
گفتم کہ چنیں دیر مفرما" گفتا:
"اندیشہ مکن کہ دل بدستت آید
البتہ، مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"

نمبر ۱۴

ہم بعد ز لحظہ رفتم و باغوغا
گفتم کہ چنیں لیت و لعل تا بکجا"
فرمود کہ "بیش ازیں تعلل نہ شود
البتہ مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا"

نمبر ۱۵

ناچار ز روئے عجز گفتم او را
"آں لحظہ بفرما کہ چہ باشد؟" گفتا
چنداں طلبی، لظیر، خواہم بہ تو گفت
البتہ مگر تو بعدِ یک لحظہ بیا

خط بپیرایۂ رباعی

نمبر ۱۶

اے مشفقِ دوستاں اخلاق گزیں
یاد آورِ یارانِ صداقت آئیں
خوش وقت نمودی تو دلم را بسیار
پیوستہ دل تو باد با عیش قریں

نمبر ۱۷

از شوق ملاقات تو اے لطف نشان
بسیاری یاد تست ہر لحظہ بدل
این است مگر بیانِ یک شمۂ آن
تذکار تلطفِ تو ہر دم بزبان

نمبر ۱۸

این نامۂ رنگین لطافت آمود
رنگینیِ نقش چین بیانِ ہر چین
رنگیں چمنے نمود از لطف ورود
معلوم چنین شد کہ چنین خواہد بود

نمبر ۱۹

دریائے سرور سامی خاطر
منبسط و سرور عشرت و فرحت را
در محفلِ دل کرد ز ہر سو حاضر
چندان کہ زبان خامہ از وصفے قاصر

نمبر ۲۰

از لطفِ رباعی کہ آمد برقم
ہر مصرعۂ او بخاطرم گردد و چار
بر صفحۂ دل نمود از عیش رقم
عیش و طرب و نشاط و عشرت پیہم

نمبر ۲۱

چندان صفتِ حسنِ صباحت ورزید
کز جوشِ تجلیات ہر مصرعۂ آن
انوار معانیش بجائے برسید
چون مطلع مہر خانہ مہ گردید

نمبر ۲۲

از خوبیِ طبع تست حسنِ اشعار
گشت از تو دلم شاد ترا ہم باشد
وز ہر سخن تو زینت نظم اے یار
صد عیش و نشاط و خوش دلی، بلکہ ہزار

نمبر ۲۳

آئندہ بلطف آن بخوبی ہمزاد
از مہر بنامہ و چنین تحفہ نظیر
امید ہمیں کہ بر شایانِ و داد
ہم زود بیاد آید و ہم گردد شاد

نمبر ۲۴

رباعی مستزاد

ظاہر ز سراپای تو با صد ترکس — ای باغ جمال — ریحان و گل و نرگس و سرو و نسرین — رنگین تمثال
اسرار چمن در چمن از فہم تو یار — بکشاید دیر — یک لحظہ دریں باغ بیا و بہ بیں — واکن فی الحال

نمبر ۲۵

رباعی سادہ

صد مہر تفقد از پئے دل بردن — کردی بچو ربودی نکنی لطفِ من
تا آمدن صید فریبِ صیاد — باشد پس ازان چہ کار با حیلہ و فن

نمبر ۲۶

دیگر

میل دلِ من بسوئے تو می باشد — مہر تو بمن ز حسنِ خو می باشد
لطفے کہ محبت دو جانب دارد — در اہلِ وفا بسے نکو می باشد

واسوخت

(۱)

دوستاں شرحِ پریشانیِ من گوش کنید
گفتگوی من و حیرانیِ من گوش کنید

قصۂ بے سروسامانیِ من گوش کنید
داستانِ غمِ پنہانیِ من گوش کنید

شرحِ ایں آتشِ جانسوز نگفتن تا کے
سوختم سوختم ایں سوزِ نہفتن تا کے

روزگارے من و دل ساکنِ کوئے بودیم
عقل و دین باختہ دیوانۂ روئے بودیم

تابعِ خوئے بتِ عربدہ جوئے بودیم
بستۂ سلسلۂ سلسلہ موئے بودیم

کس دراں سلسلہ غیر از من و دلبند نبود
یک گرفتار ازیں جملہ کہ ہستند نبود

ایں ہمہ مشتری و گرمیِ بازار نداشت
نرگسِ غمزہ زنش ایں ہمہ بیمار نداشت

یوسفی بود ولے ہیچ خریدار نداشت
سنبلِ پرشکنش ہیچ گرفتار نداشت

اول آں کس کہ خریدار شدش من بودم

باعث گرمی بازار شدش من بودم

عشق من شد سبب خوبی رعنائی او — داد رسوائی من شہرۂ زیبائی او
بسکہ گردم ہمہ جا شرح دل افزائی او — شہر پر گشت زغوغائے تماشائی او

این زماں عاشق سرگشتہ فراواں دارد
کے سر و برگ من بے سر و ساماں دارد

چارہ نیست برآرم بر ازیں رائے دگر — کہ دہم جائے دگر دل بدل آرائے دگر
چشم خود فرش کنم زیر کف پائے دگر — بر کف پائے دگر بوسہ زنم جائے دگر

بعد ازاں رائے من اینست ہمیں خواہد بود
من بریں ہستم و البتہ چنیں خواہد بود

پیش تو یار نو و یار کہن ہر دو یکیست — حرمت مدعی و حرمت من ہر دو یکیست
قول زاغ و غزل مرغ چمن ہر دو یکیست — نالۂ بلبل و فریاد زغن ہر دو یکیست

تو ندانستہ کہ قدر ہمہ یکساں نہ بود
زاغ را مرتبۂ مرغ خوش الحاں نہ بود

ہمچنین ست پئے کار دگر باشم بہ — چند روزے پئے دلدار دگر باشم بہ
مرغ خوش نغمۂ گلزار دگر باشم بہ — عندلیب گل رخسار دگر باشم بہ

تو کئے کو کہ شوم بلبل دستاں سازش
سازم از تازہ جوانان چمن ممتازش

آنکہ در جانم از و صد دم آزارے ہست — میتواں یافت کہ از من بدلش بارے ہست
از من و بندگی من اگرش عارے ہست — بہ فروشد کہ بہ گوشہ خریدارے ہست

بہ وفاداری من نیست دریں شہر کسے
بندۂ ہمچو مرا ہست خریدار بسے

مدتے در رہِ عشق تو دویدیم بس ست
قدم از راہ طلب باز کشیدیم بس ست
راہ صد بادیہ بیدا دبدیدیم بس ست
اول و آخرِ ایں مرحلہ دیدیم بس ست

بعد ازیں ماہ سر کوئے دل آرائے دگر
بہ غزالی و غزل خوانی و غوغائے دگر

اے بہر چند بکام و گرانت بینم
مایۂ عیش مدام دگرانت بینم
سرخوش دست ز جام و گرانت بینم
ساقیِ مجلس عام دگرانت بینم

تو چہ دانی کہ شدی یار بہ بے باکی چند
چہ ہوسہا کہ ندارم بہ ہوسناکی چند

تو هشدار که مهر از دلِ پر خوں نہ رود
دیں محبت بصد افسانہ و افسوں نہ رود
آتشِ عشق بجاں افتد و بیروں نہ رود
چہ گمان غلط ست ایں نرود چوں نہ رود

چندکس از تو دیاران تو آزردہ نہ بود
دوزخ از سردیِ ایں طائفہ افسردہ نہ بود

بار ایں طائفہ رغانہ بر انداز مباش
میشوی شہرہ بایں فرقہ ہم آواز مباش
از تو حیف ست بایں طائفہ دمساز مباش
غافل از لعب حریفانِ دغا باز مباش

ہر کہ مشغول بایں شغل نسازی خود را
ایں نہ کاریست مبادا کہ ببازی خود را

در کمینِ تو بے عیب شماراں ہستند
داغ بر سینہ ز تو کینہ گذاراں ہستند
سینہ پر کینہ ز تو سینہ فگاراں ہستند
غرض اینست کہ در قصد تو یاراں ہستند

باش مردانہ کہ ناگاہ قفائے نہ خوری
واقفِ سیکشی خود باش کہ پائے نہ خوری

گرچہ از خاطرِ وحشی ہوسِ روئے تو رفت
از دلش آرزوئے قامت و دلجوئے تو رفت

دلِ آزردہ وآزردہ دل از کوئے تو رفت
یا دلِ پُرگلہ از ناخوشیٔ خوئے تو رفت

حاشا للہ کہ وفائے تو فراموش کنند
سخن مصلحت آمیز کساں گوش کنند

ایضاً

(۲)

اے گل تازہ کہ بوئے ز وفا نیست تُرا
خبر از سرزنش خارِ جفا نیست تُرا

التفاتے باسیرانِ بلا نیست تُرا
ما اسیر تو و اصلا غمِ ما نیست تُرا

رحم بر بلبلِ بے برگ و نوا نیست تُرا
بر اسیر غمِ خود رحم چرا نیست تُرا

فارغ از عاشقِ غمناک نمی باید بود
جان من ایں ہمہ بے باک نمی باید بود

ہمچو گل چند بروئے ہمہ خنداں باشی
ہمرہِ غیر بہ گلگشتِ گلستاں باشی

آں زماں یاد گراں دست و گریباں باشی
جمع با جمع نہ باشند پریشاں باشی

زاں میندیش کہ از کردہ پشیماں باشی
یاد حیرانیٔ ما آری و حیراں باشی

ما نیا نیم کہ باشد کہ جفائے تو کشد
بجفا سازد و صد جور برائے تو کشد

شب بکاشانۂ اغیار نمی باید بود
ہمہ جا با ہمہ کس یار نمی باید بود

ہمرہِ غیر بہ گلزار نمی باید بود
غیر را شمع شب تار نمی باید بود

تشنۂ خونِ منِ زار نمی باید بود
تا بایں مرتبہ خونخوار نمی باید بود

من اگر کشتہ شوم باعث بد نامی کست

موجب شہرتِ بے باکی و خود کامی تست

دیگرے جز تو مرا ایں ہمہ آزار نہ کرد
آنچہ کردی تو بمن ہیچ ستم گار نہ کرد
ہیچ کس ایں ہمہ آزارِ من زار نہ کرد

چوں تو کس در نظرِ خلق مرا خوار نہ کرد
ایں ستمہا دگرے با من بیمار نہ کرد
ہیچ سنگیں دلِ ایں کار بمن کار نہ کرد

گر ز آزردنِ من ہست غرض مردنِ من
مردم، آزار مکش از پئے آزردنِ من

جانِ من سنگدلی، دل بہ تو دادن غلط است
بسرِ راہ تو چوں خاک فتادن غلط است
رفتن اولی است ز کوئے تو، استادن غلط است

چشمِ امید بروئے تو کشادن غلط است
روئے تر کردہ بروئے تو نہادن غلط است
جانِ شیریں بہ تمنائے تو دادن غلط است

چوں نہ دانی کہ غمِ عاشقِ زارت باشد
چوں شود خاک براں خاک گذارت باشد

مدتے ہست کہ مے دانم و تدبیرے نیست
از غمت سر بگریبانم و تدبیرے نیست
از برائے تو پریشانم و تدبیرے نیست

ہمچو زلفِ تو پریشانم و تدبیرے نیست
چوں دلِ رفتہ ز دامانم و تدبیرے نیست
چہ تواں کرد کہ حیرانم و تدبیرے نیست

شرحِ درماندگیِ خود بہ کہ تقریر کنم
عاجزم، چارۂ من نیست، چہ تدبیر کنم

نخلِ تو خیز گلستانِ جہاں بسیار است
بالبِ ہمچو شکر تنگ دہاں بسیار است
جانِ من ہمچو تو غارتگرِ جاں بسیار است

گلِ ایں باغ و چمن سرو رواں بسیار است
ترکِ زریں کمر و موئے میاں بسیار است
نہ کہ غیر از تو جواں نیست، جواں بسیار است

دیگرے ایں ہمہ آزار بہ عاشق نہ کند
قصدِ آزردنِ یارانِ موافق نہ کند

مدتے شد که در آزارم و می دانی تو — به کمند تو گرفتارم و می دانی تو
از غم عشق تو بیمارم و می دانی تو — خونِ دل از مژه می بارم و می دانی تو
از برائے تو چنیں زارم و می دانی تو — چه توان کرد در آزارم و می دانی تو

تا به کے از ستم و جورِ تو دل خوں باشم
از مژه خونِ جگر ریزم و محزوں باشم

مکن آں طور که شرمنده شوم از خویت — نکنم بار دگر یاد قصدِ دل جویت
دیده پوشم ز تماشائے رخِ نیکویت — سخنے گویم و شرمنده شوم از رویت
دست بر دل نهم و پائے کشم از کویت — گوشه گیرم و من بعد نیایم سویت

بشنو پند، مکن قصدِ دل آزردهٔ خویش
ورنه بسیار پشیماں شوی از کردهٔ خویش

چند صبح آیم و از خاکِ درت شام روم — از سرِ راهِ تو چوں خاک بناکام روم
به سرِ راه تو آیم، نه شوی رام، روم — صد دعا گویم و آزرده به دشنام روم
دور رو در رهِ توسنِ تیره سرانجام روم — نبود زهره که همراه تو یک گام روم

کس چرا ایں همه سنگیں دل و بدخو باشد
جانِ من ایں روشے نیست که نیکو باشد

از چه با من نه شوی یار، چه می پرهیزی؟ — یار شو با منِ بیمار، چه می پرهیزی؟
حرف زن اے بتِ خونخوار، چه می پرهیزی؟ — کیست مانع زمنِ زار، چه می پرهیزی؟
ز حدیثے کنی اظهار، چه می پرهیزی؟ — بر کشا لعلِ شکر بار، چه می پرهیزی؟

گر ترا الفت که با من ز وفا حرف مزن؟
جیں برابرو زدن و یک بار با حرف مزن

دردِ من کشتهٔ شمشیرِ بلا می داند — سوزِ من سوختهٔ داغِ جفا می داند

پاک بازم ہمہ کس طورِ مرا می داند
سکنم ساکنِ صحرائے فنا می داند
عاشقے ہمچو منت نیست خدا می داند
ہمہ کس حالِ من بے سر و پا می داند

چارۂ من کن و مگذار کہ بے چارہ شوم
سر خود گیرم و از کوئے تو آوارہ شوم

از سرِ کوئے تو با دیدۂ تر خواہم رفت
تا نظر می کنی از پیشِ نظر خواہم رفت
گر نہ رفتم ز درت شام و سحر خواہم رفت
چہرہ آلودہ بخوں ناب جگر خواہم رفت
نگر این بار چو ہر بار دگر خواہم رفت
وے باز آمدنم نیست، اگر خواہم رفت

از جفائے تو من زار برفتم رفتم
لطف کن لطف کہ ایں بار برفتم رفتم

ختم شد کلیاتِ نظیر اکبرآبادی

خاتمۃ الطبع

قارئین کو یاد ہوگا کہ کلیات نظیر کا دسواں ایڈیشن فروری ۱۹۲۷ء میں معمولی بادامی کاغذ پر چھپکر شائع ہوا تھا اور حجم و سائز بھی پیش نظر ایڈیشن کے مقابلہ پر تقریباً آدھا یعنی ۲۲×۱۸/۸ سائز کے صرف ۴۲۸ صفحوں پر مشتمل تھا اور لطف یہ کہ ایک عرصہ سے وہ بھی اب کہیں نہیں مل رہا تھا اور ہم طے کر چکے تھے کہ اب جب بھی وطن کے اس جلیل القدر شاعر کا دیوان شائع کیا جائے تو کوشش کر کے وہ تمام کلام جو متفرق طور پر ادھر ادھر بکھرا ہوا ہے اور اب تک کہیں اکٹھا نہیں ہو سکا ہے اسمیں شامل کر دیا جائے اور ترتیب طباعت وغیرہ بھی ایسے معیار پر کرائی جائے کہ بازار میں آجانے پر دور حاضر کی ایک اعلیٰ کتاب اور نمونے کا لٹریچر قرار دیا جا سکے چنانچہ اسی نقطہ نظر کے ماتحت جمع و ترتیب کا کام چھیڑ بھی دیا گیا مگر بدقسمتی سے قدم قدم پر مسلسل کچھ ایسے حوادث پیش آتے رہے کہ آج ہم اسے اپنے حلقۂ اشاعت میں پیش کرتے ہوئے بھی انتہائی شرم و ندامت محسوس کر رہے ہیں پھر بھی ہمیں یقین ہے کہ ملک کے مشہور ادیب و انشا پرداز حضرت مولنا عبدالمومن صاحب فاروقی فاضل علوم مشرقیات نے اسکے شروع میں نظیر اور کلام نظیر پر جو ایک سیر حاصل اور گرانقدر تبصرہ فرما دیا ہے اس سے بہت سی کوتاہیوں کی بڑی حد تک تلافی ہو جائیگی بہر حال موجودہ کلیات نظیر جس حیثیت اور جس انداز میں بھی ہو سکا ہے اپنے شائقین کی خدمت میں حاضر ہے اور قوی توقع ہے کہ تیج کمار بکڈپو کے مالک منشی نولکشور صاحب بہادر کے پرپوتے عالیجناب کنور تیجکمار صاحب بہادر جو وارث مطبع و کتب خانہ نولکشور لکھنؤ و کانپور کے تابناک و زریں دور عمل میں اب ہمیشہ بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ لٹریچر پیش ہوتا رہے گا۔

فقط

منجانب منیجر تیجکمار لمیٹڈ پو پوسٹ بکس ۸۵ لکھنؤ